فضائلِ درود و سلام

تحفۂ درود شریف

اللّٰھم
صلِّ علیٰ محمّدٍ و علیٰ آلِ محمّدٍ
کما صلّیت علیٰ ابراہیم و علیٰ آلِ ابراہیم
انّک حمیدٌ مّجید





مُصنّف
شیخ ابن سلامہ القضاعی

ترجمہ
مفتی محمد وسیم اکرم القادری ایم اے، ایم فل
شعبہ اسلامیات سپیریئر گروپ آف کالجز سمبڑیال، سیالکوٹ

تحفة الصلوة والسلام علیٰ النبی المختار

فضائلِ درود وسلام

تحفۂ فضائل درود شریف

درود شریف کی اہمیت وفضیلت، صلوۃ وسلام کے معانی، اس کا حکم، درود وسلام کا ثواب، فضائل وثمرات اور آدابِ درود، اقسامِ درود، آیت درود کی تشریح، احادیث میں واردالفاظِ درود کی تشریح، اخلاق نبوی، راوی صحابہ کے حالات زندگی اوران کی درود شریف کے متعلق روایات، امہات المومنین کے حالات زندگی، جن مقامات پر درود پڑھنا ضروری ہے، جن مقامات پر درود نہیں پڑھنا چاہئے، درود شریف کے وجوب اور عدم وجوب کے دلائل، تشہد میں درود کے لازم ہونے کا بیان، سیدنا ابراہیم اور آل ابراہیم کے مثل درود کی وجہ، درود نہ پڑھنے کا وبال، درود شریف کے مختلف الفاظ، درود شریف کے وسیلہ سے دعا، نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل کے علاوہ پر صلوۃ میں اختلاف اوراس جیسے بے شمار موضوعات پر مشتمل کتاب ''تحفة الصلوة والسلام علیٰ النبی المختار'' کا اردو ترجمہ

مصنف

شیخ ابن سلامہ القضاعی

ترجمہ وترتیب

مفتی محمد وسیم اکرمُ القادری (ایم فل)

(ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ (اسلامیات) سپیریئر کالج سمبڑیال)

مُشتاق بُک کارنر

الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

ھماری کتابیں، معیاری کتابیں
خوبصورت اور کم قیمت کتابیں

ناشر: مشتاق احمد

اہتمام: سلمان منیر

نام کتاب — تحفۂ فضائل درود شریف
تحفة الصلوة والسلام علیٰ النبی المختار

مصنف — شیخ ابن سلامہ القضاعی

ترجمہ وترتیب — مفتی محمد وسیم اکرمؔ القادری

اشاعت — 2014ء

مطبع — ناصر شہزاد پرنٹرز، لاہور

کمپوزنگ — گُل گرافکس

قیمت — روپے

استدعا

انسانی طاقت اور بساط میں جو کچھ ہے اس کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ادارہ نے ہرممکن کوشش کی ہے کہ نسخہ ہذا میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ رہ جائے پھر بھی انسان خطا کا پتلا ہے اگر دوران طباعت کوئی زیر۔ زبر۔ نقطہ۔ شد یا مَد ٹوٹ جائے تو اسے غلطی نہیں کہتے۔ کثیر تعداد میں چھپنے والی مطبوعات میں باوجود ہر امکانی کوشش کے ایسی خفیف نادانستہ لغزش قابل گرفت نہیں ہوتی بلکہ قابل معافی ہوتی ہے۔ کوئی مسلمان جان بوجھ کر دیدہ دانستہ تو طباعت میں ذرا سی غفلت بھی نہیں کر سکتا۔ پھر بھی آپ سے استدعا ہے کہ اگر اس کتاب کو پڑھنے کے دوران اس قسم کی کسی غلطی کا شبہ ہو تو ہمیں مطلع فرما کر مشکور فرمائیے۔ اِن شاءاللہ آئندہ طباعت میں درست کردی جائے گی۔ ادارہ

انتساب

محترم المقام، حضرت علامہ، صوفی باصفاء

حافظ محمد صابر علی صاحب

(خطیب اعظم بھوپالوالہ)

کتاب ہذا اور راقم کی دیگر کتب کے ناشر، مشتاق بک کارنر لاہور کے مالک

محترم جناب

مشاق احمد صاحب

اور

یونیک ایفیشنسی ہائی سکول سمبڑیال اور سپیریئر کالج سمبڑیال کے ڈریکٹر

محترم جناب استاذ الاساتذہ

سر محمد سعید تبسم

کے نام

جن کی صحبت سے راقم نے بہت کچھ سیکھا۔

از

محمد وسیم اکرم القادری

(ہیڈ آف ڈیپاٹمنٹ: سپیریئر کالج سمبڑیال)

Email:qmwaseem@gmail.com

فہرست عنوانات

☆☆☆☆

ابتدائیہ

(از مرتب: مفتی محمد وسیم اکرمؔ القادری)

نحمده و نصلی و نسلم علیٰ رسوله الکریم الامین و علیٰ اله الطیبین الطاهرین و علیٰ اصحابه الصدیقین الصالحین و اتباعیه اجمعین الی یوم الدین امابعد!

فاعوذبالله من الشیطن الرجیم

بسم الله الرحمن الرحیم

صلوة و سلام علیک یارسول الله

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرمایا!

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝" (القرآن الحجید، پارہ 22، سورۃ نمبر 33 (الاحزاب)، آیت نمبر 56)

"بیشک اللہ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔" (کنز الایمان، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

علمائے نفسیات نے ایک قاعدہ ذکر کیا ہے کہ جب کسی انسان کو کسی کام کی طرف رغبت دلانی مقصود و مطلوب ہوتی ہے تو اس امر اور کام کے منافع اور فوائد بیان کئے جاتے ہیں اور اسکی عظمت کو واضح کیا جاتا ہے تاکہ لوگ منافع کی تحریص اور فوائد کے حصول کی خاطر اس کام کی طرف خوب راغب ہوں۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اس امر اور کام کے کرنے والی عظیم ہستیوں اور شخصیتوں کا اعلیٰ نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ لوگ ان اعلیٰ شخصیات کے اعلیٰ نمونہ کو دیکھ کر انکی تقلید و پیروی کرنے لگیں۔

یہ دوسرا قاعدہ پہلے سے زیادہ اعلیٰ، بہتر، مفید اور نتیجہ خیز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کی اتنی فضیلت ہے کہ خالقِ دوجہاں اپنا (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور اپنے فرشتوں کا فعل بطورِ نمونہ پیش فرماتے ہوئے قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝"

(القرآن الحجید، پارہ 22، سورۃ نمبر 33 (الاحزاب)، آیت نمبر 56)

"بیشک اللہ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانوالے (نبی) پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب

سلام بھیجو۔''

مثال کے طور پر کوئی بادشاہِ وقت اپنے ملک وسلطنت میں ایک کام رائج کرنا چاہتا ہے اور اسکے رواج کو بہت محبوب رکھتا ہے تو اپنی رعایا کو اس کام کے کرنے کا اس طرح حکم دیتا ہے۔

''لوگو! یہ کام میں خود کرتا ہوں اور میرے وزیر، مشیر اور ارکانِ سلطنت بھی یہ کام کرتے ہیں لہذا تم بھی یہ کام کرو۔''

اس اعلان سے غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بڑے ذوق وشوق سے وہ کام کریں۔ اللہ رب العالمین کی رضا تھی کہ مسلمان میرے محبوبِ مکرّم پر درود وسلام کے گجرے نچھاور کیا کریں اس لیے فرمایا:

''مسلمانو! میں بادشاہِ حقیقی ہوں، تمام عیوب سے پاک ہوں، میں خود اور میرے مقرب فرشتے نبی مکریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجتے ہیں لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی میرے محبوب و معظم نبی پر درود وسلام بھیجو۔''

''اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ''

جملہ اسمیہ ہے اور اس سے پہلے کلمہ اِنَّ ہے۔ اِنَّ تب لایا جاتا ہے جب مخاطب منکر یا متردد فی الحکم ہو۔

علماء فرماتے ہیں کہ لفظ اِنَّ استعمال فرمانے کا ایک اور عجیب وغریب نقطہ یہ ہے کہ ''اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ'' میں اِنَّ حکم کے اہتمام کے لئے آیا ہے یعنی نبی کریم پر درود شریف پڑھنا ایسا مہتم بالشان امر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے بھی نبی کریم پر درود شریف بھیجتے ہیں۔

اِنَّ جملہ اسمیہ پر داخل ہے اور اسکی خبر يُصَلُّوْنَ جملہ فعلیہ ہے جو کہ استمرار (ہمیشگی) کا فائدہ دیتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ رب العالمین کی رحمت وعنایت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر روز بروز بڑھتی ہی رہتی ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

'' وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝''

(القرآن الجید، پارہ 30، سورۃ نمبر 93 (الضحیٰ)، آیت نمبر 4-5)

اور یقیناً آپ کی بعد والی ساعت پہلی ساعت سے بہتر ہے اور یقیناً قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ بزرگی اور اعزاز حضرت آدم علیہ السلام کے اس اعزاز واکرام سے اعظم اور بڑھ کر ہے جو کہ انکو سجدۂ ملائکہ عظام سے حاصل ہوا، کیونکہ وہ سجدہ کیا گیا اور بس، لیکن نبی کریم کے لئے یہ اعزاز واکرام ہمیشہ جاری وساری رہے گا کہ آپ کا رب، فرشتے اور آپ کی امت آپ پر ہمیشہ درود وسلام بھیجتی رہے گی۔

درود شریف کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے اور اس کی عظمت اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ'' (بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر) سے واضح ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ درود وسلام پڑھنے کے اور بھی بہت سارے فوائد ہیں۔

فائدہ نمبر 1: اللہ تبارک وتعالیٰ کی فرمانبرداری اور تعمیلِ حکم۔

فائدہ نمبر 2: اللہ عزوجل کے ساتھ درود میں موافقت۔ (چہ جائیکہ ہمارا درود وسلام، دعا اور سوال ہے اور اللہ تعالیٰ کا درود ثناء

وشرف ہے۔)

فائدہ نمبر 3: درود خوانی میں فرشتوں کے ساتھ موافقت۔

فائدہ نمبر 4: ایک بار درود پڑھنے والے پر دس بار رحمت کا نازل ہونا۔

فائدہ نمبر 5: ایک بار درود پڑھنے سے دس گناہوں کا مٹنا۔

فائدہ نمبر 6: درود دعا کی قبولت کا باعث ہے۔

فائدہ نمبر 7: درود خوانی رسول اللہ ﷺ کی شفاعت پانے کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 8: درود شریف گناہوں کی مغفرت کا باعث ہے۔

فائدہ نمبر 9: درود شریف سے بندہ کے رنج وغم دور ہوتے ہیں۔

فائدہ نمبر 10: درود قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے قریب تر ہونے کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 11: تنگ دست کے لیے درود شریف قائم مقام صدقہ ہے۔

فائدہ نمبر 12: قضاءِ حاجات کا وسیلہ ہے۔

فائدہ نمبر 13: اللہ تعالی کی رحمت اور فرشتوں کی دعائے مغفرت کے حصول کا سبب ہے

فائذہ نمبر 14: درود خواں کے لیے درود شریف دل کو پاک کرنے والا ہے۔

فائدہ نمبر 15: برائی سے روکنے اور اچھے کام کی ترغیب دینے والا ہے۔

فائدہ نمبر 16: موت سے پہلے بندہ کو جنت کی بشارت مل جانے کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 17: قیامت کی ہولنا کیوں سے نجات کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 18: رسول اللہ ﷺ صلوۃ وسلام پڑھنے والے کو جواب عطا فرماتے ہیں۔

فائدہ نمبر 19: بھولی چیز کو یاد دلاتا ہے۔

فائدہ نمبر 20: درود شریف سے مجلس پاکیزہ وپاک ہو جاتی ہے۔

فائدہ نمبر 21: درود شریف پڑھنے سے بندہ رسول اللہ ﷺ کی بددعا سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 22: درود شریف سے فقر وتنگدستی دور ہوتی ہے۔

فائدہ نمبر 23: درود شریف کی بدولت بخیلی کی عادت انسان سے دور ہو جاتی ہے اور وہ بہت سارے جرائم سے محفوظ رہتا ہے۔

فائدہ نمبر 24: درود شریف درود خواں کو جنت کے راستے پر چلاتا ہے۔

فائدہ نمبر 25: درود شریف پڑھنے والا جنت کا راستہ نہیں بھولے گا۔

فائدہ نمبر 26: جس مجلس میں درود شریف پڑھا جائے وہ قہرِ خداوندی سے محفوظ رہتی ہے

فائدہ نمبر 27: اگر کوئی کام درود پڑھ کر شروع کیا گیا تو یہ اسکے مکمل ہونے کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 28: درود شریف بندہ کے لیے پلِ صراط پر روشن نور ہوگا۔

فائدہ نمبر 29: درود خواں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

فائدہ نمبر 30: درود شریف زیارتِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 31: جو کثرت سے درود پڑھتا ہے رسول اللہ ﷺ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے

فائدہ نمبر 32: درود خوانی پلِ صراط پر ثابت قدم رہنے کا سبب ہے۔

یہ تمام فوائد احادیث میں مرقوم ہیں۔ ان احادیث میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

''حَدَّثَنَا یَحیَ بنِ اَیُّوبَ وَقُتَیبَۃُ وَابنُ حَجَرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا اِسمٰعِیلُ وَھُوَ ابنُ جَعفَرٍ عَنِ العَلَاءِ عَن اَبِیہِ عَن اَبِی ھُرَیرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ا مَن صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ عَشرًا''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود (رحمت) بھیجتا ہے۔''

درود پاک کی کیا ہی فضیلت ہے کہ جو ایک بار پڑھتا ہے تو اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں کا دس بار نزول ہوتا ہے ۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تو ایک ہی درود پاک اور ایک ہی رحمت دنیا جہاں کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ ایک بار درود پڑھنے سے دس بار رحمتیں نازل ہوں۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جن کا وظیفہ لاکھوں بار درود شریف پڑھنا ہے۔

ایک اور حدیث مبارک میں ہے:

''رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ مَن صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ بِھَا عَشرًا وَّکَتَبَ لَہٗ بِھَا عَشرَ حَسَنَاتٍ''

رسول اللہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود (رحمت) بھیجتا ہے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے۔'' (لکھنے کا حکم ارشاد فرماتا ہے۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''مَن صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَمَلَآئِکَتُہٗ سَبعِینَ صَلٰوۃً''

''جو شخص نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے اس آدمی پر ستر مرتبہ درود (رحمت) بھیجتے ہیں۔''

اس حدیثِ مبارک میں ایک بار درود پڑھنے کے بدلے میں ستر بار اللہ تعالیٰ کا رحمت بھیجنا آیا ہے اور سابقہ روایات میں دس مرتبہ کا لفظ آیا ہے۔ اسکے متعلق بعض علماء نے ارشاد فرمایا ہے کہ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعامات واحسانات امتِ مسلمہ پر روز بروز افزوں رہتے ہیں اس لیے جن روایتوں میں ثواب کی زیادتی ہے وہ بعد کی ہیں یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے دس کا وعدہ فرمایا ہے اور پھر ستر کا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ کمیِ ثواب اور زیادتیِ ثواب اشخاص اور احوال کے اعتبار سے ہے یعنی جس قدر محبت واخلاص سے درود پڑھا جائے ثواب زیادہ ہوگا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ستر مرتبہ والی روایات جمعہ کے دن کے ساتھ خاص ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ نیکیوں کا ثواب جمعہ کے روز ستر گنا ہوتا ہے اور اسی لیے حجِ اکبر ستر حجوں کے برابر ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوٰاتٍ وَحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرَ خَطِیْئَاتٍ وَّرُفِعَتْ لَہٗ عَشْرَ دَرَجَاتٍ“

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود (رحمت) بھیجتا ہے، اسکی دس خطائیں مٹادی جاتی ہیں اور دس درجے بلند کیے جاتے ہیں۔“

اس حدیث پاک میں دس رحمتوں کے نزول کے علاوہ یہ خوشخبری بھی سنائی گئی ہے کہ ایک بار درود پڑھنے سے دس گناہ معاف کیے جاتے ہیں اور دس درجے بلند کئے جاتے ہیں۔

درود شریف کی بڑی ہی فضیلت ہے، چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک دن ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ کے ایک راستہ پر موجود تھے کہ ہم نے ایک اعرابی کو دیکھا کہ اونٹ کی مہار پکڑ کر آرہا ہے، وہ نبی کریم کی بارگاہ میں آکر کھڑا ہو گیا اور ہم اس کے گرد جمع ہو گئے اس نے عرض کیا:

”اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ“

حضور ﷺ نے اسکے سلام کا جواب دیا اور فرمایا!

”تو نے صبح کیسے کی؟“

اس پر اسکا اونٹ بلبلایا اور ایک آدمی آیا بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اونٹ کا نگہبان ہے۔ اس نے آتے ہی کہا!

یارسول اللہ! اس اعرابی نے اونٹ چوری کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کی گواہی سن کر چوری کی سزا کے طور پر اس اعرابی کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ اس پر اونٹ کچھ دیر تک بلبلاتا رہا حضور نے اس اونٹ کو خاموش کر دیا۔ جب اونٹ خاموش ہوا تو حضور نے اس الزام لگانے والے سے فرمایا!

اونٹ نے گواہی دی ہے کہ تو جھوٹا ہے۔

وہ آدمی اپنے دعوے سے دست بردار ہو گیا اور حضور ﷺ اس اعرابی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا!

”جب تو میرے پاس آیا تو تو نے اپنی زبان سے کیا کہا۔؟“

اس نے عرض کیا!

”میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں، میں نے کہا!

”اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی صَلٰوۃٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی بَرَکَۃٌ اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی سَلَامٌ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی رَحْمَۃٌ“

(اے اللہ! محمد ﷺ پر درود بھیج یہاں تک کہ درود باقی نہ رہے، اے اللہ! محمد ﷺ پر برکت فرما یہاں تک کہ برکت باقی نہ رہے، اے اللہ! محمد ﷺ پر سلام فرما یہاں تک کہ سلام باقی نہ رہے، اے اللہ! محمد ﷺ پر رحم فرما یہاں تک کہ رحمت باقی نہ رہے)“

یہ سن کر حضور نے فرمایا:

یہی وجہ ہے کہ اونٹ نے تیری برأت کی گواہی دی ہے اور ملائکہ نے آسمان کے کناروں کو بھر دیا۔ (یعنی ملائکہ کی کثیر تعداد یہ درود پڑھنے کی وجہ سے تیری زیارت کر رہی ہے)

درود شریف کفار سیئات بھی ہے، یعنی اس کے پڑھنے سے گناہ ڈھل جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

(("مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃَ الْعَصْرِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَقَالَ قَبْلَ اَنْ یَّقُوْمَ مِنْ مَّکَانِھَا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا ثَمَانِیْنَ مَرَّۃً غُفِرَتْ لَہٗ ذُنُوْبُ ثَمَانِیْنَ عَامًا وَّکُتِبَ لَہٗ عِبَادَۃُ ثَمَانِیْنَ سَنَۃً"))

جس نے جمعہ کے دن نمازِ عصر پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے ہوئے اسی مرتبہ یہ درود پاک پڑھا: "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا" تو اس کے اسی سال کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اسکے نامہ اعمال میں اسی سال کی عبادت کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔ (امام غزالی وسیوطی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ درود شریف کی بہت زیادہ برکات ہیں اور حضور ﷺ نے بہت سارے درود شریف ذکر کر کے انکے فضائل بتائے ہیں جن تعداد کثیر ہے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس نے یہ درود پڑھا: "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَعَلٰی جَسَدِہٖ فِی الْاَجْسَادِ وَعَلٰی قَبْرِہٖ فِی الْقُبُوْرِ" وہ مجھے خواب میں دیکھے گا اور جس نے خواب میں میرا دیدار کیا وہ مجھے قیامت کے دن بھی دیکھے گا اور جو مجھے قیامت کے دن دیکھے گا میں اسکی شفاعت کروں گا اور جس کی میں شفاعت کرونگا وہ میرے حوض سے سیراب ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسکے جسم کو جہنم پر حرام کر دیگا۔"

درود وسلام رسول اللہ ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں پیش کیا جاتا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ اس کو ہماری طرف سے قبول فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اکثروا الصلوٰۃ علی نبیکم کل یوم جمعۃ فانی اشھدھا منکم فی کل جمعۃ"

"تم جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود وسلام پیش کیا کرو کیونکہ بروز جمعہ وہ (تمہارا درود وسلام خصوصی طور) مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔" (مشہور کتب درود)

جو کوئی بھی اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھتا ہے تو فرشتہ بارگاہ آقا میں اس کا نام پکار کر کہتا ہے:

"اے مصطفیٰ کریم! آپ کے فلاں امتی نے فلاں جگہ بیٹھ کر آپ پر درود وسلام پڑھا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بیشک اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا فرمایا ہے جس کو تمام مخلوق کی آواز سننے کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ وہ فرشتہ میرے روضۂ انور پر قیامت کے دن تک کھڑا ہے۔ میری امت کا کوئی شخص جب مجھ پر درود وسلام پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ اس شخص اور اس کے والد کا نام لے کر کہتا ہے کہ اے محمد! فلاں بن فلاں نے آپ پر درود پڑھا ہے۔"

کتنی شان ہے اس مسلمان کی جس کا نام بارگاہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم میں لیا جاتا ہے۔

اللہ رب العزت درود و سلام پڑھنے والے کے تمام گناہ معاف فرما کر اس کی بخشش فرما دیتا ہے اور اسے غلام آزاد کرنے سے بھی زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

(("الصلوۃ علی النبی امحق للذنوب من الماء البارد للنار و السلام علیہ افضل من عتق الرقاب"))

''مجھ پر درود پڑھنا گناہوں کو اس طرح ختم کرتا ہے جس طرح ٹھنڈا پانی آگ کو ختم کر دیتا ہے اور مجھ پر سلام پڑھنا ایک غلام کو آزاد کرنے سے زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔''

جو مومن اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ پر درود و سلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کسی کا محتاج نہیں کرتا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((''من صلی علی یوم خمس مائۃ مرۃ لم یفتقر ابداً''))

''جو شخص روزانہ مجھ پر پانچ سو مرتبہ درود پڑھے وہ کبھی بھی محتاج نہیں ہوگا۔''

جو مسلمان میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے حاجتیں پوری کرتا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان للّٰہ تعالیٰ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغوننی عن امتی السلام فاذا صلی احد علی من امتی فی الیوم مائۃ مرۃ قضیٰ اللہ مائۃ حاجۃ سبعین منہا فی الاخرۃ و ثلاثین فی الدنیا))

''بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین میں سیر کرنے والے فرشتوں کی ایک جماعت بنائی ہے جن کا کام یہ ہے کہ وہ میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے ہیں۔ جب میرے غلاموں میں سے کوئی شخص دن میں مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرماتا ہے۔ جن میں سے ستر حاجتیں آخرت میں اور تیس حاجتیں دنیا میں پوری ہوں گی۔''

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جو شے تیری نگاہ سے گزرے درود پڑھ
ہر جز و کل ہے مظہرِ انوارِ مصطفیٰ ﷺ

جو شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں کی ڈیوٹی لگا دیتا ہے کہ وہ میرے نبی ﷺ پر درود و سلام پڑھنے والوں پر سلام بھیجتے رہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"من صلی علی تعظیما جعل اللہ تعالیٰ من تلک الکلمۃ ملکا لہ جناحان جناح بالمشرق و جناح بالمغرب و رجلاہ تحت الارض و عنقہ ملتویۃ تحت العرش

یقول الله تعالیٰ له صل صل علی عبدی کماصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم فیصلی علیه الی یوم القیامة''

''جو شخص مجھ پر میری عظمت کے پیش نظر درود پڑھے تو اللہ تعالیٰ ان کلمات کی برکات سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے ۔اس فرشتے کے دو پَر ہوتے ہیں،ایک مشرق میں،دوسرا مغرب میں ،اس کے دونوں پاؤں زمین کے نیچے اوراس کی گردن عرش کے ساتھ ٹکرا رہی ہوتی ہے ۔اللہ تعالیٰ اس فرشتے سے فرماتا ہے کہ ''تو اس شخص پر سلام ورحمت کی دعا کر جس طرح اس نے میرے نبی پر درود وسلام پڑھا ہے۔''

پھر وہ فرشتہ قیامت تک اس آدمی کے لیے بخشش اور رحمت کی دعا مانگتا رہتا ہے۔''

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((''من صلی علی فی کل جمعة مائة مرة غفر الله ذنوبه ولو کانت مثل زبد البحر''))

''جو مومن ہر جمعہ کے دن مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو کوئی بھی امتی حضور نبی کریم پر درود وسلام پڑھتا ہے وہ جنت کے حسین ترین درختوں کا پھل کھائے گا۔چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیشک جنت میں ''حواب'' نامی ایک درخت ہے،جس پر سیب سے بڑے،انار سے چھوٹے،شہد سے زیادہ میٹھے،دودھ سے زیادہ سفید اور مکھن سے زیادہ نرم پھل لگے ہوئے ہیں۔''

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا!

یارسول اللہ! ان پھلوں کو کون کھائے گا۔؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''من سمع اسمی فصلی علی فهویا کلها''

''جس مسلمان نے میرا نام سنا اور پھر مجھ پر درود پڑھا تو وہ اس درخت کے پھل کھائے گا۔''

جو شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود وسلام پڑھتا ہے وہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ نزدیک ہوگا۔چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

((''ان اولیٰ الناس بی یوم القیامة اکثرهم علی صلوٰة''))

''بیشک قیامت کے دن لوگوں میں سے میرے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر بکثرت درود پڑھے۔''

جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے،اگرچہ اس کے گناہ بے شمار ہی کیوں نہ ہوں۔چنانچہ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''من صلی علی یوم الجمعة ثمانین مرة غفرت له ذنوب ثمانین سنة''

''جس نے مجھ پر جمعہ کے دن اسی مرتبہ درود پڑھا اس کے اسی سال کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔''

جس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے وہ بڑی متبرک ہوتی ہے اور اس مجلس سے اٹھنے والی خوشبو دار ہوا آسمان پر بھی پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

((مامن مجلس یصلی فیه علی محمد ﷺ الا قامت منه رائحة طیبة حتیٰ تبلغ عنان السماء فتقول الملائکة هذه رائحة مجلس صلی فیه علیٰ محمد ﷺ))

''جس مجلس میں مجھ (محمد ﷺ) پر درود پڑھا جائے تو اس مجلس سے ایک پاکیزہ قسم کی ہوا چلتی ہے جو آسمان کی بلندیوں تک پہنچتی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ یہ اس مجلس کی پاکیزہ ہوا ہے جس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھا گیا۔''

جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھے تو فرشتے تا قیامت اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان اللہ تعالیٰ خلق بحرا من نور تحت العرش ثم خلق ملکا له جناحان احدهما بالمشرق والاخر بالمغرب وراسه تحت العرش ورجلاه تحت الارض السابعة فاذا صلی العبد علی فی شهر شعبان امر اللہ تعالیٰ ذلك الملك ان یغمس فی ماء الحیاة فیغمس ذلك الملك ثم یخرج منه فینفض جناحیه فیقطر من کل ریشة قطرات فیخلق اللہ تعالیٰ من کل قطرة ملکا یستغفر له الی یوم القیامة''

''بیشک اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک نور کا سمندر پیدا فرمایا۔ پھر دو بازوؤں والا فرشتہ تخلیق فرمایا۔ اس فرشتہ کا ایک بازو مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہے۔ اس کا سر عرش کے نیچے اور دونوں پاؤں ساتویں زمین سے بھی نیچے ہیں۔ جب کوئی مسلمان شعبان المعظم کے مہینے میں مجھ (محمد ﷺ) پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ وہ ماء حیات میں غوطہ لگائے۔ وہ فرشتہ اس سمندر میں غوطہ لگاتا ہے پھر جب باہر نکلتا ہے تو اپنے بازوؤں کو جھاڑتا ہے تو اس کے ہر ایک پر سے قطرات ٹپکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے یہ سب فرشتے قیامت کے دن تک اس درود پڑھنے والے مسلمان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔''

جو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھتا ہے فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور جس کے لیے فرشتے دعا مانگیں یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرما دیتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے:

''اے محمد! جو شخص آپ پر صلوۃ وسلام پڑھتا ہے ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور جس کے لیے فرشتے استغفار کریں وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔''

جو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھتا ہے فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں، جبرائیل علیہ السلام اسے پل صراط سے سلامتی کے ساتھ گزاریں گے، اسرافیل علیہ السلام اسے حوضِ کوثر سے جام پلائیں گے، میکائیل

علیہ السلام اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں گے اور عزرائیل علیہ السلام اس کو تکلیف دیئے بغیر اس کی روح کو نکالیں گے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے پاس حضرت جبرائیل، اسرافیل، عزرائیل اور میکائیل علیہم السلام آئے۔ پس جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا!

یارسول اللہ! جو شخص آپ پر دس مرتبہ درود شریف پڑھے گا میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پل صراط سے گزار دوں گا۔

میکائیل علیہ السلام نے عرض کیا:

یارسول اللہ! جس نے آپ پر دس مرتبہ درود شریف پڑھا میں اسے آپ کے حوض سے پانی پلاؤں گا۔

اسرافیل علیہ السلام نے عرض کیا!

یارسول اللہ! جس نے آپ پر دس مرتبہ درود پڑھا تو میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کروں گا اور میں اس وقت تک سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک اللہ تعالیٰ اسے بخش نہ دے گا۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! جس نے آپ پر دس مرتبہ درود پڑھا میں اس کی روح کو ایسے قبض کروں گا جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ کو قبض کرتا ہوں۔"

جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تمام مشکلیں آسان فرمادیتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن وہ شخص اپنی مصیبتوں سے جلدی نجات پانے والا ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھے گا۔

جو مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھتا ہے اس کی دعا جلد قبول ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر دعا اور آسمان کے درمیان ایک حجاب اور پردہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ مجھ پر درود پڑھا جائے پس جب مجھ پر درود پڑھا جاتا ہے تو وہ پردہ ہٹ جاتا ہے اور دعا آسمانوں میں داخل ہو جاتی ہے اور اگر درود نہ پڑھا جائے تو دعا لوٹا دی جاتی ہے۔"

جو مسلمان صبح اور شام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دس مرتبہ درود وسلام پڑھتا ہے وہ قیامت کے دن رنج والم سے محفوظ ہوگا اور اسے انبیاء واصدقاء کا ساتھ نصیب ہوگا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

جس شخص نے صبح اور شام کو دس دس مرتبہ مجھ پر درود پڑھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو بہت بڑے رنج سے محفوظ رکھے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگ انبیاء اور اصدقاء کے ساتھ ہوگا۔

جو مسلمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر انعامات کی بارش فرمادیتا ہے، فرشتے اس کے لیے دعائے بخشش مانگتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اس کی شفاعت فرمائیں گے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب کوئی مومن مجھ پر درود پڑھتا ہے تو ملک الموت اس درود کو لے کر اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ میری قبرِ انور تک اسے پہنچاتا ہے پھر وہ فرشتہ مجھ سے کہتا ہے:

اے محمد! بے شک آپ کی امت میں سے فلاں شخص نے آپ پر درود پڑھا ہے۔

میں اس فرشتے سے کہتا ہوں:

''میری طرف سے اس درود پڑھنے والے شخص پر دس رحمتیں پہنچادو اور اسے جا کر کہو کہ تیرے لیے تیرے نبی شفاعت حلال ہوگئی۔''

پھر وہ فرشتہ اوپر کی طرف چڑھنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ وہ عرش تک پہنچ جاتا ہے۔ پس وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب! بیشک فلاں بن فلاں نے تیرے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میری طرف سے اس تک دس رحمتیں پہنچادو۔

پھر اللہ تعالیٰ درود کے ہر حرف سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ اس فرشتے کے تین سو ساٹھ سر ہوتے ہیں اور ہر ایک سر میں تین سو ساٹھ چہرے اور ہر ایک چہرے میں تین سو ساٹھ منہ اور ہر ایک منہ میں تین سو ساٹھ زبانیں ہوتی ہیں۔ وہ فرشتہ ہر ایک زبان کے ساتھ کلام کرتا ہے اور تین سو ساٹھ طرح طریقے سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے اور قیامت تک اس کا ثواب اس آدمی کے نامہ اعمال میں لکھ دیتا ہے جس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا احادیث میں سے بعض احادیث صحیح، حسن اور بعض ضعیف ہیں۔ علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ فضائل میں ضعیف احادیث قابل قبول ہیں۔

کتاب ہذا شیخ ابن سلامہ القضاعی کی تحریر ہے، درود شریف کے موضوع پر بہترین اور منفرد کتاب ہے۔ شیخ کی ایک اور کتاب بڑی مشہور ہے، جس کا موضوع درود شریف ہی ہے، اس کا نام ہے: ''الصلوۃ النبویہ'' راقم اس کا ترجمہ کرنے کی نیت رکھتا ہے۔

2014 بمطابق 1435 کے ابتدائی مہینوں مشتاق بن کارنر کے مالک محترم جناب مشتاق احمد بٹ صاحب اور سلمان بٹ صاحب سے اتوار کے دن صبح کے وقت دکان پر ملاقات کا موقع ملا۔ (ان کی نوازش کے وہ اتوار کے دن میری ملاقات کے لیے دکان پر تشریف لائے، حالانکہ سارا اردو بازار اس دن بند تھا) محفل خوب جمی! مشتاق صاحب سے مختلف موضوعات اور کتب پر گفتگو ہوئی۔ دوران گفتگو درود شریف کا موضوع سامنے آیا۔ چنانچہ آیات واحادیث اور واقعات سننے سنانے میں آئے۔

راقم نے اسی دوران بتایا کہ میرے پاس علامہ ابن سلامہ القضاعی کی کتاب تحفۃ الصلوۃ والسلام علی النبی المختار ہے اور اس میں یہ یہ احادیث اور یہ یہ موضوعات موجود ہیں، جو دوسری کتب میں دیکھنے کو نہیں ملتے۔ اور میں نے اس کے کچھ حصے کا ترجمہ کر رکھا ہے۔ جناب مشتاق صاحب اور سلمان صاحب نے کہا کہ پھر دیر کس بات کی؟ سب کام چھوڑ کر اسے مکمل کریں، ادارہ مشتاق بک کارنر اسے منفرد انداز میں ''تحفہ درود شریف'' کے نام سے شائع کرے گا۔ (کیونکہ یہ اس ترجمہ کی تکمیل کے محرک ہوئے اس لیے انتساب بھی انہیں کے نام کیا گیا ہے۔)

بس پھر کیا تھا کہ دن رات ایک کر کے کتاب کے بقیہ حصہ کا ترجمہ مکمل کیا اور اسے جدید ترتیب دی۔ تکمیل کے بعد اب راقم ابتدائیہ لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ وللہ الحمد۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سعی جمیلہ کو میرے لیے دلیل بنائے، میرے خلاف دلیل نہ بنانے، میرے اہل خانہ کی حفاظت فرمائے، انہیں دین کی سمجھ اور اس کے مطابق عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ میرے بیٹے محمد (جس کا نام میں نے رسول اللہ ﷺ کے نام پر رکھا ہے) کو دین کے لیے قبول فرمائے، اسے علم دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور دین اسلام کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ میرے والدین کو تا دیر سلامتی عطا فرمائے اور راقم کو پابند شریعت بنائے، گناہوں سے محفوظ فرمائے اور توبہ کی توفیق عطا فرماتا رہے۔

آمین ثم آمین بجاه طٰه ویٰسین او آخر دعوان ان الحمد الله رب العالمین



ابتدائیہ

(از مصنف)

بسم الله الذی لا یضر مع اسمه شیء فی الارض ولا فی السماء وهو السمیع العلیم والصلوة والسلام علیٰ من لا نبی بعده وعلیٰ اله وصحبه وبارك وسلم تسلیماً کثیراً دائماً

اما بعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں درود شریف کے متعلق ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً"

(القرآن الجید، پارہ 22، سورۃ (الاحزاب)، آیت نمبر 56)

"بیشک اللہ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانوالے (نبی) پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔o" (کنز الایمان، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرا جو امتی خلوص دل سے مجھ پر درود بھیجے اللہ اس کے عوض اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔"

اس کو طبرانی نے بھی انہی سے روایت کیا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور البز ار وغیرہ نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کی دس خطائیں مٹائی جاتی ہیں اور اس کے دس مرتبے بلند کر دیئے جاتے ہیں۔"

اس کو نسائی وغیرہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو مجھ پر درود بھیجے اس کا درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے اور میں بھی اس پر درود بھیجتا ہوں، علاوہ ازیں اس کے خزانہ عمل میں دس نیکیاں رکھ دی جاتی ہیں۔"

اس کو طبرانی نے اوسط میں بہتر اسناد کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اب آدمی کو اختیار ہے درود میں کمی کرے یا کثرت کرے۔"

اس کو محمد بن جریر طبری وغیرہ نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ طبری نے اس کی تصحیح کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر سو مرتبہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجے اللہ اور اس کے ملائکہ اس پر ہزار مرتبہ درود بھیجتے ہیں اور جہنم کی آگ اس کے جسم کو نہیں چھوئے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ اس پر دس مرتبہ صلوۃ نازل فرماتا ہے اور اسے ایک فرشتہ لے کر میری خدمت میں پیش کرتا ہے جو اسی کام پر مقرر ہے۔''

اس کو طبرانی نے حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر درود بھیجے' فرشتے انہی الفاظ سے اس پر درود بھیجتے ہیں' اب اس کی مرضی ہے تھوڑا درود بھیجے یا زیادہ۔''

اس کو ابوالیمن ابن عساکر نے حضرت عامر بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور الضیا المقدسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر دس مرتبہ صلوۃ بھیجتے ہیں۔ چاہے تو زیادہ پڑھے اور چاہے تو کم۔''

اس کو ابن ابی عاصم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا' اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے۔''

اس کو مسلم وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' یہی روایت طبرانی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے معمولی لفظی تبدیلی کے ساتھ نقل کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹا دیتا ہے۔''

اس کو ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو دعا مانگی جائے اس کے اور آسمان کے درمیان پردہ ہوتا ہے یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے جب ایسا کیا جائے وہ پردہ چاک ہو جاتا ہے اور دعا داخل ہو جاتی ہے اور جب ایسا نہ کیا جائے دعا لوٹ جاتی ہے۔''

اس کو بیہقی وغیرہ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو اللہ کا بندہ نو ذی الحجہ کو شام کے وقت عرفات میں ٹھہرے۔ پھر سو مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھے اور سورت اخلاص سو مرتبہ پڑھے اور سو مرتبہ یہ پڑھے:

((اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت وبارکت علی ابراھیم وال ابراھیم انك حمید مجید))

پھر سو مرتبہ یہ پڑھے:

((اشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ لہ الملك ولہ الحمد بیدہ الخیر یحیی ویمیت وھو علی کل شیء قدیر))

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی مستحق عبادت نہیں' وہ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں' اسی کی حکومت اور اسی کی تعریف' اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے' وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! میرے اس بندے کی جزاء کیا ہے؟ اس نے میری تسبیح وتہلیل بیان کی، میری ثناء اور میرے نبی پر درود بھیجا۔ میرے فرشتو! گواہ رہنا کہ میں نے اسے بخش دیا اور اس کی شفاعت اس کے حق میں قبول کی اور اگر میرا بندہ مجھ سے یہ سوال کرے کہ میں تمام اہل وقوف (عرفات میں ٹھہرنے والوں) کے حق میں اس کی شفاعت قبول کروں تو میں اس کی شفاعت قبول کروں گا۔''

اس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ ایسا ہی بیہقی نے بھی روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر درود بھیجو۔ بے شک مجھ پر درود بھیجنا تمہارے (گناہوں کے) لئے کفارہ ہے اور زکوۃ (پاکیزگی) ہے۔ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس درود بھیجتا ہے۔''

اس کو ابن ابی عاصم نے الصلوۃ النبویہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر درود پڑھنا تمہارے لئے درجہ ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر درود پڑھنا قیامت کے دن پل صراط کے اندھیرے کے وقت نور ہوگا۔ جو شخص چاہے کہ قیامت کے دن اس کا ناپ پورا پورا ناپا جائے تو اسے مجھ پر بکثرت درود پڑھنا چاہیئے۔''

اس کو صاحب الدرالمنظم نے ذکر کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر درود بھیجنا پل صراط پر نور ہوگا اور جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسی مرتبہ درود بھیجے اس کے اسی سال کے

گناہ (صغیرہ) بخش دیئے جاتے ہیں۔"

اس کو ابن شاہین وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہاری دعا کا محافظ، تمہارے رب کی رضا اور تمہارے اعمال کا تزکیہ ہے۔"

اس کو دیلمی اور اقلیشی وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

پس درود وسلام اسلام کے شعار میں سے ہے، میں نے دیکھا کہ شاید ہی کسی موضوع پر اتنی احادیث ہوں جتنی درود شریف کے متعلق مروی ہیں، اسی طرح شاید ہی کوئی موضوع ایسا ہو جس پر اتنی کتب تصنیف کی گئی ہوں جتنی درود شریف کے متعلق موجود ہیں۔ متقدمین ومتاخرین سب نے اس موضوع سے برکت حاصل کی، علماء وصلحاء نے اسے اپنے وظائف میں شامل کیا۔ پس جب میں نے درود وسلام کے متعلق جب جب بھی احادیث مطالعہ میں آئیں، اپنے آپ کو درود شریف کے موضوع پر لکھنے کا آرزومند پایا اور جب حافظ ابوالیمن بن عساکر کے اشعار پڑھے تو پختہ ارادہ کر لیا کہ میں بھی درود شریف پر کتاب لکھوں گا جس میں متقدمین ومتاخرین علماء وسلف صالحین کے بیان کردہ اکثر مسائل جمع کروں گا۔

جن اشعار سے متاثر ہو کر میں نے یہ کتاب تصنیف کی وہ یہ ہیں:

الا ان الصلوة علی الرسول

شفاء للقلوب من الغلیل

"خبردار! بے شک رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا دلوں کی بیماری سے شفاء ہے۔"

فصل علیه ان الله صلی

علیه ولا تکونن بالبخیل

"پس آپ پر درود بھیج! بے شک اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر درود بھیجتا ہے اور اس میں کنجوسی نہ کر۔!"

وصل علیه قد صلت علیه

ملائكة السماء بجبرئیل

"آپ ﷺ پر درود بھیج! تحقیق آپ ﷺ پر درود آسمان کے فرشتے جبرائیل سمیت بھیجتے ہیں۔"

فاكثر او اقل انت تجزی

بذلك من كثير او قليل

"پس درود زیادہ بھیج یا کم تجھے اسی کم یا زیادہ کے برابر بدلہ دیا جائے گا۔"

فصل علیه تجزی جزاء ضعف

وتجزی مضاعف الاجر الجزیل

"تو نبی کریم ﷺ پر درود بھیجو! تجھے دُگنا اجر ملے گا بلکہ چار گنا سے بھی زیادہ ملے گا۔"

واولی الناس اكثرهم صلوة

علیہ بہ واحریٰ بالقبول

''قیامت کے دن سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کے قریب وہ ہوگا جو سب سے زیادہ آپ پر درود بھیجتا ہوگا۔ وہی شرف قبولیت حاصل کرنے والا ہوگا۔''

وانجاهم من الاهوال عبد

بها لهج بلا قال وقيل

''پس سب سے زیادہ خود و خطر سے بچنے والا وہ بندہ ہے جس کو بغیر کسی کام کے درود بھیجنے کا شوق ہو۔''

الا ان الصلوة عليه نور

لدى الظلمات فى اليوم المهول

''خبردار! رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا روشنی ہے، قیامت کے ہولناک دن کی تاریکی کے وقت۔''

وتثقيل لميزان خفيفة

وتخفيف من الوزر الثقيل

''درود ہلکے ترازو کو نیکیوں سے بھاری کرتا ہے اور گناہوں کے بوجھ کو ہلکا کرتا ہے۔''

اذاصليت صلى الله عشرا

بواحدة عليك على الرسول

''جب تم ایک مرتبہ درود بھیجتے ہو تو اللہ تعالیٰ تم پر دس مرتبہ رحمتیں نازل کرتا ہے۔''

وتخطى بالشفاعة يوم تجفى

ومالك من مقيل اومنيل

''اور تو شفاعت کا لطف اٹھائے گا اس دن جس دن کہ تو دھتکارا جائے گا اور نہ ہوگا تیرے لیے کوئی یا آرام کی جگہ۔''

اللہ تعالیٰ کی توفیق میرے شامل حال رہی اور الحمد للہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ وللہ الحمد!

اس کتاب میں درج ذیل اہم مسائل بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے:

☆ درود شریف کی اہمیت و فضیلت۔
☆ صلوۃ وسلام کے معانی اور اس کا حکم۔
☆ درود و سلام کا ثواب۔
☆ آداب درود۔
☆ اقسام درود۔
☆ آیت درود کی تشریح۔
☆ احادیث میں وارد الفاظ درود کی شرح۔
☆ راوی صحابہ کے حالات زندگی اور ان کی درود شریف کے متعلق روایات۔
☆ جن مقامات پر درود پڑھنا ضروری ہے۔
☆ جن مقامات پر درود نہیں پڑھنا چاہیے۔
☆ درود شریف کے وجوب اور عدم وجوب کے دلائل۔
☆ تشہد میں درود کے لازم ہونے کا بیان۔

☆ سیدنا ابراھیم اور آل ابراھیم کے مثل درود کی وجہ۔ ☆ درود نہ پڑھنے کا وبال۔
☆ درود شریف کے مختلف الفاظ (متعدد روایات)۔ ☆ درود شریف کے وسیلہ سے دعا۔
☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے علاوہ پر صلوۃ میں اختلاف۔ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ یہ سعی قبول فرمائے اور اسے مسلمین ومسلمات کے لیے نافع بنائے۔ مجھ سے درگزر فرمائے۔

رب جعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعا ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب

اللہ تعالیٰ مجھے دنیا وآخرت میں اس دعا کے مطابق عطا فرمائے:

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار (آمین)

☆☆☆

فضائل وفوائد درود وسلام

قرآنی حکم:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یاایھاالذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما))

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔اے ایمان والو! تم ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔''

جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھنے والا حضور کا مقرب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر جمعہ کو مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ بیشک میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے گا اس کا درجہ میرے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔''

اس کو بیہقی نے ابوامامہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر ہر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجو۔ بے شک جو مجھ پر بروز جمعہ درود بھیجے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔''

اس کو حاکم وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور کہا: اس کی سند صحیح ہے۔

انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر شب نور اور روز روشن کو بکثرت درود پڑھا کرو کہ یہ تمہاری طرف سے پیش کیا جاتا ہے اور بے شک زمین انبیاء کے اجسام کو نہیں کھاتی اور ہر ابن آدم کو مٹی کھاتی ہے سوائے آخری حصے کے۔''

اس کو نمیری نے ابن شہاب زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

حاضری کا دن:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے صلاۃ بھیجا کرو کہ وہ حاضری کا دن ہے کہ اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے اسی وقت جب وہ فارغ ہوتا ہے۔''

راوی کہتے ہیں:

''میں نے عرض کیا:

''وفات کے بعد بھی۔؟''

فرمایا:

''وفات کے بعد بھی۔ بیشک اللہ نے زمین پر انبیاء کے جسم کھانا حرام کردیا ہے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اوراس کورزق دیا جاتا ہے۔''

اس کو ابن ماجہ نے ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ اس کی سند متصل نہیں اور اس کو طبرانی نے بھی انہی سے روایت کیا ہے اور الفاظ بھی قریب قریب یہی ہیں۔

نماز میں صلوۃ:

1: حضرت ابن مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص حضور کی خدمت میں آیا اور سامنے بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا:

''یارسول اللہ! آپ پر سلام بھیجنے کا تو ہمیں علم ہو چکا اب نماز میں آپ پر صلاۃ کس طرح بھیجا کریں۔؟''

حضور علیہ السلام خاموش ہو گئے، یہاں تک کہ ہم چاہتے تھے کہ کاش! یہ صاحب حضور سے سوال نہ کرتے۔

پھر فرمایا: جب تم لوگ صلوٰۃ بھیجنا چاہو تو یوں کہو:

((اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی ال محمد کماصلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم ان حمید مجید))

اس کو امام احمد نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں' الدار قطنی اور البیہقی نے اپنے سنن میں حضرت ابن مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ترمذی اور ابن خزیمہ اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا۔ دار قطنی نے کہا: اس کی سند حسن متصل ہے۔ بیہقی نے کہا: اس کی سند صحیح ہے۔

2: حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے۔

ہم نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ پر سلام کس طرح بھیجیں یہ تو ہمیں معلوم ہو چکا۔ یہ فرمایئے! ہم آپ پر صلوٰۃ کس طرح بھیجا کریں۔؟''

آپ نے فرمایا:

''یوں کہو:

((اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انك حمید مجید اللھم بارك علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انك حمید مجید))

اس کو بخاری نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور طبرانی نے حاکم سے ثقہ راویوں کے ذریعہ روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ میں اتنا فرق ہے کہ آل ابراھیم کے بعد **وصل علینا معھم** **وبارك** مثلہ اور آخر میں **وبارك علینا معھم** ہے۔

3: صحابہ کرام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:
''ہم آپ پر کس طرح درود بھیجا کریں۔؟''
فرمایا: یوں کہو:
((اللهم صل على محمد و على آل محمدوبارك على محمد و على آل محمد كما صليت و باركت على ابراهيم و آل ابراهيم فى العلمين انك حميد مجيد))
اور سلام تو تمہیں معلوم ہو ہی چکا ہے۔''
اس کو طبری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

4: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:
''آپ پر مکمل درود کس طرح پڑھا جائے۔؟''
فرمایا:
((اللهم صلى على محمد كما امرتنا ان نصلى عليه وصل عليه كما ينبغى ان يصلى عليه))
''الٰہی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج جیسا کہ تو نے ہم کو درود بھیجنے کا حکم دیا اور آپ پر اس طرح درود بھیج جس طرح بھیجنا چاہیے۔''
اس کو ابو سعید نے شرف المصطفیٰ میں روایت کیا۔

5: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے عرض کیا:
''یارسول اللہ! آپ نے ہم کو حکم فرمایا ہے کہ ہم چاندنی رات اور روز روشن کو آپ پر کثرت سے درود بھیجا کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ پر اس طرح درود بھیجیں جس طرح آپ پسند فرمائیں۔''
فرمایا:
''یوں کہو:
((اللهم صلى على محمد وعلى آل محمد كماصليت على ابراهيم وعلى آل ابرهيم وارحم محمدا وآل محمد كمارحمت ابراهيم وآل ابراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلىٰ آل ابراهيم انك حميد مجيد))
رہا سلام سو وہ تمہیں معلوم ہو ہی چکا ہے۔''
اس کو ابن مسدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔

6: صحابہ کرام نے عرض کیا:
''یارسول اللہ! آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا۔ آپ پر صلوٰۃ کیسے بھیجا کریں۔؟''
فرمایا:
''یوں کہو:
((اللهم صل على محمد عبدك ورسولك واهل بيته كما صليت على ابراهيم

انك حميد مجيد))

اس کو اسمٰعیل القاضی نے ابراہیم بن یزید النخعی سے مرسلاً روایت کیا۔

7: صحابہ کرام نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! ہم آپ پر کس طرح درود بھیجا کریں۔؟''

فرمایا:

''یوں کہو:

((اللهم صل على محمد وعلى ازواجه وذريته كما صليت على ال ابراهيم وبارك على محمد وازواجه وذريته كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد))

اس کو بخاری و مسلم نے ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

8: صحابہ کرام نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا۔ صلوٰۃ کیسے بھیجا کریں؟''

فرمایا:

''یوں کہو:

((اللهم صل على محمد وعلى ال محمد وبارك على محمدوعلى ال محمد كما صليت وباركت على ال ابراهيم انك حميد مجيد))

اس کو نمیری نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

9: صحابہ کرام نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ پر کس طرح درود بھیجا کریں۔؟''

فرمایا:

''یوں کہو:

((اللهم صلى على محمدوعلى ال محمد كما صليت على ابراهيم وال ابراهيم انك حميد مجيد وبارك على محمد وعلى ايل محمد كما باركت على ابراهيم وال ابراهيم انك حميد مجيد))

اس کو نسائی، الخطیب وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

((اللهم صلى على محمد النبى وازواجه امهات المومنين وذريته واهل بيته))

10: ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا:

''یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم آپ پر سلام بھیجیں تو ہم نے آپ پر سلام بھیجا۔ اب آپ پر درود کس طرح بھیجا کریں۔؟''

فرمایا:
"یوں کہو:
((اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وبارك علی محمدوعلی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم وسلم علی محمد وعلی ال محمد کماسلمت علی ابراھیم وتحنن علی محمد وعلیٰ ال محمد کما تحننت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انك حمید مجید))
اس کوابن مسدی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

11: صحابہ کرام نے کہا:
"یارسول اللہ! آپ پر سلام بھیجنا تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے، آپ پر درود کیسے بھیجا کریں؟"
فرمایا:
"یوں کہو:
((اللھم صل علی محمد عبدك ورسولك کما صلیت علی ابراھیم وبارك علی محمد وعلی ال محمد کمابارکت علی ابراھیم))
ایک روایت میں ہے: وآل ابراھیم ہے۔
اس کو بخاری، احمد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی اور ابن ابی عاصم نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا۔

12: صحابہ نے عرض کیا:
"یارسول اللہ! ہم آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو جان چکے آپ پر درود کیسے بھیجا کریں؟"
فرمایا:
"یوں کہو:
((اللھم اجعل صلواتك ورحمتك وبرکاتك علی سیدالمرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدك ورسولك امام الخیر ورسول الرحیم اللھم ابعث مقاما محمودا یغبطه به الاولون والاخرون اللھم صل علی محمد وابلغنا والسیلة والدرجة الرفیعة من الجنة اللھم اجعل فی المصطفین محبته وفی المقربین مودته وفی الاعلین ذکره اوقال دارة والسلام علیه ورحمة اللہ وبرکاته اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وال ابراھیم انك حمید مجید))
اس کو ابن ابی عاصم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

13: صحابہ نے کہا:
"یارسول اللہ! اللہ نے ہم کو سلام تو سکھادیا' آپ پر صلوٰۃ کس طرح بھیجا کریں؟"

آپ نے فرمایا:
''یوں کہو:
((اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وال ابراھیم انك حمید مجید))
اس کو ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔
14: صحابہ نے عرض کیا:
''یارسول اللہ! ہمیں معلوم ہو گیا کہ کیسے آپ پر سلام بھیجا کریں۔اب فرمائیے کہ آپ پر درود کس طرح پڑھا کریں۔؟''
فرمایا:
''یوں کہو:
((اللھم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك علی محمد وعلی ال محمد کما جعلتھا علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انك حمید مجید))
''الہٰی! اپنی رحمتیں اور برکتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آل محمد پر نازل فرما جیسے تو نے اسے ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم پر نازل فرمایا۔''
اس کو امام احمد وغیرہ نے حضرت بریدہ بن الخطیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔
15: عرض کیا گیا:
''یارسول اللہ! آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ آپ پر سلام بھیجیں اور درود بھیجیں۔سلام کا طریقہ تو معلوم ہو چکا ہے،درود کیسے بھیجا کریں۔؟''
فرمایا:
''یوں کہو:
((اللھم صل علی ال محمد کماصلیت علی ال ابراھیم اللھم بارك علی ال محمد کما بارکت علی ال ابراھیم))
اس کو اسمٰعیل قاضی نے حضرت عبدالرحمٰن بن بشیر بن مسعود سے مرسلاً روایت کیا۔

حضور کا خود درود سننا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود بھیجے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجے وہ مجھے بتا دیا جاتا ہے۔''
اس کو ابوالشیخ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔اس کی سند عمدہ ہے جیسا کہ ہمارے بزرگ شیخ ابن حجر نے فرمایا۔

ابن بشکوال نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے:
''جب جمعرات کا دن آتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجتا ہے جن کے ہمراہ چاندی کے صحیفے اور سونے کے قلم ہوتے ہیں جو جمعرات کے دن اور جمعہ کی رات ان لوگوں کی فہرست تیار کرتے ہیں جو سب سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجتے ہیں۔''
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جب جمعہ کا دن اور جمعہ کی رات ہو تو مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔''
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جب تمہیں کوئی چیز بھول جائے تو مجھ پر درود بھیجا کرو! انشاء اللہ تعالیٰ یاد آجائے گی۔''
اس کو ابو موسیٰ المدینی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔
ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت بہت خوش وخرم تھے۔ چہرہ اقدس سے مسرت کے آثار نمایاں نظر رہے تھے تو صحابہ کرام نے عرض کیا:
''یارسول اللہ! آج آپ بہت خوش وخرم اور مسرور نظر آرہے ہیں۔''
فرمایا:
''ہاں! میرے پاس میرے رب کے ہاں سے ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس کے عوض دس نیکیاں لکھے گا اور اس کے دس گناہ مٹائے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا اور اس کی طرف ایسا ہی درود جواب میں بھیجے گا۔''
اس کو امام احمد نے مسند میں حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔
حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے رہ انور پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ فرمایا:
''جبریل میرے پاس آئے اور کہا: یا محمد! کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ جو شخص آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے میں اس پر دس مرتبہ درود بھیجوں؟ اور جو آپ پر ایک مرتبہ سلام بھیجے میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں۔''
اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور ابن حبان کے الفاظ یہ ہیں:
''حضور علیہ السلام گھر سے نکلے تو بہت مسرور تھے۔ فرمایا: میرے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا: یا محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہے کہ کیا آپ اس پر راضی نہیں۔''
آگے وہی الفاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے معمولی سالفظی اختلاف ہے، آخر میں یہ لفظ ہے:
''ہاں! میرے رب میں راضی ہوں۔''

ضور درود بھیجنے والے کے لیے استغفار و دعا کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''مجھ پر ہر چاندنی رات اور روز روشن میں کثرت سے درود بھیجا کرو۔ بیشک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا

ہے۔''

اس کو طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور ابن بشکوال نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے اضافے کے ساتھ روایت کیا کہ پھر میں تمہارے لئے دعا اور استغفار کرتا ہوں۔''

درود شریف سے تزکیہ نفس ہوتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو کہ یہ تمہارے لئے تزکیہ ہے اور جب اللہ سے سوال کرو تو وسیلہ کا سوال کرو کہ یہ جنت میں سب سے بلند درجہ ہے اور یہ ایک شخص کے لئے مخصوص ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔''

اس کو ابوالقاسم تیمی نے ترغیب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

فرشتے کا درود پہنچانا:

1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر بکثرت درود پڑھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری قبر کے پاس ایک فرشتہ مقرر فرما دیا ہے۔ جب میرا کوئی امتی مجھ پر درود بھیجتا ہے، مجھ سے وہ فرشتہ کہتا ہے: یا محمد! صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں ابن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔''

اس کو دیلمی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

2: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو گھومتے رہتے ہیں اور میری امت کا مجھے سلام پہنچاتے ہیں۔''

اس کو امام احمد وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور حاکم نے اِسے صحیح الاسناد کہا۔

3: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کے کچھ فرشتے زمین میں چلتے پھرتے رہتے ہیں' میرا جو امتی مجھ پر درود بھیجے' یہ مجھ تک پہنچاتے ہیں۔''

اس کو دار قطنی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

4: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''بے شک اللہ کے خاص نورانی فرشتے جو صرف جمعہ یا جمعرات کو زمین پر آتے ہیں' ان کے ہاتھوں میں سونے کے قلم ہوتے ہیں اور چاندی کی دواتیں اور نور کے کاغذ' ان پر صرف وہ درود شریف لکھتے ہیں جو حضور علیہ السلام پر بھیجا جاتا ہے۔''

اس کو دیلمی نے روایت کیا۔

درود بھیجنے کا طریقہ:

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

1: ((قال ابو مسعود الانصاری اتانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم))

''ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم لوگ سعد بن عبادۃ کی مجلس میں تھے۔ حضرت بشیر بن سعد نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ آپ پر درود بھیجیں۔فرمائیں کہ ہم آپ پر کس طرح درود بھیجا کریں۔؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، یہاں تک کہ ہمیں تمنا ہوئی کہ یہ صاحب ایسا سوال نہ کرتے، پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا: یوں کہو:

((اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ال ابراھیم وبارك علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ال ابراھیم انك حمید مجید))

اور سلام پڑھنے کا طریقہ وہی ہے جو تمہیں سکھادیا گیا ہے۔''

(مسلم عن ابی مسعود الانصاری، امام مالک فی الموطا، ابوداؤد، ترمذی، نسائی بیہقی فی الدعوات)

امام مسلم کے سوا باقیوں نے یہ اضافہ بھی کیا ہے:

((فی العلمین انك حمید مجید))

ابوداؤد نے یہ فقرہ نقل کیا کہ سلام کا طریقہ وہی ہے جو تمہیں سکھادیا گیا ہے۔''

2: **((اتی رجل النبی صلی اللہ علیه وسلم))**

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا:

''یا نبی اللہ! ہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ بھیجیں۔؟''

فرمایا:

''یوں کہو:

((اللھم صل علی محمد کماصلیت علی ابراھیم انك حمید مجید وبارك علی محمد وعلی ال محمد کمابارکت علی ابراھیم انك حمید مجید))

3: امام احمد عن طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب تم سے کوئی نماز میں تشہد پڑھے تو یوں کہے:

((اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد وبارك علی محمد وعلی ال محمد وارحم محمدواله کماصلیت وبارکت وترحمت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انك حمید مجید))

مسجد میں دخول کے وقت درود پڑھنا:

الحاکم فی المستدرک شاہداً عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ موقوفاً روایت کیا:

''جب تم میں کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور یوں کہے: ''الٰہی مجھے شیطان سے بچا۔''

اذان کے بعد درود پڑھنا:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم مؤذن کی آواز سنو تو جو کچھ وہ کہتا ہے تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔ پھر اللہ سے میرا وسیلہ مانگو۔ پس بے شک وہ جنت میں ایک منزل ہے جو کسی اللہ کے بندے کے لئے ہی ہونی چاہئے اور مجھے امید ہے کہ وہ اللہ کا بندہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ مانگا' میری شفاعت اس کے لئے حلال ہوگئی۔''

یہ حدیث امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی ہے۔

عمل کرنے والے کے لئے اس میں بشارت عظیمہ ہے کیونکہ آپ ﷺ نے شفاعت حلال ہونے کی خوشخبری سنائی ہے اور یہ صرف آپ کے مسلمان امتیوں کے لئے ہوتی ہے۔

اقامت کے وقت درود پڑھنے کا اجر:

حسن بن عرفة اور نمیری نے حسن بصری سے روایت کیا کہ جس نے موذن کی طرح کلمات کہے اور جب موذن نے قد قامت الصلوٰۃ کہا تو یہ دعا کی:

((اللهم رب هذه الدعوة الصادقة والصلوٰة القائمة صلى على محمد عبدك ورسولك او بلغه درجة الوسيلة فى الجنة))

''اے اللہ! اس سچی دعا کے مالک اور قائم ہونے والی نماز کے رب! درود بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تیرے بندہ خاص اور رسول ہیں اور ان کو جنت میں مقام وسیلہ پر فائز فرما۔''

وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میں داخل ہوگیا' یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نے اسے پالیا۔''

ایک مرتبہ درود پڑھنے والے پر اللہ اور فرشتوں کا رحمت بھیجنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجا کرو۔ جبریل علیہ السلام ابھی ابھی میرے پاس میرے رب کا پیغام لے کر آئے تھے کہ روئے زمین پر جو بھی مسلمان آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے میں اور میرے فرشتے اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔'' (طبرانی عن انس رضی اللہ عنہ)

دنیا و آخرت کی حاجات کا پورا ہونا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود بھیجے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجے تو اس پر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو مقرر فرما دیتا ہے جو مجھ تک پہنچا دیتا ہے اور یہ اس کے دنیا و آخرت کی حاجات حل کرنے کو کافی ہوتا ہے اور قیامت کو میں اس کا گواہ و شفیع ہوں گا۔''

اس کو العشاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود حضور کی بارگاہ میں تحفہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر جمعرات اور جمعہ کو سو مرتبہ درود بھیجے، اللہ اس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا، ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی اور اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے جو اس کو میری قبر میں داخل کرتا ہے جیسے تمہارے پاس تحفے بھیجے جاتے ہیں، بیشک میری موت کے بعد بھی میرا علم اسی طرح رہے گا جس طرح زندگی میں ہے۔''

اس کو دیلمی نے مسند الفردوس وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

سو مرتبہ درود اور حکم رسالت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص صبح کی نماز پڑھ کر بات چیت سے پہلے مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجے، اللہ اس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا، ان میں سے تیس تو جلد پوری ہوں گی (دنیا میں) اور ستر (آخرت) کے لئے ذخیرہ ہوں گی اور یہی حال نماز مغرب کا ہے۔''

صحابہ کرام نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! آپ پر درود کس طرح پڑھا کریں؟''

فرمایا:

((ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یاایھاالذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما اللھم صل علی محمد حتی تعد مائۃ))

''الٰہی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سو مرتبہ تک درود بھیج۔''

اس کو احمد بن موسیٰ حافظ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

پریشانیوں کے وقت درود پڑھنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس پر کوئی سختی آجائے وہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجے۔ بیشک یہ گرہیں کھولتا اور مصیبتیں حل کرتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے مجھ سے کوئی علمی بات لکھی اور اس کے ہمراہ مجھ پر درود بھی لکھ دیا اس کو اس وقت تک اجر ملتا رہے گا جب تک وہ تحریر پڑھی جاتی رہے گی۔''

اس کو دار قطنی وغیرہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

قیامت کے دن حضور کا گواہ بننا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے کہا:

((اللهم صل علی محمد وعلی اٰل محمد کماصلیت علی ابراهیم واٰل ابراهیم وبارك علی محمد وعلی اٰل محمد کما بارکت علی ابراهیم واٰل ابراهیم وترحم علی محمد وعلی اٰل محمد کما ترحمت علی ابراهیم واٰل ابراهیم))

میں قیامت کو اس کی گواہی دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔

اس کو امام بخاری نے الادب المفرد میں اور طبری اور عقیلی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

المقعد المقرب کی دعا:

''جس نے کہا:

((اللهم صل علی محمد وانزله المقعد المقرب عندك یوم القیمة))

''الٰہی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما اور ان کو قیامت کے دن اپنے قرب میں ٹھکانہ عطا فرما۔''

اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

اس کو امام احمد وغیرہ نے حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے اور اس کو ابن ابی دنیا نے لفظ جنت کے اضافہ کے ساتھ روایت کیا۔ اس کی بعض سندیں حسن ہیں۔ مقعد مقرب سے وسیلہ یا مقام محمود یا عرش پر آپ کا بیٹھنا یا مرتبہ بلند اور یا عظمت شان سب مراد ہو سکتے ہیں (واللہ اعلم)۔

درود کی مجلس میں بیٹھنے والے بخش دیئے جاتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ کے گشت کرنے والے فرشتے ہیں۔ جب ذکر کی مجلسوں کے پاس سے گزرتے ہیں ایک دوسرے سے کہتے ہیں: بیٹھ جاؤ! جب قوم دعا مانگتی ہے یہ ان کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ جب یہ لوگ نبی علیہ السلام پر درود بھیجتے ہیں یہ بھی ان کے ساتھ درود بھیجتے ہیں یہاں تک کہ سب فارغ ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے سے کہتے ہیں: ان لوگوں کو مبارک ہو کہ بخشے ہوئے واپس لوٹ رہے ہیں۔''

اس کو ابوالقاسم تیمی نے ترغیب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

بخیل اور درود شریف:

1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔''

اس کو دارقطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام احمد وغیرہ نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ ان کی روایت میں یہ لفظ نہیں:

''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا۔''

حاکم نے کہا: اس کی سند صحیح ہے۔حاکم نے بھی مذکورہ الفاظ ذکر نہیں کیے،اسی طرح نسائی نے بھی اس کو حضرت علی المرتضٰی سے روایت کیا۔

2: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آدمی کے بخیل ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جب میرا ذکر اس کے سامنے کیا جائے وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

اس کو دیلمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

تین آدمی عرش الٰہی کے سایہ میں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے دن تین آدمی اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں اس کے سائے کے علاوہ کسی کا سایہ نہ ہوگا۔''

عرض کیا گیا:

''یا رسول اللہ! وہ کون ہوں گے۔؟''

فرمایا:

''جس نے میرے کسی امتی کی تکلیف دور کی اور میری سنت زندہ کی اور مجھ پر کثرت سے درود بھیجا۔''

اس کو صاحب الدرالمنظم نے ذکر کیا۔

صاحب فردوس نے اسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا لیکن اس کی سند نہیں بتائی۔

درود شریف کا بے انتہا اجر و ثواب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فرائض کی ادائیگی کا پختہ عزم کرلو کہ اس کا ثواب فی سبیل اللہ بیس غزوات سے بڑا ہے اور بے شک مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجنا ان سب کے برابر ہے۔''

اس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ بن الجراد سے روایت کیا۔

ہر پاکیزہ جگہ درود پڑھا جاسکتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جہاں کہیں ہو مجھ پر درود بھیجو۔ بے شک تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔''

اس کو طبرانی اور ابویعلیٰ نے سند حسن کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

درود کے بسبب گناہوں کا معاف ہونا:

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔

آپ کا چہرہ اقدس چمک رہا تھا۔ میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! میں نے آج تک آپ کو اس قدر مسرور اور شگفتہ رو نہیں دیکھا۔''

فرمایا:

''خوش کیوں نہ ہوں اور چہرہ شگفتہ کیوں نہ ہو ابھی ابھی جبریل یہ پیغام لے کر آئے تھے کہ یا محمد! آپ کا جو امتی آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ اس کے عوض اس کے لئے دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹاتا ہے اور اس کے صدقے سے دس درجے بلند فرماتا ہے اور فرشتہ اس پر اسی طرح درود بھیجتا ہے جیسے اس نے آپ پر درود بھیجا۔ میں نے کہا: جبریل وہ فرشتہ کون ہے؟ عرض کیا: حضور! اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیدائش سے لے کر قیامت کے دن اٹھنے تک ایک فرشتہ مقرر فرما دیا ہے آپ کا جو بھی امتی آپ پر درود بھیجے وہ فرشتہ کہتا ہے: اللہ تم پر بھی رحمت نازل فرمائے۔''

اس کو طبرانی نے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود شریف کا قیامت کے دن فائدہ:

1: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''گزشتہ رات کو (خواب میں) عجیب چیز دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ ملک الموت میرے ایک امتی کے پاس روح قبض کرنے آیا تو اس کے پاس اس کا اپنے والدین سے حسن سلوک آیا اور اس نے اسے واپس کر دیا اور میں نے اپنا ایک امتی دیکھا جس پر عذاب قبر مسلط کر دیا گیا تھا' پس اس کا وضو آیا اور اس نے اس کو بچا لیا اور میں نے اپنا ایک امتی دیکھا جس کو شیاطین ڈرا رہے تھے' پس اللہ کا ذکر آیا اور اس نے اس کو ان سے بچایا اور میں نے اپنا ایک امتی دیکھا جس کو عذاب کے فرشتے ڈرا رہے تھے، پس اس کا درود آیا اور اس نے اس کو ان کی دست برد سے بچا لیا اور میں نے اپنا ایک امتی دیکھا جس کی زبان شدت پیاس سے باہر نکلی ہوئی تھی جب بھی حوض کے پاس آتا اسے روک دیا جاتا، پس اس کے روزے آئے اور انہوں نے اسے پلایا اور سیراب کر دیا اور میں نے اپنا ایک امتی دیکھا کہ انبیائے کرام حلقے بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں جب وہ کسی حلقے کے پاس آتا ہے' دھتکار دیا جاتا ہے، پس اس کے پاس اس کا غسل جنابت آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس بٹھا دیا اور میں نے اپنا ایک ایسا امتی دیکھا جس کے آگے بھی اندھیرا ہے' پیچھے بھی اندھیرا' دائیں بھی اندھیرا اور بائیں بھی' اوپر بھی اندھیرا ہے اور نیچے بھی' پس اس کا حج اور عمرہ آئے اور اسے ظلمت سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے اور میں نے اپنا ایک امتی دیکھا کہ وہ اہل ایمان سے باتیں کرتا ہے لیکن وہ اس سے بولتے ہی نہیں، پس اس کی صلہ رحمی آئی اور بولی: اے اہل ایمان! اس سے بات چیت کرو کہ یہ صلہ رحمی کیا کرتا تھا۔ پس انہوں نے اس سے کلام کیا اور مصافحہ کیا اور میں نے اپنا ایک امتی دیکھا کہ اپنے ہاتھ سے آگ کی گرمی اور شعلوں سے اپنے چہرے کو بچا رہا ہے، پس اس کا صدقہ آیا اور چہرے کے آگے آڑ اور سر پر سایہ بن گیا اور میں نے اپنا ایک امتی دیکھا کہ فرشتوں نے اس کو تمام اعضاء سے پکڑ رکھا ہے، پس اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکیوں کی تلقین کرنا اور برائیوں سے منع کرنا) آیا اور اس کو ان کے ہاتھوں سے چھڑا یا اور اس کو

ملائکہ رحمت کے سپرد کیا۔ میں نے اپنا ایک امتی دیکھا جس کا نامہ اعمال بائیں طرف سے آرہا تھا، پس اس کا خوف الٰہی آیا اور اس کے نامہ اعمال کو پکڑ کر دائیں طرف کر دیا اور میں نے اپنا ایک امتی دیکھا جس کا میزان (نیکیوں کا پلڑا) ہلکا ہو گیا ہے، پس اس کی بچپن میں مرنے والی اولاد آگئی اور اس نے اس کا میزان بھاری کر دیا، اور میں نے اپنا ایک امتی دیکھا جو جہنم کے کنارے کھڑا ہے، پس اس کی خشیت الٰہی آئی اور اس کو وہاں سے بچا لیا اور میں نے اپنا ایک امتی جہنم میں لڑھکتا دیکھا پس اس کے خوف الٰہی سے بہنے والے آنسو آگئے اور انہوں نے اسے جہنم سے بچا نکالا اور میں نے اپنا ایک امتی دیکھا جو پل صراط پر کانپ رہا تھا جیسے کھجور کی شاخ کانپتی ہے، پس اس کے پاس مجھ پر پڑھا گیا اس کا درود آیا پس اس کی کپکپاہٹ کو سکون ہوا اور میں نے اپنا ایک امتی دیکھا جس پر جنت کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں پس اس کے پاس اس کا کلمہ شہادت: اشھد ان لا الہ الا اللہ آیا اور اس کے لئے جنت کے دروازے کھل گئے۔''

حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے ہم مدینہ منورہ کی مسجد میں تھے۔ پھر یہی حدیث جو مذکور ہوئی اور اس حدیث کو قاضی ابو یعلی نے کتاب ابطال التاویلات لاخبار الصفات میں ذکر کیا اس میں اتنا اضافہ ہے:

''میں نے ایک شخص کو گھٹنوں کے بل بیٹھا دیکھا اور اس کے اور رب تعالیٰ کے درمیان پردہ حائل ہے پس اس کے پاس میری محبت آئی اس کا ہاتھ پکڑا اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس کو لے گئی۔''

شیخ عارف ابو ثابت محمد بن عبدالملک دیلمی نے کتاب اصول مذاہب العرفاء باللہ میں فرمایا:

''یہ حدیث اگرچہ محدثین کے نزدیک غریب ہے، لیکن ہے صحیح۔ اس کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں اور مجھے اس کی صحت کا علم قطعی کئی مقامات پر بار ہا بطور کشف حاصل ہوا ہے۔''

اس کو طبرانی نے الکبیر میں مختصراً روایت کیا ہے۔

حضور کا نام آنے پر درود نہ پڑھنے والا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھنے لگے جب آپ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا:

''آمین!''

پھر آپ نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا اور فرمایا:

''آمین!''

پھر آپ نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا اور فرمایا:

''آمین!''

صحابہ کرام نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو تین مرتبہ آمین فرماتے سنا ہے۔''

فرمایا:

''جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا جبریل میرے پاس آئے اور بولے: بدبخت ہو وہ شخص جس نے

رمضان کو پایا پھر رمضان گزر گیا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا: آمین! پھر انہوں نے کہا: بد بخت ہو وہ جس نے ماں باپ دونوں یا ایک کو پایا اور پھر انہوں نے اسے جنت میں داخل نہ کیا۔ میں نے کہا: آمین! پھر وہ کہنے لگے: بد بخت ہو وہ جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے۔ میں نے کہا: آمین!''

اس کو امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ یہ حدیث حسن ہے اور اس کو بہت سے محدثین نے حضرت جابر سے روایت کیا۔ اسی طرح حضرت کعب بن عجرہ، حضرت مالک بن الحویرث، حضرت انس بن مالک، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابوذر، حضرت بریدہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت عبداللہ بن الحارث، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم اجمعین سے ملتے جلتے الفاظ سے مروی ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ بعض نے لفظ ''بعد'' کہا یعنی رحمت سے دور ہوا۔ بعض نے کہا: ''جہنم میں گیا۔'' بعض نے: رغم انفہ (ناک خاک آلود ہو) کہا۔'' بعض نے کہا: ''اللہ اسے رحمت سے دور کرے اور ارغم اللہ انفہ'' اللہ اس کی ناک کو خاک آلود کرے۔''

رغم کا معنی خاک ہے۔ یہ لغوی تحقیق ہے۔ پھر اس لفظ کو ذلت کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا۔

گھروں میں حضور پر درود وسلام پڑھنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور نہ میری قبر کو عید اور مجھ پر صلوٰۃ بھیجو۔ بیشک تمہارا درود وسلام مجھے پہنچتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔''

اس کو بہت سے حفاظ نے ملتے جلتے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ ''سلاح المومن'' کے مصنف نے کہا کہ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میری زیارت کثرت سے کیا کرو اور اسے عید کی طرح نہ بنالینا جو سال میں صرف دو مرتبہ آتی ہے۔ اس کی تائید اس فرمان نبوی سے بھی ہوتی ہے:

''اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ۔''

مطلب یہ کہ گھروں میں نماز پڑھنا مت چھوڑو کہ انہیں قبرستان بنادو جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی۔

دعا کے شروع، وسط اور انتہاء میں درود پڑھنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے سوار کے پیالے کی مانند نہ بنالینا۔''

عرض کیا گیا:

''سوار کے پیالہ کا کیا مطلب۔؟''

فرمایا:

''مسافر جب اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے تو اپنے پیالی میں پانی ڈال لیتا ہے۔ اب اگر ضرورت پڑے تو اس سے وضو کرتا یا پیتا ہے، ورنہ بہا دیتا ہے۔ مجھے دعا کے شروع میں، درمیان میں اور آخر میں رکھو۔''

اس کو عبد ابن حمید وغیرہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

درود کے بغیر نماز قبول نہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نماز پاکی کے بغیر اور مجھ پر درود پڑھے بغیر نہیں ہوتی۔''

اس کو دار قطنی وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔

انصار سے محبت کے بغیر درود قبول نہیں ہوتا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کا وضو نہ ہو اس کی نماز نہیں ہوتی اور جو بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں ہوتا اور جو اپنے نبی پر درود نہ بھیجے اس کی نماز نہیں ہوتی اور جو انصار سے محبت نہ رکھے اس کا درود قبول نہیں۔''

اس کو ابن ماجہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود کے بغیر وضو کامل نہیں ہوتا:

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے:

''جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجے اس کا وضو نہیں ہوتا۔''

اس کو ابن ماجہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ مطلب یہ کہ اس وضو کی فضیلت کامل نہیں رہتی۔

ستر فرشتوں کا خدمت میں جُت جانا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے یوں کہا: ''اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے ایسی جزائے خیر دے جس کے آپ حق دار ہیں۔'' ستر فرشتے ہزار دن صبح کے وقت اس کی خدمت میں جت جاتے ہیں۔''

اس کو ابو نعیم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

اذان سن کر دعا مانگنا:

1: جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے اللہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے:

((اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ صل علی محمد وارض عنہ رضا لاسخط بعدہ))

''اے اللہ! اس مکمل دعا اور قائم ہونے والی نماز کے مالک! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج اور آپ سے اس طرح راضی ہو کہ پھر کوئی ناراضگی نہ رہے۔''

اس کو امام احمد وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہی سے ابن وہب نے اپنی جامع میں ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے:

2: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو موذن کی اذان سن کر یہ کہے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی:

((اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ والقائمۃ صل علی محمد عبدك ورسولك واعطہ الوسیلۃ والشفاعۃ یوم القیمۃ))

''اے اللہ! اس پوری دعا اور قائم ہونے والی نماز کے مالک! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج جو تیرے بندے اور رسول ہیں اور آپ کو قیامت کے دن وسیلہ اور شفاعت عطا فرمانا۔''

3: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو اذان سن کر یہ کہے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی:

((اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ الصلوٰۃ القائمۃ اٰت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمود الذی وعدتہ))

''اے اللہ! اس کامل دعا اور قائم ہونے والی نماز کے مالک! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔''

اس کو بخاری و مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو ہر جمعہ کو یہ دعا سات مرتبہ مانگے اس کے لئے میری شفاعت لازم ہوگی:

((اللھم صل علی محمد وعلی اٰل محمد صلوٰۃ تکون لك رضی ولحقہ اداء واعطہ الوسیلۃ والمقام الذی وعدتہ واجزہ عنا من افضل ما جزیت نبیا عن امتہ وصل علی جمیع اخوانہ النبیین والصلحین یارحم الراحمین))

''الٰہی! محمد اور محمد کی آل پر ایسی رحمت نازل فرما جو تیری رضا کا باعث ہو اور جس سے آپ کا حق ادا ہو اور آپ کو وسیلہ اور وہ مقام عطا فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے اور آپ کو ہماری طرف سے وہ عظیم الشان جزاء عطا فرما جو تو نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے عطا فرمائی ہے اور آپ کے تمام برادران کرام انبیاء علیہم السلام اور نیک بندوں پر رحمت نازل فرما' اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔

اس کو ابن ابی عاصم نے اپنی ایک تصنیف میں بیان کیا لیکن جو سند لکھی ہے وہ مجھے نہ مل سکی۔

درود پڑھ کر دعا کرنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر درود بھیجو اور محنت سے دعا کرو۔ پھر کہو:

((اللھم صل علی محمدوعلی اٰل محمداللھم بارك علی محمد وعلی اٰل محمد کما بارکت علی ابراھیم انك حمید مجید))

اس کو ابونعیم وغیرہ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

انبیاء ورسل پر درود:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے انبیاء ورسل پر درود بھیجا کرو۔ بے شک اللہ نے ان کو بھی اسی طرح مبعوث فرمایا جیسے مجھے مبعوث فرمایا۔''

اس کو طبرانی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

حضور کا فرمان کہ مجھ پر درود بھیجو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر درود بھیجو۔ بے شک مجھ پر درود بھیجنا تمہارے (گناہوں کے) لئے کفارہ ہے اور زکوٰۃ (پاکیزگی) ہے۔ جو مجھ پر ایک درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس درود بھیجتا ہے۔''

اس کو ابن ابی عاصم نے الصلوٰۃ النبویہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود پڑھنا درجہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر درود پڑھنا تمہارے لئے درجہ ہے۔''

درود پڑھنے سے پل صراط پر نور:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر درود پڑھنا قیامت کے دن پل صراط کے اندھیرے کے وقت نور ہوگا۔ جو شخص چاہے کہ قیامت کے دن اس کا ناپ پورا پورا ماپا جائے تو اسے مجھ پر بکثرت درود پڑھنا چاہیے۔''

اس کو صاحب الدر المنظم نے ذکر کیا۔

اسی سال کے صغیرہ گناہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر درود بھیجنا پل صراط پر نور ہوگا اور جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسی مرتبہ درود بھیجے اس کے اسی سال کے گناہ (صغیرہ) بخش دیئے جاتے ہیں۔''

اس کو ابن شاہین وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود دعا کا محافظ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہاری دعا کا محافظ، تمہارے رب کی رضا اور تمہارے اعمال کا تزکیہ ہے۔''

اس کو دیلمی اور اقلیشی وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

رب تعالیٰ کی طرف سے لے کر اترنے والے الفاظ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ میں شمار کیا اور فرمایا:
''جبریل علیہ السلام نے اسی طرح میرے ہاتھ میں شمار کیا اور جبریل نے کہا: میں اسی طرح ان کلمات کو رب العزت سے لے کر اترا ہوں:

((اللهم صل علی محمد وعلی اٰل محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی اٰل ابراهیم انك حمید مجید اللهم بارك علی محمد وعلی اٰل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلی اٰل ابراهیم انك حمید مجید اللهم ترحم علیٰ محمد وعلی اٰل محمد کما ترحمت علی ابراهیم وعلی اٰل ابراهیم انك حمید مجید اللهم وتحنن علی محمد وعلی اٰل محمد کما تحننت علی ابراهیم وعلیٰ اٰل ابراهیم انك حمید مجید اللهم وسلم علی محمد وعلی اٰل محمد کما سلمت علی ابراهیم وعلی اٰل ابراهیم انك حمید مجید))

اس کو ابن بشکوال وغیرہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

قرآن مجید کی طرح سکھایا جانے والا درود:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے التحیات اس طرح سکھائی جس طرح آپ ہم کو قرآن کریم کی کوئی سورت سکھایا کرتے تھے:

((التحیات للّٰہ والصلوات والطیبات السلام علیك ایها النبی ورحمة اللّٰہ وبرکاته السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین اشهد ان لا اله الا اللّٰہ وان محمداً عبده ورسوله اللهم صل علی محمد وعلی اٰل بیته کما صلیت علی اٰل ابراهیم انك حمید مجید اللهم صل علینا معهم اللهم بارك علی محمد وعلی اٰل بیته کما بارکت علی اٰل ابراهیم انك حمید مجید اللهم بارك علینا معهم صلوٰة اللّٰہ وصلوٰة المومنین علی محمد النبی الامی السلام علیك ایها النبی ورحمة اللّٰہ وبرکاته))

''اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کی صلوٰت محمد نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو۔ اے نبی! آپ پر اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔''

اس کو دار قطنی اور ابو حفص بن شاہین نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود پڑھنے سے اللہ کے غضب سے امان:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: یا محمد! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص آپ پر دس مرتبہ درود بھیجے اس کے لئے میرے غضب سے امان واجب ہو گئی۔''

اس کو بقی ابن مخلد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود پڑھنا سبب بخشش ہے:

حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں۔ آپ فرمائیں کہ آپ پر کس قدر درود بھیجا کروں۔؟''

فرمایا:

''جتنا چاہو۔''

میں نے عرض کیا:

''ایک چوتھائی وقت۔؟''

فرمایا:

''جو چاہو۔ اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔''

میں نے عرض کیا:

''آدھا وقت۔''

فرمایا:

''جتنا چاہو۔ اگر اور زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔''

میں نے عرض کیا:

''دو تہائی وقت۔؟''

فرمایا:

''جتنا چاہو۔ اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔''

میں نے عرض کیا:

''حضور! سارا وقت آپ پر درود پڑھتا رہوں گا۔''

فرمایا:

''یہ تیرا غم والم دور کرنے کو کافی ہے اور تیرے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔''

اس کو ترمذی اور حاکم نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا اور امام احمد نے مختصر ذکر کیا۔

تمام وقت درود پڑھنا:

ایک شخص نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! آپ کی کیا رائے ہے۔ اگر میں تمام وقت (جو فرائض واجبات سے بچ جائے) آپ پر درود بھیجتا رہوں؟''

فرمایا:

''جب تو اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا و آخرت کی پریشانیاں دور کرنے کے لئے اسی کو کافی کر دے گا۔''

اس حدیث کو بہت سے محدثین نے حضرت کعب وغیرہ سے مختصر اور طویل الفاظ میں ذکر کیا۔

درود بھیجنے کے بعد مانگی جانے والی دعا:

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جب نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے تو کہتے:

((اللھم تقبل شفاعة محمد الکبری وارفع درجت العلیا واعطه سوله فی الاخرة والاولیٰ کما اتیت ابراھیم وموسیٰ))

''الٰہی! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ قبول فرما اور آپ کا اعلیٰ درجہ مزید بلند فرما اور آپ کو آخرت و دنیا میں جو آپ مانگیں عطا فرما جیسے تو نے ابراھیم و موسیٰ کو عطا فرمایا۔''

اس کو عبد بن حمید وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ اس کی سند عمدہ، قوی اور صحیح ہے۔

حضور اور حضور کی امت کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیشک جبریل میرے پاس آئے اور کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں آپ کو خوشخبری نہ سناؤں اس کی جو **آپ کے رب نے آپ کو آپ کی امت کی طرف سے عطا کیا اور اس کی جو آپ کے رب نے آپ کی امت کو آپ کی طرف سے عطا کیا؟ ان میں سے جو آپ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجے اللہ اس پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور جو آپ** پر سلام بھیجے اللہ اس پر سلام بھیجتا ہے۔''

اس کو ضیاء نے مختارہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کے رجال بھی صحیح ہیں۔

مجلس درود پر رحمت سایہ فگن ہوتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیشک اللہ کے کچھ ملائکہ ہیں جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور ذکر کے حلقے ڈھونڈتے ہیں، پھر جب وہاں آتے ہیں تو ان پر چھا جاتے ہیں۔ پھر اپنے قاصد اللہ کی بارگاہ میں آسمان کی طرف بھیج دیتے ہیں۔ وہ عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم تیرے بندوں کے پاس آئے جو تیری نعمتوں کی تعظیم کرتے اور تیری کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخرت اور دنیا کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان پر میری رحمت پھیلا کر ڈھانپ دو۔ وہ عرض کرتے ہیں: الٰہی ان میں فلاں بڑا گنہگار بھی تھا جو ویسے ہی ان میں آملا تھا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس پر بھی میری رحمت کا سایہ کر دو کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہمنشین بد بخت نہیں رہتا۔''

اس کو البزاز نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، اس کی سند اچھی ہے۔

مجلس میں حضور پر درود و سلام نہ پڑھنے پر حسرت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو قوم کسی مجلس میں بیٹھی ہو اور نبی پر درود نہ بھیجے۔ چاہے وہ جنت میں داخل ہی کیوں نہ ہو جائے اس کو حسرت رہے گی جب اس کا اجر و ثواب دیکھیں گے۔''
اس کو الدینوری وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

درود نہ پڑھنے والے کو حضور کی زیارت نہ ہو گی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''تین آدمی میرا چہرہ نہیں دیکھ سکیں گے۔ ماں باپ کا نافرمان' میری سنت کا تارک اور جو اپنے سامنے میرا ذکر سن کر مجھ پر درود نہ بھیجے۔''
مجھے اس کی سند نہیں ملی۔

حضور کی آل کا ذکر کیے بغیر درود مکمل نہیں ہوتا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''مجھ پر کٹا کٹایا درود مت بھیجو!''
صحابہ نے عرض کیا:
''کٹا کٹایا درود کیا ہے؟ یا رسول اللہ!''
فرمایا:
''تمہارا یوں کہنا: اللھم صلی علی محمد اور بس، بلکہ یوں کہا کرو:
((اللھم صل علی محمد و علی ال محمد))
اس کو ابو سعید نے شرف المصطفٰے میں بیان کیا۔ مجھے اس کی سند نہیں ملی۔

دس رحمتیں نازل ہونا:

1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''میرا جو امتی خلوص دل سے مجھ پر درود بھیجے اللہ اس کے عوض اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔''
اس کو طبرانی نے بھی انہی سے روایت کیا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور البزار وغیرہ نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے۔

2: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کی دس خطائیں مٹائی جاتی ہیں اور اس کے دس مرتبے بلند کر دیئے جاتے ہیں۔''
اس کو نسائی وغیرہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

3: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو مجھ پر درود بھیجے اس کا درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے اور میں بھی اس پر درود بھیجتا ہوں، علاوہ ازیں اس کے خزانہ عمل میں دس نیکیاں رکھ دی جاتی ہیں۔''

اس کو طبرانی نے اوسط میں بہتر اسناد کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

4: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اب آدمی کو اختیار ہے درود میں کمی کرے یا کثرت کرے۔''

اس کو محمد بن جریر طبری وغیرہ نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ طبری نے اس کی تصحیح کی ہے۔

5: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر سو مرتبہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجے اللہ اور اس کے ملائکہ اس پر ہزار مرتبہ درود بھیجتے ہیں اور جہنم کی آگ اس کے جسم کو نہیں چھوئے گی۔

6: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اسے ایک فرشتہ لے کر میری خدمت میں پیش کرتا ہے جو اسی کام پر مقرر ہے۔''

اس کو طبرانی نے حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

7: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر درود بھیجے' فرشتے انہی الفاظ سے اس پر درود بھیجتے ہیں' اب اس کی مرضی ہے تھوڑا درود بھیجے یا زیادہ۔''

اس کو ابوالیمن ابن عساکر نے حضرت عامر بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، اسی کو الضیا المقدسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔

8: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔ چاہے تو زیادہ پڑھے اور چاہے تو کم۔''

اس کو ابن ابی عاصم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

9: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا' اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے۔''

اس کو مسلم وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' یہی روایت طبرانی نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے معمولی لفظی تبدیلی کے ساتھ نقل کی ہے۔

10: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹا دیتا ہے۔''

اس کو ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود کے بغیر دعا دوبارہ لوٹ جاتی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو دعا مانگی جائے اس کے اور آسمان کے درمیان پردہ ہوتا ہے یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے جب ایسا کیا جائے وہ پردہ چاک ہو جاتا ہے اور دعا داخل ہو جاتی ہے اور جب ایسا نہ کیا جائے دعا لوٹ جاتی ہے۔"

اس کو بیہقی وغیرہ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود شریف اور حق شفاعت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو اللہ کا بندہ نو ذی الحجہ کو شام کے وقت عرفات میں ٹھہرے۔ پھر سو مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھے اور سورت اخلاص سو مرتبہ پڑھے اور سو مرتبہ یہ پڑھے:

((اللهم صل على محمد وعلى ال محمد كما صليت وباركت على ابراهيم وال ابراهيم انك حميد مجيد))

پھر سو مرتبہ یہ پڑھے:

((اشهدان لا اله الا اللهوحده لاشريك له له الملك وله الحمد بيده الخير يحيى ويميت وهو على كل شيء قدير))

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی مستحق عبادت نہیں، وہ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کی حکومت اور اسی کی تعریف، اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! میرے اس بندے کی جزاء کیا ہے؟ اس نے میری تسبیح و تہلیل بیان کی، میری ثناء اور میرے نبی پر درود بھیجا۔ میرے فرشتو! گواہ رہنا کہ میں نے اسے بخش دیا اور اس کی شفاعت اس کے حق میں قبول کی اور اگر میرا بندہ مجھ سے یہ سوال کرے کہ میں تمام اہل وقوف (عرفات میں ٹھہرنے والوں) کے حق میں اس کی شفاعت قبول کروں تو میں اس کی شفاعت قبول کروں گا۔"

اس کو دیلمی۔۔نے مسند الفردوس میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ ایسا ہی بیہقی نے بھی روایت کیا۔

آپس میں ملاقات کے وقت درود پڑھنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب بھی دو مسلمان ملاقات کریں، پھر مصافحہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ہی ان کے پہلے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔"

اس کو حسن بن سفیان وغیرہ نے بیان کیا۔

پورا اجر ملنے کا سبب:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:
جس کو یہ پسند ہو کہ اسے پورا پورا ناپ دیا جائے جب وہ ہم پر درود بھیجے تو یوں کہے:
((اللھم صل علی محمد النبی وازواجه امھات المومنین و ذریته و اھل بیته کماصلیت علی اٰل ابراھیم انك حمید مجید))
"الٰہی! محمد نبی امی اور آپ کی بیویوں پر جو اہل ایمان کی مائیں ہیں اور آپ کی اولاد اور آپ کے اہل خانہ پر درود بھیج، جیسے تو نے ابراہیم کی آل پر رحمت بھیجی، بے شک تو تعریف کیا ہوا اور بزرگی والا ہے۔"
اس کو ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:
جو چاہے کہ اس کو پورا پورا ناپ دیا جائے وہ جب ہم اہل بیت پر درود بھیجے تو یہ کہے:
((اللھم اجعل صلواتك وبر کاتك علی محمدالنبی وازواجه امھات المومنین و ذریته واھل بیته کما صلیت علی اٰل ابراھیم انك حمید مجید))
"الٰہی! اپنی رحمتیں اور برکتیں محمد نبی اور آپ کی ازواج امہات المومنین اور آپ کی اولاد اور اہل بیت پر نازل فرما جیسے تو نے ابراہیم کی آل پر رحمتیں نازل فرمائیں بیشک تو تعریف کیا ہوا اور بزرگی والا ہے۔"
اس کو نسائی وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور ابن زنجویہ نے حضرت علی سے موقوف یہ روایت نقل کی ہے:
"جسے پسند ہو کہ اسے پورا ناپ دیا جائے وہ اس آیت کو پڑھے:
((سبحٰن ربك رب العزت عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللّٰہ رب العلمین))
"تمہارا رب، عزت کا مالک، پاک ہے، اس سے جو یہ منکر بیان کرتے ہیں اور رسولوں پر سلام ہو اور سب تعریف اللہ کیلئے ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے۔"

کثرت درود اور اللہ سے ملاقات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جسے یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو کر ملاقات کرے اسے مجھ پر بکثرت درود بھیجنا چاہیے۔"
اس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔

ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جس نے مجھ پر دس مرتبہ سلام بھیجا گویا اس نے ایک غلام آزاد کر دیا۔"
اس کو شفاء میں ابن وہب سے روایت کیا۔

روح، جسم اور قبر رسول پر درود بھیجنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے ارواح میں سے روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اجسام میں سے جسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قبور میں سے قبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، وہ مجھے خواب میں دیکھے گا اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے قیامت کے دن دیکھے گا اور جس نے مجھے قیامت کے دن دیکھا' میں اس کی شفاعت کروں گا اور جس کی میں نے شفاعت کر دی' وہ میرے حوض سے پیئے گا اور اللہ نے اس کا جسم آگ پر حرام کر دیا۔''

اس کو ابوالقاسم سبتی نے کتاب الدر المنظم فی المولد المعظم میں ذکر کیا۔ مجھے ابھی تک اس کی اصل سند نہیں مل سکی۔

سو مرتبہ درود پڑھنے کا اجر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجا' اللہ اس پر سو مرتبہ درود بھیجے گا اور جس نے مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجا' اللہ تعالیٰ اس پر ہزار مرتبہ درود بھیجے گا اور جس نے جذب شوق سے زیادہ درود بھیجا' میں قیامت کے دن اس کے لیے شفیع و شہید ہوں گا۔''

اس کو ابو موسیٰ مدینی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ایک درود کے بدلے ستر درود:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجا' اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس کے عوض اس پر ستر مرتبہ درود بھیجتے ہیں۔''

اس کو امام احمد وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ یہ حکماً مرفوع ہے کیونکہ ایسی بات سے اجتہاد کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

دس غلام آزاد کرنے کا ثواب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کے لئے نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے ذریعے اس کی دس خطائیں مٹاتا ہے اور دس درجے بڑھاتا ہے اور اس کو دس غلام آزاد کرنے کا اجر ملے گا۔''

اس کو ابن ابی عاصم نے الصلاۃ میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

حضور کی شفاعت کا حق دار بننا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر درود بھیجے میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔''

اس کو ابو حفص بن شاہین وغیرہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

جنت میں ٹھکانہ ملاحظہ کرنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص مجھ پر دن میں ہزار مرتبہ درود بھیجے وہ مرنے سے پہلے جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لے گا''۔

اس کا الضیائی نے المختارہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور ابن شاہین نے انہی سے یہ روایت بایں الفاظ ذکر کی ہے:

''جو شخص مجھ پر بروز جمعہ ایک ہزار مرتبہ درود بھیجے''۔

آخر تک یہی روایت ابو موسیٰ مدینی اور ابن النعمان وغیرہ نے بھی بیان کی ہے۔

ایک لاکھ نیکیاں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو دن میں مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اس کے لئے ایک سو مقبول صدقات لکھتا ہے اور جس نے مجھ پر درود بھیجا اور وہ مجھ تک پہنچ گیا تو میں اس پر صلوٰۃ بھیجوں گا اور وہ میری شفاعت پائے گا''۔

اس کو ابو سعید نے شرف مصطفیٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

تنگدستی سے بچنے کا سبب:

ابو عبد اللہ قسطلانی نے بیان کیا کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یوں پڑھا کرو:

((اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وهب لنا اللهم من رزقك الحلال الطيب المبارك ماتصون به وجوهنا عن التعرض لاحد من خلقك واجعل لنا اللهم اليه طريقا سهلا من غير تعب ولانصب ولامنة ولاتبعة وجنبنا اللهم الحرام حيث كان واين كان وعند من كان وحل بيننا وبين اهله واقبض عنا ايديهم واصرف عنا قلوبهم حتى لانتقلب الا فيما يرضيك ولانستعين بنعمتك الا على ماتحب يا ارحم الراحمين))

''الٰہی! محمد اور ان کی آل پر درود بھیج اور ہم کو اپنے حلال، صاف، ستھرے اور بابرکت رزق سے عطا فرما جس سے تو ہمیں کسی مخلوق کے آگے دست سوال دراز کرنے کی ذلت سے بچائے اور الٰہی! ہمارے لئے رزق حلال کے حصول کی طرف آسان راستہ بتا دے جس میں (حد درجہ) محنت و مشقت بھی نہ ہو اور کسی کا احسان اور پیچھا کرنا بھی نہ ہو اور الٰہی! ہمیں حرام سے بچا جہاں کہیں ہو، جس کے پاس ہو اور ہمارے اور حرام خوروں کے درمیان رابطہ ختم فرما دے اور ان کے ہاتھ ہم سے روک دے اور ان کے دل ہم سے پھیر دے یہاں تک

کہ ہم صرف اس چیز کی طرف رخ کریں جس میں تیری رضا ہو اور تیری نعمت سے صرف اس مقصد کے حصول پر مدد مانگیں جو تجھے پسند ہو، اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے!"

ایک بار درود پڑھ کر اہلِ قبور کو ثواب بخشنا:

ایک عورت حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا:

"اے شیخ! میری بیٹی فوت ہوگئی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اسے خواب میں دیکھوں۔"

حضرت حسن بصری نے اس سے فرمایا:

"چار رکعت نماز پڑھو اور ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ، ایک مرتبہ سورۃ الھکم التکاثر پڑھو اور یہ نماز عشاء کے بعد پڑھنا، پھر لیٹ جاؤ اور سوتے وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتی رہو۔"

اس نے ایسا ہی کیا۔ پس اس نے خواب میں اس بیٹی کو عذاب وعقوبت میں گرفتار دیکھا۔ اس پر تانبے کا لباس تھا، ہاتھ جکڑے ہوئے اور پاؤں میں آتشیں بیڑیاں۔ جب وہ بیدار ہوئی تو حضرت حسن بصری کی خدمت میں آئی اور تمام واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا:

"کوئی صدقہ کرو! شاید اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے۔"

رات کو حسن بصری سوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گویا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ہیں۔ ایک تخت بچھا ہوا ہے، اس پر ایک حسین وجمیل لڑکی ہے جس کے سر پر نور کا تاج ہے۔ کہنے لگی:

"حسن! مجھے پہچانتے ہو؟"

حسن بصری نے کہا:

"نہیں!"

کہا:

"میں اسی عورت کی لڑکی ہوں جسے آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم دیا تھا؟"

حضرت حسن بصری نے کہا:

"تیری ماں نے تو تیری کچھ اور ہی حالت بتائی تھی جو ایسی نہ تھی۔"

لڑکی نے کہا:

"میری حالت ایسی ہی تھی جیسی اس نے آپ کو بتائی تھی۔"

حسن بصری نے فرمایا:

"پھر تو اس درجہ تک کیسے پہنچی؟"

وہ بولی:

"جیسا میری والدہ نے آپ سے بیان کیا ہے۔ ہم ستر ہزار اشخاص سزا بھگت رہے تھے تو ایک مرد صالح کا ہماری قبروں پر گزر ہوا، اس نے نبی علیہ السلام پر ایک بار درود شریف پڑھا اور اس کا ثواب ہم کو ایصال کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا اور ہم سب کو اس عذاب سے آزاد فرمادیا اور مجھے وہ مرتبہ میسر ہوا

جو آپ دیکھ رہے ہیں۔"

اس کو قرطبی نے تذکرہ میں ذکر کیا۔

رسول اللہ کی خوشبو مبارک:

محمد بن سعید بن مطرف جو ایک مرد صالح تھے، سے مروی ہے:

"میں نے اپنے اوپر یہ لازم کر رکھا تھا کہ جب بھی رات کو سونے کے لئے بستر پر آتا تو ایک معلوم و متعین تعداد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا' ایک رات ایسا ہوا کہ میں نے معین تعداد مکمل کر لی تو آنکھوں پر نیند کا غلبہ ہو گیا' میں اس وقت ایک کمرے میں تھا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس کمرے میں جلوہ افروز ہیں' کمرہ نور سے جگمگا رہا ہے' پھر سرکار میرے قریب تشریف لائے اور فرمایا: یہ منہ میرے قریب لاؤ جو مجھ پر کثرت سے درود و سلام پڑھتا رہتا ہے کہ میں اسے بوسہ دوں۔ مجھے شرم سی آنے لگی، میں نے اپنا منہ پھیر دیا' پس آپ نے میرے رخسار پر بوسہ دیا۔ میں گھبرا کر فوراً بیدار ہو گیا اور اپنی بیوی کو جو میرے پہلو میں تھی، بیدار کیا، سارا گھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے مہک رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے رخسار پر جو بوسہ دیا تھا اس کی خوشبو آٹھ دن تک میرے چہرے پر رہی اور میری بیوی کو اس کا ہر روز احساس ہوتا رہا۔"

یہ حکایت ابن بشکوال نے بیان کی ہے۔

رسول اللہ کا سلام:

ابو الفضل قرمسانی نے بیان کیا:

"میرے پاس ایک خراسانی آیا، اس نے بتایا کہ میں شہر کی مسجد میں تھا کہ مجھے نیند میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ہمدان آؤ تو فضل بن زیرک کو میری طرف سے سلام کہنا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیوں؟ فرمایا: اس لئے کہ وہ روزانہ مجھ پر سو مرتبہ درود و سلام پڑھتا ہے۔ پھر اس شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ مجھے بھی وہ درود شریف بتا دو! میں نے کہا: میں ہر روز کم و بیش سو مرتبہ یہ درود شریف پڑھتا ہوں:

((اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلیٰ اٰل محمد جزی اللہ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم عنا ماھو اھلہ))

"الٰہی! محمد نبی امی اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما' اللہ! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے ایسی جزا عطا فرمائے جس کے آپ حقدار ہیں۔"

اس شخص نے مجھ سے یہ نعمت لی اور میرے آگے قسم اٹھائی کہ نہ وہ مجھے پہچانتا تھا اور نہ میرا نام یہاں تک کہ اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کچھ بتلا دیا۔ میں نے اس کی خدمت میں کچھ تحائف پیش کئے لیکن اس نے وہ قبول نہیں کئے اور کہا: میں دنیاوی مال و دولت کے عوض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بیچتا نہیں' یہ

کہہ کر وہ شخص چلا گیا اور پھر میں نے اب تک اسے کہیں نہ دیکھا۔"

کثرت سے درود بھیجنا اور لکھنا:

ابوالعباس الاقلیشی مصنف کتاب النجم کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ان کو جنت میں ٹہلتا دیکھا گیا۔کہا گیا:

"یہ مرتبہ آپ کو کیسے حاصل ہوا؟"

فرمایا:

"میں نے درود وسلام کی فضیلت پر اربعین نامی جو کتاب لکھی تھی اس میں نبی علیہ السلام پر کثرت سے درود وسلام بھیجا اور لکھا تھا۔"

کتاب لکھتے وقت حضور کے نام کے ساتھ درود شریف لکھنا:

النمیری، ابن بشکوال اور ابن مسدی وغیرہ نے ابوصالح عبداللہ بن صالح الصوفی سے یہ روایت ذکر کی کہ ایک محدث کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔پوچھا گیا:

"اللہ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا۔؟"

فرمایا:

"میری مغفرت فرمادی۔"

کہا گیا:

"کس سبب سے؟"

فرمایا:

"میں اپنی کتاب میں حضور علیہ السلام کے اسم گرامی کے ساتھ جو درود وسلام لکھا کرتا تھا اس کے سبب سے۔"

ہاتھ سے درود شریف لکھنا:

ابن بشکوال نے اسمٰعیل بن علی بن المثنیٰ عن ابیہ روایت کیا کہ ایک محدث کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا۔؟"

فرمایا:

"میری مغفرت فرمادی۔"

پوچھا گیا:

"کس سبب سے؟"

فرمایا:

"اس لئے کہ میں ان دو انگلیوں سے بکثرت لکھا کرتا تھا: صلی اللہ علیہ وسلم۔"

درود شریف اور نور کا مینار:

ابو عبداللہ احمد بن عطا الروذ بادی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''میں نے ابو القاسم عبداللہ بن محمد المروزی کو کہتے سنا کہ میں اور میرے والد ماجد رات کو بیٹھ کر حدیث میں تقابل کیا کرتے تھے۔ پس جس جگہ ہم بیٹھ کر تقابل حدیث کیا کرتے تھے وہاں نور کا ایک ستون دیکھا گیا جو آسمان کی بلندیوں تک پہنچ رہا تھا۔ پوچھا گیا: یہ نور کیسا؟ تو کہا گیا: یہ دونوں تقابل حدیث کے وقت جو درود و سلام پڑھتے ہیں، یہ نور اسی کا ہے۔''

اس کو الخطیب اور اس کے واسطہ سے ابن بشکوال نے ذکر کیا۔

حضور کا راضی ہونا:

ابو اسحاق، ابراہیم بن دارم الدارمی المعروف نہشل کا بیان ہے:

''میں جب کوئی حدیث نقل کرتا تو یوں لکھتا:

((قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً))

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گویا جو کچھ میں لکھا کرتا تھا حضور نے اس میں سے کچھ لیا، پھر اس کو غور سے دیکھا اور فرمایا: یہ بہت عمدہ ہے۔''

اس کو الخطیب اور اس کے واسطہ سے ابن بشکوال نے بھی روایت کیا اور حافظ ابو موسیٰ المدینی نے اپنی کتاب میں محدثین کی ایک جماعت کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے:

''جب وہ حضرت وفات کے بعد خواب میں دیکھے گئے تو انہوں نے یہ بتایا کہ اللہ رب العزت نے ان کی مغفرت فرمادی، اس سبب سے کہ وہ جب بھی کوئی حدیث لکھتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھا کرتے تھے۔

کثرت درود اور مغفرت ربانی:

الحسن بن رشیق کو مرنے کے بعد اچھی حالت میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا:

''یہ مرتبہ آپ کو کیسے حاصل ہوا؟''

کہا:

''میں حضور اقدس علیہ السلام پر کثرت سے درود و سلام پڑھا کرتا تھا۔''

درود والی مجلس اور حضور کا نشان دہی فرمانا:

النمیری اور ابن بشکوال نے روایت کیا کہ ابو العباس الخیاط، ابو محمد بن رشیق رحمہما اللہ کی مجلس میں حاضر ہوئے، شیخ نے ان کی تعظیم کی اور فرمایا:

''کیا شیخ کو کسی چیز کی طلب ہے جو پیش کی جائے؟''

انہوں نے (ابو العباس نے) فرمایا:

''پڑھتے جاؤ!''

پھر فرمایا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ابن رشیق کی مجلس میں حاضری دو کہ وہ اپنی مجلس میں مجھ پر اتنی اتنی مرتبہ درود و سلام بھیجتے ہیں۔''

درود و سلام لکھنے کا حکم:

ابوالیمن بن عساکر نے ایک ایسے شخص سے بیان کیا جس نے ان سے ابوالعباس ابن عبدالدائم کی طرف سے یہ روایت بیان کی۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ صاحب (ابوالعباس) مختلف فنون کی کتابیں کثرت سے نقل کرتے تھے۔ ابوالعباس کا بیان ہے کہ جب میں کتب حدیث وغیرہ میں نبی کریم علیہ السلام کا ذکر کرتا تو درود کا لفظ لکھتا لیکن سلام کا لفظ نہ لکھتا۔ پس میں نے نبی کریم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا آپ مجھ سے فرمانے لگے:

''اپنے آپ کو چالیس نیکیوں سے محروم کیوں کرتے ہو۔؟ یہ چار حرف ہیں' ہر حرف کی دس نیکیاں ہیں۔''

کہتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر ان کو شمار کیا۔''

درود لکھنے والے کی تعریف زبان رسالت سے:

الحسن بن موسیٰ الخفری المعروف ابن عجینہ کا بیان ہے کہ میں جب حدیث لکھتا تو نبی کریم علیہ السلام پر درود و سلام چھوڑ دیتا' میرا مقصد اس سے یہ تھا کہ جلدی جلدی تحریر مکمل ہو جائے۔ میں نے نبی کریم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا:

''جب میرا نام لکھتے ہو تو درود و سلام کیوں نہیں لکھتے؟ جس طرح مجھ پر ابو عمرو الطبری درود و سلام پڑھتا اور لکھتا ہے۔''

اس پر میں بیدار ہو گیا۔ مجھ پر خوف طاری تھا۔ پس میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ کیا کہ آئندہ جب بھی حدیث میں سرکار ﷺ کا اسم گرامی آئے گا میں پورا درود و سلام لکھا کروں گا۔ ''صلی اللہ علیہ وسلم''

اس کو ابن بشکوال نے روایت کیا۔

فقیر و وزیر......راز کی بات اور بارگاہ رسالت:

محمد بن مالک نے بیان کیا:

''میں بغداد میں ابوبکر بن مجاہد مقری کے پاس علم تجوید و قرأت حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوا۔ ہم پوری جماعت ایک دن ان سے سبق پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک معمر شخص آ دھمکا' اس کا عمامہ پھٹا ہوا' قمیص بوسیدہ اور چادر بھی پھٹی پڑی تھی' اس کو دیکھ کر شیخ ابوبکر کھڑے ہو گئے اور اس شخص کو اپنی جگہ پر بٹھایا اور اس کا اور اس کے اہل و عیال کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا: رات کو میرے گھر میں بچہ پیدا ہوا' گھر والوں نے مجھ سے گھی اور شہد مانگا حالانکہ میرے پاس ذرہ بھر کوئی چیز نہ تھی۔ شیخ ابوبکر کہتے ہیں: یہ سن کر میرے دل کو بڑا صدمہ ہوا'

میں اسی حالت میں سو گیا، خواب میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ سرکار نے فرمایا: یہ رنج و غم کیا؟ خلیفہ کے وزیر علی بن عیسیٰ کے پاس جاؤ‘ اس کو سلام کہو اور اس کو یہ علامات بتاؤ کہ تم ہر جمعرات اس وقت تک نہیں سوتے جب تک مجھ (نبی علیہ السلام) پر ہزار مرتبہ درود شریف نہ بھیج لو اور اس جمعرات کو تم نے مجھ پر صرف سات سو مرتبہ درود بھیجا۔ پھر تمہارے پاس خلیفہ کا قاصد آیا اور تمہیں اس کے پاس بلا کر لے گیا پھر واپس آ کر تم نے مجھ ﷺ پر مزید صلوٰۃ و سلام پڑھا یہاں تک کہ ایک ہزار کی تعداد پوری ہو گئی‘ جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اس کو سو دینار بھیجو تا کہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے۔ ابو بکر مجاہد المقری اس معمر کو ہمراہ لے کر وزیر کے گھر پہنچے‘ پھر شیخ ابو بکر نے وزیر سے کہا: اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ پس وزیر اٹھا اور اس شخص کو اپنی جگہ بٹھایا اور ساری بات پوچھی۔ اس نے تمام صورت حال بتا دی۔ پس وزیر خوش ہوا اور اس نے غلام کو سو دینار کی تھیلی لانے کو کہا اور وہ تھیلی اس معمر کے حوالے کر دی‘ پھر دوسری تھیلی کا وزن کیا تا کہ اسے شیخ ابو بکر کے سپرد کر دے۔ انہوں نے تھیلی لینے سے انکار کر دیا۔ وزیر نے ان سے کہا: آپ یہ لے لیں کیونکہ آپ نے مجھے اس سچی خبر کی بشارت دی ہے پس یہ بات میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک راز تھا اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں‘ پھر مزید سو دینار وزن کر کے ان کی نذر کئے اور کہا: یہ بھی قبول فرمائیں کہ آپ نے مجھے یہ بشارت بھی سنا دی کہ میں ہر جمعرات کو جو درود و سلام بھیجتا ہوں‘ رسول اللہ ﷺ اس کو جانتے ہیں‘ پھر سو دینار اور لئے اور کہا: یہ بھی لے لیں کیونکہ آپ نے یہاں آنے کی زحمت گوارا فرمائی‘ یونہی سو سو دینار لے کر ان کی نذر کرنے لگا‘ یہاں تک کہ یہ تعداد ایک ہزار دینار تک پہنچ گئی۔ اس شخص نے کہا: میں صرف اتنے لوں گا جن کا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔“

درود شریف کی برکت سے درد و ورم کا آرام:

ابو عبداللہ بن نعمان ذکر کرتے ہیں:

”میں نے عبدالرحیم بن عبدالرحمٰن بن احمد کو یہ کہتے سنا کہ میں حمام میں گر گیا تھا‘ میرے ہاتھ پر سخت ضرب آئی‘ شدید درد ہو رہا تھا اور ہاتھ متورم تھا‘ میں رات کو اسی درد میں مبتلا تھا کہ آنکھ لگ گئی، خواب میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی‘ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹا! تمہارے درود و سلام نے مجھے متوجہ کیا‘ صبح اٹھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلمکی برکت سے نہ درد تھا نہ ورم۔“

درود کے سبب بخشش و مغفرت:

امام بیہقی نے روایت کیا کہ امام شافعی کو خواب میں دیکھا گیا تو پوچھا گیا کہ اللہ نے آپ سے کیا سلوک فرمایا۔ فرمایا مجھے بخش دیا۔ کہا گیا: کس سبب سے؟ فرمایا: ان پانچ کلمات کی وجہ سے جن سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا کرتا تھا‘ کہا گیا: وہ کون سے؟

((اللھم صل علی محمد بعد دمن صل علیه و صل علیٰ محمد بعدد من لم یصل علیه وصل علیٰ محمد کما امرت ان یصلی علیه وصل علی محمد کما تحب ان تصلی علیه وصل علی محمد کما تبتغی الصلوٰة علیه))

''الٰہی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج ان لوگوں کے برابر جنہوں نے آپ پر درود بھیجا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج ان لوگوں کے برابر جنہوں نے آپ پر درود نہیں بھیجا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج جیسے تو نے درود بھیجنے کا حکم دیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج جیسے تو ان پر درود بھیجنا پسند کرتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج جیسے تو ان پر درود بھیجنا چاہتا ہے۔''

درود سن کر حضور کا مسکرانا:

علامہ قسطلانی نے اپنی کتاب ''مسالک الحنفاء'' میں امام طبرانی کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم علیہ السلام کو خواب میں اسی نورانی شکل وصورت میں دیکھا جو صحیح احادیث کے ذریعے ہم تک پہنچی۔ انہوں نے عرض کیا:

((السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبر كاته))

''یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے چند کلمات القاء فرمائے ہیں۔ میں انہیں حضور کے سامنے پیش کرتا ہوں۔''

فرمایا:

''کون سے کلمات؟''

عرض کیا:

((اللهم لك الحمد بعد د من حمدك ولك الحمد بعدد من لم يحمدك ولك الحمد كما تحب ان تحمد اللهم صلی علی محمد بعدد من صلی علیه وصل علی محمد بعدد من لم یصل علیه وصل علی محمد كما یحب ان یصلی علیه))

''الٰہی! تیرے ہی لئے ہے تعریف تمام تعریف کرنے والوں کی تعداد کے برابر اور تیرے ہی لئے ہے تعریف ان کی تعداد کے برابر جنہوں نے تیری تعریف نہیں کی اور تیرے لئے ایسی تعریف جو تجھے پسند ہو۔ الٰہی! محمد پر درود بھیج ان لوگوں کی تعداد کے برابر جنہوں نے حضور پر درود بھیجا اور محمد پر درود بھیج ان کی تعداد کے برابر جنہوں نے آپ پر درود نہیں بھیجا اور محمد پر ایسا درود بھیج جیسے تو ان پر بھیجنا چاہے۔''

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑے یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے اور آپ کے سامنے کے دندان مبارک کے درمیان جو باریک سا فاصلہ تھا اس میں سے نور نظر آنے لگا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔''

درود شریف اور سورۃ الکوثر:

امام عبدالوہاب شعرانی نے ''الطبقات'' میں فرمایا کہ ابوالمواہب الشاذلی کہا کرتے تھے:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے نہ چھوڑنا! فرمایا: ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ تم حوض کوثر پر آؤ اور اس کا پانی پیو! کیونکہ تم سورۃ الکوثر پڑھتے اور مجھ پر درودوسلام بھیجتے ہو۔ اب جو درودوسلام کا اجروثواب ہے وہ تو میں نے تمہیں عطا کردیا۔ رہا سورۂ کوثر کا ثواب، سواس کو میں تمہارے لئے باقی رکھوں گا۔ جب اپنے اعمال پر نظر کرو یا تمہارے کلام میں کوئی خلل

واقع ہو تو یہ کلمات کہنا نہ چھوڑنا۔

((استغفر اللہ العظیم لاالہ الاھو الحی القیوم و اتوب الیہ و أسالہ التوبۃ و المغفرۃ انہ ھو التواب الرحیم))

''میں اس بزرگ و برتر سے معافی چاہتا ہوں جس کے بغیر کوئی معبود نہیں، جو زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اور میں اس کی طرف توبہ کرتا اور اسی سے توبہ و مغفرت کا سوال کرتا ہوں، بیشک وہی ہے توبہ قبول فرمانے والا مہربان۔''

درود، دعا اور آیت قرآنی:

امام شاذلی فرمایا کرتے تھے:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے میرا منہ چوما اور فرمایا: میں اس منہ کو چومتا ہوں جو مجھ پر دن میں ایک ہزار مرتبہ درود بھیجتا ہے اور ایک ہزار مرتبہ رات کو۔ اگر رات کے وقت سورۃ انا اعطیناک الکوثر تمہارا ورد ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو اور تمہاری دعا یہ ہو جائے: اللھم فرج کرباتنا' اللھم اقل عثراتنا' اللھم اغفر زلاتنا (الٰہی! ہماری مصیبتیں دور فرما' الٰہی ہماری لغزشیں معاف فرما' الٰہی ہماری غلطیاں بخش دے) اور تم مجھ پر درود بھیجو اور یوں کہو: وسلام علی المرسلین و الحمد للہ رب العلمین (سب رسولوں پر سلام اور حمد و ثناء اللہ رب العالمین کے لئے)۔''

درود اور شفاعت:

ابوالمواہب الشاذلی فرمایا کرتے تھے:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: تم ایک لاکھ کی شفاعت کرو گے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ شرف مجھے کیسے حاصل ہوا۔؟ فرمایا: اس ثواب کا بدلہ جو تم درود و سلام پڑھ کر مجھے ایصال کرتے ہو۔''

درودِ تام:

ابومواہب فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں نے اپنے وظائف سے جلد فارغ ہونے کی غرض سے نبی کریم علیہ السلام پر جلد جلد درود و سلام پڑھا جس کی تعداد ایک ہزار تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوں کہا کرو:

((اللھم صل علی محمد و علی ال سیدنا محمد))

بڑے اطمینان اور ترتیب سے۔ ہاں جب وقت کی تنگی ہو تو جلدی جلدی پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ جو کچھ میں نے تم سے کہا یہ افضل ہونے کے لحاظ سے ہے، ورنہ جیسے درود و سلام بھیجو وہ درود و سلام ہی ہے اور بہتر یہ ہے کہ درود تام سے ابتداء کرو اور اسی پر اختتام ہو جائے۔ صرف ایک مرتبہ پڑھ لیا جائے۔ درود تام یہ ہے:

((اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد کماصلیت علی سیدنا ابراھیم وعلی ال سیدنا ابراھیم وبارك علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد کما بارکت علی سیدنا ابراھیم وعلی ال سیدنا ابراھیم فی العالمین انك حمید مجید السلام علیك ایھا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ))

درود کے بعد حمد باری تعالیٰ:

ابوالمواہب الشاذلی فرمایا کرتے تھے:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ نے مجھے فرمایا: تمہارے شیخ ابوسعید الصفروی مجھ پر مکمل اور بکثرت درود وسلام بھیجتے ہیں ان سے کہو کہ جب درود شریف ختم کریں تو اللہ عزوجل کی حمد کیا کریں۔''

ابن ہبیرہ اور درود پاک کی برکت:

ابن ہبیرہ کہتے ہیں:

''میں آنکھیں بند کئے نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام عرض کررہا تھا۔ پس میں نے اپنی پلکوں کے پیچھے سے ایک کاتب کو دیکھا جو میرا درود وسلام سیاہی سے ایک کاغذ پر لکھ رہا تھا۔ مجھے حروف کا موقع محل نظر آرہا تھا۔ اب میں نے اس نیت سے آنکھیں کھول دیں کہ اپنی نگاہوں سے اس کو دیکھ سکوں' میں نے جونہی آنکھیں کھولیں اس پر نگاہ پڑ گئی وہ مجھ سے اوجھل ہورہا تھا اور میری نگاہوں میں اس کے لباس کی سفیدی تھی۔''

نورانی قلموں سے فرشتوں کا درود لکھنا:

امام شعرانی نے المننن الکبریٰ میں شیخ احمد سروی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو نورانی قلموں سے ایک صحیفہ میں وہ تمام حروف وکلمات لکھتے دیکھا جن سے لوگ نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔

درود شریف پڑھنے والے پر فرشتے کا مقرر ہونا:

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ میں نے حج کے موقع پر ایک شخص کو نبی کریم علیہ السلام پر بہت زیادہ درود وسلام پڑھتے دیکھا۔ میں نے اس سے کہا:

''یہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا مقام ہے۔''

وہ کہنے لگا:

''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں۔؟ میں اپنے شہر میں تھا کہ میرے بھائی پر آخری وقت آگیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہو چکا ہے یوں نظر آتا تھا کہ گھر تاریکی میں ڈوب گیا ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر میں مغموم ہو گیا' اسی اثناء میں ایک شخص گھر میں داخل ہوا وہ میرے بھائی کے پاس آیا' اس شخص کا چہرہ چراغ کی طرح جگمگا رہا تھا' اس نے میرے بھائی کے چہرے سے کپڑا سرکایا اور چہرے پر ہاتھ پھیرا' پس وہ سیاہی جاتی رہی اور اس چہرہ اس طرح چمکنے لگا جیسے چاند۔ یہ دیکھ کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں نے اس شخص سے کہا: جزاك اللہ خیرا! آپ کون ہیں؟ آپ نے میرے ساتھ بڑی نیکی کی۔ فرمایا: میں وہ فرشتہ ہوں جس کو اسی کام پر مقرر

کیا گیا ہے کہ جو کوئی نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام بھیجے اسی طرح اس کے کام آؤں، تمہارا بھائی نبی اکرم علیہ السلام پر کثرت سے درود وسلام بھیجا کرتا تھا، اب اس کو سیاہ رو ہونے کی سزا دی گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے درود وسلام کے طفیل اس کی دستگیری فرمائی، پس اس کی روسیاہی ختم فرما کر اسے چمکا دیا۔"

تنگدستی کا ختم ہونا:

درود وسلام کے فوائد میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس سے محتاجی اور تنگدستی ختم ہوتی ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غربت اور فقر وفاقہ کی شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

"جب اپنے گھر جایا کرو تو کوئی اندر ہو یا نہ ہو، سلام کہہ لیا کرو! پھر ہم پر سلام بھیجا کرو اور ایک مرتبہ قل ھو اللہ احد (سورۃ اخلاص مکمل) پڑھ لیا کرو۔"

ان صاحب نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رزق کی بارش کر دی یہاں تک کہ انہوں نے اپنے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو بھی بہت کچھ دیا۔ اس کو ابو مسلم مدینی نے روایت کیا۔

آیت کریمہ کا معنی:

حضرت عمرو بن دینار نے آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا: "فاذا دخلتم بیوتاً فسلموا" (جب تم گھروں میں داخل ہو تو سلام کہو) اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یوں کہو:

((السلام علی النبی ورحمة الله وبركاته السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین السلام علی اهل البیت ورحمة الله وبركاته))

"سلام ہو نبی ﷺ پر اور اس کی رحمت اور برکت ہو، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ سلام ہو اہل بیت پر اور اس کی رحمت ہو اور برکتیں ہوں۔"

گھر اور مسجد میں سلام پڑھنا:

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں:

"جب مسجد میں کوئی نہ ہو تو یوں کہو: "السلام علی رسول الله" اور جب گھر میں کوئی نہ ہو تو یوں کہو:

"السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین"

"سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔"

فرشتوں کا سلام حضور کی بارگاہ میں پہنچانا:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے چلنے پھرنے والے فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔"

اس کو حاکم نے روایت کیا اور کہا:

"اس کی سند صحیح ہے۔"

سلام بھیجنے والے کا نام:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:
''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جب بھی کوئی شخص ان پر درود یا سلام بھیجے انہیں پہنچ جاتا ہے کہ فلاں آپ پر درود شریف بھیج رہا ہے۔''
اس کو اسحٰق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اسی طرح موقوفا روایت کیا ہے۔

سلام کا جواب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جب بھی کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔''
اس کو امام احمد وغیرہ نے بیان کیا اور امام نووی نے کتاب الاذکار وغیرہ میں اس کو صحیح بتایا اور موفق بن قدامہ نے المغنی میں اس حدیث کو ذکر کیا اور اس میں اتنا اضافہ کیا کہ ''جب بھی کوئی شخص مجھ پر میری قبر کے پاس آ کر سلام بھیجتا ہے۔''
جہاں تک میں نے چھان پھٹک کی مجھے یہ اضافہ (میری قبر کے پاس) کسی طریقہ سے نہیں ملا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یہ حدیث مروی ہے:
''مسلمان میری قبر کے پاس مجھ پر سلام بھیجے' اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتے کو مقرر فرما دیتا ہے جو مجھ کو وہ سلام پہنچا دیتا ہے۔''
اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا۔

سلام بھیجنے کی فضیلت:

علامہ ابن حجر نے الدر المنضود میں فرمایا:
''نبی کریم علیہ السلام پر سلام بھیجنے کی فضیلت میں جو روایات وارد ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے جس رات مجھے مبعوث کیا گیا میں جس درخت اور پتھر کے پاس سے گزرا اس نے یہی کہا: السلام علیک یا رسول اللہ اور ایک حدیث میں ہے: ''میں مکہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھ پر سلام بھیجتا تھا۔'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:
''بے شک مکہ میں ایک پتھر ہے جو میری بعثت کی راتوں کو مجھے سلام کرتا تھا۔ میرا جب بھی اس پر گزر ہوتا ہے اس کو پہچان لیتا ہوں۔''

پتھر کا حضور کو سلام کہنا:

ایک حدیث وہ ہے جس میں آتا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم علیہ السلام کو وضو کرنے کا طریقہ بتایا' آپ نے وضو کیا' پھر دو رکعت (تحیۃ الوضو) نماز پڑھی' پھر گھر لوٹے تو جس پتھر یا ڈھیلے کے پاس سے گزرتے' وہی سلام عرض کرتا: سلام علیک۔

سلام کے معنی:

سلام کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک معنی یہ کیا گیا ہے:

''وہ سلام جو اللہ تعالیٰ کا نام اقدس ہے وہ آپ پر یعنی آپ کبھی خیر و برکت سے خالی نہ ہوں اور ہر ناپسندیدہ بات سے آپ محفوظ رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی اسم گرامی جسے ایک معنی سے نقل کیا جائے' جب اس کو کسی چیز پر پڑھا جائے تو اصل لغوی معنی ادا کرے گا۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سلام کا مطلب ہے:

''نقائص اور قابلِ مذمت باتوں سے سلامتی۔ اب ''اللھم سلم علیہ'' (الٰہی! حضور پر سلام بھیج) کا معنی ہوگا: الٰہی! حضور کی دعوت' امت اور ذکر میں ہر کمزوری سے سلامتی لکھ دے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جائے اور آپ کی امت کی دنیا میں کثرت ہو اور آپ کا ذکر بلند ہو۔''

علیٰ لفظ استعمال کرنے میں حکمت:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سلام کا مطلب سر تسلیم خم کرنا اور تابع ہو جانا ہے۔ آخری دو معنوں میں علی کے لفظ سے اس کو متعدی کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں اس کا فیصلہ کر دے اور اللہ کے فیصلے بندوں پر اس لئے نافذ ہوتے ہیں کہ وہ بندوں کا مالک و بادشاہ ہے اور یہ مفہوم علیٰ سے ادا ہوتا ہے لہٰذا لفظ علی لفظ لک سے بلیغ تر ہے۔

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

نماز میں سلام عرض کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا، حالانکہ سیاق کلام غیب کا متقاضی تھا (تشہد کے شروع میں تمام صیغے غائب کے استعمال ہوئے مگر حضور کو سلام عرض کیا گیا تو خطاب کیا گیا) اس میں یہ حکمت ہے کہ جب نمازی نے بحالت نماز التحیات پڑھ کر بارگاہ الٰہی کے دروازے پر دستک دی تو اس کو بارگاہ رب العزت میں حاضری کی اجازت مل گئی۔ وہ اللہ جو زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا اس سے مناجات و سرگوشی کر کے اس نے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ اب اس کو خبردار کیا گیا کہ یہ قرب الٰہی اور اعزاز اس کو نبی رحمت کے واسطہ اور ان کی فرمانبرداری کی برکت سے حاصل ہوا ہے، سو نمازی نے غور سے جو دیکھا تو حبیب ﷺ کو سامنے پایا' اب نمازی نے السلام علیک ایھا النبی عرض کرتے ہوئے اپنا رخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر لیا۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

''نماز میں سلام کو درود پر مقدم رکھا گیا' حالانکہ آیت کریمہ میں پہلے درود شریف اور بعد میں سلام کا حکم آیا ہے، اس لئے کہ آیت میں اصل مقصود حکم پر عمل کرانا ہے اور تعمیل میں ابتداء اس سے کی جاتی ہے جس کی اہمیت زیادہ ہو، جس کی معرفت اور عملدرآمد لازمی ہو اور وہ ہے درود شریف کیونکہ ایک تو یہ اس آیت میں اپنی عظمت شان کی بنا پر اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کے ساتھ مخلص کیا گیا ہے (ان اللہ وملئکۃ یصلون) دوم اس لئے کہ

درود کو سلام لازم ہے۔ بخلاف سلام کے کہ اس کے کچھ معانی اللہ اور فرشتوں کے لئے ثابت نہیں کیے جاسکتے اور وہ ہیں: سر تسلیم خم کرنا اور یقین کرنا، لہٰذا یہ درود کو مستلزم نہیں، اس لئے اس کا درجہ درود سے کم ہے اور نماز کی بناء اس بات پر ہے کہ اس میں بندہ مقام ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتا ہے اور نماز کا آخری مرتبہ آخری تشہد ہے، لہٰذا اس میں پہلے تو اللہ تعالیٰ کی کامل تر اور جامع صفات کے ساتھ حمد وثناء بیان کی گئی اور وہ ہے التحیات اور اس کے مابعد (والصلوات والطیبات) کو کامل تر اور بلیغ تر انداز میں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا اور نماز میں اللہ رب العزت کی تعظیم اور اس کے لئے خشوع وخضوع کے لحاظ سے انتہائی مقصود ومطلوب یہی ہے، پھر جب یہ مرحلہ طے ہوگیا تو اب اس ہستی مقدس کی طرف متوجہ ہوئے جن کے ہاتھوں ہم کو یہ روشن ہدایت ملی، ہم نے اس کی ابتداء سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے سلام عرض کرنے سے کی جن سے اشارہ بھی مقصود تھا کہ معنوی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے رہتے ہیں، پھر ہم نے صالحین یعنی نیک بندوں کو سلام کیا جو ہدایت وتبلیغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں، پھر ہم نے مقام توحید کے بیان پر نماز ختم کی، جس کی بدولت یہ دونوں مرتبے بنتے ہیں۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا اور دوسرا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نائبین کی صفت ثناء کا مرتبہ۔ پھر جب یہ مرحلہ بھی طے ہوگیا تو ہم اس اعلیٰ ترین وصف وثناء کی طرف منتقل ہوگئے جس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف سے مستحق ہیں اور وہ ہے آپ پر درود بھیجنا۔ پس ہم نے اسی پر نماز ختم کی اور اس کو ہم نے اپنی دعا کے ساتھ جا ملایا۔ وہ دعا جس کا ہم کو حکم ہے کہ درود شریف کے بعد مانگا کریں۔''

میں نے الدر المنضود کے دونوں نسخوں میں جو کہ محشی ہیں، یہ عبارت لکھی دیکھی، ان میں سے ایک نسخہ علامہ ابن حجر کے شاگرد عمر بن محمود البیلونی کا لکھا ہوا اور دوسرا اس کے بیٹے کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

''ہمارے شیخ (ابن حجر) نے اپنی شرح العباب میں فرمایا: نبی علیہ السلام کو (نماز میں) خطاب کیا گیا ہے (السلام علیك ایها النبی) گویا یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ نمازی امتیوں سے پردہ اٹھا لیتا ہے۔ یہاں تک کہ حضور علیہ السلام ان کے سامنے اس طرح نظر آنے لگتے ہیں گویا وہاں حاضر ہیں اور یہ مقام افضل ترین عمل کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اب یہ مشاہدہ مزید خشوع وخضوع اور حضور قلب کا سبب بننا چاہئے۔''

پھر میں نے دیکھا کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے:

''السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ کہنے سے پہلے نبی کریم علیہ السلام کی شکل وصورت کو اپنے دل میں حاضر کرلے اور سچ جان کہ تیرا سلام آپ کو پہنچتا ہے اور آپ تجھے مکمل جواب دیتے ہیں۔''

السلام علیک اور السلام علی النبی:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم نبی کریم علیہ السلام کی زندگی میں یوں کہتے تھے: ''السلام علیك ایها النبی'' لیکن جب آپ کی وفات ہوگئی ہم نے کہنا شروع کردیا ''السلام علی النبی'' (خطاب ترک کر کے غائب کا صیغہ استعمال

کرنا شروع کر دیا)۔"

یہ الفاظ ابوعوانہ کے ہیں، اس سے صحیح تر الفاظ وہ ہیں جن کو امام بخاری نے روایت کیا ہے اور اس روایت سے معلوم ہوگا کہ یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ راوی نے یوں سمجھ لیا ہے۔ امام بخاری کے الفاظ یوں ہیں:

((فلما قبض قلنا سلام یعنی علی النبی))

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو ہم نے کہا: سلام یعنی نبی پر۔"

اب اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح ہم آپ کی زندگی میں سلام پڑھتے تھے اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی عمل پیرا رہے اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ ہم نے خطاب چھوڑ دیا' پس جب لفظ میں دونوں احتمال ہیں تو ایک معنی متعین نہ رہا' اس لئے معارضہ صحیح نہیں کہ وجوب خطاب معروف، مشہور اور ہمیشہ سے اُمت کا معمول رہا ہے کیونکہ اس کا مقابلہ و معارضہ بخاری کی روایت نہیں کرسکتی جو عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اور جس کی رو سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خطاب کو ترک کر دیا تھا اور غیب کا صیغہ استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ رہے ابوعوانہ کے الفاظ، سو وہ لائق التفات نہیں، کیونکہ بخاری کی روایت اس سے صحیح تر ہے اور میں واضح کر چکا ہوں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ لفظ نہیں "علی النبی" ان کا لفظ صرف یہ ہے: "قلنا سلام" "ہم نے سلام پڑھا۔" راوی اس کا مفہوم یہ سمجھا کہ ہم نے سلام علی النبی کا لفظ اختیار کر لیا۔

سلام پہنچ جاتا ہے:

حضرت زین العابدین بن امام حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے ایک شخص کو نبی کریم علیہ السلام کے روضہ انور کے پاس ایک گڑھے میں آتے جاتے دیکھا' وہ اس میں دعا کرتا تھا۔ امام نے فرمایا:

"میں تجھے ایک بات نہ بتاؤں جو میں نے اپنے باپ' انہوں نے میرے دادا علی کرم اللہ وجہہ اور انہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، فرمایا: "میری قبر کو عید اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنالینا اور مجھ پر سلام بھیجا کرو بیشک تمہارا سلام تم جہاں کہیں بھی ہو مجھے پہنچ جاتا ہے۔"

اس کو ابوبکر بن ابوشیبہ نے اور ان سے ابویعلی نے روایت کیا۔

یہ حدیث حسن ہے۔

اسمٰعیل القاضی نے کہا:

"ہم سے ابراہیم بن حمزہ' ان سے عبدالعزیز بن محمد' ان سے سہیل نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرنے کی نیت سے آیا' اس وقت امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے قریب ایک مکان میں شام کا کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بلایا' میں حاضر خدمت ہوا' فرمایا: قریب آؤ' کھانا کھاؤ! میں نے عرض کیا: کھانے کی حاجت نہیں۔ فرمایا: کیوں ٹھہرے ہو؟ میں نے عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لئے کھڑا ہوں۔ فرمایا: جب مسجد میں داخل ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کر لیا کرو! کیونکہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو! (نفل وسنت) اور ان کو قبرستان نہ بناؤ! اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اور مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تم جہاں کہیں ہو تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے۔"

انہی کے متعلق یہ روایت بھی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو حضور ﷺ کی قبر انور سے لپٹا دیکھا تو فرمایا:

"اے شخص! تو اور اندلس (سپین) کا کوئی شخص بغیر کسی فرق وامتیاز کے برابر ہے۔"

مطلب یہ کہ ہر ایک کا درود وسلام اللہ تعالیٰ قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتا رہے گا۔ کسی کے قبر انور کے قریب یا دور ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"تین چیزوں میں خاص سننے کی طاقت رکھی گئی ہے۔ جنت جنتیوں کی باتیں سنتی ہے، جہنم جہنمیوں کی اور میرے سرہانے مقرر شدہ فرشتہ۔ پس میری امت کا کوئی شخص جب یہ کہتا ہے کہ الٰہی! میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں تو جنت کہتی ہے: الٰہی! اس کو میرے اندر سکونت عطا فرما اور جب میری امت کا کوئی شخص یہ کہتا ہے: الٰہی! مجھے آگ سے بچانا تو دوزخ کی آگ بھی کہتی ہے: الٰہی! اس کو مجھ سے بچانا اور جب میرا کوئی امتی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو میرے سرہانے پر موجود فرشتہ کہتا ہے: یا محمد! یہ فلاں شخص ہے جو سلام عرض کرتا ہے، پس آپ بھی اس کو جواب سے نوازیں۔"

اس کو ابن بشکوال نے بیان کیا۔

ایک کے بدلے دس مرتبہ سلام:

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم علیہ السلام تشریف لائے تو خوشی آپ کے چہرہ اقدس پر نمایاں تھی، فرمایا:

"ابھی ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے، انہوں نے کہا: "اے محمد! کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ کا جو بھی امتی آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے، میں اس پر دس مرتبہ درود بھیجوں گا اور جو بھی آپ کا امتی آپ پر ایک مرتبہ سلام بھیجے گا، میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔"

اس کو امام نسائی وغیرہ نے روایت کیا۔

غلام آزاد کرنے سے افضل عمل:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نبی کریم علیہ السلام پر ایک مرتبہ سلام بھیجنا گردنیں آزاد کرنے سے افضل ہے۔

ایک سلام کروڑوں جنتوں سے افضل:

علامہ ابن حجر نے الدار المنضود میں کلام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نقل کرنے کے بعد فرمایا:

"ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے کے بدلے اللہ تعالیٰ نمازی پر دس مرتبہ سلام بھیجتا ہے اور

اللہ تعالیٰ کا ایک سلام کروڑوں جنتوں سے افضل ہے۔ سو تمہیں اس احسان عظیم پر مبارک ہو، کیسا کرم ہے۔“

چھینک آنے کے بعد سلام پڑھنا:

ابو محمد جبر نے اپنے شیخ ابو القاسم بن بشکوال کی کتاب القربیٰ میں ضحاک بن قیس کی روایت نقل کی ہے:
”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص کو چھینک آئی۔ وہ آدمی الحمدللہ رب العالمین کہہ کر چپ ہو گیا۔ اس پر حضرت ابن عمر نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج کر تکمیل کیوں نہ کر دی۔؟“

روضہ انور پر مردوں کے سلام سے بچا جائے:

1: ”الدر المنضود“ میں امام بیہقی سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا:
”جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضور علیہ السلام زندہ ہیں تو (روضہ انور) پر نہ اس طرح کہا جائے علیہ السلام اور نہ علیک السلام، کیونکہ یہ مردوں کا سلام ہے، بہت سے مصنفین کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں، اس سے بچنا چاہئے۔“

2: ابن ابی شیبہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا:
((علیك السلام یا رسول الله))
فرمایا:
”علیک السلام نہ کہو کہ علیک السلام مردوں کا سلام ہے۔“

3: امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ یہ روایت بیان فرمائی ہے کہ ایک صاحب نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مرتبہ کہا:
((علیك السلام یارسول الله))
فرمایا:
”علیک السلام مردے کا سلام ہے۔ جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو یوں کہے: السلام علیك ورحمة الله۔“
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سلام کا اس طرح تین بار جواب دیا:
((وعلیك السلام ورحمة الله))
علامہ ابن حجر نے کہا:
”اس سے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سلام صحیح ہے اور کسی صحیح غرض و مقصد کے تحت مختصر الفاظ سے سلام کرنا یا اس کا جواب دینا درست ہے، جیسا کہ میں نے ”شرح ارشاد“ میں بیان کیا ہے۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبرستان سے گزرتے وقت یوں سلام کیا تھا:
((السلام علیکم دار قوم مومنین))

اس سے معلوم ہوا کہ علیک السلام کو مردوں کا سلام فرمانے سے مراد دل کے مردے ہیں کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس طرح سلام کرتے تھے بہر حال السلام علیکم کے الفاظ سے سلام کہنا مردہ زندہ دونوں کے حق میں افضل ہے۔ علامہ مجدالدین فیروز آبادی مصنف القاموس'' کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے پاس درود سے بہتر سلام ہے بوجہ اس حدیث کے جس میں آتا ہے: ''جو مسلمان میری قبر کے پاس مجھ پر سلام بھیجے۔ اللہ تعالیٰ میری روح لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

سلام کہنے کا ایک طریقہ:

ابو محمد جبر نے محمد بن رضاح کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جو کوئی جمعرات کے دن عصر کے بعد یہ پڑھے:

((اللهم رب الشهر الحرام والركن والمقام ورب الحل والحرام اقرأ محمدا منى السلام))

''اے اللہ! حرمت والے مہینے، مشعر حرام، رکن یمانی اور مقام ابراہیم، حل اور حرم کے مالک! میری طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج''۔

اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس سلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے اور کہتا ہے: حضور! فلاں کا بیٹا فلاں آپ کو سلام عرض کرتا ہے۔

خواب میں دیدار کے وقت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس شخص کی بہت بڑی فضیلت منقول ہے جو یوں کہے:

''الٰہی! سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس پر میری طرف سے ہدیہ سلام پہنچا دے۔'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ الفاظ اس وقت کہنے چاہئیں جب خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہو اور یہ درود شریف پڑھ لے:

((اللهم صل على روح سيدنا محمد فى الارواح))

جبرائیل کا سلام لے کر حاضر ہونا:

امام ابو محمد جبر نے اپنی کتاب الملاذ والاعتصام میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور ان الفاظ سے سلام کیا:

((السلام عليك يااول' السلام عليك يااخر' السلام عليك ياباطن' السلام عليك ياظاهر))

''مجھے اس پر حیرت ہوئی اور میں نے کہا: اے جبریل! میرے جیسی مخلوق کی یہ صفت کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ تو اللہ رب العزت کی صفت ہی ہو سکتی ہے۔ کہا: یا محمد! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس طرح آپ کو سلام عرض کروں۔ خاص آپ کے لئے ہے، باقی مخلوق کے لئے نہیں۔ اس نے آپ کا نام اول رکھا کیونکہ آپ تمام انبیائے کرام میں اول ہیں، آپ کا نور آپ کے والد آدم علیہ السلام کی

پشت میں رکھ دیا' پھر آپ کو ایک پشت سے دوسری پشت کی طرف منتقل کرتا رہا یہاں تک کہ آپ کا ظہور آخری زمانہ میں کیا اور آپ کا نام آخر رکھا اس لئے کہ آپ آخری نبی ہیں اور تمام انبیاء کو ختم فرمانے والے ہیں۔ آپ کا نام باطن رکھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اپنے نام کے ساتھ پیدائش آدم سے دو ہزار سال پہلے ساق عرش پر لکھا' پھر مجھے آپ پر درود و سلام کا حکم دیا' پس میں نے اے محمد! آپ پر یکے بعد دیگرے دو ہزار سال تک درود و سلام پڑھا یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو بھیجا بشیر و نذیر' داعی الی اللہ باذنہ اور سراج منیر بنا کر۔ آپ کا نام ظاہر رکھا کیونکہ اس نے آپ کو تمام ادیان پر غالب کیا' آپ کی نبوت اور فضل و شرف کا آسمان والوں کو علم دیا' اسی نے آپ کا نام اپنے نام سے مشتق فرمایا اور آپ کی صفات کو اپنی صفات کا مظہر بنایا' پس آپ کا رب تو محمود ہے اور آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔" اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے اپنی تمام مخلوق پر فضیلت بخشی یہاں تک کہ میرے نام اور صفت کو۔"

رسول اللہ کی اولیت:

شاعر کہتا ہے:

وصف الالہ نبیہ بالاول

شرفا وقد سماہ باسم الاخر

واشتقہا من وصفہ لیجلہ

وکذا اتی عنہ بوحی ظاہر

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تعریف ان کی بزرگی کے پیش نظر اول سے کی اور اسی سے آپ کا نام آخر رکھا۔ اور بزرگی دیتے ہوئے ان کی اولیت کو اپنی صفت (اولیت) سے مشتق فرمایا اور یونہی واضح وحی کے ذریعے آپ سے ثابت ہے۔"

امام بصیری کا کلام:

عارف باللہ سیدی شیخ عبدالرحمٰن العیدروس نے احمد بدوی علیہ الرحمۃ کی کتاب "صلوٰت" کے اس جملہ پر "من اخرجت النبیون تحت لو آئہ فہم من" "وہ جن کے پرچم کے نیچے تمام انبیاء علیہم السلام شامل ہیں' پس وہ انہی سے ہیں، شعر کہے: اسی مضمون کی طرف امام بوصیری قدس سرہ کا کلام اشارہ کرتا ہے:

وکل ای اتی الرسل الکرام بہا

فانما اتصلت من ثورہ بہم

"اور جو معجزات انبیاء کرام لے کر آئے وہ آپ ہی کے نور کے سبب ان تک پہنچے۔"

فانہ شمس فضل ہم کواکبہا

یظہرون انوارہا للناس فی الظلم

"بے شک حضور فضل و کرم کے سورج ہیں جو اندھیروں میں اپنے انوار لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں۔"

علامہ بوصیری کے اشعار کی تشریح:

علامہ ابن مرزوق رحمہ اللہ نے ان اشعار کی تشریح میں فرمایا:

''جو معجزہ جو نبی لے کر آیا' وہ معجزہ اس نبی تک نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے پہنچا' کتنی پیاری بات فرمائی: ''فانما اتصلت من نورہ بھم'' اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہمیشہ ضیاء پاشیاں کرتا رہا ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی' اگر اس کے بجایہ فرماتے: ''فانما ھی من نورہ'' تو وہم پیدا ہوتا کہ ان پر نور کی ایک جھلک پڑی اور پھر باقی نہیں رہی حالانکہ ان سب کے معجزات بھی نور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل تھے کیونکہ حضور فضل وشرف کے سورج ہیں اور باقی انبیاء کرام اس کے ستارے اور ستارے لوگوں کے لئے اندھیروں میں سورج ہی کی روشنی پھیلاتے ہیں' پس ستارے خود بخود ضیاء بار نہیں ہوتے، بلکہ سورج سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور سورج جب پس پردہ ہو تو یہ اسی کی روشنی بکھیرتے ہیں یونہی انبیائے کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے آپ ہی کی فضیلت کا مظہر تھے۔''

حضور مقدم و مؤخر ہیں:

فان جاء بعد الانبیاء موخرا

لقد کان قبل الانبیاء مقدما

وکانوا لہ الحجاب فی مرکب الھدی

ولاغروا للحجاب ان تتقدما

اقام فتاۃ الدین بعد اعوجاجھا

فمن بعدہ ما اعوج ما کان قوما

''اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد تشریف لائے مگر اصل وجود کے لحاظ سے یقیناً سب سے پہلے تھے۔ اور وہ (انبیائے کرام) قافلہ ہدایت ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پردہ بن گئے۔ اور ان کو پردے کی بناء پر ذرہ بھی دھوکا نہیں ہوا کہ آپ سب سے اول ہیں۔ دین الٰہی کے پودے کو ٹیڑھا ہونے کے بعد حضور نے سیدھا فرمایا۔ پس حضور کے بعد کون ہے جو آپ کے سیدھے کئے کو ٹیڑھا کر سکے۔؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو عرض کیا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس طرح درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔''

السلام علیک یا اول

السلام علیک یا اخر

السلا علیک یا باطن

السلام علیک یا ظاهر

''اے اول! آپ پر سلام۔اے آخر آپ پر سلام۔اے باطن! آپ پر سلام۔اے ظاہر! آپ پر سلام۔''

اس کا اشارہ بھی اسی مضمون کی طرف ہے۔سیدی القطب الصفی القشاشی اوران کے شیخ الشناوی قدس سرہما مدینہ منورہ میں مواجہہ شریف کے سامنے انہی الفاظ سے سلام عرض کرتے تھے۔

مقام رسول اور حضرت حسان:

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فشق لـه من اسمـه ليجلـه

فذو العرش محمـود و هذا محمد

''(اللہ نے) آپ کا نام اپنے نام سے مشتق کیا تا کہ اس کو بزرگی دے، پس عرش والا المحمود ہے اور یہ محمد ہیں: صلی اللہ علیہ وسلم۔''

پس محمد، محمود سے مشتق ہوئے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور وہ خود حمد سے مشتق ہے۔پس اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں آسمانوں اور زمین والوں کا محمود (جس کی تعریف کی جائے) ہے،اب اس نے اپنے نبی پر فضل وکرم فرمایا اوران کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھ کران کو تمام نبیوں پر فضیلت بخشی۔

صلوۃ وسلام کے فضائل وفوائد (شیخ ابن قیم کا کلام):

درود وسلام پڑھنے کے درج ذیل فضائل ہیں اوراس سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں،جنہیں شیخ ابن قیم نے تحریر کیا ہے:

فائدہ نمبر 1: اللہ تبارک وتعالیٰ کی فرمانبرداری اور تعمیل حکم۔

فائدہ نمبر 2۔ اللہ عزوجل کے ساتھ درود میں موافقت۔گو نوعیت میں ہماری صلوٰۃ اور اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ مختلف ہوں، کیونکہ ہماری صلوٰۃ تو دعاء اور سوال ہے اور اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ ثناء وشرف کا بیان ہے۔

فائدہ نمبر 3: درود خوانی میں فرشتوں کے ساتھ موافقت۔

فائدہ نمبر 4: ایک دفعہ درود پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے دس رحمتوں کا ملنا۔

فائدہ نمبر 3: ایک دفعہ کے درود پر دس درجات کا بلند کیا جانا۔

فائدہ نمبر 5: ایک بار درود شریف پڑھنے سے دس نیکیوں کا لکھا جانا۔

فائدہ نمبر 6: ایک درود کے پڑھنے سے دس گناہوں کا مٹنا۔

فائدہ نمبر 7: جب درود دعا سے اول ہو تو اس دعا کی قبولیت کی امید ہونا، کیونکہ درود شریف دعا کو رب العالمین تک لے جاتا ہے اور بلا درود کے زمین وآسمان کے درمیان ہی دعا روک لی جاتی ہے۔

فائدہ نمبر 8: درود خوانی رسول اللہ ﷺ کی شفاعت پانے کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 9: درود شریف گناہوں کی مغفرت کا باعث ہے۔

فائدہ نمبر 10: درود شریف بندہ کے رنج وغم میں اللہ تعالیٰ کی کفایت کرنے کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 11: صلوۃ وسلام قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ سے قریب تر ہونے کا سبب ہے (جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔)۔

فائدہ نمبر 12: تنگ دست کے لئے درود قائم مقام صدقہ ہے۔

فائدہ نمبر 13: صلوۃ وسلام قضاء حاجات کا وسیلہ ہے۔

فائدہ نمبر 14: درود شریف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فرشتوں کی دعائے رحمت کے حاصل کرنے کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 15: درود خواں کے لئے درود زکوۃ وطہارت ہے۔

فائدہ نمبر 16: صلوۃ وسلام موت سے پہلے بندہ کو بشارت جنت مل جانے کا سبب ہے۔ اس کا ذکر حافظ ابوموسیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اور ایک حدیث میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

فائدہ نمبر 17: صلوۃ وسلام قیامت کی ہولناکیوں سے نجات کا سبب۔ (ابوموسیٰ نے ذکر کیا اور حدیث لکھی ہے)

فائدہ نمبر 18: رسول اللہ ﷺ خود صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کو جواب دیتے ہیں۔

فائدہ نمبر 19: بھولی ہوئی شے درود سے یاد آجاتی ہے۔

فائدہ نمبر 20: مجلس درود سے پاکیزہ ہوجاتی ہے اور قیامت کے دن وہ نشست اہل مجلس کے لئے حسرت نہیں بنتی۔

فائدہ نمبر 21: درود شریف سے فقر و تنگ دستی جاتی رہتی ہے۔

فائدہ نمبر 22: درود شریف پڑھنے کے طفیل بخیلی کی عادت بندہ سے دور ہوجاتی ہے۔

فائدہ نمبر 23: درود پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ کی بد عا رغم انف (جو درود نہ پڑھے اس کی ناک خاک آلود ہو) سے بندہ محفوظ ہوجاتا ہے۔

فائدہ نمبر 24: درود شریف درود خواں کو جنت کے راستے پر چلاتا ہے اور جو درود کو ترک کرتا ہے وہ راہ بہشت چھوڑ بیٹھتا ہے۔

فائدہ نمبر 25: صلوۃ وسلام مجلس کی سڑاند سے نجات دیتا ہے، کیونکہ جس مجلس میں ذکر الٰہی اور ذکر رسول نہ ہو، اور باری تعالیٰ کی حمد و ثناء اور محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود نہ ہو وہ سڑاند سے پاک نہیں ہوتی۔

فائدہ نمبر 26: جو کلام حمد اللہ وصلوٰۃ بر مصطفیٰ ﷺ سے شروع ہو، درود اس کے مکمل ہونے کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 27: پل صراط پر بندہ کے لئے بے پناہ نور کا سبب درود شریف ہے۔

فائدہ نمبر 28: درود پڑھنے سے بندہ جفاء سے نکل جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 29: درود شریف درود خواں کی ثناء حسن اہل زمین و آسمان کے اندر باقی رہنے کا سبب ہے، کیونکہ درود خواں کا سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی ثناء و اکرام اور شرف زیادہ فرمائے چونکہ جزاء جنس عمل سے دی جاتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اسی نوع کی جزاء اس کو بھی ملے۔

فائدہ نمبر 30: درود خواں کی ذات خاص اور عمل و عمر و دیگر اسباب مصالح میں برکت کا باعث ہے، کیونکہ درود خواں کی دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور ان کی آل پر برکت فرمائے۔ یہ دعاء بہر حال مستجاب ہے اور جنس کے موافق جزا دی جاتی ہے۔

فائدہ نمبر 31: درود اللہ تعالیٰ کی رحمت پانے کا ذریعہ ہے، کیونکہ یا تو رحمت ترجمہ ہے صلوٰۃ کا جیسے بعض کا قول ہے یا رحمت صلوٰۃ کے لوازم وموجبات میں سے ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ بہر حال اس سے رحمت الٰہیہ درود خواں پر نازل ہوتی ہے۔

فائدہ نمبر 32: درود سبب ہے رسول اللہ ﷺ کی محبت کے دوام واضافے اور افزونی کا اور یہ صفت مراتب ایمان میں سے ایک مرتبہ ہے۔ جس کے بغیر ایمان کامل واکمل نہیں ہوتا، کیونکہ انسان جس قدر زیادہ محبوب کا ذکر کرے گا، محبوب اور اس کی خوبیوں کو یاد رکھے گا اور ان مضامین کو جو محبت بھڑکا دینے والے ہیں پیش نظر رکھے گا، اسی قدر اس کی محبت بڑھے گی، اور شوق کامل ہوگا۔ حتیٰ کہ تمام دل پر چھا جائے گا، لیکن جب ذکر چھوڑ دے اور اس کے محاسن کو دل میں جگہ نہ دے تب محبت کم ہو جائے گی۔ یہ یاد رکھو کہ جس طرح آنکھ کی ٹھنڈک دیدارِ یار ہے، اسی طرح دل کی تسکین اس کی اور اس کے محاسن کی یاد ہے۔ جب یہ صفت دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے تو زبان خود بخود مدح اور ثناء میں جاری ہو جاتی ہے اور محبوب کی تعریف ومحامد برابر بیان کیا کرتی ہے اور اس صفت میں کمی وبیشی اصل محبت کی کمی بیشی کے موافق ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ حسن ومشاہدہ اس پر شاہد ہے اور شعراء نے اس بارے میں بہت کچھ لکھا ہے:

عجبت لمن یقول ذکرت حبیبی — وهل انسی فاذکر من نسیت

''ہمیں محبوب کی یاد کیا دلاتے ہو جو کبھی نہ بھولا ہو اس کو یاد کرنا کیسا؟''

شاعر گو اس پر تعجب ظاہر کرتا ہے کہ محبوب کی یاد کوئی شخص اسے دلائے۔ وہ کہتا ہے کہ یاد دلانا تو نسیان کے بعد ہوتا ہے اور تکمیل محبت کے بعد نسیان نہیں ہوسکتا۔

دوسرا شاعر کہتا ہے:

ارید لانسی ذکرها فکانما — تمثل بي لیلی بکل سبیل

''میں چاہتا ہوں کہ لیلیٰ کو بھلا دوں، لیکن کیا کروں ہر کوچہ وگلی میں اس کی ہی تصویر پھرتی ہے۔''

اس شعر میں شاعر ظاہر کرتا ہے کہ یار کی محبت نسیان کی مانع ہے۔

متنبی کہتا ہے:

یراد من القلب نسیانکم — وتأبي الطباع علی الناقل

''دل چاہتا ہے کہ تجھ کو بھول جاؤں لیکن طبیعت اس پر آمادہ نہیں ہوتی۔''

اس شعر میں شاعر ظاہر کرتا ہے کہ یار کی محبت اور یاد طبیعت بن گئی اور داخل فطرت ہوگئی ہے۔ اب اگر اس کے خلاف ارادہ بھی کریں تو طبیعت ادھر جانے سے انکار کرے گی۔

رسول اللہ حبیب اللہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی جناب اشرف واعلیٰ تو وہ ہے کہ شعر ذیل آپ کی آستان پر نہایت شایاں ہے:

والو شق عن قلبي فری وسطه — ذکرك والتوحید في شطره

''میں نے اس سینے کے اندر دل کے دو ٹکڑے کئے ہیں، نصف خالق کے لئے اور نصف ہے تیرے لئے!''

بے شک مومن کے دل کی یہی صفت ہے کہ اس میں اللہ اور رسول ﷺ کا ذکر ایسا لکھا ہوا ہوتا ہے کہ محو وازالہ ممکن نہیں۔ پس یہ معلوم ہوگیا کہ کسی چیز کا بکثرت ذکر اس کی دوام محبت کا باعث ہے اور عدم یاد آوری زوال یا ضعف الفت کا

سبب۔

اللہ تعالیٰ بندوں کی جانب سے نہایت محبت اور نہایت تعظیم کا مستحق ہے اور شرک جسے اللہ تعالیٰ نہ بخشے گا۔ اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ غیر کو محبت و تعظیم میں باری تعالیٰ کے ساتھ شریک بنایا جائے۔

یہاں نبی کریم ﷺ کی محبت محبتِ خالق کے تابع ہے۔

کفار و مشرکین کی بتوں سے محبت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((ومن الناس من يتخذ من دون الله أندادا يحبونهم كحب الله والذين ءامنوا أشد حبا لله)) (البقرة :۲/۱۶۵)

''کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مد مقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں، جیسی اللہ کے ساتھ گرویدہ ہونا چاہیے حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں''۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ مشرک غیر اللہ کے ساتھ وہی محبت رکھتا ہے جو محبت اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیے اور بتلایا ہے کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی محبت ہر شے سے افزوں اور برتر ہوتی ہے۔ دوزخ کے اندر گر کر دوزخی کہیں گے:

((تالله ان كنا لفى ضلل مبين اذ نسويكم برب العلمين)) (الشعراء:۲۶/۹۷-۹۸)

''اللہ کی قسم! ہم صریح ضلالت میں تھے۔ جب ہم تم کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے۔''

اور یہ ظاہر ہے کہ مشرکین کا اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر سمجھنا محبت، چاہت اور عبادت میں تھا۔ ورنہ اس بات کا تو کوئی بھی قائل نہیں کہ بت یا کوئی اور رب العالمین کے صفات و افعال میں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں بلکہ ان بت پرستوں کی پیدائش میں بھی اللہ تعالیٰ کے برابر ہیں۔

غرض یہ برابری محبت و عبادت میں تھی۔ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر حال وہ لوگ ہیں جو ہر ایک شے کو وجود میں اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک موجودہ کا کامل ہو یا ناقص وجود بتلاتے ہیں، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ضلالت اور شقاوت کا حکم لگایا جو اپنے معبودوں کو صرف محبت میں اللہ کی برابری کا درجہ دیتے تھے اور اسی طرح قائل تھے کہ ان میں اور اللہ کریم میں اوصاف و افعال اور خلق میں بڑا تفاوت ہے۔ تو اندازہ کرو اس شخص کا جو اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات کے برابر ہر ایک چیز میں خیال کرتا ہے اور پھر اس پر یہ زعم کہ اس نے تمام معبودوں میں سے بجز اللہ کے دوسرے کی عبادت نہیں کی۔

خیر ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ جب دوام محبت کا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کمال محبت و عبودیت و تعظیم و اجلال کا مستحق تر ہے تو کثرت ذکر بھی بندہ کے لئے نافع تر ٹھہرا اور جو اس ذکر سے بندہ کو مانع ہو وہی اس کا اصلی دشمن بھی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کثرت ذکر کا حکم دیا ہے اور اس کو سبب فلاح ٹھہرایا ہے۔

فرمایا:

((واذكروا الله كثيراً لعلكم تفلحون))

''اور یاد کرو اللہ کو بہت تا کہ تم فلاح پاؤ۔'' (سورۃ الأنفال: ۸/۴۵)

فرمایا:

((یأیھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً))

"اے ایمان والو! اللہ کو بہت بہت یاد کیا کرو۔" (الاحزاب:۳۳/۴۱)

فرمایا:

((والذکرین اللہ کثیرا والذکرات))

"اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔" (الاحزاب:۳۳/۳۵)

فرمایا:

((یأیھا الذین امنوا لا تلھکم أموالکم ولا أولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذلک فأولئک ھم الخسرون))

"اے ایمان والو! نہ غافل کریں تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے اور جو کوئی ایسا کرے وہی لوگ خسارے میں آئے۔" (سورۃ المنافقون:۶۳/۹)

پھر فرمایا:

((فاذکرونی أذکرکم))

"تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔" (البقرۃ:۲/۱۵۲)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"سبقت لے گئے مفردین۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! مفردین کون ہیں۔

فرمایا:

"اللہ کا ذکر کثیر کرنے والے۔"

ترمذی میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((الا ادلکم علی خیر اعمالکم وازکاھا عند ملیکم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذھب والورق وخیر لکم ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم قالوا بلی یارسول اللہ قال ذکر اللہ))

"کیا میں تم کو نہ بتلادوں جو سب اعمال میں بہتر ہے اور جو اللہ کے نزدیک بہت پاک ستھرا ہے اور جو درجات بلند کرنے میں زیادہ تر ہے اور جو سونا چاندی لٹانے سے بھی بڑھ کر ہے اور جو اس سے بھی بہتر ہے کہ تم دشمن سے ملو، ان کی گردنیں کاٹو اور اپنے سر کٹواؤ، سب نے عرض کی: ہاں اے اللہ کے رسول! بتلا دیجئے۔ فرمایا: "اللہ کا ذکر۔"

یہ حدیث مؤطا میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''کوئی عمل آدمی کا ایسا نہیں جو اس کو عذاب الٰہی سے نجات دلانے میں اللہ کے ذکر سے بڑھ کر ہو۔''

یہ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کا تابع اور ساتھ ملا ہوا ہے اور مقصود یہ ہے کہ دوام ذکر دوام محبت کا سبب ہے اور ذکر دل کے لئے ایسا ہے جیسے کھیت کے لئے پانی بلکہ مچھلی کے لئے پانی کہ اس کے بغیر زندگی ہی نہیں۔

ذکر کے اندر ذکر کی سب انواع داخل ہیں:

١۔ اسماء کا ذکر۔ ٢۔ صفات کا ذکر۔

٣۔ ان افعال و صفات پر مدح اور ثناء کرنا۔ ٤۔ تسبیح

٥۔ تحمید۔ ٦۔ تکبیر۔

٧۔ تہلیل۔ ٨۔ تمجید

اور بسا اوقات متاخرین کے نزدیک لفظ ذکر کا استعمال انہی معنی میں ہوتا ہے۔

احکام، اوامر اور نواہی کا ذکر۔

یہ ذکر اہل علم کا ہے، بلکہ ہر سہ اقسام کا ذکر ان کے لئے ہے اور افضل ذکر کلام اللہ کی تلاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ومن أعرض عن ذكرى فان له معيشة ضنكا ونحشره يوم القيٰمة أعمى))

(سورۃ طٰہٰ: ٢٠/١٢٤)

''جس نے میرے ذکر سے منہ پھیرا اس کے لئے تنگ روزی ہے اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔''

اس سے آگے چل کر اپنے کلام کا جو رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے، ذکر کیا اور فرمایا:

((الذين ءامنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله ألا بذكر الله تطمئن القلوب))

(سورۃ الرعد: ١٣/ ٢٨)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دلوں نے اللہ کے ذکر سے اطمینان پکڑا۔ یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کا اطمینان ہے۔''

ذکر الٰہی کی قسم میں دعاء اور استغفار و تضرع بھی داخل ہیں۔ پس ذکر کی یہ پانچ اقسام ہوئیں۔

فائدہ نمبر 33: کثرت درود کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو اس شخص سے محبت ہو جاتی ہے، کیونکہ جس طرح پر درود شریف درود خواں کی کثرت محبت کا سبب ہے، ایسے ہی نبی کریم ﷺ کی محبت کو اپنی جانب کر لینے کا بھی باعث ہے۔ یہ شخص نبی کریم ﷺ سے محبت رکھتا ہے تو نبی کریم ﷺ بھی اسے چاہیں گے۔

فائدہ نمبر 34: درود خوانی انسان کی ہدایت اور حیات قلب کا سبب ہے، کیونکہ جس قدر زیادہ درود پڑھے گا اور ذکر مبارک اس کی زبان پر آئے گا، اسی قدر محبت بھی دل پر غالب آ جائے گی۔ یہاں تک کہ دل میں کوئی شے ایسے باقی نہ رہ جائے گی جو آپ کے اوامر کا معارضہ کرے یا آپ کی تعلیم پر شک ہونے دے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی ہدایات

اور تعلیمات اس کے دل پر روشن تحریر کے ساتھ لکھی جاتی ہیں اور جس قدر وہ آپ کے احوال میں غور کرتا ہے، اتنا ہی گویا لوح دل کی اس تحریر کو پڑھتا رہتا اور اس سے ہمیشہ ہدایت وفلاح اور انواع علوم کا اقتباس کرتا رہتا ہے۔ اب جس قدر اس کی بصیرت بڑھتی اور قوت معرفت زیادہ ہوتی جاتی ہے، اسی قدر زیادہ درود شریف کو بڑھاتا رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل علم و عارفین سنت وہدایت نبوی اور متبعین احکام کی درود خوانی اور ہے اور عوام کی درود خوانی اور عارفین سنت تابعین ملت عالمین ہدایت کی درود خوانی اور ہی قسم کی ہے، کیونکہ ان کو جس قدر زیادہ تعلیم نبوی کی معرفت حاصل ہوتی جائے گی، اسی قدر ان کی محبت بھی بڑھتی جائے گی اور اسی قدر ان پر درود شریف کی حقیقت جو اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے کھلتی جائے گی اور اس حقیقت کا عرفان ہوتا جائے گا۔ یہی حال ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر کا کہ جس قدر زیادہ بندوں کو عرفان ہوگا اور جس قدر زیادہ اس میں اطاعت اور محبت کا مادہ ہوگا، اسی قدر اس کے ذکر کو غافلین کے ذکر سے امتیاز حاصل ہوگا۔ یہ ایک ایسا امر ہے جو حس سے معلوم ہوتا ہے، صرف خبر سے نہیں۔ دیکھو ایک تو وہ شخص ہے جو جوش محبت سے محبوب کی صفات کا ذکر اور اس کی ثناء وتمجید کرتا ہے۔ جس کے دل پر محبت قبضہ کئے ہوئے ہے۔ اور ایک وہ ہے جو صرف قرائن سے ذکر کرتا ہے یا ایسے لفظ بولتا ہے جن کے معنی وہ نہیں جانتا۔ وہ تعریف کرتا ہے مگر زبان کے ساتھ دل موافقت نہیں رکھتا۔ ان دونوں میں جو تفاوت ہوسکتا ہے ظاہر ہے۔ ٹھیک وہی فرق ہوگا جو اجرت پر رونے والی اور پسر مردہ پر رونے والی میں فرق ہوتا ہے۔

الغرض یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی یاد اور اللہ تعالیٰ کی حمد اس نعمت پر کہ آپ کو ہمارا سردار بنایا اور آپ کی رسالت سے جملہ مخلوقات پر احسان عظیم فرمایا۔ زندگانی وجود اور حیات قلب ہے۔

کسی شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے:

روح المجالس ذکرہ و حدیثه | وهدی لك ملدد وحیران
واذا اضل بذکرہ فی مجلس | فأولئك الاموات في الحيان

''ذکر واحادیث رسول مجالس کی جان ہے، بھولے بھٹکوں کو اسی سے راہ ہدایت ملتی ہے۔ جو مجلس میں بیٹھ کر آپ کا ذکر خیر بھول جائے تو سمجھ لو کہ زندوں میں کوئی مردہ پڑا ہے۔''

فائدہ نمبر 35: درود خوان کا نام وذکر نبی کریم ﷺ کے حضور میں پیش کیا جاتا ہے اور اہل ایمان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوسکتی ہے کہ اس دربار عالی میں ان کا نام لیا جائے۔

فائدہ نمبر 36: پل صراط پر ثابت قدم رہنے اور اس سے صاف گزر جانے کا سبب بھی درود خوانی ہے۔ جیسا کہ حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے خواب کی روایت میں بیان کیا ہے:

''میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو پل صراط سے گزر رہا تھا۔ کبھی سرین کے بل چل پڑتا ہے اور کبھی اس کے اوپر گرکر رہ جاتا ہے۔ اتنے میں میرے اوپر پڑھا ہوا درود پہنچا اور اس نے اسے قدموں کے بل کھڑا کردیا اور پار اتار دیا۔''

اس کو ابو موسیٰ مدینی نے روایت کیا ہے اور اسی پر اپنی کتاب ترغیب وترہیب کی بنیاد ڈالی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث

ی ہی حسن ہے۔

ہ نمبر 37: درود کا پڑھنا نبی کریم ﷺ کے ادائے حق میں داخل ہے۔ گو حضور کے حقوق کے مقابلے میں یہ انتہائی کم ہے اور اس نعمت کی شکر گزاری میں شمار ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کے مبعوث ہونے سے ہم کو ملی ہے۔ گو نبی کریم ﷺ کے حقوق و استحقاق اس قدر ہیں کہ ان پر کوئی شخص علم و قدرت اور ارادہ سے احاطہ نہیں کر سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ کرم ہے کہ بندوں کی جانب سے اس تھوڑی سی شکر گزاری اور ادائے حق پر خوشنودی کا اظہار فرمادیا ہے۔

ہ نمبر 38: درود کا پڑھنا ذکر الٰہی اور شکر ربانی اور اس نعمت و احسان کی معرفت کا ضامن ہے جو نبی کریم ﷺ کی رسالت سے بندوں پر فرمایا ہے۔ پس درود خواں کے درود میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے اور رسول کریم ﷺ کا بھی اور التجا بھی کہ اللہ تعالیٰ ایسے رسول کی جزا اپنی بارگاہ سے وہ عطا فرمائے جس کے نبی کریم ﷺ اہل ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اسماء وصفات کی شناخت بتلائی اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات و خوشنودی کے طریق بتلائے اور لوگوں کو خبردار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے اور سامنے حاضر ہونے کے بعد ہمارے ساتھ کیا کچھ معاملہ ہوگا تو گویا درود تمام ایمان پر حاوی ہے اور اسی میں وجود رب کا جسے درود خواں پکار رہا ہے، اقرار بھی شامل ہے۔ اور علم و سمع قدرت و ارادہ اور دیگر صفات و کلام و ارسال رسول کی شہادت و تسلیم بھی ہے اور اسی میں نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا ان سب امور کی علم و تصدیق کا ضامن اور نبی کریم ﷺ کی محبت کا مظہر ہے۔ اس لئے یہ افضل اعمال بھی ٹھہرا۔

ندہ نمبر 39: ہماری جانب سے نبی اکرم ﷺ پر درود کا پڑھا جانا گویا دعا ہے اور جو دعا و سوال بندہ اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

اپنی شبا روزی حاجات و مہمات کا سوال۔ پس یہ دعاء سوال تو بندہ کی جانب سے اپنے ہی مطلوب تک ہے۔

یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب و خلیل کی ثناء فرمائے اور اس کی شرف و تکریم کثرت سے کرے اور نبی کریم ﷺ کے ذکر کو وسعت و رفعت دے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اسے پسند کرتے ہیں۔ گویا درود خواں نے اپنے سوال و رغبت و طلب کو اللہ و رسول کی پسندیدگی کی طرف پھیر دیا ہے اور اپنی حاجات کو اس پر نثار کر دیا ہے اور یہی امر اس کے نزدیک جملہ امور سے زیادہ محبوب بن کر دل میں گھر کر گیا ہے۔ پس اس نے اپنی ضروریات و حاجات کو اللہ اور رسول پر قربان کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کی پسندیدگی کو ماسوا سے فائق ٹھہرایا ہے۔ چونکہ عمل کی جزا اس کی جنس سے ہوتی ہے۔ اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کو غیر سے ترجیح دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو غیر پر ترجیح دیتا ہے۔ تم اس کی مثال بادشاہوں اور رئیسوں کے پاس رہنے والے لوگوں میں تلاش کرو کہ جب وہ تقرب و منزلت کے خواستگار ہوتے ہیں تو حاکم سے اس کے محبوب کے متعلق گفتگو کیا کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے اور جس قدر وہ اس کے محبوب کے اکرام و شرف کے بارے میں عرض کرتے رہتے ہیں، اسی قدر ان کا درجہ بڑھتا رہتا ہے اور قرب و منصب پاتے جاتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ، دیکھا کرتے ہیں کہ حاکم کے دل میں اپنے محبوب کی تشریف و تکریم و انعام کے کیسے کچھ ارادے ہیں۔ اس لئے ان ارادوں کی تائید میں جو شخص ایسی گفتگو کرتا ہے کہ ہاں ضرور اس محبوب پر انعام و

احسان ہونا چاہیے۔ وہی حاکم کو نہایت پیارا معلوم ہوتا ہے۔ یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے۔ اگر تم یہ چاہو کہ اس شخص کا درجہ جو خاص اپنے لئے سوال کرتا ہے اور اس شخص کا درجہ جو خود حاکم کے ارادوں کی تائید میں اس کے محبوب پر انعام واحسان کے لئے کہتا ہے، برابر ہو جائے تو یہ بالکل غلط ہے۔ اس مثال کو سمجھ کر پھر بتلاؤ کہ جو شخص محبوب ترین سبحانی اور سزاوار ترین عنایات ربانی کا اعلیٰ درجہ کا محب وجان نثار اور مداح ہے، اس کا کیا درجہ ہوگا۔؟ بے شک اگر درود خوانی میں اور کچھ فائدہ نہ ہوتا بجز اس ایک مطلوب کے تب بھی مومن کے لئے شرف وعزت کے اعتبار سے یہی کافی ہے۔ اس مقام پر ایک نکتہ حسنہ بھی لکھا جاتا ہے اور جو شخص امت محمدیہ کو دین سکھلاتا، تعلیمات نبویہ سے آگاہ کرتا اور احکام الٰہی کی جانب بلاتا، پیروی کے لئے اٹھاتا اور اس راہ میں جو سختیاں آئیں ان پر صبر کرتا ہے۔ یہ نکتہ اسی کے کام کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو علاوہ اپنے عمل پر اجر عطا ہونے کے آپ کی امت میں جس قدر لوگ اعمال صالحہ کریں گے ان کے اعمال کا بھی پورا اجر ملے گا، کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے:

((الدال على الخير كفاعله))

''نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے اس کے کرنے والے کی طرح ہے۔''

اب جو شخص سنت و دین محمدی کی جانب بلاتا ہے اور امت کو خیر کی تعلیم دیتا ہے اور اگر اس کا یہ کام اس نیت سے ہو کہ نبی کریم ﷺ کے حصہ میں توقیر ہو جائے اور ہدایت یافتگان کے اعمال کے بہتر بدلے کے موافق نبی کے اجر میں ترقی ہو۔ (گو ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ ہوگا) تو ان شاء اللہ اس شخص کو بھی خلقت کی اس دعوت وارشاد کا اجر اسی نیت کے موافق ملے گا۔ (ابن قیم کا کلام ختم ہوا)

صلوۃ وسلام کے فضائل وفوائد (شیخ سراج کا کلام):

شیخ سراج درود وسلام کے فوائد وفضائل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ درود شریف کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے اور اسکی عظمت اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

((اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ))

''بیشک اللہ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر۔''

سے واضح ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ درود وسلام پڑھنے کے اور بھی بہت سارے فوائد ہیں۔

فائدہ نمبر 40: اللہ تبارک وتعالیٰ کی فرمانبرداری اور تعمیلِ حکم۔

فائدہ نمبر 41: اللہ عزوجل کے ساتھ درود میں موافقت۔ (چہ جائیکہ ہمارا درود وسلام دعا اور سوال ہے اور اللہ تعالیٰ کا درود ثناء وشرف ہے۔)

فائدہ نمبر 42: درود خوانی میں فرشتوں کے ساتھ موافقت۔

فائدہ نمبر 43: ایک بار درود پڑھنے والے پر دس بار رحمت کا نازل ہونا۔

فائدہ نمبر 44: ایک بار درود پڑھنے سے دس گناہوں کا مٹنا۔

فائدہ نمبر 45: درود دعا کی قبولت کا باعث ہے۔

فائدہ نمبر 46: درود خوانی رسول اللہ ﷺ کی شفاعت پانے کا سبب ہے۔
فائدہ نمبر 47: درود شریف گناہوں کی مغفرت کا باعث ہے۔
فائدہ نمبر 48: درود شریف سے بندہ کے رنج وغم دور ہوتے ہیں۔
فائدہ نمبر 49: درود قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے قریب تر ہونے کا سبب ہے۔
فائدہ نمبر 50: تنگ دست کے لیے درود شریف قائم مقام صدقہ ہے۔
فائدہ نمبر 51: درود شریف قضاءِ حاجات کا وسیلہ ہے۔
فائدہ نمبر 52: درود شریف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فرشتوں کی دعائے مغفرت کے حصول کا سبب ہے
فائدہ نمبر 53: درود شریف درود خواں کے لیے درود شریف دل کو پاک کرنے والا ہے۔
فائدہ نمبر 54: درود شریف برائی سے روکنے اور اچھے کام کی ترغیب دینے والا ہے۔
فائدہ نمبر 55: درود شریف موت سے پہلے بندہ کو جنت کی بشارت مل جانے کا سبب ہے۔
فائدہ نمبر 56: درود شریف قیامت کی ہولناکیوں سے نجات کا سبب ہے۔
فائدہ نمبر 57: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ وسلام پڑھنے والے کو جواب عطا فرماتے ہیں۔
فائدہ نمبر 58: درود شریف بھولی چیز کو یاد دلاتا ہے۔
فائدہ نمبر 59: درود شریف سے مجلس پاکیزہ و پاک ہو جاتی ہے۔
فائدہ نمبر 60: دروشریف پڑھنے سے بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا سے محفوظ ہو جاتا ہے۔
فائدہ نمبر 61: درود شریف سے فقر و تنگدستی دور ہوتی ہے۔
فائدہ نمبر 62: درود شریف کی بدولت بخیلی کی عادت انسان سے دور ہو جاتی ہے اور وہ بہت سارے جرائم سے محفوظ رہتا ہے۔
فائدہ نمبر 63: درود شریف درود خواں کو جنت کے راستے پر چلاتا ہے۔
فائدہ نمبر 34: درود شریف پڑھنے والا جنت کا راستہ نہیں بھولے گا۔
فائدہ نمبر 35: جس مجلس میں درود شریف پڑھا جائے وہ قہر الٰہی سے محفوظ رہتی ہے۔
فائدہ نمبر 66: اگر کوئی کام درود پڑھ کر شروع کیا گیا تو یہ اسکے مکمل ہونے کا سبب ہے۔
فائدہ نمبر 67: درود شریف بندہ کے لیے پلِ صراط پر روشن نور ہوگا۔
فائدہ نمبر 68: درود خواں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔
فائدہ نمبر 69: درود شریف زیارتِ مصطفیٰ کریم کا سبب ہے۔
فائدہ نمبر 70: جو کثرت سے درود پڑھتا ہے رسول اللہ ﷺ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے
فائدہ نمبر 71: درود خوانی پلِ صراط پر ثابت قدم رہنے کا سبب ہے۔
فائدہ نمبر 72: درود شریف کا ایک ثمرہ یہ ہے کہ خطائیں معاف ہوتی ہیں، اعمال پاکیزہ ہوتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

فائدہ نمبر 73: درود شریف ایک گناہوں کی بخشش اور دوسرا خود درود شریف کے پڑھنے والے کیلئے استغفار ہے۔

فائدہ نمبر 74: درود شریف پڑھنے والے کیلئے دو قراط اجر لکھا جاتا ہے، ہر قراط کوہِ احد کے برابر ہے اور اس کو ناپ کر پورا پورا صلہ ملے گا۔

فائدہ نمبر 75: جان لو کہ شب و روز پابندی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنا سالک پر ابتداء میں ہی لازم ہے۔اس سے اسے اس راستے پر چلنے اور اللہ تعالیٰ کے قرب طلب کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ دوسرے اذکار کی یہ بات نہیں، اس سے اللہ کی طرف جانے والا راستہ کھل جاتا ہے، کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ و وسیلہ ہیں اور ہمارے لئے آپ ہی اللہ کی ذات پر دلیل اور اس کی پہچان ہیں اور ذمی واسطہ سے پہلے واسطہ۔سے تعلق ہوتا ہے کہ واسطہ ہی بادشاہ معظم کی بارگاہ میں داخل ہونے اور مقام قرب حاصل کرنے کا سبب ہوتا ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق اور ان کے رب تبارک وتعالیٰ کے درمیان واسطہ ہیں۔

فائدہ نمبر 76: جان لو کہ نبیوں، ولیوں اور تمام مخلوق کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے مدد ملتی ہے اور ان کے تمام اعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے جاتے ہیں اور ہر اجر و ثواب کے حصول میں آپ ہی واسطہ ہیں، سو آپ پر درود و سلام قرب الٰہی کیلئے سب سے بڑی مدد ہے۔

فائدہ نمبر 77: درود سے نور حاصل ہوتا ہے اور ظلمت نو ہی سے زائل ہو سکتی ہے۔ ظلمت سے مراد ہے: نفس کا میل، دل کا زنگ، جب نفس میل اور دل زنگ سے پاک ہو جاتا ہے، نیکی سے روکنے والی تمام بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں، یہ سب آنحضرت کی برکت اور آپ پر بکثرت درود و سلام پڑھنے اور دل میں آپ کی محبت جاگزیں ہونے کی وجہ سے ہوا۔

فائدہ نمبر 78: جب ہمیں معلوم ہے کہ آپ کے افعال واخلاق کی پیروی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک آپ کی طرف کامل توجہ مبذول نہ کی جائے اور کامل توجہ اس وقت تک ہو نہیں سکتی جب تک آپ کی محبت میں مبالغہ نہ کیا جائے اور محبت میں مبالغہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب آپ پر کثرت سے درود و سلام بھیجا جائے اور جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے کہ اس سے باطن میں ایسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے اور تزکیہ نفس کے سلسلہ میں ایسے امور عجیبہ ظاہر ہوتے ہیں، جن سے سالک ایسے اسرار و رموز اور لطف ولذت حاصل کرتا ہے جو گنتی و شمار میں نہیں آسکتے۔

فائدہ نمبر 79: اب سالک سمجھ جاتا ہے کہ خالص اللہ کی رضا جوئی کی طرف اس کے نبی پر درود و سلام کے ذریعے ہی متوجہ ہوا جا سکتا ہے، یہاں تک کہ اس کا پھل جتنا ہے اس کی برکت چمکتی ہے۔اور یہی تو اس منزل و راہ کا چراغ ہے جس سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے اور یہی وہ نور ہے جس سے روشنی مل سکتی ہے، جس نے اپنے دل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھ کر آباد کر لیا وہ اس کے انوار سے توحید کے چھپے رازوں پر اطلاع پاتا ہے۔

فائدہ نمبر 80: درود شریف سے نفس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کریمہ پختہ صورت میں منقش ہو جاتی ہے یوں کہ خلوص قلب اور تمام شرائط و آداب کے ساتھ ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے رہنا اور معنی پر غور کرنا، یہاں تک کہ باطن میں آپ کی محبت خالص طور پر پختہ ہو جائے، جو درود شریف پڑھنے والے اور نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے درمیان مقام قرب وصفا میں الفت واتصال پیدا کردے۔ ایسا اتصال جس سے نفس و روح میں محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگزیں ہو جائے اور جس سے کسی کو محبت ہو، وہ اسی کے ساتھ ہوتا ہے اور محبت پیروی کو جنم دیتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

((من يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقاً))

''جو اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرے وہ ان کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ بہترین ساتھی ہیں۔''

فائدہ نمبر 81: درود شریف کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ یہ ہے کہ درود شریف صدقہ کے قائم مقام ہے۔

فائدہ نمبر 82: درود شریف کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ یہ ہے کہ یہ حصول مقاصد ومطالب کا سبب ہے اور زندگی میں اور مرنے کے بعد حاجات پوری کرنے کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے روزانہ مجھ پر سو بار درود شریف بھیجا، اللہ اس کی سو حاجتیں پوری کرے گا، جن میں سے ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی ہوں گی۔''

اس کو ابن مندہ نے روایت کیا۔

فائدہ نمبر 83: درود شریف کے ثمرات میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ امام قسطلانی نے مسالک الحنفاء میں کہا:

''جب کسی بات میں تمہیں مشکل پیش آئے تو اس ذات پاک پر کثرت سے درود وسلام بھیجو جن پر بادل سائبان ہوتا تھا۔''

فائدہ نمبر 84: درود کے ثمرات میں سے ایک یہ ہے کہ جب دعا کی ابتداء وانتہاء درود شریف سے کی جائے تو دعا قبول ہوتی ہے۔

ابوسلیمان درانی نے کہا:

''اللہ تعالیٰ دونوں درود (اول اور آخر) قبول فرماتا ہے وہ کریم ایسا نہیں کہ ان کے درمیانی حصہ (دعا) کو رد کر دے۔''

اور حدیث میں ہے:

''دو درودوں کے درمیان والی دعا رد نہیں ہوتی۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

''ہر دعا زمین وآسمان کے درمیان رکی رہتی ہے، جب مجھ پر پڑھا ہوا درود آتا ہے تو اوپر چڑھ جاتی ہے (قبول ہوتی ہے)۔''

فائدہ نمبر 85: درود شریف کے ثمرات میں سے ایک ہے کہ علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کثرت سے درود وسلام پڑھنا، حسن خاتمہ کی علامات میں سے ایک ہے۔

فائدہ نمبر 87: درود وسلام کے ثمرات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر تربیت کرنے والا شیخ میسر نہ ہو تو یہ اس کے قائم مقام ہے۔

فائدہ نمبر 88: جو کوئی درود وسلام کو ہی اپنا کل وظیفہ بنالے، اس کیلئے دنیا وآخرت میں یہی کافی ہوگا۔

فائدہ نمبر 89: درود شریف سے خطائیں مٹ جاتی ہیں اور غلاموں کی گردنیں آزاد کرنے سے یہ عمل افضل ہے۔

فائدہ نمبر 90: درود شریف سے تمام پریشانیوں سے نجات اور قیامت کے دن اس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی اور لازمی شفاعت۔

فائدہ نمبر 91: درود شریف سے اللہ کی رضا ورحمت اور اس کے غضب سے امان اور اس کے عرش کے سایہ میں قیامت کے دن پناہ ملے گی۔

فائدہ نمبر 92: درود شریف سے آخرت میں نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا، حوض کوثر سے پانی ملے گا اور وہ پیاس سے بچے گا۔

فائدہ نمبر 93: درود شریف کی برکت سے جہنم سے آزادی، پل صراط سے تیز بجلی کی طرح گزرنا اور جنت کے نزدیک، مرنے سے پہلے اپنا ٹھکانہ دیکھنا ہے۔

فائدہ نمبر 94: درود شریف سے جنت میں بہت بیویاں نصیب ہونگیں اور عزت کا ٹھکانہ ملے گا۔

فائدہ نمبر 95: درود وسلام زکوٰۃ ہے، جس کی برکت سے مال بڑھتا ہے۔

فائدہ نمبر 96: ہر درود کے بدلے سو سے زائد حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

فائدہ نمبر 97: درود شریف کی برکت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگی اور اگر اور کثرت کرے تو بیداری میں بھی زیارت نصیب ہوگی۔

فائدہ نمبر 98: درود وسلام عبادت ہے اور اللہ کو تمام اعمال میں سے محبوب تر ہے۔

فائدہ نمبر 99: درود وسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والا اہل سنت ہے۔

فائدہ نمبر 100: جب تک درود شریف پڑھنے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں۔

فائدہ نمبر 101: درود وسلام محفلوں کی زینت ہے اور یہ غریبی تنگدستی دور کرتا ہے۔

فائدہ نمبر 102: درود شریف سے نیک نامی حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ نمبر 103: درود شریف کا عامل قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوگا۔

فائدہ نمبر 104: درود شریف، سے عامل اور اس کی اولاد فائدہ اٹھائیں گے، یونہی جس کو اس کی توفیق ہوئی۔

فائدہ نمبر 105: درود شریف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا ذریعہ ہے۔

فائدہ نمبر 106: درود پڑھنے والے کیلئے یہ قبر، حشر اور پل صراط پر نور ہوگا۔

فائدہ نمبر 107: درود پڑھنے والے کی دشمن کے مقابلہ میں مدد ہوگی۔ دل نفاق اور میل کچیل سے پاک ہوگا۔

فائدہ نمبر 108: درود سے اہل ایمان سے محبت ہوتی ہے۔لہذا درود وسلام پڑھنے والے کوصرف وہ منافق ناپسند کرے گا جس کا نفاق ظاہر ہو۔

فائدہ نمبر 109: درود وسلام اپنے عامل کی گمراہی میں کمی کرتا ہے۔ یہ تمام اعمال میں مبارک ترین، افضل ترین اور دنیا و آخرت میں مفید ترین عمل ہے۔

فائدہ نمبر 110: درود شریف تمام اعمال میں افضل ترین ذخیرہ ہے۔

فائدہ نمبر 111: ابن حرازم نے اپنی کتاب ''جواہر المعانی'' میں نقل کیا ہے کہ جو مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس پر دس درود بھیجنے کا ضامن ہے۔

فائدہ نمبر 112: درود شریف کے ثمرات میں سے ایک یہ ہے کہ گرمی وغیرہ میں جب سخت پیاس لگی ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے سے ختم ہو جاتی ہے۔

فائدہ نمبر 113: درود وسلام کے ثمرات میں سے ایک یہ کہ رزق آسانی سے ملتا ہے۔

فائدہ نمبر 114: درود وسلام کے ثمرات میں سے ایک طاعون کا خاتمہ ہے۔

فائدہ نمبر 115: جن چیزوں سے اخلاص اور خاص لوگوں کے بلند مقامات حاصل ہو سکتے ہیں ان میں سے ایک سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود وسلام بھیجنا ہے۔(شیخ سراج کا کلام ختم ہوا)

صلوۃ وسلام کے فضائل وفوائد (شیخ یوسف نبہانی کا کلام):

شیخ امام یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ صلوۃ وسلام کی فضیلت وفوائد پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فائدہ نمبر 116: صلوۃ وسلام پڑھنے والے کی ذات، عمل، عمر اور اس کی بھلائی کے اسباب میں برکت کا سبب ہے، کیونکہ درود پڑھنے والا اپنے رب سے یہ دعا کرتا ہے کہ وہ سرکار پر اور آپ کی آل پر برکت نازل فرمائے اور یہ دعا قبول ہے اور اس کی جزا بھی ایسی ہی ہے۔

فائدہ نمبر 117: اس کیلئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

فائدہ نمبر 118: اس کی دس برائیاں مٹادی جاتی ہیں۔

فائدہ نمبر 119: جب دعا سے پہلے درود شریف پڑھا جائے تو قبولیت دعا کی امید ہوتی ہے۔ پس درود شریف پروردگار عالم کے حضور دعا کو پہنچانے والا ہے۔

فائدہ نمبر 120: جب درود کو سوال وسیلہ کے ساتھ ملائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حصول کا سبب ہے۔ یا سوال وسیلہ سے الگ بھی پڑھے۔

فائدہ نمبر 121: درود گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔

فائدہ نمبر 122: درود اللہ کے بندے کیلئے ہر غم سے کفایت ہے۔

فائدہ نمبر 123: درود شریف، قیامت کے دن بندے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہونے کا سبب ہے۔ اس بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔

فائدہ نمبر 124: غریب آدمی کیلئے درود شریف صدقہ دینے کے قائم مقام ہے۔

فائدہ نمبر 125: درود اپنے پڑھنے والے کیلئے اللہ اور اس کے فرشتوں کے درود کے حصول کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 126: درود شریف پڑھنے والے کی صفائی و پاکیزگی کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 127: درود شریف بندے کیلئے مرنے سے پہلے جنت کی خوشخبری کا سبب ہے۔ یہ بات حافظ ابو موسیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہے اور اس سلسلہ میں ایک حدیث نقل کی ہے۔

فائدہ نمبر 128: یہ قیامت کی ہولناکیوں سے نجات کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 129: درود شریف کے سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درود وسلام پڑھنے والے لیے دعا فرماتے ہیں۔

فائدہ نمبر 130: اس کے سبب آدمی بھولی بسری باتیں یاد کر لیتا ہے۔

فائدہ نمبر 131: یہ مجلس کی خوشی کا سبب ہے اور یہ کہ اہل مجلس پر قیامت تک حسرت وافسوس کا اثر نہ ہوگا۔

فائدہ نمبر 132: یہ غریبی و مفلسی کے ازالہ کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 133: جب درود شریف پڑھنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے ساتھ درود پڑھتا ہے تو بخیل کا نام اس سے ختم ہو جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 134: درود شریف اپنے پڑھنے والے کو جنت کی راہ پر ڈال دیتا ہے اور نہ پڑھنے والے کو جنت کی راہ سے ہٹا دیتا ہے۔

فائدہ نمبر 135: درود شریف مجلس کو اس بدبو اور نحوست سے بچا لیتا ہے، جو اللہ ورسول کے ذکر نہ کرنے، اللہ کی حمد وثناء اور نبی کریم ﷺ پر درود وسلام نہ بھیجنے کی وجہ سے کسی مجلس پر آتی ہے۔

فائدہ نمبر 136: یہ اس کلام کے خاتمے کا سبب ہے جس کی ابتداء اللہ کی حمد وثناء اور اس کے رسول پر درود وسلام سے کی گئی ہو۔

فائدہ نمبر 137: یہ پل صراط پر بندے کی روشنی میں اضافے کا سبب ہے۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث ہے جسے حضرت ابو موسیٰ نے ذکر کیا۔

فائدہ نمبر 138: درود شریف پڑھنے سے انسان درشتی و جفا سے نکل جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 139: اللہ تعالیٰ درود وسلام پڑھنے والے کا ذکرِ خیر اہل زمین و آسمان میں پھیلا دیتا ہے۔ اس لیے کہ درود پڑھنے والا اللہ تعالیٰ سے اس بات کا سوال کرتا ہے کہ وہ اپنے رسول مقدس کی ثناء کرے، آپ کو شرف و جزا سے نوازے اور جزا بھی عمل کی جنس سے ہے۔ پس لامحالہ درود شریف پڑھنے والے کو اس کا حصہ ملے گا۔

فائدہ نمبر 140: درود وسلام اللہ کی رحمت کے حصول کا سبب ہے، کیونکہ یا تو رحمت بھی درود ہے جیسا کہ ایک جماعت نے کہا یا اس کے لوازم میں سے ہے جیسا کہ قولِ صحیح ہے۔ پس ضروری ہے کہ درود پڑھنے والا بھی اسے پائے۔

فائدہ نمبر 141: درود وسلام سبب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دائمی محبت اور اس میں دوچند اضافے کا۔

فائدہ نمبر 142: درود شریف ایمان کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ آدمی جوں جوں محبوب کا کثرت سے ذکر کرتا ہے اور دل میں اس کی ذات، محاسن اور محبت پیدا کرنے والی خوبیوں

کو حاضر کرتا ہے، اس کی محبت بڑھتی ہے۔ شوق میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے تمام دل پر اس کا تسلط ہو جاتا ہے اور جب اس کے ذکر سے منہ موڑ لیتا ہے اور اس کی ذات اور اس کے محاسن کو دل سے نکال دیتا ہے، اس کے دل میں محبوب کی محبت کم ہو جاتی ہے اور محبّ کی آنکھ میں محبوب کے دیدار سے بڑھ کر کوئی شے لذیذ اور اس کے دل کیلئے یاد محبوب اور اس کے محاسن کے ذکر سے بڑھ کر کوئی باعث قرار نہیں۔ جب یہ چیز اس کے دل میں جم جائے گی تو زبان پر محبوب کی مدح و ثناء اور اس کی خوبیوں کا تذکرہ جاری رہے گا۔ اور اس کی کمی و بیشی اس کے دل میں محبت کی کمی و بیشی سے ہوتی رہے گی جو اس کے گواہ ہیں۔

فائدہ نمبر 143: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا امتی کا اپنے نبی کریم ﷺ سے محبت کا سبب ہے اور جب درود اپنے پڑھنے والے کی نبی سے محبت کا سبب ہے تو اسی طرح یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی درود پڑھنے والے سے محبت کا سبب ہوگا کہ سچی محبت کے بدلے محبت ہی ہوتی ہے۔

فائدہ نمبر 144: یہ بندے کی ہدایت اور اس کے دل کی زندگی کا سبب ہے کیونکہ جوں جوں بندہ کثرت سے آپ کا ذکر کرتا اور آپ پر درود و سلام بھیجتا ہے آپ کی محبت اس کے دل پر قبضہ کر لیتی ہے۔ اس کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف کوئی چیز نہیں رہتی اور جو کچھ آپ لائے اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا، بلکہ آپ کی لائی ہوئی ہدایت اس کے دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ احوال کے ادلنے بدلنے سے وہ اس تحریر کو پڑھتا رہتا ہے۔ ہدایت، کامیابی اور طرح طرح کے علوم اس سے حاصل کرتا ہے۔ جوں جوں اس میں بصیرت، قوت اور معرفت بڑھتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا درود و سلام بھی بڑھتا جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 145: درود کے سبب سے درود شریف پڑھنے والے کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جاتا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((ان صلاتكم معروضة علی))

''بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔''

ایک جگہ فرمایا:

((ان الله و کل بقبری ملائكة يبلغونی عن امتی السلام))

''بے شک اللہ نے میری قبر پر فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔''

فائدہ نمبر 146: درود شریف پل صراط پر مضبوط رہنے اور اس کے عبور کا سبب ہے۔
حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''میں نے اپنا ایک امتی پل صراط پر گرتا پڑتا، گھسٹتا دیکھا جو کبھی لڑھکتا ہے کبھی چمٹتا ہے۔ پھر اس کے پاس وہ درود شریف آیا جو اس نے مجھ پر بھیجا تھا اس نے اس کو اس کے پاؤں پر سیدھا کھڑا کر دیا اور اس کو جہنم میں گرنے سے بچالیا۔''

فائدہ نمبر 147: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا آپ کے حق کا بہت ہی کم احسان ادا کرنا ہے اور آپ کے انعام و اکرام کا ادنیٰ شکر ہے کہ اللہ نے آپ کے بعثت کے سبب ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے، حالانکہ جس شکر یہ

کے آپ مستحق ہیں، نہ ہم اسے جان سکتے ہیں اور نہ شمار کر سکتے ہیں، نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں، نہ ارادہ کر سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندوں کے تھوڑے سے شکر اور معمولی ادائے حق سے راضی ہو جاتا ہے۔

فائدہ نمبر 148: بندے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا دعا ہے اور بندے کی اللہ سے دعا و سوال دو قسم کا ہے۔ ایک تو اپنی حاجات، مشکلات اور شب و روز پیش آنے والے مسائل کے حل کیلئے۔ سو یہ دعا سوال و ایثار ہے بندے کے محبوب و مطلوب کیلئے۔ دوسرے یہ کہ بندہ اللہ سے سوال کرے کہ وہ اپنے حبیب و خلیل کی مدح و ثناء کرے اور ان کی عزت و تکریم میں اضافہ فرمائے، ان کا ذکر پھیلائے اور بلند کرے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے پسند فرماتے ہیں۔ سو جو شخص اپنی حاجات و ضروریات پر اس کو ترجیح دے اور اس کو اپنی پسند پر ترجیح دے اور جزاء عمل کے مطابق ہوتی ہے، سو جو اللہ کو غیر پر ترجیح دے، اللہ بھی اس کو غیر پر ترجیح دیتا ہے۔

اس بات کو اس طرح سمجھو کہ جن لوگوں کو اپنے بادشاہوں اور رئیسوں کے دربار میں اعتماد حاصل ہوتا ہے،۔ جب وہ ان کے حضور مزید قرب و منزلت چاہتے ہیں تو وہ اپنے محسن سے ان لوگوں پر انعام و اکرام کی درخواست کرتے ہیں جو ان کی نظر میں بادشاہوں اور رئیسوں کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ وہ جوں جوں ان پر انعام و اکرام کا سوال کرتے ہیں۔ بادشاہوں کی نگاہ میں اس کی قدر و منزلت اور انعام و اکرام میں اضافہ ہوتا رہتا ہے کیونکہ ان لوگوں سے اپنے دوست کیلئے صلہ و ستائش کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سو ان بڑے لوگوں سے وہی سوال کرتا ہے جو زیادہ محبت کرتا ہے تاکہ اس پر مکمل انعام و اکرام و احسان ہوتا رہے۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے۔ پس بادشاہ کی نگاہ میں ان لوگوں کا مقام اور ان کا مقام جو ہمیشہ اپنی ضروریات و حاجات کا سوال کریں ایک سا نہیں، پھر کیسے خیال کیا جا سکتا ہے، سب سے بڑے اور جلیل القدر محبت کرنے والے (اللہ) کا معاملہ اس کے کریم تر اور محبوب تر محبوب کے ساتھ؟ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے میں اس کے علاوہ کوئی اور فائدہ نہ بھی ہو تو بندہ مومن کی اسی میں کافی عزت و عظمت موجود ہے۔

فائدہ نمبر 149: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب اور اس کی بارگاہ میں عظیم المرتبت ہیں کہ اللہ اور اس کے تمام فرشتے ان پر درود و سلام بھیجتے ہیں اور اللہ نے اہل ایمان کو آپ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ پس اس محبوب سے محبت کرنا اور آپ کی محبت، تعظیم اور آپ پر درود و سلام اور اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی صلاۃ کی پیروی کرنا واجب ہوا۔

فائدہ نمبر 150: درود شریف پڑھنے کی فضیلت اور اس پر جزائے جزیل ملنے کا وعدہ۔ اپنا ذکر بلند ہونا، عمل کرنے والے کا اللہ کی رضا اور اپنی حاجات دنیا و آخرت کے حصول میں کامیاب ہونا۔ ایک یہ کہ اس سے اس واسطہ کا شکر ہے جو اللہ کی نعمتوں میں حصول میں ہمیں حاصل ہے، جس کے ذکر کا حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کوئی دنیا و آخرت کی پہلی پچھلی نعمت مثلاً: ہمارا وجود اور اس کو ملنے والی ہر مدد ایسی نہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ نہ ہوں۔ پس ہر نبی کی نعمتیں، اللہ کی نعمتوں کے تابع ہیں اور اللہ کی نعمتوں کو اعداد و شمار میں نہیں لایا جا سکتا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

((وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها))

"اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو نہ کر سکو گے۔"

پس ہم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق لازم ہوا اور آپ کے شکر کے واجب ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم آپ پر درود و سلام بھیجنے میں ذرہ کوتاہی نہ کریں۔ سانس آئے یا جائے کہ اس میں رسم عبودیت کا قیام یعنی حکم

باری تعالیٰ کی تعمیل ہے۔

فائدہ نمبر 151: درود کا وہ فائدہ جس کا تجربہ کیا جا چکا ہے، جس کا اثر اور نفع دیکھا گیا ہے، جیسے نورانیت، رنج والم کا ازالہ، یہاں تک کہا گیا ہے کہ درود شریف شیخ طریقت کی جگہ کافی ہے۔

فائدہ نمبر 152: درود میں کامل اعتدال پایا جاتا ہے، جس سے بندے کا کمال تکمیل پذیر ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے میں اللہ اور اس کے رسول دونوں کا ذکر آجاتا ہے، جب کہ اللہ کے ذکر میں یہ بات نہیں۔"

فائدہ نمبر 153: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ درود وسلام پڑھنے والا عذابوں سے نجات پاتا اور ان برائیوں سے محفوظ رہتا ہے جو درود وسلام کے تارک کیلئے ہیں:

ا۔ ان میں سے ایک یہ کہ جس کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود شریف نہ بھیجے، وہ بد بخت ہے۔ اس کی ناک گرد آلود ہوگی، (ذلیل ہوگا) دوزخ میں داخل ہونے کا مستحق ہوگا، اللہ اور اس کے رسول سے دور، اس پر جبریل علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا پڑے گی اور رحمت سے دور ہوگا۔

۲۔ ان میں سے ایک یہ کہ جس آدمی کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود وسلام نہ بھیجے یقیناً وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔

۳۔ ان میں سے ایک یہ کہ جس کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود شریف نہ بھیجے، اس نے یقیناً ظلم کیا۔

۴۔ ان میں سے ایک یہ کہ سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود شریف نہ پڑھے۔

۵۔ ان میں سے ایک یہ کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سن کر درود شریف نہ پڑھے وہ لعنتی ہے۔

ان میں سے ایک یہ کہ جس کے سامنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے وہ سب سے بڑا گنہگار ہے۔

۶۔ اور ان میں سے ایک یہ کہ جو مجلس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے خالی ہے وہ اہل مجلس کیلئے قیامت کے دن باعث حسرت وافسوس ہوگی اور ان سے مردار کی سی بو آئے گی۔

۷۔ ان میں سے ایک یہ کہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہیں بھیجا وہ آپ کا چہرہ اقدس نہیں دیکھے گا۔

۸۔ ان میں ایک یہ کہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا اس کا کوئی دین نہیں۔

۹۔ ان میں سے ایک یہ کہ تارک درود وسلام ان بے حد وشمار فوائد سے محروم رہتا ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سلام پڑھنے والوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ تمام باتیں اس سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث سے ثابت ہیں۔

فائدہ نمبر 154: درود شریف حاجت روائی کا سبب ہے۔

فائدہ نمبر 155: سب سے اہم فائدہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والوں کو آپ کی شفاعت نصیب ہوگی۔

جان لیجئے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ نے مسئلہ شفاعت اور اس کے سبب پر بڑا نفیس کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

شفاعت ایک نور ہے جو بارگاہ الٰہی سے جو ہر نبوت پر چمکتا ہے اور اس سے ہر ایسے جوہر کی طرف منتقل ہوتا ہے جس کی نبوت سے سخت مناسبت ہو، شدید محبت، سنتوں پر مداومت اور درود وسلام کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کثیر کی صورت میں۔ اس سے تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس مناسبت سے نور نبوت کا منعکس ہونا اور شفاعت کا حقدار بنانے کے بارے میں جس قدر روایات وارد ہیں، وہ سب مشروط ہیں ان شرائط سے جو روایات میں مذکور ہیں، مثلاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود شریف پڑھنا، یا آپ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا، یا اذان موذن کا جواب دینا، اذان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دعا مانگنا اور ایسے ہی دوسرے امور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعلق پر دلالت کریں۔

انبیائے کرام پر درود وسلام بھیجنے کے حکم میں یہ راز پنہاں ہے کہ انسانی روح کمزور ہے، انوار الٰہیہ کو قبول نہیں کر سکتی، جب درود وسلام پڑھنے والے کی روح کا رشتہ ارواح انبیاء کے ساتھ مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے تو وہ انوار جو عالم غیب سے ارواح انبیاء پر فائض ہوتے ہیں، درود وسلام پڑھنے والوں پر ان کا عکس پڑتا ہے۔

فائدہ نمبر 156: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا آپ کی محبت کا سبب ہے اور آپ کی محبت آپ کی غلامی کا سبب ہے اور آپ کی غلامی فرض ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کا حکم تاکیدی ہوا۔

فائدہ نمبر 157: اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری۔

فائدہ نمبر 158: اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلاۃ میں موافقت۔ اگرچہ دونوں کے مفہوم میں فرق ہے۔ ہماری صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا اور سوال ہے اور اللہ کی صلوٰۃ وثناء وتشرف ہے۔

فائدہ نمبر 159: اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی موافقت۔

فائدہ نمبر 160: درود شریف پڑھنے والے کیلئے اللہ کے دس درودوں کا حاصل ہونا۔

فائدہ نمبر 161: درود پڑھنے والے کے دس درجے بلند کیے جاتے ہیں۔

فائدہ نمبر 162: درود شریف یہ اللہ کے ذکر، اس کے شکر اور بندوں پر اس کے احسان عظیم کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ جو بندوں میں اپنا محبوب رسول بھیج کر اس نے کیا ہے۔

پس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اللہ کے ذکر، ذکر رسول اور اس دعا پر مشتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس درود شریف کے عوض ان کو وہ جزائے خیر عطا فرمائے۔ جس کے آپ مستحق ہیں جیسے ہمارے پروردگار نے ہم کو اپنے اسماء وصفات کی معرفت عطا فرمائی اور اپنی رضامندی کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی اور ہمیں یہ بتایا کہ اس کے وصول اور اس کی طرف قدم اٹھانے میں ہمیں کیا فوائد حاصل ہوں گے۔ پس یہ درود شریف تمام دین پر مشتمل ہے بلکہ یہ اس پروردگار کے وجود کے اقرار پر مشتمل ہے جس سے دعا کی جاتی ہے اور اس کے سمع وقدرت، ارادہ، حیات، کلام کی بعثت، نبی کی خبروں کو سنا کرنا، یہ سب کمال محبت ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہی ایمان کے اصول ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے سے انسان کو ان تمام چیزوں کا علم ہوتا ہے۔ ان کی تصدیق ہوتی ہے اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو جاتی ہے۔ پس یہ تمام اعمال میں افضل ہوا۔

☆☆☆

درود وسلام نہ پڑھنے پر تنبیہ ووعید

رسول اللہ کی زیارت سے محروم:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے:

''تین آدمی قیامت کے دن میرا چہرہ نہیں دیکھ سکیں گے: ماں باپ کا نافرمان' میری سنت کا تارک اور جس کے آگے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

حضور کا نام سن کر درود نہ پڑھنے والا گناہ کبیرہ کا فاعل:

علامہ ابن حجر ہیثمی اپنی کتاب الزواجر میں وہ تمام احادیث جو درود چھوڑنے والے کے لیے تنبیہ ووعید ہیں، بیان کرنے اور نبی کریم علیہ السلام کا نام نامی سن کر درود نہ بھیجنے کو کبیرہ گناہوں میں شمار کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ تمام احادیث اپنے مقصد پر صراحتہً دلالت کرتی ہیں (کہ درود شریف واجب ہے) کیونکہ ان احادیث میں نبی کریم علیہ السلام نے ترک درود پر شدید وعید فرمائی ہے۔ مثلاً: جہنم جانا اور جبریل علیہ السلام اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار بددعا کرنا کہ وہ رحمت الٰہی سے دور ہو، روسیاہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ذلیل حقیر ہو' ناک گرد آلود ہو' اس کو بخیل قرار دینا بلکہ تمام لوگوں سے بڑھ کر بخیل بتانا یہ تمام سخت ترین وعیدیں ہیں جن کا اقتضاء یہ ہے کہ ترک درود گناہ کبیرہ ہے، لیکن یہ سب اس وقت ہے جب تمام شافعیہ' مالکیہ' حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک لیا جائے کہ جب بھی نبی کریم علیہ السلام کا نام سنے آپ پر درود بھیجنا واجب ہے' ان احادیث کا صریح مفہوم یہی بنتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ قول ان بزرگوں سے پہلے کے سلف صالحین کے اجماعی مسلک کے خلاف ہے کیونکہ وہ نماز کے علاوہ درود شریف کو مطلقاً واجب نہ مانتے تھے۔ اب جو لوگ وجوب کے قائل ہیں ان کے مسلک کے مطابق تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کا اسم گرامی سن کر درود نہ بھیجنا گناہ کبیرہ ہے، لیکن اکثریت کے مسلک عدم وجوب کو لیا جائے تو ان احادیث صحیحہ کے ہوتے ہوئے اس سوال کا جواب مشکل ہو جاتا ہے کہ جب درود شریف واجب نہیں تو نہ پڑھنے پر یہ سخت وعیدیں کیسی؟ یا اللہ! کیا جواب دیں۔؟ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب ترک درود ایسی وجہ سے ہو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کا شائبہ پایا جائے۔ مثلاً: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر اس لئے درود نہیں پڑھتا کہ حرام کھیل کود میں مصروف ہے، اس ہیئت اجتماعیہ کو دیکھ کر یہ کہنا حقیقت سے کچھ بعید نہیں کہ اب نبی کریم علیہ السلام کے حق کے ساتھ قبح اور سوء ادبی مل گئی ہے اور اس صورت میں ترک درود گناہ اور فسق ہے، اب یہ بات واضح ہوگئی کہ ان احادیث میں اور اقوال آئمہ میں کوئی تعارض نہیں' اس بات پر غور کریں کیونکہ یہ معمولی بات

نہیں اور مجھ کو معلوم نہیں کہ اس سے پہلے کسی نے اس سے خبردار کیا ہو بلکہ ادنی اشارہ بھی کیا ہو۔''

درود نہ بھیجنے والا رحمت الٰہی سے دور:

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''منبر لاؤ!''

ہم نے منبر حاضر کیا۔ جب آپ پہلی سیڑھی پر چڑھے، فرمایا:

''آمین!''

پھر دوسری سیڑی پر چڑھے، فرمایا:

''آمین!''

پھر تیسری سیڑھی پر چڑھے، فرمایا:

''آمین!''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے، ہم نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! ہم نے آج آپ سے ایسی بات سنی جو پہلے نہیں سنی''۔

فرمایا:

''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے انہوں نے کہا: جو شخص رمضان کو پائے اور مغفرت حاصل نہ کرے وہ رحمت سے دور ہو، میں نے کہا: آمین! جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: جس آدمی کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے وہ رحمت الٰہی سے دور ہو۔ میں نے کہا: آمین! جب میں منبر کی تیسری سیڑھی پر چڑھا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: جس شخص نے بڑھاپے میں ماں باپ دونوں کو یا ان میں سے ایک کو پایا اور پھر وہ ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا، وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو۔ میں نے کہا: آمین!''

اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں نقل کیا اور کہا:

''اس کی اسناد صحیح ہیں''۔

ابن حبان نے اپنے ''ثقاۃ وصحیح'' میں، طبرانی نے کبیر میں، امام بخاری نے اپنی برالوالدین میں اور اسماعیل القاضی اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور سمویہ نے اپنے فوائد میں روایت کیا۔

ضیاء المقدسی نے فرمایا:

''اس کے تمام رجال ثقہ ہیں''۔

اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں مالک بن الحویرث سے روایت کیا اور طبرانی نے کعب کی روایت میں ''بعد'' کی بجائے لفظ ''فابعدہ اللہ'' نقل کیا ہے (اللہ اس کو رحمت سے دور کرے) اسی حدیث کو ابن ابی شیبہ اور بزار نے اپنی اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زبانی اس لفظی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے:

''اس شخص کی ناک گرد آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے میں پایا اور اپنی بخشش نہ کروا

سکا۔"

امام بخاری نے ادب المفرد میں اور طبری اور دار قطنی نے ان الفاظ میں یہ روایت نقل کی ہے:

"شقی عبد"

وہ شخص بد بخت ہے۔"

ایسے الفاظ ایک دوسرے طریق سے مروی ہیں جن کو طبرانی ابن السنی اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے:

"دخل النار"

"آگ میں داخل ہو وہ شخص۔"

بزار اور طبرانی نے اسی حدیث کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

"رغم انف رجل"

"اس آدمی کی ناک گرد آلود ہو جائے۔"

بزاز ہی نے یہ روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ سے نقل کی ہے:

"فابعده الله و اسحقه"

"اللہ اس کو اپنی رحمت سے دور کرے۔"

یہی الفاظ طبرانی 'عبد الوہاب اور ابو طالب المخلص نے نقل کئے ہیں اور طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صرف:

"ابعده الله"

کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ طبرانی نے یہی روایت حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے۔ اسی حدیث کو اسحاق بن راہویہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' یہی حدیث ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں' امام بخاری نے الادب المفرد میں' ابو یعلی نے اپنی مسند اور بیہقی نے الدعوات میں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

((فلم يغفر له فدخل النار فابعده الله))

"اس کی مغفرت نہ ہو، وہ آگ میں داخل ہو، اللہ اس کو اپنی رحمت سے دور کرے۔"

اور اسی روایت کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ترمذی اور امام احمد نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے:

((رغم انف رجل))

انہی سے یہ روایت ابن ابی عاصم نے دو طریق سے نقل کی ہے۔ ایک میں یہ الفاظ ہیں:

((رغم الله انف رجل))

"اللہ اس شخص کی ناک گرد آلود کرے۔"

دوسرے میں یہ الفاظ ہیں:

((شقیٔ امرو او تعس امرو ذكرن عنده فلم يصل عليك))

"وہ شخص بد بخت ہے یا وہ شخص ہلاک ہو جائے جس کے سامنے آپ کا ذکر ہوا اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے۔"

تمیمی نے بھی یہ حدیث انہی الفاظ سے اپنی ترغیب میں نقل کی ہے اور یہی حدیث دار قطنی، بزار اور دقیقی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

((رغم انف امری))

یہی حدیث بزار، طبرانی، ابن ابی عاصم، جعفر فریابی، عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

((فابعده الله ثم ابعده))

''اللہ اس کو اپنی رحمت سے دور کرے، پھر اور دور کرے۔''

اسی طرح یہ روایت فریابی نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔

درود نہ بھیجنے والا بد بخت ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے وہ بد بخت ہے۔''

اس کو ابن السنی نے نقل کیا ہے، اسی کو طبری نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

((شقي عبد ذكرت عنده فلم يصل علي))

''جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے، وہ بد بخت ہے۔''

حسرت والی مجلس:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے:

''جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں، نہ تو اللہ کا ذکر کریں نہ اس کے نبی پر درود بھیجیں، وہ اگر چہ جنت میں چلے جائیں، جب درود شریف کا ثواب دیکھیں گے یہ حسرت باقی رہے گی۔''

اس کو بیہقی وغیرہ نے بیان کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

مردار سے زیادہ بدبودار:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم علیہ السلام کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''جہاں بھی لوگ جمع ہوں، پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نبی علیہ السلام پر درود بھیجے بغیر متفرق ہو جائیں وہ (قیامت) کو مردار سے زیادہ بدبودار ہو کر اٹھیں گے۔''

اس کو طیالسی وغیرہ نے روایت کیا۔ اس کے رجال مسلم کی شرط پر صحیح کے رجال ہیں۔

درود نہ پڑھنے والے کا کوئی دین نہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر درود نہ بھیجے اس کا کوئی دین نہیں۔''

اس کو محمد بن صمدان مروزی نے نقل کیا ہے۔

حضور کی زیارت سے محروم:

ابوسعد الواعظ کی کتاب ''شرف المصطفیٰ'' میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سحری کے وقت کچھ سی رہی تھیں، سوئی گم ہوگئی اور چراغ بجھ گیا' پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو آپ کی نورانیت سے مکان جگمگا اٹھا' پس ان کو سوئی مل گئی۔ سو وہ بولیں:

''یارسول اللہ! آپ کا چہرہ انور کتنا روشن ہے۔!''

فرمایا:

''بربادی ہے اس کے لئے جو قیامت کے دن مجھے نہ دیکھے۔''

انہوں نے پوچھا:

''آپ کو کون نہ دیکھے گا؟''

فرمایا:

''بخیل۔''

پوچھا:

''بخیل کون ہے۔؟''

فرمایا:

''جو میرا نام سن کر مجھ پر درود نہ بھیجے۔'' (شرف المصطفیٰ للواعظ)

درود نہ پڑھنے والے کا حضور سے کوئی تعلق نہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

''جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر مکمل درود نہ بھیجا' نہ وہ مجھ سے' نہ میں اس سے۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اللهم صل من وصلنی واقطع من لم یصلنی))

''الٰہی! جو مجھ سے مل جائے اسے ملا دے اور جو مجھ سے نہ ملے اسے جدا کر دے۔''

مجھے اس کی سند نہیں ملی۔

درود نہ پڑھنا ظلم ہے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من الجفاء ان اذکر عند رجل فلا یصلی علی))

''یہ ظلم ہے کہ کسی کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

اس کو نمیری نے بیان کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

بخیل ترین آدمی:

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''آدمی کے بخیل ہونے کو یہی کافی ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''
حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے:
''بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''
اس کو حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور صحیح الاسناد کہا ہے' اسی جیسی روایت نسائی وغیرہ نے ان کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے:
''کیا میں تمہیں سب سے بڑا بخیل نہ بتاؤں؟ کیا میں تمہیں عاجز تر آدمی نہ بتاؤں؟ جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور جس کے متعلق اس کے رب نے اپنی کتاب میں فرمایا: ادعونی استجب لکم مجھ سے دعا مانگو' میں قبول کروں گا'' لیکن اس نے پھر بھی اس سے دعا نہ کی۔''
مجھے اس کی سند نہیں ملی۔

جنت کا راستہ بھولنے والا:

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود بھیجنا بھول گیا' یقیناً وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔''
اس کو طبرانی اور طبری نے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو مجھ پر درود بھیجنا بھول گیا وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔''
اس کو ابن ماجہ اور طبرانی وغیرہ نے روایت کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو مجھ پر درود بھیجنا بھول گیا وہ راہِ جنت بھول گیا۔''
اس کو بیہقی' التیمی' ابن الجراح اور الرشید العطار نے نقل کیا ہے اور کہا:
''اس کی سند اچھی ہے۔''
حافظ ابوموسیٰ مدینی نے نقل کرنے کے بعد فرمایا:
''یہ حدیث بہت سے بزرگوں سے روایت کی گئی ہے جن میں حضرت علی ابن ابی طالب' ابن عباس' ابوامامہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں اور ایسی ہی حدیث حضرت محمد بن علی المعروف ابن الحنیفہ رضی اللہ عنہ سے شیخ عبدالرزاق نے اپنی جامع میں مرسلاً نقل کی ہے۔''
ابوالیمن نے کہا:
''اس میں ارسال صحیح ہے اور یہ مختلف طرق ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔''
علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے ''الدر المنضود'' میں فرمایا:

''ان احادیث کا یہ مطلب سمجھنا چاہئے کہ جب کوئی شخص نبی کریم علیہ السلام کا ذکر سنے تو درود و سلام بھیجنے سے لاپرواہی برتتے یہاں تک کہ بھول ہی جائے' اس پر یہ تاویل نہ کی جائے کہ بھولنے والا تو مکلف ہی نہیں رہتا کیونکہ معاف وہ بھول ہوتی ہے جس میں اپنی طرف سے کوتاہی نہ ہو' اسی لئے اگر کوئی شخص شطرنج یا تاش وغیرہ کھیلتے ہوئے نماز بھول جائے یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے تو گنہگار ہوگا کیونکہ اس قسم کی کھیل کود میں مشغول ہو جانا جس سے نماز (یا دوسرے فرائض) کی ادائیگی میں کوتاہی ہو، نا جائز ہے۔''

درود نہ بھیجنے والا جہنم رسید ہوا:

حضرت عبداللہ بن جراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

''جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا وہ جہنم رسید ہوا۔''

اس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی امت محمد کے ساتھ محبت:

ابونعیم کی کتاب حلیۃ الاولیا میں ہے کہ ایک شخص نبی کریم علیہ السلام کے پاس سے گزرا' اس کے ہمراہ ایک ہرنی تھی جسے اس نے شکار کیا تھا۔ پس اللہ سبحانہ جس نے ہر شے کو بولنا سکھایا' اس نے ہرنی کو زبان دی اور وہ بولی:

''یا رسول اللہ! میرے بچے ہیں جن کو میں دودھ پلاتی ہوں، اس وقت وہ بھوکے ہوں گے' اس شخص کو حکم دیں کہ مجھے چھوڑ دے تا کہ میں ان کو دودھ پلا آؤں۔''

فرمایا:

''اگر تو واپس نہ آئے تو؟''

وہ بولی:

''اگر میں واپس نہ آؤں تو مجھ پر اللہ اسی طرح لعنت کرے جس طرح اس شخص پر جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے یا میں اس طرح کی ہو جاؤں جو نماز پڑھ کر دعا نہ کرے۔''

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

''اس کو چھوڑ دے' میں ضامن ہوں۔''

پس ہرنی گئی اور پھر واپس آ گئی۔ پس جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا:

''یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! جتنی اس ہرنی کو اپنے بچوں سے محبت ہے مجھے اس سے بڑھ کر آپ کی امت سے پیار ہے، جس طرح میں نے ہرنی کو آپ کے پاس واپس کیا' آپ کی امت کو بھی آپ کے پاس لاؤں گا۔''

سب سے زیادہ کمینہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں تم میں سب سے بہتر اور سب سے بدتر اور سب سے سست تر اور سب سے بڑا چور نہ بتاؤں؟''

صحابہ کرام نے عرض کیا:

''حضور! ضرور بتائیں!''

فرمایا:

''سب سے بہتر وہ جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور بدتر وہ جو مسلمان بھائی کی غیبت کرے اور سست تر وہ جو رات بھر سویا رہا' نہ زبان سے اللہ کا ذکر کیا نہ باقی اعضاء سے اور سب سے بڑا کمینہ وہ جس کے آگے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور سب سے بڑا بخیل وہ جو لوگوں کو سلام نہ کرے اور سب سے بڑا چور وہ جو نماز میں چوری کرے۔''

عرض کیا گیا:

''یارسول اللہ! نماز میں چوری کس طرح ہوتی ہے؟''

فرمایا:

''رکوع وسجود مکمل نہ کرے۔''

بخیل ہونے کے لیے کافی عمل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آدمی کے بخیل ہونے کو یہی کافی ہے کہ جب اس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

اس کو دیلمی نے نقل کیا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسلمان کے بخیل ہونے کو یہی کافی ہے کہ اس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

اور بعض روایات میں آیا ہے:

''آدمی کے بخل کو یہی کافی ہے کہ اس کے آگے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

اس کو سعید بن منصور اور اسمٰعیل قاضی نے نقل کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن گھر سے نکلا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہیں سب سے بڑا بخیل نہ بتاؤں۔؟''

صحابہ کرام نے عرض کیا:

''ضرور!''

فرمایا:

''جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے وہ سب سے بڑا بخیل ہے۔''

اس کو ابن ابی عاصم نے روایت کیا۔

درود نہ لکھنے پر حضور کا ناراض ہونا:

ابو علی الحسن بن العطار نے کہا:

''میرے لئے ابو طاہر المخلص نے اپنے ہاتھ سے چند اجزاء تحریر کئے' میں نے ان میں یہ بات بھی لکھی دیکھی کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آئے تو یوں کہے:

((صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً))

ابو علی کہتے ہیں: میں نے ان سے پوچھا کہ آپ یہ کیوں لکھتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: میں شروع میں جب حدیث لکھتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو میں درود وسلام نہ لکھتا' میں نے ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں آپ کی طرف متوجہ ہوا اور سلام عرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف سے رخ انور پھیر دیا۔ پھر میں دوسری طرف سے گھوم کر سامنے آیا' پھر آپ نے دوبارہ میری طرف سے رخ اقدس پھیر لیا' میں تیسری مرتبہ سامنے آیا اور عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ میری طرف سے رخ اطہر کیوں پھیر لیتے ہیں؟ فرمایا: اس لئے کہ جب تم اپنی کتاب میں میرا ذکر کرتے ہو تو مجھ پر درود وسلام نہیں بھیجتے۔ وہ وقت اور یہ وقت، اب جب بھی نبی کریم علیہ السلام کا نام نامی لکھتا ہوں ساتھ ہی لکھتا ہوں:

((صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً))

اس کو ابن بشکوال نے روایت کیا۔

پورا درود بھیجنے کی تلقین:

حمزہ الکنانی کا بیان ہے:

''میں حدیث لکھا کرتا تھا اور جب نبی اکرم علیہ السلام کا ذکر آتا تو صرف صلی اللہ علیہ لکھ دیتا اور وسلم کا لفظ نہ لکھتا' پس میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا' فرماتے ہیں' کیا بات ہے مجھ پر پورا درود وسلام نہیں بھیجتے؟ پس اس کے بعد میں نے جب بھی صلی اللہ علیہ لکھا ساتھ ہی وسلم بھی لکھنا شروع کر دیا۔

اس کو ابن الصلاح وغیرہ نے روایت کیا اور کتاب شفاء الاسقام میں ایسی ہی حکایت حافظ ابو القاسم مصری رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔

درود شریف حذف کرنے کی سزا:

شفاء الاسقام میں ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن النہدی رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ حکایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''میں نے اپنے والد ماجد سے سنا کہ ایک عالم نے الموطا کا نسخہ لکھا اس نے یہ جدت کی کہ درود وسلام کو حذف کر کے اس کی جگہ صرف حرف ''ص'' لکھنا شروع کر دیا' پھر وہ اس نسخہ کو لے کر ایک رئیس کی خدمت میں پہنچا جسے ایسی چیزوں کی کافی رغبت تھی۔ اس رئیس نے اس کی کافی خاطر ومدارت کی اور بہت کچھ اظہار مسرت کیا اور اس عالم کو صلہ جزیل دینے کا فیصلہ کر لیا' پھر کسی طرح رئیس اس کی اس حرکت پر متنبہ ہوا' پس اس عالم کو اپنے پاس سے نکال دیا' ہر قسم کے انعام واکرام سے محروم کر دیا اور اسے دور دراز مقام پر جلاوطن کر دیا' وہ شخص

اسی طرح دردر کی ٹھوکریں کھاتا مر گیا' پس ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اس ذلت اور وسوسہ شیطان سے۔''

کاغذ کی بچت کی خاطر درود نہ لکھنے کی سزا:

شفاء الاسقام میں ہی یحییٰ بن مالک یا ابوزکریا العابدی رحمۃ اللہ کے حوالہ سے یہ حکایت نقل کی گئی ہے، وہ کہتے ہیں:
''بصرہ میں ہمارا ایک دوست تھا۔ وہ ہم سے بیان کیا کرتا تھا کہ ایک بصری حدیث لکھا کرتا تھا اور جہاں نبی کریم علیہ السلام کا اسم گرامی آتا' دانستہ درود و سلام چھوڑ دیتا اور یہ بخل وہ کاغذ کی بچت کی خاطر کرتا تھا۔ میں اس کو ایک عرصہ سے جانتا ہوں، اب اس کے دائیں ہاتھ میں اتنی شدید تکلیف ہے کہ گویا کٹ کر گر رہا ہے۔''

سخت ترین عذاب:

شفاء الاسقام میں ایک کاتب کی زبانی یہ حکایت نقل کی گئی ہے کہ وہ جب بھی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا چاہتا تو اس کی جگہ صلعم لکھ دیتا تو وہ اس وقت تک نہ مرا جب تک اس کا ہاتھ کاٹ نہ دیا گیا' اس کاتب نے یہ بھی بتایا کہ ایک کاتب لفظ صلعم لکھا کرتا تھا تو مرنے سے پہلے اس کی زبان کاٹی گئی۔ اس کا بیان ہے کہ ایک کاتب جب درود و سلام لکھنا چاہتا تو یوں لکھتا: علیصم' (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سو وہ اس وقت تک نہیں مرا جب تک اس کا آدھا جسم بیکار نہیں ہو گیا۔ ایک اور کاتب کا طرز عمل بھی ایسا ہی تھا سو وہ ایک آنکھ سے اندھا ہو کر مرا۔ یہ شخص بازاروں میں مانگا کرتا تھا۔



درود شریف کے وسیلے سے دعا مانگنا

رسول اللہ کے وسیلہ سے دعا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:
''جب ہم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہیں وہ ہم سے راضی ہو جاتا ہے اور جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں تو آپ اس قضائے حاجت میں ہمارے لئے اللہ کے ہاتھ شفاعت فرماتے ہیں اور اللہ فرماتا ہے: اللہ کی طرف وسیلہ طلب کرو۔''
حکمرانوں کے آستانے دیکھ کر محسوس ہو گا کہ تمہیں کسی ایسے واسطے کی ضرورت ہے جسے حاکم کا قرب و نیاز مندی حاصل ہو، تاکہ وہ تیری حاجت برداری کیلئے تیرے ہمراہ چلے اور اگر بلا واسطہ ان کے دربار تک پہنچنا چاہو نہ پہنچ سکو گے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جو بادشاہ کا قریبی ہو وہ ان الفاظ کو بہتر جانتا ہے، جن سے بادشاہ کو مخاطب کیا جائے اور حاجات برداری کے اوقات بھی بہتر جانتا ہے۔ سو ہمارا وسائل طلب کرنا، اس کے ساتھ راہِ ادب اختیار کرنا ہے اور اس سے ہماری حاجات چند پوری ہو جاتی ہیں۔ ہم جیسے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ادب کیا جانیں؟ میں نے سیدی علی الخواص کو یہ فرماتے سنا: جب تم اللہ سے حاجت مانگو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مانگو اور کہو الٰہی! میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق ہونے کے صدقے تجھ سے

سوال کرتا ہوں کہ ہمارے فلاں فلاں کام کردے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو اس دعا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے اور آپ سے عرض کرتا ہے: فلاں شخص نے آپ کے حق کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے فلاں حاجت مانگی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حاجت کو پورا فرمانے کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں۔ سو وہ قبول ہو جاتی ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا رد نہیں ہوتی۔ یہی حال ہے جب تم اولیاء اللہ کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہو کہ فرشتہ ان کو پہچانتا ہے اور وہ اس قضائے حاجت کیلئے شفاعت کرتے ہیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔"

وسیلہ نبی پکڑنے پر دلیل:

علامہ ابن حجر ہیتمی امام نووی کی کتاب "المناسک" پر لکھے گئے اپنے حاشیہ کے چھٹے باب میں ایک فائدہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"اس بات کی دلیل کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑنا سلف صالحین، انبیاء و اولیاء وغیرہ کا طریقہ ہے، وہ حدیث ہے جس کو حاکم نے نقل کیا اور اسے صحیح بتایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے عرض کیا: پروردگار! میں تجھ سے محمد کا صدقہ سوال کرتا ہوں کہ میری بخشش فرما، فرمایا: آدم! تو نے ان کو کیسے پہچان لیا، حالانکہ ابھی میں نے ان کو پیدا نہیں کیا۔ عرض کی: پروردگار! جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی روح میرے اندر پھونکی، میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کو ملایا ہے جو ساری مخلوق میں تیرا محبوب تر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم تو نے سچ کہا، بے شک وہ تمام مخلوق سے بڑھ کر میرے پیارے ہیں اور جب تو نے ان کے وسیلہ سے دعا مانگی تو میں نے تجھے معاف کر دیا۔ اگر محمد نہ ہوتے میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ نسائی اور ترمذی نے حدیث نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا کہ ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ سے میری بینائی بحال ہونے کی دعا کریں۔ فرمایا: چاہو تو دعا کروں اور چاہو تو صبر کرو کہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ عرض کی دعا فرمائیں۔ آپ نے اسے اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: یہ دعا پڑھو:

((اللهم انی اسألك واتوجه اليك نبيك محمد صلى الله عليه وسلم نبی الرحمة يا محمد انی اتوجه بك الى ربی فی حاجتی لتقضی لی اللهم شفعه فی))

"الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں، تیرے نبی محمد کے وسیلہ سے جو نبی رحمت ہیں۔ اے محمد! بیشک میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنی حاجت میں کہ آپ اسے پوری فرمائیں۔ الٰہی! حضور کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔"

امام بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اتنا اضافہ فرمایا ہے کہ وہ صاحب اٹھے تو بینائی بحال تھی۔

بیہقی نے سند جید سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں یہ کلمات بھی فرمائے تھے:

((نبيك والانبياء الذين من قبلي))

''اپنے نبی کا صدقہ اور مجھ سے پہلے نبیوں کا صدقہ۔''

امام سبکی کے نزدیک توسل، استغاثہ، تشفع اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء واولیاء سے توجہ کے سوال کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ اگر چہ عبد السلام نے اسے منع کیا ہے۔ اس لئے کہ اعمال کو وسیلہ بنانا ثابت ہے، حالانکہ وہ اعراض ہیں (جو ذوات سے قائم ہوتے ہیں) پس فضیلت والی ذاتیں بطریق اولیٰ وسیلہ ہو سکتی ہیں اور اس لئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارش کی دعا میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا تھا اور اس پر انکار نہیں کیا گیا اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ بنانے کا مطلب ہوتا ہے کہ آپ سے دعا کرانا کیونکہ آپ زندہ ہیں۔ سوال کرنے والے کو جانتے ہیں۔ ایک طویل صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا اور کہا: یارسول اللہ! اپنی امت کیلئے پانی مانگیں۔ خواب میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، آپ نے اسے بتایا کہ بارش ہوگی۔ ایسا ہی ہوا۔ (ہیثمی کا کلام ختم ہوا۔)

امام شافعی کا استغاثہ:

امام ابن الوردی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:

''شہر حلب میں لشر طرابلس کے امیر صلاح الدین یوسف دواتدار نے امام شافعی علیہ الرحمہ کے یہ دو شعر سنائے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حفظ بصارت کیلئے مفید ہیں:

ا۔ اے میری آنکھو! میں تمہیں یعقوب علیہ السلام کی حفاظت میں دیتا ہوں، یعنی جب نظر نے ان سے بیوفائی کی تو انہوں نے اسے پناہ میں دے دیا۔

۲۔ قمیض یوسف کی، جسے یوسف علیہ السلام کے خوشخبری سنانے والے قاصد نے میری آنکھ پر ڈالا ہے، پس اے تکلیف! چلی جا۔!

فرمایا:

''میں نے بھی دو شعر کہے ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ حفظ نفس، حفظ دین وحفظ مال واہل کیلئے مفید ہیں، شعر یہ ہیں:

ا۔ میں نے اس ہتھیلی کو گزار لیا ہے، جس میں کنکروں نے تسبیح پڑھی، اور لشکر کو تیز پانی سے سیراب کیا۔

۲۔ اپنی روزی،، اپنی آخرت، اپنی اولاد، اپنے ظاہر وباطن پر۔

ابن العریف کا استغاثہ:

عارف باللہ ابن العریف نے اپنی کتاب ''مطالع الانوار'' میں فرمایا، جیسا کہ ''نفح الطیب'' میں ہے:

اے میری طلب کے سلسلہ میں طعنہ دینے والے! مجھے طعنہ زنی سے چھوڑ، مجھے چھوڑ دے۔

میں شوق سے سفر کروں گا پورے عزم کے ساتھ، سستی سے نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی طرف، اپنے حسن ظن کی تصدیق کرتے ہوئے۔

ہر راستے میں دوڑوں گا، جب کبوتر گاتا ہوگا۔

اے پاکیزہ ترین خلق! میں ذلیل بھاگا ہوا انسان ہوں۔
آج میری غلامی ختم کر دیجئے، اور محبت سے میری طرف دیکھئے۔
سو آپ اور صرف آپ ہی میری پناہ گاہ ہیں۔ میری مراد آپ ہیں بس آپ ہیں۔
اگر آپ میری جسمانی آنکھ سے غائب بھی ہوں (پرواہ نہیں) میری ذہنی آنکھ سے پوشیدہ نہیں۔
اگر آپ نہ ہوتے تو ہم لوگ شیطانوں سے بدتر ہوتے۔
جب آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا تو یہ بہترین افضل واحسان ہے۔
آپ میری شفاعت فرمائیں کہ میری تکلیف دور ہو۔
میں برا بندہ ہوں، میں نے ڈھال کی پیٹھ پھیر دی ہے۔
ابوعبداللہ بن حیان اندلسی نے فرمایا جیسا کہ "نفح الطیب" میں ہے:
اگر محمد نبی نہ ہوتے، تو مخلوق بدترین حال میں تباہ ہو جاتی۔
ساری مخلوق میں اعلیٰ مرتبے والے، کریم تر اور ظاہر ترین راہنمائی فرمانے والے۔
ان پر اللہ نے نبوت، بشارت اور رسالت ختم فرمادی۔
مخلوق میں ان کو مرتبہ وجلال میں مخصوص فرمایا۔
آپ رسالت کے چاند اور صحابہ کرام اس کے گرد ہالے ہیں۔
کافروں کی آنکھوں میں کنکر پھینکنے، جو بجائے مقابلہ کرنے کے گردش پکڑ کر رہ گئے۔
آپ کی شجاعت کے ظاہر ہونے پر انہوں پر تھکاوٹ وتکلیف کی قمیص پہن لی۔
ان کی خبروں کی طرف کان لگا معلوم ہوگا کہ انجام کار ان کا ہے۔
جب تم نے وسیلہ ڈھونڈ لیا اس کی تعریف کی اور خدا کی تعریف کی۔
تو یقین جانو کہ تم قیامت کے دن یقیناً محفوظ ہوں گے۔

ابن حیان کا استغاثہ:

ابن حیان نے کہا:
جمع ہونے اور ندامت اٹھانے کے دن مخلوق پر سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔
اپنے کم ترین غلام پر رحم فرما، اے طاقت ونعمتوں والے۔
بے شک میں نے اپنے آقا، برگزیدہ، پاک اور تمام قوموں میں سے منتخب کا وسیلہ پکڑا ہے۔
تیری طرف وسیلہ پکڑتا ہوں، میں بہت خطا کار ہوں۔ اے تنہا، جو ہمیشہ ایک رہے گا اور نہ سوئے گا۔
تیری طرف سے ان پر درود ہو، جب بھی سورج طلوع ہو اور جب تک اوراق میں قلم سے لکھا جائے۔
وہی شفاعت کرنے والے ہیں جن کے ذریعے مجھے نجات کی امید ہے۔ دوزخ سے جب کفار کوئلے کی طرح ہوں گے۔
یہ بھی ابن حیان نے کہا ہے:

۱۔ دل اس کی بات پر لبیک کہتے ہیں، جو مخلوق میں قابل اعتماد ہے، ابوالقاسم نبی ﷺ! شفاعت کرنے والا۔
۲۔ میں نے اپنے گناہوں کیلئے شفیع بنایا، اس کی بارگاہ میں جو لکھنے والے فرشتوں کا مالک، ایک بلند مرتبہ بننے والا ہے۔
۳۔ سو شفاعت کیجئے، شفاعت کیجئے قیامت کے دن۔ اے خاتم الرسل! جو بڑی شہادت گاہ اور ڈراؤنا منظر ہوگا (یعنی روز قیامت)۔
۴۔ اس کی جو اپنے نفس کی پیروی کرنے والا ہے، جو خطاؤں اور ہر غلط کام میں حد درجہ بڑھا ہوا ہے۔
۵۔ جب گناہ یاد کرتا ہے، آنکھیں بہنے لگتی ہیں اور ندامت سے چہرہ چمکنے لگتا ہے۔
۶۔ اس کی امید نامراد نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اپنے رب سے ڈرتا اور عاجزی کرتا ہے۔
۷۔ آپ پر اول و آخر درود ہو جب تک طلوع کے وقت روشنی ہو۔

شہاب محمود حلبی کا استغاثہ:

کئی دیوانوں کا مصنف شہاب محمود حلبی ملک شام میں عرض گزار ہے:

۱۔ اے وہ جس کی عزت کے صدقے میں شفاعت کا طلبگار ہوں اور اپنی ذلت کے سبب شرماتا و انکساری کرتا ہوں۔!
۲۔ اے ڈوبتوں کو تیرانے والے! اور وہ جس کا بندہ اسے گھپ اندھیروں میں پکارتا ہے تو وہ سنتا ہے۔
۳۔ اے ان تکلیفوں کو دور کرنے والے! جن کی تدبیریں عاجز ہو جائیں تو اسی کی طرف ان کے حل میں رجوع کیا جاتا ہے۔
۴۔ اے پوشیدہ لطف فرمانے والے! جن کی قدریں نظر نہیں آتیں اور اچھا کام ہوتا رہتا ہے۔
۵۔ اے بڑی تکلیف دور کرنے والے! اور ان مصائب کا ازالہ کرنے والے جنہیں کوئی نہ کر سکے۔
۶۔ اے میری تنگی کے سہارے! اے میری تنہائیوں کی عزت، جس کے غیر کی طرف میں زاری نہ کروں۔
۷۔ اے ہر خوف سے بچانے والے! کسی اور سے فضول پکارنے کے سوا مجھے کوئی توقع نہیں۔
۸۔ تیرے سوا میرا کوئی نہیں، تو ہی میری رغبت کی جگہ، تو ہی شکایت کی، جہاں ڈروں یا امید رکھوں۔
۹۔ کیا تیرے سوا کسی سے ڈروں یا امید رکھوں؟ حالانکہ کائنات میں نہ کوئی نفع دے نہ نقصان (تیری اجازت کے بغیر)
۱۰۔ تو غنی ہے باقی تمام مخلوق محتاج، تیرے فضل کی طرف لپکے ہیں۔
۱۱۔ اے کریم! تیرے سوا کوئی کامل نہیں۔ سو مجھے غنی کر دے اور بچا لے کہ نہ امید رکھوں نہ ڈروں۔
۱۲۔ اے وہ کہ جسے میں اپنی تکلیف میں پکارتا ہوں بے صبری سے، پھر جس تکلیف کا شکوہ کرتا ہوں ختم ہو جاتی اور لوٹ جاتی ہے۔
۱۳۔ اے وہ کہ خیر کی امید سے جسے پکارتا ہوں اور قبولیت کا قطعی یقین کرتا ہوں۔
۱۴۔ تو وہ ہے جس کے دروازے کے سوا کوئی دروازہ نہیں، اگر بڑے حیلے تنگ ہو جائیں، تو تیرا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے۔
۱۵۔ تو ہی وہ ہے جس کی حفاظت کے سوا کوئی قلعہ نہیں، تیرے سوا سب کمزور اور عاجز ہیں۔
۱۶۔ تو وہ ہے کہ جس کے سوا میرا کوئی مددگار نہیں، خواہ میرے خلاف تمام دشمن جمع کیے جائیں اور جمع ہو جائیں۔
۱۷۔ اے وہ کہ زمانہ اپنی دانست میں خواہ اپنی معرفتیں ختم کر دے۔ تیری معرفتیں ختم نہ ہوں گی۔
۱۸۔ اے میری وحشت کے دوست! جب میرا غمخوار دور ہو تو روئے زمین تو ایک ویرانہ ہے۔

۱۹۔ اے میرے اس وقت کے ساتھی، جب کوئی میرا ساتھی نہ ہو جسے پکاروں تو وہ سنے، یا اس کا ارادہ کروں تو وہ میری طرف آئے۔

۲۰۔ یہ میرا ہاتھ اندھیروں میں تجھ سے دعا کر رہا ہے۔ اور ساری مخلوق میں کون ہے جو تیرے در پہ ہجوم نہیں کرتا۔

۲۱۔ میں تجھ سے اس پناہ گیر کی دعا مانگتا ہوں، جس کی تیرے در پر نظر کیے عمر گزر گئی۔

۲۲۔ تیرے سوا تمام ذرائع ختم ہو گئے۔ اور تجھ سے ملانے کیلئے اسے یہی کافی ہے کہ تیرے سوا سب کٹ جائیں گے۔

۲۳۔ شرمندگی سے زمین پر سر رکھے ہوئے، کیونکہ گناہوں کی شرمندگی کی بناء پر اس کا سر اٹھ نہیں سکتا۔

۲۴۔ اس مصطفےٰ ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پیش کرتا ہوں۔ جن کی قیامت کے دن گنہگاروں کے حق میں شفاعت قبول ہوگی۔

۲۵۔ مخلوق میں بہترین، جلیل ترین مبعوث ہونے والے جن کی ہدایت سے گمراہی کی بیڑیاں گٹ گئیں۔

۲۶۔ اللہ کا سایہ رحمت، اس کی رحمت کا راز، جسے دنیا میں شفاعت کیلئے ودیعت رکھا گیا ہے۔

۲۷۔ گنہگاروں کو میدان حشر میں صرف ان کا جاہ وجلال قیامت کی ہولناکی سے نجات دے گا۔

۲۸۔ وہی ایسے شفیع ہیں جن سے امیدیں وابستہ ہیں، کیونکہ بلا اجازت وہاں کوئی شفاعت کر سکے گا۔

۲۹۔ میدان محشر میں انہی کا وسیلہ اور انہی کا جھنڈا ہوگا۔ ان کے علاوہ سب ڈر رہے ہوں گے۔

۳۰۔ جسے چاہیں حوض کوثر سے سیراب کریں گے جب کہ پیاس وخوف سے زبانیں باہر نکلی ہوں گی۔

۳۱۔ تمام لوگوں پر شدت وتکلیف کا دور دورہ ہوگا۔ وہاں یہ نظر نہیں آئے گا کہ مال واولاد کسی کو فائدہ دے۔

۳۲۔ تمام مخلوق کو پیاس وتکلیف کا سامنا ہوگا۔ ہر ایک ان کے گرد گھومتا ہوگا۔

۳۳۔ آپ آکر اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہوں گے اور ایسی حمد وثناء کریں گے جو پہلے کسی نے نہ سنی ہوگی۔

۳۴۔ پھر کہا جائے گا: مانگ جو مانگے گا ملے گا۔ شفاعت قبول ہوگی۔

۳۵۔ فرمائیں گے: میری امت، جنہیں میں نے تیرا راستہ بتایا اور انہوں نے اختیار کیا۔ کہا جائے گا وہ سب تیرے ہیں۔

۳۶۔ میرے خالق! ان کے حق ہونے کا صدقہ تو میرا ہو جا، جب جان گلے میں اٹکے اور ہول طاری ہو۔

۳۷۔ اور قیامت کے دن ان کو میرا شفیع بنا دے تاکہ جنت میں تھوڑی سی جگہ مجھے بھی مل جائے۔

۳۸۔ انہی کی ذات میں تیری طرف میرا وسیلہ اور پہنچ ہے۔ اور میری خطا سے تیری عطا بڑی وسیع ہے۔

۳۹۔ اگر مجھے گناہ کی معافی کا یقین نہ ہو، تو غرور کے میدان میں نہ ڈروں اور بیٹھ جاؤں۔

۴۰۔ لیکن میری امید اور حسن ظن نے خوف کم کر دیا جس نے میری کمر توڑ دی تھی۔

۴۱۔ میں نے ان کا دامن مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے کہ گناہوں سے ڈروں اور بے صبری کروں۔

۴۲۔ میں صرف تیری پناہ میں آیا ہوں اور تمام روئے زمین والوں کو اگر تو جوڑے تو ٹوٹ نہیں سکتے۔

۴۳۔ ایسے اسباب پیدا نہ فرما کہ میں تیرے غیر سے ڈروں یا اللہ کے سوا کسی سے دبوں۔

۴۴۔ رزق تو تیرا ہے لوگ، وسیلہ ہیں، سو میں کس کے آگے آہ وزاری کروں۔؟

۴۵۔ میں نے قسم کھالی ہے کہ تیرے سوا کسی امیر سے امید نہ رکھوں گا، خواہ وہ اپنے مال خرچ کریں یا نہ کریں۔

شیخ فتح اللہ حلبی کا استغاثہ:

شیخ فتح اللہ النحاس حلبی نے کہا:

1: اے وہ ذات جو پکارنے والے کی پکار سنتی ہے اور اس کا حکم اس سے اسی کی طرف لوٹتا ہے۔
2: پروردگار! میری پیشانی تیری مٹی ہے، تو نے جو لکھ دیا وہ ہی ہوگا۔
3: پروردگار! تیرا بندہ یا تیری مٹی، وسیع معانی میں امیدوار ہے۔
4: اپنی مٹی پر رحم فرما، اے معافی دینے والے، تیرے آگے نالہ وکناں ہوں۔!
5: میں تیرا بوڑھا بندہ، گنہگار تیری معافی کے دروازے کو کھٹکھٹانے آیا ہوں۔
6: میرے ہاتھ میں اور میرے پاس وسائل و ذرائع نہیں۔
7: سوائے کریموں کے پڑوس کے جو آنے والے حاجت مندوں کے دریادرس ہیں۔
8: پروردگار، روشن چہروں کا اور تیری بارگاہ میں چمکتے تاروں کا صدقہ۔
9: اس نور کے طلوع کا صدقہ، جس کے طلوع سے تمام مطالع روشن ہوئے۔
10: بڑی رحمت، جس کی آمد سے اندھیرے کافور ہوئے۔
11: سچا بھیجا گیا آیات (معجزات) اور جامع کلمات کے ساتھ۔
12: جن کی شمشیر دعوت، رگ شرک کو ہمیشہ کاٹتی رہے گی۔
13: اخلاق میں تمام مخلوق سے بہتر، پرہیزگار، کریم تر فطرت والے۔
14: تمام نبیوں میں بہتر و افضل جن کی شریعت نے تمام شریعتیں منسوخ کردیں۔
15: اور ان کے دوساتھیوں کا صدقہ جو ان کے ساتھ لیٹے ہیں، یہ کتنی اچھی خوابگاہ ہے۔
16: میری بداعمالیوں کی بنا پر، نظر کرم کردے کہ خاتمہ بخیر ہو۔
17: میرے نامہ اعمال نے میرا چہرہ سیاہ کردیا، بوڑھا، سن رسیدہ کھوسٹ۔
18: یہاں تک کہ چمکتی صبح کے باوجود میرے راستے مجھ پر پوشیدہ رہے۔
19: میں بہت ڈرتا ہوں اور اس خوف کو تیرے سوا کوئی دور نہیں کرسکتا، اے معاف فرمانے والے۔
20: افسوس، جب اپنے کیے پر غور کرتا ہوں، شرمندگی ہوتی ہے۔
21: نہ گزرے فعل سے خوشی ہوتی ہے، نہ اپنے حال سے، نہ مستقبل سے۔
22: میرے گناہوں کی وجہ سے جب آنسو گریں تو مجھ پر رحم فرمانا۔
23: اور اپنی معافی سے میرے گناہوں کا بوجھ ہلکا فرمادے اور میرا ہاتھ پکڑ کر چلا۔
24: تیری خالص زندگی کی قسم! تو وہ معبود ہے کہ جس کے آگے روضہ انور میں رہنے والا رکوع و سجود کرتا ہے۔
25: میری زندگی اس قبر پر قربان جن پر ہمیشہ نور نبوت چمکتا رہتا ہے۔
26: الٰہی! ان کا در تیرا در ہے، میری تجھ سے امید اور ان سے طمع ہے۔
27: کبھی میں رب، رب پکارتا ہوں، اور کبھی، اے بہترین شفاعت فرمانے والے (یا شفیع!)۔

28: میرا حادثہ دیکھئے اور سہارا دیکھئے کہ میں گھبرایا ہوا آیا ہوں۔
29: اے جود وسخا کے منبع! جس کی ہتھیلیوں سے پانی ابلتا ہے۔
30: یہ عید کی راتیں ہیں، جن میں کریم عطائیں کرتے ہیں۔
31: گناہ بخشے جاتے ہیں، خطائیں دھل جاتی ہیں اور احسان ہوتا ہے۔
32: میں آپ کی حمایت میں ہوں اور آپ اللہ کا وہ دروازہ ہیں جس پر دھتکار انہیں جاتا۔
33: آپ پر وہ اللہ درود وسلام بھیجے، جس نے شریعتیں مقرر فرمائیں۔
34: اس آل واصحاب پر بھی رحمتیں ہوں، جنہوں نے کروٹیں بستروں سے دور رکھیں۔
35: جب تک سورج چمکتا اور چاند افق پر طلوع ہوتا رہے۔



آیتِ درود وسلام کی تشریح

آیت درود وسلام:

ارشاد ربانی ہے:

((ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یاایھاالذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیمًا))

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔''

اللہ اور فرشتوں کا درود:

امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں فرمایا:

''ابوالعالیہ کا قول ہے: اللہ کا درود حضور ﷺ پر یہ ہے کہ وہ فرشتوں کی مجلس میں آپ کی ثناء کرے اور فرشتوں کا درود آپ پر یہ ہے کہ وہ دعا کریں۔''

یصلون کا معنی:

حضرت ابن عباس نے فرمایا:

''یصلون کا معنی ہے: یبرکون، برکت بھیجتے ہیں۔''

درود اور سلام:

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا:

''یارسول اللہ! آپ پر (السلام علیک ایھا النبی کے الفاظ سے) سلام پڑھنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا صلاۃ کیسے بھیجا کریں۔؟''

آپ نے فرمایا: یوں کہو:

((اللهم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صليت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك على محمد وعلى ال محمد كما باركت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد))

''الٰہی! محمد پر درود بھیج اور محمد کی آل پر جیسے تو نے ابراہیم اور ان کی آل پر درود بھیجا، بے شک تو قابل تعریف، بزرگی والا ہے۔ الٰہی! محمد پر برکت نازل فرما اور محمد کی آل پر جیسے تو نے ابراہیم اور ابراہیم کی آل پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو قابل تعریف بزرگی والا ہے۔''

آیت درود کا معنی:

عارف صاوی نے اپنے حاشیہ جلالین میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:

''اس آیت میں دلیل ہے اس بات کی کہ حضور علیہ السلام رحمتوں کے مبط اور علی الاطلاق افضل الخلق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی پر صلاۃ کا مطلب ہے اس کی رحمت جو آپ کی تعظیم کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور اللہ کی رحمت غیر نبی پر مطلق رحمت ہوتی ہے۔ جیسے فرمان باری ہے:

((هو الذی یصلی علیکم وملئکة لیخرجکم من الظلمات الی النور))

''وہی تو ہے جو اپنے فرشتوں کے ہمراہ تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے تاکہ تم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائے۔''

اب دونوں قسم کی صلوٰۃ میں فرق دیکھ لیجئے اور دونوں مقامات میں جو فضیلت ہے وہ ملاحظہ فرمالیجئے اور فرشتوں کی صلوٰۃ حضور علیہ السلام کے لئے اس چیز کی دعا مانگنا ہے جو آپ کے شایانِ شان ہے اور وہ رحمت ہے جو تعظیم کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ اب حضور کی رحمت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تابع ہو کر ہر شے کو شامل ہوگئی۔ پس درود شریف تمام رحمتوں کا محل اور تجلیات کا منبع بن گیا اور فرمان باری: یاایھا الذین امنوا صلوا علیه کا معنی ہے: آپ کے لئے اس چیز کی دعا کرو جو آپ کے شایان شان ہے اور فرشتوں اور اہل ایمان کی صلاۃ میں حکمت یہ ہے کہ ان کو فضل و شرف حاصل ہو کیونکہ انہوں نے مطلق صلاۃ میں اللہ تعالیٰ کی اقتداء کی ہے اور حضور کی تعظیم کا اظہار ہو اور آپ کے مخلوق پر جو حقوق ہیں ان کا کچھ نہ کچھ بدلہ ہو جائے کیونکہ انہیں جو بھی نعمت ملی ہے حضور ہی کے واسطہ سے ملی ہے، آپ ہی سب سے بڑا وسیلہ ہیں اور جس کو کسی سے نعمت ملے اس پر فرض ہوتا ہے کہ وہ بھی جواب میں اس کا بدلہ دے، پس تمام مخلوق کا آپ پر درود شریف بھیجنا آپ کے فرض حقوق میں سب سے کچھ کا بدلہ دینا ہے۔''

حضور کی سب سے زیادہ عظمت کو بیان کرنے والی آیت کریمہ:

قاضی عیاض نے فرمایا:

''اس پر اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ میں نبی علیہ السلام کی وہ عظمت و شان بیان کی گئی ہے جو کسی دوسری

آیت میں نہیں کی گئی۔''

ملاءِ اعلیٰ میں حضور کی قدر ومنزلت:

یہ آیت مدنی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ قدر ومنزلت بتا رہا ہے جو ملاءِ اعلیٰ میں اس کے حضور ہے کہ وہ ملائکہ مقربین میں آپ کی ثناء کرتا ہے اور یہ کہ فرشتے آپ پر صلاۃ بھیجتے ہیں، پھر عالم سفلی کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ پر صلاۃ وسلام بھیجیں تاکہ نیچے والی اور اوپر والی ساری مخلوق سب کی ثناء آپ پر جمع ہو جائے۔

صیغہ مضارع کے راز:

اس آیت میں صیغہ مضارع (یصلون) لایا گیا جو دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ ہمیشہ درود بھیجتے ہیں، حالانکہ اولین وآخرین کی انتہائی تمنا یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صلاۃ ہی ان کو حاصل ہو جائے (تو زہے نصیب) اور ان کی قسمت میں یہ کہاں! بلکہ اگر عقل مند سے پوچھا جائے کہ ساری مخلوق کی نیکیاں تیرے صیغہ اعمال میں ہوں تجھے یہ پسند ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صلاۃ تجھ پر نازل ہو جائے؟ تو وہ اللہ تعالیٰ کی ایک صلوٰۃ کو پسند کرے گا۔ پس تمہارا کیا خیال ہے اس ذات کے مقام کے بارے میں جن پر ہمارا رب سبحانہ اور اس کے تمام ملائکہ ہمیشہ ہمیشہ درود بھیجتے ہیں تو کیونکر تحسین کی جاسکتی ہے، بندہ مومن کی اس بات پر کہ وہ آپ پر کثرت سے درود نہیں بھیجتا یا اس سے غفلت برتتا ہے۔؟''

حضرت آدم سے بھی زیادہ فضیلت:

امام سہل بن محمد بن سلیمان نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اس فرمان: **ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی** سے جو شرف بخشا ہے زیادہ کامل اور جامع ہے، اس شرف وبزرگی سے جو اس نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے لیے سجدے کا حکم دے کر حضرت آدم کو بخشا تھا، کیونکہ اس تشریف وتکریم میں اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ شامل ہونا جائز نہ تھا اور یہاں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے میں وہ خود بھی شامل ہے۔ پھر خبر دی کہ فرشتے بھی آپ پر صلاۃ بھیجتے ہیں۔ پس وہ تشریف وتکریم جو اللہ کی ذات سے صادر ہوا اس تشریف سے بڑھ کر ہے جو صرف فرشتوں کے ساتھ مختص ہے اور اللہ اس بارے میں ان کے ساتھ نہیں۔''

اللہ اور فرشتوں کا درود بھیجنا:

مسالک الحنفاء میں امام سہل کا مذکورہ بالا کلام نقل کرنے کے بعد اپنی سند متصل سے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر پہلے خود درود پڑھنے کا ذکر فرمایا تاکہ پڑھنے والے مسلمانوں کو اس سے ترغیب ہو اور نہ پڑھنے والوں کو تنبیہ ہو، گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنے اس جلال وعظمت، بلند مرتبت اور مخلوق سے غنی ہونے کے باوجود اپنے محبوب پر درود بھیجتا ہوں اور فرشتے باوجودیکہ اللہ کے ذکر میں مصروف

ہیں اوراس کی بارگاہ میں عظیم الشان مرتبہ پر فائز ہیں، آپ پر درود بھیجتے ہیں تو تمہارا تو زیادہ حق ہے کہ آپ پر درود وسلام بھیجا کرو کیونکہ تم سب حضور کے محتاج ہو۔ آپ پر اللہ کی رحمتیں اور سلام ہو، کیونکہ آپ نے تمہاری شفاعت فرمانا ہے اوراس لئے کہ آپ کی رسالت کی برکت سے تم نے دنیاو آخرت کا شرف پایا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو وہ جزاء دے جس کے آپ مستحق ہیں۔''

ایک اعتراض اوراس کا جواب:

امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر میں ہے:

''اگر یہ کہا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ اوراس کے فرشتے حضور علیہ السلام پر درود بھیجتے ہیں تو ہمارے درود کی کیا ضرورت ہے؟ ہم کہتے ہیں: ہم آپ پر اس لئے درود نہیں بھیجتے کہ آپ کو اس کی حاجت ہے، نہ تو آپ کو ہمارے درود کی حاجت ہے، نہ فرشتوں کے درود کی، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجتا ہے۔ ہاں! ہم محض آپ کی تعظیم کے اظہار کی خاطر درود وسلام پڑھنے پر مامور ہیں جیسے اللہ سبحانہ نے ہم پر اپنا ذکر واجب کر دیا ہے، حالانکہ اس کو ہمارے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں وہ تو محض اظہار عظمت کے لئے ہم پر واجب ہے اور یہ بھی ہم پر اس کی شفقت ہے تاکہ ہم اس کا ذکر کریں اور ثواب پائیں، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا۔''

امت کی طرف سے رسول کی بارگاہ میں ہدیہ:

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

''امام ابوالقاسم قشیری نے اپنی تفسیر میں آیت: ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی کے تحت فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ امت کی طرف سے اس کے رسول کی بارگاہ میں کوئی نہ کوئی خدمت ہو جس کے عوض آپ کی طرف سے اسے نعمت شفاعت نصیب ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور علیہ السلام پر درود پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی ایک مرتبہ درود شریف بھیجنے کے عوض دس رحمتیں نازل فرمانے کا اعلان فرمایا۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی مزید عنایت کا محتاج رہتا ہے اور کسی وقت بھی اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رحمت وسلامتی کے محتاج ہیں تو نبوت سے بڑھ کر تو کوئی رتبہ ہے ہی نہیں۔''

اللہ اور فرشتوں کا درود بھیجنے کا معنی اور درود پڑھنے والے پر رحمتوں کا نازل ہونا:

الدار المنضود میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول منقول ہے:

''اللہ تعالیٰ کا حضور علیہ السلام پر اور آپ پر صلاۃ بھیجنے والوں پر صلاۃ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ پر اور ان پر انواع واقسام کی عزت وتکریم کی بارش کرتا ہے اور ان پر بہترین نعمتیں نازل فرماتا ہے۔ رہا ہمارا اور ملائکہ کا آپ پر درود شریف بھیجنا جیسا کہ آیت کریمہ: ان اللہ وملئکتہ میں بیان ہوا، سو وہ ایک سوال اور التجاء ہے کہ

آپ کو وہ کرامت عطا ہو اور رغبت پیدا کرنا ہے۔"

اہل اسلام کو درود پڑھنے کا حکم دینے کا معنیٰ:

میں نے امام ابواللیث مصطفیٰ الترکمانی حنفی کے مقدمہ کی شرح میں یہ عبارت پڑھی ہے:
"اگر کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہم کو حکم دیا کہ ہم نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام بھیجیں اور ہم کہتے ہیں: اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد (الٰہی! محمد اور آل محمد پر درود بھیج) پس ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ آپ پر صلوٰۃ بھیجے اور ہم خود آپ پر صلوٰۃ نہیں بھیجتے یعنی اس طرح کہ آدمی کہے: اصلی علی محمد "میں محمد پر درود بھیجتا ہوں۔" ہم کہتے ہیں: اس لئے کہ حضور علیہ السلام پاک صاف ہیں۔ آپ کی ذات میں کوئی عیب نہیں اور ہمارے اندر کئی عیب اور نقائص ہیں۔ پس اتنا بڑا عیب دار اور گنہگار شخص اس ذات پاک کی مدح وثناء کیونکر کر سکتا ہے، اس لئے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ آپ پر درود بھیجے تا کہ رب طاہر کا درود نبی طاہر پر ہو جائے۔ یونہی المرغنانی میں لکھا ہے۔"

درود میں اللہ اور بندے کی طرف نسبت:

علامہ نیشاپوری کی کتاب "اللطائف والحکم" میں بھی یہی لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:
"درود شریف میں اتنا ہی کافی نہیں کہ آدمی کہے: صلیت علی محمد کیونکہ بندہ اس قابل ہے ہی نہیں، بلکہ اپنے رب سے سوال کرے کہ وہ آپ پر صلوٰۃ بھیجے تا کہ اللہ کی طرف سے درود ہو۔ پس صلوٰۃ بھیجنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہوا، بندے کی طرف یہ نسبت مجازی ہے، اس مناسبت سے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے۔"

اللہ ہی سے عرض کرنا کہ اے اللہ! تو ہی درود بھیج:

ابن ابی حجلہ نے بھی کچھ اس طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:
"امت کو جو اللھم صل علی محمد کی تعلیم دی تو اس میں حکمت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر درود بھیجنے کا ہم کو حکم دیا تو ہم اس واجب کو ادا کرنے کے قابل نہ تھے تو ہم نے یہ فریضہ اسی کی طرف پھیر دیا کیونکہ وہی بہتر جانتا ہے کہ آپ کے شایانِ شان درود شریف کیسے بھیجا جائے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضور علیہ السلام نے حمد باری تعالیٰ کے متعلق فرمایا: لااحصی ثنآء علیك "میں تیری ثناء کما حقہ نہیں کر سکتا۔" اس سے بھی پہلے ابن عساکر یہ کہہ چکے ہیں: کتنی اچھی بات کہی اس نے جس نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر درود بھیجنے کا حکم دیا اور ہم کو آپ پر درود بھیجنے کی فضیلت معلوم نہ تھی اور ہمیں اس بارے میں اللہ سبحانہ کی حقیقی مراد کا علم نہ تھا اس لئے ہم نے درود شریف کو اسی کی طرف لوٹا دیا اور ہم نے کہہ دیا: الٰہی! تو ہی اپنے رسول پر درود نازل فرما کیونکہ تو بہتر جانتا ہے کہ آپ کی شان کے لائق درود کون سا ہے اور تو ہی جانتا ہے کہ اس سے مراد کیا ہے۔ واللہ اعلم!"

کثرت درود کو لازم قرار دینا:

جب تم کو یہ سب معلوم ہو چکا تو اب تمہارا درود آپ پر اسی طرح ہونا چاہئے جیسے آپ نے تمہیں حکم دیا۔ اسی

سے تمہاری قدر و منزلت آپ کی بارگاہ میں بڑھے گی۔ تم اپنے اوپر کثرت صلاۃ کو لازم کرلو اور ہمیشہ پڑھنا ضروری سمجھو اور اس بارے میں سب روایات جمع کرو کیونکہ آپ پر کثرت سے درود بھیجنا محبت کی ایک علامت ہے کیونکہ جس کو کسی سے محبت ہوتی ہے کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے، صحیح حدیث میں ہے:
"تم میں سے کسی کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا تا آنکہ میں اس کو اپنے باپ بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔"

صلوۃ......نسبت اور معانی:

سلمی نے حقائق میں آیہ کریمہ: ان اللّٰہ وملئکتہ یصلون علی النبی سے متعلق ابن عطاء کی یہ روایت بیان کی ہے کہ اللہ کی طرف سے صلوٰۃ بمعنی وصال، ملائکہ کی طرف سے رفعت اور امت کی طرف سے پیروی ومحبت ہے۔

عبدالواحد البساری نے کہا: تم جو حضور علیہ السلام پر درود بھیجتے ہو کسی حد پر پہنچ کر یہ ہرگز خیال نہ کرنا کہ ہم صلوٰۃ وسلام بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق ادا کر رہے ہیں، دراصل تم اپنا حق ادا کر رہے ہو کیونکہ حضور علیہ السلام کا حق اس سے بہت برتر ہے کہ ساری امت بھی اس کو ادا کر سکے کیونکہ حضور تو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

((ان اللّٰہ وملئکتہ یصلون علی النبی))

"پس تمہارا درود بھیجنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے اپنے لئے رحمت حاصل کرنا ہے۔

نبی فرمانے کی وجہ:

اللہ تعالیٰ نے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی سے تعبیر فرمایا۔ یہ نہیں فرمایا: علی محمد جیسے دوسرے انبیاء کے لئے فرمایا:

((یآادم اسکن انت وزوجك الجنة))

((یانوح هبط منا بسلام منا))

((یآابراهیم قد صدقت الرؤیا))

((یاداوٗد انا جعلنك خلیفة فی الارض))

((یاعیسی انی متوفیك ورافعك الی))

((یا زکریا انا نبشرك بغلام))

((یٰیحی خذ الکتب بقوة))

اور اس جیسی دوسری بہت سی مثالیں کیونکہ اس میں وہ بڑائی اور اعزاز ہے جو تمام انبیائے کرام میں سے صرف آپ کے حصے میں آئی ہے۔ اس سے آپ کا بلند مرتبہ ہونا اور تمام انبیائے کرام پر افضل ہونا ظاہر ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اپنے خلیل علیہ السلام کے ساتھ کیا تو خلیل کا ذکر تو ان کے

نام سے کیا، لیکن حبیب کا ذکر ان کے لقب سے کیا۔ فرمان باری ہے:

((ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی))

''ابراھیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی اور یہ غیب کی خبریں دینے والے (نبی)''

اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے جسے علماء نے اہتمام سے ذکر کیا ہے اور اسے بزرگ تر فضیلت گردانا ہے اور اس کو بلند مرتبہ فرمایا اور جہاں جہاں آپ کا نام لے کر ذکر فرمایا وہاں کئی مصلحتیں اس کی متقاضی تھیں، اس نکتہ کو سمجھو۔''

فرشتوں کا درود بھیجنا اور فرشتوں کی کثرت:

آیت میں عبارت محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے:

((ان اللہ یصلی وملئکتہ یصلون))

''بے شک درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔''

فرشتوں کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ ان میں کچھ ملائکہ مقربین ہیں، کچھ عرش اٹھانے والے اور ساتوں آسمانوں پر رہنے والے اور جنت و دوزخ کے داروغے اور اعمال پر نگران اور انسانوں کے محافظ جیسے فرمان باری ہے:

((یحفظونہ من امر اللہ))

''وہ حفاظت کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔''

اور سمندروں، پہاڑوں، بادلوں، بارشوں، رحموں اور نطفوں پر مقرر اور صورتیں بنانے والے، جسموں میں روح پھونکنے، سبزیاں پیدا کرنے، ہوائیں چلانے، افلاک و نجوم کو گردش دینے والے، ہمارا صلاۃ وسلام نبی علیہ السلام تک پہنچانے والے، نماز جمعہ میں لوگوں کے نام لکھنے اور نمازیوں کی قرأت پر آمین کہنے والے، ربنا لک الحمد کہنے والے، نماز کا انتظار کرنے والے کے لئے دعا مانگنے والے، ان عورتوں پر لعنت بھیجنے والے جو اپنے خاوندوں کے بستر چھوڑ کر ادھر ادھر منہ ماریں اور دیگر بہت سارے فرشتے جن کا ذکر صحیح حدیثوں میں آتا ہے اور ان میں سے اکثر ابوالشیخ ابن حبان الحافظ کی کتاب العظمۃ میں موجود ہیں اور تفسیر الطبری میں بطریق کنانۃ العدوی یہ حدیث مروی ہے کہ حضرت عثمان نے نبی کریم علیہ السلام سے ان فرشتوں کی تعداد پوچھی جو ایک آدمی پر مقرر ہیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: ہر آدمی کے ساتھ دس فرشتے دن کو اور دس ہی رات کو مقرر ہوتے ہیں۔ ایک دائیں، ایک بائیں، دو آگے پیچھے، دو ہونٹوں کے پاس جو صرف نبی کریم علیہ السلام پر پڑھا جانے والا درود شریف محفوظ کرتے ہیں اور دو اس کے پہلوؤں پر، ایک اس کی پیشانی پکڑے ہوتا ہے اگر عاجزی وانکساری کرے تو بلند کرتا ہے اور تکبر کرے تو نیچا دکھاتا ہے اور دسواں نیند کی حالت میں اس کے منہ میں سانپ داخل ہونے سے بچاتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ تین سو ساٹھ فرشتے ہوتے ہیں اور جہان بالا و زیریں کا ایک ایک گوشہ فرشتوں سے بھرا پڑا ہے جو حکم الٰہی کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور وہی کچھ

کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے۔
مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمر کی روایت سے یہ حدیث موجود ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے دس حصے کئے جن میں نو حصے فرشتے اور ایک حصہ ساری مخلوق اور حدیث معراج جس کی صحت پر اتفاق ہے، میں ہے کہ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں جب نکلتے ہیں تو دوبارہ نہیں لوٹتے۔ اور ترمذی ابن ماجہ اور بزار میں حضرت ابوذر کی مرفوع حدیث ہے:

''آسمان چرچرایا اور اسے چرچرانے کا حق ہے، اس میں چار انگل جگہ بھی ایسی نہیں جس پہ کوئی نہ کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو۔''

اور طبرانی وغیرہ میں حضرت جابر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث ہے:

''سات آسمانوں میں ایسی جگہ نہیں' نہ قدم بھر' نہ بالشت بھر، نہ ہاتھ بھر جس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام کرنے والا' رکوع کرنے والا اور سجدہ کرنے والا نہ ہو اور معلوم ہے کہ قرآن شریف کی رو سے وہ سب جہاں کہیں ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے ہیں۔''

یہ خصوصیت تمام نبیوں میں صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور حضرت کعب کا بیان ہے کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ وہاں نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو رہا تھا۔ میں نے کہا: ہر صبح ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں، یہاں تک کہ وہ قبر انور کو گھیر لیتے ہیں' اپنے پروں سے جھاڑ دیتے ہیں اور نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں یہاں تک کہ جب شام پڑتی ہے' یہ اوپر چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار مزید اتر پڑتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ ستر ہزار صبح' ستر ہزار شام' یہاں تک کہ جب آپ کی قبر مبارک شق ہو گی تو آپ ستر ہزار فرشتوں کی معیت میں تشریف لائیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آپ کی تعظیم و توقیر کریں گے۔ اس کو روایت کیا اسماعیل القاضی' ابن بشکوال اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور دارمی نے اپنی جامع کے باب: ما اکرم اللہ تعالیٰ بہ نبیہ میں اور ابن المبارک نے الرقائق میں۔''

حضور کا نام لے کر آپ کو پکارنا حرام ہے:

امام بیہقی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

جن احادیث میں ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر پکارا ان میں حضور علیہ السلام کا نام لے کر پکارنے کے جواز پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ ہمارے آئمہ نے اس کے حرام ہونے کی تصریح کر دی ہے۔

حرام صرف اس صورت میں ہے جب عامیانہ انداز سے پکارا جائے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

((لا تجعلوا دعآء الرسول بینکم کدعآء بعضکم بعضا))

''رسول کو اس عامیانہ انداز سے مت بلاؤ جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔''

ہاں! آپ کو اس طرح پکارے: مثلاً یا نبی اللہ! یا رسول اللہ! یہ حکم اس حدیث صحیح کے مخالف نہیں جس میں آتا ہے:

''ایک نابینا شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض پرداز ہوا' اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ

مجھے شفاعطا فرمائے' آپ نے اس کو اچھی طرح وضو کرنے اور یہ دعا مانگنے کا حکم دیا:

((اللھم انی اسئلك اتوجه الیك بینك محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم نبی الرحمة یامحمد انی اتوجه بك الی ربی فی حاجتی لتقضی لی اللھم شفعه فی فقام وقد ابصر))

''الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں' تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت کے وسیلہ سے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنی حاجت براری کے لئے۔ الٰہی! حضور علیہ السلام کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ پس وہ کھڑا ہوا تو بینا ہو چکا تھا۔''

یہ روایت اس حدیث کے خلاف اس لئے نہیں کہ حضور علیہ السلام صاحب حق ہیں، آپ کو اختیار ہے جیسے چاہیں تصرف کریں، کسی اور کو آپ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ابن حجر نے فرمایا:

''سلف صالحین نے یہ دعا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اپنی حاجات میں استعمال فرمائی ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض صحابہ نے یہ دعا ان کے سامنے ایک حاجتمند کو سکھائی تھی اور وہ حاجت آپ سے متعلق تھی۔ ان صاحب نے اس پر عمل کیا اور مقصد حاصل کیا۔''

توسل' استغاثہ' شفاعت اور توجہ میں کوئی فرق نہیں خواہ حضور علیہ السلام سے کیا جائے یا دیگر انبیاء علیہم السلام یا اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے۔ امام تقی الدین السبکی کا بھی اس میں اتفاق ہے۔

میں نے الشہاب الرملی کے فتاویٰ میں دیکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کا اسم گرامی لے کر پکارنا اس وقت حرام ہے جب اس کے ساتھ احترام و تعظیم کا کوئی قرینہ نہ ہو۔ عبارت یہ ہے:

''سوال کیا گیا کہ حضور علیہ السلام کو نام لے کر پکارنے کی حرمت کیا آپ کے زمانہ (حیات ظاہری) سے خاص ہے یا عام؟ اگر کہو عام ہے تو کیا اس صورت میں جب قرینہ تعظیم سے خالی ہو؟ اور اگر قرینہ تعظیم پایا جائے تو پھر حرام نہیں؟ مثلاً کہتا ہے یا محمد الوسیلہ (اے محمد! وسیلہ بنئے) یا محمد الشفاعۃ (اے محمد! شفاعت فرمایئے) یا محمد الحسب! (اے محمد! کفایت فرمایئے)۔ تو فرمایا: حرمت عام ہے لیکن حرام اس صورت میں ہے جب اس کے ساتھ تعظیم کا کوئی قرینہ نہ ہو اور اگر قرینہ تعظیم موجود ہو جیسا کہ سوال میں ہے تو پھر حرام نہیں اور علماء کا حرام کہنا اسی صورت پر محمول ہے جب قرینہ تعظیم نہ ہو۔''

میں کہتا ہوں:

قرینہ تعظیم جہاں پایا جائے اس کی مثال قصیدہ ہمزیہ الفیہ السماۃ الغرانہ مدح سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

کل وصنف فی العلمین جمیل

لك مھما بعد داالاسمآء

فلك الحمد یا محمد یا احمد

من کل حامد و ثناء

''دنیا میں جو اوصاف حمیدہ ہیں جب بھی ان کا شمار ہو وہ آپ کے لئے ہیں۔ پس اے محمد! اے احمد! ہر مدح خواں کی حمد و ثناء آپ کیلئے ہے۔''

حکم درود کے بارے میں دس اقوال:

ہمارے شیخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ درود شریف کے حکم کے بارے میں جہاں تک کلام علماء پر مجھے واقفیت ہو سکی دس مذہب ہیں:

پہلا مذہب ابن جریر طبری وغیرہ کا ہے کہ یہ مستحب ہے اور آیہ کریمہ میں جو امر آیا ہے وہ وجوب کے لئے نہیں' مندوب کے لئے ہے، بعض علماء نے اس کی تاویل کی ہے کہ ایک سے زائد مرتبہ پڑھنا مستحب ہے اور یہی بات متعین ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ فی الجملہ واجب ہے کوئی تعداد مقرر نہیں، لیکن کم از کم حد یہ ہے کہ ایک مرتبہ پڑھے۔ قاضی ابو محمد بن نصر نے کہا: حضور علیہ السلام پر درود پڑھنا واجب ہے۔ ابن عبد البر نے کہا' علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور علیہ السلام پر درود بھیجنا فرض ہے ہر مومن پر کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

((یاایھا الذین امنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما))

تیسرا مذہب یہ ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ واجب ہے خواہ نماز میں پڑھے یا اس کے علاوہ اسی طرح جس طرح کلمہ توحید یہی ابو حنیفہ، مالک' الثوری اور الاوزاعی علیہم الرحمۃ کا مذہب بتلایا جاتا ہے یعنی عمر بھر میں ایک مرتبہ واجب ہے کیونکہ امر مطلق تکرار نہیں چاہتا۔ قاضی اور ابن عبد البر نے کہا: جمہور امت کا یہی قول ہے ابن حزم کا مسلک بھی یہی ہے۔ القرطبی نے کہا: عمر بھر میں ایک مرتبہ واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور یہ ہر وقت واجب ہے سنن مؤکدہ کی طرح۔ اس سے پہلے ابن عطیہ نے بھی یہی کہا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام پر درود بھیجنا ہر حال میں سنن مؤکدہ کی طرح واجب ہے جس میں ترک کی گنجائش نہیں اور اس سے وہی غفلت برتے گا جو بے نصیب ہو۔

چوتھا مذہب یہ ہے کہ نماز کے آخری قعدہ میں تشہد اور سلام کے درمیان واجب ہے۔

پانچواں مذہب یہ ہے کہ پہلے تشہد میں واجب ہے' یہ قول الشعبی اور اسحٰق بن راہویہ کا ہے۔

چھٹا مذہب یہ کہ نماز میں واجب ہے لیکن کوئی مقام معین نہیں' یہ قول ابو جعفر الباقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ساتواں مذہب یہ ہے کہ کثرت سے پڑھنا واجب ہے تعداد کی کوئی قید نہیں۔ مالکیہ میں سے ابو بکر بن بکیر کا یہی مسلک ہے، عبارت یہ ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر فرض کر دیا کہ وہ حضور علیہ السلام پر صلوٰت و سلام بھیجے اور اس میں کوئی وقت معین نہیں فرمایا۔ پس واجب یہ ہے کہ آدمی کثرت سے درود و سلام بھیجے اور غفلت کا شکار نہ ہو۔ بعض مالکیہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام پر درود پڑھا اسلامی فرض ہے اس میں کسی تعداد کی قید نہیں، نہ ہی وقت معین ہے۔ واللہ اعلم۔''

آٹھواں مذہب یہ ہے کہ جب بھی حضور علیہ السلام کا ذکر کیا جائے درود پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔ طحاوی حنفیہ کی ایک جماعت الحلیمی اور شیخ ابو حامد الاسفرائنی اور شافعیہ کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے' مالکیہ میں سے ابن العربی نے کہا: اسی میں زیادہ احتیاط ہے اور طحاوی کی عبارت ہے کہ جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنے یا خود ذکر کرے تو صلاۃ وسلام پڑھنا واجب ہے اور اس جماعت کی دلیل یہ ہے کہ آیہ کریمہ میں امر ہے (صلوا۔ سلموا) جو وجوب کو چاہتا ہے اور اس مقام پر ہمیشہ امر کو تکرار پر محمول کیا جائے گا کیونکہ امر تکرار پر بھی دلالت کرتا ہے جیسا کہ امر کے متعلق ایک قول ہے اور اسی لئے کہ فاکہانی نے یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہ ''بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔'' فرمایا: یہ حدیث ان لوگوں کے قول کی تائید کرتی ہے جو کہتے ہیں: ''جب بھی حضور علیہ السلام کا ذکر کیا جائے درود بھیجنا واجب ہو جاتا ہے۔'' اور میرا میلان بھی اسی طرف ہے اور ابوالیمن بن عساکر نے کہا: میں کہتا ہوں اللہ کا کلام حق ہے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اور ان نصوص سے جو بات میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ ہر مکلف پر واجب ہے کہ جب بھی آنحضور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا سنے آپ پر درود پڑھنا واجب ہے' ایسا نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ آیت کریمہ سے استحباب کا ثبوت ملتا ہے اور نہ ان لوگوں کی طرح جن کا گمان ہے کہ درود شریف عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ واجب ہے اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو میں نے ذکر کر دی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے نبی کریم علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ آپ میری اس دعا پر آمین فرمائیں کہ جس شخص کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے وہ رحمت سے دور ہو جائے۔ اس میں حضور کی عظمت شان اور آپ کے حکم کی تکریم و تعظیم ہے کیونکہ اللہ سے دوری کا معنی ہے اس کی رحمت' قربت' درجات کی بلندی' گناہوں کے خاتمے اور نیکیوں میں اضافے اور طرح طرح کی دیگر عظمتوں سے دور رہنا اور جب یہ سب کچھ فوت ہو گیا تو گویا انعام و اکرام کے تمام مراتب فوت ہو گئے اور جس شخص نے آخرت میں اپنے لئے ان چیزوں کو ترجیح دی تو یقیناً اس نے اپنے لئے بدترین محرومی کو پسند کر لیا اور اپنے رب سبحانہ سے حجاب میں ہو گیا اور اس کی بارگاہ سے دور ہوا جو انتقام کا آخری درجہ ہے' اسی لئے اس کا ذکر عذاب جہنم سے پہلے رکھا گیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

((کلا انھم عن ربھم لمحجوبون ثم انھم لصالوا الجحیم))

''یوں نہیں! بے شک وہ (منکر) اس دن اپنے رب سے پردے میں ہوں گے' پھر وہ جہنم رسید ہوں گے۔''

اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ جو شخص حضور علیہ السلام کے ذکر کے وقت آپ پر درود شریف نہ پڑھے وہ والدین کے نافرمان اور ماہ رمضان کی بے حرمتی کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس کا روزہ اور حرمت فرض عین ہے اور یہ میرے قول پر بڑی مضبوط دلیل ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنا چاہیں اور مجھے ہمارے شیخ ابوالحسن ہمدانی نے جو اپنے وقت کے شیخ الفنون تھے اپنے شیخ امام ابراہیم ابن جبارہ اصولی سے اور انہوں نے اپنے شیخ امام عصر' مظہر مذہب السنۃ ابوبکر طوشی رحمھم اللہ سے یہ روایت بتائی کہ یہاں امر تکرار چاہتا ہے' پس جب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے درود شریف پڑھنا واجب ہے اور

یہی مذہب ہے شیخ ابوالحسن الاسفرائنی کا۔

فرمایا کہ جن لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ جب بھی حضور علیہ السلام کا ذکر کیا جائے آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے ان میں پھر اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ فرض عین ہے جو ہر ایک پر فرض ہوتا ہے یا فرض کفایہ ہے کہ بعض کے بجالانے سے باقیوں سے ساقط ہو جائے۔ اکثر علماء پہلے مسلک کے قائل ہیں اور جو دوسرے مسلک کے قائل ہیں ان میں ابواللیث سمرقندی حنفی بھی شامل ہیں، ہمارے شیخ حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ جو لوگ کہتے ہیں: جب بھی حضور علیہ السلام کا ذکر کیا جائے درود شریف پڑھنا واجب ہے انہوں نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں درود نہ پڑھنے والوں کو ''ناک خاک آلود ہو'' رحمت سے دور ہوا''۔ بدبخت' بخیل' جفا کار وغیرہ فرمایا ہے کیونکہ یہ سب مقتضی وعید ہیں کیونکہ جس عمل کے ترک پر شریعت میں وعید آئی ہو وہ اس کے وجوب کی دلیل ہے۔ ان کا ایک معنوی استدلال یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم اس لئے آیا ہے کہ آپ کے احسان کا بدلہ ادا کیا جائے اور آپ کا احسان تو دائمی ہے لہٰذا جب بھی آپ کا ذکر کیا جائے' درود شریف کی تاکید کی جائے گی۔ انہوں نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((لاتجعلوا دعآء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضًا))

''رسول کے بلانے کو باہم ایک دوسرے کو بلانے کی طرح نہ ٹھہراؤ''۔

اب اگر آپ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہو کہ جب آپ کا ذکر ہو درود پڑھنا واجب نہ ہو تو پھر آپ ایک عام آدمی کی طرح ہوئے اور دعاء الرسول سے مراد وہ دعا (پکارنا) ہو جس کا تعلق رسول سے ہو تو ہمارے مقصد کی مزید تاکید ہو جاتی ہے۔ الحلیمی نے کہا: جب ہم نے کہہ دیا کہ جب بھی حضور علیہ السلام کا ذکر کیا جائے' درود و سلام پڑھنا لازم ہے تو اب اگر مجلس ایک ہو اور مجلس بھی علمی اور روایت سنت کی ہو تو یہ کہنا ممکن ہو گا کہ جس شخص نے مجلس میں بار بار آپ کا ذکر اقدس سن کر درود و سلام سے غفلت کی اور اختتام مجلس پر ایک مرتبہ آپ پر صلاۃ وسلام بھیج دیا تو یہ کافی ہے کیونکہ جب پوری مجلس ہی آپ کے ذکر پاک کے لئے منعقد کی گئی تو ایک ہی حالت پائی گئی' یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کا اسم گرامی بار بار ذکر کیا جائے اور آخر میں درود و سلام پڑھ لیا جائے اور اگر ایسی مجلس نہیں تو میرے خیال میں جب بھی حضور کا ذکر کیا جائے' درود و سلام پڑھا جائے اور میں اس سلسلہ میں کسی تاخیر کا روادار نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر چھینکنے والے کے حق سے کسی طرح کم نہیں۔

جس شخص نے بھی آپ کا ذکر سن کر درود و سلام نہ پڑھا اور پھر مستقبل میں توبہ واستغفار کے بعد پڑھ لیا تو ہم کو توقع ہے کہ اس کا گناہ معاف ہو جائے گا اور اس کو قضا نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم!

نواں مسلک یہ ہے کہ ایک مجلس میں صرف ایک مرتبہ درود و سلام واجب ہے، چاہے آپ ﷺ کا ذکر بار بار آئے، یہ بات زمخشری نے بیان کی ہے۔

امام اوزاعی سے پوچھا گیا کہ ایک کتاب جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک بار بار ہو تو کیا ہر بار درود و سلام پڑھنا واجب ہے؟ انہوں نے کہا:

"ایک مرتبہ پڑھ لو کافی ہے۔"

امام ترمذی نے بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہے کہ جب کوئی شخص حضور علیہ السلام پر ایک مرتبہ درود پڑھے جب تک اس مجلس میں ہے اس کو کافی ہے۔

دسواں قول یہ ہے کہ ہر دعا میں درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں امام شافعی کا وہ قول نقل کر دیا جائے جس کو بیہقی نے باسند ذکر کیا ہے، فرمایا کہ آدمی کے لئے یہ مکروہ ہے کہ کہے: رسول اللہ نے فرمایا بلکہ یوں کہنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

درود پڑھنے کے واجب مقامات:

معلوم ہونا چاہیے کہ حضور علیہ السلام پر سلام پڑھنے کا مرتبہ ترقی کرتے کرتے چند مقامات پر وجوب تک پہنچ جاتا ہے۔ پہلا مقام ہے آخری تشہد۔ امام شافعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے دوسرا مقام وہ ہے۔ جس کو الحلیمی نے نقل کیا ہے کہ جب بھی حضور علیہ السلام کا ذکر کیا جائے آپ پر سلام بھیجنا واجب ہے اور مالکیہ میں سے الطرطوشی کی رائے وجوب پر قائم ہے۔ ابن فارس اللغوی نے سلام کو صلاۃ کے ساتھ فرضیت میں مساوی قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ پر صلاۃ اور یونہی سلام بھیجنا فرض ہے۔ دلیل یہی فرمان باری تعالیٰ ہے:

"وسلموا تسليما"

"اور خوب خوب سلام بھیجو۔"

تیسرا قول یہ ہے کہ سلام کی نذر مانیں تو واجب ہے کیونکہ یہ بہت بڑی عبادت اور جلیل القدر قربت ہے، ویسے مالکیہ اور حنفیہ میں سے کسی نے یہ مسلک پیش نہیں کیا۔

حضور علیہ السلام کے علاوہ دوسروں پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکم

امام نووی نے الاذکار میں فرمایا:

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے پر سب کا اجماع ہے اسی طرح مستقل طور پر قابل ذکر ہستیوں مثلاً: دوسرے انبیائے کرام اور فرشتوں پر اس کے جواز واستحباب پر اجماع ہے۔ رہا غیر انبیاء پر مستقل طور پر صلاۃ بھیجنا تو اس کو ہمارے بعض اصحاب نے حرام قرار دیا ہے اور بعض نے اسے خلاف اولیٰ کہا ہے اور صحیح مسلک جس پر علماء کی اکثریت ہے یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ اہل بدعت کی علامت ہے اور ہم کو ان کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ ہمارے اصحاب (اہل سنت) نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں اعتماد جس چیز پر ہے وہ ہے سلف کا کردار۔ زبانِ سلف پر صلوٰۃ انبیاء کے ساتھ مخصوص رہا ہے جیسے ہم کہتے ہیں عزوجل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے، جس طرح محمد عزوجل نہیں کہا جاتا حالانکہ حضور عزیز بھی ہیں اور جلیل بھی۔ اسی طرح ابوبکر یا علی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا جاتا اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے۔ اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ غیر انبیاء کو صلوٰۃ میں انبیاء کے تابع کر دینا جائز ہے پس یوں کہا جائے گا:

((اللهم صل على محمدوعلى آل محمد و اصحابه و ازواجه و ذريته و اتباعه))

''اے اللہ! محمد ﷺ، آل محمد، اصحاب محمد، ازواج محمد، ذریت محمد اور متبعین محمد پر درود بھیج''۔

کیونکہ اس بارے میں صحیح احادیث موجود ہیں اور تشہد میں ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے اور سلف نماز سے باہر بھی ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔ رہا سلام تو اس کے بارے میں ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو محمد الجوینی نے فرمایا کہ یہ بھی صلوٰۃ کے حکم میں ہے، پس غائب کے لئے استعمال نہیں ہوگا اور انبیاء کے بغیر کسی اور پر مستقلاً نہیں بولا جاسکتا' لہٰذا علی علیہ السلام نہیں کہا جاسکتا۔ اس میں زندہ اور مردہ برابر ہیں' ہاں! حاضر کو سلام کے ساتھ مخاطب کیا جاسکتا ہے پس یوں کہا جاسکتا ہے:

((سلام عليك سلام عليكم السلام عليك يا عليكم))

اس پر سب کا اجماع ہے۔

صحابہ' تابعین اور بعد والے علماء، عبادت گزار اور باقی نیک لوگوں کے لئے رحمۃ اللہ علیہ اور رضی اللہ عنہ کہنا مستحب ہے اور بعض علماء کا رضی اللہ عنہ کو صحابہ اور رحمۃ اللہ علیہ کو دوسروں کے لئے مخصوص کرنا ٹھیک نہیں۔ کہا کہ حضرت لقمان اور بی بی مریم نبی نہیں' پس جب ان کا ذکر ہو تو راجح یہ ہے کہ رضی اللہ عنہ کہا جائے اور بعض نے کہا: یہ کہنا چاہیے: ''صلى الله على الانبياء وعليه يا عليها وسلم'' اور اگر علیہ یا علیہا السلام کہا تو ظاہر یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں۔

قاضی العیاض نے شفاء شریف میں فرمایا کہ جس بات کی طرف محققین اور خود میرا بھی رجحان ہے وہ امام مالک اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کا قول ہے' وہی حضرت ابن عباس سے مروی اور بہت سے فقہاء و متکلمین کا مسلک مختار ہے کہ انبیائے کرام کا جب ذکر ہو تو اس وقت غیر انبیاء پر صلاۃ نہ بھیجے کیونکہ یہ چیز انبیائے کرام کے ساتھ مختص ہے تاکہ ان کی عظمت و توقیر معلوم ہو' جیسے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت تنزیہہ' تقدس اور تعظیم اس کا خاصہ بن جاتی ہے اور کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہوتا اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام کو صلوٰۃ وسلام کے ساتھ مختص کرنا واجب ہے اور کسی اور کو اس میں شریک نہ کرے جیسے اللہ کا حکم ہے: ''صلوا عليه وسلموا تسليما'' اور آپ کے سوا دیگر آئمہ وغیرہ کا ذکر غفران و رضا کے ساتھ کیا جائے گا جیسے کہ فرمان باری ہے:

((يقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان))

''وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے''۔

اور فرمایا:

((الذين اتبعوه باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه))

''وہ جنہوں نے اچھائی میں ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی''۔

نیز یہ ایک ایسی چیز ہے جو صدرِ اول میں نہ تھی جیسا کہ ابو عمران نے کہا۔ اس کو محض رافضیوں اور شیعہ نے بعض آئمہ

کے لئے ایجاد کیا، پس ان کے ذکر کے وقت ان کو انبیاء کے ساتھ درود میں شریک کرلیا اور اس سلسلہ میں ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کردیا' نیز اہل بدعت سے تشبہ منع ہے، لہٰذا جس چیز کو وہ لازمی سمجھیں اس میں ان کا تبع ہو گا نسبت آپ ہی کی طرف کی جائے گی' خاص ان کے لئے جائز نہیں۔ فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا کسی پر صلاۃ بھیجنا دراصل اس کے لئے دعا فرمانا اور توجہ فرمانا ہے، اس میں تعظیم وتوقیر مقصود نہیں' فرمان باری تعالیٰ ہے:

((لاتجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضاً))

''رسول کو آپس میں اس طرح نہ پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔''

فرشتوں کا ہر درود نورانی قلموں سے لکھنا:

امام شعرانی نے اپنی کتاب لطائف المنن کے نویں باب میں فرمایا:

''مجھے احمد السردی نے بتایا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے نورانی قلموں سے ایک صحیفہ میں لکھتے جاتے ہیں ہر وہ لفظ جو حضور علیہ السلام پر درود پڑھنے والے لوگ زبان پر لاتے ہیں' ایک اور موقع پر مجھ سے فرمایا: میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ جو لفظ آدمی بولتا ہے' فرشتہ بنتا جاتا ہے جو اسی طرح اللہ کا ذکر کرتا ہے، پھر ہر فرشتے کے ذکر کا ہر حرف بدستور فرشتہ بنتا جاتا ہے' پھر تیسرے دور کے فرشتوں کے ذکر سے بھی اسی طرح فرشتے بنتے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ آگے تک چلتا ہی جاتا ہے' اگر انسانوں کی نگاہوں سے پردے اٹھ جائیں تو انسان دیکھے گا کہ اس طرح پیدا ہونے والے فرشتوں سے فضا بھری ہوئی ہے۔ شعرانی فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہے کہ اس قسم کا مشاہدہ صرف اس شخص کو حاصل ہوسکتا ہے جس کا نفس بشری کدورتوں سے صاف ہوجائے یہاں تک کہ اس کا باطن فرشتوں کے باطن کی طرح ہوجائے اور جس کا باطن اس طرح پاک نہ ہوا س کی نگاہ سے اس قسم کے مشاہدے مستور رہتے ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔''

صلوۃ رسول اللہ کے ساتھ خاص:

علامہ شیخ حرازم بن العربی براوۃ المغربی الفاسی نے اپنی کتاب جواہر المعانی فیض سیدی ابی العباس التیجانی میں شیخ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے:

''حدیث شریف میں ہے جب حضور علیہ السلام پر اس شان سے یہ آیہ کریمہ:

((ان اللہ وملئکتہ یصلون))

نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمہارے صلاۃ وسلام سے بے نیاز کردیا ہے۔''

جہاں تک ہم کو معلوم ہے قرآن مجید یا کہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی اور پر صلوٰۃ نہیں بھیجی، یہ وہ خصوصیت ہے جو آپ کے بغیر کسی اور نبی میں نہیں پائی جاتی۔''

امت محمدیہ کی خصوصیت:

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے تفسیر روح المعانی میں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے بغیر کسی امت کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنے نبی پر درود وسلام بھیجے۔ پس یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔''

زبان پر درود اور دل میں ذکر مصطفیٰ:

ابو عبداللہ الرصاع نے اپنی کتاب تحفۃ الاخیاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی المختار میں کہا:

''آیہ کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اکمل اور نور اول پر صلاۃ بھیجتا ہے اور اے سننے والے! تجھ پر لازم ہے کہ اپنے دل سے وہ خیال ختم کردے جو تیرے خالق و مالک کے شایانِ شان نہیں، کیونکہ تیرے ذہن میں صلاۃ کا تصور یہ ہے کہ زبان سے حضور پر درود پڑھے اور اپنے دل و زبان سے آپ کی ثناء کرے، حالانکہ یہ اوصاف خالق کائنات کی شان کے لائق نہیں اور اس ذات سے ممکن نہیں جو مخلوق کی زبان سے منزہ و مبرأ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مشابہ کوئی نہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں۔ اگر تم نے یہ سنا ہو کہ وہ متکلم ہے تو یہ نہ سمجھو لینا کہ وہ تیری طرح کلام کرتا ہے' اعضاء و زبان سے کیونکہ وہ بڑا انصاف پسند بادشاہ اس سے بہت بلند ہے، بلکہ اس کا کلام قدیمی' ازلی' ابدی ہے۔ اس کے آخر کی کوئی انتہا نہیں اور اس کے اول کی کوئی ابتداء نہیں' اس کے کلام میں نہ آواز' نہ حرف' نہ تقطیع، نہ تالیف اور نہ توضیع' بلکہ اس کا قول اور کلام اس کی صفات میں سے ہے۔ پس اس کا قدیمی ہونا واجب ہے جیسے اس کی ذات اسی طرح اس کی ایک ایک صفت مثلاً: علم، قدرت' ارادہ' سمع' بصر' حیات سب ازلی' سرمدی اور ابدی ہیں۔ پس وہی عالم، خبیر' مدبر اور قدیم ہے' جس کی مثل کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے۔''

یاایھا الذین اٰمنوا، ان اللہ اور علی النبی فرمانے میں راز:

اسی طرح علامہ آلوسی نے: ''یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما'' کے تحت فرمایا:

''مولیٰ جل جلالہ نے اہل ایمان کو بلایا اہل احسان کو نہیں پکارا' گنہگاروں کی تسلی کے لئے اور کافروں کو اس لئے نہیں پکارا کہ وہ اپنی خست اور گھٹیاپن کی وجہ سے خطاب کے لائق ہی نہیں اور نہ ہی رب ارباب کے ساتھ مناجات کے قابل ہیں۔ رہا: ''یایھا الذین کفروا لاتعتذروا الیوم'' میں خطاب تو یہ محض زجر و توبیخ و عتاب و تنبیہ اور ان کے دلوں میں ندامت پیدا کرنے کے لئے اور رحمت الٰہی سے دور کرنے کے لئے ہے۔

الرصاص نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسم جلالت ذکر فرمایا ہے اور اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اور اسم گرامی ذکر نہیں فرمایا۔ مثلاً: یوں نہیں فرمایا ان الرب یصلی وغیرہ اس لئے کہ اسم جلالت (اللہ) ہی تمام اسماء و صفات کا جامع ہے کیونکہ جب تم کہتے ہو: اللہ تو تم نے قطعی یہ اعتراف کرلیا کہ وہ ایک ہی معبود ہے، بے نیاز' نیکی کرنے والا' کریم' بہت سخی' عظیم' رؤف اور رحیم وغیرہ ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ اپنا کوئی وصفی نام ذکر فرماتا جس سے اس کے حبیب کے لئے رحمت و عظمت ثابت ہوتی تو یہ وہم پیدا ہوتا کہ آپ صلاۃ و رحمت صرف اسی اسم وصفی کی وجہ سے ہے اور دوسرے اسمائے صفاتیہ کا اس سے کوئی پتہ نہ چلتا، بخلاف اسم ذاتی (اللہ) کے، جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات دونوں کی طرف سے ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر رحمت اور صلوٰۃ اپنے تمام اسمائے حسنیٰ کے ساتھ بھیجی ہے اور اس کے ہر

اسم مبارک نے اپنے حبیب کے لئے رحمت وتعظیم کا اقتضاء کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام بلند کی کامل عزت وعظمت کے اظہار کے لئے یہ انداز زیادہ بلیغ ہے۔ گویا فرمان باری کا مطلب ہوا کہ رب اپنے نبی پر صلوٰۃ بھیجتا ہے رحمٰن اپنے نبی پر صلوٰۃ بھیجتا ہے الملک الدیان اپنے حبیب پر صلوٰۃ بھیجتا ہے کریم اپنی معزز ترین مخلوق پر درود بھیجتا ہے عظیم رب زمین وآسمان والوں کے آقا پر صلوٰۃ بھیجتا ہے معلوم ونامعلوم تمام اسمائے حسنیٰ اسی طرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال لئے جائیں اور اسم جلالت (اللہ) میں ان سب کو جمع کرلیا جائے اس سے دو فائدے ہوئے اول ایجاز واختصار۔ دوم حضور علیہ السلام کی تعظیم وتکریم وبزرگی۔

الرصاص رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سارے اسمائے مبارکہ اور صفات عالیہ ہیں مگر یہاں النبی فرمایا الرسول وغیرہ نہیں فرمایا۔ اس میں یہ راز مضمر ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے عام صفت جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرف فرمایا اور دیگر اپنے نبیوں کو آپ کے ساتھ شریک کیا اور بجز انبیائے کرام کے دوسرے کسی کو عطا نہیں فرمائی وہ ہے اللہ تعالیٰ کا آپ کو اپنے غیب پر مطلع اور باخبر کرنا اور اپنے اسرار ورموز سے آپ کو آگاہ کرنا مولیٰ تعالیٰ نے آپ کو اس بارے میں اتنا کچھ عطا فرمایا جو کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ علم وعقل اور فہم وادراک اس کا اندازہ کرنے سے قاصر ہے گویا رب العزت اس حقیقت کی طرف اشارہ فرما رہا ہے کہ جس طرح اس نے آنجناب کو علوم لدنیہ اور عطایائے ربانیہ سے مخصوص فرمایا کہ آپ کا شرف مقام ظاہر ہو اسی طرح اس نے آپ کو درود شریف کے ساتھ مختص فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اس کی بارگاہ میں حضور علیہ السلام کا کیا مرتبہ ومقام ہے۔

اس میں ایک اور اشارہ بھی ہے اور وہ یہ کہ جیسے رب تعالیٰ نے آپ پر اپنے اسم ذاتی (اللہ) کے ذریعہ درود بھیجا تاکہ تمام اسماء وصفات اس میں شامل ہوجائیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس اسم کا ذکر فرمایا جو سب کو عام سب پر مشتمل اور جامع ہے گویا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر درود بھیجتا ہے۔ اپنے رسول پر درود بھیجتا ہے بے شک اللہ کریم ذات پر درود بھیجتا ہے اور بیشک اللہ رؤف ورحیم پر صلوٰت بھیجتا ہے کیونکہ یہ صفات لفظ نبی پر اسی طرح جاری ہوتی ہیں جیسے اللہ کی صفات اسم جلالت (اللہ) پر جاری ہیں۔

سلام کی تاکید:

میں کہتا ہوں:

"قول باری تعالیٰ: سلموا تسلیماً میں مصدر کے ساتھ سلام کی تاکید فرمائی گئی ہے، حالانکہ صلوٰۃ کی اس طرح تاکید نہیں فرمائی گئی اس لئے کہ صلوٰۃ میں دو طرح سے تاکید آچکی ہے، ایک تو اس سے پہلے "انّ" لانے سے اور دوسرے صلوٰۃ کی نسبت اللہ اور فرشتوں کی طرف کرنے سے اور سلام میں ایسی کوئی وجہ نہیں پائی گئی لہٰذا بہتر تھا کہ اس کی تاکید مصدر سے کی جاتی۔"

صلوۃ اور سلام اہتمام اور تاکید:

حافظ ابن حجر نے کہا:

"جب صلاۃ کو لفظی طور پر مقرر کیا گیا تو اس میں زیادہ اہتمام پیدا ہوگیا، اب سلام میں بھی مصدر لاکر تاکید

پیدا کردی گئی تاکہ دونوں کی اہمیت واضح ہوجائے اور یہ وہم پیدا نہ ہو کہ سلام کو بعد میں ذکر فرما کر اس کی اہمیت گھٹائی گئی ہے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ صلوٰۃ کی نسبت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی طرف کردی گئی اور سلام کی نسبت ان کی طرف نہیں کی گئی حالانکہ اہل ایمان کو دونوں کا حکم فرمایا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ سلام کے دو معنی ہیں: ایک تحفہ وہدیہ اور دوسرا اطاعت وانقیاد۔ پس مومنین کو تو ان دونوں کا حکم دیا کہ ان کی طرف سے یہ دونوں معنی صحیح ہیں لیکن اللہ اور فرشتوں کی طرف اطاعت وانقیاد کی نسبت جائز نہیں لہٰذا اس وہم کو ختم کرنے کے لئے ان کی طرف سلام کی نسبت نہیں فرمائی گئی۔ واللہ اعلم۔"

وسلموا تسلیماً کا معنی:

امام جبیر بن محمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے:

"وسلموا تسلیماً کا مطلب ہے کہ حضور علیہ السلام تم کو جس بات کا حکم دیں اس پر دل وجان سے راضی ہوجاؤ۔"

سلام کا معنی:

سلام کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ کچھ نے یہ معنی کیا کہ یارسول اللہ! آپ پر وہ سلام ہو جو اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور تاویل یہ کی کہ آپ خیرات وبرکات سے خالی نہ ہوں اور آپ ہمیشہ ناپسندیدہ باتوں اور آفات سے محفوظ رہیں کیونکہ ایسے امور میں اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی اسی توقع پر ذکر کیا جاتا ہے کہ اس میں خیر وبرکت کے تمام معانی جمع ہیں اور خرابی وفساد کے عوارض معدوم ہوتے ہیں، یہ بھی احتمال ہے کہ سلام بمعنی سلامتی ہو یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو برائی اور نقائص سے سلامت رکھے۔ پس جب تم کہتے ہو: "اللھم سلم علی محمد" تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ الٰہی! محمد کے لئے ان کی دعوت، امت اور ذکر کے ہر نقص سے سلامتی لکھ دے تاکہ آپ لوگوں کو جو ایمان باللہ کی دعوت دیتے ہیں وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی جائے، آپ کی امت میں اضافہ ہو اور آپ کا ذکر بلند ہو، یہ قول امام بیہقی کا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سلام بمعنی مسالمہ اور انقیاد ہو۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

((فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجًا مما قضيت ويسلموا تسليمًا))

"محبوب! تمہارے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہوسکتے تاوقتیکہ تم کو اپنے باہمی جھگڑوں میں حاکم نہ مان لیں، پھر تمہارے فیصلے پر دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور خوشی خوشی سر تسلیم خم کردیں۔"

صلوٰۃ پڑھتے وقت سلام پڑھنا:

علامہ فاسی نے شرح الدلائل میں فرمایا:

"ابن عرفہ نے "سلموا تسلیما" کی تفسیر میں اپنے شیخ عبدالسلام کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والا لفظ تسلیماً کی تاکید نہیں لاتا اور صرف یہ کہتا ہے: صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ سلم اور یہی کافی ہے کیونکہ درحقیقت یہاں دوسروں کو یہ خبر دینا مقصود نہیں کہ اللہ درود و سلام بھیجتا ہے بلکہ انشاء ہے نہ کہ اخبار۔ ان کے معاصر الزہری کہا کرتے تھے کہ درود شریف پڑھتے وقت تسلیماً کو بھی زیادہ کر لینا چاہیے جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے۔"

کم نیند کا علاج:

ماہ شعبان کی فضیلت میں ابن ابی الصیف الیمنی کی بلا اسناد ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ شعبان المعظم نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا مہینہ ہے کیونکہ درود شریف کی آیت مبارکہ اسی مہینہ میں نازل ہوئی تھی اور ابن بشکوال نے عبدرب الرازی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جس آدمی کو نیند کم آئے وہ سوتے وقت آیت کریمہ:

((ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یاایھاالذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً))

پڑھ لیا کرے۔

حاجات کا پورا ہونا:

اس آیہ کریمہ کے فوائد میں سے جیسا کہ ابن ابی الدنیا نے ابن فدیک سے نقل کیا۔ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھے: "ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی" پھر کہے: "صلی اللہ علیك یامحمد" یہاں تک کہ ستر مرتبہ یہی کہتا چلا جائے تو فرشتہ اس کو پکارتا ہے: صلی اللہ علیك یافلاں! آج تیری کوئی حاجت پوری ہوئے بغیر نہ رہے گی۔"

☆☆☆

صلوٰۃ وسلام کی احادیث اور ان کے روای صحابہ کا تذکرہ

صلوٰۃ کیسے بھیجیں:

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجی جائے۔ ہم کیوں کر صلوٰۃ بھیجیں۔ فرمایا: کہا کرو:

((اللھم صل علی محمد وعلیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ اٰل ابراھیم وبارك علی محمد وعلی اٰل محمد کما بارکت علی اٰل ابراھیم))

"یا اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمت فرمائی' اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر برکت فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکت فرمائی۔"

پھر فرمایا کہ سلام کو تم جانتے ہی ہو۔

اس حدیث کوامام احمد و مسلم ونسائی اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے۔
امام احمد نے بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے سوال میں یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

((فكيف نصلي عليك اذا نحن صلينا في صلا تنا))

''جب ہم نماز کے اندر درود پڑھا کریں تو کس طرح پڑھا کریں۔''

جن صحابہ سے احادیث صلوۃ مروی ہیں:

احادیث صلوٰۃ کے راوی صحابہ درج ذیل ہیں:

1۔ حضرت ابومسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ۔
2۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ۔
3۔ حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ۔
4۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔
5۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ۔
6۔ حضرت زید بن حارثہ یا ابن خارجہ رضی اللہ عنہ۔
7۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔
8۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ۔
9۔ حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ۔
10۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ۔
11۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔
12۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ۔
13۔ حضرت ابوطلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ۔
14۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔
15۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔
16۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ۔
17۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔
18۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔
19۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ۔
20۔ حضرت حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔
21۔ حضرت حسین بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔
22۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا۔
23۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔
24۔ حضرت رویفع بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ۔
25۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔
26۔ حضرت ابورافع مولیٰ رسول اللہ ﷺ
27۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ۔
28۔ حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ۔
29۔ حضرت عبدالرحمٰن بن بشیر بن مسعود رضی اللہ عنہ۔
30۔ حضرت ابوبردہ بن نیاز رضی اللہ عنہ۔
31۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ۔
32۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ۔
33۔ حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ۔
34۔ حضرت مالک بن الحویریث رضی اللہ عنہ۔
35۔ حضرت عبداللہ بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ۔
36۔ حضرت عبداللہ بن عباد رضی اللہ عنہ۔
37۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ۔
38۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ۔
39۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ۔
40۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔
41۔ حضرت سعید بن عمیر الانصاری جو اپنے والد عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔
42۔ حضرت حبان منقذ بدری رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: خلیفہ اول، جانشین پیغمبر، امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نام نامی عبداللہ، کنیت ابوبکر اور صدیق وعتیق لقب ہیں۔ آپ قریشی ہیں اور ساتویں پشت پر آپ کا شجرہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی شجرہ سے مل جاتا ہے۔

آپ عام الفیل کے اڑھائی برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ اس قدر جامع الکمالات اور مجمع الفضائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام اگلے اور پچھلے انسانوں میں سب سے افضل واعلیٰ ہیں۔

آپ ان دس خوش نصیب اصحاب میں ممتاز مقام رکھتے ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری عنایت فرما دی تھی۔

آپ نے آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور سفر و وطن کے تمام مشاہد واسلامی جہادوں میں مجاہدانہ کارناموں کے ساتھ شامل ہوئے۔ صلح و جنگ کے تمام فیصلوں میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر و مشیر بن کر مراحل نبوت کے ہر ہر موڑ پر آپ کے رفیق و جاں نثار رہے۔

آپ نے دو برس تین ماہ گیارہ دن مسند خلافت پر رونق افروز رہ کر بائیس جمادی الاخریٰ، تیرہ ہجری منگل کی رات وفات پائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور روضہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مقدس میں دفن ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راستے سے بخوبی آگاہ تھے، کیونکہ بغرض تجارت ان کا شام آنا جانا رہتا تھا۔ آپ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے انہوں نے پوچھا:

''اے ابوبکر! تمہارے آگے کون ہے۔؟''

انہوں نے فرمایا:

''مرا راہبر ہے جو مجھے راہ دکھاتا ہے۔''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار سے نکلے تو جو شخص بھی انہیں ملتا وہ ابوبکر کو پہچان لیتا۔ جب وہ پوچھتا:

''اے ابوبکر! یہ تمہارے ساتھ کون ہے۔''

تو آپ فرماتے:

''یہ میرا گائیڈ ہے۔''

قسم بخدا! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور جو چیز اس کے پاس ہے اس کے بارے میں اختیار دیا تو اس بندے نے

اللہ تعالیٰ کی کے قرب کو پسند کر لیا۔"

یہ سن کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ ہمیں ان کے رونے پر بڑا تعجب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایک بندے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں اور یہ رو رہے ہیں۔؟ ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندہ جسے اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ عالم تھے۔

صحابہ کرام میں سے شیخ الاسلام، بعد از انبیاء خلیفہ و امام، تارکین دنیا کے سردار، صاحبان خلوت کے شہنشاہ، آفات دنیاوی سے پاک وصاف، امیر المومنین سیدنا ابو بکر عبد اللہ بن عثمان ابی قحافہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کی کرامتیں اور بزرگیاں مشہور ہیں۔ معاملات وحقائق میں آپ کے نشانات و دلائل واضح ہیں۔ تصوف کے سلسلہ میں آپ کے کچھ حالات کتابوں میں مذکور ہیں۔ مشائخ طریقت نے ارباب مشاہدہ اور صاحبان علم و عرفان میں آپ کو مقدم رکھا ہے، چونکہ آپ کی مرویات بہت کم ہیں۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ارباب مجاہدہ میں مقدم رکھا ہے کیونکہ آپ کے معاملات اور حق پر صلابت، صحیح روایتوں میں مرقوم اور اہل علم کے درمیان معروف ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلاوت قرآن کریم نماز میں کرتے تو نرم و آہستہ آواز میں کرتے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تو بلند آواز سے تلاوت کرتے تھے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم کس وجہ سے نرم و آہستہ آواز میں تلاوت کرتے ہو۔؟ انہوں نے عرض کیا:

"اسمع من اناجیه"

"جس سے مناجات کرتا ہوں وہ خوب سنتا ہے۔"

چونکہ میں جانتا ہوں وہ مجھ سے دور نہیں ہے اور اس کی سماعت کے لئے نرم یا بلند آواز سے پڑھنا دونوں برابر ہیں۔

جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم اونچی آواز سے کیوں تلاوت کرتے ہو؟ تو آپ نے عرض کیا:

"اوقظ الوسنان ای النائم واطرد الشیطان"

"میں سوتے ہوئے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔"

یہ مجاہدے کی علامت ہے اور وہ مشاہدے کا نشان۔ مجاہدے کا مقام مشاہدے کے پہلو میں ایسا ہے جیسے قطرہ دریا میں۔ اس لئے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ھل انت الاحسنة من حسنات ابی بکر"

"اے عمر! تم ابو بکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہو۔"

جبکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے بطل جلیل جن سے اسلام کو عزت و رفعت ملی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں تو غور کرو کہ سارے جہان کے لوگ کس درجہ میں ہوں گے۔؟

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"دارنا فانیة واحوالنا عاریة وانفاسنا معدودة وکسلنا موجودة"

''ہمارا گھر فانی ہے، ہمارے احوال عاری ہیں، ہمارے سارے سانس گنتی کے ہیں اور سستی و کاہلی موجود و ظاہر ہے۔''

لہٰذا فانی گھر کی تعمیر کرنا، جہالت عاریتی حال پر اعتماد کرنا، نادانی گنتی کے سانسوں پر دل لگانا، غفلت اور کاہلی کو دین سمجھ لینا سراسر نقصان و خسارہ ہے، اس لئے کہ جو چیز عاریۃً لی جاتی ہے اسے واپس کرنا ہوتا ہے، جو چیز واپس جانے والی ہوتی ہے وہ باقی نہیں رہتی، جو چیز گنتی میں آئے وہ محدود ہوتی ہے اور سستی و کاہلی کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔

اس ارشاد میں آپ نے ہمیں تلقین فرمائی کہ یہ دنیا اور اس کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اس کے جانے کا اندیشہ نہ کرنا چاہئے اور نہ اس کی خاطر اس سے دل لگانا چاہئے، کیونکہ جب تم فانی سے دل لگاؤ گے تو باقی تم سے پوشیدہ اور حجاب و پردہ میں رہ جائے گا۔ وہ دونوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ دنیا اور اس کا تمام ساز و سامان سب عارضی اور عاریت کی چیزیں ہیں ان کو اپنی ملک سمجھ کر ان میں مالک حقیقی کی اجازت اور اس کے منشاء کے خلاف تصرف کرنا کتنی نادانی ہے۔؟

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے مناجات میں عرض کیا کرتے تھے:

''اللھم ابسط لی الدنیا وزھدنی عنھا''

''اے خدا! دنیا کو میرے لئے کشادہ فرما! لیکن مجھے اس میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھ۔''

دنیا کی فراخی کی دعا کے بعد اس سے محفوظ رکھنے کی التجا میں ایک لطیف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ دنیا دے تا کہ شکر بجالاؤں پھر یہ توفیق دے کہ اسے تیری راہ میں اپنے ہاتھ سے خرچ کروں اور اپنا رخ تیری طرف پھیروں، تا کہ شکر اور انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ پاؤں اور مقام صبر بھی حاصل کروں تا کہ فقر میں پریشان نہ ہوں اور فقر پر میرا اختیار ہو۔

اس مفہوم سے اس قول کی تردید بھی ہو جاتی ہے کہ جس کا فقر اضطراری ہو وہ فقر اختیاری سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ اصل میں اگر فقر اضطراری ہو تو یہ فقر کی صفت ہے اور اگر اختیاری ہو تو یہ فقر بندے کی صفت ہے۔ جب اس کا عمل کشش فقر سے منقطع ہو جائے تو اس سے بہتر ہے کہ تکلف سے اپنا درجہ بنائے۔

صفت فقر کا اس وقت زیادہ ظہور ہوتا ہے جبکہ تونگری کی حالت میں اس کے دل پر فقر کا ارادہ ہو، پھر وہ ایسا عمل کرے جو اسے ابن آدم کی محبوب چیزوں سے یعنی دنیاوی مال و متاع سے دست کش کر دے نہ کہ فقر کی حالت میں اس کا دل تونگری کی خواہش سے بھرپور ہو اور ایسے عمل کا ارتکاب کرے جس کی بناء پر تونگروں، بادشاہوں اور درباریوں کے دروازوں پر جانا پڑے۔

صفت فقر تو یہ ہے کہ انسان تونگری چھوڑ کر فقر اختیار کرے، نہ یہ کہ فقر میں مال و منال اور جاہ و حشم کا طالب ہو۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رتبہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل و مقدم ہے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی ان سے آگے قدم رکھے اور معنوی اعتبار سے مقدم ہو جائے، کیونکہ آپ نے فقر اختیاری کو فقر اضطراری پر مقدم و افضل رکھا ہے۔ یہی تمام مشائخ طریقت کا مذہب ہے۔

حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت لی تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"واللہ ماکنت حریصا علی الامارة یوما ولا لیلة ولا کنت فیھا راغبا ولا سئالتھا اللّٰہ قط فی سر وعلانیة وما لی فی الامارة من راحة"

''خدا کی قسم! ایک دن یا ایک رات کے لئے بھی میں امارت کا خواہاں نہیں ہوا، نہ مجھے اس کی رغبت ہے، نہ ظاہر و باطن میں خدا سے اس کا سوال کیا ہے اور نہ میرے لئے امارت میں راحت ہے۔''

اللہ تعالیٰ جس بندہ کو کمال صدق پر فائز کرتا اور عزت و منزلت کے مقام پر متمکن فرماتا ہے تو بندہ صادق منتظر رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم ہوتا ہے۔ جیسا بھی اس پر حکم وارد ہوتا ہے وہ اس پر قائم و برقرار رہتا ہے۔ اگر فرمان آئے کہ فقیر ہو جاؤ تو فقیر ہو جاتا ہے اور اگر فرمان آئے کہ امیر ہو جاؤ تو امیر بن جاتا ہے۔ اس میں وہ اپنے تصرف و اختیار کو کام نہیں لاتا۔ یہی صورت حال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ آپ نے ابتداء میں بھی ویسی ہی تسلیم و رضا کو اختیار فرمایا جس طرح انتہا میں اختیار فرمایا۔

صوفیا کرام نے ترک دنیا اور حرص و منزلت کے چھوڑنے کو فقر پر اور ترک ریاست کی تمنا کو اس لئے پسند کیا کہ دین میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے امام عام ہیں اور طریقت میں آپ تمام صوفیاء کے امام خاص۔

صفائے باطن کے لئے کچھ اصول اور فروع ہیں۔ ایک اصل تو یہ ہے کہ دل کو غیر سے خالی کرے اور فرع یہ ہے کہ مکرو فریب سے بھرپور دنیا سے دل کو خالی کر دے۔ یہ دونوں صفتیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہیں۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ طریقت کے رہنماؤں کے امام ہیں۔ آپ کا قلب مبارک اغیار سے خالی تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بارگاہ معلیٰ میں دل شکستہ ہو کر جمع ہوئے تو سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے:

''جس نے بھی یہ کہا کہ اللہ کے رسول کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔''

اس وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور بلند آواز سے یہ خطبہ دیا:

"الا من کان یعبد محمد افان محمد اقدمات ومن عبد رب محمد فانه حیی لایموت"

''خبردار! جو حضور کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ حضور کا وصال ہو چکا ہے اور جو حضور کے رب کی عبادت کرتا ہے تو آگاہ ہو کہ وہ زندہ ہے جسے موت نہیں ہے۔''

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

"ومامحمدالارسول قد خلت من قلبه الرسل افان مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم"

''اور محمد تو اللہ کے رسول ہی ہیں۔ بیشک آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو کیا اب آپ انتقال فرما جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے۔؟''

مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی یہ سمجھ بیٹھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معبود تھے تو جان لو کہ حضور کا وصال ہو چکا ہے۔ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی عبادت کرتا تھا تو وہ زندہ ہے ہرگز اس پر موت نہیں آنی ہے۔ یعنی جس کا دل فانی سے پیوستہ

ہوتا ہے تو وہ فانی تو فنا ہوتا ہے اور اس کا رنج باقی رہ جاتا ہے، لیکن جس کا دل حضرت حق سبحانہ سے لگا ہوا ہو تو جب نفس فنا ہوجاتا ہے تو وہ بقائے باقی دل کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت کی آنکھ سے دیکھا تو جب آپ دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو آپ کی وہ تعظیم جو اس کے دل میں باقی رہ جاتی رہے گی اور جس نے آپ کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھا تو اس کے لئے آپ کا تشریف لے جانا اور موجود رہنا دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ اس نے آپ کی موجودگی اور حالت بقا کو حق تعالیٰ کی بقا کے ساتھ آپ کے تشریف لے جانے کو حق تعالیٰ سے واصل وفنا ہونے اور پلٹنے اور فنا ہونے والی چیزوں سے روگرواں ہوکر پلٹانے اور فنا کرنے والی ذات کی طرف متوجہ ہونے کو دیکھا ۔گویا اس نے قیام محول (پلٹنے والے وجود کو) محول (پلٹانے والی ذات) کے ساتھ قائم دیکھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جس طرح تعظیم وتکریم کی جاتی ہے اسی طرح اس نے وجود اصل کی تعظیم اور توقیر کی۔ لہٰذا دل کی راہیں کسی مخلوق کے لئے نہ کھولے اور اپنی نظریں کسی غیر کی طرف نہ پھیلائے کیونکہ:

"من نظر الی الخلق هلك ومن رجع الی الحق ملك"

"جس نے مخلوق پر نظر ڈالی وہ ہلاک ہوا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا وہ مالک ہوا۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دوسری شان کہ آپ کا قلب مبارک دنیائے غدار سے خالی تھا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ آپ کے پاس جتنا مال ومنال اور غلام وبردے وغیرہ تھے سب راہ خدا میں دیکر ایک کمبل اوڑھ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوگئے۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"ماخلقت لعيالك"

"اے صدیق! تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا۔؟"

عرض کیا:

"الله ورسوله"

"اللہ اور اس کے رسول کو گھر والوں کے لیے چھوڑ کر آیا ہوں۔"

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا:

"تم نے اپنے مال میں سے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا۔؟"

انہوں نے عرض کیا:

"بہت بڑا خزانہ اور بے حد وغایت مال ومنال چھوڑا ہے۔"

فرمایا:

"وہ کیا۔؟"

عرض کیا:

"ایک تو اللہ کی قربت اور دوسرا اس کے رسول کی متابعت۔"

جب بندہ کا دل دنیاوی صفات سے آزادہ ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیاوی کدروتوں سے اسے پاک وصاف کردیتا ہے۔ یہ تمام صفتیں صوفی صادق کی ہیں، ان کا انکار درحقیقت حق کا انکار اور اس سے کھلا عناد ہے۔

صفاء کدورت کی ضد ہے اور کدورت صفات بشری میں سے ہے۔ حقیقتاً صوفی وہ ہے جو بشری کی کدورتوں سے گزر جائے جیسا کہ مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا جب مشاہدہ کیا اور آپ کے حسن و جمال کے لطائف میں غرق ہوئیں تو ان پر بشریت غالب آ گئی پھر جب وہ منعکس ہو کر واپس آئیں اور اس کی انتہا حد کمال تک پہنچی اور اس سے گزر کر بشریت کے فنا پر نظر پڑی تو کہنے لگیں:

"ماھذا بشر"

''خدا کی قسم! یہ تو بشر ہے ہی نہیں۔''

حالانکہ انہوں نے اپنے کلام کا نشانہ بظاہر انہیں بنایا، لیکن انہوں نے اس طرح اپنا حال ظاہر کیا تھا۔ اس لئے مشائخ طریقت فرماتے ہیں:

"لیس الصفامن صفات البشر لان البشر مدرو المدر لا یخلو من الکدر"

''حالتِ صفاء بشری کی صفات میں سے نہیں ہے، اس لئے کہ بشر تو ایک مٹی کا تودہ ہے اور مٹی کا تودہ کدورت سے خالی نہیں ہوتا۔''

لہٰذا بشری حالت میں برقرار رہ کر کدورت سے نجات پانا ممکن نہیں۔ اس لئے صفا کی مثال افعال سے نہ ہوگی اور محض ریاضت ومجاہدہ سے بشریت زائل نہ ہوگی، کیونکہ صفت صفا افعال واحوال سے منسوب نہیں ہے اور نہ نام والقاب سے اس کو کوئی علاقہ ہے۔ اس لئے کہ:

"الصفاصفة الاحباب وهم شموس بلا سحاب"

''صفا تو محبوبوں کی شان ہے اور وہ تو آفتاب تاباں ہیں جس پر کوئی ابر نہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ صفا دوستوں کی صفت ہے یہ دوست وہ ہیں جو اپنی صفت فنا کر کے بیٹھے ہیں۔ اربابِ حال کے نزدیک دوست وہی ہوتا ہے جن کے احوال مثل آفتاب کے ظاہر ہوں۔ چنانچہ حبیب خدا مصطفیٰ علیہ التحیتہ والثناء سے صحابہ کرام نے حضرت حارثہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

"عبد نون اللہ قلبه بالایمان"

''وہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان سے منور فرمایا ہے۔''

یہاں تک اس کا چہرہ اس کی تاثیر سے تاباں اور نور ربانی سے درخشاں ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا:

"ضیاء الشمس والقمر اذا اشترکا

نماذخ من صفاء الحب و اتوحید اذا اشتکال"

''جب آفتاب و ماہتاب کے نور باہم مل جاتے ہیں تو اس کی مثال محبت توحید کی صفائی ہے جب کہ یہ دونوں پیوست ہو جائیں۔''

اللہ تعالیٰ کی توحید ومحبت جس جگہ ایسے مقام پر مل جائے کہ ایک کی نسبت دوسرے کی طرف ہونے لگے تو آفتاب و ماہتاب کے نور کی حیثیت وہاں کیا ہے؟ چونکہ دنیا میں ان دونوں کے نور سے زیادہ روشن کوئی شئے نہیں جو وصف کمال اور نوری برہان میں اس سے بڑھ کر ہو کیونکہ آنکھیں آفتاب و ماہتاب کی نار دیکھنے سے عاجز رہتی ہیں، البتہ ان دونوں کے

نور کے غلبہ سے آسمان کو دیکھ لیتی ہیں۔ اسی طرح قلب مومن مخلص، معرفت وتوحید اور محبت کے نور سے عرش الٰہی کو دیکھ لیتا ہے اور دنیا میں عقبیٰ کے حالات سے باخبر ہو جاتا ہے۔

تمام مشائخ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ بندہ جب مقامات کی بندشوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور احوال کی کدورتوں سے خالی ہو کر تغیر وتلون کی حدود سے نکل جاتا ہے تو وہ تمام احوال محمودہ سے متصف ہو جاتا ہے اور وہ تمام بشری صفات کی کدورتوں سے نجات پا جاتا ہے۔ بندہ جب دل میں اپنی کسی تعریف وتوصیف سے نہ لطف اندوز ہوتا ہے اور نہ اپنے میں کسی صفت کو دیکھ کر متعجب ہوتا ہے۔ ایسے بندوں کے احوال کو عام عقلیں سمجھنے سے قاصر ہیں اور وہم وگمان کے تصرف سے ان کی زندگی پاک وصاف ہوتی ہے۔ نہ ان کے حضور کو زوال ہے اور نہ ان کے وجود کے لئے اسباب کی حاجت۔

"لان الصفاحضور بلا ذهاب و وجود بلا اسباب"

"اس لئے کہ صفا کے لئے بلا زوال حضور اور بلا سبب وجود ضروری ہے۔"

لیکن اگر غیوبت کا اس پر غلبہ ہو جائے تو حضور نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح اگر اس کے وجود کے لئے سبب وعلت ہو تو وہ وجدانی ہو جائے گا، واجد نہ رہے گا اور جن احکام ربانی کی حفاظت دشوار ہوتی ہیں وہ آسان ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ جب بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"اے حارثہ! کس حال میں تم نے صبح کی۔؟"

انہوں نے عرض کیا:

"اللہ کی حقانیت پر ایمان رکھتے ہوئے رات کٹی۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے حارثہ تم غور کرو کیا کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ہر شئے کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی حقیقت ودلیل کیا ہے۔؟"

انہوں نے عرض کیا:

"میں نے اپنے آپ کو دنیا سے قطع تعلق کر کے اپنے رب کو پہچانا ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اب پتھر، سونا، چاندی اور مٹی میرے نزدیک سب برابر ہیں، کیونکہ دنیا سے بیزار ہو کر عقبیٰ سے لو لگا رکھی ہے۔ میرا حال یہ ہے کہ رات کو بیدار رہتا ہوں اور دن کو بھوکا پیاسا (روزے رکھتا ہوں) اب میری کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ گویا میں اپنے رب کے عرش کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں اور اہل جنت کو ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فالزم"

"اے حارثہ! تم نے ایمان کی حقیقت پالی اب اس پر قائم رہو"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔

صلوٰۃ وسلام کے متعلق حدیث: صلوٰۃ وسلام کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابن شاہین نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے:

((من صلی علی کنت شفیعه یوم القیامة))

''جو مجھ پر درود پڑھتا ہے قیامت کے دن میں اس کا شفیع ہوں گا۔''

ابن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

((ان اللّٰہ عزوجل قد وھب لکم ذنوبکم عند الاستغفار فمن استغفر بنیة صادقة غفرله ومن قال لا اله الا اللّٰہ رجح میزانه ومن صلی علی کنت شفیعه یوم القیمة))

''اللہ تعالیٰ استغفار سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ پس جس نے سچی نیت سے استغفار پڑھا اسے بخش دیا گیا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس کی میزان بھاری ہوگئی۔ جس نے مجھ پر درود پڑھا میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔''

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث:

سیرت: حضرت ابوطلحہ قبیلہ انصار کے خاندان بنونجار کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بیوہ ہو جانے کے بعد ان سے نکاح کر لیا۔ یہ بہت ہی مشہور تیر انداز اور نشانہ باز تھے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لشکر میں ابوطلحہ کی ایک للکار ایک ہزار سواروں سے بڑھ کر رعب دار ہے۔''

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے قبل ہی حج کے موقع پر منیٰ میں اپنے ستر ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے تھے۔ جنگ بدر واحد اور اس کے بعد کے معرکوں میں شریک ہوئے اور بڑے مجاہدانہ کارناموں کا مظاہرہ کیا۔ 31 ہجری میں 77 برس کی عمر میں راہی ملک بقا ہوئے۔

حدیث: مسند امام احمد میں ہے کہ ایک صبح رسول اللہ ﷺ پاکیزہ نفس اٹھے۔ چہرہ مبارک پر بشارت و بشاشت نظر آتی تھی۔ عرض کیا گیا کہ آج آپ ایسے معلوم ہوتے ہیں، تو فرمایا:

((اجل اتانی اٰت من ربی عزوجل فقال من صلی علیك من امتك صلوٰة کتب اللّٰہ له بھا عشر حسنات ومحاعنه عشر سیئات ورفع له عشر درجات ورد علیه مثلھا))

''ہاں! پروردگار کا فرستادہ میرے پاس آیا، پس اس نے کہا: آپ کی امت میں سے جو آپ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھے گا، دس برائیاں محو کرے گا، دس درجے اس کے بلند فرمائے گا۔ اور ویسا ہی درود اس پر نازل فرمائے گا۔''

دوسری سند کے ساتھ بھی اس کو روایت کیا گیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ فرشتے نے آ کر کہا:

''پروردگار فرماتا ہے کہ جو کوئی آپ پر ایک دفعہ درود پڑھے تو اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا اور جو ایک بار سلام بھیجے اس پر دس بار سلام بھیجے گا۔ کیا آپ اس پر خوش نہیں؟''

فرمایا: ہاں۔
نسائی نے اور صحیح میں ابن حبان نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث:

سیرت: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ یہ ہے:
انس بن مالک بن النضر بن ضمضم بن زید بن حرام انصاری۔

آپ قبیلہ انصار کے خاندان خزرج کی شاخ بنی نجار سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی والدہ ام سلیم بنت ملحان ہے۔ ان کی کنیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحمزہ رکھی اور ان کا مشہور لقب خادم النبی ہے۔ دس برس کی عمر میں یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دس برس تک سفر وحضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لاٹھی دی۔ بوقت وفات انہوں نے وصیت کی تھی کہ اس کو میرے کفن میں رکھا جائے۔ چنانچہ یہ لاٹھی ان کے کفن میں رکھی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر انہیں مال واولاد میں برکت کی دعائیں دی۔ چنانچہ ان کے مال واولاد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی برکت دی۔ آپ کے وصال کے وقت آپ کے بیٹوں اور پوتوں کی تعداد ایک سو بیس تھی۔

حضرت انس کے بھائی تھے جن کا نام براء تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی موقعوں پر حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی۔ یہ بہت ہی خوش آواز اور بہترین حدی خواں تھے۔ عراق کی لڑائیوں میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے بھائی براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمنوں کے ایک قلعہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے جو موضع حریق میں تھا۔ کفار گرم گرم زنجیروں میں لوہے کے آنکڑے لگا کر قلعہ کی دیوار سے مسلمانوں پر ڈالتے تھے اور ان کو آنکڑوں میں پھنسا کر اپنی طرف کھینچ لیتے۔ ان کافروں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھی آنکڑوں میں پھنسالیا اور قلعہ کی دیوار پر کھینچنے لگے۔ حضرت براء بن مالک نے جب یہ دیکھا تو قلعہ کی دوار پر چڑھ کر جلتی ہوئی زنجیر کو پکڑا اور پھر اس رسی کو کاٹ دیا جس سے زنجیر بندھی ہوئی تھی۔ اس طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی جان تو بچ گئی مگر حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے گرم زنجیر کو جو پکڑا تھا اس کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کا پورا گوشت جل گیا اور سفید ہڈیاں نظر آنے لگی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ حنا (مہدی) کا خضاب سر اور داڑھی میں لگاتے تھے اور خوشبو بکثرت استعال کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے آپ بصرہ چلے گئے۔ آپ نے 93 ہجری میں 107 سال کی عمر میں وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے صحابیوں میں سب سے آخر میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے بعد شہر بصرہ میں کوئی صحابی باقی نہ رہا۔ بصرہ سے دو کوس کے فاصلے پر آپ کی قبر بنی۔ آپ بہت ہی حق گو، حق پسند اور عبادت گزار صحابی تھے۔

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول

کریم ﷺ نے فرمایا:

((من ذکرت عنده فلیصل علی و من صلی علی مرة صلی الله علیه عشرا))

''جس کے سامنے میرا نام آئے اسے درود پڑھنا چاہئے اور جو شخص ایک بار مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔''

((من صلی علی صلوٰة واحدة صلی الله علیه عشر صلوات وحط عنه بها عشر سیئات ورفع بها عشر درجات))

''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا' اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھے گا اور دس برائیاں مٹادے گا' دس درجے اس سے بلند فرمائے گا۔''

امام احمد نے مسند میں اور ابن حبان نے صحیح میں اپنی اپنی سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ علت اس میں یہ ہے جس کی طرف نسائی نے کتاب کبیر میں اشارہ کیا ہے کہ یونس بن ابی اسحاق دو طرح پر روایت کرتا ہے۔ یزید بن ابی مریم سے وہ حسن سے وہ انس بن مالک سے۔ دوسرے یزید بن ابی مریم خود حضرت انس بن مالک سے، لیکن یہ علت اس حدیث کے لیے کچھ قدح نہیں، کیونکہ حسن اور یزید دونوں کو حضرت انس بن مالک سے اس حدیث کا سماع ہے۔ ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں یزید سے ہی روایت کی ہے۔ جس میں یزید نے اپنی سماع کی صراحت کردی ہے۔ پس ممکن ہے کہ یزید نے اس حدیث کو حسن سے بھی سنا ہو اور دونوں طرح روایت کردی ہو جیسا کہ خود اس نے بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح یہ احتمال اب تک باقی ہے کہ یہ حدیث بعینہٖ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہو جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ارسال کے ساتھ روایت کیا ہو۔ جیسا کہ اسمٰعیل بن اسحاق کی روایت سے واضح ہوتا ہے، کیونکہ اس میں حضرت انس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔

ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ابن الغازی نے روایت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من صلی علی فی یوم الف مرة لم یمت حتی یری مقعده من الجنة))

''جو کوئی ہزار دفعہ روزانہ درود پڑھ لیتا ہو وہ نہ مرے گا جب تک اپنا مقام جنت نہ دیکھ لے گا۔''

حافظ ابوعبداللہ المقدسی نے کتاب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ میں اس کو بجز حکم بن عطیہ کی روایت کے نہیں پہچانتا۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ حکم بن عطیہ نے ثابت سے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔ امام احمد کا قول ہے کہ ''اس کی روایت میں کچھ ڈر نہیں۔'' البتہ ابوداؤد طیالسی نے اس سے منکر احادیث روایت کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے اسے ثقہ کہا ہے۔

حضرت انس سے جعفر فریابی نے وہ حدیث بھی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے منبر پر چڑھنے اور تین بار آمین پکارنے کا ذکر ہے۔ اسی حدیث کو ابوبکر شافعی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں سلمہ بن وردان ہے جو لین الحدیث ہے۔ گو اس کے بارے میں کلام کیا گیا ہے مگر وہ ایسا نہیں جس کی حدیث چھوڑ دی جائے۔ خصوصاً ایسی حدیث جس کے لیے شواہد موجود ہیں اور جو دوسری طرح سے بھی معروف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث وہ ہے جسے ابویعلی موصلی نے سند کے ساتھ رویت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مامن عبدين متحابين يستقبل احدهما الآخر (صاحبه) ويصليان على النبى صلى الله عليه وسلم الا لم يتفرقا حتى تغفر لهما ذنوبهما ما تقدم منها وما تاخر))

''جو دو دوست آپس میں ملیں اور نبی ﷺ پر درود پڑھیں ایسی حالت میں جدا ہوں گے کہ ان کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہوں گے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ابن ابی عاصم نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((صلوا على فان الصلوٰة على كفارة لكم فمن صلى على صلى الله عليه))

''مجھ پر درود بھیجا کرو۔ یہ تمہارے لیے کفارہ ہے جو مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ اس پر رحمت بھیجتا ہے۔''

ابن شاہین نے بھی اس کو اپنی سند کے ساتھ حضرت انس سے روایت کیا ہے:

((من صلى على فى يوم الف مرة لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة))

''جس نے مجھ پر ایک دن میں ایک ہزار دفعہ درود بھیجا اس پر اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ جنت میں اپنی جگہ دیکھ نہ لے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث:

سیرت: خلیفہ دوم جانشین پیغمبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو حفص اور لقب فاروق اعظم ہے۔ آپ اشراف قریش میں اپنی ذاتی و خاندانی وجاہت کے لحاظ سے بہت ہی ممتاز ہیں۔ آٹھویں پشت میں آپ کا خاندانی شجرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے ملتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے تیرہ برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور اعلان نبوت کے چھٹے سال ستائیس برس کی عمر میں مشرف با اسلام ہوئے۔ جبکہ ایک روایت میں آپ سے پہلے کل انتالیس مرد و عورت اسلام قبول کر چکے تھے۔

آپ کے مسلمان ہو جانے سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی اور ان کو ایک بہت بڑا سہارا مل گیا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ خانہ کعبہ کی مسجد میں اعلانیہ نماز ادا فرمائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنت کی خوشخبری عنایت فرمائی۔

آپ تمام اسلامی جنگوں میں مجاہدانہ شان کے ساتھ کفار کے ساتھ لڑتے رہے اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی تمام اسلامی تحریکات اور صلح و جنگ وغیرہ کی تمام منصوبہ بندیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر و مشیر کی حیثیت سے وفادار اور رفیق کار رہے۔

امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد آپ کو خلیفہ منتخب فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دس برس چھ ماہ چار دن تخت خلافت پر رونق افروز ہو کر جانشین رسول کی تمام ذمہ داریوں کو باحسن وجوہ انجام دیا۔

چھبیس ذوالحجہ تیئس ہجری چہارشنبہ کے دن نماز فجر میں ابولولو فیروز مجوسی کافر نے آپ کے شکم میں خنجر مارا اور آپ اس زخم کی وجہ سے تیسرے دن شرف شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

بوقت وفات آپ کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ کے اندر مدفون ہوئے۔

رسول اللہ کے ارشادات عالیہ ہیں:

1: ''اے عمر! مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس راستے سے تم گزرو گے اس راستے سے شیطان نہیں گزرے گا۔''

2: ''آسمانی مخلوق میں ایسا کوئی نہیں جو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت وتوقیر نہ کرتا ہو۔ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہوتے۔''

3: ''میرے بعد حق عمر کے ساتھ رہے گا خواہ وہ کہیں ہوں۔ اسلام عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت پر روئے گا۔''

4: عمر کی زبان اور قلب پر اللہ تعالیٰ نے حق جاری کر دیا ہے۔''

5: ''عمر اصحاب جنت کے چشم و چراغ ہیں۔''

6: ''عمر ہی وہ ہستی ہے جس کے باعث فتنہ وفساد کے دروازے بند ہیں۔ جب تک زندہ رہیں گے تم میں کوئی شخص پھوٹ اور فتنہ وفساد نہیں ڈال سکے گا۔''

7: ''جس شخص نے عمر سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔''

8: دوسرے خلیفہ راشد، سرہنگ اہل ایمان، مقتدائے اہل احسان، امام اہل تحقیق، دریائے محبت کے غریق سیدنا ابو حفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کے فضائل وکرامات اور فراست ودانائی مشہور ومعروف ہے۔ آپ فراست وصلابت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ طریقت میں آپ کے متعدد لطائف ودقائق ہیں۔ اسی معنی ومراد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

"الحق ینطق علی لسان عمر"

''حق عمر کی زبان بولتا ہے۔''

9: یہ بھی فرمایا:

"قد کان فی الامم محدثون فان یك منهم فی امتی فعمر"

''گزشتہ امتوں میں محدثین گزرے ہیں، اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔''

10: حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص صحابہ میں سے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں آپ کے تمام افعال مقبول ہیں حتیٰ کہ جب مشرف باسلام ہوئے تو جبریل علیہ السلام نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"قس استیشر یا محمداهل السماء باسلام عمر"

''یارسول اللہ! آسمان والے آج عمر کے مشرف باسلام ہونے پر بشارت دیتے ہیں اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں۔''

طریقت کے بکثرت رموز ولطائف آپ سے مروی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"العزلة من خلقاء السوء"

''بدوں کی ہم نشینی سے گوشہ نشینی میں چین و راحت ہے۔''

گوشہ نشینی دو طریقہ سے ہوتی ہے۔ ایک خلقت سے کنارہ کشی کرنے پر، دوسرے ان سے تعلق منقطع کرنے سے۔ کنارہ کشی کی صورت یہ ہے کہ ان سے منہ موڑ کر خلوت میں بیٹھ جائے، ہم جنسوں کی صحبت سے ظاہری طور پر بیزار ہو جائے اور اپنے اعمال کے عیوب پر نگاہ رکھنے سے راحت پائے۔ خود کو لوگوں کے ملنے جلنے سے بچائے اور اپنی برائیوں سے خود کو محفوظ رکھے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خلقت سے تعلق منقطع کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے دل کی کیفیت یہ ہو جائے کہ وہ ظاہر سے کوئی علاقہ نہ رکھے۔ جب کسی کا دل خلق سے منقطع ہو جاتا ہے تو اسے کسی مخلوق کا اندیشہ نہیں رہتا اور اسے کوئی خطرہ نہیں رہتا کہ کوئی اس کے دل پر غلبہ پا سکے گا۔ اس وقت ایسا شخص اگرچہ خلقت کے درمیان ہوتا ہے، لیکن وہ خلقت سے جدا ہو جاتا ہے اور اس کے ارادے ان سے منفرد ہوتے ہیں۔ یہ درجہ اگرچہ بہت بلند ہے، لیکن بعید از قیاس نہیں۔ مگر یہی طریقہ سیدھا اور مستقیم ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس مقام پر فائز تھے۔ ظاہر میں تو آپ سریر آرائے خلافت اور خلقت میں ملے جلے نظر آتے تھے، لیکن حقیقت میں آپ کا دل عزلت و تنہائی سے راحت پاتا تھا۔ یہ دلیل واضح ہے کہ اہل باطن اگرچہ بظاہر خلق کے ساتھ ملے جلے ہوتے ہیں، لیکن ان کا دل حق کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اور ہر حال میں خدا ہی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

ایک عورت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور عرض کیا:

''دنیا والوں سے مجھے کوئی شکایت نہیں، صرف ایک آدمی سے شکایت ہے جو ساری رات نماز پڑھتا اور دن روزہ رکھتا ہے۔''

پھر اس پر حیاء غالب آ گئی اور وہ خاموش ہو گئی۔ امیر المومنین نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ تم نے اس کی بڑی اچھی تعریف کی ہے۔''

جب وہ چلی گئی تو کعب بن سور نے کہا:

''اے امیر المومنین! اس نے آپ سے شکایت کی ہے۔''

آپ نے پوچھا:

''اس نے کیا شکایت کی ہے۔؟''

کعب نے کہا:

''اس نے اپنے خاوند کی شکایت کی ہے۔''

آپ نے کہا:

''اس عورت اور اس کے خاوند کو لے آؤ۔''

دونوں کو لایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب سے فرمایا:

''ان کے درمیان فیصلہ کر دیں۔''

انہوں نے کہا:

''میں آپ کی موجودگی میں ان کے درمیان فیصلہ کروں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم نے وہ بات سمجھی ہے جو میں نہیں سمجھ سکا، لہٰذا تم ہی فیصلہ کرو۔''

کعب رحمۃ اللہ علیہ نے خاوند سے کہا:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین اور چار چار کے ساتھ نکاح کرو۔'' لہٰذا تین دن روزہ رکھو اور ایک دن اس عورت کے پاس گزارو۔ تین راتیں قیام کرو اور ایک رات اس کے لئے مختص کردو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ بات تو پہلے سے بھی زیادہ عجیب ہے۔!''

چنانچہ انہیں بصرہ کا گورنر بنا دیا۔

1: حضرت زید بن اسلم اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ یمنی سوٹ آئے۔ آپ نے ان سوٹوں کو لوگوں میں تقسیم فرمایا۔ اس میں ایک سوٹ ذرا گھٹیا قسم کا تھا۔ آپ نے فرمایا:

''میں اسے کیا کروں گا۔؟ اگر میں نے کسی کو دیا تو وہ یہ عیب دار سوٹ قبول نہیں کرے گا۔''

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس سوٹ کو لپیٹ کو اپنے نیچے رکھ لیا، اس کی ایک طرف باہر نکال دی اور دوسرے سوٹ لوگوں میں تقسیم کرنے لگے۔ اسی حالت میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ داخل ہوئے، اس سوٹ کی طرف دیکھنے لگے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''یہ سوٹ کیسا ہے۔؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اسے چھوڑو۔!''

انہوں نے کہا:

''بتاؤ! یہ کیا ہے اور اس کا کیا معاملہ ہے۔؟''

آپ نے پھر فرمایا:

''اسے چھوڑو۔!''

انہوں نے کہا:

''یہ سوٹ مجھے دیدو۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم اس کو پسند نہیں کروگے۔!''

انہوں نے کہا:

''کیوں نہیں۔ مجھے یہ پسند ہے۔''

جب پختہ عہدو پیمان لے لیا اور یہ شرط لگائی کہ وہ اسے قبول کریں گے اور واپس نہیں لوٹائیں گے تو وہ سوٹ ان کی طرف اچھال دیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سوٹ لیا اور اسے دیکھا تو وہ ردی تھا۔ وہ کہنے لگے:

''میں یہ نہیں لینا چاہتا۔!''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہر گز نہیں۔''

وہ سوٹ انہیں ہی دے دیا اور اسے واپس قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

2: یزید بن جریر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے میرے والد سے فرمایا:

''اپنی قوم کو لے کر جہاد کرو اور جس چیز پر تم غالب آجاؤ گے، اس کا ایک چوتھائی تمہارا ہوگا۔''

اس وقت لوگ اہل عراق اور عجمیوں سے جنگ کرنے سے گریزاں تھے۔ جب جنگ جلولاء کا مال غنیمت جمع کیا گیا تو جریر نے ایک چوتھائی کا مطالبہ کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف لکھ کر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''جریر کا موقف درست ہے۔ میں نے اس کے ساتھ یہی وعدہ کیا تھا۔ اگر تو اس نے اور اس کی قوم نے اجرت کے لئے جنگ کی ہے تو اس کی اجرت ادا کر دو اور اگر انہوں نے جنگ اللہ تعالیٰ، اس کے دین اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جنگ کی ہے تو پھر وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہیں اسے بھی وہی حصہ ملے گا جو دوسروں کو ملتا ہے۔''

جب یہ خط حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے جریر کو پڑھ کر سنایا۔ اس نے کہا:

''امیر المومنین نے سچ فرمایا۔ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ میں دوسرے مسلمانوں کی طرح حصہ لوں گا ۔!''

3: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا تو فرمایا:

''مجھے صاحب فہم و فراست نہ سمجھنا۔ اگر یہ شخص کاہن نہ ہو تو اسے بلاؤ۔''

جب اسے بلایا گیا تو آپ نے اسی سے پوچھا:

''کیا تم کاہن تھے۔؟''

اس نے اعتراف کیا:

''جی ہاں۔!''

4: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک رات آپ مدینہ کا گشت لگا رہے تھے۔ آپ نے ایک خیمہ میں آگ روشن دیکھی تو فرمایا:

''یا اہل ضوء!''

''روشنی والو!''

اور یہ ناپسند فرمایا کہ انہیں اہل نار (آگ والے) کہیں۔ یہ آپ کی از حد ذہانت کی دلیل ہے۔

5: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ آپ نے کسی شخص سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا:
''کیا وہ موجود ہے۔؟''
اس نے کہا:
''لا أطال الله بقاك''
''نہیں! اللہ تمہاری عمر دراز فرمائے۔''
آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''تم نے یہ کیوں نہیں کہا:
''لا واطال الله بقاك''
حالانکہ تم پڑھے لکھے ہو۔؟''

اہل باطن خیال کرتے ہیں کہ دنیا خدا کے محبوبوں کے لئے ہرگز پاک وصاف نہیں ہوتی، کیونکہ احوال دنیا مکدر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''دار اسست على البلوى بلا بلوى محال''
''دنیا ایسا گھر ہے جس کی بنیاد بلاؤں پر رکھی گئی ہے۔ محال ہے کہ بغیر بلا کے وہ رہ سکے۔''

صوفیاء کرام سادہ کپڑے پہننے اور دین میں صلابت وسختی اختیار کرنے میں آپ کی پیروی کرتے ہیں، اس لئے کہ آپ تمام امور میں سارے جہان کے امام ہیں۔

حدیث: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ باہر کو تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ جانے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھبرائے اور پانی کا لوٹا لے کر پیچھے ہولیے دیکھا تو نبی کریم ﷺ گھاس پر سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دور ہٹ گئے اور آنحضرت ﷺ کے پچھلی طرف بیٹھ گئے۔ جب نبی کریم ﷺ نے سر مبارک اٹھایا تو فرمایا:

((احسنت يا عمر حين وجدتني ساجدا فتنحيت عني ان جبرائيل اتاني فقال من صلى عليك واحدة صلى الله عليه عشرا ورفعه عشر درجات))

''عمر تو نے خوب کیا کہ مجھے سجدہ میں دیکھ کر دور ہٹ رہا۔ جبرائیل میرے پاس آئے تھے اور کہتے تھے: جو آپ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔''

اس حدیث کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی کہہ سکتے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بھی لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانب سند دودرجہ سے ہے۔ اول سیاق سے ظاہر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت حاضر نہ تھے۔ دوسرے قاضی اسمٰعیل نے جو روایت کی ہے اس میں اوس بن حدثان حضرت عمر سے ہی روایت کرتا ہے۔ حضرت انس کا اس میں واسطہ نہیں، لیکن اس دوسری سند پر نظر کرنے سے پہلے سند میں علت معلوم ہوتی ہے، مگر یہ کوئی علت نہیں، کیونکہ سلمہ کا دونوں سے سماع ہے۔

ابو بکر اسماعیلی نے کتاب مسند عمر میں ایک روایت وہ بیان کی ہے جو پہلی حدیث کے موافق ہے، یعنی حضرت انس بن

مالک نے مذکورہ بالا قصہ بیان کیا اور دوسری روایت وہ بیان کی ہے جس میں سلمہ نے اس حدیث کو حضرت مالک بن اوس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دونوں سے سننا بیان کر دیا ہے۔ پھر فضل بن دکین کی وہ سند بیان کی ہے جس میں سلمہ نے دونوں سے سننا ظاہر کر دیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ابن شاہین نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((من صلى على صلوٰة صلى الله بها عشرا فليقلل عبد بعد على من الصلوٰة اوليكثر))

''جو شخص ایک بار مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے' اب اس کے بعد خواہ کوئی درود کم پڑھا کرے یا زیادہ۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ترمذی نے اپنی جامع میں موقوفاً روایت کیا ہے:

((ان الدعآء موقوف بين السماء والارض لا يصعد منه شيء حتى تصلى على نبيك صلى الله عليه وسلم))

''دعا زمین وآسمان کے درمیان ٹھہرا دی جاتی ہے، ذرا بھی اس میں سے اوپر نہیں جا سکتی جب تک نبی ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے۔''

اسمٰعیل نے اس سے اتم طور پر روایت کی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو مسلمان کھلی زمین پر جا کر چاشت کی دو رکعتیں پڑھے اور پھر یوں کہے:

((اللهم اصبح عبدك على عهدك ووعدك خلقتني ولم اك شيئا استغفرك لذنبي فاني قد ارهقتني ذنوبي واحاطت بي الا ان تغفرها فاغفرلي يارحمن الا غفر الله له في ذلك المقعد ذنبه وان كان مثل زبد البحر))

''الٰہی! تیرے بندہ نے صبح کی تیرے عہد اور تیرے وعدہ پر۔ تو نے مجھ کو پیدا کیا اور میں کوئی شے نہ تھا۔ میں تجھ سے اپنے گناہ کی بخشش مانگتا ہوں کیونکہ گناہوں نے مجھ کو دشواری میں ڈال دیا اور گھیر لیا ہے (کوئی راہ نہیں رہی) بجز اس کے کہ تو مجھے بخش دے۔ پس اے رحمٰن! مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ اسی جگہ بیٹھے ہوئے اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ گو وہ کف دریا کے برابر ہوں۔''

ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھ سے ذکر کیا گیا ہے کہ دعا زمین وآسمان کے درمیان ٹھہرا دی جاتی ہے، بلند نہیں ہوتی، جب تک درود ساتھ نہ ہو۔''

ایک روایت اور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اعمال باہم فخر کرتے ہیں اور صدقہ کہتا ہے: میں سب سے افضل ہوں۔

اسماعیلی کا قول ہے کہ صلوٰۃ ضحیٰ اور صدقہ کی احادیث تو موقوف ہیں اور باقی برابر ہیں۔ مطلب یہ کہ نماز اور اعمال کی

احادیث کے مرفوع ہونے کا بھی احتمال ہے اور موقوف کا بھی اور حدیث صحیح تو معاذ بن حارث کی سند سے مرفوع بھی مروی ہوئی ہے، مگر رفع ثابت نہیں ہوا اور موقوف زیادہ قرین قیاس ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھا گیا ہے، اسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے، مگر طبرانی نے لکھ دیا ہے کہ اس سند میں جو عبید اللہ بن عمر ہے اس سے صرف یحییٰ بن ایوب روایت کرتا ہے اور پھر اس سے روایت کرنے میں بھی عمرو بن الربیع بن طارق اکیلا ہے۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں حضرت عامر سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ فرماتے ہوئے سنا۔ آپ فرماتے تھے:

((من صلی علی صلوٰۃ لم تزل الملائکۃ تصلی علیہ ما صلی علی فلیقل عبد من ذلك اولیکثر))

''جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ درود خوانی میں رہتا ہے' اب بندہ کو اختیار ہے کہ کم پڑھے یا زیادہ۔''

اس کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

((من صلی علی صلوٰۃ صلی اللہ علیہ فاکثروا او اقلوا))

''جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر رحمت بھیجتا ہے، پس اب تم زیادہ پڑھو یا کم۔''

مذکورہ بالا دونوں کی حدیث میں کچھ ضعف ہے مگر حدیث کا ان دو مختلف وجوہ سے مروی ہونا دلالت کرتا ہے کہ حدیث کی اصلیت ضرور ہے اور یہ حسن کے درجہ وسطیٰ سے کم نہیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: حضرت ابو مسعود راوی حدیث اور مشہور صحابی ہیں۔ ان کے بارے میں عبد اللہ بن احمد مقدسی ''نسب الانصار'' میں لکھتے ہیں:

''ان کا نام عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ بدری ہے۔ ان کو بدری اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بدر میں اترے یا ٹھہرے تھے۔ جمہور علماء سیر کا اتفاق ہے کہ یہ بدر کے غزوہ میں شریک ہوئے۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ شریک نہیں ہوئے تھے۔ ہاں اس پر اتفاق ہے کہ بیعت عقبہ میں شامل تھے۔ امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو لشکر کشی صفین کے وقت والی کوفہ بنایا تھا۔ عید کے روز ان کو اپنا نائب بنا کر مسجد میں ضعیف لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے بھی چھوڑ جایا کرتے تھے۔ 40ھ یا 70ھ کے بعد انہوں نے وفات پائی۔

میں کہتا ہوں کہ غزوۂ بدر میں ان کے شریک ہونے کا ذکر چار آئمہ نے کیا ہے:

1: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔ 2: ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ۔

3: زہری رحمۃ اللہ علیہ۔ 4: ایک دوسرے اہل علم صاحب حدیث نے۔

حدیث: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے درود شریف کے متعلق جو روایت ہے وہ صحیح ہے۔ امام احمد رضی اللہ عنہ نے روایت میں جو اضافہ کیا ہے اس کے شروع میں ہے:

''ایک آدمی آیا، نبی کریم ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا اور سوال کیا کہ جب ہم نماز میں ہوں تو کس طرح درود پڑھا کریں۔؟ آپ خاموش ہو رہے حتی کہ ہم کہنے لگے:

''کاش! یہ شخص سوال ہی نہ کرتا۔''

پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

((اللھم صل علی محمد النبی الامی و علی اٰل محمد' کما صلیت علی ابراھیم واٰل ابراھیم و بارك علی محمد و علی اٰل محمد کما بارکت علی اٰل ابراھیم فی العالمین انك حمید مجید))

''یا اللہ! امی نبی محمد ﷺ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی' اور حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکت نازل فرمائی جہانوں میں، یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

ابن خزیمہ و حاکم رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اپنی صحیح میں اس اضافے کو روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو شرط مسلم پر بتلایا ہے، مگر یہ حاکم کی سہل نگاری ہے، کیونکہ مسلم نے اصول میں ابن اسحاق سے حجت نہیں لی، بلکہ متابعات و شواہد میں اسے لائے ہیں۔

اس اضافے میں علت یہ بتلائی گئی ہے کہ اس روایت کو صرف ابن اسحاق نے بیان کیا ہے اور وہ دیگر راویوں سے اختلاف کرتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں:

1۔ ابن اسحاق ثقہ ہے اور کسی نے ایسی جرح نہیں کی کہ ترک حجت اس سے ضروری ہو۔ بڑے بڑے آئمہ نے اسے ثقہ کہا اور حفظ و عدالت (یادداشت اور پرہیز گاری کے جملہ اوصاف) کے ساتھ اس کی تعریف کی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ روایت کے لئے یہی دونوں اوصاف نہایت اہم ہیں۔

2۔ ابن اسحاق کی روایت میں تدلیس کا خوف ہوتا ہے، لیکن یہاں محمد بن ابراہیم سے سماعت کی صراحت ہے۔ پس وہ شبہ جاتا رہا۔

سنن میں دار قطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں سب راوی ثقہ ہیں۔ علل میں ہے کہ دار قطنی سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

محمد بن اسحاق تو محمد بن ابراہیم تیمی سے وہ محمد بن عبداللہ بن زید سے' وہ ابو مسعود سے روایت کرتا ہے اور نعیم المجمر نے محمد بن عبداللہ سے روایت کی ہے۔ اختلاف نعیم سے پڑا، کیونکہ مالک بن انس (اور علی ہذا قعنبی و معن واصحاب عطاء) تو نعیم سے اور نعیم' محمد سے اور محمد' ابو مسعود سے روایت کرتے ہیں اور حماد بن مسعدہ نعیم سے اور نعیم محمد بن زید سے اور زید اپنے باپ سے کہتا ہے، مگر یہ وہم ہے۔ داؤد بن قیس بن زید سے اور زید اپنے باپ سے کہتا ہے۔ مگر یہ وہم ہے۔ داؤد بن قیس الفراء

نعیم سے اور نعیم' ابو ہریرہ سے کہتا ہے۔اس میں روایت مالک کا اختلاف ہے۔مگر روایت مالک زیادہ درست ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس اضافے میں اختلاف ابن اسحاق سے ہوا ہے، کیونکہ ابراہیم بن سعد تو ابن اسحاق سے اضافے کے ساتھ روایت کرتا ہے اور زہیر بن معاویہ اسی سے بغیر اضافے کے۔عبد بن حمید نے مسند میں احمد بن یونس سے طبرانی نے معجم میں زہیر سے جو روایت کی ہے۔وہ بھی بغیر اضافے کے ہے۔واللہ اعلم۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: آپ یمن کے قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے ہیں۔زمانہ جاہلیت میں ان کا نام عبد شمس تھا مگر جب 7 ہجری میں جنگ خیبر کے بعد یہ مسلمان ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبد الرحمٰن رکھ دیا۔ایک دن ان کے پہلو میں بلی دیکھی تو ان کو یا اباہریرۃ (اے بلی کے باپ) کہہ کر پکارا۔اسی دن سے ان کی یہ کنیت اس قدر مشہور ہوگئی کہ لوگ ان کا اصلی نام ہی بھول گئے۔

آپ بہت ہی عبادت گزار اور انتہائی متقی و پرہیز گار تھے۔حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روزانہ ایک ہزار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔آٹھ سو صحابہ و تابعین آپ کے شاگرد ہیں۔آپ نے پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث روایت کیں،جن میں سے چار سو چھیالیس بخاری شریف میں موجود ہیں اور باقی دیگر کتب احادیث میں۔59 ہجری میں 78 سال کی عمر پا کر مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

درود شریف کے متعلق احادیث: صلوۃ وسلام کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو ابن مندہ نے نقل کیا ہے۔اس روایت کو محمد بن اسحاق السراج نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔فرمایا: کہا کرو:

((اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد وبارك علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت وبارکت علیٰ ابراھیم وال ابراھیم فی العالمین انك حمید مجید))

''یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما اور برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے رحمت اور برکت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر جہانوں میں' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

رہا سلام وہ تم جانتے ہی ہو۔

یہ اسناد صحیح اور شرط شیخین (بخاری ومسلم) پر ہے۔اسے ابن مندہ نے روایت کیا ہے۔

امام شافعی نے حدیث ابو ہریرہ یوں روایت کی ہے،سوال کے جواب میں فرمایا کہو:

((اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد' کماصلیت علی ابراھیم وبارك علی محمد وال محمد کما بارکت علی ابراھیم ثم تسلمون علی))

''یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی اور برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ

السلام پر۔ پھر مجھ پر (السلام علیك ایھا النبی و رحمة الله و بر کاته کے الفاظ سے) سلام کہو۔"
ابراہیم جس سے یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں ابن ابی یحییٰ اسلمی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی کمی بیشی و فروگذاشت پر بھی اس سے حجت پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں:
"ابراہیم (روای) کا آسمان سے گرایا جانا اس کے جھٹلانے سے مجھے گوارا تر ہے۔"
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اشخاص نے اس پر بحث کی ہے اور ضعف و ترک کا اشارہ کیا ہے۔ اور امام مالک احمد و یحییٰ بن معین و نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے کذب کی صراحت کی ہے۔
حافظ ابن عقدہ کہتے ہیں:
"میں نے ابراہیم بن ابی یحییٰ کی حدیث پر بہت غور کیا، وہ منکر الحدیث نہیں۔"
ابو احمد بن عدی بھی اس قول سے اتفاق کر کے کہتے ہیں:
"میں نے ابراہیم کی بہت سی حدیثوں پر نظر ڈالی ان میں کوئی منکر نہیں۔ ہاں شیوخ مجہول ہیں تو یہ ضعف ان میں اور ان کی جہت سے ہے۔"
ابن عدی کہتے ہیں:
"ابراہیم کی احادیث پر میں نے غور کیا، تفتیش کی نظر دوڑائی لیکن ان میں کوئی منکر نہیں۔"
محمد بن سعید اصبہانی بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ابراہیم کی توثیق کرتے ہیں۔
واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ پر درود کی احادیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور بھی ہیں۔ ایک وہ ہے جسے عشاری نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((من صلی علی عند قبری و کل اللہ بہ ملکاً یبلغنی و کفی امر دنیاہ و اٰخرتہ و کنت لہ یوم القیامة شهیدًا و شفیعاً))
"جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو مجھے پہنچا دیتا ہے۔ اور (درود کا پڑھنا) اس شخص کے دنیا و آخرت کے کام کو کفایت دیتا ہے۔ اور میں قیامت کے دن اس کا شہید و شفیع ہوں گا۔"
اس حدیث میں محمد بن موسیٰ جو راوی ہے وہ محمد بن یونس بن موسیٰ کدیمی ہے جو متروک الحدیث ہے۔
ایک حدیث صالح مولیٰ توامہ کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((ماجلس قوم مجلساً فلم یذکروا اللہ ولم یصلوا علی نبیه صلی اللہ علیه وسلم الا کان مجلسهم علیهم ترة یوم القیامة ان شاء عفا عنهم و ان شاء اخذهم))
"کسی مجلس میں کوئی قوم ایسی نہیں بیٹھتی جو اللہ کا ذکر اور نبی پر صلوٰۃ نہ پڑھے، مگر یہ کہ وہ مجلس ان کے لیے قیامت کو حسرت ہو گی۔ اللہ چاہے ان کو معاف کرے چاہے ان کو پکڑے۔"
امام ترمذی نے اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا اور حسن بتلایا ہے۔ پھر ایک اور سند سے بھی روایت کیا۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے کتاب فضل الصلوٰۃ میں اور ابوداؤد و نسائی نے سنن میں ابن حبان نے صحیح میں اس کو روایت کیا ہے۔ ابن حبان کی

شرط سند مسلم پر ہے۔

ابن حبان نے دوسری سند کے ساتھ یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

((ماقعد قوم مقعدا لا یذکرون اللہ فیه ویصلون علی النبی صلی اللہ علیه وسلم الا کان علیهم حسرة یوم القیامة وان دخلوا الجنة للثواب))

''جس مجلس میں اللہ کا ذکر اور نبی پر صلوٰۃ نہیں ہوا وہ ان لوگوں کے لیے قیامت کو حسرت کا سبب ہوگی۔ گو وہ ثواب کے لیے جنت میں ہی داخل ہو جائیں۔''

یہ سند شرط شیخین پر ہے۔ حاکم نے اپنی سند کے ساتھ اس کو روایت کر کے سند کو شرط بخاری پر بتلایا ہے، مگر اس میں شبہ کا امکان ہے کیونکہ ابراہیم بن حسن بن یزید کی روایت آدم بن ابی ایاس سے ہے اور یہ ضعیف ہے۔ اس پر بحث کی گئی ہے اور علت اس میں یہ ہے کہ ابو اسحاق فزاری اعمش سے، وہ ابو صالح سے، وہ حضرت ابو ہریرہ سے موقوفاً روایت کرتا ہے۔

شعبہ رحمۃ اللہ علیہ صالح مولیٰ التوامہ سے روایت نہیں کرتے تھے بلکہ اوروں کو بھی منع کرتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''وہ ثقہ نہیں اس سے کچھ نہ لیا جائے۔''

یحییٰ کہتے ہیں:

''وہ حدیث میں قوی نہیں۔ ثقہ نہیں۔''

سعدی کا قول ہے:

''تغیر (ذہنی کیفیت بہتر نہ رہی تھی) ہو گیا تھا۔''

نسائی کہتے ہیں:

''ضعف ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ صالح کے بارے میں حفاظ کے تین قول ہیں۔ تیسرا قول سب میں بہتر ہے۔ یعنی فی نفسہ تو وہ ثقہ ہے، مگر آخر عمر میں اسے تغیر ہو گیا تھا۔ اس لیے جس نے اس سے ابتدائی عمر میں روایت کی وہ صحیح اور جس نے آخر عمر میں یعنی اختلاط کے بعد سنا اس میں کچھ ضعف و نقص موجود ہے۔

ابن ابی ذئب، ابن جریج، زیاد بن سعد نے تو اس سے بہت پہلے سنا ہے اور مالک اور ثوری نے اسے اختلاط کی حالت میں پایا ہے۔ یہ فیصلہ امام احمد کا ہے، کیونکہ ان کا قول ہے:

''جس نے اس سے بہت پہلے سنا ہے اس میں کچھ ڈر نہیں۔''

واضح ہو کہ اسی حدیث کو سلیمان بن بلال نے بھی سہیل سے وہ اپنے باپ سے اور اس نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، مگر اس میں نبی کریم ﷺ پر درود کا ذکر نہیں ہے۔ ابن ابی اویس جو عبدالعزیز بن ابی حازم سے روایت کرتا ہے اور وہ سہیل ہے، اس نے بھی سلیمان بن بلال کی ہی متابعت کی ہے۔

ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ کی وہ ہے جسے اسمٰعیل نے کتاب الصلوٰۃ میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((صلوا علی فان صلاتکم علی زکوٰۃ لکم قال واسئلوا اللہ لی الوسیلۃ قال فاما حدثنا واما سالنا قال الوسیلۃ اعلی درجۃ فی الجنۃ لاینالھا الا رجل اورجوان اکون ذلک الرجل))

''مجھ پر درود بھیجو، تمہارا درود پڑھنا تمہارے لیے ستھرائی اور پاکیزگی ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا کرو۔ (پھر خود ہی یا ہمارے سوال کرنے پر فرمایا:) وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جو صرف ایک کو ہی ملے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں گا۔''

ابن ابی شیبہ نے بھی اس کو مسند میں روایت کیا ہے۔

اسمٰعیل نے ایک یہ حدیث بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صلو اعلی انبیاء اللہ ورسلہ فان اللہ بعثھم کما بعثنی))

''اللہ کے نبیوں اور رسولوں پر درود بھیجا کرو کیونکہ ان کو بھی اللہ نے مبعوث کیا تھا جیسا مجھے کیا ہے۔''

((صلوات وسلام علیھم اجمعین))

میں کہتا ہوں کہ سعید بن زید جو اس حدیث کا راوی ہے، حماد بن سعید کا بھائی ہے۔ یحیٰی بن زید نے اس حدیث کو ''بہت ضعیف'' کہا۔

سعدی نے کہا: ''یہ حجت ہے اور اس کی حدیث ضعیف ہے۔''

نسائی نے کہا: ''قوی نہیں۔''

مگر مسلم نے اس سے روایت کی ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں اچھا قول ''لیس بہ باس'' کہا ہے۔

یحیٰی بن معین اور بخاری نے اس کو ثقہ کہا ہے۔

رہے عمرو بن ہارون اور موسیٰ بن عبیدہ اور محمد بن ثابت جو اسی حدیث کے راوی ہیں، حجت نہیں۔

مگر اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں۔ اور ایسی حدیث استشہاد (شاہد بننے) کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ ہے جسے امام ترمذی نے روایت کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((رغم انف رجل ذکرت عندفلم یصل علی ورغم انف رجل دخل علیہ رمضان ثم انسلخ قبل ان یغفر لہ ورغم انف رجل ادرک عندہ ابواہ الکبر فلم یدخلاہ الجنۃ))

''ذلیل ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور اس نے درود نہ پڑھا، ذلیل ہو وہ شخص جس نے رمضان پایا اور مہینہ ختم ہو گیا اور وہ بخشا نہ گیا، ذلیل ہو وہ شخص جس نے بڑھاپے میں اپنے ماں باپ کو پایا اور انہوں نے جنت میں اسے داخل نہ کرا دیا۔''

امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس باب میں حضرت جابرؓ وانسؓ سے بھی حدیث ہے۔اور یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔اور ربعی بن ابراہیم راوی اسمعیل بن ابراہیم کا بھائی اور ثقہ ہے۔اور یہی ابن علیہ ہے۔

بعض اہل علم سے مروی ہے:

((اذاصلی الرجل علی النبی ﷺ مرة فی المجلس اجزأ عنه ما کان فی ذلك المجلس))

''جب کوئی شخص کسی مجلس میں نبی کریم ﷺ پر ایک دفعہ درود پڑھ دے تو جو کچھ اس مجلس میں ہوا اس کے لیے کفارہ ہے۔''

حدیث بالا (رغم انف) امام حاکم نے مستدرک میں بھی روایت کی ہے۔عبدالرحمٰن بن اسحاق جو ترمذی کی حدیث بالا کا راوی ہے، امام مسلم نے اس سے حجت پکڑی ہے اور امام احمد نے اسے صالح الحدیث کہا ہے۔مگر بعض نے اس پر شبہ کیا ہے۔امام ابوداؤد نے ''ثقہ اور قدری المذہب'' کہا ہے۔

قاضی اسمٰعیل بن اسحاق نے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے:

((ان رسول اللہ ﷺ رقی المنبر فقال آمین آمین آمین فقیل له یارسول اللہ ما کنت تصنع هذا فقال قال لی جبریل رغم انف رجل دخل علیه رمضان ولم یغفر له فقلت آمین ثم قال رغم انف عبد ادرك ابویه او احدهما الکبر لم یدخل الجنة ثم قال رغم انف عبد ذکرت عنده فلم یصل علیك فقلت آمین))

''رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے تو آپ نے تین مرتبہ آمین کہا، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے آپ سے جو آج سنا ہے وہ پہلے نہ سنا تھا؟ آپ نے فرمایا: جبریل کہہ رہا تھا کہ ذلیل ہو وہ شخص جس نے رمضان پایا اور مہینہ ختم ہو گیا اور وہ بخشا نہ گیا تو میں نے کہا: آمین! پھر جبریل نے کہا: ذلیل ہو وہ شخص جس نے بڑھاپے میں اپنے ماں باپ کو پایا اور انہوں نے اسے جنت میں داخل نہ کروایا' پھر کہا: ذلیل ہو وہ شخص کہ جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے درود نہ پڑھا تو میں نے کہا: آمین۔''

کثیر بن زید جو اس حدیث میں ہے، ابن حبان نے اس کی توثیق کر دی اور ابوزرعہ نے اسے صدوق کہا ہے۔گو بعض نے اس پر شبہ بھی کیا ہے۔

ابن حبان نے اسی حدیث کو محمد بن عمرو سے اور انہوں نے ابوسلمہ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔اور اس میں یہ ہے:

((ومن ذکرت عنده فلم یصل فمات فدخل النار فابعده اللہ قل آمین قلت آمین))

''جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے درود نہ پڑھا' پھر وہ مر گیا اور دوزخ میں گیا' اور اللہ نے اسے دور کر دیا۔کہیے آمین' میں نے کہا: آمین۔''

محمد بن عمرو جو اس حدیث میں راوی ہے' بخاری و مسلم نے متابعات میں اس کی حدیث لی ہے۔ابن معین نے اس کی توثیق اور ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔حدیث میں جو (رغم) کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ذلیل لکھا گیا ہے، یہ غین کے نیچے زیر

کے ساتھ ہے، ناک کا خاک آلودہ ہونا، اس کا لفظی ترجمہ ہے۔ ابن اعرابی غین پر زبر کہتا ہے اور معنی ذلیل ہونا۔

ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ ہے جسے امام مسلم نے صحیح میں روایت کیا ہے، فرمایا:

((من صلی علی واحدة صلی اللہ علیه عشرا))

''جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔''

اس کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور صحیح میں ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے حسن صحیح کہا۔ ابن حبان نے روایت کیا ہے:

((من صلی علی مرة واحدة کتب له بها عشر حسنات))

''ایک درود کے عوض دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کو ابن خزیمہ نے صحیح میں روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اذادخل احد کم المسجدفلیسلم علی النبی صلی اللہ علیه وسلم فلیقل اللهم افتح لی ابواب رحمتك فاذا خرج فلیسلم علی النبی صلی اللہ علیه وسلم ولیقل اللهم اجرنی من الشیطان))

''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور اللهم افتح لی ابواب رحمتك پڑھے۔ اور مسجد سے جاتے وقت نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور اللهم اجرنی من الشیطان کہے۔''

اس کو شیخ ابن حبان نے بھی صحیح میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے حسین بن احمد صاحب جزء المعروف نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لاتجعلوا بیوتکم قبورا ولا تجعلوا قبری عیدا وصلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث ماکنتم))

''تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (ان میں نوافل وغیرہ پڑھا کرو) اور میری قبر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے خواہ تم کسی جگہ ہو۔''

ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ ہے جسے مسلم بن ابرہیم۔ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((ان للہ سیارة من الملائکة اذا مروا بحلق الذکر قال بعضهم لبعض اقعدوا فاذا دعی القوم امنوا علی دعائهم فاذا صلو علی النبی صلی اللہ علیه وسلم صلوا معهم یفرغوا ثم یقول بعضهم لبعض طوبی لهؤلاء یرجعون مغفورالهم))

''کچھ ملائکہ ایسے ہیں جو پھرتے رہتے ہیں، جب وہ ذکر کے حلقوں میں پہنچتے ہیں تو باہم کہتے ہیں: بیٹھ جاؤ۔ جب مجلس والے دعا مانگتے ہیں تو یہ آمین کہتے ہیں اور جب درود پڑھتے ہیں تو یہ بھی درود پڑھتے ہیں۔ جب

وہ فارغ ہو جاتے ہیں تو فرشتے آپس میں کہتے ہیں: یہ کیسے خوش نصیب ہیں کہ اپنے گھروں کو اس حالت میں لوٹتے ہیں کہ اللہ نے ان کو بخش دیا ہے۔"

اس حدیث کو ابوسعید القاص نے فوائد میں روایت کیا ہے۔

ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ ہے جسے امام احمد وابوداؤد نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مامن مسلم یسلم علی الا رد اللہ الی روحی حتی ارد الیه السلام))

"جو مسلمان مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یزید بن عبداللہ نے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہا:
"میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کوئی حدیث سنی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ان کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔"

اس لیے یہ حدیث ضعیف ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سننے کے بارے میں تامل ہے۔
ابوالشیخ نے کتاب الصلوٰۃ میں حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ فرمایا:

((من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید اعلمته))

"جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے میں اسے سن لیتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ مجھے معلوم کرا دیا جاتا ہے۔"

یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ابونعیم نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مامن مسلم یسلم علی فی شرق ولا فی غرب الا انا وملئکة ربی نرد علیه السلام فقال قائل یارسول اللہ مابال اهل المدینة قال وما یقال لکریم فی جیرته وجیرانه انه مما امر به من حفظ الجوار وحفظ الجیران))

"مشرق ومغرب میں جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو میں اور میرے رب کے فرشتے اس پر سلام کا جواب لوٹاتے ہیں تو ایک کہنے والے نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مدینے والوں کا حال ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اچھے شریف کے متعلق اس کی ہمسائیگی اور ہمسایہ کے بارے میں کیا کہا جاتا ہے؟ یہی نا کہ پڑوس اور پڑوسی کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔"

حافظ محمد بن عثمان کہتے ہیں کہ اس حدیث کو عمری نے وضع کیا ہے۔ بے شک حافظ کا یہ قول صحیح ہے۔ اس حدیث کے لیے یہ سند جو بیان کی گئی ہے، نہیں ہو سکتی۔

حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو حسن بن شاذان نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

صحابہ کرام نے عرض کیا: سلام تو آپ پر کرنے کو ہم جان گئے۔ درود کی کیفیت کیا ہے۔؟ فرمایا: کہا کرو:

((اللھم اجعل صلواتك ورحمتك علی محمد وعلی ال محمد کما جعلتہا علی ابراھیم انك حمید مجید))

''یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

ابوداؤد جو حضرت بریدہ سے روایت کرتے ہیں' یہ نفیع بن حارث الاعمی ہے گویہ متروک اور مطرح الحدیث (بنفسہ قابل التفات ہیں) ہے مگر اس کی روایت کو شواہد میں لانے سے کچھ نقصان نہیں۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو طبرانی نے معجم میں اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لاصلوٰۃ لمن لا وضوء له وضوء لمن لم یذکر اسم علیه ولا صلوٰۃ لمن لم یصل علی النبی ﷺ ولاصلوٰۃ لمن لم یحب الانصار))

''جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں' اور جو بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں' اور جو نبی ﷺ پر درود نہ پڑھے اس کی نماز نہیں' اور جو انصار سے محبت نہیں رکھتا' اس کا درود نہیں۔''

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی عبدالمہیمن بن عباس سے جو ابی بن عباس کا بھائی ہے، روایت کیا ہے۔ ابی بن عباس سے امام بخاری نے صحیح میں حجت پکڑی ہے مگر امام احمد و یحییٰ بن معین نے اسے ضعیف بتلایا ہے۔ رہا عبدالمہیمن تو اس کے اور اس کی حدیث کے ترک پر تو اتفاق ہے۔ اگر یہ صورت ہو کہ عبدالمہیمن نے اپنے بھائی سے یہ حدیث چرا کر بیان کی ہے تو اس کی حدیث میں کچھ ضرر نہیں اور حدیث کا درجہ حسن سے کم نہیں۔ گو نیچے کے راویوں نے عبدالمہیمن اور اس کے بھائی ابی میں غلطی کھائی ہو جیسا کہ شبہ ہوتا ہے۔ غرض یہ حدیث عبدالمہیمن کی جانب سے معروف ہے اور یہی اس میں قوی دلیل ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سند کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''میرے مادر و پدر آپ پر نثار ہو جائیں! آج تو چہرہ مبارک پر سرور نمایاں ہے۔''

فرمایا: ہاں۔ میرے پاس ابھی جبریل آئے تھے۔ آ کر کہا:

''یا محمد! جو آپ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا' دس گناہ معاف کرے گا اور دس درجے بلند فرمائے گا۔''

ابن حبیب راوی کہتے ہیں:

''میں جانتا ہوں کہ ابوحازم نے یہ بھی کہا کہ فرشتے اس کے لیے دس دفعہ دعائے رحمت کرتے ہیں۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی درود شریف کے متعلق حدیث کو حاکم نے مستدرک میں اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اذاتشهداحدکم فی الصلوٰة فلیقل اللهم صل علی محمد وعلی اٰل محمد کما صلیت وبارکت وترحمت علی ابراهیم واٰل ابراهیم انك حمید مجید))

''جب تم نماز میں تشہد پڑھو تو کہا کرو: یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت اور برکت اور رحم نازل فرمایا' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ مگر یہ تصحیح بھی بظاہر قابل غور ہے کیونکہ یحییٰ بن سباق اور اس کا شیخ عدالت وجرح (توثیق اور عدم توثیق) میں غیر معروف ہیں۔

امام بیہقی نے بھی سنن میں اس کو اسی طرح روایت کیا ہے اور ابن حبان نے یحییٰ بن سباق کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے۔

ایک حدیث وہ ہے جسے دار قطنی نے اپنی سند کے ساتھ ابن ابی لیلیٰ یا ابو معمر سے روایت کیا ہے کہ مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تشہد سکھلایا وہ کہتے تھے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھلایا ہے جیسا کہ آپ ہم کو قرآن سکھلایا کرتے تھے:

((التحیات للّٰه والصلوات والطیبات السلام علیك ایها النبی ورحمة اللّٰه وبرکاته السلام علینا وعلی عباد اللّٰه الصالحین' اشهدان لااله الااللّٰه' واشهدان محمداعبده ورسوله اللهم صل علی محمد وعلیٰ اهل بیت محمد کما صلیت علی ابراهیم ان حمید مجید اللهم صل علینا معهم اللهم بارك علی محمد وعلی اهل بیته کما بارکت علی اٰل ابراهیم انك حمید مجید اللهم بارك علینا معهم صلوات اللّٰه وصلوات المومنین علی محمد النبی الامی السلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته))

''میری تمام قولی' بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ کے لئے خاص ہیں۔ اے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت' سلامتی اور برکات ہوں اور ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کے اہل بیت پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ یا اللہ! ان کے ساتھ ہم پر بھی رحمت نازل فرما۔ اے اللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کے اہل بیت پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ یا اللہ! ان کے

ساتھ ہم پر بھی برکت نازل فرما۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور مومنوں کی دعائیں ہوں اُمی محمد ﷺ پر سلامتی ہو تم پر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔"

راوی کہتا ہے کہ مجاہد کہتے تھے کہ جب نمازی نے "علی عباداللہ الصالحین" کہا تو تمام زمین و آسمان والوں کو سلام کر دیا۔

اس حدیث میں علت یہ ہے کہ اس میں عبدالوہاب بن مجاہد راوی ہے جسے یحییٰ بن معین و دارقطنی وغیرہ نے ضعیف بتلایا ہے۔

حاکم کہتے ہیں کہ عبدالوہاب اپنے باپ سے بہت سی احادیث موضوعہ روایت کرتا ہے۔

دوسری علت اس میں یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد محفوظ ہے جو اشھد ان محمد أعبدہ ورسولہ تک ہے۔ اور پھر ان سے موقوف و مرفوع طریق پر یہ بھی روایت ہے کہ اتنا پڑھنے سے نماز پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد خواہ تو کھڑا ہو جا خواہ بیٹھا رہ۔ (واضح ہو کہ اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ قریب قیاس ہے۔)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے محمد بن حمدان المروزی نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((من لم یصل علی فلادین له))

"جو مجھ پر درود نہیں پڑھتا اس کا دین نہیں۔"

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اسناد کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان اولی الناس بی یوم القیامة اکثرھم علی صلوٰة))

"قیامت کے دن سب لوگوں سے مقدم اور اولیٰ مجھے وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود پڑھتا ہوگا۔"

امام ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔ ابن حبان نے صحیح میں، بزار نے مسند میں، اور بغوی نے بھی اس کو اپنی اپنی سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا کرو تو اسے سنوار لیا کرو، شاید وہی آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا جائے۔ لوگوں نے کہا: ہم کو سکھلا دیجئے۔ کہا: یوں پڑھا کرو:

((اللھم اجعل صلاتك ورحمتك وبركاتك علی سیدالمرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدك ورسولك امام الخیر وقائد الخیر ورسول الرحمة اللھم ابعثه مقامامحمودا یغبطه به الاولون والاخرون اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد كما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انك حمید مجید اللھم بارك علی محمد وعلی ال محمد كما باركت علی ابراھیم وعلی ال

ابراهيم انك حميد مجيد))

''یا اللہ! رسول رحمت' قائد خیر' امام الخیر' خاتم النبیین' امام المتقین' سید المرسلین اپنے رسول اور بندے حضرت محمد ﷺ پر اپنی رحمتیں' شفقتیں' برکتیں نازل فرما۔ یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کو مقام محمود عنایت فرما جس کی تمام لوگ تمنا کرتے ہیں۔ یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے اور برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نسائی میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان لله ملائكة سياحين يبلغون عن اُمتى السلام))

''کچھ فرشتے ایسے ہیں جو پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ کو پہنچا دیتے ہیں۔''

اس کی اسناد صحیح ہیں اور ابن حبان نے بھی صحیح میں اپنی سند سے اس کو روایت کیا ہے۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام احمد نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو سنا جو نماز میں دعا مانگتا تھا۔ وہ اللہ کی حمد کرتا تھا نہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس نے جلدی کی۔ پھر اسے بلایا پھر اسی کو یا اور کو (مخاطب کر کے) فرمایا:

((اذاصلى احدكم فليبدء بتحميد ربه والثناء عليه ثم يصلى على النبى صلى الله عليه وسلم ثم يدعو بعد بما شاء))

''جب تم نماز پڑھو' پہلے حمد وثناء کرو پھر نبی ﷺ پر درود بھیجو پھر جو چاہو دعا مانگو۔''

امام ابوداؤد کے بھی یہی لفظ ہیں۔ امام نسائی' ابن خزیمہ وابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: کعب بن عجرہ انصاری سلمی رضی اللہ عنہ صحابی اور راوی حدیث ہیں۔ ان کی کنیت ابواسحاق ہے۔ ان کا شمار بنی سالم میں ہوتا ہے۔ یہ عمرو بن عوف قوقل کے بھائی ہیں۔ عمرو بن عوف صاحب مال ومنال شخص تھا۔ جب کوئی خوف اور ڈر کا مارا اس کے پاس پناہ کے لیے آتا تو وہ کہا کرتا:

((قوقل حيث شئت))

''اترو اور امن سے رہو۔''

کثرت استعمال سے وہ خود قوقل اور ان کی اولاد قواقلہ مشہور ہوگئی۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''حضرت کعب بن عجرہ بن امیہ بن عدی بن عبید اللہ بن الحارث البلوی ہیں' یہ بنی سواد میں سے ہیں اور انصار کے حلیف ہیں۔ بعض کہتے ہیں' بنی حارثہ کے حلیف۔ بعض کہتے ہیں: بنی سالم (جو انصار میں سے ہے) کے حلیف۔''

واقدی کہتے ہیں:

''یہ انصار کے حلیف نہیں' بلکہ ان میں سے ہیں۔''

علامہ ابن سعد کہتے ہیں:

میں نے انصار میں ان کا نام ڈھونڈا نہ ملا۔ ان کی کنیت ابومحمد ہے۔ اور آیت:

(ففدية من صيام او صدقة او نسك) (البقرۃ: 196/2)

ان کیلئے اتری تھی۔ یہ کوفہ بھی گئے تھے۔ ان کی وفات مدینہ منورہ میں 51ھ یا 52ھ یا 53ھ میں 75 سال کی عمر میں ہوئی۔ اہل مدینہ اور کوفہ نے ان سے روایت کی ہے۔

درود شریف کے متعلق حدیث: حضرت کعب بن عجرہ کی درود شریف کے متعلق حدیث کو اہل صحاح و اصحاب سنن و مسانید نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے۔ الحمدللہ! اس حدیث میں کچھ شبہ نہیں۔ صحیحین کے لفظ ابن ابی لیلیٰ سے یہ ہیں:

''مجھے کعب بن عجرہ ملے۔ کہا: میں تم کو ایک تحفہ دوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، ہم نے عرض کیا کہ حضور پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہم جان چکے ہیں۔ فرمایئے صلوٰۃ کس طرح بھیجیں۔ فرمایا: کہا کرو:

((اللهم صل علىٰ محمد وعلىٰ اٰل محمد كما صليت على اٰل ابراهيم انك حميد مجيد' اللهم بارك على محمد وعلى اٰل محمد كما باركت على اٰل ابراهيم انك حميد مجيد))

''یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے اور حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

حضرت کعب بن عجرہ کی وہ روایت جسے مستدرک میں حاکم نے اپنی اسناد سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حاضر ہو جاؤ۔ ہم حاضر ہو گئے۔ جب نبی اکرم ﷺ نے منبر کے پہلے زینہ پر قدم رکھا تو آمین کہا۔ پھر دوسرے زینے پر قدم رکھا تو آمین کہا۔ پھر تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو آمین کہا۔ جب فارغ ہوئے تو منبر سے اترے۔ ہم نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! ہم نے آپ سے جو آج سنا وہ پہلے نہ سنا تھا۔''

فرمایا:

''جبرائیل میرے سامنے آئے اور کہا: جس نے ماہ رمضان پایا اور وہ بخشا نہ گیا وہ (رحمت سے) دور ہے۔ میں نے کہا: آمین۔ میں نے دوسرے زینے میں قدم رکھا تو جبریل نے کہا: جس شخص کے سامنے آپ کا نام لیا

جائے اور وہ درود نہ پڑھے وہ بھی (رحمت سے) دور۔ میں نے کہا: آمین۔ میں نے تیسرے زینے پر قدم رکھا ۔ جبریل نے کہا: جس نے والدین کو یا دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور جنت میں داخل نہ ہوا وہ بھی (رحمت سے) دور۔ میں نے کہا۔ آمین۔"

حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

زید بن خارجہ یا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی حدیث:

حالات حضرت زیدبن خارجہ/حارثہ: یہ انصاری صحابی ہیں اوران کا وطن مدینہ منورہ ہے۔انہوں نے قبیلہ بنی حارث بنی خزرج میں سکونت اختیار کی۔ یہ بہت ہی پرہیز گار اور عبادت گزار صحابی ہیں۔امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران انہوں نے دنیا سے رحلت کی۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بنی سلمہ میں سے ہیں اوران کا نسب یوں ہے۔ زید بن ثابط بن ضحاک بن حارثہ بن زید بن ثعلبہ۔ انہی کو ابن خارجہ الخزرجی الانصاری کہتے ہیں۔ یہ بیان تو ابن مندہ کا الصحابہ میں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زید بن خارجہ ابن ابی زہیر الانصاری الخزرجی ہیں۔ بدر میں شامل ہوئے اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے وفات کے بعد بھی گفتگو کی تھی جیسا کہ ابونعیم وابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہما نے لکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد از مرگ کلام کرنے والے خارجہ بن زید تھے۔ مگر قول اول صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

درود شریف کے متعلق حدیث: حضرت ابن خارجہ کی درود شریف کے متعلق حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ پر صلوٰۃ کی کیا کیفیت ہے۔؟ فرمایا: درود بھیجو اور اس میں جہد و کوشش کرو اور یوں کہو:

((اللھم بارك علی محمدوعلی ال محمد کما بارکت علی ال ابراھیم انك حمید مجید))

"یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکت نازل فرمائی، یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

امام نسائی و اسمٰعیل بن اسحاق و حافظ ابوعبداللہ بن مندہ نے بھی اس کو اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: حضرت ابن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دس سال بعد خاندان قریش میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اسی طرح ہوئی جس طرح سرداران قریش کے بچوں کی ہوا کرتی تھی۔

ان کے اسلام لانے کا سبب یہ ہوا کہ یمن کے ایک بوڑھے عیسائی راہب نے ان کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر دی اور یہ بتایا کہ وہ نبی مکہ میں پیدا ہوگا اور مدینہ کو ہجرت کرے گا۔ جب یہ یمن سے لوٹ کر مکہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ یہ ایک دن بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے

اور اسلام قبول کرلیا۔ آپ سے پہلے چند ہی آدمی مسلمان ہوئے تھے۔
چونکہ مسلمان ہوتے ہی آپ کے گھر والوں نے آپ پر ظلم وستم شروع کر دیا اس لیے آپ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ پھر حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس آئے اور اپنا سارا مال واسباب چھوڑ کر بالکل خالی ہاتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔
مدینہ منورہ پہنچ کر آپ نے بازار کا رخ کیا اور چند ہی دنوں میں آپ کی تجارت میں اس قدر خیر وبرکت ہوئی کہ آپ کا شمار دولت مندوں میں ہونے لگا۔ آپ نے قبیلہ انصار کی ایک خاتون سے نکاح فرمایا۔
تمام غزوات میں اپنے مال وجان کے ساتھ شرکت کی۔ جنگ احد میں ایسی جانبازی اور سرفروشی کے ساتھ کفار سے لڑے کہ بدن پر اکیس زخم لگے، آپ کے پاؤں میں ایک گہرا زخم لگا جس کی وجہ سے ساری زندگی ٹانگ کو جھکا کر چلا کرتے تھے۔
آپ بڑے سخی تھے۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنا سات سو اونٹوں پر مشتمل تجارتی قافلہ مع سامان اور اونٹوں کے اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو صدقہ دینے کو فرمایا تو آپ نے چار ہزار درہم، دوسری مرتبہ چالیس ہزار درہم اور تیسری مرتبہ پچاس ہزار دیناروں کا صدقہ کیا۔ وفات کے وقت جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے اپنے مال سے چار چار سو دینار دینے کی وصیت فرمائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر امہات المومنین کے لیے ایک باغ وقف فرمایا جو چالیس ہزار درہم کی مالیت کا تھا۔ (مشکوۃ المصابیح، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 567)
32 ہجری میں کچھ دنوں بیمار رہ کر 72 سال کی عمر میں وصال فرمایا اور مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (کنز العمال، جلد نمبر 15، صفحہ نمبر 204) (اکمال فی اسماء الرجال، صفحہ نمبر 603)

درود شریف کے متعلق حدیث: حضرت ابن عوف کی درود شریف کے متعلق حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے گئے، میں آپ کے پیچھے ہولیا۔ آپ نخلستان میں داخل ہوئے، وہاں آپ نے ایک لمبا سجدہ کیا۔ حتی کہ مجھے یہ اندیشہ ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ نے وفات دے دی۔ میں دیکھنے کے لیے آگے بڑھا۔ آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:
”عبدالرحمٰن تجھے کیا ہو گیا۔؟“
میں نے اپنا اندیشہ عرض کیا، فرمایا:
((ان جبرائیل قال لی الا ابشرك ان اللہ عزوجل یقول من صلی علیك صلیت علیه ومن سلم علیك سلمت علیه))
”جبریل نے مجھ سے کہا: کیا میں آپ کو خوشخبری نہ سناؤں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر رحمت بھیجوں گا جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلامتی بھیجوں گا۔“
دوسری سند میں اتنا زیادہ ہے:
((فسجدت للہ شکرا))
”میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ شکر ادا کیا۔“

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ روایت کر کے صحیح الاسناد بتلایا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور اسے طول کیا۔ میں نے اس بارے میں عرض کیا تو فرمایا:

((انی سجدت هذه السجدة شكرا لله عزوجل فيما ابلانی فی امتی فانه من صلی علی صلوٰة صلی الله علیه بها عشرا))

''میں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ سجدہ شکر کیا تھا کہ اس نے میری امت کے بارے میں یہ ارزانی فرمائی کہ جو کوئی شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔''

موسیٰ بن عبیدہ اس حدیث کی سند میں ہے، گو اس کی حدیث میں کچھ ضعف ہوتا ہے۔ تاہم یہ حدیث' حدیث بالا کے لیے شاہد ہے۔

بغوی نے بھی اپنی سند کے ساتھ پہلی حدیث کے موافق روایت کی ہے، اس کے آخر میں ہے:

((فسجدت لذلك))

''میں نے اسی لیے سجدہ کیا۔''

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: حضرت ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے ہے۔ یہ دربار نبوت میں وحی کی کتابت کیا کرتے تھے اور ان چھ سو صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے عہد نبوی ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اتنے بڑے عالم و فقیہ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عہد نبوی ہی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو سید القراء (سب قاریوں کا سردار) کہا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابو المنذر رکھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو ابو الطفیل کی کنیت سے پکارا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سید الانصار (انصار کا سردار) کا لقب دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو سید المسلمین (مسلمانوں کے سردار) کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔

درود شریف کے متعلق حدیث: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی درود شریف کے متعلق حدیث کو عبد الحمید نے مسند میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رات کا چوتھائی حصہ گزر جاتا تو رسول کریم ﷺ کھڑے ہوتے اور فرماتے:

''لوگو! ذکر الٰہی کرو' ذکر الٰہی کرو۔ آ گیا زلزلے کا جھٹکا' اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا' موت آ گئی اپنی ہولنا کیوں کے ساتھ' موت آ گئی اپنی ہولنا کیوں کے ساتھ۔''

((قلت یارسول الله' انی اکثر الصلاة علیك' فكم اجعل لك من صلاتی؟ قال: ماشئت: قلت الربع؟ قال: ماشئت' وان زدت فهو خیر' قلت النصف؟ قال: ماشئت' وان زدت فهو خیر' قلت الثلثین؟ قال: ماشئت قال اجعل لك صلاتی

کلھا))
"میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ پر درود پڑھا کرتا ہوں۔ فرمائیے درود کی کیا مقدار رکھوں۔ (یعنی اور وظیفوں کے مقابل میں)۔ فرمایا: جس قدر تو چاہے۔ عرض کیا: ایک چوتھائی 1/4۔ فرمایا: جتنا تو چاہے' اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ عرض کیا: دو تہائی 2/3' فرمایا: جتنا تو چاہے اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: میں تمام (وقت کو) آپ کے درود کے لیے وقف کردوں گا۔"

فرمایا:

((اذایکفی همك ويغفرلك ذنبك))

"ایسی حالت میں وہ تیرے مقاصد کے لیے کفایت کرے گا اور تیرے گناہوں کو بخش دے گا۔"

امام ترمذی و امام احمد اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو اپنی اپنی سند سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

عبداللہ بن محمد بن عقیل جو عبدالحمید کی سند میں ہے، اس سے آئمہ کبار مثل حمیدی' احمد' اسحاق' علی بن المدینی' ترمذی رحمۃ اللہ علیہم نے حجت پکڑی ہے۔ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ کو کبھی صحیح کبھی حسن کہا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ سے اس حدیث کی تفسیر پوچھی گئی۔ کہا:

"ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اپنے لیے کچھ دعا کرتے تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس دعا میں سے چوتھائی یا نصف یا دو تہائی کو درود بنالوں۔ اور کل کو درود بنا لینے کے اظہار پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تیرے مقاصد کے لیے کفایت اور تیرے گناہوں کے لئے مغفرت کا ذریعہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت مطالب کی کفایت کنندہ اور گناہوں کی بخشندہ ہے۔ یہ معنی ہیں اس حدیث کے۔"

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی درود شریف کے متعلق حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق الله ادم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا على من الصلوٰة فيه فان صلوتكم معروضة على قالوا يارسول الله كيف تعرض عليك صلاتنا وقد ارمت يعنى وقد بليت فقال ان الله عزوجل حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء))

"دنوں میں بہتر جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے' اسی دن ان کا انتقال ہوا، اسی دن نفخہ حضرات اسرافیل صور پھونکیں گے، اسی دن بجلی کی کڑک اور گڑگڑاہٹ ہے۔ تم اس دن مجھ پر کثرت سے درور پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ جب وفات پا جائیں گے تو ہمارا درود کس طرح آپ کے سامنے پیش ہو سکے گا۔؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے

اجسام کو حرام کر دیا ہے، زمین ان کے جسم کو نہیں کھا سکتی۔"

امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہم نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے۔ سب کی روایت میں حسین الجعفی ہے۔ بعض حفاظ نے اس میں یہ علت بیان کی ہے کہ حسین جعفی، عبدالرحمٰن بن یزید سے اور جابر ابوالاشعث صنعانی سے وہ حضرت اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ بظاہر تو جو شخص اس اسناد کو دیکھے گا اس کی صحت میں شک نہ کرے گا، کیونکہ اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں جن کی احادیث کو آئمہ نے قبول کیا ہے۔ مگر علت اس میں یہ ہے کہ حسین جعفی نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے نہیں سنا۔ اس نے عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم سے سنا ہے اور اسے حجت نہیں سمجھا۔ حسین جعفی نے جب اس حدیث کو روایت کیا تو اپنے راوی کے جد کے نام میں غلطی کر گیا اور ابن تمیم کہنے کی بجائے ابن جابر کہہ گیا، جس کو حفاظ نے ظاہر کر دیا اور تنبیہ کر دی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کبیر میں کہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم الشامی مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتا ہے۔ ولید بن مسلم نے اس سے سنا ہے اس کے پاس مناکیر (منکر روایات) ہیں۔ یہ وہ ہے جس سے ابواسامہ اور حسین جعفی روایت کرتے ہیں اور دونوں نے اس کا نام یزید بن جابر کہا اور اس کے نسب میں غلطی کھائی ہے حالانکہ صحیح یزید بن تمیم ہے اور یہ ضعیف ہے۔

خطیب کہتے ہیں:

"کوفیوں نے عبدالرحمٰن بن تمیم کی احادیث کو عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے روایت کیا ہے، مگر اس بارے میں ان کو وہم ہوا اور ان احادیث کے اخذ کرنے میں بھی۔"

حافظ موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں:

"ابواسامہ نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے روایت کی ہے، مگر یہ اس کا وہم ہے، وہ تو ان سے ملا بھی نہیں۔ وہ عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم سے ملا۔ مگر اسی کو ابن جابر سمجھ گیا۔ ابن تمیم ضعیف ہے۔ اور اس کے ضعف کی تعریف ایک سے زیادہ حافظوں نے اشارہ کیا ہے۔ اس توجیہہ کا جواب بعض وجوہات کی بنا پر یہ ہے کہ: حسین جعفی نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے سماع کی خود صراحت کر دی ہے۔"

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"جب اس نے خود سماع کی صراحت اپنی روایت میں کر دی ہے تو یہ خیال کہ جس سے یہ روایت کرتا ہے دراصل ابن تمیم تھا اور حسین نے اپنی غلطی سے اسے ابن جابر سمجھ لیا تھا، بالکل بعید ہے کیونکہ حسین جعفی کو اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا، جب کہ یہ صاحب علم ونقد ہے اور دونوں سے سماع بھی رکھتا ہے۔"

اس کے جواب میں کوئی شخص ابوحاتم کی کتاب العلل کو پیش کر سکتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ اہل عراق میں سے میں نے کسی کو نہیں سنا جو عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے روایت کرتا ہو۔ ابواسامہ اور حسین جعفی جس سے روایت کرتے ہیں وہ ایک ہی شخص یعنی ابن تمیم ہے، کیونکہ ابواسامہ نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کی روایت سے پانچ یا چھ احادیث منکر بیان کی ہیں۔ اور یہ ہرگز احتمال نہیں ہو سکتا کہ ابن جابر جیسا شخص ایسی احادیث کی روایت کرے۔ رہی حسین جعفی کی روایت کردہ

حدیث ''افضل الایام'' جس کو وہ ابن جعفر سے روایت کرتا ہے۔ یہ بھی حدیث منکر ہے۔ میں نہیں جانتا کہ حسین کے سوا کسی اور نے روایت کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم تو ضعیف الحدیث ہے اور عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ثقہ ہے۔''

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حسین جعفی اور ابواسامہ کے سماع ابن جابر میں گفتگو کی گئی ہے۔ ابواسامہ کا سماع ابن جابر سے تو اس کا انکار اکثر اہل حدیث نے کیا ہے۔ تہذیب میں حافظ ابوالحجاج المزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابن نمیر نے ابواسامہ کا ذکر کیا کہ جس ابن جابر سے یہ روایت ہے، یہ مشہور ابن جابر نہیں۔ میرے پاس ذکر ہوا ہے کہ ایک اور شخص ابن جابر کے نام سے مشہور تھا۔ یعقوب کہتے ہیں: یہی ٹھیک ہے (یہ دراصل) ابن تمیم تھا۔ ابواسامہ اس کے پاس گیا، اس سے احادیث لکھ کر روایت کی، حالانکہ وہ ابن جابر کے نام سے محض مشہور ہی تھا۔

یعقوب کہتے ہیں: میں سمجھتا ہوں کہ ابن نمیر نے ابواسامہ پر گویا یہ الزام لگایا ہے کہ اسے اپنی غلطی کا پتہ بھی چلا مگر پھر بھی اس نے غفلت کی۔ ابن نمیر نے یعقوب سے کہا: کیا تم اس کی روایت کو نہیں دیکھتے جو تمام صحاح کے جسے اہل شام اور اصحاب ابن جابر نے روایت کیا ہے کسی سے نہیں ملتی۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں:

''میں نے حسین جعفی کے برادرزادہ محمد بن عبدالرحمٰن سے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے سوال کیا، کہا: کوفہ میں عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم بھی آیا اور عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر بھی۔ اور اس سے کچھ زمانہ بعد عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر پھر کوفہ آیا۔ مگر جس شخص سے ابواسامہ روایت کرتا ہے وہ ابن جابر نہیں بلکہ ابن تمیم ہے۔''

ابن ابی داؤد کہتے ہیں:

''ابواسامہ نے ابن مبارک سے انہوں نے ابن جابر سے سنا اور یہ دونوں (ابن مبارک و ابن جابر) مکحول سے روایت کرتے ہیں۔ ابن جابر (غیر مشہور) بھی دمشقی ہے۔ جب یہ آیا تو اس نے کہا: میں عبدالرحمٰن بن یزید دمشقی ہوں۔ پھر اس نے مکحول سے روایت کی۔ ابواسامہ یہ سمجھ گیا کہ یہ ابن جابر وہ ہے جس سے ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔ بے شک عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ثقہ و مامون ہیں۔ ان کی حدیث جمع کی جاتی ہے۔ اور ابن تمیم ضعیف ہے۔ اور ابوداؤد نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔ ابواسامہ اسی سے روایت کرتا ہے اور اس کے نام میں غلطی کھاتا ہے اور ابن جابر الشامی کہہ کر روایت کرتا ہے۔ دراصل اس کی یہ تمام احادیث ابن تمیم سے ہیں۔''

رہا حسین جعفی کا ابن جابر سے سماع، تو ہمارے شیخ نے تہذیب میں اس کا ذکر کر کے حسین بن علی کی ابن جابر سے روایت کو زیادہ قوی قرار دیا ہے اور ابواسامہ (حماد بن اسامہ گو محفوظ ہے) کی روایت پر شک کیا ہے۔ تعلیل بالا کا جواب تو ہو چکا۔ اس قدر لکھنے کے بعد میں نے دیکھا کہ دار قطنی نے اس کو قطعی طور پر اختیار کیا ہے۔ وہ ابو حاتم کی کتاب الضعفاء پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حسین جعفی نے تو عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے روایت کی ہے اور ابواسامہ نے عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم سے مگر وہ اس کے جد کے نام میں غلطی کھاتا ہے۔

حدیث بالا میں ایک علت اور ہے یعنی عبدالرحمٰن بن یزید نے ابوالاشعت سے اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا، لیکن یہ کوئی

علت قادحہ نہیں، کیونکہ اس حدیث کے لیے حدیث ابو ہریرہ، ابوالدرداء، ابوامامہ، ابو مسعود، انس بن مالک اور حسن رضی اللہ عنہم بطور شواہد ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جسے امام مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خیریوم طلعت فیه الشمس یوم الجمعة فیه خلق ادم وفیه اهبط وفیه تیب علیه وفیه مات وفیه تقوم الساعة وما من دآبة الا وهی مصیخة یوم الجمعة من حین تطلع الشمس شفقا من الساعة الاالجن والانس وفیها ساعة لایصادفها عبدمسلم وهو یصلی یسال اللہ شیئا الا اعطاه ایاه))

''بہتر دن جس میں آفتاب طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی روز زمین پر آئے، اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی، اسی دن وصال فرمایا اور اسی دن قیامت ہوگی، جن وانسان کے سوا جتنے جان دار ہیں اس روز قیامت کے ڈر سے طلوع آفتاب سے ہی گوش برآواز رہتے ہیں۔ جمعہ میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر کسی مسلمان کو مل جائے اور وہ نماز پڑھتا ہوا اللہ سے سوال کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو وہی چیز دے دیتا ہے۔''

یہ حدیث صحیح ہے اور حدیث اوس بن اوس کی تائید کرتی ہے اور اس کے ہم معنی ہے۔

کتاب الثقفیات میں حدیث ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اکثروا الصلوٰة علی یوم الجمعةفانه یوم مشهود تشهده الملئکة وان احدا لایصلی علی الا عرضت علی صلوته حتی یفرح قال قلت وبعد الموت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حتی یرزق))

''جمعہ کے روز درود بکثرت پڑھا کرو کیونکہ وہ یوم مشہود (حاضری کا دن) ہے۔ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود میرے سامنے کر دیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا: موت کے بعد کیا حال رہے گا۔؟ فرمایا: اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسم کھائے۔ اللہ کا نبی (قبر میں بھی) زندہ ہوتا ہے۔ اسے رزق دیا جاتا ہے۔''

اس حدیث کو دوسری سند کے ساتھ جو آگے آئے گی، طبرانی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے:

حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اکثرواعلی من الصلوٰة فی کل یوم جمعة فان صلوٰة امتی تعرض علی فی کل یوم جمعة فمن کان اکثرهم علی صلوٰة کان اقربهم منی منزلة))

''جمعہ کے دن مجھ پر درود بکثرت پڑھا کرو کیونکہ ہر جمعہ امت کا درود میرے سامنے کیا جاتا ہے، جو درود خوانی میں بڑھا ہوا ہوگا وہی درجہ میں مجھ سے قریب تر ہوگا۔''

اس حدیث میں دو علتیں ہیں:

1۔ برد بن سنان جو مکحول شامی سے روایت کرتا ہے اس کے بارے میں علماء نے جرح (علمائے محدثین کی اصطلاح میں راوی کے عیب ظاہر کرنے کو جرح کہتے ہیں) ہے۔ مگر یحیٰی بن معین وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

2۔ کہتے ہیں کہ مکحول شامہ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ واللہ اعلم

حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کو طبرانی نے محمد بن علی الاحمر کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ فانہ اتانی جبریل انفا من ربہ عزوجل فقال ما علی الارض من مسلم یصلی علیک مرۃ واحدۃ الا صلیت انا وملائکتی علیہ عشرا))

''جمعہ کو بکثرت درود پڑھا کرو، کیونکہ ابھی جبریل اللہ تعالیٰ کی جانب سے میرے پاس یہ پیغام لائے تھے کہ روئے زمین پر جو مسلمان آپ پر ایک بار درود پڑھے گا میں اور میرے فرشتے دس دفعہ اس پر رحمت بھیجیں گے۔''

نیز محمد بن اسمٰعیل وراق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ فان صلاتکم تعرض علی))

''مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔''

یہ دونوں راوی گو ضعیف ہیں، مگر استشہاد (طلب گواہی) کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ابن ابی السری نے سند کے ساتھ اس قدر روایت کیا ہے:

((اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ))

''جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت یہی تھی کہ جمعہ کے دن نبی کریم ﷺ پر بکثرت درود پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔ ابن وہب کا قول محمد بن یوسف نے نقل کیا ہے کہ مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے زید بن وہب! تو ہر جمعہ کو ہزار مرتبہ '' اللھم صل علی محمد النبی الامی '' پڑھ لیا کر۔ کوئی جمعہ خالی نہ جانے دے۔''

حدیث حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لا یاکل الارض جسد من کلمہ روح القدس))

''جس کے ساتھ جبریل علیہ السلام نے کلام کیا ہو، زمین اس کے جسم کو نہیں کھاتی۔''

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: خلیفہ چہارم، خلیفہ برحق وزوج بتول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوالحسن اور ابو تراب ہے، لقب اسد اللہ، حیدر اور مرتضیٰ ہے۔ نام گرامی علی ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے فرزند ہیں۔ عام الفیل کے تیس برس بعد جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس برس تھی، جمعہ کے دن حضرت علی خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت اسد ہے۔ نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔ آپ نے اپنے بچپن ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت ہر وقت آپ کی امداد و نصرت میں لگے رہتے تھے۔ آپ مہاجرین اوّلین اور عشرہ مبشرہ میں اپنے بعض خصوصی درجات کے لحاظ سے بہت زیادہ ممتاز تھے۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انصار و مہاجرین نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی آپ کی خلافت چار سال، آٹھ ماہ، نو دن ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قد میانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ پُر رونق و خوبصورت، سینہ چوڑا اور اس پر بال تھے، تمام بدن گٹھا ہوا، پیٹ بڑا اور نکلا ہوا تھا۔ سر میں بال نہ تھے، ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈے تک پھیلی تھی۔ آخر میں بال بالکل سفید ہو گئے تھے۔

2 ہجری میں سیّدہ النساء جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ سے آپ کا نکاح ہوا۔ نکاح کے وقت آپ کی عمر مبارک چوبیس سال اور حضرت فاطمہ کی عمر سترہ برس تھی۔ خاتون جنت جب تک حیات رہیں آپ نے نکاح ثانی نہ فرمایا۔ جب سیّدہ دنیا سے تشریف لے گئیں تو بعد میں آپ نے متعدد شادیاں کیں اور ان سے کثرت کے ساتھ اولادیں ہوئیں۔ آپ کے چودہ بیٹے اور سترہ بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے امام حسن، امام حسین اور عمر رضی اللہ عنہم اجمعین سے آپ کا سلسلۂ نسل جاری رہا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بچپن ہی سے درسگاہِ نبوت میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا۔ مسند امام احمد میں خود حضرت علی سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح معمولاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

ایک روایت سے ثابت ہے کہ رات دن میں دو بار اس قسم کا موقع ملتا تھا۔ اکثر سفر میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ آپ صحابہ کرام میں غیر معمولی تجربہ اور فضل و کمال کے مالک تھے اور

((انامدینته العلم و علی بابها))

''میں علم کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔''

جیسی شانؐ سے متصف ہوئے۔

دوسرے صحابہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریری کام انجام دیتے تھے۔ کاتبانِ وحی میں آپ کا بھی نام ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو مکاتیب و فرامین لکھے جاتے تھے ان میں سے بعض آپ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے تھے۔ حدیبیہ کا صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

1: علقمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم کہا کرتے تھے:

''مدینہ کے سب سے بڑے قاضی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔''

2: عطاء سے دریافت کیا گیا:

''آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کوئی عالم تھا۔؟''

عطا نے کہا:

''اللہ کی قسم! مجھے کوئی ایسا شخص معلوم نہیں۔''

3: سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی بات ثابت ہو جاتی تو ہم کسی دوسرے کی جانب رجوع نہ کرتے۔

(اسد الغابہ: جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 140)

4: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری اُمت میں سب سے زیادہ مہربان ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دین الٰہی میں سب سے شدید عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سب سے زیادہ حیاء والے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔''

5: حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں ایسے کٹھن مسئلے سے کہ اس کا حل ابوالحسن یعنی حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نہ ہو۔''

6: عہد فاروقی میں ایک عورت پیش ہوئی جس کا قصہ یہ تھا کہ وہ جنگل میں جا رہی تھی کہ پیاس سے بیتاب ہوگئی۔ ایک چرواہا اس کو نظر آیا۔ اس نے اس سے پانی مانگا۔ اس بدنیت نے کہا کہ پانی پلاؤں گا اگر تو اپنی جان پر مجھ کو قابو دے گی۔ اس عورت نے مجبور ہو کر اقرار کر لیا اور اس چرواہے نے اس کے ساتھ بدفعلی کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام سے اس عورت کے سنگسار کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو مضطر تھی، اس پر حد نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آپ ہی کی رائے بحال رہی اور وہ عورت چھوڑ دی گئی۔

7: حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر آپ سے فرمایا کرتے تھے:

''اے علی! اللہ مجھ کو تمہارے بعد تک زندہ نہ رکھے۔''

8: ان ہی خصوصیات کی بناء پر مقدمات کے فیصلوں اور قضاء کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ہی موزوں تھے اور اس بات کو صحابہ کرام عام طور پر تسلیم کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے:

((اقضانا علی))

''ہم میں مقدمات کے فیصلوں کے لئے سب سے موزوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔''

(طبقات ابن سعد)

9: حضرت عبداللہ بن صعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم (صحابہ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ (مستدرک حاکم)

10: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوہر شناس نگاہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس استعداد و قابلیت کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان فیض ترجمان سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''اقضاہم علی'' کی سند مل چکی تھی اور ضرورت کے اوقات میں قضاء کی خدمت آپ کے سپرد کی جاتی تھی۔ چنانچہ جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے عہدہ قضاء کے لئے آپ کو منتخب فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم ہی نہیں۔''
فرمایا:
''اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو راہِ راست اور تمہارے دل کو ثبات و استقلال بخشے گا۔''
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:
''اس کے بعد مجھے مقدمات کے فیصلوں میں کبھی پریشانی نہ ہوئی۔''
(مسند ابن حنبل، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 3) (حاکم، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 135)

11: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قضا اور مقدمات کے بعض اصول بھی سکھائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا:
''علی! جب تم دو آدمیوں کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے لگو تو صرف ایک آدمی کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرو، اس وقت تک اپنے فیصلے کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو۔'' (مسند ابن حنبل، جلد 1، صفحہ 99)

12: مقدمات میں علم یقین کے لئے اہل مقدمہ اور گواہوں سے جرح اور ان سے سوالات کرنا بھی آپ کے اصول قضا میں داخل تھا۔ ایک مرتبہ ایک زانیہ عورت نے آپ کی عدالت میں اپنی نسبت جرم زنا کا اعتراف کیا۔ آپ نے اسے پے در پے متعدد سوالات کئے، جب وہ آخر تک اپنے بیان پر قائم رہی تو اس وقت سزا کا حکم دیا۔
(مسند ابن حنبل ج 1 ص 140)

13: اسی طرح لوگوں نے ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ کر پیش کیا اور دو گواہ بھی پیش کر دیئے۔ آپ نے گواہوں کو دھمکی دی کہ اگر تمہاری گواہی جھوٹی نکلی تو میں یہ سزا دوں گا، یہ کروں گا، وہ کروں گا۔ اس کے بعد کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گئے۔ اس سے فراغت کے بعد دیکھا کہ دونوں گواہ موقع پا کر چل دیئے تو آپ نے ملزم کو بے قصور پا کر چھوڑ دیا۔ (مصنف ابی شیبہ)

14: یمن نیا نیا مسلمان ہوا تھا۔ پرانی باتیں ابھی تازہ تھیں۔ ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے تھے۔ نو ماہ بعد اس کے لڑکا ہوا، جب کہ مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے۔؟ ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کئے، پھر قرعہ ڈالا، جس کے نام قرعہ نکلا اس کے حوالہ لڑکا کر دیا اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے لے کر دلوا دیئے۔ گویا غلام کے مسئلہ پر اس کو قیاس کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فیصلہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔

(مستدرک حاکم، جلد 3، صفحہ:135)

15: چند لوگوں نے شیر پھنسانے کے لئے ایک کنواں کھودا۔ شیر اس میں گر گیا۔ چند اشخاص ہنسی مذاق میں ایک دوسرے کو کنویں کی طرف دھکیل رہے تھے کہ اتفاق سے ایک کا پاؤں پھسلا اور وہ اس کنویں میں گر گیا، اس نے اپنی جان بچانے کے لئے بدحواسی میں دوسرے کی کمر پکڑی، وہ بھی سنبھل نہ سکا اور گرتے گرتے اس نے تیسرے کی کمر تھام لی، تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا۔ غرض چاروں اس کنویں میں گر پڑے اور شیر نے چاروں کو مار ڈالا۔ ان مقتولین کے

ورثاء باہم آمادۂ جنگ ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس ہنگامہ فساد سے روکا اور فرمایا:

''رسول اللہ کی موجودگی میں یہ فتنہ فساد مناسب نہیں۔ میں فیصلہ کرتا ہوں اگر وہ پسند نہ ہو تو دربارِ رسالت میں جا کر تم اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو۔''

لوگوں نے رضامندی ظاہر کی۔ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا تھا ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خون بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک پوری، ایک تہائی، ایک چوتھائی اور ایک آدھی۔ پہلے مقتول کو ایک چوتھائی خون بہا، دوسرے کو ثلث، تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پورا خون بہا دلا دیا۔ لوگ اس بظاہر عجیب وغریب فیصلہ سے راضی نہ ہوئے اور جمعۃ الوداع کے مواقع پر حاضر ہو کر اس فیصلہ کا مرافعہ (اپیل) عدالت نبوی میں پیش کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا۔ (مسند ابن حنبل، جلد 1، صفحہ 77)

اصل جرم ان لوگوں کا تھا جنہوں نے آبادی کے قریب کنواں کھود کر شیر پھنسانے کی غلطی کی تھی۔ اس لئے کسی متعین قاتل نہ ہونے کے سبب سے قسامت کے اصول سے خون بہا کو ان کو کھودنے والوں اور ان کے ہم قبیلوں پر عائد کر دیا۔

16: ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمادیا۔ دو شخص (غالباً مسافر) تھے۔ ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ۔ دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر بھی آگیا، وہ بھی کھانے میں شریک ہوگیا۔ کھانے سے جب فراغت ہوئی تو اس تیسرے نے آٹھ درہم ان کو دیئے اور آگے بڑھ گیا۔ جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے سیدھا حساب یہ کیا کہ اپنی پانچ روٹیوں کی قیمت پانچ درہم لی اور دوسرے کو اس کی تین روٹیوں کی قیمت تین درہم ادا کر دیئے، مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا اور نصف کا مطالبہ کیا۔ یہ معاملہ عدالت حیدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں پیش ہوا۔ آپ نے دوسرے کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے اس کو قبول کر لو اس میں زیادہ نفع تمہارا ہے، لیکن اس نے کہا کہ حق کے ساتھ جو فیصلہ ہو مجھے منظور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''حق تو یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم ملے اور تمہارے رفیق کو سات۔''

اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر ہوگیا۔ آپ نے فرمایا:

''تم تین آدمی تھے، تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی پانچ۔ تم دونوں نے برابر کھائیں اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا۔ تمہاری تین روٹیوں کے حصے تین جگہ کیے جائیں تو نو ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تم اپنے نو ٹکڑوں اور اس کے پندرہ ٹکڑوں کو جمع کر دو تو ٹوٹل چوبیس ٹکڑے بنتے ہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک نے برابر ٹکڑے کھائے تو فی کس آٹھ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تم نے اپنے نو سے آٹھ خود کھائے اور ایک تیسرے مسافر کو دیا۔ تمہارے رفیق نے اپنے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور سات تیسرے کو دیئے، اس لئے آٹھ درہم میں سے ایک کے تم اور سات کا تمہارا رفیق مستحق ہے۔''

(تاریخ الخلفاء سیوطی بروایت زر بن حبیش)

17: کبھی کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت دیتے تھے۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ یہ شخص میری ماں کی آبروریزی کر رہا ہے۔ فرمایا:

''ملزم کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کرو اور اس کے سایہ کو سو کوڑے مارو۔''

18: جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ صفین میں شرکت کے لئے تیار ہوئے تو معلوم ہوا کہ آپ کی زرہ کھوگئی ہے۔ جب جنگ ختم ہوگئی اور آپ کوفہ واپس تشریف لائے تو ایک یہودی کے پاس آپ نے اپنی زرہ دیکھی۔ آپ نے فرمایا:

''زرہ تو میری ہے، نہ میں نے اس کو فروخت کیا ہے اور نہ ہبہ، پھر یہ تیرے پاس کیسے آگئی۔؟''

اس نے کہا:

''یہ زرہ میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''میں قاضی کے پاس جاتا ہوں تاکہ وہ فیصلہ کردے۔''

چنانچہ آپ قاضی شریح کے پاس آئے، ان کے برابر بیٹھ گئے اور قاضی شریح سے کہا:

''اگر میرا مخالف یہودی نہ ہوتا تو میں اس کے برابر ہی عدالت میں مخصوص مقام پر کھڑا ہوتا، لیکن میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہود کو حقیر سمجھا ہے تو تم بھی ان کو حقیر سمجھو۔''

قاضی شریح نے کہا:

''آپ کا دعویٰ کیا ہے۔؟''

آپ نے فرمایا:

''یہ زرہ میری ہے، نہ میں نے اس کو فروخت کیا ہے، نہ ہی ہبہ۔''

قاضی شریح نے یہودی سے پوچھا:

''تمہارا کیا جواب ہے۔؟''

یہودی نے کہا:

''زرہ میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔''

قاضی شریح نے کہا:

''یا امیر المومنین! آپ کا کوئی گواہ بھی ہے۔؟''

آپ نے فرمایا:

''ہاں ہے۔ میرا غلام قنبر اور میرا فرزند حسن۔''

قاضی شریح نے کہا:

''بیٹے کی گواہی باپ کے واسطے (مقدمہ میں) درست نہیں ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''اہل جنت کی گواہی نادرست و ناجائز ہے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حسن اور حسین اہل جنت کے سردار ہیں۔''

بات یہاں تک ہی پہنچی تھی کہ اس یہودی نے بآواز بلند کہا:
''اے امیر المومنین! آپ مقدمہ کے تصفیہ کے لئے مجھے قاضی کے پاس لے آئے باوجودیکہ آپ امیر المومنین (صاحب اختیار) ہیں اور پھر قاضی نے آپ سے اس طرح جرح کی جس طرح عام لوگوں سے کی جاتی ہے، یہی آپ کے دین کی سچائی ہے۔ بیشک زرہ آپ ہی کی ملکیت ہے۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔''
یہ کہہ کر کلمہ پڑھ لیا۔

19: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ دو آدمی لڑائی جھگڑا کرتے ہوئے آئے۔ ایک نے عرض کیا:
''یارسول اللہ! میرا ایک گدھا تھا اس شخص کی گائے نے اس کو مار ڈالا ہے۔''
حاضرین میں سے ایک نے کہا:
''کیا جانوروں کے فعل کا بھی کوئی ذمہ دار ہو سکتا ہے۔؟''
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا:
''ان کے درمیان فیصلہ کرو۔''
حضرت علی نے ان دونوں آدمیوں سے پوچھا:
''وہ دونوں جانور بندھے ہوئے تھے یا کھلے ہوئے تھے یا ان میں سے ایک بندھا ہوا تھا۔؟''
گدھے کے مالک نے کہا:
''میرا گدھا بندھا ہوا تھا اور اس کی گائے کھلی ہوئی تھی اور یہ اس کے ساتھ کھڑا تھا۔''
گائے کے مالک نے اس بات کی تصدیق کی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:
''میرا یہ فیصلہ ہے کہ گائے کا مالک گدھے کے نقصان کا ذمہ دار ہے۔''
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''علی کا فیصلہ درست ہے۔''
چنانچہ وہی فیصلہ جاری کیا گیا۔

اسلام کے علوم و معارف کا اصل سر چشمہ قرآن ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سر چشمہ سے پوری طرح سیراب تھے اور ان صحابہ میں سے تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں قرآن یاد کر لیا تھا، نہ صرف یاد بلکہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت کے معنی اور شانِ نزول سے واقف تھے۔

ابن سعد نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا:
''اللہ کی قسم! جتنی آیات قرآنی نازل ہوئیں ان سب کا مجھے علم ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کس بارے میں اور کہاں نازل ہوئیں اور کس طرح نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ احسان ہے کہ اس نے مجھے قلب سلیم، عقل و شعور اور زبان گویا عطا فرمائی ہے۔''
ابن سعد نے ابی طفیل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''قرآن شریف کے بارے میں مجھ سے پوچھو۔ میں ہر آیت کی بابت جانتا ہوں کہ وہ رات کو نازل ہوئی یا دن میں، میدان پر اتری یا پہاڑ پر۔''

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے اور صحابہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اس کمال میں آپ کا کوئی شریک نہیں۔ قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ علم ناسخ ومنسوخ میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا اور آپ اس کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور جو لوگ اس علم کو نہ جانتے تھے ان کو درس و وعظ سے روک دیتے تھے۔

آیات کی تفسیر وتاویل کے متعلق آپ سے کثرت سے روایتیں ملتی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان ظاہری علوم کے علاوہ کچھ خاص باتیں اور بھی بتائی تھیں۔ چنانچہ ان کے شاگردوں نے ان سے پوچھا:

''کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے۔؟''

فرمایا:

''قسم ہے اس کی جو دانہ پھاڑ کر درخت اُگاتا ہے اور جو جان کو (جسم کے اندر) پیدا کرتا ہے۔ قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں، لیکن قرآن سمجھنے کی قوت (فہم) یہ دولت اللہ جس کو چاہے دیدے، اس کے علاوہ چند حدیثیں میرے پاس ہیں۔''

(بخاری، کتاب الدیاب، وابن حنبل، اول، صفحہ نمبر ۹۷ اور ۱۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے فرمایا:

''اے ابن عباس! عشاء کی نماز پڑھ کر تم قبرستان پہنچ جانا۔ چنانچہ میں نے نماز پڑھی اور وہاں پہنچ گیا۔ اس رات چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ فرمایا: الحمدللہ کے الف کی تفسیر کیا ہے۔؟ میں نے کہا: مجھے علم نہیں۔ اس کے بارے میں انہوں نے ایک ساعت گفتگو فرمائی۔ پھر فرمایا: الحمد کے لام کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے علم نہیں۔ اس کے بارے میں انہوں نے ایک ساعت گفتگو فرمائی۔ پھر فرمایا: الحمد کی حاء کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے علم نہیں۔ اس کے بارے میں انہوں نے ایک ساعت گفتگو فرمائی۔ پھر فرمایا: الحمدللہ کے میم کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے علم نہیں۔ اس کے بارے میں انہوں نے ایک ساعت گفتگو فرمائی۔ پھر فرمایا: الحمدللہ کے دال کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے علم نہیں۔ اس کے بارے میں انہوں نے ایک ساعت گفتگو فرمائی۔ یہاں تک کہ صبح کاذب نمودار ہوگئی۔ آپ نے فرمایا: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما گھر جاؤ اور صبح کی نماز کی تیاری کرو۔ میں وہاں سے اٹھا تو جو کچھ آپ نے فرمایا تھا اسے محفوظ کر چکا تھا۔ پھر میں نے غور کیا تو قرآن پاک کے بارے میں میرا علم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کے سامنے اس طرح تھا جیسے سمندر کے سامنے ایک حوض۔''

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

''رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے سامنے اور میرا علم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کے سامنے اور میرا علم کیا اور صحابہ کا علم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس طرح ہیں جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے ہو۔ غور کرو کہ مخلوق کے علم و معارف میں کتنا فرق ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچپن سے لے کر وفات نبوی تک تیس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و رفاقت میں بسر کیے، اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑ کر اسلام کے احکام و فرائض اور ارشادات نبوی کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے۔ پھر تمام اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں وفات نبوی کے کے بعد سب سے زیادہ عمر آپ نے پائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً تیس برس ارشادات وافادات کی مسند پر جلوہ گر رہے۔ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں بھی یہ خدمت آپ ہی کے سپرد رہی۔

ان کے بعد خود آپ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ فیض بدستور جاری رہا، اس لیے تمام خلفاء میں احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا، اسی لیے خلفائے سابقین کے مقابلہ میں آپ کی روایتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، لیکن احادیث کی روایت میں آپ بھی اپنے پیشرو خلفاء اور اکابر صحابہ کی طرح متشدد تھے، اس لیے دوسرے کثیر الدوایت صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں۔

چنانچہ آپ سے کل آٹھ سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بیس حدیثوں پر بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہے اور نو حدیثیں صرف بخاری میں ہیں مسلم میں نہیں اور دس حدیثیں مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں۔ اس طرح صحیحین میں آپ کی کل انتالیس حدیثیں ہیں۔ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اپنے رفقاء اور ہمعصروں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاتون جنت سے روایتیں کی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ اقدس، آپ کی نماز و مناجات، دعا و نوافل کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر وقت رفاقت نبوی میں رہتے تھے اور ان کو عبادتوں سے خاص شغف تھا۔ احادیث کو قلمبند کرنے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہے ان میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داخل ہیں۔ آپ نے فقہی احکام کے متعلق چند حدیثیں لکھی تھیں جن کا نام صحیفہ رکھا تھا۔ اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے۔ اس تحریر کو آپ نے لپیٹ کر اپنی تلوار کی نیام میں رکھا ہوا تھا۔

(صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، جلد نمبر ۲ و کتاب الاعتصام و مسند احمد بن حنبل، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۷۰۹)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فقہ و اجتہاد میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی، بلکہ علم و اطلاع کی وسعت سے دیکھا جائے تو آپ کو اُمت مسلمہ کا سب سے بڑا فقیہ، مدبر، مفسر، مجتہد ماننا پڑے گا۔ بڑے بڑے صحابہ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی کبھی کبھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل و کمال کا ممنون ہونا پڑتا تھا۔ فقہ و اجتہاد کے لیے کتاب و سنت کے علم کے علاوہ سرعت فہم، دقیقہ سنجی، دور اندیشی کی بڑی ضرورت ہوتی ہے اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کمالات خداداد حاصل تھے۔ مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی تہہ تک آپ کی نکتہ رس نگاہ آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔

آپ کے چند فقیہانہ نکتے حسب ذیل ہیں:

1: ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''یہ ممکن نہیں کیونکہ مجنون حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ارادہ سے باز آ گئے۔

2: ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا گیا۔ لوگوں نے احرام کی حالت میں اس کے کھانے کے جواز اور عدمِ جواز میں اختلاف کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے جواز کے قائل تھے۔ انہوں نے کہا:

''حالت احرام میں خود شکار کر کے کھانا منع ہے لیکن جب کسی غیر محرم نے شکار کیا ہے تو اس کے کھانے میں کیا حرج ہے۔؟''

دوسروں نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا:

''اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہوگا۔؟''

لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیا۔ چنانچہ انہوں نے اُن سے جا کر دریافت کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتؐ میں شکار کا گوشت پیش کیا گیا، اس وقت آپ احرام کی حالت میں تھے۔ آپ نے فرمایا: یہ ان کو کھلا دو جو احرام میں نہیں ہیں۔''

حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے شہادت دی۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء نے اس کھانے سے پرہیز کیا۔

3: ایک دفعہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد کتنے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں۔؟ فرمایا:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا کر دریافت کرو۔ ان کو معلوم ہوگا، کیونکہ وہ سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔''

چنانچہ وہ سائل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

''مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن اور ایک رات تک۔'' (مسند ابن حنبل، جلد 1، ص 92)

4: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم اور ان کی اجتہادی قوت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ کر دریافت کیا کہ خنثیٰ مشکل (مخنث) کی میراث کی کیا صورت ہے یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے حریف بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں۔''

پھر جواب دیا:

''پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہئے کہ وہ مرد ہے یا عورت۔''

5: فقہی مسائل میں حضرت علی کی وسعت نظر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ جو بات نہیں جانتے تھے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ بعض ایسے مسائل جو شرم وحیاء اور اپنے رشتہ کی نزاکت کے باعث خود براہِ راست نہیں پوچھ سکتے تھے اس کو کسی دوسرے کے ذریعہ سے معلوم کروالیتے تھے۔ چنانچہ مذی کا ناقص وضو ہونا آپ نے اس طرح بالواسطہ دریافت کرایا تھا۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گو تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے لیکن آپ کی خلافت کا زمانہ تمام تر کوفہ میں گزرا اور احکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع نہیں پیش آیا، اس لئے آپ کے مسائل واجتہادات کی زیادہ تر اشاعت عراق میں ہوئی، اسی بناء پر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے فیصلوں پر ہے۔

درود شریف کے متعلق حدیث: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((البخیل الذی من ذکرت عندہ فلم یصل علی))

''بخیل وہ ہے جس کے روبرو میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

ترمذی نے اس کو حسن صحیح غریب کہا ہے اور بعض نسخوں میں حسن غریب لکھا ہوا ہے۔ نسائی نے سنن میں، ابن حبان نے صحیح میں، اور حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے۔

حسن بن عرفہ نے معنعن طریق پر حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مامن دعاء الابینہ وبین السماء حجاب حتی صلی علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا صلی علی النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم انخرق الحجاب واستجیب الدعاء واذلم یصل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یستجب الدعآء))

''دعا اور آسمان میں اس وقت تک حجاب ہوتا ہے جب تک رسول اللہ ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے۔ جب درود پڑھا گیا تو حجاب اٹھ گیا اور دعا قبول کی گئی اور جب درود نہ پڑھا گیا تو وہ دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔''

لیکن اس حدیث میں تین علل ہیں۔

۱۔ یہ حارث اعور سے سیدنا علی کی روایت ہے۔

۲۔ شعبہ نے بیان کیا ہے کہ ابواسحاق سبیعی نے حارث سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں۔ یہ حدیث ان میں سے نہیں۔

۳۔ ثابت نے (جو اسحاق سے ہی روایت کرتا ہے) اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تک موقوفاً روایت کیا ہے۔

امام نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ پورے پیمانوں کے ساتھ اسے اجر ملے تو چاہیے کہ جب ہم اہل بیت پر درود پڑھے تو یوں پڑھے:

((اللھم اجعل صلواتک وبر کاتک علی محمد النبی وازواجہ امھات المومنین وذریتہ واھل بیتہ کما صلیت علی ابراھیم انک حمید مجید))

''یا اللہ! نبی حضرت محمد ﷺ اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین (رضی اللہ عنہن) اور ان کی اولاد اور اہل بیت پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

اس سند میں حبان بن یسار جو راوی ہے، ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے اور بخاری نے کہا ہے:

''آخر عمر میں اس کی عقل جاتی رہی تھی۔''

ابو حاتم رازی کا قول ہے:

''وہ قوی ہے نہ متروک۔''

ابن عدی کہتے ہیں:

''اس اختلاط کی وجہ آخر عمر میں ہونا بیان کیا جاتا ہے' اس کی حدیث میں بعض کمزوریاں ہیں۔''

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں ایک اور علت ہے یعنی اس میں موسیٰ بن اسمٰعیل تبوذکی نے عمرو بن عاصم سے اختلاف کیا ہے، کیونکہ عمرو بن عاصم تو حبان بن یسار سے اپنی سند کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتا ہے۔ اور موسیٰ بن اسمٰعیل اسی حبان بن یسار سے روایت کرتا ہوا اپنی سند کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتا ہے۔

ابو داؤد نے موسیٰ بن اسمٰعیل سے روایت کی ہے۔ اس میں ایک اور علت یہ ہے کہ عمرو بن عاصم تو حبان بن یسار کے بعد راوی کا نام عبدالرحمٰن بن طلحہ الخزاعی بتاتا ہے اور موسیٰ بن اسمٰعیل راوی کا نام عبیداللہ بن طلحہ بن عبیداللہ بن کریز۔ تاریخ بخاری و کتاب ابن ابی حاتم اور ثقات ابن حبان و تہذیب الکمال ابوالحجاج المزی میں بھی اسی طرح ہے۔ اب یا تو عمرو بن عاصم ہی کو راوی کے نام میں وہم ہوا ہے اور یا وہ دونوں جدا جدا ہیں۔ مگر عبدالرحمٰن بن طلحہ مجہول ہے کہ اس حدیث کے سوا کہیں معروف نہیں۔ اور متقدمین میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ عمرو بن عاصم سے گو بخاری و مسلم روایت کرتے اور حجت لیتے ہیں، مگر موسیٰ بن اسمٰعیل اس سے زیادہ حافظ ہے اور اس حدیث کی بروایت ابوہریرۃ دوسری سند اور متن سے اصلیت ضرور ہے۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی حدیث:

حالات: سیدہ فاطمۃ الزہرا جناب رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی صاجزادی ہیں۔ سیدہ فاطمہ آپ کی بیٹیوں میں سے چوتھی بیٹی تھیں۔ بے شک ان کی ولادت پر جناب رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور ان کی پیدائش اس دن اچھی خوشخبری لانے والی اور نیک شگون تھی اور یہ اس دن ہوئی جس دن قریش نے بیت الحرام کی تعمیر مکمل کی اور ہر سردار نے یہ ارادہ کیا کہ حجر اسود کو اپنی جگہ میں نصب کرنے کا شرف بس اسے ہی حاصل ہو۔ لہٰذا اس پر ان کے درمیان جھگڑا پیدا ہو

گیا اور قریب تھا کہ ان میں جنگ چھڑ جائے۔ مگر آخر کار وہ اس شخص کو اس معاملہ میں ثالث مقرر کرنے پر متفق ہو گئے جو اگلے دن سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو۔ حسن اتفاق سے اگلے دن مسجد الحرام میں سب سے پہلے داخل ہونے والی شخصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔ سب سے کہا:

''یہ محمد امین ہیں، ہم ان کو ثالث بنانے پر رضامند ہیں۔''

جب آپ ﷺ کو ان کے اختلاف کا سبب معلوم ہوا تو حکم دیا کہ اس پتھر کو اس چادر میں رکھ دو۔ چنانچہ آپ نے اپنی چادر مبارک بچھا دی۔ انہوں نے پتھر کو اس میں رکھ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر قبیلے کا سردار چادر کی ایک جانب سے پکڑے اور سب مل کر اس کو اٹھائیں۔ سب نے ایسا کیا۔ جب انہوں نے اس کو اوپر اٹھایا تو آپ نے اس پتھر کو پکڑ کر اپنی جگہ میں رکھ دیا۔ چنانچہ اس طرح اس معاملہ میں ان کا جھگڑا رفع دفع ہو گیا اور فتنہ وفساد کی آگ بجھ گئی۔ آپ ﷺ اپنے دولت کدہ میں واپس تشریف لائے اور آپ نے حضرت خدیجہ کو اس حال میں پایا کہ وہ حضرت فاطمہ کو جنم دے چکی تھی۔ اس کی خوشخبری آپ کو دی گئی۔ آپ بہت زیادہ خوش ہوئے۔ ان کی اس مبارک اور یمن والی ولادت سے آپ ﷺ نے اچھا شگون لیا، آپ کا معزز و باوقار چہرہ خوشی سے دمک اٹھا، ایک ہی دن میں یہ دونوں عظیم واقعات رونما ہوئے۔ یہ شگون لیتے ہوئے کہ یہ ایک دن ماں بنیں گی اور یکے بعد دیگر اپنی اولاد کا دودھ چھڑائیں گی۔ آپ ﷺ نے ان کا نام فاطمہ رکھا اور ایسے ہی ہوا۔

حضرت زہرا کی ولادت ہو چکی تھی، اس وقت قریش، کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ بیت اللہ شریف میں حجر اسود اپنی اصلی جگہ رکھنے کے سلسلے میں مختلف قبائل کے مابین جو اختلاف پیدا ہوا، اسے ختم کرنے کے لئے قریش نے ان کے والد کو ثالث بنایا۔ وہ اس وقت بھی موجود تھیں جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

((وانذر عشيرتك الاقربين))

''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔''

تو جناب رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کو یوں پکارنے لگے:

''اے عبد مناف کی اولاد! اللہ تعالیٰ کے ہاں اگر تم اس کی نافرمانی کرو، تو میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اے فاطمہ بنت محمد! اگر ایمان نہ لاؤ تو میں اللہ تعالیٰ سے تمہیں نہیں چھڑا سکتا۔''

حضرت فاطمہ ابھی چھوٹی بچی ہی تھیں کہ انہوں نے اپنے والد ماجد کے خلاف قریش کی ظالمانہ اور تکلیف دہ کارگزاریوں کے باعث بے حد تکلیفیں اٹھائیں۔ چنانچہ شعب ابی طالب میں آپ ﷺ کی نظر بندی کے دوران بھی وہ آپ ﷺ کے ساتھ رہیں۔ حضرت فاطمہ نے ایک دفعہ قریش کے ایک گروہ کو دیکھا جو کعبہ شریف کے پاس آپ کے ساتھ جھگڑ رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا:

کیا آپ ہی وہ شخص ہیں جو ہمارے معبودوں کے بارے میں ایسا ایسا کہتے ہیں اور آپ کو یہ فرماتے بھی سنا: ''ہاں میں ہی وہ شخص ہوں جو ان کے بارے میں ایسا کہتا ہوں۔'' اور ان میں سے ایک کو آپ نے حرکت کرتے ہوئے بھی دیکھا کہ وہ آپ کو گریبان سے پکڑے ہوئے تھا اور یہ ارادہ کر لیا تھا کہ (معاذ اللہ) آپ کا

گلا گھونٹ دے۔ مگر اسی دوران حضرت ابو بکر صدیق بآواز بلند اسے منع کرتے ہوئے بولے:

((اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللّٰہ))

''کیا تم ایک شخص کو صرف اس بنیاد پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔؟''

حضرت فاطمہ نے اس واقعہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اپنے کانوں سے سنا اور اس سارے منظر کو دیکھ کر آپ بہت روئیں۔

ایسا ہی ایک واقعہ بیت اللہ کے پاس پیش آیا۔ عتبہ بن ابی معیط مذبوحہ جانور کی اوجھڑی آپ ﷺ کی پشت پر اس وقت رکھ رہا تھا جبکہ آپ ﷺ سجدہ کی حالت میں تھے۔ حضرت فاطمہ اپنے باپ کی طرف بڑھیں اور جو کچھ اس گناہ گار سیاہ کار نے آپ کی پشت مبارک پر رکھا تھا، اس کو دور ہٹایا اور اسے بد دعا دی۔ جب رسول کریم ﷺ نے سجدے سے اپنا سر اٹھایا تو یہ دعا مانگی:

''اے اللہ! سرداران قریش ابوجہل، عتبہ، شیبہ بن ابی معیط، ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف تیرے ذمے ہیں، تو خود ان کی خبر لے۔''

اسراء اور معراج کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباس سے یوں حدیث مروی ہے:

''جناب رسول کریم سوموار کی شب ستائیسویں رجب کو حضرت ام ہانی کے گھر قیام پذیر تھے۔ حضرت فاطمہ بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ اچانک دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ حضرت فاطمہ باہر نکلیں تا کہ رات کے وقت آنے والے کو دیکھیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ وہ ایک شخص ہے جو زیورات پہنے ہوئے اور نئی پوشاک زیب تن کیے ہوئے ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔؟ اس نے جواب میں کہا: میں حضرت محمد سے ملنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر آپ واپس لوٹیں تا کہ جناب ﷺ سے اس کے لئے اجازت طلب کریں۔ جناب نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جبریل ہیں۔

حضرت زہرا کی عمر جب اٹھارہ برس کی ہوئی تو ان کی منگنی کے لئے حضرت ابو بکر صدیق رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

((''یا ابا بکر انتظر بها القضاء''))

''اے ابو بکر! فاطمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کیجئے۔''

بعد ازاں حضرت عمر حاضر ہوئے اور منگنی کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ان سے بھی وہی فرمایا۔ منگنی کی غرض سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شرماتے شرماتے حاضر خدمت ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ جب میں آپ کے پاس بیٹھا تو میں کچھ نہ بول سکا۔ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ کیا کوئی حاجت ہے۔؟ میں خاموش رہا۔ پھر فرمایا: غالباً تو فاطمہ کی منگنی کے لئے آیا ہے۔؟ میں نے عرض کی: ہاں! یا رسول اللہ! حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ کا نکاح ان سے کر دیا۔

جب یہ خبر سیدہ فاطمہ کو پہنچی تو رونے لگ گئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''اے فاطمہ! تجھے کیا ہوا ہے؟ تو کیوں روتی ہے؟ اللہ کی قسم! میں نے تیرا نکاح ایک ایسے شخص سے کیا ہے جو علم کے لحاظ سے ان سب سے بڑھ کر ہے، علم کے لحاظ سے ان سے افضل ہیں اور اسلام قبول کرنے کے لحاظ

سے (لڑکوں میں) سب سے پہلے ہیں۔"

جس رات حضرت فاطمہ کی شادی حضرت علی سے ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا وضو کیا اور حضرت فاطمہ پر انڈیل دیا اور فرمایا:

((اللھم بارك فیھا وبارك علیھا وبارك لھما فی نسلھما))

"اے اللہ! اس میں برکت دے۔ اس پر اپنی برکت نازل فرما اور ان دونوں کی نسل میں برکت دے۔"

حضرت علی نے جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

"ہم میں آپ ﷺ کو کون زیادہ محبوب ہے، میں یا فاطمہ؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"فاطمہ تیری نسبت مجھے زیادہ محبوب ہے اور آپ ان کی بہ نسبت میرے نزدیک زیادہ مکرم ہیں۔"

☆ جہاں تک آپ ﷺ کی چوتھی بیٹی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا تعلق ہے۔ ان کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((مارایت قط افضل من فاطمته غیر ابیھا))

"میں نے سوائے ان کے باپ کے ہرگز ہرگز کوئی ان سے افضل نہیں دیکھا۔"

☆ حضرت عبداللہ بن عباس جناب رسول کریم ﷺ سے درج ذیل حدیث روایت کرتے ہیں:

"جنت کی تمام عورتوں سے افضل حضرت خدیجہ ہیں، ان کے بعد حضرت فاطمہ، پھر مریم، پھر آسیہ۔"

☆ حضرت ابوسعید خدری سے مرفوعاً مروی ہے:

"فاطمہ تمام جنتی خواتین کی سربراہ ہیں۔"

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فاطمہ سے فرمایا:

"اللہ تیری رضا پر راضی اور تیرے غضب پر ناراض ہوتا ہے۔"

☆ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو اپنی بیٹی کو فاطمہ کو بوسہ دیتے اور پیار کرتے۔

☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

سیدہ فاطمہ آئیں یوں لگتا تھا کہ گویا ان کی چال جناب رسول اللہ ﷺ کی چال ہے آپ ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: میری بیٹی خوش آمدید۔ پھر انہیں اپنی دائیں جانب بٹھایا اور ان سے سرگوشیاں کیں، وہ رو پڑیں۔ پھر کوئی بات آہستہ سے کہی تو ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں نے دل میں کہا: میں نے آج کے دن بہ نسبت غم کے خوشی کے قریب جتنا انہیں دیکھا، ایسا اس سے پہلے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ جناب رسول کریم ﷺ نے ان سے جو کچھ فرمایا تھا، میں نے اس کے بارے میں استفسار کیا۔ تو فرمانے لگیں: میں جناب رسول اللہ ﷺ کے راز کو افشا کرنے والی نہیں ہوں۔ جب جناب رسول کریم ﷺ کا وصال ہوا تو میں نے دوبارہ ان سے پوچھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جبریل علیہ

السلام سال میں ایک دفعہ میرے ساتھ قرآن کریم کا دورہ کیا کرتے تھے، اس سال انہوں نے دو دفعہ کیا ہے ، مجھے یوں لگتا ہے کہ میرے وصال کا وقت قریب آن پہنچا ہے اور میرے اہل بیت میں سے آپ سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی ہوں گی، اور میں تیرا کیا ہی اچھا پیش رو ہوں، تو میں رو پڑی۔ اس پر آپ نے فرمایا: کیا تو اسے راضی نہیں کہ تو تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہو، تو میں ہنس پڑی۔

حضرت فاطمۃ الزھرا کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت اور ان کے رحیمانہ پدری جذبات کا ظہور اس دن ہوتا ہے جس دن آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی نے ایک خزومی عورت عمرو بن ہشام (ابو جہل) اللہ کے دشمن اور اللہ کے رسول کے دشمن کی بیٹی سے شادی کا معاملہ طے کر لیا ہے۔

آپ ﷺ مسجد تشریف لے گئے۔ غصے کی حالت میں منبر پر کھڑے ہوئے۔ اپنے صحابہ کو خطاب کیا اور فرمایا:

''ہشام بن مغیرہ کے گھر والوں نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کردیں۔''

تین بار آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''میں ان کو جازت نہیں دوں گا۔ البتہ اگر علی بن ابی طالب چاہیں تو پہلے میری بیٹی کو طلاق دے دیں، پھر ان کی بیٹی سے نکاح کرلیں۔ بے شک میری بیٹی میری لخت جگر ہے جو اس کو پریشان کرتا ہے وہ فی الحقیقت مجھے پریشان کرتا ہے اور جو اسکو اذیت پہنچاتا ہے وہ مجھے اذیت دیتا ہے اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ کہیں وہ اپنے دین کے معاملے میں فتنے میں مبتلا کر دیا جائے۔''

آپ ﷺ نے اپنے داماد ابو العاص بن الربیع کا ذکر کیا اور ان کے ساتھ اپنے رشتہ (جس کو انہوں نے اچھی طرح نبھایا تھا) کی خوب تعریف کی۔ پھر فرمایا:

''اس نے جو کچھ مجھ سے کہا اس کو سچ کر دکھایا۔ مجھ سے وعدہ کیا اس کو اچھی طرح نبھایا۔ میں اللہ تعالیٰ کے کسی حرام کو حلال نہیں کرتا اور نہ ہی کسی حرام کو حلال ٹھہراتا ہوں۔ مگر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی ایک گھر میں رسول اللہ کی بیٹی اور اپنے دشمن کی بیٹی کو جمع نہیں کرے گا۔''

(بخاری، 29، 538، مسلم 44/14، سنن ابی داؤد کتاب 12، سنن الترمذی کتاب 36، سنن ابن ماجہ 56/9، مسند الامام احمد 326/4-328)

☆ حضرت زھرا نے حسن، حسین، زینب اور ام کلثوم کو جنم دیا۔ جناب رسول اللہ ﷺ ان سب سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے اور ان پر اپنے لطف و کرم اور شفقت و رحمت کا ایک سیلاب بہاتے تھے۔ خاص طور پر حسن و حسین آپ کی محبت کا مرکز تھے۔ جن کے بارے میں آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((ھذاان ابنائی ابنا ابنتی اللھم انی احبھما فاحبجما و احب من یحبھما))

''یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں کو اپنی محبت سے نواز اور جو کچھ ان سے محبت کرتا ہے اسے بھی محبت کر۔''

☆ مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین

تھے۔ان دونوں حضرات میں سے ہر ایک آپ کے ہاتھ مبارک کو پکڑے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اندر داخل ہوئے ،حضرت علی اور حضرت فاطمہ کو اپنے قریب کیا اور حسن اور حسین میں سے ہر ایک کو اپنی گود میں بٹھایا۔ پھر اپنی چادر مبارک ان دونوں پر اوڑھ دی اور یہ آیت کریمہ پڑھی:

((انمایرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا))

(الاحزاب:33)

''اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے،اے نبی کے گھر والو! تم سے ہر ناپاکی کو دور کردے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے۔''

((وقال اللھم ھولاء اھل بیتی))

اور آپ ﷺ عرض کیا: ''اے اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔''

☆ ایک بار پھر رسول اللہ ﷺ کے پدری جذبات بڑی انوکھی صورت میں ابھر کر سامنے آتے ہیں۔وہ ایسے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کو دیکھا گیا کہ آپ اپنے نواسوں میں سے ایک کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے جارہے ہیں۔حتیٰ کہ آپ مسجد نبوی میں پہنچ گئے۔نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور بڑی نرمی کے ساتھ ان کو اپنے پہلو میں زمین پر بٹھایا اور لوگوں کی امامت شروع کردی۔مگر جب لوگوں نے آپ کو خلاف عادت لمبے سجدے کرتے پایا تو تعجب کیا۔جب نماز پڑھی جاچکی تو انہوں نے اس بارے میں آپ سے یوں استفار کیا:

''اے اللہ کے رسول! بے شک آپ نے اتنا لمبا سجدہ کیا ہے کہ ہم یہ گمان کرنے لگ گئے کہ کوئی بات واقع ہوگئی ہے یا آپ کی طرف وحی کی جارہی ہے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا:

''ایسی کوئی بات نہیں۔''

((ولکن ابنی ارتحلنی فکرھت ان اعجلہ حتی یقضی حاجتہ))

''حقیقت یہ ہے کہ میرا بیٹا مجھ پر سوار ہوگیا تھا۔میں نے اسے جلدی میں ڈالنا پسند نہ کیا اور اسے مہلت دی کہ وہ اپنی حاجت پوری کرے۔''

((ویری وھو اخذیکتفی الحسین وقدماہ علی قدمیہ یرقصہ قاتلا''ترق ترق''))

''اور یہ بھی دیکھا گیا کہ آپ ﷺ ایک دفعہ حضرت حسین کو کندھوں سے پکڑے ہوئے تھے اور ان کے قدم آپ کے مبارک قدموں پر تھے۔آپ ﷺ ان کو یہ کہتے ہوئے بہلا رہے تھے: چڑھئے، چڑھئے۔ بچا اوپر چڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ اپنے قدم اپنے نانا کے سینہ مبارک پر رکھ دیتا ہے تو آپ ﷺ اس کو فرماتے ہیں:

((''افتح فاك''))

''اپنا منہ کھولئے۔''

بچہ اپنا منہ کھولتا ہے۔آپ ﷺ اس کو بوسہ دیتے ہیں اور یہ فرمار ہے ہوتے ہیں:

''اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں، آپ بھی اس سے محبت کریں اور اس سے بھی، جو اس کو محبوب رکھتا

ہے۔" (صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1882/3)

☆ جناب رسول اللہ ﷺ کے ایک دفعہ اپنے نواسے کو بوسہ دینے کی وجہ سے ایک شخص (حضرت اقرع بن حابس) بہت متعجب ہوا اور کہنے لگا:

"میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے نواسے کے ساتھ ایسا کر رہے ہیں۔ بخدا میری اولاد ہے۔ میں نے ان میں سے کسی کو بھی کبھی بوسہ نہیں دیا۔"

جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

((من لا یرحم لا یرحم))

"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

سیدہ فاطمہ الزہرا اولاد آدم کے سردار اور تمام انبیاء اور مرسلین کے خاتم کی صاحبزادی ہیں۔ ان کی زندگی کی تاریخ، ان کی جدوجہد، ان کا صبر، جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی محبت، ان کی آپ کیلئے غمگساری و دلجوئی، ان کا خاوند، ان کی اولاد یہ ساری چیزیں اس امت کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں، یہ آپ کا ہم پر حق ہے کہ ہم وقتاً فوقتاً اس کی طرف رجوع کریں تاکہ اس ذی عظمت تاریخ کو یاد رکھیں اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ کی اس معطر سیرت کے مطالعہ کے صدقے ہم اپنے نفوس کو جلا بخشیں اور انہیں پاک کریں۔

وہ بتول (دنیا سے اعراض کر کے اللہ سے لو لگانے والی) جناب رسول اللہ ﷺ کا پھول ہے۔ وہ رسول کریم اور نبی عظیم کی زوجہ ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد کی بیٹی ہیں۔ حضرت فاطمہ جناب نبی کریم ﷺ کی بقید حیات رہنے والی اولاد میں سے آخری بیٹی تھیں جو حضور ﷺ کے وصال کے وقت تک موجود رہیں اور تمام اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ ﷺ سے ملاقات کرنے والی، مومنین کی عورتوں کی سردار، حضور ﷺ کے چچازاد بھائی سیدنا علی بن ابی طالب کی زوجہ فاطمہ الزہرا بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔ ان کا دادا حضرت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ وہ دن خاص دن تھا جس دن سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سیدۃ فاطمۃ الزہرا کا رشتہ مانگنے کیلئے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کے نکاح کا دن بھی خاص دن تھا۔

نکاح کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھر تیار کیا تاکہ اس میں اپنی دلہن کا استقبال کر سکیں۔ اس رشتہ سے اولاد عبدالمطلب بے حد خوش ہوئی اور اسی طرح تمام مسلمانان مہاجرین و انصار میں بھی خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا:

"اے علی! شادی کا ولیمہ تو ضرور ہونا چاہیے۔"

سیدنا علی فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک مینڈھا تھا۔ نیز قبیلہ انصار کے لوگوں نے ان کیلئے کئی سیر مکئی جمع کر دی۔ جب شادی کی پہلی رات آئی تو جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا:

"تم ان سے اس وقت تک بالکل کوئی بات نہ کرنا جب تک تم دونوں مجھ سے نہ مل لو۔"

چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا۔ اس سے وضو فرمایا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر انڈیل دیا۔ پھر فرمایا:

((اللهم بارك فيهما و بارك عليهما، و بارك فی شبلهما))

''اے اللہ! ان دونوں میں برکت دے، ان دونوں پر اپنی برکت نازل فرما اور ان دونوں کی اولاد میں بھی برکت دے۔''

اسماء بنت عمیس سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں:

((كنت فی زفاف فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما اصبحنا جاء النبی ﷺ الى الباب فقال يا ام ايمن ادعی لی اخی قالت هو آخوك و تنكحه ابنتك قال نعم يا ام ايمن))

''میں فاطمہ بنت رسول اللہ کی رخصتی کے وقت ان کے ساتھ موجود تھی۔ جب ہم نے صبح کی۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے دروازے پر تشریف لائے۔ فرمایا: میرے بھائی کو میرے پاس بلایئے! عرض کی: وہ آپ کے بھائی ہیں اور آپ اپنی بیٹی کا ان سے نکاح کرتے ہیں۔؟ فرمایا: ہاں! اے ام ایمن! اس نے کہا کہ جب عورتوں نے جناب نبی کریم ﷺ کی آواز مبارک سنی تو وہ چھپ گئیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ایک طرف ہوگئیں۔ میں بھی ایک کونے میں چھپ گئی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے، نبی کریم ﷺ نے ان پر پانی چھڑکا اور ان کیلئے دعا فرمائی۔ پھر فرمایا: فاطمہ کو بلایئے۔ وہ حیاء کی وجہ سے شرماتی شرماتی حاضر ہوئیں۔ جناب نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: حوصلہ کیجئے میں نے تیرا نکاح اس شخص سے کیا ہے جو میرے اہل بیت میں سے مجھے سب سے زیادہ پیارا ہے۔ پھر جناب نبی کریم ﷺ نے ان پر پانی چھڑکا اور ان کیلئے دعا فرمائی۔''

حضرت اسماء کہتی ہیں کہ بعد ازاں جناب رسول اللہ ﷺ واپس لوٹے، آپ ﷺ نے اپنے سامنے پرچھائیاں دیکھیں، فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے عرض کی: میں ہوں۔ فرمایا: اسماء بنت عمیس؟ تو میں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! فرمایا: تم فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ (جس کی تم عزت کرتی ہو) کی شادی سے آرہی ہو۔؟ میں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! آپ نے میرے لئے دعا فرمائی۔

چنانچہ یہ شادی خانہ آبادی کم سے کم لاگت معمولی بوجھ اور بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ تکمیل پذیر ہوئی اور اس کیلئے اسے جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عطا شدہ برکت ہی کافی رہی۔ دلہن فاطمہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور ان کے جسم کا ٹکڑا ہیں اور تمام لوگوں سے بڑھ کر ان کو محبوب ہیں اور یہ وہی ہیں جنہیں آپ ﷺ نے اپنی وفات سے تھوڑا عرصہ پہلے یہ خوشخبری سنائی تھی کہ وہ دنیا اور آخرت میں مومنین کی عورتوں کی سردار ہیں۔

دیکھئے اور سنئے زہرا بنت محمد ﷺ کا جہیز کیسا تھا۔ وہ حضرت محمد ﷺ جو ساری مخلوق کے سردار ہیں۔ عطاء بن السائب نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، انہوں نے فرمایا:

((فی خميل و قربة ووسادة حشوها اذخر))

''جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو جہیز میں ایک جھالر دار کپڑا، مشک، ایک تکیہ جس کی بھرتی خوشبودار گھاس سے تھی عطا کئے۔''

اور ایک اور روایت میں جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اس میں یوں آیا ہے:

((ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما زوجه فاطمة بعث معها بخميلة وو سادة من ؤدم حبثو هاليف رحيين و سقاء جرتين))

''جب جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کی شادی کی۔ تو ان کے جہیز میں ایک جھالردار چادر، چمڑے کا ایک تکیہ جس کی بھرتی کھجور کی چھال سے تھی، دو چکیاں، ایک مشک اور دو گھڑے بھجوائے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کی شادی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی تو جو چیزیں آپ ﷺ نے ان کو بطور ہدیہ دیں ان میں سے ایک کھجور کے بٹے ہوئے پتوں سے بنی ہوئی چارپائی تھی، چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور چھال بھری ہوئی تھی اور ایک مشک تھی۔ راوی نے کہا کہ وہ لوگ وادی رمل کی چھوٹی چھوٹی کنکریاں لائے اور انہیں گھر میں بچھا دیا۔''

کیا اس سے بہتر کوئی نکاح آپ نے دیکھا ہے؟ جو چیز بھی اس میں تھی بڑی سہولت اور آسانی اور خیر و برکت کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچا ہو۔ اب فاطمہ حضرت محمد ﷺ کی دختر نیک اختر اپنے اس نئے گھر میں داخل ہوتی ہیں جس میں ریت بچھائی گئی ہے اور اس میں چمڑے کا وہ تکیہ موجود ہے جس کی بھرتی کھجور کی چھال ہے۔ سبحان اللہ!

حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ فقیر تھے کوئی چیز نہیں رکھتے تھے۔ ان کی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی بہت سارے پہلوؤں کے لحاظ سے بہت مشکل تھی۔ حضرت فاطمہ جسمانی ساخت کے لحاظ سے بہت کمزور تھیں، کیونکہ شعب میں محاصرہ کے دوران انہیں بہت بھوک و پیاس اور محرومی برداشت کرنا پڑی۔ جب وہ لوگ محاصرہ سے نکلے اور مکہ معظمہ واپس لوٹے تو بھی برابر مشقتوں اور مشکلات کا سامنا رہا، آئے دن قریش کی اذیتوں کا سامنا کرنے میں اپنے والد گرامی ﷺ کا ہاتھ بٹانے، ننگے پاؤں مدینہ منورہ پہنچیں اور اپنے والد ماجد جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگیں جو آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے تھے اور دنیا کی کسی چیز کی انہیں پرواہ تک نہیں تھی۔ بس صرف اور صرف مسلمانوں کے حال و احوال کا اہتمام فرماتے اور اپنے اہل بیت کا خیال رکھتے، پھر اس کے بعد وہ اپنے عالم متقی اور مجاہد خاوند کے پاس آگئیں جو ایک عاجزانہ اور تواضع والی زندگی پر قانع تھے اور کوئی چیز نہیں رکھتے۔ حضرت فاطمہ بھی اس پر مشقت زندگی میں بڑی خوشی اور اطمینان کے ساتھ ان کی شریک حیات ہو گئیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس قدر ممکن ہوتا ان کی بہ نفس نفیس مدد فرماتے تھے کیونکہ یہ ان کے مقدور میں نہ تھا کہ وہ کوئی مزدور یا ملازم رکھیں، جو ان کی خدمت کرے۔ وہ چکی پیسنے کے نشانات جب ان کے نرم و نازک ہاتھوں میں دیکھتے تو ان پر بڑا اثر ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام عبد سے فرمایا:

''کیا میں تمہیں اپنے اور فاطمہ کے بارے میں نہ بتاؤں جو جناب رسول اللہ ﷺ کو سب گھر والوں سے بڑھ کر محبوب تھیں۔ وہ میرے پاس تھیں چکی پیستی تھی۔ یہاں تک کہ پیستے پیستے ان کے مبارک ہاتھوں میں نشان پڑ گئے۔ مشک بھر کر لاتی تھیں، جس کے نشانات ان کے سینہ مبارک پر بھی نمایاں ہو گئے۔ گھر میں جھاڑو دیتی تھیں، یہاں تک ان کی کپڑے میلے ہو جاتے۔ چولھا جلاتیں، حتیٰ کہ کپڑے سیاہی مائل ہو جاتے۔''

ایک روایت میں ہے کہ روٹیاں پکانے کی وجہ سے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور اس سے ان کی صحت کو نقصان پہنچا۔

اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

(("لقد مجلت يد اى من الرحى اطحن مرة واعجن مرة"))

"میرے دونوں ہاتھوں کا چمڑہ سخت ہو گیا تھا کیونکہ میں کبھی چکی پیستی تھی اور کبھی آٹا گوندھتی۔"

امام ذہبی نے اپنی کتاب "سیر اعلام النبلاء" کے حوالے سے ذکر کیا ہے، انہوں نے عمرو بن مرۃ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ عمرو نے ابی البحری سے، ابو البحری نے کہا:

((قال على لامته اكفى فاطمة الخدمة خارجا و تكفيك هى العمل فى البيت ولعجن، والخبز والطحن))

"امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی لونڈی سے کہا کہ تو گھر سے باہر فاطمہ کے کام سرانجام دے، وہ گھر کے اندر کے کام میں تیری کفایت کریں گی، یعنی گھر کا اندرونی کام کاج وہ کریں گی، مثلاً: آٹا گوندھنا، روٹی پکانا اور چکی پیسنا وغیرہ وغیرہ۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ایک دفعہ جب کہ کامیاب جنگوں میں سے کسی ایک جنگ میں قیدی جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے، حضرت فاطمہ سے فرمایا:

"جایئے! ایک قیدی عورت حضور ﷺ سے مانگئے۔ جس مشکل میں آپ ہیں اس میں وہ تمہارا ہاتھ بٹائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ جو مرتبہ آپ کا ان کے ہاں ہے، آپ ﷺ تمہیں خالی ہاتھ نہیں لوٹائیں گے۔"

حضرت زہرا نے اپنے محبوب خاوند کے حکم پر تعمیل کی اور اپنے باپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جناب نے ان سے پوچھا: بیٹا کیسے آنا ہوا؟ عرض کی: ابو! میں صرف سلام کرنے حاضر ہوئی ہوں۔ حیاء مانع آیا اپنے والد ماجد سے کچھ نہ مانگ سکیں، اور ایسے ہی واپس آگئیں، جیسے گئی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب ان کے اس معاملے کا پتہ چلا تو ان کے ساتھ ہو لئے اور دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دفعہ بات شروع کی اور حضور ﷺ سے وضاحت کی کہ مال غنیمت میں جو قیدی آپ کی خدمت میں آئے ہیں، فاطمہ اپنے لئے ایک عورت ان میں سے آپ سے مانگنے آئی تھیں تا کہ گھر کے کام کاج میں وہ ان کی مدد کر سکے، کیونکہ وہ اکیلی اس کام کو پورے طور پر نہیں کر سکتیں مگر شرم کی وجہ سے آپ ﷺ سے نہ مانگ سکیں۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو جو جواب دیا وہ یہ تھا:

((لا والله لا اعطيكما وادع اهل الصفة تتلوى بطونهم لا اجد ما انفق عليهم ولكن ابيعهم وانفق عليهم اثمانهم))

"نہیں! واللہ! میں یہ تمہیں نہیں دوں گا۔ تمہیں دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ ان کے پاس پیٹ بھوک کی وجہ سے ان کے جسموں کے ساتھ لگے ہوئے، بل کھا رہے ہوں اور میرے پاس ان پر خرچ کرنے کیلئے کچھ نہ ہو۔ لہٰذا میں ان کو بیچ کر ان کی قیمت ان پر خرچ کروں گا۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوامامہ کی روایت سے حدیث آئی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اصبری یا فاطمة ان خیر النساء التی نفعت اهلها))

''اے فاطمہ! صبر کیجئے۔ بے شک سب عورتوں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کو نفع دے۔''

اب حضرت زہرا اور ان کا خاوند جناب رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو سن کر خوشی خوشی واپس لوٹے، کیونکہ ان سے زیادہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ارادوں کو کون جانتا تھا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ دونوں یہ جانتے تھے کہ آپ ہمیشہ حق ہی کہتے ہیں اور حق ہی کرتے ہیں۔ حضرت فاطمہ کے اپنے والد ماجد سے اس مطالبہ نے آپ کے دل کی گہرائیوں میں اثر کیا۔ چنانچہ شام کے وقت آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ دروازہ کھولا تو کیا دیکھتے ہیں، کہ وہ دونوں سردی سے ٹھٹھرے ہوئے ایک لحاف میں سکڑے ہوئے ہیں، اگر اپنے سر کو ڈھانپیں، تو پیر ننگے ہوتے ہیں اور اگر قدموں کو ڈھانپتے ہیں تو سر ننگا ہوتا ہے۔ محبوب کو دیکھا تو ان کے استقبال کیلئے اٹھنے لگے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''اپنی جگہ میں ہی رہو، کیا میں تمہیں اس سے بہتر نہ بتاؤں جو تم نے مجھ سے مانگا ہے۔؟''

ان دونوں نے عرض کی:

''ہاں! کیوں نہیں یارسول اللہ! ہمیں ضرور بتایئے۔''

آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: یہ چند کلمات ہیں جو جبریل علیہ السلام نے مجھے سکھائے ہیں، تم ہر نماز کے بعد دس دفعہ سبحان اللہ، دس دفعہ الحمد اللہ اور دس دفعہ اللہ اکبر پڑھا کرو اور جب بستر پہ سونے لگو تو تینتیس دفعہ سبحان اللہ، تینتیس دفعہ الحمد للہ اور تینتیس دفعہ اللہ اکبر کہا کرو، بعدازاں انہیں الوداع کہا اور چل دیئے۔

جناب امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر بھر یہ کلمات پڑھتے رہے اور فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! جب سے مجھے جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ کلمات سکھائے ہیں میں نے ان کا پڑھنا نہیں چھوڑا، ان کے ساتھیوں میں سے ایک نے عرض کی: حضرت! کیا جنگ صفین کی رات بھی آپ نے ان کا پڑھنا ترک نہیں فرمایا۔؟ فرمانے لگے: صفین کی رات بھی میں نے ان کا پڑھنا نہیں چھوڑا۔

ایک روایت میں آیا ہے:

((''الا لیلة صفین فانی ذکر تهامن آخر اللیل فقلنها''))

''مگر صفین کی جنگ میں مجھے یہ تسبیحات رات کے آخری حصہ میں یاد آئیں تو میں نے انہیں پڑھ لیا۔''

اے میرے سردار! اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے سچ فرمایا ہے:

((لیست الدنیا لمحمد ولا لال محمد))

''دنیا محمد ﷺ اور آل محمد کیلئے نہیں کی۔''

رسول اللہ ﷺ کی محبوب بیٹی نے ہمیشہ تنگدستی اور عسرت میں زندگی گزاری، کیونکہ آپ کے خاوند کے پاس سوائے شجاعت، علم، ایمان، لگاتار جہاد کی دولت کے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی تھی اور کچھ نہیں تھا۔ آپ اس قدر چکی پیستی تھیں کہ ہاتھوں میں ورم آجاتا تھا۔ مشک بھر کے لاتیں یہاں تک کہ اس کے اٹھانے کے اثر سے آپ کا سینہ مبارکہ سیاہ ہو گیا اور اپنے ہاتھ سے جھاڑو لگاتیں۔ یہاں تک کہ کپڑے گرد آلود ہو جاتے۔ یہ تھی نبی امت ﷺ کی بیٹی کی زندگی اور اس امت

کے، شہ سوار اور عالم و فاضل ان کے خاوند کی زندگی، ایسی زندگی اور اس کی پریشانیوں اور گھریلو مشکلات سے اٹھا کر جناب رسول اللہ ﷺ نے بلند درجات کے لحاظ سے انہیں اعلیٰ وارفع مقام پر پہنچا دیا۔ بلاشبہ ان کا مقام یہ ہے کہ وہ تمام امت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

بہتر سے بہتر انداز جس کے مطابق حضرت فاطمہ کی زندگی کے بارے میں بیان کیا جا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ بلاشبہ ان کی زندگی ایک سنجیدہ اور مضبوط ارادے والی زندگی تھی۔ یہ وہ زندگی تھی جو اصل، خلق، حسب و نسب کے لحاظ سے معزز و کرم والدین کی طرف سے سراپا شفقت و رعایت (توجہ، نگرانی) کا نمونہ تھی۔ وہ تمام لوگوں کے ساتھ نیکی اور احسان کیا کرتے تھے، اپنی اولاد کے ساتھ ان کا احسان کس قدر ہوگا؟ جب وہ خدا کی مخلوق کے ساتھ مہربانی کرتے تھے تو بھلا اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ ان کی مہربانی و شفقت کس قدر ہوگی، اس معزز گھرانہ کے باسی بھی معزز، ماحول بھی اعلیٰ وارفع تو پھر ان کے کیا کہنے۔؟ اپنے والدین کریمین کے دولت کدہ میں حضرت زہرا نے وہ کچھ سیکھا جوان کے علاوہ شہر مکہ کی کسی بچی کو نصیب نہیں ہوا۔

اپنے والدین کے گھرانہ میں انہوں نے قرآنی آیات سیکھیں اور وہ عادات سیکھیں جن کے سہارنے کی ان کے آس پاس بسنے والے لوگوں کی طاقت نہ تھی خواہ وہ عابد ہوں یا غیر عابد مگر انہوں نے یہ سارا کچھ ایسے ہی سیکھا جیسے ان کے علاوہ دیگر بچیاں جزیرہ عرب کے دارالخلافہ میں سیکھتی ہیں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہم ان کے بارے میں یہ سنتے کہ وہ غزوہ احد میں اپنے باپ کے زخموں پر پٹی کرتی ہیں اور گھر کا بنانا سنوارنا اکیلے ہی اپنے ذمے لے لیتی ہیں اور کافی عرصہ تک کوئی عورت اس میں آپ کی مدد نہیں کرتی۔

اس سیدہ فاضلہ کی جو اس پاک گھرانے میں پرورش اور نشو ونما ہوئی وہ علم و فضل اور علوم قرآنی کے ساتھ مکمل رابطہ اور قرآن کریم کے مقاصد اور مضامین کے عین مطابق تھی اور جس قدر واقعات و حالات کا ہم مطالعہ کرتے ہیں وہ سارے کے سارے چادر والوں میں سے بہتر اور جناب رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کے ٹکڑے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت پر گواہ ہیں۔ ان کی پرورش ایسی پرورش تھی جو متانت، گوشہ نشینی، وقار اور قناعت پر مبنی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں یہ یقین ہو گیا کہ وہ ایک ایسی عالی نسب اور بلند پایہ نسل ہیں کہ حوا کی بیٹیوں میں سے کوئی بھی اس کا ہم پلہ نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس اعزاز اور اس شرف جس کی گرد راہ تک بھی نہیں پہنچا جا سکتا کہ کفالت پر یقین کامل کر لیا۔ وہ اپنے فاقوں کے درمیان محض اپنائیت اور بلند نسبی پر قناعت کا جذبہ لے کر جوان ہوئیں، یوں لگتا تھا کہ گویا کہ تمام اولاد آدم و حوا علیہما السلام میں سے اس لحاظ سے وہ الگ تھلگ ہیں۔ یہ نفس قوی ایسے جسم میں سکون پذیر رہا جو جسم انی روح کے لئے تنگ تھا۔ بہت کم ہی اس شخص کو راحت نصیب ہوا کرتی ہے جس میں نفس قوی اور جسم ضعیف جمع ہو جائیں کیونکہ یہ ایسا امتزاج ہے جو روح و جسم دونوں کو تھکا دینے والا ہے اور اس کا سہارا سوائے ایک سکون کے اور کوئی نہیں اور وہ سکون راحت ایمان ہے اور حضرت زہرا کی پرورش کے سلسلہ میں یہی توفیق ایزدی میسر تھی، اور یہی ان کا بڑا خاصہ تھا۔

بے شک آپ محنت ایمان پر پروان چڑھیں کیونکہ انہیں جو قوت نفسانی اور لاغری جسم حاصل تھی وہ چیز سیدہ فاطمہ کے اخلاق میں ان کے حق پر ثابت قدم رہنے کیلئے ایک قسم کی مدد و اعانت تھی جو حق پر ثابت قدم رکھنے کیلئے موزوں ہوا کرتی ہے اور اعانت کو لازم بناتی ہے۔ ایسا حق جس کا صاحب حق یقین رکھتا ہو، اس کی مدافعت کرتا ہو اور مخالفت کے باوجود اس سے

پیچھے نہ ہٹتا ہو۔ آپ اپنے والد گرامی ﷺ کے ساتھ اپنی نسبت پر بے حد نازاں تھیں ۔ دینداری پر یقین آپ کی فطرت میں شامل تھا۔ بڑے اونچے ارادہ کی مالکہ تھیں ۔ کسی بھی معاملہ کے جائزہ لینے میں ذرہ بھر بھی لاپرواہی نہیں برتتی تھیں، کچھ طرز ہائے عمل جوان کے بارے مروی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مضبوط ارادہ، پختہ عزم والی اور شریف النفس تھیں ۔ اپنے والد ماجد کے ساتھ اپنی نسبت پر انہیں جو فخر حاصل تھا اس کی ایک کڑی یہ تھی کہ اپنی اولاد کے اپنے والد ماجد کے ہم شکل ہونے پر وہ بہت نازاں تھیں اور وہ جب بھی ان کی ناز برداریاں اٹھاتیں اور ان کے ساتھ کھیل کود کرتیں تو اس کا ذکر ضرور کرتیں۔

اگر کہا جاتا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے نواسے جناب رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل ہیں تو اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز انہیں اچھی نہ لگتی۔ دیندارانہ طبیعت انہوں نے اپنے معزز والدین سے ورثہ میں پائی تھی اور ان کیلئے یہی کچھ کافی رہا جو انہوں نے خاتم الانبیاء سے ورثہ میں پایا اور آپ کی قربت اور تربیت سے سیکھا، مگر جو کچھ انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد اور اپنے نانا خویلد سے ورثہ میں پایا، اس نے اس میں اضافہ کر دیا۔ خویلد وہ شخصیت ہیں جو قوم تبع سے تعلق رکھنے والے یمن کے بادشاہ کے سامنے ڈٹ گئے تھے جس نے کعبہ شریف کی بے حرمتی کا ارادہ کیا تھا اور ایسے ہی وہ ورقہ بن نوفل جو اپنی توحید پرستی اور عبادت گزاری کے لئے مشہور تھے، حضرت خدیجہ ان کی چچازاد تھیں۔ انہوں نے اپنا سارا وقت تورات وانجیل اور ان دونوں میں نبی آخر الزماں ﷺ کے متعلق جو خوشخبریاں تھیں ان کی چھان بین میں صرف کر دیا۔ وہ وہی ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو اس وقت نبوت کی خوشخبری سنائی تھی، جب آپ ﷺ اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ کے ہمراہ ان کے ہاں تشریف لے گئے تھے اور جو کچھ آپ نے پہلی دفعہ غار حراء میں وحی آنے پر دیکھا تھا وہ ان سے بیان کیا۔ جس چیز کو وہ احکام دین سے سمجھتی تھیں ان میں وہ گناہ سے بچنے میں بہت احتیاط سے کام لیتی تھیں۔ حتیٰ کہ ہر چیز میں زیادہ احتیاط والی اور محفوظ چیز پر عمل پیرا ہوتی تھیں اور یہی چیز ان کی دینداری کی گہرائی اور صداقت ایمان پر دلالت کرتی ہے۔

☆ سیدہ فاطمہ اپنی رفتار وگفتار اور کلام میں اپنے والد ماجد ﷺ کے ساتھ تمام لوگوں سے بڑھ کر مشابہت رکھتی تھیں۔ سیدہ عائشہ نے ان الفاظ میں ان کی تعریف بیان کی ہے:

(("مارایت افضل من فاطمة غیر ابیها"))

"میں نے سوائے ان کے والد ماجد کے اور کوئی بھی فاطمہ سے افضل نہیں دیکھا۔"

جناب رسول اللہ ﷺ کی مرض وفات کے موقع پر حضرت عائشہ نے ان کو جب آپ کے پہلو میں بیک وقت روتے اور ہنستے ہوئے دیکھا تو انہیں اس بات سے بڑا اچنبا ہوا کہ وہ بھی دیگر عورتوں کی مانند ہیں۔ بعدازاں انہیں معلوم ہوا کہ وہ ہنسی اس لئے ہیں، کہ انہوں نے اپنے والد گرامی سے سنا کہ وہ ان کے گھر والوں میں سے پہلی وہ ہوں گی جو ان سے ملاقات کریں گی۔

آپ ایسے مضبوط ارادہ کی مالکہ تھیں جو کبھی کمزور نہیں پڑتا۔ اس کا اظہار اس وقت ہوا جب آپ کی شادی ہوئی اور اس وقت جب آپ نے حضرت سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے بحث کی۔ عورت کے صاحب ارادہ ہونے کی نشانی بعض دفعہ یہ ہوتی ہے کہ وہ خاموش رہتی ہے اور زیادہ کلام نہیں کرتی۔ حضرت زہرا کی بھی یہی عادت تھی کہ جب تک ان

سے کچھ پوچھا نہ جاتا وہ نہیں بولتی تھیں۔ وہ جب تک کوئی بات نہ جانتی ہوتیں اس کے بیان کرنے کی جلدی نہ کرتیں چہ جائیکہ وہ بات جسے جانتی بھی نہ ہوتیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی باتیں فقط وہی ہوتیں جو وہ اپنے والد ماجد سے مسجد اور گھر میں سنا کرتیں۔ اس سے زیادہ بالکل نہ ہوتیں۔ ہم اس بات کو نہیں بھولیں گے کہ حضرت زہرا ابھی تیس سال کی تھیں کہ ان کی وفات ہوگئی۔ جب ان سے اس طرح کی متانت، اس طرح کے یقین، ایسی خودداری اور ایسے ارادہ کا ظہور ہوا، جبکہ وہ ابھی اوائل عمر میں ہی تھیں تو بلاشبہ یہ حقیقت ان کے اندر ایک مخفی قوت پر دال ہے، جب بھی مفسرین ان کی اولاد کے اخلاق و عادات اور جو کچھ انہوں نے اس ذی مرتبت میراث سے حاصل کیا اس کو بیان کرنے بیٹھتے ہیں تو اسے ہی اصل بناتے ہیں۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

((لم يكن احد اشبه برسول الله صلى الله عليه وسلم من الحسن بن على و فاطمة))

''حضرت حسن بن علی اور فاطمہ سے بڑھ کر کوئی بھی جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا تھا۔''

☆ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

((مارايت احدا اشبه سمتنا ودلا و هديا برسول الله صلى الله عليه وسلم منها فى قيامها و قعودها من فاطمة بنت رسول الله))

''میں نے اٹھنے، بیٹھنے میں، ہیبت، حسن سیرت، طریقہ اور حسن معاملہ کے لحاظ سے فاطمہ بنت رسول اللہ سے زیادہ جناب رسول اللہ ﷺ کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔''

☆ حضرت عائشہ نے سیدہ فاطمہ کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے:

((''كانت اذا دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم قام اليها فقبلها واجلسها فى مجلسه و كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا دخل عليها قامت من مجلسها فقبله واجلسه فى مجلسها''))

''جب آپ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں، آپ ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے، بوسہ دیتے اور ان کو اپنی جگہ میں بٹھاتے اور جب جناب نبی کریم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ احتراماً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوتیں۔ آپ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ میں آپ کو بٹھاتیں۔''

☆ مسور بن مخرمہ سے روایت ہے:

((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة بضعة منى فمن اغضبها فقد اغضبنى))

''جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے، جس نے ان کو ناراض کیا، اس نے مجھے ناراض کیا۔ (اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)''

☆ زید بن ارقم سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، فاطمہ اور حسن و حسین (رضی اللہ عنہم) سے

فرمایا:

((”انا حرب لمن حاربتم، وسلم لمن سالمتم“ رواہ احمد والترمذی وابن حبان والحاکم وصححاہ))

”جس سے تمہاری لڑائی ہے میں بھی اس کے ساتھ برسرپیکار ہوں، جس سے تمہاری صلح ہے میری بھی اس کے ساتھ صلح ہے۔ اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور ان دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔“

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

((”خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم غداۃ وعلیہ مرط مرجل من شعرا اسود، فجاء الحسن بن علی فادخلہ ثم جاء الحسین فدخل معہ ثم جاء ت السیدہ فاطمۃ فاد خلھا، ثم جاء علی فاد خلہ، ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا“))

”جناب نبی کریم ﷺ ایک صبح نکلے، آپ ریشمی یا اونی یا کاٹن کی منقش چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ یہ سیاہ بالوں سے بنی ہوئی تھی۔ حضرت حسن بن علی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے انہیں اس چادر میں داخل کرلیا، پھر حسین آئے وہ بھی آپ کے ساتھ اس چادر میں داخل ہوگئے، پھر سیدہ فاطمہ تشریف لائیں آپ نے ان کو بھی اپنے ہاں بلالیا۔ پھر حضرت علی آئے، ان کو بھی آپ ﷺ نے یہ چادر اوڑھادی۔ پھر فرمایا:

((انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا))

”اللہ تعالیٰ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے گھر والو! کہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کردے اور تمہیں خوب ستھرا کرے۔“

☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم جناب نبی کریم ﷺ کی سب بیویاں آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں، ان میں سے کسی ایک کو بھی آپ نے پیچھے نہیں چھوڑا (یعنی سب آپ کے پاس موجود تھیں) اتنے میں حضرت فاطمہ تشریف لائیں وہ جو چال چل رہی تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی چال سے ذرہ بھر بھی مختلف نہ تھی۔ جب آپ ﷺ نے ان کو دیکھا، ان کا استقبال کیا، فرمایا: میری بیٹی! خوش آمدید۔ بعدازاں انہیں اپنے دائیں طرف یا بائیں طرف بڑھادیا۔ پھر ان سے سرگوشی کی تو وہ سخت روئیں۔ جب آپ ﷺ نے ان کا جزع فزع دیکھا تو دوبارہ ان سے سرگوشی کی۔ وہ ہنس پڑیں۔ میں نے ان سے کہا: اپنے سارے گھر والوں کو چھوڑ کر اپنے راز کے اظہار کے سلسلے میں، جناب رسول اللہ ﷺ نے آپ ہی کو خاص کیا ہے۔ پھر آپ روتی بھی ہیں عجیب بات ہے۔؟ جب جناب رسول اللہ ﷺ اٹھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے آپ سے کیا فرمایا ہے۔؟ فرمایا: میں جناب رسول اللہ ﷺ کا راز افشا نہیں کروں گی۔ جب جناب رسول کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو میں نے ان سے کہا: میرا جو حق آپ کے ذمہ ہے وہ براہ کرم مجھ سے بیان کردیجئے۔ اس وقت انہوں نے کہا: ہاں! اب میں بتاؤں گی۔ سنو! پہلی دفعہ جس وقت آپ نے مجھ سے سرگوشی کی تو آپ نے مجھے بتایا کہ جبرائیل علیہ السلام عموماً سال

میں ایک دفعہ میرے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے، مگر اس دفعہ انہوں نے دو دفعہ دورہ کیا ہے۔ مجھے تو یہی لگتا ہے کہ میرا وقت مقررہ قریب آچکا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہنا اور صبر کرنا۔ بے شک میں تمہارا بہت ہی اچھا پیشرو ہوں۔ انہوں نے کہا: میں وہ رونا روئی جو آپ نے دیکھا، جب میرا واویلا آپ نے دیکھا اور سنا تو دوبارہ مجھ سے سرگوشی فرمائی۔ فرمانے لگے: اے فاطمہ! کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ تو سارے جہان کی عورتوں کی سردار ہو یا آپ نے فرمایا کہ اس امت کی عورتوں کی سردار ہو۔ پس میں وہ ہنسنا ہنسی جو آپ نے دیکھا۔ (اس حدیث پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ الفاظ مسلم کے ہیں)''

☆ حذیفہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میری ماں نے مجھ سے پوچھا کہ تیری جناب نبی کریم ﷺ سے کب ملاقات ہوئی تھی۔؟ میں نے کہا کہ اتنے عرصے سے میری آپ ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میں نے بتایا تو یہ سن کر وہ مجھے گالیاں دینے لگ گئیں اور میرے ساتھ سختی سے پیش آئیں۔

اسی وقت میں نے کہا: مجھے چھوڑیئے۔ (اجازت دیجئے) میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ابھی ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ نماز مغرب آپ کے ساتھ پڑھوں گا۔ نیز آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ میرے اور میری ماں کیلئے بخشش طلب کریں، چنانچہ میں جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کے ہمراہ نماز مغرب ادا کی۔ آپ نے مغرب کی نماز پڑھنا شروع کی۔ اتنی دیر نماز میں لگائی کہ عشاء کا وقت ہو گیا۔ آپ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر آپ تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ آپ ﷺ نے اپنے پیچھے میرے چلنے کی آواز سنی تو میری طرف متوجہ ہوئے۔ فرمایا: یہ کون ہے؟ حذیفہ بن الیمان ہے! اے حذیفہ کیا بات ہے۔؟ میں نے آپ ﷺ کو اپنی ماں کی بات بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے اور تیری ماں کو بخشے۔ پھر مجھ سے فرمایا: کیا تم نے وہ بادل نہیں دیکھا جو میرے سامنے آیا؟ میں نے عرض کیا: ہاں! یا رسول اللہ! میں نے دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ تھا جو اس رات سے پہلے ہرگز زمین پر نہیں اترا تھا۔ اس نے میرے رب سے اجازت لی:

((من الرجال كثير ولم يكمل من النساء الامريم بنت عمران و آسية امراة فرعون و خديجة بنت خويلد و فاطمة بنت محمد صلى الله عليه وسلم و فضل عائشه على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام))

''مردوں میں سے بہت سارے کامل ہوئے ہیں، مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمران اور آسیہ، فرعون کی بیوی، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد کے اور کوئی عورت کمال کو نہیں پہنچی۔ اور حضرت عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے سارے کھانے پر ثرید (شوربا جس میں روٹی بھگوئی ہوئی ہو) کی فضیلت ہوتی ہے۔''

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدہ فاطمہ کا جناب نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارکہ میں بڑا کردار (رول) ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے میں ان کا بڑا اثر ہے۔ آپ پانچ برس کی ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد ماجد حضرت محمد ﷺ کو رسالت کیلئے چن لیا۔ چنانچہ آپ دعوت الی اللہ کے سائے میں پلی بڑھیں اور

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ ہمہ وقت آپ کے پہلو بہ پہلو رہیں۔ ہمیشہ آپ ﷺ کی ڈھارس بندھواتی تھیں۔ آپ کے حالات و اخبار کا پوری طرح پتہ رکھتی تھیں اور قریشی جس رکاوٹ و روگردانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کے مقابلہ میں آتے تھے، آپ اس کے آگے ڈٹ جاتی تھیں ان کی اور ان کی طرف سے جس رکاوٹ، روگردانی اور ایذا دہی کا آپ کو سامنا تھا اس سے آپ بہت غمزدہ ہوتیں، آپ کو بڑا دکھ ہوتا اور یہ بات آپ کے دل کو اپنے والد معظم پر رحمت و شفقت سے بھر دیتی، وہ آپ کی پشت پناہی کرنے، آپ کے ساتھ مصائب پر صابر رہنے اور آپ کا دفاع کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان مذکورہ بالا مشکلات کا جوں جوں اثر بڑھتا گیا۔ ان کی ذمہ داریاں بھی بڑھتی گئیں۔ جب ان کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو ان کا بوجھ دگنا ہو گیا اور روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام ان کی والدہ کی ماں والا نام رکھا گیا۔

مسلمانوں میں سے وہ کون ہے جو عقبہ بن ابی معیط کے ساتھ ان کے طرز عمل سے ناواقف نہ ہو جبکہ وہ سرکش کا فر مذبوحہ جانوروں کی اوجھری آپ ﷺ کے سر مبارک پر رکھنے کی جرأت کرتا ہے اور آپ اس وقت کعبہ کے سایہ میں سر بسجود ہوتے ہیں۔ اس وقت حضرت فاطمہ جلدی کرتی ہیں اور عقبہ کو برا بھلا کہتی ہیں اور اس کی درشتی اور تکبر کو للکارے ہوئے آپ کے سر مبارک سے اس کو ہٹاتی ہیں، ہر شخص جو اس کے ساتھ تھا وہ نبی کریم ﷺ سے مکر کرنے اور تکلیف دینے میں اسی کی تائید کرتا تھا۔

یہ عظیم و جلیل خاتون جس کی ذات سے اسلامی دعوت کی تاریخ کے بہت بڑے حصے کی نمائندگی ہوتی ہے۔ انہوں نے دور رسالت کے سارے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کے ہر ہر حصے کے ساتھ اپنی زندگی کے لمحات گزارے اور ان ذمہ داریوں کے بوجھ کو جن کو جناب نبی کریم ﷺ اٹھا رہے تھے اور ان کی جن سختیوں پر صبر کر رہے تھے اس کو محسوس کیا اور جس دن جناب نبی کریم ﷺ کوہ صفا پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکار رہے تھے:

''اے اولاد ہاشم! اے عبد مناف کے بیٹے! میں خاص طور پر تمہاری طرف اور تمام لوگوں کی طرف اللہ کا سوال ہوں۔ وہ آپ کے کلمات کو قریب سے سن رہی تھیں اور ان کو سمجھ بھی رہی تھیں۔ حضرت زہرا اس دن بھی آپ ﷺ کے قرب و جوار میں تھیں جس دن آپ مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے اور بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے۔ اللہ کا دشمن عقبہ بن ابی معیط آپ کے انتظار میں تھا جونہی آپ ﷺ نے سجدہ کیا، وہ خبیث اٹھا اور جناب نبی کریم ﷺ کی گردن مبارک کو اپنے ناپاک قدموں سے روندا۔ اس کی یہ حرکت جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھی تو اس ملعون کو آپ ﷺ سے دفع کیا اور اپنی یہ مشہور بات کہی:

((ویحکم اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ))

''تمہاری خرابی ہو کیا تم ایسے شخص کے قتل کے درپے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔''

وہ جو کوئی تکلیف دہ چیز حالت سجدہ میں آپ ﷺ کے سر مبارک پر رکھتے، وہ آپ ﷺ کے سر مبارک سے ہٹاتیں اور انہیں کس قدر دکھ ہوتا، جب وہ دشمنان خدا کو دیکھتیں کہ وہ ان کے والد گرامی رسول کریم ﷺ اور

ان کے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تکلیف پہنچاتے ہیں، جو ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہوئے ہیں، آپ کی مدافعت کرتے ہیں، پس انہوں نے اسی پاداش میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مارا پیٹا، گالیاں دیں، ان کے جسم مبارک کو زخمی کر ڈالا اور ان کے بال کھینچے۔ ہاں ہاں وہ اس وقت بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھیں جب آپ ﷺ اپنے زخموں کی وجہ سے تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ ہر مشکل و آزمائش جو آپ ﷺ پر آئی اس میں یہ معزز خاتون آپ کے شانہ بشانہ رہیں اور ہر تکلیف جو آپ کے معزز باپ کو پہنچی اس پر وہ روتی تھیں۔ وہ معزز باپ جو ہمیشہ مصائب پر صابر رہ کر طالب ثواب رہا، انہیں اطمینان دلاتا تھا، ان کا غم دور کرتا تھا اور انہیں یہ خوشخبری سناتا تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے، یہ زہرا مبارکہ فی الحقیقت کچھ عرصہ اس قوم کے حصار میں رہیں جس نے ان کو دکھ میں مبتلا کیا، ان کو تکلیف دی اور ان کے دل میں غموں کو گہرا کر دیا۔ خصوصاً جب کہ بغیر کسی گناہ اور جرم کے انہوں نے اس قوم کو اس قدر دشمنی دیکھی۔

اندرون گھاٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار پڑ گئیں۔ جناب رسول کریم ﷺ کا سارے کا سارا خاندان، قریش کی اس سنگدلی اور ظلم کا نشانہ بنا ہوا تھا اور اس کی سختی برداشت کر رہا تھا۔ حضرت سیدہ خدیجہ اس چھوٹی بچی کے بارے میں بہت خائف تھیں، خصوصاً جبکہ ان پر بیماری نے قابو پالیا۔ مرض بڑھ گئی اور انہوں نے اپنی موت کو قریب محسوس کیا، جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو جناب رسول اللہ ﷺ بہت غمناک ہوئے اور جدائی کی شدت اور کڑواہٹ، اکیلگی کی زیادتی اور مصیبت کے خوف کو محسوس کیا۔ انہوں نے اپنی عظیم بیوی کو الوداع کہا، جس نے ہمیشہ آپ ﷺ کی مدد کی تھی، آپ کی حوصلہ افزائی کی تھی اور غمخواری کی تھی اور وہ بلاشک آپ کی رفیقہ حیات ہونے کے ناطے سے سرچشمہ مہربانی، رحمت اور شفقت تھیں۔

واقعی طور پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس دعوت کی ذمہ داریوں کو اٹھانے میں آپ کے ساتھ ایک موثر اور حقیقی شرکت کی اور آپ کے دکھوں اور غموں سے انہیں بہت بڑا حصہ ملا۔ کیا تمہیں جنگ احد کی عظیم خبر پہنچی ہے جب اس دن یہ مشہور ہو گیا تھا کہ معاذ اللہ حضرت محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں، مدینہ میں یہ خبر سیدہ فاطمہ اور مومنین کی عورتوں کو پہنچی، اس خبر سے سارا مدینہ کانپ اٹھا۔ سیدہ فاطمہ یہ معلوم کرنے کیلئے کہ کیا ہوا اور حقیقت معلوم کرنے کیلئے دوڑ پڑیں، جب انہوں نے اپنے والد گرامی کو اس حال میں دیکھا کہ خون ان کے چہرہ مبارک سے بہہ رہا ہے تو آپ کی مدد کرنے میں جلدی کی اور اپنے ہاتھوں سے خون روکنے کی کوشش کی مگر نہ روک سکیں اور ان کے خاوند حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ڈھال کے ساتھ آپ ﷺ کے چہرے مبارک پر پانی انڈیل رہے تھے مگر جب حضرت فاطمہ نے دیکھا کہ اس طرح اس سے اور زیادہ خون بہتا ہے تو انہوں نے جلدی سے ایک پرانی چٹائی کا ٹکڑا لیا، اسے جلایا یہاں تک کہ وہ راکھ بن گیا، پھر اسے زخم کے ساتھ چمٹا دیا، اس سے خون بالکل تھم گیا۔

حضرت زہرا کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ ان سے بہت محبت کیا کرتے، ان کی عزت و اکرام کرتے، انہیں دیکھ کر خوش ہوتے، وہ سب لوگوں سے بڑھ کر انہیں محبوب تھیں، سب سے زیادہ بڑھ کر آپ کے دل کے قریب تھیں، سب سے زیادہ آپ کے ساتھ لگے رہنے والی تھیں، آپ سب سے جلدی ان کو سمجھنے والے، آپ کے

مطالب واغراض کوسب سے جلدی قبول کرنے اوران کی حاجات پر لبیک کہنے والے تھے۔ترمذی نے روایت کی ہے:

((ان عائشة رضی الله عنها سئلت ای الناس کان احب الی رسول الله صلی الله علیه وسلم قالت فاطمة قیل من الرجال قالت زوجها ان کان ما علمت صواماً قواماً))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کون جناب رسول اللہ کوسب سے زیادہ پیارا تھا۔فرمایا: فاطمہ۔کہا گیا: مردوں میں سے یہ فرمایا: ان کے خاوند (حضرت علی) جیسا کہ میں جانتی ہوں کہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والا اور بہت زیادہ قیام کرنے والے ہیں۔''

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((''کان احب النساء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فاطمة ومن الرجال علی))

''سب عورتوں سے فاطمہ آپ کومجبوب ترین تھیں،اور مردوں میں سے علی۔''

حضرت فاطمہ لب ولہجہ کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ سچی تھیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

((مارایت احدا کان اصدق لهجة من فاطمة الا آن یکون الذی ولدها))

''میں نے فاطمہ سے زیادہ کلام میں سچا کوئی نہیں دیکھا۔سوائے ان کے جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے۔''

آپ کی سیادت وفضیلت میں بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں۔ان میں چند درج ذیل ہیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔انہوں نے کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((حسبك من نساء العالمین اربع مریم بنت عمران، و خدیجة بنت خویلد و فاطمة بنت محمد و آسیة امراة فرعون))

''تیرے لئے دونوں جہانوں کی عورتوں میں سے چار کافی ہیں: مریم عمران کی بیٹی، خدیجہ خویلد کی بیٹی، فاطمہ حضرت محمد ﷺ کی دختر نیک اختر اور آسیہ فرعون کی بیوی۔''

بخاری ومسلم نے اور دیگر محدثین نے حضرت فاطمہ سے روایت کی،انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کی:

((افضل نساء اهل الجنة خدیجة و فاطمة))

''اہل جنت کی عورتوں کی سردار خدیجہ وفاطمہ ہیں۔''

جناب نبی کریم ﷺ ان کو دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، نہ ہی ان کی ملاقات میں دیر کیا کرتے تھے اور اپنے آپ سے ان کی دوری کو زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔اکثر اوقات ان کے ہاں تشریف لے جاتے، ان کے پاس بیٹھتے اور زیادہ دیر بیٹھے رہتے، ان کے معاملات اور کاموں میں ان کے ساتھ شریک ہوتے، ان کی اولاد کو ان سے لے کر خود اٹھاتے، ان کے چھپے بھید اور ان کے دل کی باتیں ان سے معلوم کرتے اور اس چیز کے بارے میں ان سے پوچھتے جو ممکن ہے ان کو دکھ دے سکتی ہو یا انہیں تکلیف دے رہی ہو۔

اسامۃ بن زید کی حدیث سے ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے جو روایت کی ہے اس کے ضمن میں ابو ہریرہ ہم سے

بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا:

''میں جناب نبی کریم ﷺ کے دولت خانہ میں حاضر ہوا۔ مجھے بتایا گیا کہ آپ سیدہ فاطمہ کے ہاں تشریف رکھتے ہیں۔ میں وہاں آپ کے پاس حاضر ہوا، جب میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو جناب رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے، اس وقت آپ اپنی چادر مبارک اوڑھے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس چادر کے درمیان کوئی چیز اٹھائے ہوئے ہیں۔ عرض کی: یارسول اللہ! یہ کیا چیز ہے؟ آپ مسکرا دیئے اور فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے حسن وحسین ہیں؟ اے اللہ! ان دونوں سے محبت کر اور جوان دونوں سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت کر۔''

جب جناب نبی کریم ﷺ حج یا جنگ میں جانے کا ارادہ فرماتے تو مدینہ منورہ سے اس وقت تک نہ نکلتے جب تک آخری دفعہ حضرت فاطمہ سے ملاقات نہ کر لیتے اور جب سفر سے واپس لوٹتے تو سب سے پہلے مسجد میں جاتے دو رکعت نماز پڑھتے، پھر سیدہ فاطمہ کے ہاں تشریف لاتے، پھر اپنی ازواج کے ہاں تشریف لے جاتے۔ بعض اوقات آپ کی بعض ازواج اس پر کچھ اظہار ناراضگی بھی کرتیں، مگر آپ ﷺ ان سے فرماتے:

((ان فاطمة الزهراء احب اهل بيتى الى))

''بے شک فاطمہ مجھے اپنے گھر والوں سے زیادہ پیاری ہیں۔''

جناب نبی کریم ﷺ اہل بیت کی تادیب وتہذیب کا بہت اہتمام فرمایا کرتے تھے تاکہ دنیا کی اس مختصر سی زندگی میں ان کے اہل بیت زہد وتقویٰ کا اعلیٰ نمونہ بنیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((دخل رسول الله ﷺ على فاطمة وانا معه وقد اخذت من عنقها سلسلة من ذهب فقالت هذه اهدا هالى ابو الحسن و فقال يا فاطمة ايسرك ان يقول الناس هذه فاطمه بنت محمد و فى جيدها سلسله من نار))

''جناب رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ کے ہاں تشریف لائے۔ میں اس وقت آپ کے ہمراہ تھا۔ انہوں نے اپنی گردن سے سونے کی زنجیر اتاری اور عرض کی: یہ وہ زنجیر ہے جو مجھے حضرت حسن کے باپ (حضرت علی المرتضیٰ) نے بطور تحفہ دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تمہیں یہ بات اچھی لگتی ہے کہ لوگ کہیں کہ یہ فاطمہ بنت محمد ﷺ ہیں اور ان کی گردن میں آگ کی زنجیر ہے۔؟''

بعد ازاں آپ ﷺ وہاں سے نکلے تو حضرت فاطمہ نے اس زنجیر کے بدلے ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((الحمد لله الذى نجى فاطمة من النار))

''سب تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے کہ جس نے فاطمہ کو جہنم کی آگ سے بچالیا۔''

یہ ہیں فاطمہ الزہرا جن کا تعارف کسی بیان یا گفتگو کا محتاج نہیں، وہ اس سے بلند وبرتر ہیں۔ ان کے لئے یہی تعریف کافی ہے کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بیٹی ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں اور ہمارے دو عظیم سردار حسن وحسین اللہ

عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اپنے باپ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو سب لوگوں سے بڑھ کر پیاری ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر ان کا نام اکثر آیا کرتا تھا اور غالباً ہم اس مخزومی عورت کے واقعہ کو نہیں بھولیں گے جس نے چوری کی تھی اور وہ قریش کے ایک سربر آوردہ اور شریف ترین قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی جب اس کے گھر والوں کو اس عار کا سامنا کرنے کا خوف ہوا جو اس پر چوری کی حد جاری ہو جانے سے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کی وجہ سے انہیں پہنچ سکتا تھا تو انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے محبوب اور محبوب کے بیٹے اسامہ بن زید کو جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفارشی بنا کر بھیجا، تا کہ ان کی سفارش سے کم از کم اس عورت کا ہاتھ تو نہ کاٹا جائے۔ جب جناب نبی کریم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے اپنا مشہور اور زندہ جاوید جواب دیا، جو اس طرح ہے:

((یااسامة اتشفع فی حد من حدود الله والله لو ان فاطمه بنت محمد سفقت لقطعت یدها))

"اے اسامہ! کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد میں سفارش کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتیں تو میں ان کا ہاتھ بھی کاٹ لیتا۔"

سیدہ کے مناقب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی اولاد حضرت فاطمہ کی اولاد میں ہی محفوظ رکھی اور رسول اللہ ﷺ کی نسل کو حضرت فاطمہ کی نسل کی صورت میں باقی رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے حضور ﷺ کے اپنے بیٹیوں اور بیٹوں کو چھوڑ کر وہی اکیلی اس پاک نسل اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے برگزیدہ اولاد کی ماں ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہی۔ حضرت قاسم، عبداللہ اور ابراہیم ابھی چھوٹے بچے ہی تھے کہ وفات پا گئے۔ وہ بچپن کے گھیرے سے نکلے ہی نہیں اور نہ ہی سن بلوغت کو پہنچے۔ جہاں تک آپ ﷺ کی بیٹیوں کا تعلق ہے تو وہ چار تھیں: سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) آپ کی پاکباز بیٹیوں میں سے سوائے زہرا بتول کے کوئی بھی زندہ نہ رہی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے دو معزز نواسے اور دو چمکتے ہوئے روشن بیٹے حسن وحسین عطا فرمائے۔ سیدہ فاطمہ کو بہادر، مجاہدہ، طویل عمر پانے والی، فرمانبردار، پاکباز بیٹی سیدہ زینب بنت علی بھی عطا ہوئیں۔ جن کی طرف بڑے مشہور و معروف طرز ہائے عمل منسوب ہیں، ان کی لائق ستائش خوبیوں کا ایک سلسلہ ہے۔

حضرت زہرا کی اولاد میں سے سارے کے سارے اہل بیت بڑے معزز و مکرم، ممتاز اور نادر الوجود شخصیات تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

(("لماثقل النبی صلی الله علیه وسلم جعل بتغشاه لکرب فقالت فاطمة رضی الله عنها واکرب ابتاه"))

"جب جناب نبی کریم ﷺ کے مرض میں شدت پیدا ہوگئی اور تکلیف کا آپ ﷺ پر غلبہ ہو گیا تو حضرت فاطمہ نے کہا: ہائے میرے باپ کی تکلیف!"

تو حضور ﷺ نے فرمایا:

((لیس علی ابیک کرب بعد الیوم))

''اے بیٹی! آج کے بعد تیرے باپ کو کبھی بھی تکلیف نہیں ہوگی۔''

جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو حضرت فاطمہ نے فرمایا:

((یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ))

''اے میرے باپ! ہم جبریل کو آپ کی وفات کی خبر سناتے ہیں۔''

جب آپ ﷺ کو دفن کیا گیا تو سیدہ نے فرمایا:

((اطابت انفسکم ان تھشوا علی رسول اللہ التراب))

''کیا تمہیں یہ بات پسند آتی ہے کہ تم جناب رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالو۔؟''

دو باتیں جو سیدہ فاطمہ کے بارے میں منقول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اسماء بنت عمیس سے فرمایا:

''کیا تو نہیں دیکھتی کہ میں کس نوبت تک پہنچی ہوئی ہوں۔ میرا جنازہ نمایاں اور کھلی چارپائی پر نہ اٹھانا۔''

عبداللہ بن بریدۃ کی روایت میں ہے کہ آپ نے اسماء سے فرمایا:

((انی لاء ستحی ان اخرج غمدا علی الرجال خلالہ جسمی))

''میں اس سے شرم محسوس کرتی ہوں کہ میں لپٹی ہوئی مردوں کے کندھوں پر اٹھائی جاؤں اور درمیان میں میرا جسم ہو۔''

ام جعفر کی روایت یوں ہے کہ سیدہ نے فرمایا:

((انی استقبح مایصنع بالنساء یطرح علی المراۃ الشوب فیصفھا))

''جو کچھ عورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، میں اس کو برا سمجھتی ہوں۔ ایک کپڑا ان پر ڈال دیا جاتا ہے، جس سے ان کے اعضاء کا حجم اور وزن واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔''

اسماء نے ان سے کہا:

''اے جناب رسول ﷺ کی دختر نیک اختر! ایسا نہیں ہوگا، میں ایک ایسا تابوت بناؤں گی جسے میں نے حبشہ میں بنتے دیکھا ہے۔''

حضرت فاطمہ نے فرمایا:

''وہ ذرا مجھے دکھایئے تو سہی۔''

اسماء نے کھجور کی تر شاخیں منگوائیں، انہیں مہندی کے ساتھ رنگا، پھر چارپائی پر تابوت رکھ دیا۔ حضرت فاطمہ نے اسے دیکھا تو آپ مسکرا دیں (حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سوائے اس دن کے کبھی بھی آپ کو مسکراتا ہوا نہیں دیکھا گیا تھا) اور اسماء سے فرمانے لگیں:

((مااحسن ھذا واجملہ تعرف بہ المراۃ من الرجل سترك اللہ کما سترتنی اذامت فغسیلنیی انت وعلی، ولا یدخلن احد علی))

''کس قدر یہ اچھا ہے اور کتنا ہی یہ خوبصورت ہے۔ اس کے ذریعے مرد اور عورت میں تمیز کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری بھی ایسے ہی پردہ پوشی فرمائے جیسے تو نے میری کی ہے۔ جب میں فوت ہو جاؤں تو آپ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھے غسل دیں۔ آپ دونوں کے علاوہ میرے پاس کوئی نہ آنے پائے''۔

بروز منگل، دس رمضان المبارک ۱۱ ہجری کو آپ کی وفات ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھائیس برس کی تھی۔ راتوں رات ان کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہا نے خود پڑھائی۔ قبر میں بھی سیدنا علی اور فضل بن عباس اترے۔ ''کتاب الذریۃ الطاہرہ للدولابی'' میں آیا کہ حضرت فاطمہ جناب نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد تین ماہ زندہ رہیں۔ سب سے صحیح ترین روایت زہری کی ہے جو عروۃ بن الزبیر سے مروی ہے۔ انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کی۔ حضرت عائشہ نے فرمایا:

''جناب رسول اللہ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ تقریباً چھ ماہ زندہ رہیں۔ بعد ازاں یہ معزز و مکرم خاتون رب تعالیٰ کے حضور منتقل ہو گئیں اور اپنی پاک روح اس حال میں روح آفرین کے سپرد کی کہ ابھی تک عین عالم شباب میں تھیں، تقریباً اٹھائیس برس کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ جناب رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد جس ہستی کی وفات پر مسلمان بہت زیادہ غمناک ہوئے وہ آپ ہی تھیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہمیشہ کی زندگی پانے والوں کی صف میں شامل ہونے والی سیدہ زہرا پر اللہ تعالیٰ کا سلام، صالحین اور پاکبازوں میں ان پر اللہ کا سلام، تا روز قیامت ملاء اعلیٰ کی جماعت میں شامل ہونے والی پر اللہ کا سلام اور نبیوں اور صدیقوں کی رفاقت میں جنت الفردوس میں بسنے والی پر اللہ کا سلام جہاں تک ان کی اولاد کا تعلق ہے تو وہ حسن، حسین، محسن (محسن بچپن میں فوت ہو گئے تھے) ام کلثوم اور زینب ہیں۔ لیث بن سعد نے ایک اور لڑکی رقیہ کا بھی اضافہ ہے، یہ سن بلوغت میں قدم رکھنے سے پہلے ہی وفات پا گئی تھیں۔ حضرت علی نے سیدہ فاطمہ کی وفات تک دوسری شادی نہیں کی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ کی ساری اولاد سوائے حضرت فاطمہ کے آپ کی زندگی مبارکہ میں ہی وفات پا گئی تھی۔ ان کی وفات آپ ﷺ کے وصال کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ چنانچہ اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ ہی حضور ﷺ سے جا ملیں۔ جناب نبی کریم کی نسل انہیں کی اولاد حضرت حسنین سے ہی پھیلی، جہاں تک آپ ﷺ کی دختر نیک اختر حضرت زینب کا تعلق ہے تو ان سے صرف ایک لڑکی امامہ نامی پیدا ہوئیں جو ابو العاص کی بیٹی تھیں۔ حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد حضرت علی نے ان سے شادی کر لی۔ ان سے حضرت علی کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پھر انہوں نے مغیرہ بن نوفل سے شادی کی۔ اس کی بھی ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ نے حضرت عثمان کیلئے ان کے بیٹے عبداللہ کو جنم دیا جو چھ سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوئے۔

جہاں تک ام کلثوم کا معاملہ ہے تو ان کے بطن سے حضرت عثمان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، جو اس منشائے ایزدی کی متقاضی تھی۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کر رہا ہے:

(("ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبین و کان اللہ بکل شئی علیما))

''حضرت محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں میں سے آخری

نبی ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔"

((اللهم صلی علی سیدنا محمد و علی آزواجه و ذریته کما صلیت علی سیدنا ابراهیم و بارك علی محمد و علی ازواجه و ذریته کما بارکت علی ابراهیم انك حمید مجید))

"اے اللہ! رحمت بھیج ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر، آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد پر جیسے تو نے ہمارے سردار حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھیجی اور حضرت محمد ﷺ پر اپنی برکت نازل فرما اور آپ کی ازواج پر اور آپ کی اولاد پر جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ بے شک تو سب خوبیوں سے اعلیٰ اور بزرگ و برتر ہے۔"

سیدہ سے مروی حدیث درود: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث درود کو ابو العباس ثقفی نے سند کے ساتھ فاطمہ بنت حسین سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((اذا دخلت المسجد فقولی بسم الله و الحمدلله اللهم صل علی محمد و سلم اللهم اغفرلی و سهل لی ابواب رحمتك فاذا خرجت من المسجد فقولی کذلك الا انه قال و سهل لی ابواب رزقك))

"جب تم مسجد میں داخل ہو تو کہا کرو: اللہ کے نام سے شروع، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اے اللہ! محمد ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیج۔ یا اللہ! مجھے بخش دے اور اپنی رحمت کے دروازے میرے لیے آسان کر دے۔ اور جب مسجد سے نکلو تو اسی کی مثل کہو، مگر رحمتک کی جگہ رزقک کہنا چاہئے۔"

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور لکھ دیا کہ حدیث کی سند حدیث کی متصل نہیں کیونکہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی دادی فاطمہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا۔

امام ابن ماجہ نے بھی ترمذی کی طرح روایت کیا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث:

حالات: سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا نام "حرب" تھا لیکن سید الکونین، امام الرسل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرما کر "حسن" رکھ دیا۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((لما ولد حسن سمیته حرباً، فجاء رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ارونی ابنی، ماسمیتموه؟ قال: قلت حرباً قال: بل هو حسن))

"جب حسن پیدا ہوا، تو میں نے اس کا نام حرب رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرے بیٹے کا دیدار کرواؤ، اس کا نام کیا رکھا ہے؟ میں نے کہا: حرب رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں وہ تو حسن ہے۔"

دوسری حدیث میں کچھ یوں ہے:

حضرت علی المرتضی فرماتے ہیں:

((لما و لد الحسن سماہ حمزۃ فدعانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسماہ))

''جب حسن پیدا ہوا تو اس کا نام حمزہ رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور کہا: مجھے یہ نام تبدیل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں تو حضور نے ان کا نام حسن رکھا۔''

((اول من سمی بالحسن والحسین: السبطان ولدا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب من فاطمۃ بنت رسول اللہ ﷺ))

''سب سے پہلے حسن و حسین رسول اللہ کے نواسے، حضرت علی کے بیٹے جو حضرت فاطمہ سے پیدا ہوئے ان کا نام رکھا گیا۔ یعنی ان شہزادوں سے پہلے کسی کا نام حسن و حسین نہیں تھا۔''

(معجم ماتخص آلبیت النبوی ص 72)

(حجب اللہ ھذین الاسمین عن ان یسمی بھما حتی سمی بھما النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابنیہ علیھما السلام، اما حسن و حسین الموجود ان فی انشاب طیی فالاول بسکون السین الثانی بفتح الحاء و کسر السین))

''اللہ تعالیٰ نے یہ نام رکھنے سے روکے رکھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں نواسوں کا نام رکھا اور جو نام حسن اور حسین یہ طیی قبیلہ کے نسب میں موجود ہیں پہلا سین کے سکون کے ساتھ اور دوسرا یاء پر زبر اور سین پر زیر کے ساتھ ہے۔''

(العصیف والتحریف، صبح الاعشی جلد نمبر 6 صفحہ 11 معجم ماتخص آل البیت صفحہ نمبر 73 غصن الرسول، صفحہ 24)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن کا صرف نام ہی نہیں بلکہ آپ کے کان میں نغمۂ توحید بلند کیا اور حضرت حسن کا عقیقہ بھی کیا۔

سیدنا حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((رآیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن فی اذن الحسن بن علی حین ولدیتہ))

(مسند احمد بن حنبل مسند علی رضی اللہ عنہ ج نمبر 2 صفحہ نمبر 1370)

''میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں نماز والی اذان کہتے ہوئے دیکھا جب سیدہ فاطمہؓ نے ان کو جنم دیا۔''

مسند احمد اور السنن الکبریٰ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ولادتِ حسن پر حکم فرمایا:

((احلقی رأسہ وتصدقی بوزن شعرہ فضۃ علی المساکین)

''اس کا سر مونڈ اور بالوں کے برابر چاندی مسکینوں پر صدقہ کر۔''

(مسند احمد بن حنبل (6/39) مسند ابی رافع۔ المعجم الکبیر جلد نمبر 3 صفحہ 31 حدیث نمبر (2578) صحیح جامع ترمذی)

جامع ترمذی میں ہے:

((عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاة قال يا فاطمة احلقى راسه، وتصدقي بزنة شعره فضة، قال فوزناه فكان وزنه، درهماً او بعض درهم))

''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن کے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کی اور فرمایا: اے فاطمہ! اس کا سر مونڈ اور بالوں کے برابر صدقہ کرو۔ انہوں نے بالوں کا وزن کیا تو وہ ایک درہم کے برابر یا اس سے کچھ کم وزن کے ہوئے۔''

(صحیح جامع ترمذی جلد2 صفحہ 277) (مجمع الزوئد (60/4) باب العقیقۃ وھو حدیث حسن)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حد درجہ خوب رُو، خوبصورت اور حسین تھے۔ آپ کے حسن کی چمک دمک سے تاریخ کے اوراق روشن ہیں اور نورٌ علیٰ نور کہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے۔

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہم شکلِ پیغمبر تھے۔ عکس رسالت کی جھلک آپ میں نظر آتی تھی۔ اہل بیت، آل محمد اور حضرات صحابہ کرام میں سے سب سے زیادہ آپ کے مشابہ تھے۔ جو بھی آپ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پرنور کو دیکھتا تو بے ساختہ کہہ اٹھتا:

((لم يكن احد اشبه بالنبى من الحسن بن على))

''حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کوئی ہم شکل پیغمبر نہیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ الباری صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تحت چند احادیث لائے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشابہت کا ذکر ہے۔

خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ جنہوں نے ہر لحہ چہرہ رسالت کی زیارت کی، فرماتے ہیں:

((لم يكن احد اشبه بالنبى صلى الله عليه وسلم من الحسن بن على))

''حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ اور کوئی شخص نبی کریم علیہ اسلام سے مشابہ نہیں تھا۔''

صحابی رسول حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

(رايت ابابكر رضى الله تعالىٰ عنه و حمل الحسن وهو يقول: بأبى شبيه بالنبى وليس شبيه بعلى: و على يضحك)

''میں نے حضرت ابوبکر صدیق کو دیکھا کہ آپ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اٹھائے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں: میرے باپ ان پر فدا ہوں! یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں، علی سے ان کی شباہت نہیں ملتی۔ اور حضرت علی زبان صدیق سے یہ کلمات سن کر مسکرا رہے تھے۔''

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(عن عقبة بن الحارث قال: صلى ابو بكر رضى الله تعالىٰ عنه العصر ثم خرج

یمشی، فرأی الحسن یلعب مع الصبیان، فحملہ علی عاتقہ ویال :بأبی شبیة بالنبی ، لاشبیة بعلی، وعلی یضحك)

''حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلے تو دیکھا کہ حضرت حسن (غلمانِ مدینہ) بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: رسول اللہ کی شباہت ہے، علی کی شباہت نہیں۔ اور علی رضی اللہ عنہ مسکرا رہے تھے۔''

حضرت عقبہ بن حارث فرماتے ہیں:

((خرجت مع ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ من صلوٰۃ العصر بعدو فدۃ رسول اللہ ﷺ بلیال و علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ یمشی الی جنبہ، فمر بحسن بن علی وھو یلعب مع الغلمان فاحتملہ ابوبکر الصدیق علی رقبیتہ و جعل یقول: بابی شبہ النبی، لیس شبھا بعلی و علی یضحك))

(کتاب البیعہ جلد 5 صفحہ نمبر 2147 واسنادہ صحیح)

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ دن بعد حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر نکلا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چل رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن کو بچوں کے ساتھ کھیلتا ہوا دیکھا اور کندھوں پر اٹھالیا اور فرمایا: نبی کے مشابہ ہے، علی کے مشابہ نہیں اور یہ سن کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکرا رہے تھے۔''

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

(رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کان الحسن بن علی یسبھہ قلت لابی جحیفة :صفہ لی، قال: کان ابیض قدشمط و فی روایة قال :رأیت بیاضاً من تحت شفتہ الشفلی العنفقة))

''میں نے نبی علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں آپ کی شباہت پوری طرح موجود تھی۔ اسماعیل بن ابی خالد نے کہا: میں نے ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کریں گے۔؟ انہوں نے کہا: آپ سفید رنگ کے تھے، کچھ بال سفید ہو گئے تھے اور براویت دیگر کہتے ہیں: آپ کے نچلے ہونٹ مبارک کے نیچے کچھ بال سفید تھے۔''

(صحیح بخاری شریف، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح الباری 374/7)

سرتاج رسل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اخلاق فاضلہ کا مطالعہ کیا جائے تو آپ کی کتاب زندگی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے اور ہر شخص کو محبت وشفقت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے محبت ومودّت کا انداز منفرد اور نرالا تھا۔ دیکھنے والے کی زبان سے یہ کلمات بے ساختہ نکلتے:

((والله انك لعفعل بهذا شيئا مار ايناك تفعله بأحد))

''اللہ کی قسم! جس طرح آپ حسن سے معاملہ کرتے ہیں کسی اور سے کرتے ہوئے ہم نے آپ کونہیں دیکھا۔''

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((رأيت النبى صلى الله عليه وسلم الحسن على عابقه يقول: اللهم انى احبه فاحبه))

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے کندھے مبارک پر تھے اور آپ یہ فرما رہے تھے: اے اللہ! مجھے اس سے محبت ہے تو بھی اس سے محبت فرما۔''

اس سے بڑھ کر اور مرتبہ کیا ہو سکتا ہے کہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے محبت ہیں اور آپ بارگاہ الٰہی میں دعا فرما رہے ہیں:

''اے اللہ! تو بھی اس شہزادے سے محبت فرما۔''

اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی اس دعا کو قبول فرمایا ہے۔ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ محبوب مصطفیٰ بھی ہیں اور محبوب الٰہی بھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مارأيت حسناً الا فاضت عيناى دموعاً وذالك ان النبى صلى الله عليه وسلم خرج يوما فوجدنى فى المسجد فاخذ بيدى، فانطلقت معه فما كلمنى حتىٰ جئنا سوق بنى قينقاع فطاف به ونظر، ثم انصرف وانا معه حتى جئنا المسجد فجلس فاحتبى، ثم قال أين لكاع؟ ادع لكاع فجاء حسن يشتد فوقع فى حجره ثم ادخل يداه، فى لحديثه ثم جعل النبى صلى الله عليه وسلم يفتح فاه، فيدخل فاه فى فيه ثم قال اللهم انى احبه فاحببه وأَحب من يحبه يعنى الحسن بن على رضى الله عنها))

''میں نے جب بھی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور یہ اس لئے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے اور مجھے مسجد میں پایا۔ پس آپ نے میرا ہاتھ پکڑا۔ میں آپ کے ساتھ چلا۔ آپ نے میرے ساتھ کوئی بات نہ کی، یہاں تک کہ ہم بنو قینقاع کے بازار میں پہنچے۔ تھوڑا سا گھومنے پھرنے اور پھر دیکھنے کے بعد آپ واپس لوٹے اور میں آپ کے ساتھ تھا، یہاں تک کہ ہم مسجد (نبوی) آئے۔ آپ گوٹھ مار کر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے کہا: ننھا (چھوٹا) کدھر ہے؟ میرے پاس ننھے کو لے کر آؤ۔ پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور آپ کی گود میں بیٹھ گئے اور آپ کی داڑھی مبارک میں ہاتھ ڈالا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پیار و محبت میں) حسن کے منہ کو کھول کر اپنا منہ وہاں رکھا۔ پھر فرمایا: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت رکھتا

ہے اس سے بھی محبت فرما۔''

(اللولو والمرجان، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل حسن وحسین جلد 2 صفحہ 733 والسلسلة)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ کی محبت وشفقت بلکہ عقیدت کا یہ عالم تھا، خود ہی فرماتے ہیں:

((انه لقى الحسن بن على فقال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل بطنك فاكشف له، الحسن وقبله))

''ایک دفعہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے تمہارے پیٹ پر بوسہ دیا۔ پس آپ میرے لئے اس حصہ کو ظاہر کریں تا کہ میں بھی اسی جگہ کو چوموں جہاں پر رسول اللہ نے اپنے لب مبارک لگائے تھے۔ چنانچہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ حصہ ننگا کیا اور میں نے وہاں سے بوسہ دیا۔'' (متدرک حاکم (168/3) مناقب حسن (صحیح)

متدرک حاکم میں ہے:

((ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل حسناً وضمه اليه وجعل يشمه و عنده، رجل من الانصار فقال الانصارى ان لى ابناً قد بلغ ماقبلته قط فقال رسول الله ارايت ان كان الله نزع الرحمة من قلبك فماذنبى)

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کو بوسہ دیا، گلے لگایا اور سونگھنا شروع ہو گئے۔ آپ کے پاس قبیلہ انصار کا ایک آدمی بیٹھا تھا۔ انصاری کہنے لگا: میرا ایک بچہ ہے جو بالغ ہو گیا ہے۔ میں نے تو کبھی اس کا بوسہ تک نہیں لیا (آپ سونگھ رہے ہیں، چوم رہے ہیں، گلے سے لگا رہے ہیں) جواب میں رحمۃ اللعالمین فرمانے لگے: اگر اللہ نے تیرے دل سے محبت نکال لی ہے تو اس میں میرا گناہ کیا ہے۔؟''

(متدرک حاکم، باب مناقب الحسن، جلد نمبر 3 صفہ نمبر 170)

رأس المحد ثین امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں باب مناقب الحسن کے بعد حضرت ابوہریرہ کی روایت کے متعلق بیان کیا ہے:

((عانق النبى صلى الله عليه وسلم الحسن))

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معانقہ کیا (یعنی گلے سے لگایا)''

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

((كان باخذه والحسن و يقول: اللهم انى احبهما فاحبهما او كماقال))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اور حسن کو پکڑ کر یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے ان دونوں سے محبت ہے تو بھی ان سے محبت فرما۔''

صحیح بخاری شریف، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب الحسن کی شرح میں امام بن حجر رحمہ اللہ نے یہ لفظ بھی نقل کیے ہیں کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لياخذني فيضعني على فخذه ويضع على الفخذ الاخر الحسن بن على ثم يضمهما ثم يقول: اللهم ارحمهما فاني ارحمهما))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پکڑ کر اپنی ایک ران پر اور حضرت حسن کو دوسری ران پر بٹھا کر چمٹاتے۔ پھر کہتے: اے اللہ! میں ان پر رحم کرتا ہوں تو بھی ان پر رحم فرما۔'' (فتح الباری 69/8)

حضرت مقبری فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے کہ:

((فجاء الحسن بن على بن ابى طالب علينا فسلم فرددنا عليه السلام ولم يعلم به ابوہریرہ فقلنا له يا اباهريرة هذا الحسن بن على قد سلم علينا فلحقه وقال و عليك السلام ياسيدى ثم قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انه سيد))

''اچانک ایک مرتبہ حضرت حسن بن علی بن اَبی طالب ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمیں سلام کہا۔ پس ہم نے آپ کو سلام کا جواب دیا لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کی آمد یا سلام کا پتہ نہ چلا۔ ہم نے کہا: اے ابوہریرہ! یہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ہم پر سلام کہا ہے۔ پس حضرت ابوہریرہ حضرت حسن کے پاس گئے اور کہا: وعلیک السلام یا سیدی۔ میرے سردار تجھ پر بھی سلامتی ہو۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ یقیناً یہ حسن سردار ہے۔'' (مستدرک الحاکم، جلد: 168/3)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

((دخل على رسول الله صلى عليه وسلم و انا نائم على المنامة، فاستسقى الحسن او الحسين قال: فقام النبى صلى الله عليه وسلم الى شاة لنا بكئى، فحلها فدرت، فجاء الحسن فنحاه النبى صلى الله عليه وسلم فقالت فاطمة، يا رسول الله، كانه احبهما اليك ؟ قال لا ولا كنه استسقى قبله، ثم قال: انى و اياك وهذين وهذا الراقد فى مكان واحد يوم القيامة))

''میں بستر پر سویا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حسن یا حسین نے پانی مانگا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری کم دودھ دینے والی بکری کی طرف کھڑے ہوئے۔ پس آپ نے اس کا دودھ دھویا تو اس نے کافی دودھ دیا۔ حسن آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہٹا دیا۔ فاطمہ نے کہا: گویا آپ کو دونوں میں سے یہ زیادہ محبوب ہے۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہیں لیکن پہلے پانی حسن نے طلب کیا تھا۔ پھر اسی موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا: بیشک میں اور تو بھی اور یہ دونوں اور یہ سونے والا قیامت کے روز ایک مقام پر ہوں گے۔''

(مسند احمد ابن حنبل، مسند علی رضی اللہ عنہ جلد نمبر 2 صفحہ 782۔ اسناد صحیح)

((ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اخذبید حسن و حسین فقال: من احبنی واحب هذین و اباهما وامهما کان معی فی درجتی یوم القیامة))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن وحسین کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دونوں سے محبت کی اور ان کے والد اور والدہ سے محبت کی وہ روز قیامت میرے ساتھ میرے درجہ پر ہوں گے۔''

(مسند احمد، مسند علی رضی اللہ عنہ جلد 2 صفحہ 2 اسناد حسن۔ صحیح مسلم شریف/ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الولد/ سنن ابی داؤد شریف کتاب الادب (حدیث صحیح)

سیدنا وامامنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اکثر چومتے، سونگھتے اور اپنے صدرِ اطہر سے لگاتے اور کبھی گود میں کھلاتے:

((ان الاقرع بن حابس ابصر النبی صلی الله علیه وسلم و هو یقبل الحسن بن علی رضی الله عنهما فقال ان لی لعشرة من الوالد ما قبلت واحدًا منهم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم من لا یرحم لایرحم))

''اقراع بن حابس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضرت حسن کو چوم رہے ہیں۔ پس اقرع نے کہا: میرے تو دس لڑکے ہیں میں نے کسی ایک کو بھی کبھی نہیں چوما۔ رسول رحمت نبی ارحم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ارشاد فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کم وبیش آٹھ سال کا طویل عرصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شفقت اور نگرانی میں بسر کیا۔

آغوشِ رسالت میں پرورش پانے والے اس شہزادے نے آپ کی زندگی میں پیش آمدہ مسائل و واقعات کو بھی ذہن نیشن رکھا۔

((مرّت جنازة بابن عباس والحسن بن علی رضی الله تعالیٰ عنهما فقام الحسن و قعد ابن عباس فقال الحسن الیس قد قام النبی لجنازة یهودی اویهودیة مرت به؟ فقال ابن عباس بلٰی و جلس))

''حضرت ابن عباس اور حسن رضی اللہ عنہما کے قریب سے جنازہ گزرا۔ حضرت حسن کھڑے ہو گئے اور ابن عباس بیٹھے رہے۔ (ابن عباس کو بیٹھا دیکھ کر) حضرت حسن فرمانے لگے: ایک یہودی یا یہودیہ کا جنازہ جب گزرا تو رسول اللہ کھڑے نہیں ہوئے تھے۔؟ ابن عباس کہنے لگے: کیوں نہیں (آپ کھڑے ہوئے تھے) پھر مگر بعد میں آپ نے یہ کھڑا ہونا چھوڑ دیا تھا اور بیٹھے رہتے تھے۔''

(معجم الکبیر، باب الحاء جلد نمبر 3 رقم الحدیث (2591) مجمع الزوائد جلد نمبر 178/9، باب ماجاہ فی الحسن بن علی رضی اللہ عنہما) (المعجم الکبیر، امام طبرانی، جلد نمبر 3 صفحہ 87 حدیث نمبر 2744۔ السنن الکبریٰ امام بیہقی جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 28، باب حجۃ من زحم ان القیام للجنازۃ منسوختہ)

ابو الحوراء رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((كنا عند الحسن بن علي فسئل: ماعقلت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال كنت امشي معه يوماً فمر على جرين من تمر الصدقة فوجدت تمرة، فالقيتها في في فاخر جهابلغابي فقال بعض القوم: ماعليك يا رسول الله صلى الله عليه وسلم لوتر كتها قال، انا ال محمد لاتحل لنا الصدقة))

''ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ کسی نے سوال کیا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات یاد ہے؟ تو سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، آپ کھجور کے ڈھیر کے پاس سے گزرے جو صدقہ کی کھجوروں کا تھا تو میں نے ایک کھجور پکڑ کر منہ میں ڈال لی، آپ نے میرے لعاب والی کھجور کو نکالا۔ بعض لوگ کہنے لگے: اگر آپ رہنے دیتے تو کیا حرج تھا۔؟ آپ نے فرمایا: آل محمد پر صدقہ حلال نہیں۔''

(مسند احمد، مسند حسن جلد نمبر 1 صفحہ 200 مجمع الزوائد 93/3 باب الصدقۃ الرسول اللہ وقال رجال احمد ثقات، المعجم الکبیر 78/3 حدیث نمبر 25.5، صفحہ 86 حدیث نمبر 2741)

سید وُلدِ آدم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی پیش گوئیاں فرمائیں وہ اپنے اپنے وقت پر حق اور سچ ثابت ہوئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''یہ سردار بیٹا میری امت کا مصلح ہوگا۔''

مسند احمد، معجم الکبیر للطبرانی، مسند البزار اور صحیح ابن حبان میں ہے:

(كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي فكان اذا سجد جاء الحسن فركب ظهره فكان النبي صلى الله عليه وسلم اذ رفع راسه اخذه فوضعه، على الارض وضعًا رقيقًا فاذا سجد ركب ظهره فلما صلى اخذه فوضعه في حجره، فجعل يقبله فقال له رجل اتفعل بهذا الصبي هكذا؟ فقال انه ريحانتي وعسى الله عزوجل ان يصلح به بين فئتين من المسلمين))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ سجدے میں جاتے حضرت حسن آپ کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سر اٹھاتے تو پکڑ کر نرمی اور آرام سے زمین پر رکھ دیتے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت حسن کو گود میں بٹھایا اور چومنا شروع ہو گئے۔ ایک آدمی نے کہا: آپ اس بچے سے ایسے پیار کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: یہ میرا پھول ہے، عین ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے دو مسلم جماعتوں میں صلح کرائے۔''

اس پیش گوئی کو حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے چھ جگہ نقل فرمایا۔ کتاب الصلح اور کتاب الفتن میں باقاعدہ یہ ترجمۃ الباب باندھا اور کتاب المناقب میں باسند حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لائے:

((اخرج النبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم الحسن فصعدبہ علی المنبر فقال: ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین))

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امام حسن کوایک دن ساتھ لے کر باہر تشریف لائے اور منبر پر ان کو لے کر چڑھ گئے۔ پھر فرمایا: میرا یہ بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں ملاپ کرادے گا۔''

(بخاری کتاب المناقب، باب قول النبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی رضی اللہ عنھما، کتاب امناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

کتاب فضائل اصحاب النبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب مناقب الحسن والحسن رضی اللہ عنھما کے لفظ یہ ہیں:

((ینظر الی الناس مرۃ والیہ مرۃ))

''ایک نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دیکھتے تو ایک نظر حضرت حسن کو دیکھتے۔''

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق پیش گوئی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پوری ہوئی جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح ہوئی۔ حضرت حسن کے اقدام سے مسلمانوں میں ایک بڑی جنگ ٹل گئی جبکہ حالات حضرت حسن کے لئے ساز گار تھے، مگر آپ نے اس خانہ جنگی کو حسن تدبیر سے ختم کردیا۔

حضرت امام حسن نہایت حلیم، صاحبِ وقار، صاحبِ حشمت اور نہایت سخی تھے۔ فتنہ وخون ریزی سے آپ کو سخت نفرت تھی۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد چھ ماہ تک خلیفہ رہے۔ آپ سے صرف اہلیان کوفہ نے بیعت کی تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور مندرجہ ذیل شرائط آپس میں طے پائیں:

1: فی الوقت امیر معاویہ خلیفہ بنائے جاتے ہیں، لیکن ان کے انتقال کے بعد امام حسن خلیفۃ المسلمین ہوں گے۔

2: مدینہ، عراق اور حجاز کے باشندوں سے مزید کوئی ٹیکس نہیں لیا جائے گا، بلکہ صرف وہی ٹیکس لیا جائے گا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں وصول کیا جاتا تھا۔

3: حضرت امام حسن پر جو قرض ہے اس کی ادائیگی کی تمام تر ذمہ داری حضرت امیر معاویہ پر ہے۔

ان شرائط پر فریقین میں باہمی صلح ہوگئی۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا عملی اظہار بھی ہوگیا: ''یہ میرا بیٹا دو مسلمان جماعتوں میں صلح کرائے گا۔''

امام حسن ماہ ربیع الاول 41 ہجری کو خلافت سے دستبردار ہوئے۔

امام حسن کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کو مدینہ منورہ میں یزید نے خفیہ طور پر یہ پیغام بھیجا کہ اگر تو حسن کو زہر دیدے تو میں تم سے نکاح کرلوں گا۔ اس فریب میں آکر بدنصیب جعدہ نے آپ کو زہر دے دیا جس کے

اثر سے آپ شہید ہو گئے۔
جعدہ نے یزید کو لکھا کہ اپنا وعدہ پورا کرو جس کا جواب یزید نے یہ دیا کہ جب تجھ کو میں حسن کے نکاح ہی میں گوارا نہیں کر سکا تو اپنے نکاح میں کس طرح گوارا کروں گا۔؟
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بڑی کوشش کی کہ امام حسن زہر دینے والے کی نشاندہی کریں، لیکن آپ نے نام بتانے کے بجائے فرمایا:
''اللہ تعالیٰ سخت انتقام لینے والا ہے۔ کوئی شخص محض میرے گمان کی بناء پر کیوں قتل ہو۔؟''
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت 5 ربیع الاول 50 ہجری کو واقع ہوئی۔
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''قل ھو اللہ احد'' لکھا ہوا ہے۔ جس وقت آپ نے یہ خواب بیان کیا تو اہل بیت بہت خوش ہوئے، لیکن جب سعید بن ملسیب نے یہ خواب سنا تو انہوں نے کہا:
''اس خواب کا مطلب ہے کہ آپ کی حیات کے چند روز باقی رہ گئے ہیں۔''
چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس خواب کے دیکھنے کے بعد آپ صرف چند روز بقید حیات رہے اور آپ کو زہر دے دیا گیا۔
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر جب زہر نے خوب اثر کر لیا اور آپ کا وصال ہونے کے قریب تھا تو آپ گھبرانے لگے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا:
''یہ گھبراہٹ کیسی؟ آپ تو رسول اللہ، سیدنا علی، سیدہ خدیجہ اور والدہ محترمہ سیدہ فاطمہ، نیز ماموں حضرت قاسم وطاہر اور چچا حمزہ و جعفر کے پاس جا رہے ہیں۔''
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''اے بھائی حسین! میں ایسی جگہ جا رہا ہوں جہاں اب سے پہلے کبھی نہیں گیا تھا اور میں ایسی مخلوق دیکھ رہا ہوں جسے میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔''
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا:
''بھائی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلافت پر حضرت ابوبکر و عمر فائز ہوئے، پھر مجلس شوریٰ میں یقین تھا کہ والد محترم علی المرتضیٰ کو خلافت ملے گی، لیکن شوریٰ کی طرف سے حضرت عثمان غنی خلیفہ بنائے گئے اور ان کی شہادت کے بعد حضرت علی خلیفہ ہوئے۔ پھر تلواریں نکل آئیں اور ہم نے خلافت کو چھوڑ دیا اور اب مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ اللہ کی قسم! قوت و خلافت اب ہمارے خاندان میں نہیں رہے گی اور مجھے یقین ہے کہ بیوقوف کوفی تم کو خلیفہ بنائیں گے، لیکن پھر وہی تم کو کوفہ سے شہر بدر کر دیں گے۔''
آخری لمحات میں سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا امام حسین سے فرمایا:
''میں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے خواہش کی تھی کہ وہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت دیں، چنانچہ انہوں نے مجھے اجازت دے دی تھی، لیکن میری وفات کے بعد تم پھر دوبارہ

وہاں دفن کرنے کی اجازت حاصل کر لینا۔ میرا خیال ہے کہ دوبارہ اجازت حاصل کرنے پر کچھ لوگ مزاحم ہوں گے۔ ان کی مخالفت کی موجودگی میں تم زیادہ اصرار نہ کرنا۔"

چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ سے اجازت چاہی۔ سیدہ نے اجازت مرحمت فرما دی، لیکن حاکم مدینہ مروان حائل ہوا، جس پر حضرت امام حسین اور آپ کے ساتھیوں نے ہتھیار سنبھال لئے لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صلح کروا دی اور آخر کار حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

درود شریف کے متعلق حضرت حسن بن علی کی حدیث:

درود شریف کے متعلق حضرت حسن بن علی کی حدیث کو ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صلوا فی بیوتکم ولا تتخذوھا قبورا ولا تتخذوا بیتی عیداً صلوا علی وسلموا فان صلوتکم وسلامکم تبلغنی این ما کنتم))

"نوافل گھروں میں پڑھا کرو اور گھروں کو قبریں نہ بنا رکھو (جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی) میرے گھر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے رہو، تم جہاں کہیں ہو گے وہیں سے تمہارا سلام وصلوٰۃ میرے پاس پہنچتا رہے گا۔"

علت اس حدیث میں یہ ہے کہ ابو بکر حنفی نے تو عبداللہ بن نافع سے مذکورہ بالا الفاظ روایت کئے ہیں، مگر مسلم بن عمرو جو عبداللہ بن نافع سے حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے، اس نے یہ الفاظ کہے ہیں:

((لاتجعلو بیوتکم قبوراً ولا تجعلوا قبری عیدًا وصلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث ما کنتم))

"اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر کو میلہ نہ بنانا اور مجھ پر درود پڑھو، پس بے شک تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا درود مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

طبرانی نے معجم کبیر میں اپنی سند کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

((حیث ما کنتم فصلوا علی فان صلوتکم تبلغنی))

"تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو اس لیے کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: حضرت حسین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں، جب یہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کے شکم اطہر سے پیدا ہوئے تو سیدنا حضرت علی المرتضیٰ نے ان کا نام "حرب" رکھا۔

نبی اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹے کو دیکھنے کے لئے تشریف لائے تو آپ نے پوچھا:

((ماسمیتموہ))

''تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے۔؟''
حضرت علی نے عرض کیا:
((سمیته حربًا))
''میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔''
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((بل هو حسينٌ))
''بلکہ وہ تو حسین ہے۔''
حدیث صحیح سے واضح ہوا کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا۔
دین اسلام میں عقیقہ کا تصور یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بیٹا دے تو دو مینڈھے اور اگر رب تعالیٰ بیٹی عطا فرمائے تو ایک مینڈھا، ساتویں دن اللہ کی راہ میں ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت أعزاء وأقرباء وزملاء، اصدقاء اور مساکین وفقراء میں تقسیم کیا جائے۔
شارح حدیث امام ابن حجر فرماتے ہیں:
((هو اسم لمايذبح عن المولود))
اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ فضل وکرم فرماتے ہوئے آفات وحوادث اور کئی آزمائشوں سے محفوظ فرماتا ہے۔
سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں:
((عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن و الحسين رضى الله عنهما بكبشين كبشين))
''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے عقیقہ کیا اور دو دو مینڈھے ذبح کیے۔''
(فتح الباری صفحہ نمبر 9/3۔) (سنن نسائی ظریف کتاب العقیقۃ جز 2 صفحہ 180، السنن الکبریٰ، باب العقیقۃ سنۃ جلد 9 صفحہ 299 مسند ابی یعلی، جلد 4 صفحہ 301)
حضرت حسین رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کم وبیش ایک سال چھوٹے تھے۔ جس طرح ولادتِ حسن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کیا، اسی طرح سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کے بعد آپ نے ان کی طرف سے عقیقہ کیا۔
حدیث میں ہے:
''حسین سبط من الاسباط ہیں۔'' (مستدرک حاکم، مناقب حسین جلد نمبر 3 صفحہ 177)
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ حجاج بن یوسف نے امام یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ تعالیٰ سے بڑے ظالمانہ انداز سے پوچھا اور تہدید آمیز لہجہ سے کہنے لگا:

''دلائل سے ثابت کرو حضرت حسن و حسین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے تھے، وگرنہ میں تمہارا بہت بُرا حشر کروں گا۔''

امام یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ نے سورت انعام کی 85 نمبر آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد قرار دیا گیا ہے۔ امام صاحب فرمانے لگے:

''بتلاؤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون ہے۔؟''

یہ عالمانہ وفقیہانہ جواب سن کر ظالم حیران رہ گیا۔

تفسیر ابن کثیر جلد 2 صفحہ 173 اور امام قرطبی رحمہ اللہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((وعد عیسیٰ من فریة ابراهیم و انما هوا بن النث فاولاد فاطمة رضی الله عنها فریة النبی و بهذا تمسك من رأی ان ولدالبنات ید خلون فی اسم الولد))

''عیسیٰ علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ وہ بیٹی کے بیٹے ہیں۔ پس اولادِ فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں شامل ہیں۔ یہی ان حضرات کی دلیل ہے جو نواسوں کو اولاد میں شامل قرار دیتے ہیں۔''

سبط من الاسباط کا مفہوم بعض نے امت من الامم بھی کیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ خیر و بھلائی میں ایک اُمت ہیں یا آپ حضرات انبیاء کرام کی اولاد میں سے ہیں۔ (النھایة لابن الاثیر، جلد 153/3)

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی گودِ رسالت میں کھیلنے، کودنے اور صدرِ رسالت سے چمٹنے کا موقع ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی حضرت حسین کو دیکھتے تو آپ انہیں اٹھا لیتے، چومتے، سونگھتے اور گلے لگاتے۔ اور یہ سعادتِ کبریٰ تقریباً سات سال تک آپ کو حاصل رہی:

((کان الحسین فی حیاة رسول الله صلی الله علیه وسلم طفلاً و اقام معه مت سنین و سبعة اشهر و سبعة ایام لان رسول الله صلی الله علیه وسلم قبض فی یوم الاثنین ربیع الاول سنة 11هجری))

''حضرت حسین آنخضرت کی زندگی میں بچے تھے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 6 سال 7 ماہ اور سات دن رہے، کیونکہ رسول اللہ بوقت چاشت بروز پیر 12 ربیع الاوّل سن 11 ہجری کو فوت ہوئے تھے۔'' (غصن الرسول، الحسین بن علی صفحہ نمبر 29)

رسول اکرم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت تین قسم کے ہیں:

1: اہل بیت سکنی۔

2: اہل بیت نسب۔

3: اہل بیت ولادت۔

1: اہل بیت سکنی: اس سے مراد وہ ہیں جو گھر کی چار دیواری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، یعنی ازواج مطہرات (آپ کی بیویاں) سلام اللہ علیھنّ اور اگر آپ بائیسواں پارہ سورہ احزاب آیت نمبر 28 تا 34

بغور پڑھیں تو یقیناً یہ بات سمجھ آئے گی کہ یہاں اہل بیت سے مراد آپ کی ازواج مطہرات ہیں۔

2: اہل بیت نسب: وہ افراد و اشخاص جو باعتبار نسب آپ کے اہل بیت میں شمار ہوتے ہیں اور اس سے مراد تمام بنو ہاشم ہیں اور جن پر صدقہ حرام ہے۔

3: اہل بیت ولادت: آپ کے بچے، بچیاں، نواسے، نواسیاں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

اس کے علاوہ اگر کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت میں شمار کیا تو یہ خاص الگ اعزاز ہے، بعض نادان لاعلمی کے پیش نظر یہاں تک کہتے اور بیان کرتے ہیں کہ حسنین اور علی المرتضی رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعزازی طور پر اہل بیت میں شامل کیا ہے، وہ حقیقۃً اہل بیت میں سے نہیں، حالانکہ یہ کہنا حد درجہ جہالت و سفاہت ہے۔ اللہ یاد رہے اہل بیت سے محبت جزءِ ایمان ہے اور ان کی محبت میں غلو تباہی ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں افراط و تفریط کے بجائے راہِ اعتدال نصیب فرمائے۔ آمین۔

صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ ارشاد فرماتی ہیں:

((خرج النبی صلی الله علیه وسلم غداة علیه مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخله، ثم جاء الحسین فدخل معه ثم جاءت فاطمة فادخلها ثم جاء علی فادخله ثم قال 'انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیراً'))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت نکلے اور آپ پر کالی چادر تھی جس پر کجاووں کی تصویریں تھیں۔ پس حسن ابن علی آئے آپ نے ان کو چادر میں داخل کرلیا، پھر حسین آئے اور ساتھ داخل ہوگئے۔ پھر سیدہ فاطمہ آئیں اور آپ نے ان کو چادر میں داخل کرلیا، پھر حضرت علی آئے تو آپ نے ان کو بھی چادر میں داخل کرلیا، پھر آپ نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تم سے وہ ہر قسم کی گندگی کو دور کردے اے اہل بیت! اور تمہیں خوب پاک کردے۔'' (سورہ احزاب پارہ نمبر 22 آیت نمبر 33)

مسلم شریف میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((لما نزلت هذه الاية (ندع ابناء نا و ابناء کم) دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم علیاً و فاطمة و حسناً و حسیناً فقال: اللهم هؤلاء اهل بیتی))

''جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن، حسین (رضی اللہ عنہم) کو بلایا اور کہا: اے اللہ! یہ میرے گھر والے ہیں۔''

(سورہ آل عمران پارہ 3 آیت نمبر 61) (صحیح مسلم شریف فضائل الصحابۃ مناقب الحسنین جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 283)

جامع ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

((نزلت هذه الایة علی النبی صلی الله علیه وسلم:" انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیراً فی بیت ام سلمة فدعا النبی صلی الله

علیه وسلم فاطمة و حسناً و حسیناً فجللهم بکساء و علی خلف ظهره فجلله بکساء ثم قال " اللهم هولاء اهل بیتی فاذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهیراً" قالت ام سلمة و انا معهم یا رسول الله صلی الله علیك وسلم قال " انت علی مکانك و انت علی خیر))

''جب یہ آیت: ''انما یریدُ الله لیذهب عنکم'' نازل ہوئی تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے سیدہ فاطمہ، حسن اور حسین کو بلایا اور ان کو ایک چادر اوڑھائی۔ حضرت علی آپ کی پیٹھ کے پیچھے تھے تو ان کو بھی چادر میں داخل کر لیا اور کہا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، تو ان سے پلیدی دور کر دے اور ان کو پاک کر دے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔؟ آپ نے فرمایا: ''تو اپنی جگہ پر ہے اور تو بھلائی پر ہے۔''

(صحیح سنن الترمذی، کتاب المناقب، مناقب اهل البیت جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 208 حدیث نمبر 4058)

مندرجہ بالا حدیث کساء سے جہاں سیدنا علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمۃ الزہراء اور سیدنا حسنین کریمین کی خصوصی عظمت اور شان واضح ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی بالاولیٰ اہل بیت میں ہے۔

خادمِ رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

(اتی عبیدالله بن زیاد برأس الحسین کان اشبههم برسول الله صلی الله علیه وسلم و کان مخضو باً بالوسمة)

''جب عبیداللہ بن زیاد کے پاس ایک تشت میں حضرت حسین کا سر مبارک لایا گیا تو وہ (بدبخت) اس پر لکڑی سے مارنے لگا اور آپ کے حسن اور خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہا۔ اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت حسین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے اور آپ کا سر وسمہ سے رنگا ہوا تھا۔''

صحیح جامع ترمذی کے الفاظ ہیں کہ سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

((کنت عند ابن زید فجیء برأس الحسین فجعل یقول: بقضیب فی انفه و یقول: مارأیت مثل هذا حسناً لم یذکر، قال قلت اما انه کان من اشبههم برسول الله صلی الله علیه وسلم))

''میں ابن زیاد کے پاس تھا جب اُس کے پاس حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر لایا گیا، تو وہ چھڑی کے ساتھ آپ کی ناک پر مارتے ہوئے (بطورِ تحکم) کہنے لگا: میں نے اس جیسا حُسن نہیں دیکھا، اس کا ذکر کیوں ہوتا ہے۔؟ میں نے کہا: یہ تو ان میں سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔''

حدیث صحیح سے واضح ہوا کہ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، عکس

رسالت کی جھلک تھے۔

سید نا حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مشابہت کا تذکرہ کرتے ہوئے سید نا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

((من سره ان ينظر الى اشبه الناس برسول الله صلى الله عليه وسلم مابين عنقه الى وجه و شعره لينظر الى الحسن بن علي، ومن سره ان ينظر الى اشبه الناس برسول الله صلى الله عليه وسلم مابين عنقه الى كعبه خلقاً فلينظر الى الحسين بن علي رضى الله تعالىٰ عنهما))

''جو چاہے کہ گردن، چہرہ اور بالوں کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ کسی کو دیکھے تو وہ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گردن، چہرہ اور بالوں کو دیکھ لے۔ اور جس کو یہ بات خوش کرے کہ پیٹ، ٹانگوں اور پاؤں کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ کسی کو دیکھے تو وہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ لے۔''

(مسند احمد، مسند علی، کتاب الشریعۃ جلد نمبر 5 باب الحسن والحسین صفحہ 2146 محقق کتاب وکتور عبداللہ الدیجی فرماتے ہیں (اسناد حسن) اس کی سند حسن ہے۔)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسین سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

''جو حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائے گا۔''

سید حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

((انهم خر جوامع النبى صلى الله عليه وسلم الى طعام دعواله، فاذا حسين يلعب فى السكة، قال فتقدم النبى صلى الله عليه وسلم امام القوم، وبسط يديه، فجعل الغلام يفرح هناوههنا و يضاحكه النبى صلى الله عليه وسلم حتى اخذه، فجعل احدى يديه تحت ذقنه والاخرى فى فاس رأسه فقبله و قال: حسين منى و انا من حسين، احب الله من احب حسيناً حسين سبط من الاسباط)) (متدرک حاکم، مناقب حسین جلد نمبر 3 صفحہ 177)

''چند صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعوت پر گئے، جس کے لئے مدعو کئے گئے تھے۔ پس اچانک حضرت حسین گلی میں کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے آگے بڑھے اور اپنے ہاتھوں کو پھیلایا۔ حضرت حسین (نانا جان کو دیکھ کر) اِدھر اُدھر اچھلنے، کودنے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ہنسا رہے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پکڑا اور اپنا ایک ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے اور ایک سر کے پچھلی طرف رکھا اور (رخسارِ حسین پر) بوسہ دیا اور فرمایا: حسین مجھ سے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرتا ہے، حسین نواسوں میں سے ایک نواسہ ہے۔''

مستدرک حاکم میں ہے کہ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

((رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو حامل الحسین بن علی و هو یقول اللهم انی احبه فاحبه))

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ حسن کو اٹھائے فرما رہے تھے: اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، پس تو بھی اس سے محبت فرما۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

((قال کنا نصلی مع رسول الله صلی الله علیه وسلم العشاء فاذا سجد و ثب الحسن و الحسین علی ظهره فاذا رفع رأسه اخذهما بیده من خلفه اخذاً رقیقاً و یضعهما علی الارض فاذا عاد عادا حتیٰ فلاته اقعدهما علی فخذیه قال فقمت الیه فقلت یا رسول الله صلی الله علیه وسلم اردهما فبرقت برقته فقال لهما "الحقا بامکما" قال فمکث ضوء ها حتیٰ دَخَلَا))

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء پڑھ رہے تھے کہ اچانک حسن وحسین آ کر آپ کی پشت پر چڑھ گئے۔ پیغمبر رحمت جب سر مبارک اٹھاتے تو پیچھے سے ان دونوں کو بڑے پیار سے پکڑ لیتے اور زمین پر رکھ دیتے۔ پھر جب آپ سجدہ کرتے وہ سوار ہو جاتے، یہاں تک کہ آپ نے نماز مکمل کی اور ان دونوں کو اپنی ران مبارک پر بٹھایا۔ میں آپ کے پاس گیا اور کہا: میں انہیں گھر چھوڑ آتا ہوں۔ اتنے میں اچانک تیز بجلی چمکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اپنی ماں کے پاس چلے جاؤ۔ پھر ان کے گھر جانے تک روشنی رہی۔"

((ای برقت السماء برقهه فاضاء ت المسجد و الطریق حتی الایخاف الحسان رضی الله عنهما))

"یعنی آسمانی بجلی کی روشنی رہی جس سے مسجد اور راستہ دونوں روشن ہو گئے تا کہ حسن وحسین اندھیرے سے ڈرے بغیر گھر چلے جائیں۔"

(مسند امام احمد جلد نمبر 9 صفحہ نمبر 530 حدیث نمبر 10607 اس کی سند صحیح ہے)

((کان یصلی والحسن والحسین یلعبان ویقعدان علی ظهره فاخذا المسلمون، یمیطونهما، فلما انصرف قال ذرو هما بابی و امی احبینی فلیحب هذین))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور حسنین کریمین آپ کی پشت مبارک پر کھیلتے، کودتے اور آپ کی پشت پر بیٹھ جاتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین نے دونوں کو ہٹانے کی کوشش کی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: ان کو چھوڑ دو۔ میرے ماں باپ ان پر قربان! جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ ان دونوں سے ضرور محبت رکھے۔"

(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ جلد نمبر 7 جز نمبر 3 حدیث نمبر 4002 صفحہ نمبر 1732)

اہل دل! اس سے بڑھ کر محبت اور کیا ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت نماز میں بھی ان کا خیال رکھا، نرمی سے پکڑا، اٹھایا، بٹھایا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد سیدہ فاطمہ کو ڈانٹا نہیں کہ تو ان کو نماز کے وقت میرے پاس کیوں بھیجتی ہے، بلکہ وہ صحابہ کرام کہ جنہوں نے حسنین کو ہٹانے کی کوشش کی آپ نے ان کو مخاطب کر کے کہا: ان کو کچھ نہ کہو، چھوڑ دو اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے اور بعد آنے والے سب مسلمانوں ک لئے اعلان عام کر رہا ہوں کہ جس کو مجھ سے محبت ہے، چاہت ہے، عقیدت ہے، وہ ان دونوں شہزادوں سے ضرور ضرور پیار کرے اور ان کا خیال رکھے۔ اللہ ہمیں حکم رسول اللہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سیدنا حضرت ابو بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

((كان رسول الله صلى الله عليه وسلم :ليخطبنا اذ جاء الحسن و الحسين عليهما قميصان احمر ان يمشيان و يعثران، فنزل رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر فحملهما و و ضعهما بين يديه ثم قال: صدق الله (انما اموالكم و اولادكم فتنة) نظرت الى هذين الصبيين يمشيان و يعثران فلم اصبر حتى قطعت حديثي و رفعتهما))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک حسن اور حسین آ گئے۔ ان دونوں نے سرخ رنگ کی قمیصیں پہنی ہوئی تھیں۔ وہ چلتے ہوئے گر پڑتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے، ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا دیا۔ پھر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں۔ میں نے ان دونوں بچوں کو چلتے اور گرتے دیکھا تو میں صبر نہ کر سکا حتیٰ کہ میں نے خطبہ روک کر انہیں اٹھایا۔"

وہ کیسا حسین نظارہ اور دل ربا منظر ہو گا جب سیدنا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سواری پر سوار ہوں گے۔

صحابی رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

((لقد قدت بنبى الله صلى الله عليه وسلم والحسن والحسين رضى الله عنهما بغلته الشهباء حتى اذخلتهم حجرة النبى صلى الله عليه وسلم هذا قدرا مه و هذا خلفه))

"میں نے اس سفید خچر کو چلایا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام حسن اور امام حسین سوار تھے یہاں تک کہ ان کو لے گیا حجرہ نبوی تک، ایک صاحبزادے آپ کے آگے تھے اور ایک پیچھے۔"

(صحیح مسلم شریف، کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب الحسنین جلد 2 صفحہ 283)

یہ حدیث مبارک بھی اس بات پر واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں شہزادوں سے حد درجہ

محبت تھی، کیونکہ آدمی اسی بچے کو اپنے ساتھ سوار کرتا ہے جس سے گہری محبت ہو اور اس سے پیار کرتا ہو۔
کبھی یہ شہزادے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر بھی سوار ہوا کرتے تھے اور آپ ان کو لے کر باہر نکلتے۔

خلیفہ المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

((رأیت الحسن والحسین علی عاتقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت نعم الفرش تحتکما فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم و نعم الفارسان))

''میں نے حسن و حسین کو دیکھا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار تھے۔ میں نے کہا: تمہارے نیچے اچھی سواری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوار ہونے والے بھی کتنے اچھے ہیں۔''

(تیسیر الباری جلد 6 صفحہ 112 کتاب الفضائل۔ شرح صحیح مسلم نووی جلد 2 صفحہ 283) (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد جلد نمبر 9 صفحہ نمبر 185)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((طرقت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فی بعض الحاجۃ فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو مشتمل علی شئی لا ادری ما ھو فلما فرغت من حاجتی قلت: ماھذا الذی انت مشتمل علیہ فکشفہ فاذا حسن و حسین علی ورکبتیہ فقال "ھذان ابنای و ابنا ابنتی اللھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما))

''میں ایک رات کسی حاجت کے لئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس چادر کے نیچے کیا ہے۔ جب میں اپنی ضرورت سے فارغ ہوا تو عرض کیا: اس چادر میں کیا ہے۔؟ آپ نے چادر اٹھائی تو آپ کی دونوں رانوں پر (میں سے ایک پر) حضرت حسن اور (دوسری پر) حضرت حسین تھے اور آپ نے فرمایا: یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور ہر اس شخص سے محبت فرما جو ان دونوں سے محبت رکھے۔''

(صحیح سنن الترمذی جلد 4 صفحہ 201 ,200)

اس حدیث صحیح سے واضح ہوا کہ سیدنا حسن و حسین کے بارے میں توہین آمیز یا گستاخانہ انداز و جذبات رکھنے والا کبھی اللہ کا محبوب نہیں بن سکتا، بلکہ اللہ کا محبوب بننے اور تکمیل ایمان کے لئے اہل بیت اور حسنین کریمین سے محبت رکھنا فرض ہے۔

ایک حدیث پاک کے لفظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جس نے حسن و حسین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔'' (صحیح سنن ابن ماجہ جلد نمبر 2 صفحہ 29 حدیث نمبر 117)

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اہل بیت کی حد درجہ عزت و احترام کرتے تھے اور بالخصوص حسنین کریمین

سے محبت فرماتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی طرح ان شہزادوں سے کھیلتے، ہنستے اور مسکراتے تھے۔ معصومیت کی وجہ سے ان کی کسی بات پر نالاں یا کسی کام پر ناراض نہیں ہوتے تھے بلکہ تعجب سے مسکرا پڑتے۔

ایک دفعہ سیدنا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور کہنے لگے:

((انزل عن منبرِ ابی واذهب الی منبر ابیك، فقال: عمر لم یكن لابی منبر و اخذنی فاجلسنی معه اقلب حصی بیدی فلما نزل انطلق بی الی منزله فقال لی: من علمك قلت: والاه ما علمنی احد قال بابی لو جعلت تغشانا فتیته یوماً وهو خال بمعاویة وابن عمر بالباب فرجع ابن عمر فرجعت معه فلقینی بعد فقال لی: لم ازك فقلت: یا امیر المؤمنین انی جئت وانت خال بمعاویة فرجعت مع ابن عمر، فقال فانما انبت ماتریٰ فی روسنا الله ثم انتم))

''میرے ابو کے منبر سے نیچے اترو اور اپنے باپ کے منبر کی طرف جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے: میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں۔ حضرت حسین فرماتے ہیں: پھر حضرت عمر نے مجھے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور میں کنکریوں سے کھیلنا شروع ہو گیا۔ پس جب آپ منبر سے اترے تو مجھے اپنے گھر لے گئے اور کہنے لگے: یہ بات تجھے کس نے سکھائی ہے۔؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے یہ بات کسی نے نہیں سکھائی۔ حضرت عمر فرمانے لگے: میرے ماں باپ قربان! کاش! آپ ہمیں ملاقات سے نوازا کریں۔ پس میں ایک دن آپ کے پاس آیا تو آپ حضرت معاویہ کے ساتھ تنہائی میں گفتگو کر رہے تھے اور ابن عمر دروازے پر کھڑے تھے۔ ابن عمر لوٹے تو میں بھی ان کے ساتھ ہی واپس ہو گیا۔ پھر ایک دن مجھے حضرت عمر ملے اور کہنے لگے: کافی دنوں سے آپ کو دیکھا نہیں۔ میں نے کہا: اے امیر لمومنین! میں آپ کے پاس آیا تھا اور آپ معاویہ کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے تھے تو میں ابن عمر کے ساتھ واپس لوٹ گیا۔ آپ فرمانے لگے: ہمیں جو کچھ نصیب ہوا وہ اللہ کی مہربانی اور آپ اہل بیت کی نوازش ہے۔''

(تاریخ بغداد جلد 1 صفحہ 141، سیر اعلام النبلاء 2ة 285 الاصحابہ جز نمبر 2 صفحہ نمبر 15 اس کی سند صحیح ہے / اغصن الرسول صفحہ 40)

میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرات حسن وحسین سے حد درجہ محبت کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان شہزادوں، شاہینوں، شہبازوں اور جنت کے سرداروں کی قدر کا حق ادا کر دیا۔

ایک دفعہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کے بیٹوں کو کپڑے پہنائے تو ان میں سے کوئی ایسا کپڑا نہ تھا جو سیدنا حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شایانِ شان ہو:

((فبعث الی الیمن، فاتی بکسوة لهما فقال الان طابت نفسی))

''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (قاصد کو) یمن بھیجا۔ وہ وہاں سے ان کے لئے (عمدہ ونفیس) کپڑے لے کر

آیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اب میرا دل خوش ہوا ہے۔"

(سیر اعلام النبلاء جلد 3 صفحہ 285)

ایک دفعہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کعبہ شریف کے سائے تلے تشریف فرما تھے:

((رای الحسین فقال هذا احب اهل الراض الی اهل السماء الیوم))

"حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو فرمانے لگے اس وقت آسمان والوں کے ہاں یہ سب اہل زمین سے زیادہ محبوب ہے۔"

صحابہ کرام سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کس قدر احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کس قدر محبت، مودّت، الفت، چاہت بلکہ عقیدت رکھتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کو جنت کی بشارت دی اور ان کے جنتی ہونے کا اعلانِ عام فرمایا۔ انہیں خوش نصیب اصحابِ رسول میں سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں کہ جن کے جنتی ہونے کی گواہی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان رسالت سے خود دی۔

حدیث صحیح میں ہے۔ سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

((من سره ان ینظر الی رجل من اهل الجنة فلینظر الی الحسین بن علی))

"جس کو پسند ہو کہ وہ اہل جنت میں سے ایک آدمی کو دیکھے۔ پس وہ حسین بن علی کو دیکھ لے۔"

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 192۔ باب مناقب الحسین بن علی علیہما السلام۔ امام ہیثمی فرماتے ہیں: (رجالہ رجال الصحیح) مسند ابی یعلیجلد نمبر 3 صفحہ 397 حدیث نمبر 1874۔ المسند بتحقیق الاثری جلد نمبر 2 صفحہ 348 حدیث نمبر 1868۔ صحیح موارد الظلمان الی زوائد ابن حبان جلد نمبر 2 صفحہ 368۔ کتاب المناقب، کتاب الفضائل الصحابۃ اللامام احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ نمبر 973۔ شیخ وصی اللہ نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ سلسلۃ الاحادیث للصحیحہ جلد نمبر 7 جز نمبر 3 صفحہ نمبر 1732 حدیث نمبر 4003 اور یہ حدیث صحیح ہے۔)

سید الرسل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دنیا کے ان پھولوں کو جنت کے جوانوں کا سردار بنایا اور سید الشباب اہل الجنۃ کے عظیم منصب پر فائز کیا۔

چنانچہ سیدنا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الحسن و الحسین سیدا شباب اهل الجنة))

"حسن وحسین اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔"

جامع ترمذی میں سیدنا حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

((سالتنی امی متی عهدك؟ تعنی بالنبی صلی الله علیه وسلم۔ فقلت: مالی به عهد منذ كذا و كذا، فنالت منی فقلت لها: دعینی اتی النبی صلی الله علیه وسلم فاصلی معه المغرب و اساله ان یستغفرلی ولك فاتیت النبی صلی الله علیه وسلم فصلیت معه المغرب فصلی حتی صلی العشاء ثم انفتل فتبعته فسمع

صوتی فقال :"من هذا حذیفة" قلت :نعم۔ قال :" ماحا جتك غفر الله لك ولامك؟ قال :" ان هذا ملك لم ینزل الارض قط قبل اللیلة استاذن ربه ان یسلم علی ویبشرنی بان فاطمة سیدة نساء اهل الجنة و ان الحسن و الحسین سیدا شباب اهل الجنة))

''میری والدہ نے مجھ سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کب کے ملے ہو؟ میں نے کہا: اتنی مدت ہو چکی ہے کہ میں ملاقات نہیں کر سکا۔ وہ اس پر ناراض ہو گئیں، مجھے برا بھلا کہا۔ میں نے کہا: مجھے اجازت دیں میں حضور کے پاس حاضر ہو کر آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتا ہوں اور عرض کروں گا کہ آپ میرے لئے اور میری ماں کے لئے بخشش کی دعا فرمائیں۔ چنانچہ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مغرب کی نماز آپ کے ساتھ پڑھی۔ پھر میں وہیں ٹھہرا رہا حتیٰ کہ آپ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد گھر کی طرف چل پڑے تو میں بھی آپ کے پیچھے چل پڑا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری آواز سنی تو فرمایا: حذیفہ؟ میں نے عرض کیا: ہاں! فرمایا کیا کام ہے؟ اللہ تعالیٰ تجھ کو اور تیری والدہ کو معاف کرے۔ اور فرمایا: یہ فرشتہ ہے جو آج رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ اس نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ وہ مجھ سے سلام عرض کرے اور مجھے بشارت دے کر فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار اور حسن اور حسین نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔''

(مسند احمد حدیث نمبر (11561) (10941) (11716) (11537) طبعة دار الحدیث القاهرة، مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 186 مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 166 و کتاب الشریعۃ جلد 5 صفحہ 2139 سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ جلد 2 صفحہ 438 حدیث نمبر 797)

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ان حسناً و حسیناً سید اشباب اهل الجنة الا ابنی الخالة، عیسی ابن مریم و یحییٰ بن زکریا علیهما السلام))

''حسن و حسین حضرت عیسیٰ ابن مریم اور یحییٰ بن زکریا کے علاوہ باقی تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔''

میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسن و حسین کے بارے میں کتنے نرم اور شیریں جذبات رکھتے ہیں کہ آپ نے ان شہزادوں کو پھولوں سے تشبیہ دی ہے اور بالکل اسی طرح ان کو سونگھا اور چوما کرتے تھے جس طرح کسی کلی یا پھول کو سونگھا جاتا ہے۔

ابن ابی نعیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((سمعت عبدالله بن عمرو ساله عن المحرم۔ قال شعبة احسبه یقتل الذباب۔ فقال :اهل العراق یسالون عن الذباب و قد قتلوا ابن ابنة رسول الله صلی الله علیه وسلم و قال النبی صلی الله علیه وسلم هما ریحانتای من الدنیا))

''میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا اور کسی نے ان سے محرم کے بارے میں پوچھا تھا۔ شعبہ

کہتے ہیں کہ میرے خیال میں انہوں نے مکھی کے متعلق پوچھا تھا۔ اگر اسے محرم مار دے (تو کیا کفارہ وغیرہ ہو گا؟) تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: عراق کے لوگ مکھی کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور حالانکہ یہی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر چکے ہیں، جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں (حسین و حسین) دنیا میں میرے پھول ہیں۔''

(صحیح بخاری شریف، کتاب فضائل اصحاب النبی، مناقب الحسنین (186/5)

جامع ترمذی کے الفاظ میں حضرت عبدالرحمن بن ابی نعم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((ان رجلاً من اهل العراق سأل ابن عمر: عن دم العوض يصيب الثوب؟ فقال ابن عمر: انظر الى هذا يسال عن دم البعوض و قد قتلو ابن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: " ان الحسن والحسين هما ريحانتاى من الدنيا))

(جامع سنن الترمذی جلد 4 صفحہ 202، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ جلد 2 صفحہ 102 حدیث 564 وایضاً صحیح ابن حبان و المعجم الکبیر وشرح السنۃ للبغوی ومسند احمد والمصنف لابن ابی شیبۃ)

''عراقیوں سے ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ کپڑے پر مچھر کا خون لگ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ حضرت عبداللہ نے کہا: اس شخص کی طرف دیکھو! مچھر کے خون کے بارے میں سوال کرتا ہے حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کو شہید کیا اور بے شک میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ حسن وحسین میرے دنیا کے دو پھول ہیں۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

((رأيت الحسن والحسين رضى الله عنهما يثبان على ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يصلى فيمسكهما بيده حتى اذا استقر على الارض تركهما، فلما صلى اجلسهما في حجره ثم مسح رؤسهما، ثم قال ان ابنى هذين ريحانتاى من الدنيا))

''میں نے حسن وحسین کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر اچھل کود رہے ہیں اور آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ان کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتے۔ جب آپ زمین پر بیٹھ جاتے آپ انہیں چھوڑ دیتے۔ جب آپ نے نماز پڑھ لی تو دونوں کو اپنی گود مبارک میں بٹھایا اور سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور فرمایا: یہ میرے دونوں بیٹے دنیا کے پھول ہیں۔''

(کتاب الشریعۃ جلد 5 صفحہ 2156 ومسند احمد والمعجم الکبیر وصحیح ابن حبان اسنادہ حسن وکذا قال الدکتور الدیجی فی الھامش

محدث شہیر امام نورالدین علی بن ابی بکر رحمہ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

((دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم الحسن و الحسین یلعبان علی بطنه فقلت اتحبهما یا رسول الله ؟ فقال و مالی لا احبهما و هما ریحا نتای من الدنیا اشمهما))

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو حضرت حسن وحسین آپ کے پیٹ پر کھیل رہے تھے۔ میں نے کہا: آپ ان سے محبت فرماتے ہیں۔؟ آپ نے فرمایا: کیسے محبت نہ کروں یہ میرے دنیا کے پھول ہیں، میں ان کو سونگھتا ہوں۔''

(مجمع الزوائد 184/9۔ورجالہ رجال الصحیح (اس کے راوی صحیح کے ہیں)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرض الموت میں سخت بیمار ہوئے تو آپ کے پاس مروان بن الحکم الاموی آیا:

(فقال مروان لابی هریرة مارجدت علیك فی شیئی منذ اصطحبنا الافی حبك الحسن و الحسین قال فتحفز ابوهریرة فجلس فقال اشهد لخر جنامع رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی اذا کنا ببعض الطریق سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم الحسن والحسین و هما یبکیان و هما مع امهما فاسرع السیر حتی اتا هما فتمعته یقول ماشان ابنی فقالت العطش قال فخلف رسول الله صلی الله علیه وسلم الی شنة یبتغی فیها ماء او کان الماء یومئذ اعدارا والناس یریدون فنادی هل احد منکم معه ماء فلم یبق احد الا اخلف بیده الی کلامه یبتغی الماء فی شنه فلم یجد احد منهم قطرة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم نولینی احدهما فناولته ایاه من تحب الخدر فرأیت بیاض فرا عیهما حین ناولته فاخذه فضمه الی صدره وهو یضغو مایسکت فادلع لساهه فجعل یمصه حتی هدا اوسکن فلم یکن له بکاء والاخر یبکی کما هو ما یسکت قال ناولینی الاخر فناولته ایاه ففعل به کذالك فسکتا فلم اسمع لهما صوتاً ثم قال سیروا فصدعنا یمیناً و شمالاً عن الظعائن حتی لقیناه علی قارعة الطریق فانا لااحب هذین؟ وقد رأیت هذا من رسول الله صلی الله علیه وسلم))

''پس مروان نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے کہا: جب سے ہم اکٹھے ہوئے ہیں میں نے آپ میں حسن وحسین کی محبت کے علاوہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں پائی۔ پس حضرت ابوہریرہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ ہم راستہ طے کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن وحسین کی آواز سنی کہ وہ رو رہے ہیں۔ پس آپ نے تیز چلنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچے۔ میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: میرے بیٹوں کو کیا ہوا ہے؟

تو سیدہ فاطمہ فرمانے لگی: پیاس کی وجہ سے رو رہے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پرانی مشک کی طرف متوجہ ہوئے، اس میں سے پانی لینے کے لئے اور ان دنوں پانی کم تھا اور لوگ پانی کی تلاش میں تھے۔آپ نے پکار کر کہا: کیا تم میں سے کسی کے پاس پانی ہے؟ تو آپ کی بات سن کر ہر شخص نے اپنی مشک میں سے پانی تلاش کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا مگر کسی کو ایک قطرہ بھی نہ ملا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: فاطمہ ان میں سے ایک کو مجھے پکڑا تو انہوں نے پردہ کے نیچے سے آپ کو پکڑا دیا۔میں نے فاطمہ کے ہاتھوں کی سفیدی دیکھی۔جب انہوں نے بچہ پکڑایا تو آپ نے اس بچے کو پکڑ لیا اور اپنے سینے سے چمٹا لیا اور وہ رو رہا تھا، چپ نہیں کر رہا تھا۔آپ نے اپنی زبان نکالی تو بچہ اس زبان کو چوسنے لگا اور اس طرح وہ بچہ چپ ہو گیا اور اس نے رونا بند کر دیا اور دوسرا اسی طرح رو رہا تھا، چپ نہیں ہوتا تھا۔آپ نے کہا: دوسرا بھی مجھے پکڑاؤ تو سیدہ فاطمہ نے وہ دوسرا بچہ بھی آپ کو پکڑایا تو آپ نے پہلے کی طرح کیا تو دونوں چپ ہو گئے۔میں نے پھر ان کی آواز نہیں سنی۔پھر آپ نے فرمایا: چلو! تو پھر ہم سوار عورتوں کی وجہ سے دائیں بائیں ہو کر بکھر کر چلے، یہاں تک کہ پھر راستہ میں آپ سے جا ملے۔(جب میں نے حضور کا یہ برتاؤ دیکھا ہے تو میں ان سے محبت کیسے نہ کروں؟)

((رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمعص لسانة او قال شفته یعنی الحسن بن علی صلوات اللہ علیہ و اہ لن یعذب لسان او شبفتان مصهما))

''میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن کی زبان یا ہونٹوں کو چوس رہے تھے اور اللہ ایسی زبان یا ہونٹ کو کبھی عذاب نہیں دے گا۔''

(مسند احمد مسند معاویہ، جلد 13 صفحہ 80 حدیث 16791۔مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 180)

امام ہیثمی فرماتے ہیں:

(رواہ احمد رجالہ رجال الصحیح غیر عبدالرحمن بن ابی عوف و ھو ثقة)

''اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی سوائے عبدالرحمن بن ابی عوف کے سب صحیح کے راوی ہے اور وہ ثقہ ہے۔''

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج 9 ص 183 امام ہیثمی فرماتے ہیں رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات / تھذیب التھذیب جلد 2 صفحہ 298 باب فی ترجمة الحسن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح حسن وحسین کی نگرانی کرتے، مگر پھر بھی ان موتیوں کو مندرجہ ذیل کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتے۔

سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

((اُعیذ کما بکلمات اللہ التامة من کل شیطان و ھامة و من کل عین لامة))

''میں تم دونوں کو ہر قسم کے شیطان، زہریلے جانور اور لگنے والی ہر آنکھ سے اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں۔''(صحیح بخاری شریف، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر 3371)

اہل فکر! یقیناً میرے رب نے ان شہزادوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھا وہ پھول کہ جنہیں پیغمبر رحمت یہ کلمات پڑھ کر اللہ کی پناہ میں دیتے۔ ظاہری باطنی اور روحانی وجسمانی ہر لحاظ سے ان پر نظر کرم رکھتے تھے۔ آج ہمیں سنت رسول پر چلتے ہوئے ان پیاروں کا دفاع کرنا چاہیے اور جو ناپاک شخص ان کی ذات میں کیڑے نکالے اور ان کی عیب جوئی کرے یا اندازِ حقارت سے ان کا تذکرہ کرے اس کا ہر طرح منہ بند کیا جائے اور اس کے قلم کو توڑا جائے۔ جو عقیدت میں غلو سے کام لیں انہیں بھی بطریق احسن سمجھایا جائے تا کہ راہِ اعتدال پہ چل کر ہم دنیا وآخرت میں سرخرو ہوسکیں۔ آج بھی وہ بچے جنہیں نظر بدلگ جانے کا خدشہ ہوانہیں یہ دعاءِ مسنون پڑھ کر دم کرنا چاہیے۔ اللہ ہر آفت سے محفوظ فرمائے گا۔

ذخیرہ احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو سن 61 ہجری میں جس طرح بے دردی سے شہید کیا گیا اس کا تذکرہ سید الرسل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان رسالت سے پہلے ہی فرما دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لقد داخل على البيت ملك لم يدخل على قبلها فقال: ان ابنك هذا حسين مقتول و ان شئت اريتك من تربة الارض التي يقتل بها))

"میرے گھر میں ایک ایسا فرشتہ آیا جو کبھی نہ آیا تھا۔ اس نے کہا: یقیناً آپ کا حسین قتل کر دیا جائے گا اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اس زمین کی مٹی دکھلاؤں جہاں پر وہ قتل ہوگا۔"

یاد رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری صحیح روایت میں پیش گوئیاں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"ایک وقت آئے گا ظالم لوگوں کی حکمرانی ہوگی اور میری امت کی تباہی، قریش کے چھوکروں کے ہاتھ سے ہو گی۔" (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 485 حدیث نمبر 822)

اسی لئے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ 60 ہجری کے بعد والے فتنوں اور ظلموں سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔" (فتح الباری)

((عن عبدالله بن نجى ، عن أبيه انه سارمع على رضى الله عنه، وكان صاحب مطهرته، فلما حاذىٰ نينوى وهو منطلق الى صفين، فنادىٰ على رضى الله عنه، اصبرا يا عبدالله، اصبرا يا عبد الله بشط الفرات، قلت: وماذا؟ قال: دخلت على النبى صلى الله عليه وسلم ذات يوم و عيناه تفيضان، قلت: يا نبى الله، أأغضبك حد ماشان عينيك تفيضان؟ قال: بلىٰ قام من عندى جبريل قبل فحدثنى ان الحسين يقتل بشط الفرات قال: هل لك الىٰ ان اشمك من تربته قال: نعم ، فمد يده، فقبض قبضة من تراب فاعطانيها فلم املك عينى ان فاضتا))

"عبداللہ بن نجی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں (اور وہ حضرت علی المرتضیٰ کے لئے طہارت کا پانی اٹھائے

تھے) کہ وہ علی کے ساتھ سفر پر گئے اور صفین کو جاتے ہوئے جب مقام نینویٰ پر پہنچے تو حضرت علی نے آواز دی: اے ابوعبداللہ! اے ابوعبداللہ! فرات کے کنارے صبر کرنا۔! میں نے کہا: یہ کیا بات ہوئی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کسی نے آپ کو غصہ دلایا ہے؟ رو کر کیا حالت ہے آپ کی آنکھوں کی۔؟ آپ فرمانے لگے: کیوں نہیں۔ ابھی جبرائیل میرے پاس سے گیا ہے اور اس نے مجھے خبر دی ہے کہ حسین کو فرات کے کنارے قتل کر دیا جائے گا۔ اگر آپ چاہیں تو میں وہاں مٹی آپ کو سونگھاوں۔؟ میں نے کہا: ہاں۔! پس جبرئیل نے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا اور ایک مٹھی بھر مٹی پکڑی اور مجھے پکڑا دی۔ پس پھر میری آنکھیں قابو میں نہ رہیں حتیٰ کہ آنسو بہہ نکلے۔"

(مجمع الزوائد جلد نمبر 9 صفحہ 190 باب مناقب الحسین بن علی علیہما السلام، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ (راوہ احمد وابویعلی ولبزار والبرانی ورجالہ ثقات) اس حدیث کو امام احمد، ابویعلی، بزار اور طبرانی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مسند ابی یعلی جلد نمبر 1 صفحہ 498، حدیث نمبر 363 مسند علی۔ اس کی سند حسن ہے۔ واشار الاثری الی کونہ حسنا جلد 1 صفحہ 206 حدیث نمبر 358، کتاب الشریعۃ جلد 5 صفحہ 2175 باب اخبار النبی بقتل الحسین۔ الشیخ عبداللہ الدیجی فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے، نیز الشیخ عبدالقادر جوندل والشیخ حسین سلیم احمد نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔ حامش المطالب العالیۃ ج 8 صفحہ 249 باب مقتل حسین۔ محدث شہیر امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سلسلہ احادیث صحیحہ جلد نمبر 3 صفحہ 159 حدیث نمبر 1171 کے تحت ذکر کیا ہے)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ شہادت حسین خبر سن کر شدت غم وتأسف کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زار وقطار رو پڑے اور آپ کی آنکھیں قابو میں نہ رہیں، مگر افسوس کہ آج کا محقق ذکرِ شہادت حسین پر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی، سلطنت کا حریص اور خطا کار ثابت کرتا ہے، اور اس المناک واقعہ پر افسردگی کی بجائے اس کے چہرے پر اور اس کے قلم سے گستاخی و بے ادبی کے جذبات اور جراثیم ظاہر ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اتانی جبرائیل علیه الصلاة و السلام فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی هذا (الحسین) قلت اهذا؟ فقال؟ نعم، اتانی بتربة من تربته حمراء))

"میرے پاس جبرائیل آیا اور اس نے مجھے خبر دی کہ میری امت عنقریب میرے اس بیٹے کو قتل کر دے گی۔ میں نے کہا: کیا اس (حسین) کو؟ تو جبرائیل نے کہا: ہاں اور وہ میرے پاس وہاں کی سرخ مٹی لے کر آیا۔" (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ جلد 2 صفحہ نمبر 484 حدیث نمبر 821)

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

((و اما من قتل الحسین او اعان علی قتله، او رضی بذلك فعلیه لعنة الله و الملائكة و الناس اجمعین لایقبل الله منه صرفاً و لا عدلاً))

"جس نے حضرت حسین کو قتل کیا یا ان کے قتل پر مدد کی یا قتل پر راضی ہوا ایسے (ذلیل) پر اللہ کی، فرشتوں کی

اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اور اللہ تعالیٰ (ایسے ظالموں) کی فرض ونفل کوئی عبادت قبول نہ کرے۔“

امام شہیر، محدث کبیر آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((مائة الف الف لعنة علی قاتل الحسین رضی الله تعالیٰ عنه))

”قاتلِ حسین پر لاکھوں لعنتیں ہوں۔“

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت حسین کے قاتل اہل عراق تھے، اہل شام تو خواہ مخواہ بدنام ہو گئے ہیں۔

اہل علم کا اہل شام کو بالکل بری الذمہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ خواہ مخواہ بدنام ہو گئے حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔

شامیوں کی برأت کیسے ثابت ہوئی جبکہ کئی عراقی اہل شام کے ہم نوا اور ہم خیال تھے۔

اہل شام خواہ مخواہ بدنام ہو گئے، یہ جملہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان حضرت نے امانتداری وسنجیدگی سے اس موضوع کا مطالعہ نہیں کیا یا حسب عادت غلو اور تشدد سے کام لیا، وگرنہ ایسا جملہ کبھی نہ لکھتے۔ اہل شام کے ظلم وستم کی داستان لمبی ہے۔ تاریخ کے اوراق آج بھی ان سے غم آلودہ ہیں۔ ذرا غور کریں:

1: نعمان بن بشیر کو کوفہ کی گورنری سے معطل کرنے والے اور عبید اللہ بن زیاد جیسے سفاک وظالم کو مقرر کرنے والے کون ہیں؟ عراقی یا شامی۔

2: مدینہ منورہ کے قریب مقام حرہ پر ہزاروں صحابہ کرام، بچوں، جوانوں، بوڑھوں اور عورتوں کو شہید کرنے والے کون تھے؟ اہل شام یا اہل عراق۔

3: بیت اللہ کو آگ لگانے والے اس کی بے حرمتی کرنے والے کون تھے۔؟

4: کیا اہل بیت پر تبراء بازی، گالی گلوچ اور ان کی وفات پر عدم تاسف اہل شام کا وتیرہ نہ تھا؟

5: کیا اہل عراق کی اکثریت شامیوں کی ہمنوا نہ تھی؟ ہر وقت کوفی کوفی کرتے رہنا اور شامیوں کی خبر تک نہ لینا بلکہ انہیں معصوم ثابت کرنا کہاں کی علمیت اور دیانتداری ہے؟

6: کیا کوفہ میں جلیل القدر، اکبار صحابہ کرام قیام پذیر نہ تھے، جو شخص اٹھتا ہے وہ اہل کوفہ (جو صحابہ کرام، تابعین عظام اور اولیاء کرام کا جائے قرار ہے) کی تنقیص وتوہین اور عیب جوئی فرض اول سمجھتا ہے جو کہ سراسر غلو اور حقائق کے برعکس ہے۔

لیکن یہ جملہ لکھ کر ان حضرات کا مقصد مستند حدیثی واقعات اور تاریخی حقائق کو چھپایا ہے، بلکہ عظیم خیانت ہے۔

یہاں صرف یہی اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ حقائق کی پردہ پوشی کرنا یہ خوف الٰہی رکھنے والے اہل علم کا شیوہ نہیں، بلکہ حقائق کی نقاب کشائی کرنا یہ اہل علم کی شان ہے:

((قل الحق ولو مرًّا))

”حق بات کہو! چاہے وہ کڑوی ہو۔“ (الحدیث)

حضرت امام حسین کی کل عمر تقریباً 58 سال تھی اور آپ نے اپنی زندگی میں اٹھاون بہاریں دیکھیں جن کی تفصیل قدرے یوں ہے:

((کان عمر الحسین حین انتقل رسول الله صلی الله علیه وسلم الی الرفیق

الاعلیٰ سبع سنین لان مولده سنة اربع ووفاة النبی صلی الله علیه وسلم فی اوّل الحادیة عشر، و اقام مع ابیه بعد جده تلاثین سنة اذ کانت و فاته رضی الله عنه سنة اربعین و اقام مع اخیاه الحسین بعد ابیها عشر سنین و عاش بعد اخیه احدی عشرة فتلك مدة حیاته 58 سنةً))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت حضرت حسین کی عمر تقریباً سات سال تھی کیونکہ آپ 4 ہجری کو پیدا ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سن 11 ہجری کے آغاز میں ہوئی۔ آپ اپنے والد گرامی حضرت علی کے ساتھ آپ تقریباً 30 سال رہے اور حضرت علی کی وفات سن 40 ہجری کو ہوئی۔ رسول اللہ اور حضرت علی کے بعد 10 سال حضرت حسن کے ساتھ رہے اور حضرت حسن کی وفات کے بعد (تقریباً) 11 سال اور زندہ رہے۔ اس طرح یہ کل مدتِ حیات تقریباً 58 سال ہے۔"

(فتح الباری جلد نمبر 8 صفحہ 95/ غصن الرسول صفحہ 25)

آپ کو دس محرم الحرام 61 ہجری کو یزیدی لشکر نے میدان کرب وبلا میں ظلماً شہید کر دیا۔

درود شریف کے متعلق حدیث: حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے درود شریف کے متعلق حدیث کو طبرانی نے معجم میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من ذکرت عنده فخطیء الصلوٰة علی خطیء طریق الجنة))

"جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ درود بھول گیا تو وہ جنت کی راہ بھول گیا۔"

اس حدیث میں یہ علت ہے کہ عمرو بن حفص نے تو اس کو بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کیا ہے اور ابن ابی عاصم واسمٰعیل بن اسحاق نے امام زین العابدین سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ سلیمان بن حرب اور علی بن مدینی کی روایتوں میں اسی حدیث کو امام باقر رضی اللہ عنہ سے بطور ارسال روایت کیا گیا ہے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ عمرو راوی کے بعد ایک اور شخص نے بھی جس کا نام سفیان راوی نے بسان صیر فی بتلایا ہے، بیان کیا تھا کہ اس نے بھی یہ حدیث امام باقر رضی اللہ عنہ سے ہی سنی تھی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ایک وہ حدیث ہے جسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((البخیل من ذکرت عنده ولم یصل علی))

"بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

اس کو ابن حبان و حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں اور ترمذی نے جامع میں روایت کیا اور حسن صحیح غریب بتلایا۔

مسند احمد میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث کہا ہے:

"میں کہتا ہوں کہ اس میں ایک اور علت ہے، جو نسائی نے سنن کبیر میں لکھی ہے کہ عبدالعزیز بن محمد کی روایت میں عبداللہ بن علی بن حسین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔"

اور زکریا بن یحیٰی کی روایت میں یوں ہے کہ عبداللہ بن علی بن حسین نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت براء بن عازب کی درود شریف کے متعلق حدیث کو احمد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((من صلی علی کتبت له عشر حسنات ومحی عنه بها عشر سیئات ورفعه بها عشر درجات وکن له عدل عشر رقاب))

"جو کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی اور اس کی دس برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند کیے جاتے ہیں۔"

اس حدیث کے کئی شواہد ہیں اور یہ مشہور حدیث ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

نسائی نے سنن کبیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مااجتمع قوم ثم تفرقوا عن غیر ذکر اللہ عزوجل وصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیه وسلم الا قاموا عن انتن جیفة))

"کوئی قوم جمع ہو کر متفرق نہیں ہوتی جس میں ذکر اللہ اور صلوٰۃ نبی نہ ہو مگر اس کی مثال ایسی ہے کہ نہایت بدبودار مردار سے اٹھے ہیں۔"

ابوعبداللہ المقدسی کہتے ہیں کہ یہ سند میرے نزدیک مسلم کی شرط یہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث احمد بن عمرو نے سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لاتجعلونی کقدح الراکب ان الراکب یملأ قدحه فاذا فرغ وعلق معالیقه فان کان فیه مآء شرب اوالوضوء توضا والا اهراق القدح فاجعلونی فی اول الدعاء وفی اوسطه ولا تجعلوا فی آخره))

"مجھے سوار (مسافر) کے پیالہ کے مانند نہ بناؤ جو پیالہ بھر لیتا ہے۔ پھر جب فارغ ہو کر اسباب وغیرہ لاد کر (چلنے کو تیار ہو جاتا ہے) تو پیالہ کے پانی کو پی لیتا ہے یا وضو کر لیتا ہے اور پھر اسے توڑ ڈالتا ہے۔ تم مجھے (درود کے ذریعے) دعا کے اول اور وسط میں جگہ دو اور بس دعا کے آخر میں جگہ نہ دو۔"

یہ الفاظ ابی عاصم کے تھے، لیکن طبرانی کی روایت میں یوں ہے:

((فاجعلونی فی وسط الدعآء وفی اوله وآخره))

"پس مجھے اپنی دعا کے اول و آخر اور وسط میں جگہ دو (دعا کے تینوں مقامات پر مجھے درود کے ذریعے یاد رکھو۔)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی درود شریف کے متعلق حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اذاطنت اذن احدکم فلیذ کرنی ولیصل علی))

''جب کسی کا کان شاں شاں کرنے لگے تو اسے لازم ہے کہ میرا ذکر کرے اور مجھ پر درود پڑھے۔''

طبرانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے اسی اسناد کے ساتھ مروی ہے اور معمر بن محمد اس روایت میں منفرد ہے۔

ابن خزیمہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں ہے:

((ذکر اللہ من ذکرنی بخیر))

''اللہ کا ذکر میرے ذکر سے بہتر ہے۔''

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی درود شریف کے متعلق حدیث کو امام ترمذی نے اپنی جامع سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من کانت له الی اللّٰه حاجة اوالی احد من بنی آدم فلیتوضا فلیحسن الوضوء ثم لیصل رکعتین ثم لیثن علی اللّٰه ولیصل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم لیتل لااله الا اللّٰه الحلیم الکریم سبحان اللّٰه رب العرش العظیم الحمدللّٰه رب العلمین اسالك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك والغنیمة من کل بروالسلامة من کل اثم لا تدع لی ذنبا الا غفرته ولا هما الا فرجته ولا حاجة هی لك رضا الا قضیتها یاارحم الراحمین))

''جس کو اللہ سے حاجت ہو یا کسی آدمی سے، اسے چاہیے اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے۔ اللہ کی ثناء اور نبی پر درود پڑھے، بعد میں یہ دعا پڑھے:

((لااله الا اللّٰه الحلیم الکریم سبحان اللّٰه رب العرش العظیم الحمدللّٰه رب العلمین اسالك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك والغنیمة من کل بروالسلامة من کل اثم لا تدع لی ذنبا الا غفرته ولا هما الا فرجته ولا حاجة هی لك رضا الا قضیتها یاارحم الراحمین))

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں علماء کی جرح ہے۔ فائد بن عبدالرحمٰن حدیث میں ضعیف سمجھا جاتا ہے۔ فائد کی کنیت ابوالورقاء ہے۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو متروک الحدیث اور یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے۔

ابوحاتم بن حبان نے کہا:

''یہ مشاہیر سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے اور ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے نامعلوم حدیثیں بیان کرتا ہے۔

جن سے حجت مناسب نہیں۔"

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مستدرک میں روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں اس کو بطور شاہد لایا ہوں اور فائدنامی روای مستقیم الحدیث ہے۔

حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کی درود شریف کے متعلق حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من قال اللهم صل على محمد و انزله المقعد المقرب عندك يوم القيامة وجبت له شفاعتي))

"جو شخص یہ پڑھے گا اس پر میری شفاعت لازم ہو جائے گی:

((اللهم صل على محمد وانزله المقعد المقرب عندك يوم القيامة))

"یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر رحمت فرما اور قیامت کے دن انہیں اپنے قریب ترین جگہ دے۔"

اسمٰعیل بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب میں اس کو سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: حضرت ابوامامہ باہلی کا نام صدی بن عجلان ہے مگر یہ اپنی کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہوئے۔ بنو باہلہ کے خاندان سے ہیں اس لیے باہلی کہلائے۔ مسلمان ہو جانے کے بعد سب سے پہلے صلح حدیبیہ میں شریک ہو کر بیعت الرضوان کے شرف سے سرفراز ہوئے۔ دوسو پچاس احادیث روایت کیں۔ احادیث کے درس و اشاعت میں ان کو بے حد شغف تھا۔ پہلے مصر میں رہتے تھے، پھر حمص چلے گئے اور وہیں 86 ہجری میں 91 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اپنی داڑھی میں زرد رنگ کا خضاب کرتے تھے۔

(اسد الغابہ، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 16)

صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث: حضرت ابوامامہ کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مامن قوم جلسوا مجلساً ثم قاموا منه لم يذكروا الله ولم يصلوا على النبي ﷺ الا كان ذلك المجلس عليهم ترة))

"جس مجلس والے ذکر الٰہی اور نبی پر درود کے بغیر متفرق ہو جاتے ہیں ان کے لیے وہ مجلس حسرت وافسوس کا باعث رہے گی۔"

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے جسے امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کریم نے فرمایا:

((من صلى على صلى الله عليه عشرا ملك موكل بها حتى يبلغنيها))

''جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے، ایک فرشتہ مقرر ہے جو بندے کا درود مجھ تک پہنچاتا ہے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن بشر بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت عبدالرحمٰن بن بشر بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صلوٰۃ وسلام کے متعلق حدیث کو اسماعیل بن اسحاق نے اپنی کتاب میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عرض کیا گیا:

''یارسول اللہ ﷺ! ہم کو حکم ہے کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجیں، سلام تو ہم جان گئے، درود آپ پر کس طرح بھیجیں۔؟''

فرمایا: کہا کرو:

((اللهم صل على آل محمد كما صليت على آل ابراهيم اللهم بارك على محمد كما باركت على آل ابراهيم))

''یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمت نازل فرمائی۔ یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکت نازل فرمائی۔''

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن مندہ نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے۔ ان کا نام ابن بشیر بھی لکھا گیا ہے اور ابن بشیر بھی۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن بشیر ہی تحریر کیا ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فضیلت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ حدیث ان سے روایت کی۔ مسدد اور نصر بن علی کی روایات میں بھی اسی طرح ہی ہے۔

حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کی صلوٰۃ وسلام کے متعلق حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من صلى على من امتى صلوٰةً مخلصاً من قلبه صلى الله عليه بها عشر صلوات ورفع بها عشر درجات وكتب له بها عشر حسنات ومحى عنه عشر سيئات))

''جس مسلمان نے خلوص دل سے درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے، دس درجے بلند فرماتا ہے، دس نیکیاں لکھتا ہے، دس برائیاں مٹاتا ہے۔''

اس حدیث میں یہ علت ہے کہ اسے سعید بن سعید سے ابواسامہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور وکیع نے بھی اور دونوں کی سند میں اختلاف پڑ گیا ہے۔

ابوزرعہ رازی کا قول ہے کہ حدیث ابواسامہ زیادہ مناسب ہے۔

طبرانی نے معجم میں اور ابن عاصم نے کتاب الصلوٰۃ میں اس کو اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دونوں کی سند میں

ابواسامہ ہے۔

ابوالشیخ اصبہانی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان للہ تبارك وتعالیٰ ملكاً اعطاہ اسماع الخلائق فھو قائم علی قبری اذا مت فلیس احد یصلی علی صلوٰۃ الا قال یامحمد صلی علیك فلان بن فلان قال فیصلی الرب تبارك وتعالیٰ علی ذلك الرجل بكل واحدۃً عشراً))

''اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ایک ایسا فرشتہ ہے جسے اس نے تمام مخلوق کی آوازوں کی قوت شنوائی دے دی ہے۔ جب میرا انتقال ہوگا تب وہ میری قبر پر ٹھہرا رہے گا جو کوئی مجھ پر درود پڑھے گا وہ بتلا دے گا کہ فلاں بن فلاں آپ پر درود پڑھتا ہے۔ فرمایا: اس درود پڑھنے والے پر ایک کے بدلے دس رحمتیں اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔''

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف بن واہب انصاری بنی عمرو بن عوف میں سے ہیں۔ ان کا نام اسعد ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دادا کے نام پر (کہ ابوامامہ اسعد بن زرارہ تھے) ان کا نام رکھ دیا تھا اور یعنی کنیت پر کنیت۔ ان کے لیے دعا فرمائی اور برکت دی۔

ابوعمرو غیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ شیخ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''وہ 100ھ میں نوے سال کے ہو کر فوت ہوئے۔''

صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث: حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک صحابی نے خبر دی کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر پڑھے، پھر تکبیر اولیٰ کے بعد چپکے چپکے فاتحہ، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور باقی تکبیرات میں میت کے لیے ہی دعا ہے اور کچھ نہ پڑھے' پھر آہستہ سے سلام کر دے۔

اس حدیث کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں روایت کیا ہے۔ نیز اسمٰعیل بن اسحاق نے نیز سنن میں نسائی نے۔

اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔

اس حدیث میں اختلاف بھی ہے۔ ایک روایت میں تو یہ ہے کہ ابوامامہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ خود ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں طرح روایت کی ہے۔

دراصل حدیث کے لئے یہ کوئی علت قادحہ (نقصان دہ سبب) نہیں کیونکہ صحابی رضی اللہ عنہ کا مجہول (غیر معروف) ہونا ضرر نہیں دیتا۔

واضح ہو صحابی کا یہ کہنا:

''یہ سنت میں سے ہے۔''

اس میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مرفوع کے حکم میں ہے اور کوئی کہتا ہے کہ رفع کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث وہ ہے جس میں منبر پر چڑھنے اور تین بار آمین کہنے

کا ذکر ہے۔ اسی میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے کہا:

((یامحمد من ذکرت عندہ فلم یصل علیک فمات فدخل النار فابعدہ اللہ قل آمین قلت آمین))

''اے محمد ﷺ! جس کے سامنے آپ کا ذکر ہوا اور اس نے درود نہ پڑھا' پھر وہ مر گیا اور دوزخ میں گیا اور اللہ نے اسے رحمت سے دور کر دیا۔ کہئے آمین۔ میں نے کہا: آمین۔''

قیس بن ربیع جو اس حدیث کا راوی ہے صدوق (سچ بولنے والا) ہے مگر بد حافظہ ہے۔ شعبہ ان کی تعریف کرتا تھا۔

ابو حاتم نے کہا:

''وہ محل صدق ہے' مگر قوی نہیں۔''

ابن عدی نے کہا:

''اس کی تمام روایات مستقیم ہیں۔''

رہی یہ حدیث اس کی اصل حضرت حدیث ابو ہریرہ، حضرت کعب بن عجرہ، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت مالک بن حویرث اور حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہم سے ہے۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابو حاتم نے صحیح میں روایت کیا ہے کہ جس میں منبر کے تینوں درجوں پر چڑھنے' آمین کہنے رمضان' والدین اور نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ کا ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی مضمون کی ہے اور اس کو جعفر فریابی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کی حدیث:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث جو مالک اور عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث بالا کے ہم مضمون ہے' اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث وہ ہے جسے محمد بن حسن ہاشمی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من صلی علی فی کتاب لم تزل الصلوٰۃ جاریۃ لہ مادام اسمی فی ذلک الکتاب))

''جو کوئی شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھتا ہے اس پر رحمت جاری رہتی ہے جب تک اس کتاب میں میرا نام لکھا رہتا ہے۔''

اس روایت میں کادح اور نہشل دو راوی ہیں، دونوں غیر ثقہ اور کذب سے مہتم ہیں۔ اور اس حدیث کی ایک تو یہی اصل ہے۔ دوسرے ابن جارود کی سند سے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ اسی حدیث کو امام جعفر بن محمد کا قول کہہ کر موقوفاً بھی روایت کیا گیا ہے اور یہی زیادہ درست ہے۔

محمد بن حمیر امام ممدوح سے ہی یہ قول روایت کرتا ہے:

((من صلی علی رسول اللہ ﷺ فی کتاب صلت علیہ الملائکۃ غدوۃ ورواحا

مادام اسم رسول اللہ ﷺ فی ذلك الکتاب))

''جو شخص کسی کتاب میں رسول اللہ ﷺ پر درود لکھتا ہے جب تک اس کتاب میں نبی کریم ﷺ کا نام مبارک لکھا رہتا ہے فرشتے اس شخص پر صبح وشام دعا رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔''

احمد بن عطاء ابو صالح عبداللہ بن صالح کا قول بیان کرتے تھے کہ اصحاب حدیث میں سے ایک کو خواب میں دیکھا گیا۔ پوچھا گیا:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔؟''

کہا: مجھے بخش دیا۔

پوچھا گیا: کس عمل کے بدلے۔؟

کہا: اس درود شریف کی وجہ سے جو میں نبی کریم ﷺ پر کتابوں میں لکھا کرتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صلوۃ وسلام کے متعلق ایک حدیث وہ ہے جسے طبرانی نے معجم میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من نسی الصلوٰۃ علی خطا طریق الجنة))

''جو درود شریف پڑھنا بھول گیا وہ بہشت کی راہ بھول گیا۔''

اس کو ابن ماجہ نے سنن میں جبارہ بن مغلس سے روایت کیا ہے۔ یہ جبارہ وہ ہے کہ جب کوئی شخص اس کے سامنے کوئی وضعی حدیث بیان کر دیتا تو خود اسے روایت کر دیتا اور معلوم نہ کر سکتا۔ مگر اس حدیث کے ہم معنی احادیث حضرت ابوہریرہ، حضرت حسین بن علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ حضرت حسین بن علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی احادیث پہلے لکھی جا چکی ہیں۔

محمد بن حنیفہ کی روایت:

حضرت محمد بن حنیفہ کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث کو ابن ابی عاصم نے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((من ذکرت عندہ فنسی الصلوٰۃ علی خطا طریق الجنة))

''جس کے پاس میرا نام ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا تو وہ جنت کے راستے سے بھٹک گیا۔''

اسی طرح کا مفہوم حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے جسے عبدالخالق بن حسن سقطی نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

((من نسی الصلوٰۃ علی خطا طریق الجنة))

''جس کے پاس میرا نام ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا وہ جنت کے راستے سے بھٹک گیا۔''

اسی کی مثل حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: حضرت ابوذر غفاری کا نام جندب بن جنادہ ہے مگر کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہوئے۔ بہت ہی بلند پایہ صحابی ہیں۔ زہد وتقویٰ اور قناعت وعبادت کے اعتبار سے تمام صحابہ میں ایک خصوصی مقام رکھتے ہیں۔ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ سے پہلے کل چار افراد مسلمان ہوئے تھے۔ مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا اور پھر اپنے وطن قبیلہ بنی غفار چلے گئے۔ پھر خندق کے بعد ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ دنوں کے لیے ملک شام چلے گئے پھر وہاں سے لوٹ کر مدینہ آئے اور یہاں سے چند میل دور مقام زبدہ میں سکونت اختیار کی۔

ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھنا خوش کرے وہ ابوذر کو دیکھ لے۔''

بہت سے صحابہ اور تابعین علم حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بمقام زبدہ 32 ہجری میں وفات پائی۔

حضرت ابو ذر غفاری کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث: حضرت ابوذر غفاری کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث کو اسمٰعیل بن اسحاق نے کتاب الصلوٰۃ میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((ان ابخل الناس من ذکرت عندہ فلم یصل علی))

''سب سے بڑھ کر بخیل وہ ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

ابن ابی عاصم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الا اخبر کم بابخل الناس قالوا بلی یارسول اللہ قال من ذکرت عندہ فلم یصل علی فذلک ابخل الناس))

''کیا میں تمہیں سب سے زیادہ بخیل کی خبر نہ دوں۔؟ لوگوں نے عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے وہ سب سے زیادہ بخیل ہے۔''

اس حدیث میں صحابی، صحابی سے روایت کرتا ہے اور اس کی اصل حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی احادیث ہیں جو بیان ہو چکی ہیں۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث کو ابن منیع نے مسند میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ایما قوم جلسوا فی مجلس ثم تفرقوا قبل ان یذکروا اللہ ویصلوا علی النبی صلی اللہ علیہ ولسم کان ذلک المجلس علیھم ترۃ یوم القیامۃ))

''جو قوم کسی مجلس میں ذکر الٰہی اور نبی پر درود نہیں پڑھتی تو قیامت کے دن وہ مجلس اہل مجلس کے لیے خسارہ ہوگی۔''

اس کی اصل حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کے نام میں اختلاف ہے۔ علمائے تاریخ وحدیث نے درج ذیل نام بتائے ہیں:

منذر بن سعد بن منذر۔

عبدالرحمٰن بن سعد بن منذر۔

عبدالرحمٰن بن عمرو بن سعد بن مالک۔

عبدالرحمٰن بن عمرو بن سعد بن مالک بن خالد بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج بن ساعدہ۔

یہ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخر عہد حکومت میں ان کا انتقال ہوا۔ صحابہ میں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے عروہ بن زبیر، عباس بن سہل بن سعد، محمد بن عمرو بن عطار، خارجہ بن سعد، ابن ثابت اور اہل مدینہ کے تابعین کی ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔

صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث: صلوۃ وسلام کے متعلق حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بخاری اور مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔؟''

فرمایا: کہا کرو:

((اللهم صل علىٰ محمد وازواجه وذريته، كما صليت على اٰل ابراهيم، وبارك على محمد وازواجه وذريته كما باركت على اٰل ابراهيم، انك حميد مجيد))

''یا اللہ! حضرت محمد اور ان کی ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہ) اور ان کی اولاد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمت نازل فرمائی اور برکت فرما حضرت محمد ﷺ اور ان کی ازواج مطہرات اور اولاد پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام کی آل پر یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

حضرت ابواسید وابوحمید کی حدیث:

حضرت ابواسید وابوحمید کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب مسجد میں آؤ تو کہو:

((اللهم افتح لى ابواب رحمتك))

اور جب مسجد سے نکلو تو کہو:

((اللھم انی اسئلك من فضلك))

اوران دونوں دعاؤں کی ابتداء میں درود شریف مروی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے اوراپنی کنیت سے ہی مشہور ہیں۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''سب سے پہلے جنگ خندق میں شامل ہوئے۔انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہوکر بارہ غزوات میں حصہ لیا۔''

حضرت ابوسعید خدری ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی کثیر تعداد میں سنتوں کو حفظ کیا تھا۔ان سے صحابہ اورتابعین کی ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث میں ہے کہ ہم نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ پرسلام کرنے کوتو ہم جان گئے،مگر آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔؟''

فرمایا: کہا کرو:

((اللھم صل علیٰ محمد عبدك ورسولك كما صليت على ابراهيم' وبارك على محمد وال محمد' كما باركت علىٰ ال ابراهيم))

''یااللہ! اپنے رسول اور بندے حضرت محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما جس طرح تونے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی اور برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اوران کی آل پر جس طرح تونے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام کی آل پر۔''

اس کو صحیح میں امام بخاری نے اورنسائی وابن ماجہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: حضرت طلحہ بن عبیداللہ کا نام نامی بھی عشرہ مبشرہ کی فہرست میں ہے۔مکہ مکرمہ کے اندر خاندان قریش میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ماں باپ نے طلحہ نام رکھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فیاض وجواد اور خیر کے القابات عطا فرمائے۔

یہ جماعت صحابہ میں سے سابقین الاولین کے زمرہ میں ہیں۔ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ یہ بسلسلہ تجارت بصرہ گئے تو وہاں کے ایک عیسائی پادری نے ان سے دریافت کیا:

''کیا مکہ میں احمد نبی پیدا ہو چکے ہیں۔؟''

انہوں نے حیران ہوکر پوچھا:

''کون احمد نبی۔؟''

پادری نے کہا:

''احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ، وہ نبی آخرالزمان ہیں اوران کی نبوت کے ظہور کا یہی زمانہ ہے ۔ان کی پہچان کا نشان یہ ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے اور کھجوروں والے شہر (مدینہ منورہ) کی طرف ہجرت کریں گے۔''

کیونکہ اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان نہیں فرمایا تھا اس لیے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پادری کو اس بارے میں کوئی جواب نہ دے سکے ،لیکن بصرہ سے مکہ مکرمہ آنے کے بعد جب ان کو پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمادیا ہے تو یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے۔

کفار مکہ نے ان کو بد حد ستایا اور رسیاں باندھ باندھ کر ان کو سزا دیتے رہے، مگر یہ پہاڑ کی طرح دین اسلام پر ثابت قدم رہے۔ پھر ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور جنگ بدر کے سوا تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

جنگ بدر میں ان کی غیر حاضری کا یہ سبب ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان کے قافلہ کی تلاش میں بھیج دیا تھا۔ حضرت ابوسفیان کا قافلہ ساحل سمندر کے راستوں سے ہوتا ہوا مکہ مکرمہ چلا گیا اور یہ دونوں حضرات جب لوٹ کر میدان بدر میں پہنچے تو جنگ ختم ہو چکی تھی۔

جنگ احد میں انہوں نے بڑی ہی بہادری اور جانبازی کا مظاہرہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے حملوں سے بچانے میں خوب طاقت کے جوہر دکھائے۔ چونکہ یہ تلوار اور نیزوں کی بوچھاڑ کو اپنے پر روکتے رہے اس لیے آپ کی انگلی کٹ گئی، ہاتھ بالکل شل ہو گیا اور ان کی بدن پر تیر و تلوار اور نیزوں کے 75 زخم لگے۔

ان کے فضائل ومناقب میں احادیث بھی موجود ہیں۔ جنگ احد کے دن جب جنگ رک جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم چٹان پر چڑھنے لگے تو لوہے کی زرہ کے بوجھ کی وجہ سے چٹان پر چڑھنا دشوار ہو گیا اس وقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بدن کے اوپر سے گزر کر چٹان پر چڑھے اور خوش ہو کر فرمایا:

''اوجب طلحة''

''طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی۔'' (مشکوۃ المصابیح، عربی صفحہ نمبر 566)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''زمین پر چلتا پھرتا شہید طلحہ ہے۔'' (کنزالعمال، جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 275)

20 جمادی الاخریٰ 36 ہجری کو جنگ جمل کے دوران آپ کو ایک تیر لگا اور آپ 64 برس کی عمر میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث کو مسند احمد میں روایت کیا گیا ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ حضور پر درود کس طرح بھیجا کریں۔ فرمایا: کہا کرو:

((اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد، کما صلیت علی ابراھیم انك حمید مجید، وبارك علی محمد وعلی ال محمد کمابارکت علی ال ابراھیم انك حمید مجید))

''یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ اور برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام کی آل پر۔ یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

امام نسائی نے یوں کہا ہے کہ ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا: کہو:

((اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد' وبارك على محمد وعلى ال محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد))

''یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے اور حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

امام نسائی نے اسحاق بن ابراہیم کے طریق سے یوں روایت کی ہے:

((اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم وعلىٰ آل ابراهيم انك حميد مجيد' وبارك على محمد وعلى ال محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد))

''یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ اور برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام کی آل پر۔ یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

عثمان بن عبداللہ بن موہب جو نسائی کی دونوں روایتوں اور امام احمد کی روایت کا راوی ہے، اس حدیث کو موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتا ہے اور شیخین نے بھی موسیٰ بن طلحہ سے اس کی روایت کی حجت پکڑی ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث:

حالات: آپ رضی اللہ عنہا کا نام عائشہ تھا۔ لقب صدیقہ اور ام المومنین تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت صدیق اور حمیرا لقب سے بھی خطاب فرمایا۔

عرب میں کنیت رکھنا شرافت کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے ہر مرد و عورت اپنی کنیت ضرور رکھتا تھا۔ چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے نام پر اپنی کنیت ام عبداللہ رکھی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''جب عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو میں انہیں اپنی گود میں اٹھا کر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب وہ پہلی چیز تھی جو عبداللہ بن زبیر کے پیٹ میں گئی۔ اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا!

''یہ عبداللہ ہے اور تو ام عبداللہ!

ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری تمام سہیلیوں کی کنیتیں ہیں۔ آپ میری بھی کوئی کنیت مقرر فرمائیں۔

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''تم بھی اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیت ام عبداللہ رکھ لی۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 107) (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4970) (مسند ابو یعلی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 294) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 63) (طبرانی، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 18) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 278) (صفتہ الصفوۃ، لابن جوزی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 15) (السنن البیہقی، حدیث نمبر 218) (الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 18) (البدایہ والنھایہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 95) (القول البدیع، صفحہ نمبر 118) (المدارج النبوۃ، اردو صفحہ نمبر 803)

آپ رضی اللہ عنہا کے والد کی طرف سے سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے:

عائشہ بنت عبداللہ بن ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک۔

بعض حضرات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام عتیق بھی لکھا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ اور لقب صدیق وعتیق تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ کا نام ام رومان رضی اللہ عنہا تھا۔ ان کی طرف سے آپ کا نسب نامہ یوں ہے!

عائشہ بنت ام روامان بنت عامر بن عویمر بن عبدالشمس بن عتاب بن ازینہ بن سبیع بن دھمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

اس طرح سے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے ساتویں اور آٹھویں پشت میں اور والدہ کی طرف گیارھویں اور بارھویں پشت میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا والدہ کی طرف سے قریشیہ اور والدہ کی طرف سے کنانیہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی امْرَاَۃٍ مِّنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ فَیَنْظُرْ اِلٰی اُمِّ رُوْمَانَ''

''جس کسی کی یہ خواہش ہو کہ وہ حورِ عین میں سے کسی حور کو دیکھے تو وہ ام رومان کو دیکھ لے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد محترم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے تو تمام امت مسلمہ واقف ہے کہ انہوں نے اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے میں بھی دریغ نہیں کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً اڑھائی سال بعد ہوئی اور اسی طرح وفات بھی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اڑھائی سال بعد ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عبداللہ ازدی سے ہوا تھا۔اس کے انتقال کے بعد یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔ان سے ان کے ہاں دو اولادیں ہوئیں ایک لڑکا جن کا نام عبدالرحمٰن اور ایک لڑکی جن کا نام ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وسن ولادت پر تاریخ وسیر کی کتابیں خاموش ہیں۔البتہ یہ باتیں متفقہ طور پر ثابت ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ ہجرتِ مدینہ سے تین برس قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں،اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً 16 سال کی تھی،شوال یکم ہجری میں 19 سال کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمایا یعنی ربیع الاول 11 ہجری کو آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 28 سال کی تھی۔اس حساب سے آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت کی صحیح تاریخ اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی بمطابق جولائی 604 عیسوی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا۔وائل کی کنیت ابوالنقیع یا ابوالقیس تھی۔وائل کے بھائی افلح یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضائی چچا اور رضائی بھائی بھی کبھی کبھی آپ رضی اللہ عنہا سے ملنے آیا کرتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وہ برگزیدہ ہستی ہیں جن کے کانوں میں کفروشرک کی آواز تک نہیں پہنچی یعنی جب انہیں سمجھ بوجھ ہوئی تو اس وقت ان کے والدین اسلام سے اپنی جھولیاں بھر چکے تھے۔آپ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا جیسے محبوبِ خدا اور ام رومان رضی اللہ عنہا جیسی ماں کی آغوش میں پروان چڑھیں۔ایامِ طفولیت میں ہی آپ رضی اللہ عنہا عام بچوں سے ممتاز تھیں۔ذہانت وفطانت،فہم وشعور،میں آپ رضی اللہ عنہا بے مثال تھیں۔یہ کیوں نہ ہوتا کیونکہ غیر معمولی افراد اپنے بچپن سے ہی اپنی حرکات وسکنات اور نشوونما میں ممتاز ہوتے ہیں اور ان کے ایک ایک خدوخال،قیل وقال میں کشش ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غضب کی ذہین تھیں۔آپ رضی اللہ عنہا کو بچپن کے ایام کی تمام باتیں یاد تھیں۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی بھی صحابی یا صحابیہ کی یادداشت اتنی زبردست نہ تھی جتنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تھی۔آپ رضی اللہ عنہا کی ذہانت وعقلمندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اپنی گڑیوں کے ساتھ کھیل تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔گڑیوں میں ایک گھوڑا تھا جس کے دائیں بائیں دو پر لگے ہوئے تھے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا!

''اے عائشہ!یہ کیا ہے؟''

آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا!

''گھوڑا ہے!''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''گھوڑوں کے پر تو نہیں ہوتے۔''

آپ رضی اللہ عنہا نے برجستہ کہا!

''کیوں؟ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے تو پر تھے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا یہ بے ساختہ جواب سن کر بہت زیادہ مسکرائے۔

(صحیح بخاری، باب الادب، حدیث نمبر 8613)(الفتح الباری شرح الصحیح البخاری، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 562)(الصحیح المسلم، باب فضائل صحابہ، حدیث نمبر 2440)(سنن ابی داؤد، باب العلب بالبنات، حدیث نمبر 4932-4931)(السنن النسائی، باب فی عشرۃ النساء)(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 62)

امام بخاری فرماتے ہیں!

جب یہ آیت ''بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ'' نازل ہوئی تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھیل رہی تھیں۔

جیسا کہ ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں رقم کیا گیا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کی تحریک پر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے پیغام نکاح بھیجا۔

سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر گئی اور ان کی اہلیہ محترمہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے کہا!

''اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے کس قدر بھلائی اور بہتری کا سامان بہم پہنچایا ہے۔''

ام رومان رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا!

''وہ کیا ہے؟''

میں نے کہا!

''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی صاحبزادی عائشہ کا رشتہ اپنے لیے مانگا ہے۔''

اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر میں موجود نہیں تھے۔ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا!

''خولہ! تھوڑی دیر انتظار کرو ابوبکر ابھی آتے ہی ہوں گے۔''

چنانچہ تھوڑی دیر بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے۔ میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی وہی کچھ کہا جو ام رومان رضی اللہ عنہا سے کہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منہ بولا بھائی بنایا ہوا تھا اور عرب میں یہ دستور تھا کہ جس طرح حقیقی بھائی کی اولاد کے ساتھ شادی نہیں ہو سکتی ویسے ہی منہ بولے بھائی کی اولاد کے ساتھ بھی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میری بات سن کر بہت تعجب ہوا اور انہوں نے نہایت حیرانی کے ساتھ کہا!

''کیا عائشہ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو سکتا ہے؟ ارے! وہ تو ان کی بھتیجی ہے؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ بات سن کر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جواب کے بارے میں عرض کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''ابوبکر سے کہو کہ حقیقی بھائی کی بیٹی حرام ہے دینی بھائی کی بیٹی حرام نہیں ۔ لہٰذا عائشہ سے میرا نکاح ہو سکتا ہے ۔''

میں پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے مطلع کیا یہ جواب سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا!

''خولہ! ٹھہرو! میں ابھی آتا ہوں اور باہر تشریف لے گئے۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدھے معطم بن عدی کے گھر گئے، معطم بن عدی مکہ کا رئیس تھا اور ذاتی طور پر شریف آدمی تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر تھا شریف النفس۔ اس کے بیٹے خیبر بن معطم سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ بعض روایات کے مطابق منگی یا نکاح بھی ہو چکا تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی ہستی سے وعدہ خلافی کی توقع کرنا عبس ہے۔ چنانچہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معطم کے گھر پہنچے تو دونوں میاں بیوی گھر پر موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معطم سے کہا!

''مجھے اس رشتے کے بارے میں اپنی آخری بات بتادو۔''

معطم تو آپ کی بات سن کر خاموش رہا مگر اس کی بیوی نے کہا!

''ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ اگر یہ لڑکی ہمارے گھر میں آجائے گی تو ہمارا لڑکا بے دین ہو جائے گا اس لیے ہم اس رشتے کی تکمیل سے ڈر رہے ہیں۔''

معطم کی بیوی کا جواب سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معطم کو مخاطب کر کے پوچھا!

''تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟''

معطم نے کہا!

''جو میری بیوی کہہ رہی ہے وہ تم سن ہی رہے ہو؟''

گویا اس نے اپنی بیوی کی بات کی تصدیق کی اور رشتے کی تکمیل سے انکار کیا۔ دونوں میاں بیوی کا جواب سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے گھر سے چلے گئے۔ آکر حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے کہا!

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو میں اس رشتے پر راضی ہوں!''

چنانچہ اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔

(الفتح الباری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 266) (الصحیح البخاری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 728) (السنن الکبریٰ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 129) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 211) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 23)

احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا!

''اس میں کیا ہے؟''

فرشتے نے عرض کیا!

''آپ کی بیوی ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول کر دیکھا تو عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر تھی۔

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 3895) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 2438) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 3875) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 128) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 9، مسند ابویعلی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 407) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 26) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 227)

اس خواب کے بعد حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے پیغام نکاح بھیجا جو کہ قبول کرلیا گیا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوگیا۔ خطبہ نکاح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھا اور پانچ سو درہم حق مہر مقرر رہا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ ان کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا جو کہ پانچ سو درہم کے قریب ہے۔ اکثر ازواج مطہرات کا مہر اتنا ہی تھا۔ اس حساب سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے ایک ماہ بعد ہجرت سے تین سال قبل شوال کے مہینے میں ہوا جو بمطابق مئی 620 عیسوی بنتا ہے۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کرنے کا ایک تو مقصد نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کو مضبوط کرنا تھا تو دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قربانیوں کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو اس عظیم اعزاز سے سرفراز کرنا بھی تھا۔ چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا غضب کی ذہین اور ممتاز ترین ہستیوں میں سے تھیں، اس لیے نگاہ نبوت نے یہ دیکھ لیا کہ میری امت کے پچاس فیصد حصے کی تربیت اور اس تک میرے اقوال و افعال پہنچانے کے لئے یہ موزوں ترین ہستی ہیں اور ہوا بھی ایسا ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہ صرف خواتین کی تربیت کی بلکہ امت کے ممتاز ترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی ان سے کسبِ فیض حاصل کرتے ہوئے نظر آئے۔ جتنی زیادہ تشریح اور تعریف ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی کی کسی اور نے نہ کی۔ آپ رضی اللہ عنہا ایسی ذہین تھیں کہ اپنے بچپن کے واقعات اور ہجرت مدینہ کی تمام روداد آپ کو جز بہ جز یاد تھی۔

یہاں پر یہ بات بھی واضح کردینا ضروری ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال نہیں بلکہ سولہ سال تھی اور رخصتی کے وقت عمر نو سال نہیں بلکہ انیس سال تھی۔ جس حدیث میں نکاح کے وقت چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال عمر بیان کی گئی ہے وہاں پر راوی عشرہ کا لفظ بیان کرنا بھول گیا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً دس سال بڑی تھیں اور ہجرت کے وقت ان کی عمر تقریباً 28 سال تھی اور وفات جو کہ تہتر ہجری میں ہوئی اس وقت ان کی عمر سو سال تھی۔ اس حساب سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح کے وقت سولہ سترہ سال کی اور رخصتی کے وقت انیس بیس سال کی تھی۔

(الاصابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 225) (البدایہ و النہایہ، تذکرہ عبد اللہ بن زبیر) السیرۃ النبویۃ، لابن ہشام، جلد

نمبر 1، صفحہ نمبر 354)(المواہب الدنیہ، لا امام قسطلانی، صفحہ نمبر 46)(اکمال فی اسماء الرجال، صفحہ نمبر 558)(سیرۃ اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 152)

ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا اور ہجرت کے ایک سال بعد اسی ماہ شوال میں ہی رخصتی ہوئی۔ ماہ شوال میں نکاح اور رخصتی کی حکمت یہ تھی کہ اہل عرب شوال کے مہینے کو منحوس خیال کرتے تھے اور اس میں کسی قسم کی خوشی وغیرہ نہ کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ شوال کے مہینے میں عرب میں طاعون کی وبا پھیلی تھی جس سے ہزاروں لوگ ہلاک ہو گئے تھے جس کی وجہ سے اہل عرب اس مہینے کو منحوس سمجھنے لگ گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مہینے میں نکاح کرنے اور اسی مہینے میں رخصتی کرنے سے مقصود اس مہینے کی نحوست کا وہم لوگوں سے ختم کرنا تھا جو کہ اس واقع کے بعد آہستہ آہستہ ختم ہو گیا اور اہل عرب شوال میں بھی خوشی کرنے لگے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے تین سال بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے۔ جوں جوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا کفار کے مظالم بھی بڑھتے جاتے۔ بالآخر جب کفار کے مظالم حد سے تجاوز کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان ایک ایک دو دو کر کے چھپتے چھپاتے مدینہ طیبہ جانے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت چاہی تو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا!

''آپ انتظار کریں، ہم ایک رات چلیں گے۔''

اسی دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے درواز پر پہنچے ابھی دستک دینا ہی چاہتے ہیں کہ اندر سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز آئی۔!

''لبیک یا رسول اللہ ﷺ''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''صدیق! ابھی میں نے دستک دی نہیں تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ میں آیا ہوں؟''

تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو اسی دن سے انتظار میں تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''ہم ایک رات چلیں گے'' اور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس رات سے سویا ہی نہیں کیونکہ مجھ پتا نہیں تھا کہ کس رات آپ تشریف لائیں گے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال کو اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل وعیال کو مکہ میں ہی چھوڑا اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ جس دن یثرب کو مدینہ بننے کا شرف حاصل ہوا اس دن بارہ ربیع الاول کی تاریخ اور اعلان نبوت کا چودھواں سال تھا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں کچھ دن گزار چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور اپنے غلام ابورافع کو اپنے اہل و

عیال لانے کے لیے مکہ بھیجا۔ ان کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی عبداللہ بن اریقط کو اپنے اہل وعیال لانے کے لیے بھیجا اور ان حضرات کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم بھی زادِ راہ کے طور پر دیئے۔ اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ، سیدہ فاطمۃ الزہرا، سیدہ ام کلثوم اور ام ایمن رضی اللہ عنہن تھیں اور عبداللہ بن اریقط کے ساتھ ام رومان، عبداللہ بن ابوبکر، سیدہ عائشہ اور اسماء بنت ابوبکر رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے ساتھ حجرے تعمیر کروا رہے تھے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال ان حجروں میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال بنو حارث بن خزرج کے محلے میں اپنے عزیز واقارب کے پاس اترے۔ جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو اکثر کو مدینہ منورہ کی آب وہوا موافق نہ آئی جس کی وجہ سے اکثر مہاجرین بیمار پڑ گئے، ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی تیمار داری میں لگ گئیں اور جب یہ صحت یاب ہوئے تو سیدہ رضی اللہ عنہا خود بیمار ہو گئیں۔ ان کو اتنا شدید بخار ہوا کہ ان کے سر کے بہت زیادہ بال گر گئے، آپ رضی اللہ عنہ ایک ماہ تک بیمار رہیں اور جب صحت یاب ہوئیں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی اہلیہ عائشہ کو اپنے گھر لے آئیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''میرے پاس حق مہر کی رقم نہیں ہے۔''

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو درہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیئے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیئے، جب حق مہر کی رقم ادا کر دی گئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند انصاری عورتوں کو دلہن لینے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر بھیجا۔ جب یہ خواتین وہاں پہنچی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی سہلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کو کپڑے پہنا کر اس کمرے میں بٹھا دیا جہاں انصاری خواتین دلہن کے انتظار میں بیٹھیں تھیں۔ انہوں نے دلہن کا استقبال ان الفاظ میں کیا!

''عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَعَلٰى خَيْرِ طَائِرٍ''

''یہ شادی خیر وبرکت اور اچھا شگون ثابت ہو۔''

پھر ان خواتین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بناؤ سنگھار کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور ایک تخت پر تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کیلئے سوائے ایک دودھ کے پیالے کے کچھ نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''میں اس رخصتی کی محفل میں موجود تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالے سے تھوڑا سا دودھ پی کر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھایا وہ شرمانے لگیں تو میں نے کہا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ واپس نہ کرو۔ اس پر انہوں نے شرماتے ہوئے تھوڑا سا دودھ پی لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''اپنی سہیلیوں کو بھی دو۔''

ہم نے عرض کیا!

''ہمیں اس وقت اس کی طلب نہیں ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''جھوٹ مت بولو۔! آدمی کا ایک ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے۔''

سادگی کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رخصت ہوئیں کہ نہ کوئی رسم ادا کی گئی اور نہ ہی کوئی ضیافت تیار کی گئی۔

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 3894) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 1422) (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 7055) (مسند احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 210) (السنن الکبریٰ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 129) (الفتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 266) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 61) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 225) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 3، مسند اسماء بنت یزید، صفحہ نمبر 458) (المعجم الصغیر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 23) (مسند حمیدی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 438) (اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 173)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری بیوی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا وہ واحد خاتون ہیں جو کنوری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا علم اور فضل واجتہاد میں بے مثل و بے مثال تھیں۔ آپ ریاضت و مجاہدہ، تقویٰ وطہارت اور عبادت و ریاضت میں بلند ترین مقام پر فائز تھیں۔ آپ پیدائشی مسلمان تھیں کیونکہ آپ کے والدین ابتدائی زمانہ میں ہی دولت ایمان سے اپنی جھولیوں کو بھر چکے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں!

''جب میں نے اپنے والدین کو پہچانا (یعنی سمجھ بوجھ حاصل ہوئی) تو انہیں مسلمان پایا۔

مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے حجرے بنائے اور ان میں اپنے اہل وعیال کو رکھا۔ جب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ رضی اللہ عنہا کو وہ حجرہ ملا جو مسجد نبوی کی مشرقی جانب تھا اور ایک دروازہ مسجد کے اندر مغرب کے رخ اس طرح واقع تھا گویا مسجد نبوی اس کا صحن بن گئی تھی۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی دروازے سے ہو کر مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ اس حجرے کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی اور چھت کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں کی تھی اور اس کے اوپر ایک کمبل ڈال دیا گیا تھا تا کہ بارش وغیرہ سے بچاؤ ہو سکے۔ بلندی اتنی کہ اگر آدمی کھڑا ہو تو چھت کو لگ جائے۔ دروازے میں ایک پٹ کا کواڑ تھا لیکن وہ ہمیشہ کھلا ہی رہتا تھا اور پردے کیلئے اس کے آگے ایک کمبل پڑا رہتا تھا۔ گھر کا کل سامان ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ جس میں چھال بھری ہوئی تھی، آٹا اور کھجور رکھنے کیلئے ایک ایک برتن، پانی کا ایک برتن اور پانی پینے کیلئے ایک پیالہ تھا۔ اس حجرے کے ساتھ ایک بالا خانہ بھی تھا جس کو مشربہ کہتے تھے۔ حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام اسی بالا خانے میں گزارے تھے، یہی وفات پائی اور یہی مدفون ہوئے۔ آج جو گنبد خضریٰ ہے یہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارکہ تھا۔

اس حجرے میں صرف دو افراد رہتے تھے ایک مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ تھوڑے دنوں بعد بریرہ نامی ایک لونڈی کا بھی اضافہ ہوگیا۔ جب تک ام المومنین سیدہ سودہ اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دو بیویاں تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس اور ایک دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے۔ جیسے جیسے ازواج مطہرات عقد میں آتیں گئیں ویسے ویسے ہر کسی کیلئے دن مخصوص ہوتے رہے۔ جب ازواج مطہرات کی تعداد نو ہوگئی تو آٹھ دن کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری آتی جو ان پر بہت شاق تھی۔ چنانچہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے کبیر سنی کی وجہ سے اپنا دن بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا، اس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد تمام ازواج مطہرات کیلئے سالانہ مصارف کیلئے وظائف مقرر کر دیئے تھے جو اسی وسق چھواروں اور بیس وسق جو پر مشتمل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانگی انتظام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا ہوا تھا۔ وہی سال بھر کر غلہ تقسیم کیا کرتے تھے اور اگر ضرورت پڑتی تو باہر سے قرض لا کر ان مصارف کو پورا کرتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

"گھر میں کئی کئی دن تک آگ نہیں جلتی تھی۔ مہینہ مہینہ چھواروں اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔ کبھی بھی تین دن متصل ایسے نہیں گزرے کہ خاندان نبوت نے سیر ہو کر کھانا کھایا ہو۔"

چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری ازواج کے اعتبار سے کم عمر تھیں اس لیے وہ دوسری ازواج کی طرح اچھا کھانا نہیں پکاتی تھیں۔ آٹا گوندھ کر رکھتی اور خود سو جاتیں کہ بکری آتی اور سارا آٹا کھا جاتی۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت فرماتے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت فرماتی تھیں۔ اس کا اندازہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نو سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں مگر سوائے واقعہ ایلاء کے کوئی اور کشیدگی کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی پتہ تھا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اس لیے وہ قصداً ہدیے اور تحفے اس دن بھیجتے جس دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام پذیر ہوتے۔ دیگر ازواج مطہرات کو اس کا ملال ہوتا۔ ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پیغام دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تمام بات بتائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"اے لخت جگر! جس کو میں چاہوں گا کیا تم اس کو نہ چاہو گی؟"

یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس تشریف لے آئیں۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن نے پھر بھیجنا چاہا مگر آپ رضی اللہ عنہا راضی نہ ہوئیں تو انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو درمیان میں ڈالا۔ انہوں نے موقع دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"مجھے عائشہ کے معاملے میں تنگ نہ کرو۔ کیونکہ عائشہ کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل

نہیں ہوئی۔''

حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ جب غزوۂ سلاسل سے واپس آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دنیا میں سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''عائشہ کو!''

عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مردوں کی نسبت سوال ہے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ کے والد (صدیق اکبر) کو۔''

(الصحیح البخاری، مناقب ابوبکر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کرتے تھے!

''الٰہی! جو چیز میرے امکان میں ہے (یعنی ازواج میں معاشرت اور لین دین کی برابری) میں اس میں عدل سے باز نہیں آتا لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے (یعنی عائشہ کی قدر و قیمت) اس کو معاف فرما۔''

گھر میں اگرچہ بریرہ خادمہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں مگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام کام خود کیا کرتیں تھیں۔ آٹا خود پیستی تھیں، خود گوندھتی تھیں اور کھانا بھی خود ہی پکاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بستر خود اپنے ہاتھ سے بچھاتی تھیں، وضو کا پانی خود لا کر رکھتی تھیں، قربانی کے اونٹوں کا قلادہ خود بٹتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں تیل لگاتی اور کنگھا کرتی تھیں۔ کپڑے خود دھوتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں کو خوشبو لگاتی تھیں، سونے سے قبل مسواک اور پانی سرہانے رکھتی تھیں اور دیگر امور جن کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا خود ہی انجام دیتیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فطری طور پر نہایت بہادر، نڈر اور دلیر تھیں۔ رات کے وقت اکثر قبرستان چلی جاتی تھیں۔ غزوۂ خندق میں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور قلعہ سے باہر نکل کر نقشۂ جنگ دیکھا کرتی تھیں۔ ان کی بہادری کی ایک مثال پیش خدمت ہے کہ جب غزوۂ احد پیش آیا تو مسلمانوں کی اتفاقی غلطی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور جیتی ہوئی جنگ ہاتھ سے نکل گئی۔ اور یہ خبر مشہور ہوگئی کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ تو ام المومنین سیدہ عائشہ، سیدہ صفیہ اور سیدہ فاطمہ اور چند دیگر خواتین رضی اللہ عنہن دیوانہ وار میدان جنگ کی طرف دوڑیں۔ جب میدان جنگ میں پہنچیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح مگر زخمی دیکھا۔ دیگر مسلمان ادھر ادھر منتشر تھے۔ ان خواتین نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو دھویا اور مشکیزے اپنے کندے پر ڈالے اور زخمیوں کو پانی پلانا شروع کیا۔ جب مسلمانوں نے اپنی ان معزز خواتین کو میدان کارزار میں دیکھا تو وہ بھی حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ جب مسلمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے تو یہ

خواتین واپس تشریف لے آئیں۔ یادر ہے اس وقت ابھی پردہ کے احکامات نازل نہیں ہوئے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیاتِ مبارکہ کے چار واقعات ایسے ہیں جو بہت مشہور ہیں۔ (1) واقعہ افک (2) واقعہ تحریم (3) واقعہ تخیر (4) واقعہ ایلاء۔ اب ان واقعات کی تفصیل رقم کی جاتی ہے۔

شعبان 5 ہجری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس نے سیدہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں اضطراب پیدا کر دیا۔ اس واقعہ کو ''واقعہ افک'' کہتے ہیں اور اس کی تفصیل بخاری اور دوسری کتابوں میں یوں ہے!

شعبان 5 ہجری میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بنی المصطلق کے لئے رخت سفر باندھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک اچھی خاصی تعداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی۔ منافقوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس غزوہ میں کوئی خونریز جنگ نہ ہو گی لہٰذا ان کی اچھی خاصی تعداد اسلامی فوج میں شامل ہو گئی۔ اس سے قبل منافق اتنی تعداد میں اسلامی فوج میں کبھی شامل نہ ہوئے تھے۔ اس سفر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے چلتے وقت اپنی بڑی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا ایک ہار عاریتاً پہننے کیلئے لیا تھا۔ وہ آپ رضی اللہ عنہا کے گلے میں تھا۔ ہار کی لڑیاں اتنی کمزور تھیں کہ ٹوٹ جاتی تھیں۔ اس زمانہ میں پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ لہٰذا سیدہ رضی اللہ عنہا اپنے محمل میں سوار ہوتیں، جب اتاری جاتیں تو محمل سمیت ہی اتاری جاتیں اور محمل پر پردے لٹکے رہتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ میں نہایت کمزور اور دبلی پتلی تھیں۔ چنانچہ محمل اٹھانے میں ساربانوں کو کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں سوار بھی ہیں یا نہیں کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا وزن اس زمانہ میں بہت کم تھا۔

غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی پر مدینہ کے قریب ایک مقام پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ رات کے پچھلے پہر پھر قافلہ کو روانگی کا حکم دے دیا لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم نہ تھا۔ قافلہ کے کوچ سے کچھ دیر قبل سیدہ رضی اللہ عنہا محمل سے نکل کر قضائے حاجت کے لئے قافلہ سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں۔ فارغ ہو کر جب لوٹیں تو اتفاق سے گلے پر ہاتھ پڑ گیا۔ دیکھا تو ہار نہ تھا۔ بہت گھبرائیں اور واپس وہیں جا کر ہار ڈھونڈنے لگیں۔ بعض روایات ہے کہ ہار وہیں ٹوٹ گیا تھا اور اس کے دانوں کو اکٹھا کرنے میں دیر ہو گئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو خیال تھا کہ میں جلدی واپس لوٹ آؤں گی، اس وجہ سے نہ کسی کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور نہ آدمیوں کو اپنے انتظار کا حکم دے کر گئیں۔ قافلہ چونکہ کوچ کیلئے تیار تھا اس وجہ سے ساربانوں نے یہ سمجھ کر کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا محمل میں تشریف فرما ہیں محمل کو اونٹ پر رکھ کر کوچ کر دیا۔ لوگوں کو محمل اونٹ پر رکھتے وقت اس کے ہلکے ہونے کا کچھ احساس نہ ہوا۔ لشکر روانہ ہونے کے بعد ہار ملا۔

جب ہار لیکر لشکر کے قیام کی جگہ پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو وہاں بالکل سناٹا تھا اور لشکر جا چکا تھا۔ بہت پریشان ہوئیں لیکن پھر خیال کر کے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ مقام پر پہنچ کر مجھے نہ پائیں گے تو اسی جگہ میری تلاش کیلئے آدمی روانہ فرمائیں گے، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہا اسی جگہ چادر اوڑھ کر پڑ رہیں اور نیند آ گئی۔

سیدنا صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو ساقہ یعنی چھوٹے سپاہیوں اور فوج کی گری ہوئی

چیزوں کے انتظام کیلئے لشکر کے پیچھے رہتے تھے۔ صبح کو جب وہ پڑاو پر آئے تو انہوں نے دیکھتے ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا کیونکہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھا۔ ان کی آواز سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں!

"بخدا! صفوان نے مجھ سے بات تک نہیں کی اور نہ ان کی زبان سے سوائے انا للہ کے میں نے کوئی کلمہ سنا۔"

سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے با آواز بلند اسی لیے انا للہ کہا تا کہ سیدہ بیدار ہو جائیں اور خطاب وکلام کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ لا کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب بٹھا دیا خود پیچھے ہٹ گئے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہو گئیں اور سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ مہار پکڑ کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور عین دوپہر کے وقت لشکر اسلامی سے جا پہنچے۔ یہ ایک نہایت معمولی واقعہ تھا اور اکثر سفر میں پیش آتا ہے لیکن منافقین نے اس واقعہ پر بڑے بڑے حواشی چڑھائے، واہی تباہی بکیں اور یہ مشہور کیا کہ نعوذ باللہ اب عائشہ رضی اللہ عنہا پاک دامن نہیں رہیں۔ گویا کہ ہندوؤں میں سیتا اور عیسائیوں میں سیدہ مریم رضی اللہ عنہا پر جو کچھ گزری اسلام میں اسی کا اعادہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر ہوا۔

مدینہ طیبہ پہنچ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں۔ ایک مہینہ بیماری میں گزارہ لیکن منافقین نے اس عرصہ میں اس خبر کو خوب ہوا دی۔ نیک دل مسلمانوں نے تو اس افواہ کو سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا!

"سُبۡحَانَکَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ"

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا!

"ام ایوب! اگر تم سے کوئی یہ کہتا تو کیا تم مان لیتیں؟"

ام ایوب رضی اللہ عنہا بولیں!

"استغفر اللہ! کیا کسی شریف کا یہ کام ہے؟"

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

"تو سیدہ عائشہ تم سے کہیں زیادہ شریف ہیں۔ کیا ان سے ایسا ہو سکتا ہے؟"

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقین کے علاوہ تین مسلمان بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اس سازش میں مبتلا ہو گئے۔ ان مسلمانوں کے نام یہ ہیں:

(1) حسان بن ثابت۔

(2) حمنہ بنت جحش۔

(3) مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہم۔

حالانکہ ان میں سے اول الذکر دو حضرات اس سفر میں شریک تک نہ تھے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف مدینہ میں جو طوفان اٹھایا گیا تھا سیدہ رضی اللہ عنہا کو اس کا مطلق علم نہ تھا کیونکہ وہ مدینہ پہنچتے ہی بیمار ہو گئی تھیں اور بیماری کی طوالت ایک ماہ تک رہی۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

تلطف اور مہربانی میں کمی آجانے کی وجہ سے جو سابقہ بیماریوں میں مبذول رہی، دل کو خلجان اور تردد تھا کہ کیا بات کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے ہیں اور مجھ سے نہیں بلکہ دوسروں سے میرا حال دریافت کر کے واپس تشریف لے جاتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے التفاتی سے میری تکلیف میں اور اضافہ ہوتا تھا لیکن اس بے التفاتی کی وجہ میری سمجھ میں نہ آتی تھی۔ ایک دن میں اور ام مسطح قضاء حاجت کیلئے جنگل کی طرف چلیں۔ عرب کا قدیم دستور یہی تھا کہ بدبو کی وجہ سے گھروں میں بیت الخلاء نہیں بناتے تھے۔ راستہ میں ام مسطح کو کسی چیز سے ٹھوکر لگی۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

''ایسے شخص کو کیوں برا بھلا کہتی ہو جو بدر میں حاضر ہوا؟''

ام مسطح نے کہا!

''اے بھولی بھالی! تم کو اس قصہ کی خبر نہیں؟''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

''کیا قصہ ہے؟''

ام مسطح رضی اللہ عنہا نے سارا قصہ بیان کیا۔ یہ سنتے ہی آپ رضی اللہ عنہا کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور مرض میں اور شدت ہو گئی۔ معجم طبرانی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب میں نے یہ واقعہ سنا تو اس قدر صدمہ ہوا کہ بلا اختیار یہ دل میں آیا کہ کسی کنویں میں جا کر اپنے آپ کو گرا دوں۔

(مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 240)

صدمہ اور بدحواسی کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا اپنی ضرورت بھول گئیں اور بغیر قضائے حاجت کے راستہ ہی سے واپس آ گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اپنے ماں باپ کے ہاں جانے کی اجازت چاہی تاکہ ان کے ذریعہ سے اس واقعہ کی تحقیق کروں۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے ہاں آ گئی۔ مکہ میں آ کر میں نے اپنی ماں سے کہا!

''اے ماں! تم کو معلوم ہے کہ لوگ میری بابت کیا کہتے ہیں؟''

ماں نے کہا!

''بیٹی! تو رنج نہ کر۔ دنیا کا قاعدہ اور دستور ہے کہ جو عورت خوبصورت اور خوب سیرت اور اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبت ہوتی ہے تو حسد کرنے والی عورتیں اس کے ضرر کے درپے ہو جاتی ہیں۔''

میں نے کہا!

''سبحان اللہ! کیا لوگوں میں اس کا چرچا ہے۔؟ اور کیا میرے والد کو بھی اس کا علم ہے؟''

میری امی حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا!

''ہاں!''

میں نے کہا!

''امی جان! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت کرے! لوگوں میں تو اس کا چرچا ہے اور تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا؟''

یہ کہہ کر آنکھوں میں آنسو ابل پڑے اور شدت غم سے چیخیں نکل گئیں۔ میرے ابو جان سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہا بالا خانہ میں قرآن حکیم کی تلاوت فرمار ہے تھے۔ میری چیخ سن کر نیچے آئے اور میری ماں سے دریافت کیا۔ ماں نے کہا!

''اس کو اس قصہ کی خبر ہوگئی ہے۔''

یہ سن کر میرے ابو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے۔ مجھے اب اس واقعہ سے اس قدر بخار ہوا کہ میری والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے گھر کے تمام کپڑے مجھ پر ڈال دیئے۔ تمام رات آنسو بہاتے گزری۔ ایک لمحہ کیلئے بھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔ اسی طرح صبح ہوگئی۔

دوسری طرف صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو جب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اس ہجو گوئی کا علم ہوا تو انہوں نے قسم کھائی کہ خدا کی قسم! اب تک میں نے کسی عورت کو چھوا بھی نہیں ہے اور غصہ میں تلوار لے کر سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے اور یہ شعر پڑھ کر تلوار کا وار کیا:

تلق ذباب السیف منی فاننی   غلام اذ ھو جیت لیت بشاعر

''لو مجھ سے تلوار کی یہ دھار، میں نوجوان ہوں جب میری ہجو ہو، میں شاعر نہیں۔''

انہیں پکڑ کر بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر کیا گیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے تقصیر معاف کرائی اور اس کے معاوضہ میں سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کو جائیداد عنایت فرمائی۔ گو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی اور پاک دامنی مسلم تھی لیکن شریر لوگوں کے اس الزام سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مضطرب تھے۔ ادھر نزولِ وحی میں تاخیر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ فرمایا۔

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ آپ کے اہل ہیں جو آپ کی شایانِ شان اور منصب نبوت و رسالت کے مناسب ہیں۔ ان کی عفت و عصمت کا پوچھنا ہی کیا! آپ کے حرمِ محترم کی طہارت و نزاہت سورج سے زیادہ عیاں ہے اور شبنم سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اس میں رائے اور مشورہ کی کیا ضرورت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اور ازواج مطہرات میں ہم نے کبھی سوائے خیر اور خوبی اور نیکی و بھلائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔''

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج و غم اور حزن و ملال کے خیال سے یہ عرض کیا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!! اللہ تعالیٰ نے آپ پر تنگی نہیں کی۔ عورتیں ان کے سوا بہت ہیں۔ آپ اگر گھر کی خادمہ سے دریافت فرمائیں تو وہ سچ سچ بتا دے گی۔ آپ مجبور نہیں، مفارقت آپ کے اختیار میں ہے لیکن پہلے گھر کی لونڈی سے تحقیق فرمالیں وہ آپ کو بالکل صحیح بتا دے گی، اس لیے کہ باندی اور خادمہ بہ نسبت اوروں کے خانگی حالات سے زیادہ باخبر ہوتی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے مطابق بریرہ خادمہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا اور اس سے پوچھا!

''کیا تو گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟''

بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''ہاں!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''میں تجھ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اسے چھپانا نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بذریعہ وحی بتلادے گا۔''

بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''میں ہرگز نہیں چھپاؤں گی۔ آپ دریافت فرمائیں۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''کیا تو نے عائشہ سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھی ہے؟''

خادمہ نے عرض کیا!

''نہیں!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا!

''اے بریرہ! کیا تو نے عائشہ سے ذرہ برابر بھی کوئی شے ایسی دیکھی ہے جس سے تجھ کو شبہ اور تردد ہو؟''

حضرت بریرہ خادمہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا!

''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا! میں نے عائشہ کی کوئی بات معیوب اور قابلِ گرفت کبھی نہیں دیکھی۔ مگر یہ کہ وہ ابھی کمسن لڑکی ہے۔ آٹا گوندھا ہوا چھوڑ کر سو جاتی ہے۔ بکری کا بچہ آ کر اسے کھا جاتا ہے۔ یعنی وہ تو اس قدر غافل اور بے خبر ہے کہ اسے آٹے اور دال کی بھی خبر نہیں، وہ دنیا کی چالاکیوں کو کیسے جان سکتی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب سن کر مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اول اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور بعد ازاں منافقوں کے رئیس عبداللہ بن ابی کی خباثت کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا!

''مسلمانو! کون ہے جو میری اس شخص کے مقابلہ میں مدد کرے جس نے مجھ کو میرے اہل بیت کے بارہ میں ایذاء پہنچائی ہے۔ بخدا! میں نے اپنے اہل سے سوائے نیکی اور پاکدامنی کے اور کچھ نہیں دیکھا اور علی ھذا جس شخص کا ان لوگوں نے نام لیا ہے اس سے بھی سوائے خیر اور بھلائی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔''

یہ سن کر قبیلہ اوس کے سردار سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی اعانت اور امداد کیلئے حاضر ہوں۔ اگر یہ شخص ہمارے قبیلہ اوس کا ہوا تو ہم خود ہی اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر قبیلہ خزرج سے ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو ہم تعمیل کریں گے۔''

سردارِ خزرج سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہم پر تعریض کر رہے ہیں کہ اہلِ افک قبیلہ خزرج سے ہیں۔ اس لیے ان کو جوش آ گیا اور انہوں نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا!

''بخدا! تم اس کو ہرگز قتل نہ کر سکو گے۔ اگر وہ ہمارے قبیلے کا ہوا تو ہم خود اس کو قتل کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔''

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا!

''تم غلط کہتے ہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو قتل کا حکم دیں گے تو ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ اگرچہ وہ شخص قبیلہ خزرج کا ہو یا کسی اور قبیلہ کا، کوئی ہم کو روک نہیں سکتا اور کیا تو منافق ہے جو منافقین کی طرف سے مجادلہ اور جواب دہی کرتا ہے؟''

اس طرح سے گفتگو میں کچھ تیزی آ گئی۔ قریب تھا کہ دونوں قبیلے ہاتھاپائی پر اتر آتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور لوگوں کو خاموش کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ دن بھی میرا روتے ہوئے گزرا۔ ایک لمحہ کیلئے آنسوؤں کی بارش نہیں تھمتی تھی۔ رات بھی اسی طرح گزری۔ میرے والدین کا خیال تھا کہ شدتِ غم سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو میرے والدین بالکل میرے قریب آ کر بیٹھ گئے اور میں برابر روئے جا رہی تھی۔ اتنے میں ایک انصاری عورت آ گئی۔ مجھے روتا دیکھ کر وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور سلام کر کے میرے قریب بیٹھ گئے۔ اس واقعہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی بار میرے پاس آ کر بیٹھے تھے۔ وحی کے انتظار میں ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ تشریف فرما ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول خدا کی حمد وثناء کی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا!

''عائشہ! مجھ کو تیری جانب سے ایسی ایسی خبر پہنچی ہے۔ اگر تو اس جرم سے بری ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ تجھ کو ضرور بری کرے گا اور اگر تو نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کر۔ اس لیے کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہ بات ختم کی اور اس وقت میرے آنسو خشک ہو گئے اور ایک قطرہ بھی آنکھ میں باقی نہ رہا۔ دل نے اپنی برأت کے یقین کی بناء پر اطمینان محسوس کیا۔ پھر میں نے اپنے والد محترم کو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے طرف سے جواب دیں لیکن انہوں نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی ماں سے کہا لیکن ماں نے بھی یہی جواب دیا۔ اس کے بعد میں نے خود بارگاہ رسالت میں عرض کیا!

''اللہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں۔ یہ بات تمہارے دلوں میں اس درجہ راسخ ہو گئی ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں اس گناہ سے بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم یقین نہ کرو گے اور اگر بالفرض میں اقرار کر لوں حالانکہ خدا خود جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم یقین کرو گے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رو کر کہا!

''بخدا! میں اس چیز سے کبھی توبہ نہ کروں گی جو یہ لوگ میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ بس میں وہی کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا!

''فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ''

میں یہ کہہ کر بستر پر جا کر لیٹ گئی اور اس وقت قلب کو یقینِ کامل اور جذبِ تام تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری برأت فرمائے گا لیکن یہ وہم وگمان نہ تھا کہ میرے بارہ میں اللہ تعالیٰ ایسی وحی نازل فرمائے گا کہ جس کی ہمیشہ تلاوت ہوتی رہے گی اور میری ان الفاظ میں برأت کی جائے گی جو رہتی دنیا تک یاد رکھی جائے گی۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ مجھے یہ گمان نہ تھا کہ قرآن کی آیتیں میرے بارے میں نازل ہوں گی جو مسجدوں اور نمازوں میں پڑھی جائے گی۔ مجھے تو بس یہ امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ خواب میری برأت بتلادی جائے گی اور اس طرح اللہ تعالیٰ مجھ کو اس تہمت سے بری کرے گا۔

اب وقت آ گیا تھا کہ عالمِ غیب کی زبان گویا ہو۔ چنانچہ وہ گویا ہوئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنی جگہ سے اٹھے نہ تھے کہ دفعتاً وحی کے آثار نمودار ہوئے۔ باوجود شدید سردی کے پیشانی مبارک سے موتیوں کی طرح پسینہ کے قطرات ٹپکنے لگے۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا تو بخدا! میں بالکل نہیں گھبرائی مگر میرے ماں باپ کا خوف سے یہ حال تھا کہ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کی جان ہی نہ نکل جائے۔ ان کو یہ خوف تھا کہ مبادِ وحی اس کے مطابق نہ نازل ہو جائے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں۔

میرے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ کبھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے اور کبھی میری طرف۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کرتے تو یہ اندیشہ ہوتا کہ نہ معلوم آسمان سے کیا حکم نازل ہوتا ہے جو پھر قیامت تک ٹل نہیں سکے گا اور جب میری طرف دیکھتے تو میرے سکون اور اطمینان کو دیکھ کر ان کو ایک گونہ امید ہوتی۔

ماسوا میرے سارا گھر اسی خوف ورجا اور امید وبیم میں تھا کہ وحی آسمانی کا نزول ختم ہوا اور چہرۂ انور پر مسرت وبشاشت کے آثار نمودار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے اور دستِ مبارک سے جبیں منور کے پسینہ کو پونچھتے ہوئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلا کلمہ جو زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا!

''عائشہ! تجھے خوشخبری ہو، بیشک اللہ تعالیٰ نے تیری برأت نازل فرمائی ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری والدہ نے کہا!

''عائشہ! اٹھو اور اپنے خاوند کے قدم لو۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نسوائی غرور وناز کے ساتھ جواب دیا!

''میں صرف اپنے خدا کا شکر ادا کروں گی جس نے میری برأت نازل فرمائی کسی اور کی ممنون نہیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس حالتِ شکر میں شکر نبوی سے انکار نازِ محبوبی کے مقام سے تھا اور ناز کی حقیقت یہ ہے کہ دل جس شے سے لبریز ہو زبان سے اس کے خلاف اظہار ہو۔ ظاہر میں یہ ایک ناز تھا لیکن صد ہزار نیاز اس میں مستور تھے۔ اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں

یہ آیات نازل فرمائی ہیں!

''تحقیق جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تم سے ایک جماعت ہے تم اس کو اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ فی الحقیقت تمہارے لیے خیر ہے۔ ہر شخص کیلئے گناہ کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا اس نے کمایا اور جو اس طوفان کے بڑے حصے کا متولی بنا ہے اس کیلئے بڑا عذاب ہے۔ اس بات کو سنتے ہی مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے لیے نیک گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے اور کیوں نہ لائے وہ اس (تہمت) پر چار گواہ۔ پس جب کہ یہ لوگ گواہ نہ لائے تو یہ لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو تم کو اس چیز میں کہ جس میں تم گفتگو کر رہے ہو سخت عذاب پہنچتا۔ جبکہ تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل کرتے ہو اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہو جس کی تم کو تحقیق نہیں اور تم اس کو آسان سمجھتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے اور تم نے اس خبر کو سنتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لیے ایسی بات کا زبان پر لانا ہی زیبا نہیں۔ تم کو یہ کہہ دینا چاہیے تھا کہ سبحان اللہ! یہ تو بہتان عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم ایمان والے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کو واضح طور پر بیان کرتا ہے اور اللہ علیم اور حکیم ہے۔ تحقیق جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو نہ معلوم کیا مصیبت آتی اور بے شک اللہ تعالیٰ رؤف اور رحیم ہے۔''

(القرآن المجید، پارہ نمبر 22، سورۃ احزاب، آیت نمبر 11 تا 20)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان آیات برأت کی تلاوت سے فارغ ہوئے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہا نے اپنی عفت مآب بیٹی کی طہارت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت کو سن لیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اٹھ کر اپنی بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا!

''ابا جان! پہلے آپ نے مجھ کو کیوں نہ معذور اور بے قصور سمجھا؟''

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہا نے جواب دیا!

''کون سا آسمان مجھ پر سایہ ڈالے اور کون سی زمین مجھ کو اٹھائے اور تھامے جب کہ میں اپنی زبان سے وہ بات کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو؟''

(الفتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 366) (روح المعانی، جلد نمبر 18، صفحہ نمبر 109)

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور مجمع عام میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں نازل شدہ آیات کی تلاوت فرمائی۔ یہ فتنہ اصل میں منافقین نے شروع کیا تھا لیکن تین مسلمان اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے منافقین کے دھوکہ میں آ گئے۔ ان کے نام یہ ہیں!

مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم، ان پر حد قذف (زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کی سزا) جاری کی گئی یعنی اسی اسی درے مارے گئے اور وہ اپنی غلطی سے تائب ہوئے۔ عبد اللہ بن ابی منافقوں کے رئیس کے

بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ اس کو سزا نہیں دی گئی اس لیے کہ وہ منافق تھا لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی حد جاری کی گئی۔ واللہ اعلم

جو آیات ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے بارے میں نازل ہوئیں ان میں ان کی فضیلت ومنقبت ظاہر وباہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بہتان سے بری فرمایا اور انہیں طیبہ فرمایا اور مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا جس سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مغفرت کا قطعی اور یقینی ہونا معلوم ہوا۔

اُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو صاحبِ فضل فرمائے اس کے فضل وکمال میں کہاں شبہ کی مجال ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں چودہ طریقہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اس آیت سے ثابت کی ہے۔

واقعۂ اُفک سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غایتِ تقویٰ اور کمالِ ورع کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ قصہ ایک مہینہ سے زائد عرصہ تک رہا لیکن بیٹی کی حمایت میں ایک حروف زبان سے نہیں نکلا۔ صرف ایک مرتبہ شدت رنج وغم میں آپ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ نکلا!

''بخدا! یہ بات تو ہمارے حق میں زمانۂ جاہلیت میں بھی نہیں کہی گئی پھر جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام سے عزت بخشی تو اس کے بعد یہ کیسے ممکن ہے؟''

(الفتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 369)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث افک کے فوائد ولطائف کو اپنی کتاب فتح الباری جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 371-372 پر شرح وسط سے بیان فرمایا ہے۔ اب جب کہ نزولِ وحی نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برات فرما دی ہے لہٰذا اب اگر کوئی شخص سیدہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے وہ قرآن حکیم کا صریح مکذب اور منکر ہونے کی وجہ سے بالاجماع کافر اور مرتد ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد تھوڑی تھوڑی دیر ازواج مطہرات کے پاس جا کر بیٹھتے تھے۔ اتفاقاً سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں چند روز معمول سے کچھ زیادہ دیر تک تشریف فرما ہونا شروع کر دیا۔ دیر تک ٹھہرنے کی وجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے معلوم کی تو پتہ چلا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے کسی عزیز نے شہید بھیجا ہے۔ چونکہ شہد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہاء مرغوب تھا وہ روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہد پیش کرتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکار نہ فرماتے اس وجہ سے ان کے ہاں کچھ زیادہ دیر رکنا پڑتا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا کہ اس کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نظافت پسند تھے۔ ذرا سی بدبو بھی ناگوارِ خاطر ہوتی تھی اور شہد کی مکھیاں جس قسم کے پھول سے رس چوستی ہیں شہد کی میٹھاس میں اسی قسم کی لذت اور بو ہوتی ہے۔ چنانچہ عرب میں مغافیر ایک قسم پھول ہوتا ہے جس کی بو میں ذرا نبید کی سی کرختگی ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دونوں ہم جولیوں کو سمجھا دیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائیں تو پوچھا جائے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ بو کیسی آتی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ شہد کھایا ہے تو کہنا چاہیے کہ شاید مغافیر کا شہد ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد سے کراہت پیدا ہوگئی اور عہد کیا کہ اب شہد نہ کھاؤں گا۔ اگر یہ عام انسانوں کا واقعہ ہوتا تو کوئی ایسی بات نہ تھی لیکن یہ ایک شارع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا جس کی ایک ایک بات پر بڑے بڑے قوانین کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ خداوند قدوس نے اس پر سورہ تحریم کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں!

"یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبۡتَغِیۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ"

''اے نبی! آپ اپنی بیویوں کی رضامندی کے لئے جو چیز اللہ نے حلال کی ہے اسے اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں؟''

اسی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی راز کی بات سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دی اور اسے پوشیدہ رکھنے کے لیے کہا لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا نے وہ بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دی۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے وحی نازل فرمائی!

''اور نبی نے اپنی کسی بیوی سے ایک رات کی بات کہی۔ جب اس نے دوسری سے اس کو کہہ دیا اور خدا نے اپنے نبی پر اس واقعہ کو ظاہر فرما دیا تو نبی نے اس بیوی کو اس کا کچھ قصور بتایا اور کچھ نہ بتایا۔ اس نے کہا آپ سے یہ کس نے کہہ دیا؟ تو نبی نے یہ جواب دیا کہ مجھے اللہ علیم خبیر نے بتایا ہے۔''

(القرآن المجید، پارہ 28، سورۃ التحریم، آیت نمبر 1)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا راز تھا جس کے اخفا کے لئے اتنی شدت درکار تھی۔ بخاری میں ہے کہ وہ یہی شہد کی تحریم کا واقعہ تھا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو چھپانے کے لیے کہا تھا لیکن انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کی رضامندی کی خاطر اپنے اوپر حرام قرار دے لیا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو تاکید کر دی تھی کہ اس راز کو اپنے تک ہی رکھنا عائشہ سے نہ کہنا مگر انہوں نے کہہ دیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

9 ہجری میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ اس وقت دور دراز علاقے مسلمانوں کے زیر نگیں ہو چکے تھے اور مالِ غنیمت اور سالانہ محاصل کا بے شمار ذخیرہ مدینہ میں آتا رہتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوانگی زندگی جس زہد و قناعت کے ساتھ بسر ہوتی تھی وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئے روز فاقہ رہتا تھا جب کہ ازواج مطہرات میں بڑے بڑے روسائے قبائل کی بیٹیاں بلکہ شہزادیاں داخل تھیں۔ جو اس سے پہلے اپنے گھروں میں ناز و نعم کی زندگیاں بسر کر کے آئی تھیں۔ انہوں نے مال و دولت کی یہ فراوانی دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خانگی مصارف میں اضافے کی خواہش کا اظہار کیا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو نہایت مضطرب ہوئے۔ پہلے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو سمجھایا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصارف کا تقاضا نہ کرو جو کچھ مانگنا ہے مجھ سے مانگو۔ بخدا! آپ میرا لحاظ فرماتے ہیں، ورنہ! تم کو طلاق دے دیتے۔ بعد ازیں آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر گئے اور انہیں بھی سمجھایا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا!

''عمر! تم ہر شے میں تو دخل دیتے ہی تھے اور اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل دیتے ہو؟''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس جواب سے افسردہ ہو کر خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ درمیان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ادھر ادھر ازواج مطہرات بیٹھی ہیں اور خانگی مصارف کی تعداد بڑھانے پر مصر ہیں۔ دونوں حضرات اپنی صاحبزادیوں کو مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ ان دونوں حضرات کی بیٹیوں نے کہا کہ ہم آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گی۔ اگر چہ یہ دونوں اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں لیکن دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر پڑے۔ پہلو مبارک پر ایک درخت کی جڑ سے خراش آ گئی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافی تکلیف تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے متصل ایک بالا خانہ تھا جو گویا ان گھروں کا توشہ خانہ تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں قیام فرمایا اور عہد کیا کہ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔

منافقین جو بات کا بتنگڑ بنانے میں خاصے مشہور تھے انہوں نے مشہور کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ مدینہ طیبہ میں کہرام مچ گیا۔ ہر شخص مضطرب تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مسجد نبوی میں جمع ہو گئے اور ازواج مطہرات رو رہی تھیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو فوراً مسجد نبوی میں آئے۔ دیکھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ملول بیٹھے ہیں۔ خدمتِ اقدس میں دو دفعہ باریابی کی اجازت چاہی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ تیسری دفعہ اجازت مل گئی۔ دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کھری چارپائی پر لیٹے ہیں جسم مبارک پر بان سے نشان پڑ گئے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو توشہ خانے میں چند مٹی کے برتن اور چند سوکھی مشکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر آنکھیں بھر آئیں اور پوچھا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے؟''

ارشاد فرمایا!

''نہیں!''

عرض کیا!

''کیا میں یہ خوشخبری دوسرے مسلمانوں کو سنا دوں؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''اگر تو پسند کرتا ہے تو بتا دے۔''

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ مہینہ 29 روز کا تھا۔ مہینہ پورا ہوا تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالا خانے سے اتر آئے۔ سب سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تو ایک ماہ کا عہد فرمایا تھا اور ابھی تو 29 دن ہوئے ہیں۔

ارشاد فرمایا!

''مہینہ کبھی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔''

چونکہ ازواج مطہرات نان ونفقہ کی طالب تھیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی بیویوں کی رضامندی کے لئے اپنے دامن کو زخارف دنیوی سے ملوث نہیں کر سکتے، لہٰذا تخییر کی آیت نازل ہوئی!

''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ○ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا○''

''اے نبی! اپنی ازواج سے فرما دیجئے کہ اگر تم کو دنیوی زندگی اور اس کی آرائش وزینت کی خواہش ہے تو آؤ میں تمہیں مال ودولت اور دنیا کی زینت دے کر اچھی طرح رخصت کر دوں ○ اور اگر تمہیں خدا اور اس کا رسول اور آخرت پسند ہے تو اللہ نے تم نیک عورتوں کیلئے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے ○''

(القرآن المجید، پارہ نمبر 22، سورۃ احزاب)

اس آیت کے نزول کے بعد مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا!

''میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کر کے دینا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''ارشاد فرمایئے!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھ کر سنائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں کس بات کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ لوں؟ میں خدا اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔''

یہ جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی اور مسرت سے تمتمانے لگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ جواب دوسری بیویوں پر ظاہر نہ ہو۔''

ارشاد فرمایا!

''میں معلم بن کر آیا ہوں جابر بن کر نہیں۔''

ایک اور سفر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں ہار تھا جو ٹوٹ کر گر پڑا۔ پہلے واقعہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ ہو چکی تھی، لہٰذا فوراً سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا گیا۔ صبح قریب تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ کو پڑاؤ کا حکم فرمایا اور ایک شخص کو ہار ڈھونڈنے کے لیے دوڑایا۔ اتفاق یہ کہ جہاں فوج نے پڑاؤ ڈالا وہاں مطلق پانی نہ تھا۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے!

''ام المومنین عائشہ نے فوج کو کس مصیبت میں ڈال رکھا ہے؟''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانو پر سر رکھنے آرام فرما رہے ہیں۔ نہایت غصے سے فرمایا!

''بیٹی! ہر روز تم ہی سب کیلئے مصیبت کا باعث بنتی ہو۔''

آپ رضی اللہ عنہ بہت غصہ میں تھے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ تیمّم نازل فرمائی۔ (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 372)

اس آیت میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر کے نماز ادا کرلیا کرو۔ تیمّم کی سہولت نازل ہونے سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خاص مسرت حاصل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر تین مرتبہ فرمایا!

''اِنَّکَ لَمُبَارِکَۃٌ اِنَّکِ لَمُبَارِکَۃٌ اِنَّکِ لَمُبَارِکَۃٌ''

''بیٹی! بلاشک تو بڑی مبارک ہے۔ بیشک تو مبارک ہے۔ بیشک تو برکت والی ہے۔''

(مسند احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 373)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے تیمّم کر کے نماز صبح ادا کی اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سہولت پر بہت خوش ہوئے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو خوشبو لگائی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ سرف میں پہنچے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض شروع ہو گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور فرمایا!

''اس چیز کو تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تمام بیٹیوں کے مقدر میں کر دیا ہے، اس لیے اس میں پریشانی والی کوئی بات نہیں۔ تم وہی سب کام کرو جو حاجی کرتے ہیں لیکن جب تک پاک نہ ہو جاؤ اس وقت تک طواف نہ کرنا۔''

اس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تمام مناسک حج ادا کیے اور جب منیٰ پہنچی تو پاک ہو گئیں لہٰذا انہوں نے طواف کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہی وسیلہ سے عورتوں کو ایسی حالت میں حج کے احکام معلوم ہوئے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل، مناقب، عظمت اور شان کتب احادیث میں اس کثرت سے موجود ہیں جو کہ کسی دوسری خاتون کیلئے نہیں ہے۔ چند ایک فضائل ملاحظہ فرمائیں:

1: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کنواری خاتون سے نکاح نہ کیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب ترین زوجہ ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ کون عزیز ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''عائشہ!''

پھر پوچھا!

''مردوں میں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''عائشہ کے والد۔''

(مسند احمد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 203) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 67) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 43) (الصحیح البخاری، حدیث نمبر 3663) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 2384) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 3880)

2: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''مردوں میں بہت سے افراد کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی کامل نہیں اور پھر فرمایا!

''وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ''

''اور عائشہ کو تمام عورتوں پر ایسے فضیلت ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر۔''

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 3773) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 2446) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 3881) (السنن النسائی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 262) (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 2381) (مسند احمد، جلد نمبر 2، صفحہ 159) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 19، صفحہ نمبر 28) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 243)

3: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیا و آخرت میں بیوی ہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تو میں نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فاطمہ کا ذکر تو فرما رہے ہیں میرے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تو دنیا و آخرت میں میری بیوی ہے؟''

(السنن الترمذی، باب فضل عائشہ، حدیث نمبر 3772) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 66) (المعجم الکبیر للطبرانی، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 39) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 10) (الاحسان، بترتیب صحیح ابن حبان، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 53) (ابن ابی شیبہ، جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 128، حدیث نمبر 12325) (ابن عساکر، فی اربعین، باب مناقب امہات المومنین، حدیث نمبر 227)

4: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے ہاں ایک ایک رات قیام فرماتے جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دو راتیں قیام فرماتے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ جب سیدہ سودہ بن زمعہ رضی اللہ عنہا کی عمر زیادہ ہوگئی تو انہوں نے عرض کیا!

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی باری کا دن عائشہ کو دیتی ہوں۔"

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں دو دن قیام فرماتے ایک دن حضرت میری باری کا اور ایک دن حضرت سودہ کا۔" (الصحیح البخاری، حدیث نمبر 5212) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 1463)

5: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت فرماتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے کہ تم بھی ان سے محبت کرو۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

"ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنا سفیر بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری چادر میں آرام فرما رہے تھے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا!

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی ازواج مطہرات نے مجھے سفیر بنا کر بھیجا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ بنت ابی قحافہ (عائشہ) کے بارے میں عدل سے کام لیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا!

"اے میری پیاری بیٹی! کیا تو اس سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں؟"

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

"کیوں نہیں؟"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"پس تو بھی عائشہ سے محبت کیا کر۔"

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 2581) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 2446) (السنن النسائی، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 151) (الانوار فی شمائل نبی مختار، للبغوی، حدیث نمبر 841) (مسند ابی یعلی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 470، حدیث نمبر 4934) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 241) (کشف الاستار للبزار، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 240)

6: ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ میں سیدہ عائشہ، سیدہ حفصہ، سیدہ صفیہ اور سیدہ سودہ اور دوسرے گروہ میں سیدہ ام سلمہ اور دیگر ازواج شامل تھیں۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اس لیے وہ خاص طور پر آپ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن تحفے تحائف بھیجتے۔ جس کو دیگر ازواج مطہرات محسوس کرتیں۔ ایک مرتبہ سیدام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس بارے میں بات کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بڑی سمجھ داری سے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی کہ صحابہ کو حکم دیا جائے کہ عائشہ کی باری کا انتظار نہ کیا کریں بلکہ جہاں بھی آپ ہوں وہاں ہی تحفے تحائف بھیج دیا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بات سنی مگر جواب کچھ نہ دیا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہا واپس آ گئیں۔ تھوڑے دنوں بعد پھر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"ام سلمہ! عائشہ کے بارے میں مجھے اذیت نہ دو کیونکہ عائشہ کے سوا کسی دوسری بیوی کے بستر میں مجھ پر وحی

نازل نہیں ہوتی۔"

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ کے حضور میں آپ کی اذیت سے توبہ کرتی ہوں۔"

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 2581)(الصحیح المسلم ،باب فضل عائشہ، حدیث نمبر 2441)(السنن الترمذی، حدیث نمبر 2874)(النسائی، فی عشرۃ النساء، حدیث نمبر 11)(مسند احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 293)(السنن النسائی، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 68)(صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 7065)

7: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واقعۂ افک کے موقع پر آپ کی برأت کے لئے سورۃ نور شریف کی بارہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کی پاکدامنی کی گواہی ہر مسلمان کے منہ سے قیامت تک جاری کر دی۔ آپ اس بات پر فخر کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں!

"میرا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ میری برأت اس طرح فرمائے گا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بتا دیا جائے گا۔ مگر میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں میری برأت کے لئے آیات نازل کر دے گا۔"

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 4750)(الصحیح المسلم، حدیث نمبر 2770)(السنن الترمذی، حدیث نمبر 3179)(النسائی فی عشرۃ النساء، حدیث نمبر 45)

8: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کی برکت سے تیمم کا حکم نازل ہوا

سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس وقت جوش مسرت میں فرمایا!

"اے آل ابی بکر! یہ تیمم کا حکم نازل ہونا تمہاری پہلی برکت نہیں بلکہ تمہاری برکت سے اور بھی بہت سی آسانیاں ہو چکی ہیں اور کئی سہولتوں کے احکام نازل ہو چکے ہیں۔"

(الصحیح البخاری، شریف حدیث نمبر 334-3773)(الصحیح المسلم، حدیث نمبر 367)

9: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تو انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا سلام کیا۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھے ہوئے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ کو دحیہ کلبی کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھے، ان سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"کیا تو نے اسے دیکھا؟"

عرض کیا!

"ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!
"وہ دحیہ کلبی نہیں تھے بلکہ جبرائیل علیہ السلام تھے اور وہ تمہیں سلام کہتے ہیں۔"
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا!
"وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ انہیں اچھی جزا دے۔ میزبان بھی بہترین ہے اور مہمان بھی بہترین ہے۔"
(الصحیح البخاری، باب ذکر الملائکہ، حدیث نمبر 3217) (الصحیح المسلم، باب فضل عائشہ، حدیث نمبر 2447) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 84، باب فضائل صحابہ، حدیث نمبر 1635) (المعجم الکبیر، للطبرانی، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 34) (مسند حمیدی، حدیث نمبر 277) (صفۃ الصفوۃ، لابن الجوزی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 20) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 243)

10: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظاہری زندگی کے آخری ایام ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزارے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات پر فخر کیا کرتی تھیں۔

11: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اسی حجرے میں قیامت تک آرام فرما ہوئے۔

12: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!
"جب بھی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسرت وخوشی کی حالت میں دیکھتی تو میں عرض کرتی! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعا فرماتے۔
((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ عَائِشَۃَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِھَا وَمَا تَأَخَّرَ وَمَا اَسَرُّ وَمَا اَعْلَنَتْ))
"یا اللہ! عائشہ کی اگلی اور پچھلی مخفی اور ظاہری تمام خطائیں معاف فرمادے۔"
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا سنتیں تو مارے خوشی کے بہت زیادہ ہنستیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے!
"عائشہ میری دعا نے تمہیں خوش کر دیا۔
تو آپ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں!
"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی دعا مجھے کیوں خوش نہیں کرے گی؟"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے!
"بخدا! میں ہر نماز کے بعد ایسی ہی دعا اپنی امت کے لئے کرتا ہوں۔"
(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 11) (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 7067)
(المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 243) (کشف الاستار، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 238)

13: جب آیت تخییر نازل ہوئی تو باوجود اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا!
"اپنے والدین سے پوچھ کر جواب دینا۔"

آپ رضی اللہ عنہا نے فوراً عرض کیا!

''اس میں والدین سے پوچھنے کا کیا مطلب۔؟ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں!''

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 4785-4788)(الصحیح المسلم، حدیث نمبر 1475)(نووی شرح صحیح مسلم، جلد نمبر 10، صفحہ نمبر 78)

14: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''اللہ تعالیٰ نے مجھے دیگر ازواج مطہرات پر دس باتوں سے فضیلت عطا کی ہے۔''

☆ میرے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج میں سے کوئی کنواری نہ تھی۔

☆ میرے سوا کسی اور زوجہ کے والدین مہاجر نہ تھے۔

☆ جبرائیل امین علیہ السلام ریشم کے ایک کپڑے میں میری تصویر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور کہا ان سے شادی کریں۔

☆ اللہ تعدالیٰ نے آسمانوں سے میری برأت نازل فرمائی۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں ایک ہی برتن سے کر غسل کیا کرتے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور بیوی کے ساتھ تو اس طرح غسل نہیں فرمایا۔

☆ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے بستر پر آرام فرما ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی۔

☆ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میری گود میں تھا۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپ کے آگے لیٹی ہوئی ہوتی۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات وصال فرمایا جس رات میری باری تھی۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں وصال کے بعد آرام فرما ہوئے۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 63)(اربعین لابن عساکر، صفحہ نمبر 32)(المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 29)(مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 241)(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 10)(مسند ابی یعلی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 336)(سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 141)

15: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو عبادت الٰہی سے اتنا شغف تھا کہ فرض نمازوں کے علاوہ سنتیں اور نوافل بھی کثرت سے ادا کیا کرتی تھیں۔ تہجد اور چاشت کی نماز کا ساری عمر ناغہ نہیں کیا۔ رمضان کے علاوہ اکثر روزے رکھتیں۔ بعض روایات کے مطابق ہمیشہ روزے سے رہتیں۔ حج کی شدت سے پابند تھیں۔ کوئی سال ایسا کم ہی گزرتا جس سال آپ رضی اللہ عنہا حج نہ فرماتیں۔

16: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پردے کی بہت پابند تھیں۔ آیت حجاب کے بعد تو اس میں مزید شدت آگئی۔ ایک مرتبہ اسحاق تابعی جو کہ نابینا تھے آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہا نے ان سے پردہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا!

''مجھ سے کیا پردہ میں تو نابینا ہوں؟''

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

''اگر چہ تم مجھے نہیں دیکھتے لیکن میں تمہیں دیکھتی ہوں۔''

آپ رضی اللہ عنہا اکثر رات کے وقت طواف فرماتیں جب مرد موجود نہ ہوتے اور اگر کبھی دن کو طواف کا موقع پیش آتا تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کرالیا جاتا تھا۔ایک مرتبہ حج کے موقع پر چند بیبیوں نے عرض کیا!

''ام المومنین! چلیں حجر اسود کو بوسہ دے لیں؟''

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

''تم جاسکتی ہو میں مردوں کے ہجوم میں نہیں جاسکتی۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردے کے اہتمام کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب تک آپ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مزار تھے اس وقت تک آپ رضی اللہ عنہا بلاتر دد یہاں پر آتی رہیں اور یہاں پر سوتی بھی رہیں۔لیکن جیسے ہی یہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا فرماتیں!

''پہلے تو یہاں میرے شوہر اور والد تھے لیکن اب عمر کے آجانے سے مجھے یہاں بلا پردہ آتے حجاب آتا ہے۔''

یہ آپ رضی اللہ عنہا کا تقویٰ تھا حالانکہ شریعت اسلامیہ میں فوت شدگان سے پردہ نہیں۔

(الصحیح البخاری، باب طواف النساء، مسند احمد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 117) (طبقات ابن سعد، جز نساء، صفحہ نمبر 47)

17: ایک شخص نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سامنے ناشائستہ الفاظ میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

''اُغْزِبْ مَقْبُوْحًا مَنْبُوْحًا تُؤْذِيْ حَبِيْبَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ''

''بدبخت! مردود! دور ہو جا! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری زوجہ کو اذیت دیتا ہے؟''

(السنن الترمذی، حدیث نمبر 3882) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 65) (المطالب العالیہ ،للطیالسی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 128)

18: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخلاق کا ایک ممتاز جوہر ان کی طبعی فیاضی اور کشادہ دستی تھی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ذرہ ذرہ جوڑ کر جمع کرتیں اور جب کچھ رقم جمع ہو جاتی تو ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتیں۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے پوری ستر ہزار کی رقم خدا کی راہ میں تقسیم کی اور دوپٹہ کا گوشہ جھاڑ دیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے۔شام ہونے سے پہلے پہلے آپ رضی اللہ عنہا نے وہ تمام اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر دیئے اور ایک پائی بھی اپنے پاس نہ رکھی۔اس دن آپ روزے سے تھیں۔خادمہ نے عرض کیا!

''سیدہ! آپ کا روزہ تھا آپ ایک درہم رکھ لیتیں میں آپ کے لیے گوشت تیار کر دیتی؟''

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

''تم نے یاد دلا دیا ہوتا تو میں رکھ لیتی''۔

آپ رضی اللہ عنہا جس مکان میں رہتی تھیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں فروخت کر دیا اور جو رقم ملی وہ سب کی سب غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے، آپ رضی اللہ عنہا کے سب سے زیادہ چہیتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت اکثر یہی کیا کرتے تھے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فیاضی کو دیکھتے دیکھتے گھبرا گئے اور انہوں نے کہہ دیا!

''سیدہ کا ہاتھ روکنا چاہیے''۔

جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے قسم کھا لی کہ اب کبھی ابن زبیر سے بات نہ کروں گی۔ وہ میرا ہاتھ روکے گا۔؟ بہت عرصہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض رہیں۔ آخر بہت لوگوں کی سفارش سے انہیں معاف فرمایا۔

(مسند امام احمد بن حنبل، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 99) (طبقات ابن سعد، جز نساء، صفحہ نمبر 45) (الصحیح البخاری، باب سخاوۃ النفس، موطا امام مالک، باب الترغیب فی الصدقہ)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وہ عظیم خاتون ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں دس سال گزارے اور شارح قرآن اور صاحب حدیث کے ہر ہر قول و فعل کا مشاہدہ کیا اور اس کو پوری دنیا تک پہنچایا۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا کی یادداشت بڑی پختہ تھی اس لیے آپ رضی اللہ عنہا کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا یاد تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کے فضل و کمال علم کا اندازہ کرنے کے لئے چند ایک دلائل پیش خدمت ہیں!

1: صحابی رسول حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

''ہم صحابیوں کو کوئی مشکل بات ایسی پیش نہیں آئی کہ جس کے بارے میں ہم نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس سے ہمیں معلومات نہ ملیں ہوں''۔

2: امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ تابعین کے پیشوا ہیں فرماتے ہیں!

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان سے دقیق و مشکل مسائل پوچھا کرتے تھے۔'' (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 26)

3: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

''میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی بھی ایسی شخصیت نہیں دیکھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو جاننے والی ہو، صاحب رائے ہو، زیادہ فقیہ ہو، آیتوں کے شان نزول اور فرائض کے مسائل کا واقف ہو''۔

4: عطا بن ابی الرباح تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں''۔

5: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے!

''میں نے حلال وحرام، علم وشاعری اور طب میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں دیکھا۔'' (زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 227)

6: محمود بن لبید کا قول ہے!

''ازواج مطہرات کو بہت سی احادیث زبانی یاد تھیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان سب سے بڑھ کر تھیں۔'' (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 126)

7: امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

''اگر تمام مردوں اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جاتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم پھر بھی ان سب سے وسیع ہوتا۔''

8: ایک مرتبہ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تربیت یافتہ تھے) سے پوچھا گیا!

''کیا ام المومنین فرائض کا علم جانتی تھیں؟''

تو انہوں نے جواب دیا!

''خدا کی قسم! میں نے بڑے بڑے صحابہ کو ان سے فرائض کے مسائل دریافت کرتے دیکھا ہے۔''

9: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ احزاب، آیت نمبر 34)

''اور (نبی کی بیویو!) یاد کرو اسے جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت میں سے پڑھا جاتا ہے۔''

اس حکم قرآنی کے مطابق تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن علم القرآن حاصل کرنے میں بڑی کوشش کرتی تھیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو ان سب سے بڑھ کر تھیں کیونکہ یہ ہر وہ بات جو ان کی سمجھ میں نہ آتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا جھجک پوچھ لیا کرتی تھیں۔ دوسری یہ کہ جب قرآن مجید نازل ہوتا تو سب سے پہلی آواز آیات قرآنی کی جس کان میں پڑتی وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہوتیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''مجھ پر سوائے عائشہ کے بستر کے کسی اور بیوی کے ہاں وحی نازل نہیں ہوتی۔''

10: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے عالم علم قرآن ہونے کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے اور اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات سنتیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ پڑھتی جاتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''جب سورۃ البقرہ اور سورۃ نساء نازل ہوئیں تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔''

11: چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ تک قرآن مجید کتابی صورت میں موجود نہیں تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر ملال فرما جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے کتابی شکل میں مرتب کروایا۔ اسی طرح بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی اپنے طور پر روزانہ تلاوت کیلئے قرآن مجید ترتیب دے لیے تھے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے ایک غلام ابو یونس سے قرآن مجید کا

ایک نسخہ لکھوا لیا تھا چونکہ اختلاف قرأت کا اثر عراق میں زیادہ تھا اس لیے عراق سے ایک صاحب آئے اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا!

''آپ اپنا قرآنی نسخہ مجھے دکھائیں تاکہ میں اپنے نسخہ کی ترتیب کرلوں۔''

آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے نسخہ قرآن سے ہر ہر سورت کی ابتدائی آیات پڑھ کر ترتیب درست کروا دی۔

12: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہنے اور جس بات کی سمجھ نہ لگتی ہو بلا جھجک پوچھ لینے کی وجہ سے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو قرآن مجید کی ایک ایک آیت کے طرزِ قرأت، محل و معنی، موقع اور استدلال، شان نزول اور وجہ شان نزول وغیرہ پر مکمل آگاہی و دسترس حاصل ہوگئی تھی۔ اس لیے جب بھی آپ رضی اللہ عنہا کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا آپ قرآن مجید سے استدلال کرتیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین وارشادات کو سامنے رکھتیں۔

13: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید کی آیات کی تفسیریں بطریق صحیح بہت کم مروی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع صحیح میں تفسیر کا بہت بڑا حصہ داخل کیا ہے لیکن زیادہ تر ان میں تابعین کی روایتوں سے لغات کا حل ہے۔ ترمذی شریف میں بھی حقیقی تفسیر کا حصہ ہے لیکن امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں بڑی احتیاط فرمائی ہے اور خالص تفسیر کا حصہ مسلم شریف کے آخر میں درج کیا ہے۔ گو یہ مختصر ہے مگر اس میں زیادہ تر حضرات ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی مرویات ہیں۔ کتب احادیث میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیری مرویات کی تعداد کافی ہے۔

14: علم حدیث میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنھن پر بلکہ دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی فوقیت حاصل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال بعد آپ رضی اللہ عنہا اڑتالیس سال زندہ رہیں۔ اس عرصہ میں آپ رضی اللہ عنہا تمام عالم اسلام کے لئے رشد و ہدایت اور علم و فضل کا مرکز بنی رہیں اور خواتین صحابہ کے علاوہ مرد حضرات بھی ام المومنین سے فیض حاصل کرتے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے مشہور ترین تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں!

حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت بریرہ، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، سروق بن اجدع، معاذہ بنت عبداللہ العدویہ، صفیہ بنت شیبہ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور عائشہ بنت طلحہ۔ رضوان اللہ علیھم اجمعین

15: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار مجتہدین صحابہ میں ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے ان کا مقام اس قدر بلند ہے کہ ان کا نام حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

16: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فقہی مقام یہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا خلفاء راشدین کے دور میں فتوے دیا کرتی تھیں اور جس بات پر آپ کا فتویٰ موجود ہوتا دیگر کسی رائے کی ضرورت نہ رہتی۔

17: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم و فضل کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ کتب احادیث

میں ان سے دو ہزار دو سو دس (2210) احادیث مروی ہیں اور احکام شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ ان سے منقول ہے۔
ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج سے کبھی ناغہ نہ فرماتی۔ حج کے ایام میں آپ رضی اللہ عنہا کا خیمہ کوہِ شبیر کے دامن میں نصب ہوتا تھا۔ چونکہ حج کے ایام میں ہر جگہ سے لوگ مکہ و مدینہ جمع ہوتے تھے۔ اس لیے ان دنوں میں آپ رضی اللہ عنہا کے پاس سائلوں کا جم غفیر جمع رہتا۔ طرح طرح کے سوالات پوچھے جاتے۔ ام المومنین ہر ہر سوال کا جواب قرآن وسنت کی روشنی میں عطا فرماتیں۔ اگر سائل کو کوئی سوال پوچھتے ہوئے شرم محسوس ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہا فرماتیں!

''میں تمہاری ماں ہوں اور ماؤں سے کیا پردہ؟''

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان لڑکیوں میں سے تھیں جن کی جسمانی بالیدگی نہایت تیزی کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نو سال کی عمر میں مکمل بالغ ہو چکی تھیں۔ لڑکپن میں آپ رضی اللہ عنہا دبلی پتلی اور چھریری تھیں لیکن رنگ سرخ وسفید تھا۔ حمیرا آپ کو سرخ وسفید رنگت کی وجہ سے ہی کہا جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا خوش رو اور صاحب جمال تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا اخلاق نہایت بلند تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نہایت فیاض، رحم دل، سنجیدہ، قانع اور عبادت گزار تھیں۔

زہد وقناعت کی وجہ سے صرف ایک جوڑا اپنے پاس رکھتیں تھیں اور اسی کو دھو دھو کر پہنتی تھیں۔ کبھی کبھی زعفرانی رنگ کے کپڑے بھی زیب تن کیا کرتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کرتا تھا جس کی قیمت اس وقت پانچ درہم تھی۔ یہ اس زمانہ کے لحاظ سے اس قدر بیش قیمت تھا کہ دلہنوں کے لئے عاریتاً مانگا جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کبھی کبھار زیور بھی پہنا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا نے سونے کے کنگن پہنے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا!

''میں تمہیں اس سے اچھی بات نہ بتاؤں۔ چاندی کے کنگن بنا کر ان کو زعفرانی رنگ دے کر پہن لو۔''

آپ رضی اللہ عنہا کے گلے میں سیاہ وسفید مہموں کا یمنی ہار ہوتا تھا اور آپ انگلیوں میں کبھی کبھار سونے کی انگوٹھیاں بھی پہنتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ آپ کے بھانجے اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھی تھی۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں ہی پرورش پائی۔ ان کے علاوہ جن بچوں کی سیدہ رضی اللہ عنہا نے پرورش کی ان کے نام یہ ہیں:

مسروق بن اجدع۔

عمرہ بن عائشہ بن طلحہ۔

اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔

عروہ بن زبیر۔

قاسم بن محمد۔

عبداللہ بن یزید۔

عمرہ بنت عبدالرحمٰن۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ن کے علاوہ محمد ابن ابی بکر کی لڑکیوں کو بھی سیدہ رضی اللہ عنہا نے پالا اور ان کی شادی بھی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں بھی آپ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری لڑکی کی پرورش کی تھی جس کی شادی کا ذکر احادیث میں بھی موجود ہے۔

یہ صفر المصفر 11 ہجری کے آخری ایام تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لائے تو وہ سر کے درد کی وجہ سے بے قرار تھیں اور کراہ رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تیمارداری کی۔ واپسی کے وقت حضرت نبی اکریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں بھی درد شروع ہو گیا جو کہ مرضِ وصال کی ابتداء تھی کیونکہ اس دن سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا دن تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ حسن سلوک کی یہ زندہ مثال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدید علیل ہونے کے باوجود بھی ان کی باری کا خیال رکھتے اور جس زوجہ محترمہ کی باری ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں قیام فرماتے۔ یہ سلسلہ پانچ دن تک جاری رہا پھر جب کمزوری زیادہ ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا!

''اگر آپ سب اجازت دیں تو میری تیمارداری عائشہ کے ہاں کی جائے؟''

تمام ازواج مطہرات اس پر راضی ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے کر آئے اور بقیہ آٹھ دن یہی گزارے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کرنے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت و فطانت، فہم و شعور، قوت حافظہ اور سرعتِ فہم جیسی خوبیوں سے نوازا ہے اس لیے وہ میرے آخری اقوال و فعال دیکھیں اور ان کو میری امت تک پہنچائیں۔ چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی جیسا غیب دان نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے متعلق اکثر صحیح حالات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے ہی امت تک پہنچے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ روز بروز مرض کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ کمزوری اتنی زیادہ ہو گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امامت کیلئے مسجد میں بھی تشریف نہ لے جا سکے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صبح کی نماز کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ اٹھنے کی کوشش کی مگر کمزوری غالب آ گئی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ جو کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مصلیٰ امامت پر کھڑا ہو گا لوگ اسے منحوس خیال کریں گے اس لیے میں نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابو بکر بہت رقیق القلب ہیں ان سے یہ نہ ہو سکے گا اور وہ رو دیں گے اس لیے کسی اور کو حکم دیا جائے۔''

لیکن حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی حکم دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا تم عرض کرو۔ انہوں نے عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''تم یوسف والیاں ہو جنہوں نے حضرت یوسف کو بہکانا چاہا تھا۔ کہہ دو کہ ابوبکر امامت کروائیں۔''

دراصل اس میں حکمت یہ تھی کہ غیب دان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خلیفہ کا انتخاب فرما رہے تھے تاکہ بعد میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔

وصال شریف سے کچھ دیر پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما وہاں تشریف لائے۔ ان کے پاس مسواک تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی طرف دیکھا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''حضور! کیا مسواک لے کر دوں؟''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے اشارے سے فرمایا!

''ہاں!''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسواک لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کمزوری کی وجہ سے اسے نرم نہ کر سکے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسواک کو اپنے منہ میں چبا کر نرم کر دیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب اچھی طرح مسواک کی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات پر فخر کیا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے لعابِ دہن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا کے آخری دن اور آخرت کے پہلے دن جمع فرمایا۔

پیر کا دن تھا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں اپنا سر مبارک رکھا اور لیٹ گئے۔ کچھ دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا!

'' اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی''

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے حجرے میں تین چاند ٹوٹ کر آ گرے ہیں۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے والد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سنایا۔ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں رونق افروز ہوئے تو میرے والد محترم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان تین چاندوں میں سے ایک یہ ہیں اور ان تینوں میں سے یہ سب سے افضل ہیں۔ بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ باقی دو چاند حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما تھے۔ جنہیں وصال کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تیرہ برس بعد تک آپ رضی اللہ عنہا روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی سوتی رہیں کیونکہ یہاں پر ایک آپ رضی اللہ عنہا کے سرتاج تھے اور دوسرے والد محترم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں پر مدفون ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہا فرماتیں!

''اب مجھے وہاں بے پردہ جاتے حجاب آتا ہے۔''

(الصحیح البخاری، باب مرض النبی، حدیث نمبر 4451)(الفتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد نمبر 8، صفحہ

نمبر 144)(الصحیح المسلم، جلد 3، صفحہ نمبر 1257)(مسند امام احمد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 48)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اور دو سال تک مسند خلافت پر متمکن رہے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس موجود تھیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا!

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کتنے کپڑے تھے؟''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''تین کپڑے تھے۔''

پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا!

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دن وصال فرمایا؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا!

''پیر کے دن۔''

انہوں نے پوچھا!

''آج دن کونسا ہے؟''

تو بتایا گیا کہ دوشنبہ یعنی پیر۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

''آج رات تک میرا بھی وصال ہو جائے گا۔ مجھے انہیں کپڑوں میں کفن دیا جائے۔''

عرض کیا گیا!

''یہ کپڑے پرانے ہیں۔''

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

''فوت شدہ سے زیادہ زندوں کو نئے کپڑوں کی ضرورت ہے۔''

چنانچہ اسی روز پیر کے دن 13 ہجری میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ نماز جنازہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کے جنازہ کو روضہ انور پر لے جایا گیا اور اندر دفن کرنے کی اجازت مانگی گئی تو یُوصَلُ الحَبِیبُ اِلَی الحَبِیب کی خوشخبری سن کر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ادباً چند قدم پیچھے کر کے حبیب کو حبیب سے ملا دیا گیا۔ اس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سال بعد ہی اپنے والد کے سائے سے بھی محروم ہو گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں چند باغات تھے جن کی آمدن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت کے مصارف پورے کیا کرتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ مبارک میں ان مصارف کو اسی طرح برقرار رکھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سابقہ مصارف کے علاوہ ان کے سالانہ وظیفے مقرر کر دیئے۔ قاضی ابویوسف

نے کتاب الخراج میں دو روایات بیان کی ہیں ایک کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام ازواج مطہرات کے بارہ بارہ ہزار اور دوسری روایت کے مطابق جس کو بخاری و مسلم نے بھی درج کیا ہے تمام ازواج مطہرات کے دس دس ہزار اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بارہ ہزار وظیفہ مقرر کیا۔ اس اضافے کی وجہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں عائشہ کو دو ہزار زیادہ اس لیے دیتا ہوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات کے درمیان تحفے تحائف کی تقسیم میں اس قدر خیال رکھتے تھے کہ آپ نے ازواج مطہرات کی تعداد کے مطابق نو پیالے تیار کروائے تھے۔ جب بھی کوئی چیز آتی ایک ایک پیالے میں برابر برابر ڈال کر ہر ایک کی بارگاہ میں بھیج دیتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''عمر فاروق تحائف کی تقسیم میں اس قدر احتیاط کرتے تھے کہ اگر کوئی جانور بھی ذبح کرتے تو ان کے سری پائے تک تقسیم کر کے ازواج مطہرات کے پاس بھیج دیتے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش تھی کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن ہوں۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں کرتے تھے۔ جب آپ کا آخری وقت آیا تو اپنے صاحبزادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ ام المومنین سے جا کر عرض کرو کہ عمر نے سلام بھیجا ہے اور خواہش ہے کہ وہ اپنے رفیقوں کے پہلو میں دفن ہو، اگر آپ اجازت دیں تو......؟

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا!

''اگرچہ وہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی ہے لیکن عمر کے لیے خوشی سے یہ ایثار گوارہ کرتی ہوں۔''

اس اجازت مل جانے کے باوجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت کی کہ میرے وصال کے بعد میرے جنازہ کو لے جا کر حجرہ کے سامنے رکھنا اور پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کرنا اگر آپ اجازت دے دیں تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر کے ساتھ دفن کر دینا اور اگر اجازت نہ ملے تو کہیں اور دفن کرنا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف متفقہ نقاط کے ساتھ آئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں بہت زیادہ شر پھیل چکا تھا۔ باغیوں نے ساری مملکت اسلامی کا دورہ کیا اور کچھ لوگوں کو ہمنوا بنالیا۔ اس تحریک میں وہ تابعین بھی شامل ہو گئے جو اعلیٰ عہدوں سے محروم تھے اس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حکومت جلد ہی غیر مستحکم ہو گئی۔ المختصر! باغیوں اور ان کے ہم نوالوگوں کی وجہ سے حج کے دنوں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا گیا۔ یہ محاصرہ اڑھائی تین ہفتے جاری رہا اور بلا آخر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کر دیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اماموں کے امام! کہہ کر پکارا کرتی تھیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسند خلافت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی۔ آپ کے ابتدائی زمانہ سے ہی سورشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مصر میں محمد بن ابی حذیفہ نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ شام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آزادی کی تحریک شروع کر دی۔ حجاز میں قاتلانِ عثمان سے قصاص کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ ام المومنین

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت حج کے لئے مکہ گئی ہوئی تھیں واپسی پر راستے میں طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے باغیوں کے ہاتھوں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر انہیں دی اور مدینہ کی خرابی حالات کا ذکر کیا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہا واپس مکہ تشریف لے آئیں۔ جب حالات زیادہ نزاکت اختیار کر گئے تو آپ رضی اللہ عنہا نے اصلاح کی کوشش شروع کر دی۔ آپ نے اس مہم کا آغاز بصرہ کی طرف روانگی سے کیا۔ ایک منزل ختم ہونے پر آپ کے ساتھ تین ہزار کی جمعیت ہوگئی۔ بصرہ پہنچ کر آپ رضی اللہ عنہا نے کوفہ کے رئیسوں کو خطوط لکھے اور بعض کے ہاں خود تشریف لے گئیں جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھیوں کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ ادھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کی تیاری کا پتہ چلا تو وہ بھی اپنے ساتھ مدینہ منورہ سے سات سو افراد کو لے کر چلے جو کہ بصرہ پہنچنے تک بیس ہزار ہو گئے۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے خیمہ زن ہو گئیں۔ اب وہی مسلمان جو غیر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے تھے اپنے بھائیوں سے جنگ کیلئے تیار تھے۔ چونکہ دونوں اطراف سے جنگ کوئی بھی نہیں چاہتا تھا اس لیے صلح کی تحریک شروع ہوئی کیونکہ دونوں فریق اپنے آپ کو حق پر مانتے تھے اس لیے یہ تحریک کافی مشکل تھی۔ بہر حال ایک وفد حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا وہ تو پہلے سے ہی صلح کیلئے تیار تھے۔ اس کے بعد یہ وفد حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا!

''ام المومنین! آپ کی اس مہم سے غرض کیا ہے؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

''عثمان غنی کے قاتلوں کی سزا اور صلح کی دعوت۔''

انہوں نے کہا!

''ام المومنین! غور فرمائیں کہ پانچ سو آدمیوں کو سزا دینے کیلئے پانچ ہزار افراد مارے جا چکے ہیں اور پانچ ہزار کیلئے ہزاروں کا خون مزید بہانہ پڑے گا کیا یہ اصلاح ہے؟''

یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہا صلح کیلئے راضی ہو گئیں۔ (تاریخ طبری، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 3182)

جب اس صلح کی خبر فوج میں قاتلانِ عثمان اور ان کے ساتھیوں کو ہوئی تو انہیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ چنانچہ انہوں نے سازش کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھیوں پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں جنگ جمل جیسی افسوسناک جنگ مسلمانوں کو دیکھنا پڑی۔ جس میں دونوں اطراف کے ہزاروں مسلمان کام آئے۔ اس جنگ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ غالب رہے۔ صلح کے بعد ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پورے اعزاز کے ساتھ مکہ واپس بھیج دیا گیا۔ یہاں کچھ دیر قیام کے بعد آپ رضی اللہ عنہا واپس مدینہ طیبہ آ گئیں اور باقی زندگی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر گزار دی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چار سال تک خلیفہ رہے۔ ان کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ چھ ماہ تک اور پھر ان کی دستبرداری کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تقریباً بیس سال تک خلیفۃ المسلمین رہے۔ اس تمام عرصہ میں اکثر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی رہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تقریباً بیس سال حکومت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری سالوں

میں 58 ہجری رمضان المبارک میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں۔آپ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں بلکہ مسلمانوں کے عام قبرستان میں دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کیا جائے اور رات کو ہی دفن کیا جائے دن کا انتظار نہ کیا جائے۔آپ رضی اللہ عنہا تھوڑے دن بیمار رہیں اور 7 رمضان المبارک بروز منگل 58 ہجری بمطابق 13 جون 678 عیسوی میں نماز وتر ادا کرنے کے بعد فوت ہوئیں۔اس وقت ان کی عمر تقریباً پچھتر سال تھی۔(المعارف، صفحہ نمبر 134)

جیسے ہی لوگوں کو آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کی خبر ملی ہر کوئی اپنے گھروں سے نکل آیا۔آپ رضی اللہ عنہا کی جنازہ رات کے وقت ہی مدینہ کے قائم مقام گورنر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا نے پڑھائی۔آپ رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ روایات کے مطابق اتنا ہجوم پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا۔

طبقات ابن سعد، صفحہ نمبر 52 پر یہ روایت موجود ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ پر اتنا رش تھا کہ روز عید کے اژدھام کا گمان ہوتا تھا۔ام المومنین رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔قاسم بن محمد بن ابی بکر، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن عتیق عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارا جو کہ آپ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور بھانجے لگتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے وصال پر پورا عالم اسلام آبدیدہ اور غم زدہ تھا۔ایک مدنی سے کسی نے پوچھا!

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے وصال پر اہلِ مدینہ نے کتنا غم کیا؟"

اس نے جواب دیتے ہوئے کہا!

"وہ جس جس کی ماں تھی اسی کو ان کا غم تھا۔یعنی تمام مسلمان اس غم میں برابر کے شریک تھے۔"

مسند ام سلمہ، صفحہ نمبر 224 پر یہ روایت موجود ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے وصال پر رونا دونا سن کر بولیں!

"عائشہ کے لئے جنت واجب ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔اللہ تعالیٰ عائشہ پر پر رحمت بھیجے کہ یہ اپنے باپ کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔"

صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث کو ابراہیم بن رشید بن مسلم نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مامن عبد صلی علی صلوٰۃ الاعرج بھا ملك حتی یجیء بھا وجه الرحمن عزوجل فیقول ربنا تبارك وتعالیٰ اذھبوا بھا الی قبر عبدی تستغفر لصاحبھا وتقر بھا عینه))

"جب کوئی شخص درود پڑھتا ہے تو اسے ایک فرشتہ لے کر اوپر کو چڑھتا ہے اور اسے رحمٰن کے حضور میں لے جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے میرے بندۂ مقبول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر پر لے جاؤ تاکہ آپ درود خوان

کے لیے دعائے بخشش کریں اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور حدیث ابو نعیم نے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من صلی علی صلوٰۃ صلت علیه الملائکة ماصلی علی فلیکثر عبد او یقل))

"جو مجھ پر درود پڑھتا ہے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں جب تک وہ درود پڑھتا رہے۔ اب کوئی زیادہ پڑھے یا کم۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حالات: حضرت عبداللہ ابن عمر امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ ان کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون ہے۔ یہ بچپن ہی میں اپنے والد ماجد کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ علم وفضل کے ساتھ بہت ہی عبادت گزار اور متقی و پرہیز گار تھے۔ میمون بن مہران تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

"میں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کسی کو متقی و پرہیز گار نہیں دیکھا۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

"حضرت عبداللہ ابن عمر مسلمانوں کے امام ہیں۔"

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ساٹھ برس تک حج کے مجمعوں اور دوسرے مواقعوں پر مسلمانوں کو اسلامی احکام کے بارے میں فتویٰ دیتے رہے۔ مزاج میں بہت زیادہ سخاوت کا غلبہ تھا اور بہت زیادہ صدقہ وخیرات کی عادت تھی۔ جو چیز پسند آجاتی اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر دیتے۔ آپ نے اپنی زندگی میں ایک ہزار غلام خرید کر آزاد کیے۔ جنگ خندق اور اس کے بعد کے اسلامی معرکوں میں شرکت کی۔ البتہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جولڑائیاں ہوئیں آپ ان میں غیر جانبدار رہے۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں جب حجاج بن یوسف امیر حج بن کر آیا تو آپ نے اسے اس کی غلطی پر دوران خطبہ ٹوک دیا۔ حجاج بن یوسف نے اپنے غلام کے ذریعے ایک زہر آلود تیر سے آپ کے پاؤں کو زخمی کرا دیا۔ اسی زخم کی وجہ سے 74 ہجری میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے تین ماہ بعد آپ نے 84 برس کی عمر میں وفات پائی اور مکہ مکرمہ میں مقام محصب یا مقام ذی طویٰ میں مدفون ہوئے۔

صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث کو امام ابوداؤد نے سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اذا سمعتم الموذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فانی من صلی علی صلوٰۃ صلی اللہ علیه عشرا ثم سلوا اللّٰہ لی الوسیلة فانها منزلة فی الجنة لاینبغی الا لعبد من عباد اللّٰہ وارجوان اکون انا هو فمن سال لی الوسیله حلت علیه الشفاعة))

"جب تم موذن کی اذان سنو تو وہ جو کہے تم بھی وہی کہو پھر (ختم اذان کے بعد) مجھ پر درود پڑھو، جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلے کا سوال کرو۔ وسیلہ جنت

میں ایک درجہ کا نام ہے جو بندگان الٰہی میں سے صرف ایک کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ بیشک جو کوئی میرے واسطے وسیلہ کا سوال کرتا ہے میری شفاعت اس کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے عبداللہ بن احمد نے سند کے ساتھ موقوفاً روایت کیا ہے:

''جو شخص رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس پر ستر دفعہ رحمت بھیجتے ہیں۔ اب کوئی خواہ زیادہ پڑھے یا کم۔''

امام احمد اور ابونعیم نے بھی اس کو موقوفاً روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث وہ ہے جسے حافظ ابوموسیٰ مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جس شخص کی کوئی حاجت ہو اسے چاہئے کہ بدھ، جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھے۔ جمعہ کے دن غسل کرے، مسجد کو جائے اور کم وبیش صدقہ بھی دے۔ پھر نماز جمعہ کے بعد یہ دعا پڑھے:

((اللهم انى اسئلك باسمك بسم الله الرحمن الرحيم الذى لا اله الا هو الحى القيوم لاتاخذه سنة ولا نوم الذى ملات عظمته السموات والارض الذى عنت له الوجوه وخشعت له الاصوات ووجلت القلوب من خشيته ان تصلى على محمد صلى الله عليه وسلم وان تعطينى حاجتيى وهى كذا وكذا))

انشاء اللہ تعالیٰ یہ دعا مستجاب ہوتی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ بھی فرماتے ہیں کہ احمقوں کو یہ دعا نہیں سکھلانی چاہیے کہیں وہ گناہ کے لیے یا قطع رحم کے لیے دعا نہ کرنے لگیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی صلوۃ وسلام کے متعلق حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من صلى على حين يصبح عشرا وحين يمسى عشرا ادركته شفاعتى))

''جو شخص مجھ پر صبح کو دس بار اور شام کو دس بار درود پڑھتا رہے اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔''

طبرانی نے دوسری سند کے ساتھ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اكثروا الصلوٰة على يوم الجمعة فانه يوم مشهود تشهده الملائكة ليس من عبد يصلى على الابلغنى صوته حيث كان قلنا وبعد وفاتك قال وبعد وفاتى ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء))

''جمعہ کے دن درود بکثرت پڑھا کرو کیونکہ وہ یوم مشہود ہے، فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں، جو بندہ درود پڑھتا ہے خواہ وہ کہیں ہو، اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے۔ عرض کیا گیا: آپ کی وفات کے بعد؟ فرمایا: وفات کے بعد بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔''

حضرت سعید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت سعید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی صلوۃ وسلام کے متعلق ایک حدیث ہے جس کو وہ اپنے باپ حضرت عمیر بدری سے روایت کرتے ہیں۔ اس کو عبدالباقی بن قانع نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((من صلی علی صادقاً من نفسه صلی اللہ علیه عشر صلوٰت ورفعه عشر درجات و کتب له بها عشر حسنات))

''جو شخص سچے دل سے مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس بار رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے دس درجے بلند کرتا ہے اور اس کیلئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔''

☆☆☆

صلوۃ وسلام کے متعلق مرسل اور موقوف احادیث کا تذکرہ

حضرت ابو سعید کی روایت:

اسمٰعیل نے سند کے ساتھ حضرت ابو سعید سے روایت کی ہے:

((مامن قوم یقعدون ثم یقومون لایصلون علی النبی ﷺ الا کان علیهم یوم القیامة حسرة وان دخلوا الجنة یرون الثواب))

''جو اشخاص کسی مجلس سے نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے کے بغیر کھڑے ہو جاتے ہیں وہ نشست ان کے لیے قیامت کو حسرت ہوگی، چاہے وہ جنت میں ہی چلے جائیں، حسرت ہوگی جب اس کا ثواب دیکھیں گے۔''

حضرت یعقوب بن زید کی روایت:

علی بن عبداللہ نے سفیان سے روایت کی ہے کہ یعقوب بن زید بن طلحہ تیمی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اتانی اٰت من ربی فقال ما من عبدیصلی علیك صلوٰة الا صلی اللہ علیه بها عشرا فقام الیه رجل قال یارسول اللہ اجعل نصف دعائی لك قال ان شئت قال اجعل ثلثی دعائی لك قال ان شئت قال اجعل دعائی كله لك قال اذا یكفیك اللہ هم الدنیا والاٰخرة))

''میرے رب کی طرف سے آنے والا میرے پاس آیا، پس اس نے کہا کہ جو بندہ بھی آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دس مرتبہ رحمتوں سے نوازتا ہے۔ پس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں اپنی دعا میں سے وقت نکال کر آپ کے درود کے لیے آدھا وقت رکھ لوں؟ فرمایا: اگر چاہو تو زیادہ کرلو! اس نے عرض کیا کہ پھر تیسرا حصہ دعا کے لیے اور باقی سارا وقت درود کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہے تو درود کو بڑھا لو! اس نے عرض کیا: پھر دعا کا سارا وقت آپ پر درود پڑھا کروں گا، آپ نے فرمایا: پس پھر درود کو اللہ تیرے لیے کافی کر دے گا، دنیا اور آخرت دونوں میں۔''

جناب یزید رقاشی کی روایت:

عبدالرحمن بن واقد نے سند کے ساتھ یزید رقاشی سے روایت کی ہے کہ ایک فرشتہ جمعہ کے دن ترجمانی کے لیے مقرر رہتا ہے۔ جو شخص نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتا ہے' اسے نبی کریم ﷺ کے حضور میں پہنچا دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ آپ کا فلاں امتی آپ پر درود پڑھتا ہے۔

حضرت ابن عباس کی روایت:

علی بن مدینی نے سند کے ساتھ طاؤس سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یوں کہتے سنا ہے:

((اللهم تقبل شفاعة محمد الكبرى وارفع درجة العليا واعطه سوله فى الاخرة والالىٰ كما اتيت ابراهيم وموسىٰ عليهما الصلوٰة والسلام))

''الٰہی! محمد ﷺ کی شفاعت کبریٰ کو قبول فرما اور ان کے درجہ علیا کو برتر کر اور آخر و اول میں ان کے جو سوال ہیں ان کو عطا کر' جیسا ابراہیم وموسیٰ علیہ السلام کو تو نے عطا کئے ہیں۔''

حضرت ابراہیم بن الحجاج کی روایت:

ابراہیم بن الحجاج نے ایوب سے روایت کی ہے، وہ کہتے تھے کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک فرشتہ سب پر موکل ہے جو شخص درود پڑھتا ہے اسے نبی کریم ﷺ تک پہنچا دیتا ہے۔

حضرت سہیل کی روایت:

ابراہیم بن حمزہ نے سند کے ساتھ سہیل سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر سلام کرنے (مدینہ منورہ) گیا، حسن بن حسین ایک گھر میں جو (قبر منور) کے پاس تھا' رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے بلا کر کہا: آؤ کھانا کھاؤ۔ میں نے کہا: ''کچھ خواہش نہیں۔''

پھر مجھ سے کہا: تم کھڑے کیوں ہو؟

میں نے کہا: نبی کریم ﷺ پر سلام کرنے کے لیے۔

کہا: جب مسجد میں جاؤ گے سلام کر لینا (کیونکہ روضہ نبی مسجد نبوی کے بالکل قریب ہے)''

پھر کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((صلوا فى بيوتكم ولاتجعلوا بيوتكم مقابر لعن الله اليهود اتخذوا قبور انبيائهم مساجد وصلوا على فان صلاتكم تبلغنى حيث ما كنتم))

''اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور ان کو قبریں نہ بنا رکھو۔ اللہ یہود پر لعنت کرے جنہوں نے انبیائے بنی اسرائیل کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔ تم مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ جہاں کہیں تم ہو گے وہیں سے درود میرے پاس پہنچ جایا کرے گا۔''

حضرت حسن بصری کی روایت:

پھر سند کے ساتھ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بحسب امرء من البخل ان اذکر عنده فلایصلی علی النبی))

''آدمی کے بخیل ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

پھر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے، ہی رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

((کفی به شحا ان یذکرنی قوم فلایصلون علی))

''بخیل ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ کوئی قوم میرا ذکر تو کرے لیکن وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''

پھر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوع روایت کیا ہے:

((اکثروا من الصلوٰة علی یوم الجمعة))

''جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر درود بھیجا کرو۔''

اسمٰعیل نے سند کے ساتھ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے درج ذیل روایت مرسلاً روایت کی:

((اکثروا علی الصلوٰة یوم الجمعة))

''جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر درود بھیجا کرو۔''

حضرت جعفر کی روایت:

پھر امام جعفر عن ابیہ کی روایت سے مرفوعاً درج ذیل حدیث بیان کی:

((من نسی الصلوٰة علی خطی طریق الجنة))

''جو مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔''

پھر دوسری سند کے ساتھ امام جعفر سے **من ذکرت عنده الحدیث** کو روایت کیا ہے۔

حضرت امام محمد بن علی کی روایت:

پھر امام محمد بن علی سے موقوفاً درج ذیل حدیث روایت کی:

((من ذکرت عنده فلم یصل علی خطی طریق الجنة))

''جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا تو وہ جنت کے راستے سے بھٹک گیا۔''

پھر ان ہی سے **من نسی الصلوٰة** کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت:

یحیٰی حمانی کی روایت میں ہے کہ یونس نے حضرت عبداللہ بن عمرو یا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نبی کریم ﷺ پر درود کی کیا کیفیت ہے۔؟

انہوں نے یوں بتلایا:

((اللھم اجعل صلوتك وبركاتك ورحمتك على سيدالمرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين عبدك ورسولك امام الخير وقائد الخير اللھم ابعثه يوم القيامة مقاما محمودا يغبطه به الاولون والاخرون وصل على محمد وعلى ال محمد كما صليت على ابراھيم وال ابراھيم))

''یا اللہ! قائدالخیر، امام الخیر اپنے رسول اور بندے، خاتم النبیین، امام المتقین، سیدالمرسلین پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما اور انہیں قیامت کے دن مقام محمود عنایت فرما جس کی تمام لوگ خواہش کرتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ پر ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی۔''

محمود اور ابراہیم کی روایت:

محمود کی روایت سے ابراہیم نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ سلام تو ہم جان چکے، مگر صلوٰۃ آپ پر کس طرح ہے فرمایا: کہو:

((اللھم صل على محمد عبدك ورسولك واهل بيته كما صليت على ال ابراھيم انك حميدمجيد))

ابوحکیم کی روایت:

قاضی اسمٰعیل نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابوحکیم معاذ قنوت میں درود پڑھا کرتے تھے۔

حضرت کعب کی روایت:

معاذ بن اسید نے سند کے ساتھ نبیہ بن وہب سے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت کعب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ نبی کریم ﷺ کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت کعب نے کہا:

''ہر فجر کو ستر ہزار فرشتے اترتے اور قبر کو گھیر لیتے ہیں۔ اپنے پروں کو قبر منور کے ساتھ لگا دیتے ہیں اور درود پڑھتے رہتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ ستر ہزار فرشتے اور اتر آتے ہیں۔ حتی کہ جب زمین (قیامت کو) شق ہوگی تو نبی کریم ﷺ ستر ہزار فرشتوں کے اندر برآمد ہوں گے اور وہ آپ ﷺ کے گرد و پیش حاضر ہوں گے۔''

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور دیگر صحابہ کی روایت:

مسلم بن ابراہیم نے علقمہ سے روایت کیا ہے کہ ولید بن عقبہ ابن مسعود، ابوموسیٰ وحذیفہ رضی اللہ عنہم کے سامنے عید سے ایک یوم پہلے آیا، کہا: عید قریب ہے نماز کیسے پڑھی جائے گی۔؟

عبداللہ نے کہا: پہلے تکبیر کہو جس سے نماز شروع ہوتی ہے، (پھر اللہ کی حمد کر اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھ پھر دعا) پھر تکبیر کہہ (پھر حمد وصلوٰۃ اور دعا پڑھ) اور تکبیر کہہ اور حمد وصلوٰۃ ودعا کے بعد قرأت پڑھ اور تکبیر کہہ کر رکوع کر۔ پھر دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تین تکبیریں کہہ اور ہر ایک کے درمیان حمد وصلوٰۃ ودعاء پڑھ، پھر رکوع کر۔

حضرت حذیفہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ابو عبدالرحمٰن نے سچ کہا۔

حضرت عبداللہ ابن ابوبکر اور عبداللہ ابن ابی عتبہ کی روایت:

سلیمان بن حرب کی سند سے حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں خیف میں تھا اور ہمارے ساتھ عبداللہ بن ابی عتبہ تھے۔ انہوں نے پھر حمد وثناء کی' پھر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا' پھر دعائیں مانگیں، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

قاسم بن محمد اور یعقوب بن حمدے کی روایت:

یعقوب بن حمدے کی سند سے ہے کہ قاسم بن محمد کہتے تھے:

''یہ مستحب ہے کہ جب آدمی تلبیہ (لبیک پکارنے) سے فارغ ہو تو نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے۔''

قول سیدنا علی المرتضیٰ:

یحییٰ بن عبدالحمید نے سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ جب تم مساجد میں جاؤ تو درود شریف پڑھا کرو۔

عبدالکریم بن عبدالرحمٰن نے سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر ایک دعا اور آسمان میں حجاب ہوتا ہے' جب تک نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے۔ جب درود پڑھا گیا، حجاب اٹھا اور دعا قبول ہوئی۔ جب درود نہ پڑھا تو دعا بھی قبول نہ ہوئی۔ اس کا موقوف ہونا ہی صحیح ہے۔ گو سلام خزاز اور عبدالکریم نے اسے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔

قول علقمہ:

سلیمان بن حرب نے اپنی سند سے علقمہ کا قول نقل کیا ہے کہ مسجد میں جانے کے وقت درج ذیل درود پڑھنا چاہیے:

((صلی اللہ وملئکتہ علی محمد السلام علیک ایھاالنبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ))

قول سیدنا عمر فاروق:

عارم بن الفضل نے سند کے ساتھ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب تم مکہ مکرمہ میں پہنچو تو بیت اللہ کا طواف قدوم سات طواف کے ساتھ کرو اور مقام ابراہیم میں دو رکعتیں پڑھو' پھر صفا کو جاؤ، اس کے اوپر چڑھ کر جب کہ بیت اللہ نظر آتا ہو سات تکبیریں کہو' ہر ایک تکبیر کے درمیانی فاصلہ پر حمد وثناء اور نبی کریم پر درود کے بعد اپنے لیے دعا مانگو' پھر مروہ پر جا کر بھی ایسا ہی کرو۔

عبدالرحمٰن بن عمرو کی روایت:

عبدالرحمٰن بن واقد نے سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عمرو سے روایت کی ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے دس برائیاں محو کرتا اور دس درجے بلند فرماتا ہے۔

سلیمان بن حرب:

سلیمان بن حرب کی روایت سے یوں بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت:

((ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یایھاالذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما))

(سورۃ الاحزاب 56/33)

نازل ہوئی تو عرض کیا گیا: سلام تو ہم جان چکے درود کے لیے کس طرح ارشاد ہے۔؟

فرمایا: پڑھا کرو:

((اللھم اجعل صلوتک وبرکاتک علی محمد کما جعلتھا علی ابراھیم انک حمید مجید))

سعید بن المسیب:

سلیمان بن حرب کی سند سے سعید بن المسیب کا قول مروی ہوا ہے کہ جس دعا سے پہلے نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے وہ زمین وآسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔

ترمذی نے اس کو بروایت سعید اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں مرفوعاً بھی ہے۔ مگر موقوفاً صحیح تر ہے۔

عبیداللہ بن عمر کی روایت:

حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی روایت سے حضرت عبیداللہ بن عمر کی یہ حدیث موقوفاً روایت کی ہے:

((من صلی علی اوسال اللہ لی الوسیلۃ حلت علیہ شفاعتی یوم القیمۃ))

"جس شخص نے مجھ پر درود بھیجا یا میرے لیے وسیلہ کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا قیامت کے دن اس کی شفاعت میرے لیے حلال ہو جائے گی۔"

یزید بن عبداللہ کا قول:

سلیمان بن حرب کی روایت سے یزید بن عبداللہ کا قول بیان کیا ہے کہ وہ لوگ یوں پڑھنا پسند کرتے تھے:

((اللھم صل علی محمد النبی الامی علیہ السلام))

"یا اللہ! اُمی نبی حضرت محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما۔"

قول عبداللہ:

عاصم بن علی المسعودی کی روایت سے عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب تم نبی کریم ﷺ پر درود بھیجو تو اچھی طرح درود بھیجو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ شاید یہی نبی کریم ﷺ کے پیش ہوگا۔ لوگوں نے کہا: ہم کو سکھلا دیجئے۔ کہا پڑھا کرو:

((اللھم اجعل صلوتک وبرکاتک علی سید المرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدک ورسولک امام الخیر وقائد الخیر اللھم ابعثہ یوم القیامۃ مقاماً محموداً یغبطہ بہ الاولون والاخرون اللھم صل علی محمد وعلی ال

محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی اٰل ابراھیم انك حمید مجید اللھم بارك علی محمد وعلیٰ اٰل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی اٰل ابراھیم انك حمید مجید))۔

''یااللہ! اپنے بندے اور رسول' امام الخیر' قائد خیر' خاتم النبیین' امام المتقین' سید المرسلین پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما اور انہیں قیامت کے دن مقام محمود عنایت فرما جس کی تمام لوگ تمنا کرتے ہیں۔ یااللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ یااللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔''

یزید رقاشی کی روایت:

اسمٰعیل نے اپنی کتاب میں یزید رقاشی سے روایت کی ہے:

''ایک فرشتہ جمعہ کے دن مامور ہوتا ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتا ہے وہ نبی کریم ﷺ کو پہنچا دیتا ہے اور عرض کر دیتا ہے کہ فلاں امتی نے یہ درود بھیجا ہے۔''



فضیلت صلوٰۃ وسلام اور ضعیف احادیث کا حکم

احادیث کی جانچ پرکھ:

ابوعبداللہ الرصاع مالکی نے تحفۃ الاخیار فی فضل الصلوٰۃ علی النبی المختار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے فضائل میں وارد ہونے والی تمام احادیث ذکر کر کے فرمایا:

''بعض ضعیف الایمان لوگ بعض احادیث پر جرح وقدح کرتے رہتے ہیں' وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں صحاح میں وارد نہیں ہوئیں، حالانکہ ان کا یہ کہنا بدعقیدگی اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عیب لگانا ہے۔ راہ صواب یہ ہے کہ جس بات کو اکثر علماء تسلیم کر لے اسے تسلیم کر لیا جائے' کیونکہ آنجناب کی امت کی عدالت اس بات سے ان کو منع کرتی ہے کہ وہ سید الرسل پر جھوٹ باندھیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

''جو شخص مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

حاشا وکلا! کہ علمائے کرام جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً جھوٹ بولیں اور علماء کو یہ بھی معلوم ہے، ترغیب سے متعلق احادیث میں ان کی کیا کچھ قدر افزائی فرمائی گئی ہے، پھر بلاشبہ تمام احادیث جس حقیقت پر متفق ہیں، وہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام پر درود بھیجنا کار فضیلت اور اللہ کے ہاں قابل قدر نیکی ہے اور اس کی بارگاہ میں آپ معزز ومکرم ہیں اور بات قطعاً برحق ہے۔ کسی عقلمند کو اس میں شک

نہیں ہوسکتا۔ ہاں! قدر ثواب و بلندی درجات کے بیان میں روایات میں اختلاف ہے۔“

امام نووی کا فرمان:

شیخ الاسلام ابوزکریا النووی رحمہ اللہ نے کتاب الاذکار میں فرمایا:

”علمائے کرام، محدثین اور فقہاء کا فرمان ہے کہ فضائل ترغیب اور ترہیب کے باب میں حدیث ضعیف ہو، موضوع نہ ہو، تو قابل قبول ہے۔ رہے احکام، مثلاً: حلال حرام، بیع، نکاح اور طلاق وغیرہ تو ان میں صرف حدیث صحیح یا حسن پر ہی عمل کیا جائے گا۔ ہاں ایسے مواقع پر کہیں بنابر احتیاط حدیث ضعیف کو بھی لے لیا جائے تو دوسری بات ہے، مثلاً: جب کسی بیع یا نکاح کے مکروہ ہونے پر حدیث ضعیف وارد ہوئی ہو تو بہتر یہی ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے لیکن واجب نہیں۔“

امام ابن حجر مکی کا فرمان:

ابن العربی مالکی نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”حدیث ضعیف پر مطلقاً عمل نہ کیا جائے۔ میں نے اپنے شیخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو بارہا یہ فرماتے سنا اور آپ نے میرے لئے اپنے ہاتھ سے یہ لکھا بھی ہے: ”حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی تین شرائط ہیں: 1: ضعیف شدید نہ ہو، لہٰذا اس سے دو روایتیں نکل جائیں گی جن کو صرف کسی جھوٹے راوی نے بیان کیا یا جس پر جھوٹا ہونے کی تہمت لگ چکی اور جو فحش غلطی کرے۔ 2: کسی اصل عام کے تحت داخل ہو پس اس سے وہ من گھڑت روایات نکل گئیں جن کی کوئی اصل سرے سے ہی نہیں۔ 3: اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھے تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی ایسی بات کی نسبت نہ ہو جائے جو فی الواقع آپ نے فرمائی نہیں۔“

جب ضعیف کے علاوہ کوئی دوسری حدیث نہ ملے:

میں کہتا ہوں:

”امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ جب کوئی دوسری نہ ملے تو ضعیف حدیث پر عمل کرتے تھے، بشرطیکہ وہاں کوئی معارض نہ ہو۔ ان سے مروی ہے کہ لوگوں کی رائے سے ضعیف حدیث مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اسی طرح ابن حزم نے لکھا ہے کہ تمام حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا رائے اور قیاس سے بہتر ہے۔ امام احمد بن حنبل سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کو شہر میں ایک محدث اور ایک صاحب رائے شخص ملا لیکن محدث کا حال یہ ہے کہ اس کو صحیح و سقیم روایت میں امتیاز کرنا بھی نہیں آتا، اب وہ شخص محدث سے مسئلہ پوچھے یا صاحب رائے سے۔؟ انہوں نے فرمایا: صاحب رائے سے نہ پوچھے محدث سے پوچھے۔“

لوگوں کی رائے سے حدیث ضعیف قوی ہے:

ابن عبداللہ ابن مندہ نے ابوداؤد صاحب السنن سے جو امام احمد کے شاگردوں میں سے ہیں، نقل کیا کہ

وہ (ابوداؤد) جب کسی مسئلہ میں قوی روایت نہ پائیں تو ضعیف روایت بھی نقل کر دیتے ہیں اور ان کے نزدیک ایسی روایت لوگوں کی رائے سے زیادہ قوی ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ حیثیت ضعیف میں تین مذہب ہیں:

1: اس پر بالکل عمل نہیں کیا جائے گا۔

2: اس پر مطلقاً عمل کیا جائے گا جب کہ اس مسئلہ میں دوسری کوئی روایت نہیں۔

3: تیسرا مذہب جمہور کا ہے کہ فضائل میں اس پر عمل کیا جائے گا احکام میں نہیں، جیسا کہ یہ بات شرائط کہ ہمراہ پہلے ذکر ہو چکی ہے، رہی موضوع روایت سو اس پر کسی صورت بھی عمل کرنا یا روایت کرنا جائز نہیں، جہاں بھی اسے نقل کیا جائے ساتھ ہی اس کا موضوع ہونا بھی واضح کر دیا جائے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين))

''جو شخص مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو اس کی رائے میں جھوٹی ہے تو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا وہ بھی ہے۔''

اس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اس جملہ میں اس شخص کے لئے کافی وعید شدید موجود ہے جو ایسی حدیث بیان کرے جسے وہ جھوٹا سمجھتا ہے چہ جائیکہ روایت موضوع ثابت ہو اور وہ اس کی تصریح نہ کرے۔

علامہ ابن الصلاح:

علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے (مقدمہ میں) صحیح کی تعریف کرنے کے بعد فرمایا: ''جب محدثین کرام یہ فرمائیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند باقی اوصاف مذکورہ کے ساتھ ساتھ متصل بھی ہے، اس کی شرائط میں سے یہ شرط نہیں کہ نفس الامر میں بھی وہ قطعی الثبوت ہو۔ فرماتے ہیں:

''یونہی جب محدثین کرام کہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں تو یہ اس بات کی قطعیت نہیں کہ وہ نفس الامر میں ہی جھوٹ اس لئے کہ کبھی حدیث نفس الامر میں سچی ہوتی ہے، اس سے مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اُس کی سند شرط مذکور کی رو سے صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔''

فضائل اعمال کی روایت:

امام نووی نے فرمایا ہے:

''جس شخص کو کوئی فضائل اعمال کی روایت پہنچے اسے اس پر چاہے ایک ہی مرتبہ ہو عمل کرنا چاہیے تاکہ اس کی فضیلت کا مستحق ہو جائے، بالکل ہی ترک نہ کرے بآسانی جتنا ہو سکے عمل کرے کیونکہ حضور علیہ السلام کا متفق علیہ صحیح فرمان ہے: ''جس چیز کا میں تمہیں حکم دوں، اس پر جہاں تک ہو سکے عمل کرو۔''

فضیلت والی روایت:

حسن بن عرفہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسلمہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی شے پہنچی جس میں فضیلت تھی اس نے اسے اس امید پر قبول کرلیا کہ ثواب ملے گا تو اللہ تعالیٰ اجر دے گا اگر چہ فی الواقع ایسا نہ بھی ہو۔''

اس حدیث کے کئی شواہد ہیں۔اس کتاب میں درود شریف کی فضیلت سے متعلق جتنی روایات ذکر کی گئی ہیں ان میں ان روایات کا ذکر نہیں کیا گیا جن کے بارے میں موضوع یا سخت ضعیف ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

فتوی الشہاب الرملی:

الشہاب الرملی کے فتاوی میں ہے کہ ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا کہ فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر بھی عمل کیا جائے گا' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ حدیث ضعیف سے حکم ثابت ہو سکتا ہے؟ اگر کہو اس کا یہی مطلب ہے تو ابن دقیقے العید کے اس قول کا کیا جواب ہوگا؟ انہوں نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی شروط پر کلام کرتے ہوئے کہا کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے حکم بھی ثابت ہو سکے۔انہوں نے جواب دیا کہ امام نووی نے اپنی متعدد تصانیف میں بیان کیا ہے کہ محدثین کا اس بات اجماع ہے کہ فضائل وغیرہ کے باب میں بالخصوص ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا اور ابن عبدالبر نے کہا کہ فضائل سے متعلق حدیثوں میں کسی حجت کی ضرورت نہیں اور حاکم نے کہا کہ میں نے ابوذکریا العنبری کو یہ کہتے سنا کہ جو حدیث حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کرے اور کسی حکم کو واجب نہ کرے اور اس میں ترغیب یا ترہیب کا ذکر ہو اس سے چشم پوشی کی جائے گی اور اس کی روایت کرنے میں نرمی برتی جائے گی۔بیہقی نے مدخل میں ابن مہدی کا قول نقل کیا ہے کہ جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال وحرام اور احکام سے متعلق روایت کرتے ہیں تو سند میں سختی کرتے اور راویوں پر تنقید کرتے ہیں اور جب فضائل ثواب اور عقاب کے بارے میں روایت کریں تو سندوں میں نرمی اور راویوں کے بارے میں تسامح کرتے ہیں۔

امام احمد المیمونی سے ضعیف حدیثیں روایت کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ہم اس سلسلہ میں نرمی برت سکتے ہیں یہاں تک کہ کوئی ایسی روایت آجائے جس میں حکم آجائے (تو پھر نرمی نہیں برتیں گے) اور عیاش کی ابن اسحاق سے روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس شخص سے ہم مغازی وغیرہ کی حدیثیں، روایات لکھ لیتے ہیں اور جب حرام وحلال کی بات آجائے تو پھر ہم کو اتنی قوم چاہیے۔''

اور دونوں ہاتھ کی چار چار انگلیوں کی مٹھی بند کی' اس سے معلوم ہوا کہ ابن دقیق العید کا کلام کلام آئمہ کے مطابق ہے جو فضائل اعمال کے بارے میں ہے' یہ بھی معلوم ہوا کہ فضائل اعمال سے مراد ترغیب ترہیب اور ان سے متعلق قصص وغیرہ ہیں۔''

☆☆☆

صحیح احادیث میں درود شریف کیلئے استعمال ہونے والے الفاظ کی تشریح

(مع امہات المومنین وسیدنا ابراہیم کی سیرت)

لفظِ ''اَللّٰھُمَّ'' کا مفہوم اور ابتداء میں اس کے استعمال کی وجہ:

یہ کلمہ دعا میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے، اس کا معنی ہے: یا اللہ! ''اے اللہ!'' میم حرف ندا (یا) کے عوض ہے۔ پس یوں نہیں کہہ سکتے: **اللھم غفور رحیم** مثلاً: ہاں یوں کہہ سکتے ہیں: **اللھم اغفرلی وارحمنی** اس پر حرف ندا نا درہی آتا ہے۔ ندا کے وقت خاص طور پر اس کی ہمزہ کو قطعی مانا گیا ہے، اس کا لام پُر کر کے پڑھا جاتا ہے اور اس پر معرفہ (معرف بالام) ہونے کے باوجود حرف ندا داخل ہو جاتا ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ کے متعلق آیا ہے کہ وہ یوں کہا کرتے تھے:

((**اللھم مجمع الدعاء**))

''اے اللہ دعاؤں کو جمع فرمانے والے!''

حضرت نضر بن شمیل سے منقول ہے کہ جس نے کہا: **اللھم** تو اس نے اللہ سے، اس کے تمام ناموں کے ساتھ سوال کر لیا۔

ابو رجاء عطاروی سے مروی ہے کہ **اللھم** کی میم میں اللہ کے ناموں میں سے ننانوے نام موجود ہیں۔

شیخ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

''اللھم کے معنی میں کچھ اختلاف نہیں کہ اللھم کے معنی یا اللہ ہیں، اسی لئے اس کا استعمال طلب کے مواقع پر ہوتا ہے۔ دیکھو: **اللھم غفور رحیم** نہیں بولتے، بلکہ **اللھم اغفرلی وارحمنی** کہتے ہیں۔

حرف ''م'' جو اس لفظ کا آخری حرف ہے، اس کے بارے میں علمائے نحو کا اختلاف ہے۔ سیبویہ کا قول ہے کہ یہ حرف ندا کے عوض میں بڑھا دیا گیا ہے۔ اسی لیے اس کے نزدیک حرف ندا اور میم کا جمع کرنا درست نہیں، یعنی **یا اللھم** نہیں کہہ سکتے (بجز شاذ کے) اس قسم کے حرف کو جب وہ غیر محل محذوف میں ہو' عوض کہتے ہیں اور جب محل میں ہو تب بدل، جیسے **قام** و**باغ** میں الف' واؤ اور یا کا بدل ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اس اسم کو موصوف کرنا اور **اللھم الرحیم ارحمنی** کہنا جائز نہیں اور نہ اس کا بدل جائز ہے۔ (ہُ) پر جو ضمہ ہے یہ اسم منادی مفرد کی علامت ہے اور میم پر فتح اس لیے دیا گیا کہ یہ میم اور اس کا ماقبل میم ساکن تھے (میم مشدد کو دو میم شمار کیا ہے)، یہ اس اسم اللہ کے خصائص میں سے ہے۔ جیسا کہ یہ اسم مخصوص ہے قسم میں حرف تا سے' اور الف لام تعریف کے ساتھ حرف ندا کے داخل ہونے سے اور ندا میں ہمزہ وصل کے قطع ہونے سے۔ اور تفخیم لام بطور وجوب غیر مسبوق کے صرف اطباق کے ساتھ یہ خلاصہ ہے، خلیل اور سیبویہ کے مذہب کا۔

بعض کہتے ہیں کہ میم ایک جملہ محذوفہ کے عوض ہے یعنی **یا اللہ امنا بخیر** کا مختصر ہے۔ جار و مجرور و مفعول کو محذوف کر دیا اور ''یا اللہ ام'' رہ گیا۔ چونکہ دعا میں اس کا استعمال بکثرت ہوتا تھا اس لیے ہمزہ کو حذف کر دیا

صحیح احادیث میں درود شریف کیلئے استعمال ہونے والے الفاظ کی تشریح

(مع امہات المومنین وسیدنا ابراہیم کی سیرت)

لفظِ ''اللّٰھُمَّ'' کا مفہوم اور ابتداء میں اس کے استعمال کی وجہ:

یہ کلمہ دعا میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے، اس کا معنی ہے: یا اللہ! ''اے اللہ!'' میم حرف ندا (یا) کے عوض ہے۔ پس یوں نہیں کہہ سکتے: **اللھم غفور رحیم** مثلاً: ہاں یوں کہہ سکتے ہیں: **اللھم اغفرلی وارحمنی** اس پر حرف ندا نا درہی آتا ہے۔ ندا کے وقت خاص طور پر اس کی ہمزہ کو قطعی مانا گیا ہے، اس کا لام پُر کر کے پڑھا جاتا ہے اور اس پر معرفہ (معرف بالام) ہونے کے باوجود حرف ندا داخل ہو جاتا ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ کے متعلق آیا ہے کہ وہ یوں کہا کرتے تھے:

((اللھم مجمع الدعاء))

''اے اللہ دعاؤں کو جمع فرمانے والے!''

حضرت نضر بن شمیل سے منقول ہے کہ جس نے کہا: **اللھم** تو اس نے اللہ سے، اس کے تمام ناموں کے ساتھ سوال کرلیا۔

ابورجا عطاروی سے مروی ہے کہ **اللھم** کی میم میں اللہ کے ناموں میں سے ننانوے نام موجود ہیں۔

شیخ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

''اللھم کے معنی میں کچھ اختلاف نہیں کہ اللھم کے معنی یا اللہ ہیں، اسی لئے اس کا استعمال طلب کے مواقع پر ہوتا ہے۔ دیکھو: **اللھم غفور رحیم** نہیں بولتے، بلکہ **اللھم اغفرلی وارحمنی** کہتے ہیں۔

حرف ''م'' جو اس لفظ کا آخری حرف ہے، اس کے بارے میں علمائے نحو کا اختلاف ہے۔ سیبویہ کا قول ہے کہ یہ حرف ندا کے عوض میں بڑھا دیا گیا ہے۔ اسی لیے اس کے نزدیک حرف ندا اور میم کا جمع کرنا درست نہیں، یعنی **یا اللھم** نہیں کہہ سکتے (بجز شاذ کے) اس قسم کے حرف کو جب وہ غیر محل محذوف میں ہو' عوض کہتے ہیں اور جب محل میں ہو تب بدل، جیسے **قام وباغ** میں الف' واؤ اور یا کا بدل ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اس اسم کو موصوف کرنا اور **اللھم الرحیم ارحمنی** کہنا جائز نہیں اور نہ اس کا بدل جائز ہے۔ (ہ) پر جو ضمہ ہے یہ اسم منادی مفرد کی علامت ہے اور میم پر فتح اس لیے دیا گیا کہ یہ میم اور اس کا ماقبل میم ساکن تھے (میم مشدد کو دو میم شمار کیا ہے)، یہ اس اسم اللہ کے خصائص میں سے ہے۔ جیسا کہ یہ اسم مخصوص ہے قسم میں حرف تا سے' اور الف لام تعریف کے ساتھ حرف ندا کے داخل ہونے سے اور ندا میں ہمزہ وصل کے قطع ہونے سے۔ اور تفخیم لام بطور وجوب غیر مسبوق کے صرف اطباق کے ساتھ یہ خلاصہ ہے' خلیل اور سیبویہ کے مذہب کا۔

بعض کہتے ہیں کہ میم ایک جملہ محذوفہ کے عوض ہے یعنی **یا اللہ امنا بخیر** کا مختصر ہے۔ جار و مجرور و مفعول کو محذوف کر دیا اور ''**یا اللہ ام**'' رہ گیا۔ چونکہ دعا میں اس کا استعمال بکثرت ہوتا تھا اس لیے ہمزہ کو حذف کر دیا

اور یا اللھم رہ گیا۔ یہ قول فراء کا ہے۔ اس قول کا قائل اللھم پر حرف یا کا داخل کرنا جائز سمجھتا ہے۔ اس کی حجت شاعر کا قول ہے جس میں یا اللھم کا استعمال کیا ہے۔

بصریوں نے چند وجوہات کی بنا پر اس سے انکار کیا ہے:

پہلی وجہ: اس جملہ کے مقدر ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور قیاس بھی اس کا تقاضا نہیں کرتا' پھر بغیر دلیل کیوں کر مان سکتے ہیں۔

دوسری وجہ: عدم حذف اصل ہے اور ان محذوفات کثیرہ کا مقدر ماننا خلاف اصل ہے۔

تیسری وجہ: دعا مانگنے والا کبھی اپنے لیے' کبھی غیر کے لیے دعائے بد بھی اللھم کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس وقت اس مقدر (امنا بخیر) کا درست ہونا کب صحیح رہے گا۔

چوتھی وجہ: محاورہ جو فصیح وشائع ہے وہ بتلا رہا ہے اور اللھم کو جمع نہیں کرتے۔ اگر فراء کا قول درست ہوتا تو جمع کرنا ممتنع نہ ہوتا بلکہ استعمال فصیح وشائع ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں۔

پانچویں وجہ: دعا کرنے والا اللھم امنا بخیر کہہ کر دعا مانگ سکتا ہے اور کوئی ممتنع نہیں۔ اگر (م) جملہ مقدر کا ہوتا تب دونوں کا جمع کرنا جائز نہ ہوتا، کیونکہ عوض اور معوض عنہ کا جمع کرنا جائز نہیں۔

چھٹی وجہ: دعا کرنے والے کا اس جملہ کی جانب خیال بھی نہیں ہوتا، بلکہ اللھم کہتے ہی اس کی توجہ اپنے مطلوب کی طرف ہوتی ہے۔

ساتویں وجہ: اگر یہ مقدر صحیح ہے تب اللھم کو جملہ تامہ کہنا چاہئے جس پر سکوت کرنا ٹھیک ہے، کیونکہ اسم منادی اور فعل طلب دونوں پر مشتمل ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا کرنا باطل ہے۔

آٹھویں وجہ: اگر جملہ کا مقدر ہونا صحیح ہے تو ضروری ہے کہ فعل امر (م) کو جدا لکھا جاتا اور اسم منادی کے ساتھ وصل نہ کیا جاتا، جیسے یا اللہ قہ' یا زید مہ' یا عمر فہ! کیونکہ فعل کو اس کے ماقبل اسم سے وصل نہیں کیا جاتا۔ ایسا کہ رسم خط میں وہ ایک کلمہ بن جائے۔ اس کی مثال رسم خط میں کوئی نہیں، اسم اللہ کے ساتھ (م) کو وصل کر کے لکھنے پر سب کا اتفاق ہے اور یہ اتفاق ہی بتاتا ہے کہ (م) کوئی مستقل فعل نہیں۔

نویں وجہ: دعا میں نہ تو اسے کہہ ہی سکتے ہیں اور نہ یہ کہنا ہی ہے کہ یا اللہ امنی بکذا یعنی اے اللہ! میری جانب فلاں کام میں توجہ فرما، کیونکہ یہ لفظی ومعنوی طور پر مکروہ ہے۔ ایسا تو صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جسے غلطی ونسیان ہو سکے، لیکن جو پاک ذات ہر فعل کو ارادہ سے کرتی ہے اور جو بھول چوک سے مبرأ ہے، اس کی جناب میں ایسا نہیں کہہ سکتے۔

دسویں وجہ: ہم دیکھتے ہیں کہ اللھم کا استعمال ایسے مقامات پر بھی ہوتا ہے جس کے بعد دعا نہیں ہوتی مثلاً:

((اللھم لك الحمد))

((اللھم انی اصبحت))

((اشھدك اللھم مالك))

((اللھم فاطر السموات والارض))

یہ سب ایسی مثالیں ہیں جہاں جملہ کا مقدر ہونا یا جملہ مقدر کا صحیح ہونا ٹھیک نہیں ہوسکتا۔

بعض کا قول ہے کہ (م) تعظیم وتفخیم کے لیے زیادہ کردیا گیا ہے جیسے زرقم میں جو گہرے نیلے کو کہتے ہیں، اسے زرقہ سے بنایا گیا ہے۔ یا ابنم میں جو ابن سے ہے۔ یہ قول صحیح اور ممکن ہے اور ایک تتمہ کا محتاج ہے، جس میں قائل کے صحیح معنی اور پورے مدعا کو بیان کردیا جائے۔ واضح ہو کہ (م) جمع پر دلالت اور تقاضا کرتا ہے اور اس کا مخرج بھی اس کا متقضی ہے۔ یہ قول اس بنیاد پر ہے کہ لفظ اور معنی کے اندر باہمی مناسبت ہوتی ہے اور عربیت کے اعلیٰ ارکان (فضلاء) کا یہی مذہب ہے۔

ابوالفتح بن جنی نے (م) کی خصوصیتوں میں سیبویہ کی روایت سے ایک جداگانہ باب قائم کیا ہے، پھر اس سے لفظ ومعنی میں انواع تناسب کے ہونے کا استدلال ہے اور پھر لکھا ہے:

''ایک مدت مجھ پر ایسی گزری کہ کوئی لفظ میرے سامنے وارد ہوتا اور میں اس کا موضوع نہ جانتا ہوتا تو میں لفظ کی قوت اور حروف لفظ سے معنی کی مناسبت کا خیال کر کے اس کے معنی نکال لیتا۔ پھر جب تحقیق کرتا تو وہی معنی نکلتے جو میں نے سمجھے تھے یا اس کے قریب قریب۔''

شیخ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن جنی کا قول شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) کو سنایا۔ فرمایا:

''مجھے بھی بارہا ایسا ہی اتفاق ہوا ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے ایک لمبی گفتگو جو بہت ہی نفع بخش ہے۔ لفظ ومعنی کے اندر مناسب اور حرکات کو معانی لفظ سے مناسبت کے بارے میں۔

فرمایا:

اکثر قاعدہ تو یہ ہے کہ ضمہ (پیش) کو جو حرکات میں اقوی ہے، قوی تر معنی کے لیے لاتے ہیں اور فتحہ (زبر) کو جو خفیف ہے، معنی خفیف کے لیے اور کسرہ (زیر) کو معنی متوسط کے لیے۔ عزیعز فتح عین کے ساتھ سخت کو کہتے ہیں۔ ارض عزاز زمین سخت۔ عزیعز کسر عین کے ساتھ ممتنع کو کہتے ہیں۔ ممتنع سخت سے بڑھ کر ہوتا ہے، کیونکہ بعض شے سخت تو ہوتی ہے، مگر سخت شکن کے سامنے سخت نہیں رہتی۔ عزیعز بضم عین کے معنی غلبہ ہیں۔ غلبہ امتناع سے بھی قوی تر ہوتا ہے، کیونکہ کوئی شے فی نفسہ ممتنع بھی ہوتی ہے اور عدو سے محفوظ بھی اور سب پر غالب بھی۔ ان تینوں افعال پر نظر ڈالو کہ غالب ممتنع سے زیادہ قوی تھا' اس کو اقوی حرکات (ضمہ) دیا گیا۔ سخت ممتنع سے کم تھا' اسے ضعیف ترین حرکت (فتحہ) ملا اور ممتنع جو دونوں کے درمیان تھا اسے حرکت وسطی (کسرہ) دی گئی۔

ذِبح بکسر اول: محل مذبوح کو کہتے ہیں اور ذَبح بفتح اول: نفس فعل کو۔ چونکہ جسم عرض سے زیادہ قوی ہوتا ہے، اس لیے قوی کو حرکت قوی دی گئی اور ضعیف کو حرکت ضعیف۔

نِہب بکسر اول: منہوب کو کہتے ہیں۔

نَہب بفتح اول: نفس فعل کو (نہب' بمعنی غنیمت وغارت)

مِلاء بکسر اول: پری، یعنی چیز کو بھر دینے والی۔
مَلاء بفتح اول: مصدر کے لیے ہے جو فعل ہے۔
حِمل بکسر اول: وہ بوجھ جو اٹھانے کے لیے نہایت بھاری ہو۔ اور سر و پشت پر ثقیل۔
حَمل بفتح اول: وہ بوجھ جو خفیف ہو اور اٹھانے والے پر ہلکا، جیسے حمل حیوانات، درخت کا پھل چونکہ حمل حیوان سے مشابہ تر تھا، اس لیے اسے بھی حَمل بفتح ہی کہا گیا۔
حِب بکسر اول: نفس محبوب کو کہتے ہیں۔
حُب بضم اول: مصدر کو۔ محبوب چونکہ بار خاطر نہیں ہوتا بلکہ سب کے نزدیک لطیف و شیریں ہوتا ہے، اس لیے حب کو کسرہ دیا گیا اور محبت میں چونکہ گراں باری اور لزوم ضروری ہے (جیسا کہ قرض دار پر قرض کا اور اسی لیے شیفتگی اور محبت کو بھی عزام کہتے ہیں اور قرض کو بھی۔ غریم مقروض کو بھی کہتے ہیں اور شیفتہ و محبت کو بھی) اور محبت کی گراں باری و شدت و صعوبت ضرب المثل ہے اور اس کو مخلوقات میں عظیم تر بتلایا جاتا ہے اور آہن و سنگ سے بھی زیادہ سخت فرض کیا جاتا ہے۔ متقدمین و متاخرین کے شعروں میں جابجا یہی معانی باندھے گئے ہیں کہ محبت کی برداشت کسی سے بھی ممکن نہیں، یہ وہ بلا ہے جس سے پہاڑ کانپ جائیں اور سمندر پایاب ہو جائیں۔
اس لئے یہی موزوں تھا کہ مصدر کو حرکت اقوی (ضمہ) دی جاتی اور محبوب کو اس سے کم۔
قبض: قبض سکون ثانی کے ساتھ فعل کے لیے۔
قبض: بفتحین مقبوض کے لیے جس طرح حرکت سکون سے قوی ہے، اسی طرح مقبوض مصدر سے۔
سبق: بسکون ثانی فعل ہے (آگے بڑھنا)
سبق: بہ فتحین شرط کا وہ روپیہ جو گھوڑ دوڑ پر لگایا جائے۔
اب تم حجر اور ہوا کو دیکھو کہ ثقیل و شدید کے لیے حروف بھی شدید وضع کیے ہیں اور خفیف الجسم کے لیے حروف بھی ہوائیہ ہیں جو جملہ حروف میں اخف ہوں۔
غرض یہی وجوہ بکثرت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عمر میں برکت دی تو میں اس بارے میں ایک مستقل کتاب لکھوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ! ایسے معانی و مطالب تب سوجھتے ہیں جب ذہن لطیف اور طبیعت صاف ہو، موٹے دماغ کے آدمی یا صرف و نحو کے ابتدائی مسائل کو بلا تامل و تدبیر سیکھ لینے والے کا یہ حصہ نہیں۔ بے شک واضع لغت کی حکمت کو سمجھنا اور لغات باہرہ کے اسرار کا جو اکثر عقول سے مخفی ہیں، مطالعہ کرنا ایسا امر ہے جو فاضل شخص کو دوسروں سے ممتاز بناتا ہے۔
((ومن لم یجعل اللّٰہ لہ نوراً فمالہ من نور))
"جسے اللہ روشنی نہ دے اس کے لیے روشنی کہاں سے ہوگی۔"
پھر دیکھو کہ طویل کو عشنق اور کوتاہ کو بحتر کہا گیا ہے۔ عشنق میں لگاتار تین فتحہ ہیں اور بحتر میں دو ضمہ اور درمیان میں سکون پہلا لفظ تو انفتاح و کشائش دہان اور امتداد آلات نطق اور ایک دوسرے سے عدم رکوب

ظاہر کرتا ہے اور دوسرا لفظ بالکل اس کی ضد ہے۔
پھر دیکھو کہ پہلے تو طویل و کبیر بولتے ہیں اور جب ان میں اضافہ منظور ہو تو (ی) کی جگہ حرف الف کو جس میں طول اور مد بہ نسبت (ی) کے زیادہ ہے لے آتے ہیں اور طوال و کبار بنا دیتے ہیں۔ پھر اگر وہ اور بھی زیادہ نیز نفوس پر بھاری بھی ہو تب اسم اشہب خامہ کو اسی کا جولان گاہ بنایا جائے پھر بھی طے کرنا دشوار ہے اس لیے ہم برسر مطلب آتے ہیں۔
واضح ہو کہ (م) حرف شفتی ہے۔ بولنے والے کے ہونٹ اس کے تلفظ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے عرب نے اس کو علامت جمع بنایا دیکھو:
انت، انتم، هو، هم، ضربت، ضربتم، اياك، اياكم، اياه، اياهم، به، بهم
ارزق: نیلی چیز۔
زرقم: جب نیلاہٹ گہری ہو جائے۔
است: سرین۔
ستهم: کلاں سرین والا۔
اب ان الفاظ پر جن میں (م) ہے غور کرو کہ معنی جمع کس طرح اس سے وابستگی رکھتے ہیں۔
لم بالشئى يلمه: بولتے ہیں جب کسی چیز کو فراہم و جمع کیا جائے۔
لم الله شعته: بولتے ہیں اور مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے متفرق امور کو جمع کر دے۔
دار المومة: وہ مکان ہے جہاں سب لوگ جمع ہو سکیں۔
اكلا لما: قرآن مجید میں ہے، اس کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ اپنا حصہ بھی کھا جائے اور دوستوں کا بھی۔
اصل ان سب کی لم ہے اور یہ جمع ہے۔ اسی سے الم بالشئى ہے یعنی کسی چیز کا وصول اور اجتماع اس کے قریب تک پہنچنا (جیسے لڑکے کا بلوغ تک اور انگور کا پختگی تک) اسی سے لمم ہے جس کے معنی اجتماع کبائر سے نزدیک ہو جانا ہے۔ اسی سے ملمه بنا ہے، جس کے معنی مصیبت و سختی ہیں۔ اور اسی سے لمه ہے، جس کے معنی سر کے گھنے اور بکھرے بال ہیں جو کان کی پٹی سے نیچے ہوں۔ اسی طرح اور الفاظ میں (م) کو دیکھو۔ مثلاً:
البدر التم: جب چاند پورا اور اس کا نور جمع ہو۔
التوام: ایک شکم میں جمع شدہ بچے۔
ام اور ام الشئى ہر چیز کی اصل۔ وہ تنا جس سے شاخیں نکلیں۔ گویا وہ فروع کا جامع ہے۔
ام القرى: مکہ معظمہ۔
ام القرآن: الحمد شریف۔
ام الكتاب: لوح محفوظ۔
ام مثواك: گھر والی۔ جس کے پاس جا کر انسان آرام لے۔ اور جس کے ساتھ اکٹھا ہو کر بیٹھے۔
ام الدماغ: وہ جلد دماغ کو گھیرے رکھتی ہے۔

ام الراس: ایضاً۔

ام الکتاب: آیات محکمات۔

اُم: وہ جماعت جو زمانہ یا خلقت میں متساوی ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

((وما من دآبة فی الارض ولا طئريطير بجناحيه الا امم امثالكم))

(سورة الانعام:386)

''کوئی چوپایہ یا بازوؤں سے اڑنے والا پرندہ نہیں، مگر وہ بھی تمہارے جیسی جماعتیں ہیں۔''

حدیث میں ہے:

((لولا ان الكلاب امة من الامم لامرت بقتلها))

''اگر کتے بھی ایک جنس مخلوق دیگر اجناس جیسے نہ ہوتے تو میں ان کے قتل کا حکم دے دیتا۔''

امام: جس کے اتباع پر مقتدی جمع ہوتے ہیں۔

زم الشیء زمه: تب بولتے ہیں جب کسی چیز کی اصلاح کر کے اس کی تفرق کو جمع کر دیا جائے۔

رمان: انار، کیونکہ اس میں بہت سے دانے جمع اور آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔

ضم الشیء یضمه: یعنی کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ فراہم کرنا۔

هم اور هموم انسان کے وہ تفکرات یا قصد وارادہ جو دل میں مجتمع ہوں۔

احم: سیاہ سانپ۔

حممة: کوئلہ۔

حمم رأسه: جب سر منڈانے کے بعد کھوپڑی بالوں سے سیاہ ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ سیاہ رنگ بینائی کو جمع رکھتا ہے اور متفرق ہونے نہیں دیتا۔

غرض یہ بات بہت طویل ہے اور اسے مذکورہ بالا بیان پر ہی ہم مختصر کرتے ہیں۔

جب (م) کی شان یہ ہے تو اسے اللہ کے پاکیزہ نام کے ساتھ جس کے وسیلہ سے ہر ایک حاجت کا سوال مالک الملک سے کیا جاتا ہے شامل کر دیا گیا تاکہ یہ (م) تمام اسماء وصفات کی جامعیت پر اشارہ کرتا رہے۔ گویا جب قائل وسائل نے اللھم کہہ دیا تو اس نے یہ کہہ دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کو جو اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کا مالک ہے اس کی تمام اسماء وصفات کے ساتھ پکارتا ہوں۔ یہی مطلب حدیث سے نکلتا ہے:

((اللهم انی عبدك وابن عبدك وابن امتك ناصيتی بيدك ماض فی حكمك عدل فی قضاء ك اسالك بكل اسم هو لك سميت به نفسك او انزلته فی كتابك اوعلمته احدا من خلقك اواستاثرت به فی علم الغيب عندك ان تجعل القرآن العظيم ربيع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذهاب همی وغمی))

''یا اللہ! میں تیرا بندہ، تیرے بندے اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، تیرے حکم چلتے ہیں اور تو عدل کیا کرتا ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر ایک نام کے طفیل جو تیرا ہے، جس سے تو نے اپنی ذات

کو موسوم کیا ہے یا کسی کتاب میں اتارا ہے یا کسی بندہ کو سکھلایا ہے یا اپنے علم غیب میں تو نے اسے چھپایا ہے سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے لیے نو بہار دل اور نور سینہ اور غم و رنج فکر واندوہ کا زائل کر دینے والا بنا دے۔''

اس دعا کو پڑھنے سے کسی بندہ کو ہرگز کوئی رنج وغم نہیں جو پہنچا ہے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہر قسم کی پریشانی دور کر دیتا ہے اور اس کے عوض میں اسے خوشی اور سکون عطا کر دیتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! کیا ہم اس دعا کو نہ سیکھ لیں۔؟''

فرمایا:

''لازم ہے کہ جو اسے سنے وہ سیکھ لے۔''

غرض یہ کہ دعا مانگنے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے سب اسماء وصفات کے ساتھ سوال کرے۔

((اللھم انی اسئلك بان لك الحمد لااله الاانت الحنان المنان بديع السموات والارض ياذاالجلال والاكرام ياحی ياقيوم))

''یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ حمد تیرے لیے ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' نہایت شفقت فرمانے والا' نہایت احسان کرنے والا' آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا۔ اے جلال وعزت کے مالک! اے زندہ رہنے والے' قائم رکھنے والے!''

دیکھو یہ کلمات کیسے اسماء حسنیٰ پر مشتمل ہیں۔

واضح ہو کہ دعا کی تین اقسام ہیں:

پہلی قسم: اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء وصفات کے ساتھ سوال کیا جائے۔ چنانچہ آیت:

((وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا))

کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے۔

دوسری قسم: اللہ تعالیٰ کے سامنے صرف اپنی حاجت وفقر بیان کر کے سوال کیا جائے اور یوں کہے کہ میں تیرا بندہ' فقیر' مسکین' عاجز وذلیل' حقیر وبیچارہ ہوں۔

تیسری قسم: صرف جماعت کا بیان کرے اور پہلی دونوں صورتیں اس میں نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت دوسری سے اور دوسری صورت تیسری سے اکمل ہے اور جس دعا میں یہ تینوں امور جمع ہو جائیں گے تو وہ کامل تر ہوگی۔ نبی کریم ﷺ کی تمام دعاؤں کا یہی حال ہے۔ مثلاً: اسی دعا کو لو جو آنحضرت ﷺ نے صدیق امت رضی اللہ عنہ کو سکھلائی کہ اس میں ہر سہ امور ہیں' **ظلمت نفسی ظلماً کثیراً** کہا، یہ سائل کی حالت کا بیان ہے **وانہ لا یغفر الذنوب الاانت** کہا، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ پھر **فاغفر لی** کہا، یہ سوال حاجت ہے۔ پھر دعا کو اسماء حسنیٰ میں سے دو اسماء غفور رحیم پر جو مطلوب سے تناسب رکھتے تھے اور مقصد کا تقاضا کرتے ہیں، ختم فرمایا۔

سلف میں سے بھی ایک سے زیادہ کا یہی مذہب ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللھم تو تمام دعا کا جامع ہے۔ ابورجاء عطاردی کا قول ہے کہ جس نے اللھم کہہ دیا اس نے اللہ تعالیٰ کو تمام اسماء کے ساتھ پکار لیا۔

ایک گروہ نے اس قول میں یہ توجیہہ نکالی ہے اللھم کا (م) اس جگہ بجائے (و) ہے، جو جمع پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ (و) جمع کے مخرج سے ہے۔ گویا دعا مانگنے والا یہ کہا کرتا ہے کہ یا اللہ! تیرے لیے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا مجتمع ہیں۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ وہ علامت جمع (و۔ن جیسے مسلمون وغیرہ میں ہے) کا عوض ہے۔

لیکن جس طریق پر ہم ذکر کر چکے ہیں کہ خود (م) ہی جمع پر دلالت کرتا ہے پھر اس توجیہہ کی کچھ ضرورت باقی نہیں رہتی۔

باقی رہا یہ سوال کہ مذہب صحیح کے موافق (یا) اور (م) کا اللھم میں جمع کرنا کیوں جائز نہیں؟ جواب یہ ہے کہ قیاس اسی کا تقاضا کرتا ہے کہ اس اسم پر حرف ندا داخل نہ ہو، کیونکہ الف ولام اس جگہ موجود ہے، اور چونکہ دعا میں اس اسم کے استعمال کی کثرت ہے اور مستغیثین اپنے استغاثہ میں اس کے لیے مضطر ہوتے ہیں، ایسی حالت میں دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں:

1: یا تو الف ولام کو حذف کر دیتے، لیکن یہ ٹھیک نہ تھا کیونکہ دونوں میں لزوم ہو گیا ہے۔

2: یا اس پر حرف یا بڑھا دیتے ہیں، لیکن یہ بھی ٹھیک نہ تھا، کیونکہ اسم میں جو الف ولام سے محلی ہو۔ مثلاً الرجل، الرسل، النبی کی ندا میں تو حرف یا کو پہلے بڑھا دیا جاتا ہے لیکن اعلام میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے فضلاء نے اس اسم میں ضرورۃً قیاس کا خلاف کیا اور میم مشدد کو ہی جو علامت جمع کے عوض آخر میں بڑھا دیا گیا تھا، حرف ندا کا عوض بھی قرار دیا اور حرف نداء (و)، (م) میں جمع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ (ابن قیم کا کلام ختم ہوا۔)

صلوٰۃ کا معنیٰ:

امام راغب نے کہا:

”لغت میں صلوٰۃ کے معنی ہیں: دعا، تبریک، بڑائی بیان کرنا۔ جب اللہ کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی ہے: پاک کرنا (تزکیہ) فرشتوں کی طرف منسوب ہو تو استغفار (بخشش چاہنا)۔ لوگوں کی طرف سے صلاۃ کا معنی ہے: دعا۔“

الماوردی نے کہا:

”یہ لفظ کئی معنوں میں مشترک ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ اللہ کی طرف نسبت ہو تو رحمت، فرشتوں کی طرف سے استغفار، اہل ایمان کی طرف سے ہو تو دعا۔“

علامہ زمخشری نے فرمایا:

صلاۃ کا معنی ہے: رحمت ورأفت۔ اسی سے ہے لوگوں کا قول: صلی اللہ علیک کہ اللہ آپ پر رحمت ورافت فرمائے۔“

تمام اقوال میں بہتر قول ابو العالیہ کا قول ہے کہ اللہ کا اپنے نبی علیہ السلام پر درود کا معنی ہے: سرکار علیہ السلام کی

عظمت وتعریف بیان کرنا، فرشتوں وغیرہ کے درود کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ سے اس کو طلب کرنا اور طلب سے مراد اصل صلوٰۃ طلب کرنا نہیں، بلکہ اس میں اضافہ طلب کرنا ہے۔

قاضی عیاض نے بکر قشیری کا قول نقل کیا ہے:

''صلاۃ جب اللہ کی طرف سے نبی کریم علیہ السلام پر ہو تو اس کا مطلب ہے: زیادہ شرف کرامت سے مشرف فرمانا اور نبی کریم علیہ السلام کے علاوہ دوسروں پر صلاۃ کا معنی ہے رحمت کرنا، اس تقریر سے نبی علیہ السلام اور باقی اہل اسلام میں فرق ظاہر ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے:

((ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی))

''بے شک اللہ اور اس کے تمام فرشتے اس غیب کی خبریں دینے والے (نبی) پر درود بھیجتے ہیں۔''

((ھو الذی یصلی علیکم وملئکتہ))

''وہی تو ہے جو تم پر صلاۃ بھیجتا ہے۔''

اور یہ بات معلوم ہے کہ جو درود حضور علیہ السلام کی شان کے لائق ہے اس کا درجہ دوسروں کی بہ نسبت بہت بلند و برتر ہے۔ الحلیمی نے شعب الایمان میں کہا:

''عربی زبان میں صلاۃ کا معنی ہے: تعظیم، متعین۔ مشہور صلاۃ (نماز) کو صلاۃ کا نام اس لیے دیا گیا ہے، کیونکہ اس میں نمازی جھکتا ہے یعنی کمر کو ٹیڑھا کرتا ہے، کیونکہ جب چھوٹا بڑے کو دیکھ کر جھکتا ہے تو عادتاً اس کو تعظیم وتکریم ہی سمجھا جاتا ہے۔ پھر لوگوں نے نماز میں ہونے والی قرأت کو بھی صلاۃ کا نام دے دیا جب کہ عموماً قیام، قعود، (سجود) وغیرہ میں رب کی تعظیم ہے، پھر علماء نے اس میں وسعت پیدا کر دی اور دعا کو بھی صلاۃ کہنے لگے کہ اس میں بھی جس سے دعا کی جائے اس کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ اس میں اس چیز کی عظمت ثابت ہوتی ہے جس کے حصول کی دعا مانگی جائے، کیونکہ وہی چیز مانگی جاتی ہے، جس کی خواہش ہو مثلاً اللہ کا فضل اور اس کی نظر کرم۔ پس اللہ کیلئے صلوٰت کا معنی وہ اذکار ہیں جن میں اس ذات کی تعظیم کا اظہار ہو، اور اس کی جلالت شان کا اعتراف ہو اور بلند مرتبت ہونے کا اعلان ہو۔ ان تمام باتوں کا حقیقی حقدار اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا یہ استحقاق ذاتی کسی اور کو حاصل نہیں۔ پھر جب ہم کہتے ہیں: اللھم صل علی محمد تو اس سے ہماری مراد ہوتی ہے: اے اللہ! محمد ﷺ کو دنیا میں بڑائی عطا فرما، ان کا ذکر بلند کر، ان کے دین کو غلبہ دے کر اور ان کی شریعت کو محفوظ و نافذ فرما کر اور آخرت میں امت کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما کر اور اجر عظیم عطا فرما کر اور ثواب دے کر اور مقام محمود پر فائز کر کے پہلوں، پچھلوں سب پر ان کی فضیلت آشکارا کر کے اور تمام مقربین پر جو موجود ہوں گے ان کو مقدم فرما۔ یہ تمام کمالات اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو (ہماری دعا کے بغیر ہی) عطا فرما دیئے ہیں، لیکن ان میں سے ہر کمال میں کئی درجات و مراتب ہیں، تو ممکن ہے کہ جب کوئی امتی سرکار پر درود بھیجتا ہے اور اس کی یہ دعا قبول ہو جاتی ہے تو نبی کریم علیہ السلام کے ان تمام کمالات و فضائل میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، ترقی و اضافہ کر دیا جائے۔ لہٰذا یہ درود شریف بھی ان اعمال میں شامل ہو گیا، جن سے مقصود، حضور علیہ السلام کا حق ادا کرنا ہے (جتنا ہو جائے) اور اس کے

ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔ یہ دلیل ہو جائے گی کہ جب ہم: ''اللهم صل علی محمد صلاةً منك عليه'' الٰہی! محمد پر اپنی طرف سے درود بھیج، کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے ہم ایسی چیز نہیں پہنچا سکتے جس سے حضور کی شان عظیم اور مرتبہ بلند ہو جائے، یہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہماری حضور پر ''صلاۃ'' بس ان کے لئے دعا مانگنا ہے کہ ایسا ہو جائے اور اللہ سے طلب کرنا ہے۔ رسول اللہ پر درود شریف کی ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ کہا جائے: الصلوٰة علی رسول الله صلی الله علیه وسلم جیسے کہا جاتا ہے: السلام علی رسول الله، السلام علی فلان۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((اولئك عليهم صلوٰت من ربهم ورحمة))

''ان پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں۔''

اس کا معنی ہوگا:

''رسول اللہ پر رحمت ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: ''صلی الله علیه'' یعنی اللہ کی رحمت ہوئی، یا اللہ کی طرف سے آپ پر رحمت ہونی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے سامنے تمنا کا مطلب ہے: سوال کرنا۔ دیکھتے نہیں کہ کہا جاتا ہے: ''غفر الله لك ورحمك'' یہ دراصل: اللهم ارحمه ''الٰہی! اس پر رحم فرما'' کے قائم مقام ہوتا ہے۔ واللہ اعلم''

ان کا قول کہ حضور علیہ السلام پر درود بھیجنے کا مطلب حضور کی تعظیم بجالانا ہے۔ ہمارے شیخ حافظ ابن حجر نے فرمایا:

''حضور علیہ السلام پر ''آله وازواجه وذريته'' کا عطف کرنا غلط نہیں، کیونکہ ان کی تعظیم کی دعا مانگنا منع نہیں کہ ہر ایک کی تعظیم اس کے مرتبے کے مطابق ہوتی ہے۔''

ابو العالیہ کا گزشتہ قول زیادہ واقع ہے کہ اس سے یہ مفہوم حاصل ہوتا ہے کہ ایک ہی لفظ کو اللہ، فرشتوں اور اہل ایمان جنہیں درود و سلام بھیجنے کا حکم ہوا ہے تینوں کیلئے ایک ہی معنی میں استعمال کرنا جائز ہے۔

صلاۃ کا معنی اگرچہ رحمت ہے، لیکن اس بات میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آیا نبی کریم علیہ السلام کے لئے لفظ رحمت سے دعا مانگنا جائز ہے؟ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

''قاضی عیاض نے فرمایا: ''ان احادیث میں نبی کریم علیہ السلام پر رحمت کا ذکر نہیں آیا، ہاں بعض غریب حدیثوں میں آتا ہے۔ ہمارے شیوخ نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا نبی علیہ السلام کیلئے رحمت کی دعا مانگنا جائز ہے؟ بعض اس طرف گئے ہیں کہ ناجائز ہے، یہی مذہب مختار ہے ابو عمر بن عبد البر کا۔ دوسروں نے اسے جائز قرار دیا ہے اور یہی مذہب ہے ابو محمد بن ابو زید کا۔ اکثریت (ناجائز کہنے والوں) کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے اپنے اوپر درود پڑھنے کی تعلیم دی ہے اس میں رحمت کا ذکر نہیں، اور مذہب مختار یہی ہے کہ رحمت کا ذکر نہ کیا جائے۔ ابن حجر نے الدر المنضور میں فرمایا: جان لیجئے کہ حافظ ابن عبد البر اس طرف گئے ہیں کہ حضور علیہ السلام کیلئے رحمت کی دعا مانگنا منع ہے۔ باقی علماء نے ان کا رد کیا ہے، کیونکہ صحیح حدیثوں میں اس کا ثبوت ہے جن میں سے صحیح تر حدیث تشہد ہے: السلام علیك ایها النبی ورحمة

اللہ ،ایک دلیل اس اعرابی کا قول ہے:اللھم ارحمنی وارحم محمد الٰہی ! مجھ پر اور محمد پر رحم فرما۔اور حضور علیہ السلام نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔یونہی حضور علیہ السلام کا فرمان:''اللھم انی اسالك رحمة من عندك اللھم ارجو رحمتك یا حی یا قیوم برحمتك استغیث'' امام شافعی کے رسالہ کے خطبہ میں ہے:''صلی اللہ علیہ ورحم و کرم و نعم'' امام شافعی کے کلام کا مقتضی ایسا ہی ہے، جیسے حدیث تشہد کہ اس میں جائز ہے کہ لفظ صلاۃ وسلام کو ملایا جائے، ورنہ تشہد جائز نہیں۔اس بات کو سب نے اختیار کیا ہے، بلکہ قاضی عیاض نے الاکمال میں جمہور کا مسلک یہی نقل کیا ہے۔القرطبی نے کہا: یہی صحیح ہے اور امام غزالی نے ایک کو ذکر کرنا ناجائز قرار دیا ہے،فرمایا: محض رحمت بھیجنا جائز نہیں، اللہ کا فرمان اس پر دلیل ہے:

((لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضًا))

''رسول کو اس طرح (عامیانہ پن سے) مت پکارو، جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔''

صلاۃ کا معنی اگرچہ رحمت ہے،مگر حضور علیہ السلام اس سلسلہ میں دوسرے نبیوں کی طرح خصوصی تعظیم وتکریم سے نوازے گئے ہیں، اور ان کا بلند مرتبہ دوسروں سے ممتاز کیا گیا ہے۔اللہ کی ان پر صلاۃ وسلام ہو کہ صلاۃ ان کے حق میں محض رحمت کے معنی میں نہیں بلکہ خاص معنی مراد ہے۔ہاں اعرابی کا ظاہری قول جو گزر چکا کہ الٰہی! مجھ پر اور محمد پر رحم فرما،اور حضور علیہ السلام کا تائید فرمانا، حضور علیہ السلام کیلئے رحمت کی دعا مانگنے کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔اگرچہ اس کے ساتھ درود وسلام کو نہ ملایا جائے، یہ وجہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔حضور علیہ السلام کی تائید خاص ہے، لہٰذا اس عام پر مقدم ہے جو آیت کریمہ:لا تجعلوا دعاء الرسول میں ہے۔مناسب یہ ہے جن لوگوں نے حضور علیہ السلام کیلئے صرف رحمت کی دعا کو منع کیا ہے ان کا مطلب یہ لیا جائے کہ وہ رحمت جو باقی لوگوں کیلئے حاصل ہے ویسی ہی رحمت کا سوال حضور علیہ السلام کیلئے کرنا منع ہے یا وہ رحمت جو بالا و برتر درجہ کی نہ ہو۔''

سوال: حضور علیہ السلام کیلئے نزول رحمت کی دعا مانگی جاتی ہے حالانکہ آپ تو خود سراپا رحمت ہیں۔؟

جواب: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((وما ارسلنك الا رحمة للعالمین))

کیونکہ حضور علیہ السلام کا رحمۃ العالمین ہونا بھی تو اللہ کی ایک رحمت ہے، اس کے علاوہ اللہ کی سرکار پر اور بھی کئی رحمتیں ہیں، لہٰذا جب اللہ سے حضور علیہ السلام کیلئے رحمت مانگی جاتی ہے تو دراصل دوسری قسم کی رحمتوں کا سوال ہوتا ہے۔

الزرکشی نے الخادم میں کہا ہے کہ علامہ ابن عبدالبر، ابوالقاسم انصاری شارح الارشاد اور قاضی عیاض نے جمہور کا جو مسلک نقل کیا ہے اس کے مطابق تنہا حضور علیہ السلام کے حق میں رحمت کی دعا مانگنا منع ہے۔ان حضرات پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اعرابی کا یہ قول نقل کیا ہے:

((اللھم ارحمنی وارحم محمدًا ولا ترحم معنا احدًا))

''الٰہی مجھ پر اور محمد پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ فرمانا۔''

حضور علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

((لقد حجرت واسعاً))

''تو نے وسیع کو تنگ و محدود کر دیا ہے۔''

لیکن حضور علیہ السلام نے اپنے متعلق اس کی دعائے رحمت پر انکار نہیں فرمایا۔ پھر اس مذکورہ قول کا رد کیا کہ رحمت علیہ (میں نے حضور پر رحمت بھیجی) نہیں کہنا چاہیے فرمایا کہ لفظ رحمت صلاۃ کے معنی کو متضمن ہے تو جس طرح لفظ صلاۃ متعدی ہوسکتا ہے، اسی طرح لفظ رحمت بھی متعدی ہوسکتا ہے اور اس سوال کا کہ ترحمت میں تکلف کا معنی پایا جاتا ہے یہ جواب دیا کہ اس میں یا اس جیسے دوسرے الفاظ میں جو آتا ہے مثلاً: تکبر یہ تصنع یا تکلف کیلئے نہیں آتا بلکہ تخصیص و تعین کیلئے آتا ہے یا یہ بالکل زائد ہے جیسے قرب المکان اور استقر بالمکان (کہ دونوں کا معنی ہے مکان میں ٹھہرنا، جاگزیں ہونا)''

حافظ ابن عبد البر نے کہا:

''کسی کیلئے یہ جائز نہیں کہ جب نبی کریم علیہ السلام کا ذکر کرے تو یہ کہے: رحمہ اللہ، اللہ حضور پر رحم فرمائے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے یہ تو فرمایا ہے: **من صلی علی** یہ نہیں فرمایا: **من ترحم یامن دعالی** کہ جس نے میرے لئے رحم مانگا یا دعا مانگی۔ صلاۃ کا معنی اگرچہ رحمت ہوتا ہے مگر حضور علیہ السلام کی عظمت کے پیش نظر آپ کیلئے خصوصی طور پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے (بخلاف دوسروں کے کہ ان کیلئے دعا کا لفظ آتا ہے) پس اس کو چھوڑ کر کسی اور لفظ کی طرف عدول نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے:

((لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً))

''رسول کو آپس میں ایسے مت پکارو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔''

یہ دعا صلاۃ کی صورت میں تو جائز ہے تنہا جائز نہیں۔ احناف کی کتابوں میں سے ذخیرہ میں محمد بکر کے حوالہ سے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس میں نقص کا احتمال ہے کیونکہ عام طور پر رحمت کی دعا قابل ملامت کام کرنے والے کیلئے مانگی جاتی ہے۔ رہا اعرابی کا قول اور صحیح میں اس کی حدیث:

((اللھم ارحمنی وارحم محمداً))

''الٰہی! مجھ پر اور محمد پر رحم فرما۔''

سو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس میں حضور علیہ السلام کیلئے پہلے کے تابع کر کے دعا مانگی گئی ہے (براہ راست نہیں)۔ رہا ابوداؤد کی حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان جو دو سجدوں میں آپ فرمایا کرتے تھے:

((اللھم اغفرلی وارحمنی))

''یا اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔''

ہمارے شیخ نے فرمایا:

''حافظ ابن عبد البر پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کیلئے رحمت و مغفرت کی دعا سے منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ حدیث تو شریعت کی تشریح اور امت کی تعلیم کیلئے لائی گئی ہے کہ ایسے مقام پر وہ کس

طرح دعا مانگا کریں۔ نیز اس میں حضور علیہ السلام کی اپنے رب کے حضور کسر نفسی و عاجزی کا اظہار ہے، رہ گئے ہم، تو ہم صرف اس لفظ صلاۃ سے ہی حضور کیلئے دعا مانگیں گے جس کا ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ اسی میں آپ کی شایانِ شان تعظیم و تکریم اور شوکت کا اظہار ہے اور یہی آپ کی بارگاہِ عظمت پناہ کے لائق ہے۔ ابو بکر بن العربی اور ہمارے اصحاب میں سے الصید لانی نے اس مسئلہ میں حافظ ابن عبد البر کی موافقت کی ہے، اسے الرافعی نے شرح میں نقل کیا ہے اور نووی نے الاذکار میں اس کی تائید کی۔"

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

لغت کے اعتبار سے اس لفظ کی اصلیت دو معنی ظاہر کرتی ہے:

1: دعا و تبریک۔ 2: عبادت۔

پہلے معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((وصل علیهم ان صلوتك سكن لهم))

"ان کو دعا دیجئے کیونکہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے۔" (التوبۃ: 103/9)

اور فرمایا:

((ولا تصل على احدمنهم مات ابدا))

"ان میں جب کوئی مرجائے تو ہرگز ان کے حق میں دعا نہ کیجئے۔" (التوبۃ: 84/9)

حدیث شریف میں ہے:

((اذا دعی احد کم الی الطعام فلیجب فان کان صائماً فلیصل))

"جب تم میں سے کوئی کسی کھانے کے لیے طلب کیا جائے تو چاہئے کہ دعوت قبول کر لے اور اگر روزہ دار ہو تو دعا کرے۔"

فلیصل کی ایک شرح یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ کھاتے رہیں اور یہ درود پڑھتا رہے۔

بعض نے کہا ہے کہ "صلوٰۃ" کے معنی لغت میں صرف دعا ہیں۔ اور دعا کی دو اقسام ہیں:

1۔ دعائے عبادت۔

2۔ دعائے مسالت۔

یعنی جیسے عابد کو داعی کہتے ہیں، ایسے ہی سائل کو بھی۔ چنانچہ ادعونی استجب لکم کی تفسیر دونوں طرح کی گئی ہے، یعنی اطاعت و عبادت کرو، میں تم کو ثواب دوں گا۔ یا یہ کہ سوال کرو اسے منظور کروں گا۔ اسی طرح اجیب دعوۃ الداع اذادعان کی تفسیر بھی ان ہی دونوں معنی سے کی گئی ہے، مگر صورت یہ ہے کہ دعا ہر دو نوع پر عام ہے اور یہ لفظ متواطی ہے جس میں کچھ اشتراک نہیں۔

عبادت کے معنی میں لفظ دعا کا استعمال آیات ذیل میں ہوا ہے:

((قل ادعوا الذين زعمتم من دون الله لا يملكون مثقال ذرة فی السموات ولا فی الارض))

''کہہ دیجئے بلاؤ ان کو جنہیں تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو، وہ تو آسمانوں اور زمین پر ایک ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے۔'' (سورۃ السباء، 22/34)

((والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون)) (سورۃ النحل: 20/16)

''جو لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا اوروں کی انہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود پیدا شدہ ہیں۔''

((قل مایعبوا بکم ربی لولا دعاؤکم))

''کہہ دیجیے کہ میرے رب کو تمہاری کچھ پرواہ نہیں اگر تم اس سے نہ بھی دعا مانگو۔ (اس کی عبادت نہ کرو)'' (سورۃ الفرقان: 77/25)

اس آیت کے صحیح معنی یہ ہیں کہ اگر تمہاری عبادت خاص اس کے لیے نہیں تو اللہ کو تمہاری کیا پروا ہے۔ اس معنی میں مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے:

((ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ))

''اپنے پروردگار کی عبادت گریہ وزاری اور پوشیدگی سے کرو۔'' (سورۃ الاعراف: 55/7)

((وادعوہ خوفاً وطمعاً))

''اللہ کی عبادت خوف اور طمع کے ساتھ کرو۔'' (سورۃ الاعراف: 96/7)

((ویدعوننا رغباً ورھباً))

''عبادت ہماری رغبت اور خوف سے کرتے ہیں۔'' (سورۃ الانبیاء: 90/21)

یہ طریق کہ صلوٰۃ کے لغوی معنی صرف دعا ہیں اور دعا کی اقسام دو ہیں، پہلے طریق سے اچھا ہے جس میں دعا کے مسمی کے خلاف کا دعویٰ ہے اور اسی سے وہ تمام مشکلات جو صلوٰۃ شرعیہ کے اسم پر وارد ہوتی ہیں (یعنی حقیقت لغوی سے منتقل کر کے پھر اسے حقیقت شرعی قرار دیا جائے) زائل ہو جاتی ہے اور اس طریق میں لفظ صلوٰۃ لغوی معنی (دعا) پر باقی رہتا ہے۔ (دعا کا معنی عبادت اور سوال ہونا اوپر ثابت ہو گیا) پس یہ معنی صلوٰۃ کے حقیقت ہوئے نہ کہ مجاز۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک مخصوص عبادت کے ساتھ اسم صلوٰۃ کو خاص کر دیا گیا ہے جیسا کہ دیگر تمام الفاظ کو اہل لغت وعرف اس کے بعض مسمی کے ساتھ خاص کر دیا کرتے ہیں۔ جس کی مثال الفاظ دابۃ رأس وغیرہ سے مل سکتی ہے۔ تو گویا یہ بھی تخصیص لفظی ہی ہے اور لفظ کو ایک نہ ایک موضوع پر مقرر کر دیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ موضوع اصل سے نقل وخروج نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔!

صلوٰۃ کے جو معنی بیان ہوئے یہ تو آدمی کی طرف سے صلوٰۃ کے ہیں۔ رہی حق سبحانہ کی صلوٰۃ بندوں پر، اس کی دو قسمیں ہیں۔ عامہ اور خاصہ۔

عام تو اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ مومنوں پر ہے۔ فرمایا:

((ھو الذی یصلی علیکم وملئکتہ))

''اللہ اور اس کے فرشتے تم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔'' (سورۃ الاحزاب: 43/33)

حدیث میں بھی یہی مراد ہے:

((اللھم صل علی اٰل ابی اوفی))

''الٰہی! آل ابی اوفیٰ پر صلوٰۃ بھیج۔''

ایک عورت کی درخواست پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

((صلی اللہ علیك وعلی زوجك))

''اللہ تجھ پر اور تیرے شوہر پر صلوٰۃ بھیجے۔''

خاصہ وہ ہے جو انبیاء ورسل پر ہے' بالخصوص وہ جو خاتم النبیین وخیر المرسلین محمد ﷺ پر ہے۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

اصل صلوٰۃ کے معنی میں لوگوں کا اختلاف ہے اور اس بارے میں چند اقوال ہیں:

اوّل: صلوٰۃ کے معنی رحمت ہیں۔ اسمٰعیل نے سند کے ساتھ ضحاک سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ رحمت ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ دعا۔

مبرد کا قول ہے کہ صلوٰۃ کی اصل رحمت ہے۔ وہ اللہ کی جانب سے رحمت ہے اور ملائکہ کی جانب سے رحمت اور بندوں کی جانب سے استدعائے رحمت۔ یہی قول اکثر متاخرین کے نزدیک معروف ہے۔

دوم: صلوٰۃ کے معنی مغفرت ہیں۔ اسمٰعیل نے ضحاک سے **ھو الذی یصلی علیکم** کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ مغفرت اور ملائکہ کی صلوٰۃ دعا ہے۔ یہ قول بھی پہلے قول سا ہے مگر یہ دونوں کئی وجوہ سے ضعیف ہیں۔

صلوٰۃ اور رحمت میں فرق: ا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر صلوٰۃ اور رحمت میں فرق خود بتلایا ہے۔ فرمایا:

((اولئك علیھم صلوٰت من ربھم ورحمۃ واولئك ھم المھتدون))

(سورۃ البقرۃ:157/2)

''یہ وہ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ اور رحمت ہے اور یہی راہ پانے والے ہیں۔''

یہاں رحمت کو صلوٰۃ پر عطف کیا ہے، یہ دونوں کا غیر ہونا بتلاتا ہے، کیونکہ عطف کی اصلیت بھی یہی ہے۔ بعض لوگ جو عطف میں تغائر نہ ہونے کے ثبوت میں **والقی قولھا کزبا ومینا** پیش کیا کرتے ہیں۔ اول تو یہ شاذ ونادر ہے جس پر افصح الکلام کو حمل نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ مین کذب سے خاص تر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے صلوٰۃ انبیاء ورسل نیز مومن بندوں کے لیے مخصوص ہے۔ رہی رحمت وہ ہر چیز سے وسیع تر ہے' اس لیے صلوٰۃ رحمت کی مترادف نہیں ہو سکتی، اگرچہ رحمت صلوٰۃ کے لوازم اور موجبات اور ثمرات میں سے ہے۔

جو شخص صلوٰۃ کی تفسیر رحمت کے ساتھ کرتا ہے گویا وہ اس کے بعض ثمرہ اور بعض مقصود سے تفسیر کرتا ہے اور یہ حال قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کے الفاظ کی تفسیر میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک لفظ کی تفسیر اس کے لازم یا جزو سے کی جاتی ہے، جیسے ریب کی تفسیر شک کے ساتھ (حالانکہ شک ریب کا ایک جزو ہے) اور رحمت کی تفسیر ارادہ احسان کے ساتھ (حالانکہ ایسا ارادہ لازمہ رحمت ہے) غرض اس کی مثالیں بہت ہیں جن کا ذکر اصول تفسیر میں کیا گیا ہے۔

۳۔ مومنین پر رحمت کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں، مگر سلف وخلف کا اختلاف ہے کہ غیر انبیاء کے لیے صلوٰۃ بھی جائز ہے یا نہیں۔ اس بارے میں تین اقوال ہیں۔

۴۔ اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت ہیں تو رحمت کو امتثال امر میں صلوٰۃ کا قائم مقام ہونا چاہئے اور جس کے مذہب میں صلوٰۃ واجب ہے۔ اس کے نزدیک اللھم ارحم محمد وال محمد کہنے سے وجوب ساقط ہو جانا چاہئے، حالانکہ صورت یہ نہیں۔

۵۔ جو شخص غیر کے لئے رحمت کرتا، اس کے لیے دل پگھلاتا، کھلاتا پلاتا، پہناتا ہے، تو اس موقعہ پر کوئی نہیں بولتا کہ اس نے اس پر صلوٰۃ کی بلکہ کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس پر رحمت کی۔

۶۔ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے دشمن پر بھی رحم آجاتا ہے اور اس کا دل نرم ہو جاتا ہے، مگر یہ نہیں کہ وہ اس پر صلوٰۃ بھیجنے لگے۔

۷۔ صلوٰۃ میں کچھ کلام ہونا ضروری ہے، کیونکہ صلوٰۃ درود پڑھنے والے کی جانب سے ثناء وصفت ہے، اس شخص کی جس پر درود پڑھتا ہے۔ وہ گویا اس کی شان بلند دکھلاتا ہے، توصیف کرتا اور محاسن ظاہر کرتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں ابو العالیہ سے روایت کی ہے کہ رسول پر اللہ کی صلوٰۃ اپنے نبی ﷺ کی ثناء کرنا ہے، ملائکہ کے پاس۔ اسمٰعیل نے اپنی سند کے ساتھ ابو العالیہ سے **ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی** کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ آپ پر ثناء کرنا ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ دعا کرنا ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اپنی صلوٰۃ اور ملائکہ کی صلوٰۃ میں تفریق فرمائی اور پھر اسے ایک فعل کے ساتھ جمع کر دیا۔ فرمایا:

((ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی))

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔''

پس جائز نہیں کہ صلوٰۃ کے معنی رحمت ہوں، بیشک صلوٰۃ تو ثناء ہے، اللہ کی جانب سے بھی اور ملائکہ کی جانب سے بھی۔

واضح ہو کہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ''صلوٰۃ لفظ مشترک المعنی ہے اور جائز ہے کہ وہ دو معانی کے لیے ایک ہی دفعہ استعمال کیا جائے۔''

کیونکہ اس قول میں چند مجازی یا نقص ہیں:

(الف): اشتراک خلاف اصل ہے اور ایسے لفظ کا ایک واضح سے واقع ہونا غیر معلوم ہے۔ چنانچہ آئمہ لغت مبرد وغیرہ نے اس پر نص کر دیا ہے، جو اشتراک بھی پایا جاتا ہے، وہ عارضی واتفاقی ہے جس کی ابتدائی وجہ واضعین کا تعدد ہے، پھر جب لغت آپس میں مل جل گئے تب لفظ میں اشتراک المعانی معلوم ہونے لگا۔

(ب): اکثر علماء لفظ مشترک دو معانی میں استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتے نہ بطریق حقیقت اور نہ بطریق مجاز۔ جن لوگوں نے امام شافعی سے اس کے جواز کی روایت کی ہے وہ صحیح نہیں بلکہ یہ مسئلہ ان کے اس قول:

((اذا اوصیٰ لموالیہ ولہ موال من فوق ومن اسفل تناول جمیعھم))

''جب کوئی اپنے موالی کے لیے وصیت کر جائے اور اس کے موالی اوپر کے رشتہ والے بھی ہوں اور نیچے کے بھی تو وہ وصیت سب پر حاوی ہوگی۔''

سے نکالا گیا ہے، یعنی سمجھنے والے نے یہ سمجھ لیا کہ لفظ مولی دونوں معانی کے لیے مشترک ہے اور تجرد کے وقت بھی ان دونوں پر اسے حمل کر سکتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ لفظ مولی الفاظ متواطیہ میں سے ہے اور امام شافعی نیز ظاہر مذہب میں نزدیک عام متواطی ہے مشترک نہیں۔ رہی تفسیر **لا مستم النساء** کی جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ ملامست سے مجامعت مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ملامست کے حقیقی معنی تو ہاتھ سے چھونا ہے اور مجازاً اجماع۔ تو یہ روایت ان سے صحیح نہیں۔ ان کا کلام ہی اس انداز کا نہیں ہوتا' یہ تو متاخرین میں سے کسی فقیہ کا قول ہے اور ہم نے ایک علیحدہ رسالہ میں لفظ مشترک کے استعمال کے ابطال میں تیرہ چودہ کے قریب دلائل بیان کیے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب صلوٰۃ کے معنی رسول کی ثناء اور نبی کریم ﷺ کے شرف وفضل ورحمت کا اظہار اور آپ پر عنایت والتفات کے ہیں تو آیت میں لفظ صلوٰۃ مشترک اور دو معانی پر محمول نہ ہوا، بلکہ ایک معنی میں مستعمل ٹھہرا' جو الفاظ کی اصل ہے۔

جب پہلے یہ بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر درود پڑھتے ہیں اور معنی آیت یہ ہیں کہ جب اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو مومن بھی درود پڑھیں' بلکہ تم کو درود پڑھنا' سلام وتسلیم بھیجنا' زیادہ تر شایان ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی برکات رسالت اور فیضان نبوت سے تم کو کیا کچھ شرف دنیوی اور خیر اخروی حاصل ہو چکے ہیں۔

دیکھو اگر آیت بالا میں صلوٰۃ کے معنی رحمت لیں تو چسپاں ہی نہیں ہوتے ہیں اور نظم کلام بھی درست نہیں رہتا اور لفظ ومعنی میں تناقض بھی ہو جاتا ہے اور آیت کی تقدیر یوں ماننی پڑتی ہے:

((ان اللہ وملائکتہ ترحم ویستغفرون لنبیہ فادعوا انتم لہ وسلموا))

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رحم اور بخشش مانگتے ہیں نبی کے لیے پس تم ان کے لیے دعا مانگو اور ان پر سلام بھیجو۔''

لیکن آیت کی یہ مراد ہرگز نہیں بلکہ ہم کو بھی اس صلوٰۃ کے طلب کرنے کا حکم ہوا ہے۔ جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے ملائکہ کی جانب سے دی ہے، یعنی آپ کی ثناء اور اظہار فضل وشرف اور ارادۂ تکریم وتقریب ہے اور یہی خیر وطلب کے ضمن میں آتی ہے۔

رہی یہ بات کہ ہماری جانب سے اس سوال ودعا کیے جانے کا نام بھی صلوٰۃ رکھا گیا۔ اس کی دو وجوہ ہیں:

(الف): صلوٰۃ' درود خواں کی جانب سے تعریف وثناء پر مشتمل ہوتی ہے اور نبی کریم ﷺ کے ذکر، شرف وفضل اور ارادہ محبت کا اس میں اشارہ ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ میں ہے) پس اس سے خیر وطلب مشتمل ہے۔

(ب): صلوٰۃ اس لیے نام ہوا کہ بندے سوال کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ تو آپ کے رفع ذکر کا ارادہ وتقریب ہے اور ہماری صلوٰۃ جیسا کہ ہم ارادہ کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ سے سوال ہے

کہ ایسا ہی فرمائے۔

صلوٰۃ کی ضد اعداء اللہ اور دشمنان رسول کے لیے لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((اولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللعنون))

''یہ وہ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور وہ سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے سے بھی مضاف کیا اور بندوں سے بھی، لعنت الٰہی تو بیزاری و دوری اور بغض پر مشتمل ہے اور بندوں کی لعنت اس سوال کے ضمن میں ہے کہ جو اہل لعنت ہیں، ان پر لعنت فرمائے۔ جب یہ معنی ثابت ہو گئے تو ایسی حالت میں اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت ہوتے تب طالب رحمت کو مصلی کہنا ٹھیک نہ ہوتا بلکہ مسترحم کہا جاتا۔ جیسا کہ طالب مغفرت کو مستغفر اور طالب عطف کو مستعطف کہا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی کسی شخص کے لیے مغفرت مانگے تو اس وجہ سے اس کو غافر نہیں کہا جاتا لیکن یہاں تو بندہ کو مصلی کہا جاتا ہے۔ اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوتے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ صلوٰۃ پڑھنے والا اس کے لیے راحم ہوتا ہے۔ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اس پر رحم کیا۔ (اسی طرح کہنا جائز ہوتا) کہ جو کوئی نبی اکرم ﷺ پر ایک بار رحم کرے، اللہ اس پر دس بار رحم فرمائے گا۔ بیشک اس کا باطل ہونا معلوم ہے۔

اگر کوئی کہے کہ نبی کریم ﷺ پر بندہ کی صلوٰۃ کے معنی رحمت نہیں بلکہ طلب رحمت ہیں تو یہ بھی بوجوہ باطل ہے:

(الف): طلب رحمت تو ہر مسلمان کے لیے مشروع ہے اور طلب صلوٰۃ انبیاء و رسل کے لیے مخصوص۔

(ب): اگر طالب رحمت کا نام مصلی ہو سکتا ہے تو طالب مغفرت کا نام غافر بھی ہونا چاہئے اور طالب عفو کا نام عافی اور طالب صفح کا نام صافح بھی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اچھا تم بھی تو اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ (ثناء) کے طالب کو مصلی کہتے ہو، پھر اگر ہم نے اللہ سے طالب صلوٰۃ (رحمت) کو مصلی کہہ دیا تو کیا ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تو حقیقت صلوٰۃ کا وجود حاصل ہے، کیونکہ صلوٰۃ کی حقیقت ثناء اور اکرام و تقریب و اعلیٰ منزلت کا ارادہ ہے۔ اور یہ بندہ کی صلوٰۃ (ثناء) میں بھی حاصل ہے۔ ہاں درود شریف میں بندہ ان امور کا اللہ تعالیٰ سے خواہاں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک سے اپنے رسول کے ساتھ ایسا کرنا چاہتا ہے۔ رہا دوسرا پہلو کہ مصلی کو اللہ تعالیٰ سے طلب صلوٰۃ کی وجہ سے مصلی کہتے ہیں۔ وہ بھی یوں ہے کہ صلوٰۃ ایک نوع کلام طلبی و خبری و ارادہ سے ہے اور یہ امور مصلی سے بھی پائے گئے بخلاف رحمت و مغفرت کے، کیونکہ یہ ایسے افعال ہیں جو طالب سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ مطلوب منہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

۱۰۔ صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ ''جو شخص ایک دفعہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ بھیجے گا۔''

یہ شریعت کے قاعدہ کے مستقرہ کے موافق ہے کہ عمل کی جزا اسی جنس سے ہوتی ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ پڑھنے والے کی جزا بھی اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کو ہی بنایا اور یہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ کے معنی رحمت نہیں بلکہ ثناء ہیں اور التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کا ذکر بلند اور تعظیم زیادہ فرمائے۔ جزاء کے جنس عمل سے ہونے کا قاعدہ یہ بتاتا ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کی ثناء کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ثناء فرمائے گا اور شرف و تکریم میں اس کو بڑھائے گا۔ اب جزا کا عمل کے ساتھ رابطہ بھی صحیح ہو گیا اور مشابہت و مناسبت

بھی درست ہوگئی جیسا کہ دیگر احکام میں ہے۔ مثلاً: جو شخص تنگی میں کسی کی مدد کرے اللہ تعالیٰ حساب میں اسے فراخی دے گا۔ جو مسلمان کو دنیا میں پہنائے اللہ اسے دنیا و آخرت میں پہنائے گا۔ جو کوئی مومن کی دنیا کی سختی دور کرے اللہ تعالیٰ آخرت کی سختی دور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔ جو کسی راہ پر طلب علم میں چلتا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر راہ بہشت کو آسان بنا دیتا ہے۔ جس نے علم کی کوئی بات جسے وہ جانتا ہے پوچھنے پر نہ بتائی۔ اللہ تعالیٰ اسے آگ کی لگام قیامت کو پہنائے گا۔ علیٰ ہذا جو کوئی رسول اللہ ﷺ پر ایک بار صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا' وغیرہ وغیرہ۔

۱۱۔ اگر کوئی شخص روایت حدیث کے وقت ﷺ کی بجائے عن رسول اللہ رحمۃ اللہ یا قال رسول اللہ رحمۃ اللہ۔ کہے، تب تمام امت اس پر انکار کرے گی اور اس کو بدعتی سمجھ کر جان لے گی کہ یہ نبی کریم ﷺ کی عزت و توقیر نہیں کرتا، آپ پر صلوٰۃ نہیں بھیجتا اور جس ثناء کے آپ مستحق ہیں اسے ادا نہیں کرتا' اب اس کا حق نہیں کہ دس صلوٰۃ اس کو ملیں۔ دیکھو اگر صلوٰۃ کے معنی اللہ کی رحمت ہیں تو رحمۃ اللہ کہنا منع نہ ہوتا۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا)) (سورۃ النور: 63/24)

''یعنی مسلمان نبی کریم ﷺ کو اس طرح نہ پکاریں جس طرح باہم ایک دوسرے کو پکار لیتے ہیں۔''

مطلب یہ کہ نام لے کر نہ پکاریں بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر بلائیں' کیونکہ نام لے کر پکارنا تو کفار کی عادت تھی اور مسلمان ہمیشہ یا رسول اللہ! کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔ پس جو ظالت خطاب کا حکم ہے وہی غائبانہ کا یعنی یہ سزاوار نہیں کہ عام کی طرح آپ کے لیے دعا کی جائے' بلکہ نبی کریم ﷺ کے لیے تو اشرف دعا یعنی صلوٰۃ چاہیے اور یہ تم جانتے ہی ہو کہ رحمت ایسی عام شے ہے کہ ہر مسلمان کو اس کے ساتھ دعا دی جاتی ہے، بلکہ حیوانات کو بھی۔ چنانچہ دعائے استسقاء میں یہ الفاظ ہیں:

((اللهم ارحم عبادك وبلادك وبهائمك))

۱۳۔ لغت اصلیہ میں صلوٰۃ کے معنی رحمت ہرگز نہیں' بلکہ عرب کے نزدیک جو معنی اس کے مشہور و معروف ہیں وہ ثناء و تبریک ہیں اور صلی علیہ کے معنی رحمہ عرب کبھی نہیں سمجھتے۔ اس لیے لفظ کے وہی معنی کرنے چاہئیں جو لغت میں متعارف ہیں۔

۱۴۔ رحمت کی طلب ہر شخص کر سکتا ہے' بلکہ مستحب بھی ہے کہ اپنے لیے رحمت کا سوال کرے۔ چنانچہ دعا میں ہم کو

((اللهم اغفرلی وارحمنی))

''اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر۔'' سکھلایا گیا ہے، لیکن یہ کسی کو شایاں نہیں کہ یوں کہے:

((اللهم صل علی))

''اے اللہ مجھ پر صلوٰۃ بھیج۔''

لیکن اگر کوئی کہے گا تو وہ دعا میں حد سے بڑھنے والا ہے جسے اللہ پسند نہیں کرتا، برخلاف سوال رحمت کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ بندہ اس سے مغفرت و رحمت کا سوال کرے۔ اس سے سمجھا گیا کہ صلوٰۃ اور رحمت کے معنی ایک

نہیں۔

۱۵۔ بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں رحمت کا استعمال ہوا ہے اور اس جگہ صلوٰۃ کا استعمال ٹھیک نہیں، فرمایا:

((ورحمتي وسعت كل شيء))

''میری رحمت ہر ایک چیز سے وسیع ہے۔'' (سورۃ الاعراف: 156/7)

فرمایا:

((رحمتي سبقت على غضبي))

''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''

فرمایا:

((ان رحمت الله قريب من المحسنين))

''اللہ کی رحمت محسنین سے قریب ہے۔'' (سورۃ الاعراف: 56/7)

فرمایا:

((وكان بالمؤمنين رحيماً))

''اور مومنوں پر وہ رحیم ہے۔'' (سورۃ الاحزاب: 43/33)

فرمایا:

((انه بهم رؤف رحيم))

''وہ ان پر مہربان ہے' رحمت والا ہے۔'' (سورۃ التوبۃ: 117/9)

حدیث میں ہے:

((ان الله ارحم بعباده من الوالدة بولدها))

''اللہ اپنے بندوں پر زیادہ مہربان ہے بہ نسبت ماں کے اپنے بچے پر۔''

دوسری حدیث میں ہے:

((ارحموا من فى الارض يرحمكم من فى السماء))

''جو زمین پر ہے تم اس پر رحم کرو جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔''

فرمایا:

((من لا يرحم لا يرحم))

''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہ کیا جائے گا۔''

غرض رحمت کے استعمال کے بہت سے ایسے مقامات ہیں (خواہ اللہ کی جانب سے ہوں یا بندوں کی طرف سے) جہاں لفظ صلوٰۃ کا واقع ہونا زیبا اور موزوں نہیں، اس لیے صلوٰۃ کی تفسیر لفظ رحمت کے ساتھ ٹھیک نہیں (واللہ اعلم)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی کی تفسیر میں ''يباركون عليه'' کہا

ہے، لیکن برکت ثناء اور ارادہ تکریم و تعظیم کے منافی نہیں، کیونکہ اللہ کی جانب سے تبریک ان امور بالا کے ضمن میں بھی ہے، اسی لیے آنحضرت ﷺ کے لیے صلوٰۃ کے ساتھ برکت کو بھی ملایا گیا ہے۔ (یعنی اللهم بارك على محمد)

ملائکہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کہا ہے:

((رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت))

''اے گھر والو! اللہ کی رحمتیں اور برکتیں تم پر ہوں۔''

سیدنا مسیح علیہ السلام نے کہا ہے:

((وجعلني مباركاً اين ماكنت))

''اور مجھے مبارک بنایا جہاں کہیں کہ میں ہوں۔'' (سورۃ مریم: 31/19)

سلف صالحین میں سے ایک سے زیادہ نے کہا ہے کہ مبارک سے مراد خیر کا معلم ہے، مگر یہ معنی کا ایک جزو ہے کیونکہ مبارک وہ اپنی ذات سے خیر کثیر والا شخص ہے جس کو تعلیم و انداز یا نصیحت و ارادہ و اجتہاد کے ذریعہ دوسرے سے خیر حاصل ہوئی ہو۔ اسی لیے بندہ کا نام مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام برکت دینے والا ہے' کیونکہ تمام برکت اسی کی جانب سے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

((تبارك الذى نزل الفرقان على عبده))

''برکت والی ہے وہ ذات جس نے فرقان (حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب) کو اپنے بندے پر نازل کیا۔'' (سورۃ الفرقان: 1/25)

((تبرك الذى بيده الملك))

''برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔'' (سورۃ الملک: 1/67)

بعض لوگوں نے صلوٰۃ بمعنی رحمت ہونے سے اس لیے انکار کیا ہے کہ رحمت کے معنی رقت طبع ہیں اور یہ اللہ سبحانہ کے حق میں محال ہے۔ جس شخص کا یہ قول ہے، اس کے دل سے زبان تک جہمیت کی نبض جاری ہے اور در حقیقت وہ رحمت الٰہیہ کا قطعاً انکار کرتا ہے۔ جہم بن صفوان بانی مذہب کی عادت تھی کہ جب خدامیوں پر اس کا گزر ہوتا تو انکار رحمت کے طور پر اس وقت ارحم الراحمین زبان سے کہا کرتا۔ غرض قول بالا کے قائل نے صلوٰۃ بمعنی رحمت نہ ہونے کی جو وجہ بیان کی ہے وہ دراصل منکرین صفات الٰہیہ کا شبہ ہے کیونکہ ان کا قول ہے کہ ارادہ حرکت نفس کا نام ہے جو حصول نفع یا دفع ضرر کے لیے ہو اور پروردگار حرکت نفس سے برتر ہے، اس لیے اس میں ارادہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ غضب انتقام کے لیے خون دل کے جوش مارنے کا نام ہے اور پروردگار اس سے پاک ہے' اس لیے اس میں غضب نہیں۔ غرض اسی جھوٹے رستہ پر وہ اللہ تعالیٰ کی حیات و کلام اور دیگر صفات کے بارے میں چلے' حالانکہ یہ بہت ہی باطل طریق ہے، کیونکہ یہ شخص صفت کے مسمی میں صرف مخلوق کی خصوصیتوں کو لیتا ہے اور پھر اس کی وجہ سے صفت خالق کی نفی کرتا ہے۔ اس شخص کا یہ کام نہایت تلبیس و گمراہی ہے، کیونکہ صفت کی جس خاصیت کو یہ شخص لیتا ہے وہ صفت کے لیے ذاتی نہیں بلکہ مخلوق ممکن کے اعتبار سے اضافی ہے اور روشن بات ہے کہ اگر کسی صفت سے ان خصوصیتوں کی نفی کر دی جائے جو مخلوق سے خاص ہیں تو اس سے اصل صفت کا نفی کر دینا یا اللہ تعالیٰ کا اس صفت سے موصوف نہ ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔

جب اصل صفت اللہ کے لیے ثابت کی جائے تو اس سے مخلوق کی خصوصیتیں اللہ تعالیٰ کے اندر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں نقص تشبیہ نہ ہونے سے مخلوق کی صفات عیب و نقص سے پاک نہیں ہو سکتیں۔ غرض خالق اور مخلوق پر ایک صفت کے اطلاق (لفظی) سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے لیے جو کچھ وجوب اور کمال ہے وہ مخلوق کے لیے بھی ثابت ہو جائے یا بندہ میں جو نقص وعیب ہیں وہ اللہ کے لیے بھی ہوں، یہی مثال حیات اور علم کی ہے، کیونکہ بندہ کی حیات متضاد آفات اور خصوصیات سے عبارت ہے۔ نیند، مرض، موت اسے لگی ہوئی ہیں، علم انسانی کو نسیان بھی ہے، اور اس کی ضد جہل بھی لگی ہوئی ہے، لیکن ان خصائص کا اللہ تعالیٰ کی حیاۃ وعلم میں ہونا محال ہے۔ اب جو شخص اللہ تعالیٰ کے حیات اور علم کی نفی مذکورہ بالا خصائص انسانی کی وجہ سے کرتا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے۔ پس یہی مثال ہے نفی رحمت الٰہی کی، جو صرف اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ رحمت مخلوق میں رقت طبع کا ہونا ضروری ہے۔ اسے یہ وہم ہو گیا ہے کہ رحمت صرف اسی حالت میں (جو مخلوق کے اندر پائی جاتی ہے) پائی جا سکتی ہے اور اس نے سمجھا کہ علم وحیات وارادہ بھی ان ہی خصوصیتوں کے ساتھ جو مخلوق کے علم وحیات وارادہ سے لگی ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ میں پائی جا سکتی ہیں، لیکن یہ محض غلطی ہے اور منشاء غلطی یہ ہے کہ اس صفت کو پہلے تو مخلوق کی صفت سے جو اس پر پابند ہے قیاس کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے اندر جب اس صفت کا اثبات کیا تو اسی پابندی کے ساتھ، لیکن دونوں وہم باطل ہیں، کیونکہ جو صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے اور اس کی جانب منسوب ہے اس میں مخلوق کی خصائص میں سے کسی شے کے ہونے کا وہم نہیں کیا جا سکتا۔ نہ لفظی طور پر نہ معنوی طور پر۔ اب جو شخص اسی باطل خیال پر اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی نفی کرتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ جملہ صفات کمال کی ہی نفی کرے، کیونکہ وہ تو ہر ایک صفت کو صفت مخلوق کا ہی نمونہ سمجھتا ہے، بلکہ اسے چاہئے کہ ذات الٰہی کی بھی نفی کر دے کیونکہ وہ صرف مخلوق کی ذات کو ہی جانتا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی کسی شے سے مشابہ نہیں۔

اس باطل طریق پر معطلہ فرقہ کے غالی لوگوں نے خود کو لازم کر رکھا ہے، اور جہاں تک وہ ایسی صفات کی نفی میں بڑھتے گئے تو ان کی اسی قدر نصوص سے مخالفت بھی بڑھتی گئی اور قابل رد ہوتی گئی۔ بیشک یہ باتیں عقل کی سچی کسوٹی پر درست نہیں رہتیں، عقل سلیم کے نزدیک بھی وہی درست ہے جو انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام لے کر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((سبحن الله عما يصفون الا عباد الله المخلصين)) (سورۃ الصافات: 37/159-160)

"اللہ پاک ہے ان باتوں سے جس سے یہ لوگ اس کا وصف کرتے ہیں مگر اللہ کے مخلص بندے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ہر ایک وصف کنندہ کے وصف سے مبرأ قرار دیا بجز مخلص بندوں کے جو انبیاء اور رسول ہیں یا ان کے پیرو۔ چنانچہ دوسری آیت میں ہے:

((سبحن ربك رب العزة عما يصفون وسلم على المرسلين والحمد لله رب العلمين))

"پاک ہے رب تیرا عزت کا مالک، ان باتوں سے جن سے یہ لوگ اس کا وصف کرتے ہیں اور سلامتی ہے مرسلین پر اور حمد ہے واسطے اللہ کے جو رب العالمین ہے۔" (سورۃ الصافات: 37/180-182)

اس میں بھی اپنی ذات کو وصف کنندوں کے وصف سے پاک بتلایا اور مرسلین پر سلامتی نازل فرمائی کیونکہ جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی توصیف کرتے ہیں اس میں ہر ایک نقص وعیب سے سلامت رہتے ہیں۔ پھر اپنی ذات پاک کے لیے حمد وثناء فرمائی کیونکہ وہی ذات پاک صفات کمال سے موصوف ہے اور اسی لیے حمد کی مستحق ہے۔ پھر اسے ہر ایک نقص سے جو کمال

حمد کا منافی ہے مبرا بھی فرمایا۔

اسم محمد کا معنی واشتقاق:

حضور علیہ السلام کے تمام ناموں میں سے مشہور ترین نام یہی محمد ہے اور اصل میں اسم ہے جو (حمد) سے منقول ہے اور محبوب کی تعریف، محبت اور جلالت وعظمت پر مشتمل ہے، یہی حمد کی حقیقت ہے۔اس کی بنا مفعل کے وزن پر ہے، جیسے معظم، محبب، مو دد مبجل وغیرہ، یہ وزن دراصل اظہار کثرت کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ اگر اس سے اسم فاعل مشتق ہو تو اس کا معنی ہوگا: وہ ذات جس سے فعل کثرت سے صادر ہو ۔ یکے بعد دیگرے یعنی بار بار جیسے معلم، مفهم، مبین، مخلص، مفرح، (بکثرت وتکرار، پڑھانے والا، سمجھانے والا، بیان کرنے والا، چھٹکارا دینے یا نکھارنے والا، خوش کرنے والا) اور اگر اس سے اسم مفعول مشتق ہو، تو معنی ہوگا: جس پر بکثرت اور بار بار فعل واقع ہو، یا وہ ذات جو یکے بعد دیگرے حمد وثناء کی مستحق ہو۔ کہا جاتا ہے (محمد) جس کی بار بار تعریف کی گئی۔ وہ (محمد) یعنی بار بار تعریف کا مستحق ہے جیسے کہا جاتا ہے (فھو معلم) اسے سکھایا گیا وہ (معلم) یعنی سکھایا ہوا ہے۔ یہ علم بھی ہے اور صفت بھی، حضور علیہ السلام پر جب بولا جائے گا تو اس میں دونوں باتیں جمع ہوں گی، اگرچہ بہتیرے دوسرے لوگوں کا بھی یہ نام رکھا جاتا ہے، مگر وہاں صرف علم ہوتا ہے۔ یہی حال ہے اللہ تعالیٰ کے ناموں کا اور اس کی کتاب اور اس کے نبی علیہ السلام کے ناموں کا کہ یہ سب علم ہیں اور ایسے اوصاف پر دلالت کرتے ہیں جو ان تینوں کی ذات میں پائے جاتے ہیں اور ان میں وصف کے خلاف نہیں۔ بخلاف باقی مخلوق کے ناموں کے۔ پس وہ اللہ الخالق الباری المصور الغفار ہے۔ یہ نام جن معنوں پر دلالت کرتے ہیں وہ اللہ کی صفتیں ہیں۔ یونہی ''القرآن الفرقان الکتاب المبین'' قرآن کے نام بھی ہیں اور اس کی صفات پر دلالت بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم علیہ السلام کے نام ''محمد واحمد والماحی''

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے جو حدیث نبی کریم علیہ السلام سے روایت کی ہے اس میں ہے:

((قال ان لی اسماء انا محمد و انا احمد و انا الماحی الذین یمحو الله لی الکفر))

''میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں وہ محو کرنے والا ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔''

سو نبی کریم علیہ السلام نے یہ اسماء ذکر فرمائے جو اس خصوصی فضیلت کو واضح کر رہے ہیں، جو اللہ نے حضور کو عطا فرمائی، اور ان الفاظ کے معانی کی طرف اشارہ فرمایا، وہ اگر بے معنی علم ہوتے تو حضور علیہ السلام کی مدح پر دلالت نہ کرتے۔ (تب ان کا ذکر فضول ہوتا۔ معاذ اللہ) اسی لئے تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

وشق لہ من اسمہ لیجلہ

فذو العرش محمود و ھذا محمد

''اللہ نے حضور علیہ السلام کا نام اپنے نام سے مشتق کیا، تاکہ اسے بزرگی بخشے۔ عرش والا تو محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔''

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو حضور علیہ السلام کا یہ نام (محمد) اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ نام مبارک اپنے مسمّٰی یعنی حمد پر مشتمل ہے۔ پس حضور علیہ السلام اللہ کے ہاں بھی محمود ہیں، فرشتوں کے ہاں بھی اپنے بھائیوں یعنی تمام رسولوں کے ہاں بھی محمود (قابلِ ستائش) ہیں اور تمام اہل زمین کے نزدیک بھی محمود ہیں۔ اگرچہ بعض زمین والوں نے سرکار دو عالم ﷺ کا انکار کیا ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام کی ذات بابرکات میں جو صفات پائی جاتی ہیں، ہر عقل مند کے نزدیک قابلِ تعریف ہیں۔ اگرچہ کوئی شخص غرور، عناد یا جہالت کی بناء پر حضور علیہ السلام کے لئے ان کا انکار کرتے پھرے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ سرکار دو عالم ﷺ ان اوصاف سے متصف ہیں تو مصروف تعریف و توصیف ہو جائے، کیونکہ وہ اس شخص کی تعریف تو کرتا ہے۔ جو ان صفات سے متصف ہے، ہاں حضور علیہ السلام میں ان صفات کا ہونا اسے معلوم نہیں۔ تو حقیقت میں وہ حضور علیہ السلام ہی کا ثناء گو ہوا۔ حضور علیہ السلام صفت حمد سے اس طرح مختص ہیں کہ کسی اور میں یہ مفہوم جمع نہیں، آپ محمد ہیں، احمد ہیں۔ آپ کی امت (الحمادون ہے) جو رنج و راحت میں اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ امت کی نماز حمد سے شروع ہوتی ہے۔ آپ کا خطبہ حمد سے شروع ہوتا ہے، آپ کی کتاب حمد سے شروع ہوتی ہے۔ اللہ کے ہاں لوح محفوظ میں ایسا ہی ہے، حضور علیہ السلام کے خلفاء اور صحابہ کرام نے قرآن مجید لکھا تو ابتدا حمد سے کی۔ حضور علیہ السلام کے ہاتھ میں قیامت کے دن لواء الحمد (حمد کا پرچم) ہوگا اور جب شفاعت کیلئے اپنے رب کے حضور سجدہ کریں گے اور اس سلسلہ میں آپ کو اجازت ہوگی تو ایسے کلمات سے اللہ کی حمد و ثناء کریں گے جو اسی وقت اللہ آپ پر کھولے گا ''وہی مقام محمودؔ'' کے مالک ہیں کہ پہلے پچھلے سب حضور ﷺ پر رشک کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ومن اللیل فتھجد به نافلة لك عسٰی ان یبعثك ربك مقامًا محمودًا))

''اور رات کا کچھ وقت اس کی عبادت میں جاگ کر گزارو یہ تمہارے لئے زائد نماز ہے۔ عنقریب تمہیں تمہارا پروردگار مقام محمود پر فائز کرے گا۔''

جب آپ اس مقام پر فائز ہوں گے تو میدان محشر والے سب حضور کی حمد و ثناء کریں گے۔ کیا مسلمان کیا کافر، کیا پہلے کیا پچھلے، پس حضور علیہ السلام محمود (لائق حمد) ہیں، کہ انہی کے ذریعے زمین ہدایت، ایمان، علم مفید اور نیک عمل سے پُر ہوئی۔ انہی سے دل کھلے اور اہل زمین سے اندھیرے کافور ہوئے۔ آپ ہی نے ان کو شیطان کے چنگل سے آزاد کیا یعنی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اس کا انکار کرنا، اس سے بے خبر ہونا، یہاں تک کہ اس سے آپ کے غلاموں نے دنیا و آخرت کا شرف پایا کہ آپ کی رسالت نے زمین والوں کو وہ سب کچھ دیا جس کی انہیں ضرورت تھی، کیونکہ وہ بت پرستوں، صلیب پرستوں، آتش پرستوں، ستارہ پرستوں اور اللہ کے غضب زدہ لوگوں میں بھٹک رہے تھے جن پر بار بار اللہ کا غضب نازل ہوا۔ سرگرداں تھے، نہ رب کو پہچانیں جس کی بندگی کر سکیں اور نہ آداب بندگی ہی جانیں، لوگ ایک دوسرے کو کھا رہے تھے۔ جسے کوئی چیز پسند آجاتی اسی کی طرف بلاتا جو اس کی مخالفت کرتا اس سے لڑتا، زمین پر قدم بھر جگہ نور رسالت سے منور نہ تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اہل زمین عربوں اور عجمیوں کو دیکھا، تو دین صحیح کے چند بچے کھچے آثار کو چھوڑ کر سبھی پر ناراض

ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تمام ملکوں اور بندوں کو سیراب کیا، آپ سے اندھیروں کو ختم کیا اور مری ہوئی مخلوق کو زندگی بخشی، گمراہی سے ہدایت اور جہالت کی جگہ علم بخشا۔ ملت کو کثرت اور ذلت کے بعد عزت عطا کی۔ غربت کی جگہ خوشحالی دی۔ حضور علیہ السلام کے ذریعے اندھی آنکھوں کو بینائی، بہرے کانوں اور غلاف چڑھے ہوؤں کو شنوائی نصیب ہوئی۔ لوگوں کو ان کے رب اور معبود کی وہ پہچان کرائی جو آخری درجہ کی معرفت وہ حاصل کر سکتے تھے۔ اس کی ذات، صفات اور افعال کے ذکر میں ابتداء فرمائی، بار بار بات دہرائی، اختصار اور طوالت دونوں سے کام لیا، یہاں تک کہ ایماندار بندوں کے دلوں میں رب سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت روشن تر ہوگئی اور اس سے شک وشبہ کا بادل چھٹ گیا، جیسے چودھویں کے چاند سے بادل چھٹ جاتا ہے اور اس معرفت و پہچان میں اپنی امت کو نہ اپنے سے پہلے کسی آنے والے کا محتاج رکھا اور نہ بعد میں آنے والے کا، بلکہ ان کی کافی شافی رہنمائی فرما دی اور اس مسئلہ میں گفتگو کرنے والے ہر آدمی کو ان سے بے پرواہ کر دیا:

((اولم یکفھم انا انزلنا علیك الکتاب ویتلی علیھم ان فی ذلك لرحمة و ذکر لقوم یؤمنون))

''کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی، جو ان پر پڑھی جاتی ہے، بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے یقین والوں کیلئے۔''

ابو داؤد نے اپنی مراسیل میں حضور علیہ السلام کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ایک صحابی کے ہاتھ میں تورات کا ایک ٹکڑا دیکھا تو فرمایا: کسی قوم کے گمراہ ہونے کیلئے یہ کافی ہے جو کتاب ان کے نبی پر نازل ہوئی ہے اس کی جگہ کسی اور کی پیروی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی:

((اولم یکفھم انا انزلنا علیك الکتاب ویتلی علیھم ان فی ذلك لرحمة و ذکر یقوم یومنون))

''کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی، جو ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے یقین والوں کیلئے۔''

اور حضور علیہ السلام نے ان کو وہ راستے بتائے جو ان کو ان کے رب، اس کی رضاء اور اس کے مقام عظمت تک پہنچائیں۔ پس کوئی نیکی حکم دیئے بغیر نہ چھوڑی اور کوئی برائی منع کیے بغیر نہ چھوڑی جیسا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

''جو چیز تمہیں جنت کے قریب کرے میں نے اسی کا تمہیں حکم دیا ہے اور جو چیز تمہیں آگ (جہنم) کے قریب کرے میں نے اسی سے تمہیں روکا ہے۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں فوت ہوئے کہ آسمان میں کوئی پرندہ بھی اگر اپنے پر ہلاتا ہے تو ہمیں اس سے کسی چیز کا علم یاد آجاتا ہے اور حضور علیہ السلام نے ان کو ان کے رب کے حضور پیشی کا حال تک بتادیا

اور مکمل بتایا دیا کہ بات کھول دی اور واضح کردی۔ بندوں کو فائدہ دینے والا اور ان کو ان کے رب کے قریب کرنے والا جو بھی علم تھا اس کا دروازہ کھول دیا اور جو مشکل تھی اسے وضاحت سے بیان کر دیا۔ یہاں تک کہ گمراہ دلوں کو ہدایت دی اور بیمار دلوں کو اس سے شفاء عطا کی اور ان کے صدقے جاہلوں کی فریادرسی فرمائی۔ تو پھر ان سے بڑھ کر کون سا انسان نام محمد سے موسوم ہونے کا زیادہ حقدار ہے؟ اللہ ان کو امت کی طرف سے بڑی سے بڑی جزا عطا فرمائے۔ دو قولوں میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

((وما ارسلناك الا رحمةً للعلمين))

''حبیب! ہم نے تمہیں تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

رحمۃ للعالمین کا مفہوم:

رحمۃ للعالمین اپنے عموم پر ہے۔ اس تقدیر پر اس میں دو وجہیں ہیں۔ اول یہ کہ تمام جہانوں کو عمومی طور پر حضور علیہ السلام کی رسالت سے فائدہ ہوا ہے۔ حضور کے غلاموں کو اس طرح کہ انہوں نے آپ کے صدقے دنیا و آخرت کی عزت پائی، آپ کے دشمنوں اور لڑنے والوں کو یوں کہ ان کو جلد قتل کروا دیا اور ان کی موت ان کی زندگی سے ان کے حق میں زیادہ بہتر ہے، کیونکہ زندگی ان کے اخروی عذاب میں شدت کا باعث ہے کہ بد بختی ان کا مقدر ہو چکی ہے، پس کفر میں طویل زندگی بسر کرنے سے جلدی مر جانا ان کیلئے زیادہ بہتر ہے۔ رہے آپ سے معاہدہ کرنے والے، تو وہ دنیا میں آپ کے زیر سایہ، آپ کے وعدے اور ذمے داری میں زندہ رہے اور حضور سے لڑنے والوں کی بہ نسبت کم تر جرائم میں ملوث ہوئے۔ رہے منافق، تو محض زبانی اظہار ایمان سے ان کو جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ مل گیا اور میراث وغیرہ میں ان پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوئے اور رہ گئے دور دراز بسنے والی قومیں، تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو بھیج کر عذاب سے اہل زمین کو بچالیا، پس حضور علیہ السلام کی رسالت سے تمام جہانوں کو فائدہ پہنچا۔

دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام ہر ایک کیلئے رحمت ہیں، لیکن مسلمانوں نے اس رحمت کو قبول کیا اور دنیا و آخرت میں اس سے نفع مند ہوئے۔ رہے کافر تو ان کے رد کرنے سے ان کے حق میں رحمت ہونے سے یہ خارج تو نہیں ہو گئی، لیکن انہوں نے خود ہی اسے قبول نہ کیا۔ جیسے کہا جائے کہ اس بیماری کی یہ دوا ہے۔ اب اگر مریض اس دوا کو استعمال ہی نہ کرے، تو یہ دوا ہونے سے خارج تو نہیں ہوگی اور جن وجوہات کی بنا پر حضور علیہ السلام کی تعریف کی جاتی ہے ان میں سے ایک وجہ وہ اخلاق کریمانہ اور عادات پسندیدہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو پیدا فرمایا کہ جس آدمی نے آپ کے اچھے اخلاق اور بہترین عادات کو دیکھا اسے یقین ہو گیا کہ آپ ہی مخلوق میں بہترین اخلاق اور حسین ترین عادات کے مالک ہیں۔ نبی کریم علیہ السلام تمام مخلوق میں سب سے بڑے عالم، سب سے بڑے امانت دار، سب سے بڑے سچی بات کہنے والے، سب سے بڑے برداشت والے، سب سے زیادہ جود و سخا والے، سب سے بڑے بوجھ اٹھانے والے، بڑے معاف کرنے والے اور بڑے بخشنے والے ہیں، سخت ترین جہالت کے مظاہرے پر بھی زیادہ برداشت کا ہی اظہار فرماتے۔ جیسا کہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت سے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے:

''تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اس طرح تھی: ''محمد میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے ان کا نام (متوکل) رکھا ہے۔ نہ ترش رو، نہ سخت دل، نہ بازاروں میں شور مچانے والے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے، بلکہ معاف فرماتے اور بخش دیتے ہیں اور جب تک میں ان کے ذریعے بگڑے دین کو صحیح حال میں قائم نہ کرلوں، اندھی آنکھوں کو بینا نہ کردوں، بہرے کانوں کو سننے والا اور پردوں میں لپٹے دلوں کو منور نہ کردوں، ان کو موت نہ دوں گا یہاں تک کہ لوگ (لا الا الہ اللہ) کا اقرار کرلیں۔''

اور حضور علیہ السلام سب سے بڑھ کر مخلوق پر رحم وشفقت فرمانے والے ہیں اور دین و دنیا میں مخلوق کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والے ہیں۔ اللہ کی مخلوق میں فصیح تر اور کثیر معانی کو مختصر ترین مدلل الفاظ سے تعبیر فرمانے والے ہیں۔ مقامات صبر میں سب سے بڑھ کر ڈٹ جانے والے، میدان جنگ میں سب سے بڑھ کر سچ بولنے اور سب سے بڑھ کر عہد و ذمہ پورا کرنے والے ہیں۔ نیکی کا بدلہ سب سے بڑھ چڑھ کر دینے والے، بہت انکساری کرنے والے، اپنی ذات پر، دوسروں کو سب سے بڑھ کر ترجیح دینے والے، ساری مخلوق سے بڑھ کر اپنے ساتھیوں کی حمایت کرنے والے اور بچانے والے، جس چیز کا حکم ملا اس پر سب مخلوق سے بڑھ کر قائم رہنے والے اور جس چیز سے منع کیا گیا اسے سب سے زیادہ چھوڑنے والے اور مخلوق میں سب سے زیادہ رحم کے رشتوں کو جوڑنے والے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے بڑھ کر سخی دل، سچی زبان، نرم لہجہ، بود و باش میں سب سے بڑے کریم ہیں۔ جو اچانک دیکھ لیتا ڈر جاتا اور جو جان پہچان کر کے گھل مل جاتا محبت کرنے لگتا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی صفت بیان کرنے والا کہتا: میں نے ان جیسا نہ ان سے پہلے کوئی دیکھا نہ ان کے بعد۔''

اس حدیث جو لفظ ''اجود للناس'' آیا ہے اس سے مراد ہے: نیک دلی اور بہت نیکی اور یہ کہ سخاوت کا گویا چشمہ تھا جو سرکار کے سینہ سے پھوٹتا تھا اور ہر اچھی عادت اس میں موجود تھی اور ہر نیکی پنہاں، جیسا کہ بعض اہل علم نے کہا کہ دنیا بھر میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں مصطفےٰ سے زیادہ نیکی جمع ہو۔ اللہ نے تمام خیر و خوبی جمع کر کے سرکار ﷺ کے سینہ مبارک میں ودیعت فرمادی۔ اور یہ جو فرمایا کہ سرکار ﷺ تمام مخلوق سے بڑھ کر سچ بولنے والے تھے، سو یہ وہ خوبی ہے جس کا اقرار حضور سے لڑنے والے دشمنوں نے بھی کیا ہے۔ اس سلسلہ میں تمام دوستوں نے جو شہادت آپ کے حق میں دی اسے تو چھوڑ دو، کسی دشمن کو بھی کسی ایک جھوٹ کا تجربہ کبھی نہ ہوا۔ روئے زمین کے اہل کتاب اور مشرکوں نے حضور علیہ السلام سے طرح طرح کی جنگیں لڑیں اور عمر بھر کبھی کسی نے چھوٹے بڑے ایک جھوٹ کا بھی آپ کو طعنہ نہیں دیا۔

حضرت مسور بن مخرمہ کہتے ہیں:

''میں نے اپنے ماموں ابوجہل سے کہا: ماموں جان! کیا آپ محمد کے اس اعلان نبوت سے پہلے کبھی ان کو جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے۔ اس نے کہا: بخدا! میرے بھتیجے محمد ہمارے ہاں جوانی میں امین کے نام سے پکارتے جاتے تھے۔ اب بڑھاپے میں کب جھوٹ بول سکتے ہیں؟ میں نے کہا: ماموں جان! پھر تم ان کی

پیروی کیوں نہیں کرتے؟ اس نے کہا: میرے بھانجے! بنی ہاشم اور ہم میں بزرگی کا جھگڑا ہے۔ انہوں نے کھانا کھلایا اور ہم نے کھلایا، انہوں نے پلایا اور ہم نے پلایا، انہوں نے پناہ دی اور ہم نے پناہ دی۔ جب ہم نے گھٹنے ٹیک دیئے اور اس طرح ان کے گروی ہو گئے جیسے میرا گھوڑا میرا گروی ہے تو انہوں نے کہا: نبی ہم میں سے ہیں۔ اب ہم ان کے آگے یہ دعویٰ کیسے پیش کر سکتے ہیں؟''

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرمایا:

''ان کی باتیں آپ کو پریشان کرتی ہیں، دراصل وہ تمہیں نہیں جھٹلا رہے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور یقیناً تم سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے تو انہوں نے جھٹلانے پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو آن پہنچی اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور تمہارے پاس تو نبیوں کی باتیں آچکی ہیں۔''

اور یہ جو فرمایا (لیّنھم عریکۃ) اس کا مطلب ہے: آپ نرم مزاج ہیں، لوگوں سے قریب رہتے ہیں، جو دعوت دے اس کی دعوت قبول فرماتے ہیں۔ جو آپ سے اپنی حاجت مانگے اس کی حاجت پوری فرماتے ہیں۔ جو آپ کے ارادے سے آئے اس کی دل جوئی فرماتے ہیں۔ نہ محروم کرتے ہیں، نہ ہی نامراد کر کے واپس کرتے ہیں، جب صحابہ کرام آپ سے کسی بات کا اظہار کرتے ہیں تو آپ ان کی موافقت کرتے ہیں اور ان کے مشورے کے بغیر کسی بات پر اڑ نہیں جاتے، بلکہ ان سے صلاح و مشورہ لیتے ہیں۔ آپ ان کے نیکوکاروں کی بات قبول فرماتے اور بدکاروں کو معاف فرماتے تھے یہ جو فرمایا: مایا الرمھم عشرہ اچھی بسر کرنے والے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جس ساتھی کے ساتھ گزر بسر فرماتے بہتری کریمانہ بسر فرماتے۔ چہرۂ اقدس پر ملال نہیں لاتے تھے، بات میں سختی نہیں فرماتے تھے اور اس سے چہرۂ مبارک پھیرا نہیں کرتے تھے۔ زبان کی لغزشوں پر گرفت نہیں فرماتے تھے۔ بدتمیزی سے کوئی بات ہو جاتی تو اس پر مواخذہ نہیں فرماتے تھے، بلکہ ان کے خاندان والوں سے انتہائی احسان فرماتے اور ان کا بھاری بوجھ اٹھاتے۔ پس حضور کی گزر بسر ان کی تمام تکالیف و مظالم برداشت کرنا تھا۔ ان میں سے کسی پر نہ غصہ ہوتے، نہ ملامت کرتے، نہ اس سے کوئی ایسی بات فرماتے جو اسے ناپسند ہو (بشرطیکہ شریعت کا تقاضہ نہ ہو) جو آپ سے گھل مل جاتا وہ آپ کی قربت و توجہ سے متاثر ہو کر کہتا کہ میں آپ کا سب سے بڑھ کر محبوب ہوں کہ آپ اس کے مسئلہ کا اہتمام فرماتے، اس کی خیر خواہی کرتے، اس پر احسان فرماتے اور اس کی سختی کو برداشت فرماتے تو اس گزر بسر سے بڑھ کر کریمانہ کون سی زندگی ہے۔؟

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے والد سے اپنے ہم نشینوں کے ساتھ نبی علیہ السلام کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ہمیشہ ہنس مکھ، آسان عادت، نرم پہلو، نہ ترش رو نہ عیب گو، سخت طبع، نہ شور مچانے والے، فحش گو، نہ بے جا تعریف کرنے والے، نہ جس کی خواہش نہ ہوتی اس سے بے توجہ۔ آپ کا امیدوار کبھی مایوس ہوتا نہ نامراد۔ تین باتوں سے اجتناب کرتے۔ نہ کسی کی برائی کرتے، نہ عیب لگاتے، نہ اس کی چھپی باتوں کی ٹوہ میں لگتے۔ وہی بات کرتے جس کے ثواب کی امید ہو۔ جب بات فرماتے ہم نشین اس طرح گردنیں جھکا

لیتے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں، جب آپ خاموش ہو جاتے تب وہ بات کرتے۔ باہمی گفتگو میں جلد بازی نہ کرتے۔ کوئی آدمی آپ کے سامنے بات کرتا سب خاموش ہو جاتے، یہاں تک کہ وہ بات سے فارغ ہو جاتا (صحابہ کرام) کی گفتگو آپ کے حضور ایسے ہوتی جیسے پہلی بار گفتگو کرنیوالے کی۔ آپ بھی اس بات پر ہنستے جس پر دوسرے ہنستے اور جس پر باقی لوگ خوش ہوتے آپ بھی خوش ہوتے۔ کوئی اجنبی شخص بدتمیزی سے بات کرتا یا کچھ مانگتا تو آپ کے ساتھی اسے بٹھانے کی کوشش کرتے۔ فرمایا کرتے: جب کسی حاجت مند کو دیکھو تو عطا کرو۔ صرف اس تعریف کو قبول فرماتے جو احسان کے بدلے میں کرے۔ جب تک کوئی بات ختم نہ کر لے، بات نہ کاٹتے، پھر ٹوکنا ہوتا تو یا منع کر کے ٹوکتے یا اٹھ کھڑے ہوتے۔"

یہ جو فرمایا کہ جو شخص آپ کو اچانک دیکھتا ڈر جاتا، مرعوب ہو جاتا اور جان پہچان کے بعد جو آپ سے گھل مل جاتا، پیار کرنے لگتا۔"

یہ حضور علیہ السلام کے دو وصف ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ سچے اور پر خلوص بندوں کو موصوف فرماتا ہے، یعنی رعب اور محبت، آپ پر رعب و محبت دونوں کا نزول ہوتا۔ لہٰذا جو دیکھتا مرعوب ہو جاتا اور آپ کی بڑائی سے ڈرنے لگتا اور اس کا دل آپ کے جاہ و جلال سے بھر جاتا، خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوتا اور جب آپ سے گھل مل جاتا اور اٹھنے بیٹھنے لگتا تو سب مخلوق سے بڑھ کر آپ سے محبت کرنے لگتا۔ یہ ہے آپ کا مرتبہ عظیم، پسندیدہ اور قابل تعظیم و تکریم، یہی کمال محبت ہے کہ اس کا تعلق محبت و رعب دونوں سے ہوتا ہے۔ پس رعب کے بغیر محبت و عظمت ناقص اور ہیبت و تعظیم بھی محبت کے بغیر، جیسے قادر و ظالم کیلئے نقص ہے۔ کمال یہ ہے کہ محبت و مودت اور جاہ و جلال جمع ہوں۔ اور یہ کمال صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب محبوب میں صفات کمال ہوں جن کی بنا پر وہ عظمت و محبت کا مستحق ہو۔ اور جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں یہ صفات کمال ہر ایک سے بڑھ کر موجود ہیں تو اس کا حق ہے کہ اس کی تعظیم و بڑائی بیان کی جائے، اس سے ڈرا جائے اور اس سے محبت کی جائے دل کے ایک ایک جز کے ساتھ اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ کیا جائے کہ یہی وہ شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا کہ کوئی شخص اس خصوصی محبت میں اللہ اور اس کی مخلوق میں برابری کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((ومن الناس من يتخذ من دون الله اندادًا يحبونهم كحب الله والذين امنوا اشد حبًا لله))

"لوگوں میں سے کچھ وہ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شریک اختیار کر لیتے ہیں، ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے اور جو ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔"

اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ جو کوئی اللہ کے سوا کسی اور سے ایسی محبت کرے جیسی اللہ سے کرنی چاہیے تو اس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیا۔ جہنمی لوگ جہنم میں اپنے معبودوں سے کہیں گے:

((والله انا لفي ضلل مبين ٥ اذ نسويكم برب العلمين))

"اللہ کی قسم! ہم ہی کھلی گمراہی میں تھے، جب تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔"

ان کا بتوں کو اللہ کے برابر ٹھہرانا یہ نہ تھا کہ انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے یا ان کو اور ان کے باپ دادا کو پیدا کیا ہے، بلکہ انہوں نے اللہ کے برابر اپنے معبودوں کو پروردگار عالیمان کے ساتھ اس محبت میں برابر کرلیا تھا جو اللہ سے کرتے تھے، کیونکہ حقیقت عبادت محبت و ذلت ہی تو ہے۔ یہی وہ جاہ و عزت ہے جس سے اللہ نے اپنے اس قول سے اپنی ذات کو متصف فرمایا ہے:

((تبرك اسم ربك ذی الجلل والاکرام))

''تیرے پروردگار کا نام بڑی برکت والا ہے (جو پروردگار) جلال وعزت والا ہے۔

دو قولوں میں صحیح تر یہ ہے کہ جلال کا معنی ہے تعظیم اور اکرام کا معنی ہے محبت۔ یہی مفہوم بندے کے اس قول کا ہے: لا اله الا الله والله اکبر۔

اسی لیے مسند امام احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

((الزموبیاذ الجال والاکرام))

''یا ذوالجلال والاکرام کو لازمی طور پر اپنالو۔''

مسند ابویعلی الموصلی میں بعض صحابہ کرام سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کا اسم اعظم معلوم کرنا چاہا تو خواب میں دیکھا کہ آسمان کے ستاروں میں لکھا ہے۔

انسان کی ہر محبت و تعظیم، اللہ کی محبت و تعظیم کے تابع کر کے ماننا ہی جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کہ یہ دراصل بھیجنے والے کی تعظیم و محبت کی تکمیل ہے۔ بے شک حضور ﷺ کی امت جو آپ سے محبت کرتی ہے محض اس لیے کہ اللہ آپ سے محبت کرتا ہے اور امتی آپ کی تعظیم و تکریم اسی لیے کرتے ہیں کہ اللہ ان کی تعظیم و تکریم فرماتا ہے چونکہ اللہ کی محبت کی وجہ سے ہے لہٰذا اللہ ہی کی محبت ہے۔ یونہی علماء کی عزت، اہل ایمان اور صحابہ کرام کی عزت و تکریم، اللہ اور رسول کی محبت کے تابع ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رعب و محبت کا فیضان کیا اور ہر مخلص ایمان والے نے اس سے حصہ لیا۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مومن مٹھاس اور رعب والا ہوتا ہے، یعنی محبت کرتا اور جلال و رعب ڈالتا ہے کہ اللہ نے اس کو ایمان کا لباس پہنایا ہے جس کا یہی تقاضا ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام کے دلوں میں جتنی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، کسی کے دل میں اتنی محبت کسی کی نہیں ہوسکتی، نہ ہی ایسی ہیبت و عظمت۔ حضرت عمرو بن العاص فرماتے ہیں: اسلام لانے کے بعد کوئی شخص مجھے حضور علیہ السلام سے بڑھ کر محبوب و معظم نہ رہا۔ فرمایا: اگر میں تمہارے سامنے حضور علیہ السلام کی صفت کرنا چاہوں تو نہیں کرسکوں گا کیونکہ میں حضور علیہ السلام کے جاہ و جلال کی وجہ سے کبھی آپ کو آنکھ بھر کر دیکھ ہی نہ سکا۔ عروہ بن مسعود (حدیبیہ میں کفار مکہ کے سفیر) نے قریش سے کہا تھا: اے قوم! اللہ کی قسم! میں قیصر و کسریٰ اور دیگر بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں، مگر میں نے نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم و تکریم کرتے ہوں جتنی محمد کے ساتھی محمد کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! تعظیم کے پیش نظر وہ نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے نہیں اور جب وہ کھنگار بھی تھوکتا ہے تو ان میں سے کسی کے

ہاتھ پر ہی پڑتا ہے جسے وہ اپنے منہ اور سینے پر مل لیتا ہے، اور جب وہ (نبی) وضو کرتا ہے تو اس کے استعمال شدہ پانی پر لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اوصاف سے متصف ہیں جو بار بار اور بتکرار حمد وثناء کے مقتضی ہیں، تو آپ کا نام محمد رکھا گیا۔ یہ ایسا نام ہے جو اپنے مسمی اور معنی کے مطابق ہے۔

احمد اور محمد میں فرق:

لفظ احمد و محمد میں فرق دو طرح سے ہے۔ اول یہ کہ محمد کا مطلب ہے۔ جس کی یکے بعد دیگرے تعریف کی جائے، یہ دلالت کرتا ہے کہ آپ کی حمد کرنے والوں کی حمد بہت زیادہ ہیں اور احمد، حمد سے اسم تفضیل ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس حمد وثنا کے آپ حقدار ہیں، وہ اس سے افضل ہے، جس کے دوسرے مستحق ہیں۔ پس محمد میں حمد زیادہ ہوتی ہے کمیت (مقدار) کے لحاظ سے اور احمد میں حمد زیادہ ہوتی ہے کیفیت (مرتبہ) کے لحاظ سے۔ پس کسی انسان کی جو تعریف ہو سکتی ہے آپ کی سب سے زیادہ اور سب سے اعلیٰ حمد وثناء کی جاتی ہے۔

دوم یہ کہ محمد وہ ہے جس کی بتکرار تعریف کی جائے جیسا کہ گزر چکا ہے اور احمد وہ ہے جس نے اپنے رب کی تمام حمد وثناء کرنے والوں سے افضل حمد وثنا کی ہو تو ایک نام پاک یعنی محمد نے بتایا کہ آپ قابل صنعت وثناء ہیں اور دوسرے نام پاک یعنی احمد نے بتایا کہ آپ سب سے زیادہ اپنے رب کی حمد وثناء کرنے والے ہیں۔

یہی قیاس وقانون بھی ہے، کیونکہ بصریوں کی ایک جماعت کے نزدیک اسم تفضیل اور ''افعل تعجب'' صرف فاعل کے فعل سے بنتے، مفعول کے فعل سے نہیں بنتے (یعنی فاعلیت کے معنی کے لئے آتے ہیں، مفعولیت کیلئے نہیں آتے) دوسروں نے ان سے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اسم تفضیل و تعجب فاعل اور مفعول دونوں کے فعلوں سے بنتے ہیں (فاعلیت اور مفعولیت، دونوں کیلئے آتے ہیں) مقصد یہ کہ حضور علیہ السلام کے نام محمد اور احمد اس لیے رکھے گئے ہیں کہ آپ کی حمد سب سے زیادہ اور سب سے افضل کی جاتی ہے۔ پس دونوں مبارک نام اسم مفعول کے معنی میں ہیں اور یہی مذہب مختار ہے۔ حضور کی مدح میں یہ بات بلیغ تر اور اس کا مفہوم کامل تر ہے۔ اور اگر اس سے فاعلیت کا معنی مراد لیا جائے تو آپ کا اسم گرامی حماد ہوگا یعنی بہت تعریف کرنیوالا۔ جیسے آپ کا اسم گرامی محمد ہے یعنی جس کی بہت تعریف کی جائے۔ تو بے شک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد وثناء کرنے والے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ کا نام نامی فاعل کے معنی میں ہو تو بہتر ہوگا کہ نام نامی حماد ہو، جیسے آپ کی امت کا ہے۔ نیز یہ دونوں پاکیزہ نام سرکار ﷺ کے اخلاقِ حسنہ اور اوصاف حمیدہ سے مشتق ہیں، جن کی بنا پر ہی آپ اسم گرامی محمد و احمد سے موسوم ہونے کے مستحق ٹھہرے کہ حضور ہی کی ذات گرامی ہے جس کی دنیا اور آخرت والے، آسمان والے اور زمین والے سبھی تعریف کرتے ہیں۔ پس آپ اپنے کثیر اوصاف محمودہ کہ جن کے شمار سے شمار کرنے والوں کے اسماء وعدد ختم ہو جائیں، کی وجہ سے ہی حمد کے ایسے دو مشتقوں (محمد و احمد) سے موسوم ہوئے جو عظمت وشوکت میں فضیلت وزیادتی کا تقاضا کرتے ہیں۔''

قاضی عیاض مالکی نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے پہلے ان دونا موں سے کسی کو موسوم نہ ہونے دیا یعنی محمد اور احمد۔ وہ جو اسم گرامی احمد پہلی کتابوں میں آیا ہے، اور جس کیساتھ عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی، تو اللہ نے اپنی حکمت سے نہ تو آپ سے پہلے کسی کا نام رکھنے دیا اور کسی دعویدار کو آپ سے پہلے اس کا دعویٰ کرنے دیا کہ کمزور دلوں میں شک وشبہ پیدا نہ ہو۔ رہ گیا اسم گرامی محمد تو یہ نام بھی کسی عربی یا غیر عربی نے آپ کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے صرف اس وقت رکھنا شروع کیا جب یہ بات ہر طرف مشہور ہوگئی کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جس کا نام محمد ہے تو کچھ عربوں نے اپنے بیٹوں کا نام اس امید پر رکھنا شروع کردیا کہ شاید انہی میں سے وہ محمد ہوں اور اللہ بہتر جانتا کہ اپنی رسالت کی امانت کہاں رکھے گا۔''

میں نے عارف باللہ عبداللہ بن ابی جمرہ کی شرح مختصر بخاری میں حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے تحت:

((تسموا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی))

''میرے نام پر نام رکھو، اور میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔''

میں نے یہ عبارت دیکھی ہے:

''حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو اپنے نام پر نام رکھنے کی اجازت اس لیے دی کہ اس میں خیر وبرکت ہے۔ کہتے ہیں کہ جس گھر میں محمد نامی کوئی شخص رہتا ہو وہ خیر وبرکت سے خالی نہیں ہوتا۔ قیامت کے دن جب اسے اس کے نام محمد سے پکارا جائے گا، ہر کوئی یہ نام سن کر سر اٹھائے گا۔ کامیاب وکامران ہوگا۔ اس بارے میں اس سے ملتے جلتے بکثرت آثار منقول ہیں۔ میں نے ایک بابرکت عالم کو دیکھا جس کی کافی اولاد تھی۔ انہوں نے ہر بچے کا نام محمد رکھا ہوا تھا۔ ان میں صرف کنیت سے امتیاز ہوتا تھا، کیونکہ وہ روایت انہوں نے سن رکھی تھی جس میں اس نام نامی کی خیر وبرکت کا ذکر تھا اور جو کوئی اپنے بچے کا یہ نام رکھے اس کی فضیلت بیان ہوئی تھی، اسی لئے میں نے ان عالم صاحب اور ان کی اولاد کو ہمیشہ عظیم الشان خوشحالی میں ہی دیکھا ہے۔ نہ کسی سے طمع، نہ خوف، نہ دین سے غفلت۔

حافظ سیوطی نے اپنی کتاب ''الریاض الا ینقه فی اسما خیر الخلیقه'' میں اس اسم گرامی پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **محمد رسول الله** اور فرمایا: **وما محمد الا رسول** اور فرمایا: **ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله** اور احادیث میں حضور کا ذکر گزر چکا ہے۔ یہ نام اقدس حضور کے مشہور ترین اور بزرگ ترین ناموں میں سے ہے۔ اسی لئے اس میں چند خاص چیزیں رکھی گئیں ہیں۔ ایک یہ کہ کافر جب تک اس کو زبان پر نہ لائے اس کا اسلام صحیح نہیں ہوسکتا۔ یوں کہے: محمد رسول اللہ (محمد اللہ کے رسول ہیں) پس اس جگہ احمد بولنا کافی نہیں، البتہ الحلیمی نے اسے اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ اس کے ساتھ ابوالقاسم کا لفظ ملا دیا جائے اور الاسنوی نے التمھید میں اس کی توثیق کی ہے۔ دوسری یہ کہ تشہد (شہادت) میں بھی اس کو بولا جاتا ہے۔ اس کی جگہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور نام کو استعمال کرنا کافی نہیں، نہ ہی احمد کافی ہے۔ جیسا کہ شرح المھذب اور التحقیق میں لکھا ہے۔ یہی کلمہ خطبہ کا ہے۔ تیسری کہ اس کو

بیت الخلاء میں لے جانا مکروہ ہے اور استنجا کے وقت اس کو ہاتھ سے بدلنا ضروری ہے۔ اگر اپنا نام محمد تھا اور اسی نیت سے انگوٹھی پر لکھوالیا تو بھی پاس رکھنا محل نظر ہے۔ چوتھے یہ کہ اسم نام گرامی سے ضرب، کسر اور بسط سے رسولوں کی تعداد نکلتی ہے جو کہ تین سو تیرہ ہے یوں کہ اس میں پہلی میم اور دوسری مشدد جو قائم مقام دو میموں کے ہے، کل تین میم ہوئے اور میم کی جب کسر کی جائے تو م، ی، م تین حرف بنتے ہیں۔ اس حساب سے ہر میم کے ابجد کے حساب سے نوے عدد بنتے ہیں۔ مثلاً: میم کے عدد میں چالیس یا (ی) کے عدد ہیں دس (دو میموں اور ایک یا (ی) کے عدد ہوئے نوے) پس تین میموں کے عدد ہوئے دو سو ستر۔ دال کے عدد ہیں پینتیس، یوں کہ دال (د) کے چار: الف (ا) کا ایک، لام) کے تیس (کل ۳۵) حاء کے آٹھ عدد اس میں کسر نہیں (کل ٹوٹل ۳۱۳)

پنجم: آپ کا یہ نام رکھنے کے بارے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تو حضرت عبد المطلب نے ایک مینڈھا عقیقہ میں ذبح کیا اور آپ کا نام محمد رکھا۔ جب ان سے کہا گیا کہ ابو الحارث! محمد نام رکھنے پر کس چیز نے آپ کو آمادہ کیا، اور آپ نے ان کا نام باپ دادے کے نام پر نہیں رکھا تو انہوں نے فرمایا: میرا مقصد یہ ہے کہ آسمان پر اللہ ان کی تعریف کرے اور زمین پر لوگ۔ بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا فرمایا کرتیں کہ جب وہ حاملہ ہوئیں تو ان کے پاس آکر کہنے والے نے کہا: آپ اس امت کے آقا کی حاملہ ہیں، جب وہ زمین پر تشریف رکھیں تو کہنا میں ان کو اللہ واحد کی پناہ میں دیتی ہوں، ہر حاسد کی شر سے۔ کچھ دوسرے اشعار کے ساتھ، اور ان کا نام محمد رکھنا، تورات میں ان کا نام احمد ہے، زمین و آسمان والے اس کی تعریف کریں گے۔ انجیل میں ان کا نام احمد ہے، زمین و آسمان والے ان کی تعریف کریں گے۔ اور قرآن میں ان کا نام محمد ہے، پس اسی لیے والدہ ماجدہ نے آپ کا نام محمد رکھا۔''

الکلاعی نے اپنی کتاب سیرت میں کہا ہے کہ روایت ہے کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کا نام مبارک ایک خواب کی بنا پر محمد رکھا تھا۔ انہوں نے دیکھا گویا چاند کی زنجیر ان کی کمر سے نکلی۔ اس کا ایک سرا آسمان پر اور دوسرا سر زمین پر ہے۔ ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں، پھر وہ زنجیر ایک درخت سے بدل گیا جس کے ہر پتے پر روشنی ہے۔ مشرق و مغرب والے اس درخت سے لڑھک رہے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب بیان کیا تو اس کی یہ تعبیر کی گئی کہ ان کی پشت سے ایک نومولود ہونے والا ہے، اہل شرق و غرب اس کی غلامی کریں گے۔ زمین و آسمان والے اس کی تعریف کریں گے، اسی لیے انہوں نے آپ کا نام محمد رکھا۔

اس روایت کے ساتھ جو حضور کی والدہ ماجدہ نے بیان فرمائی۔ حافظ سیوطی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی رات میں جس آسمان سے گزرا وہیں اپنا نام اس طرح لکھا پایا: ''محمد رسول اللہ''

اس کو ابو یعلی اور بزار نے روایت کیا اور طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت

نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو انہوں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر کہا: ''اللہ! میں بحق محمد تجھ سے معافی چاہتا ہوں۔ اللہ نے وحی فرمائی، محمد کون ہیں۔؟ کہا: تیرا نام بڑا بابرکت ہے، جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو میں سر اٹھا کر تیرے عرش کی طرف دیکھا، اس میں لکھا تھا: لا اله الا الله محمد رسول الله تو میں سمجھ گیا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام سے ملا کر لکھا ہے اس سے بڑھ کر کوئی تیرے حضور بلند مرتبت نہیں، اللہ نے وحی کی: اے آدم! تیری اولاد میں سے وہ آخری نبی ہوں گے اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ اس کو حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا اور صحیح قرار دیا۔

اور امام بیہقی نے ''دلائل النبوت'' میں روایت کیا۔ ابونعیم نے الحیلۃ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت کے ہر درخت کے ہر پتے پر لکھا ہے:

((لا اله الا الله محمد رسول الله))

بزاز وغیرہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی کہ وہ خزانہ جسے اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے (فی کنوز و مقام کریم) یہ ایک سنہری تختی ہے جس میں لکھا ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مجھے اس پر تعجب ہے جسے تقدیر پر یقین ہے۔ پھر مشقت میں جتا رہتا ہے۔ مجھے اس پر تعجب ہے جس کو جہنم یاد ہے، پھر بھی ہنستا ہے مجھے اس پر تعجب ہے، جسے موت یاد ہے پھر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے غافل ہے۔

السیوطی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی کا نقش تھا: لا اله الا الله محمد رسول الله۔

طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی کا نگینہ آسمانی تھا، جو اللہ نے ان کو عطا کیا تھا۔ انہوں نے اسے اپنی انگوٹھی میں جڑ لیا۔ اس کا نقش تھا: "انا الله لا اله الا انا محمد عبدی ورسولی" فرمایا کہ صحیح تر حدیث جو نام محمد رکھنے کی فضیلت میں آئی ہے وہ حضرت امامہ الباہلی کی حضور علیہ السلام سے یہ روایت ہے: ''جس کا بیٹا پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام محمد رکھا، میری محبت اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے، وہ اور اس کا بیٹا جنت میں جائے'' اس کی سند میں کوئی ضعف نہیں۔''

ابن حجر مکی نے شرح شمائل میں فرمایا:

''اسم محمد واحمد کی مزید خوبی یہ ہے کہ دونوں میں حروف جلالت برابر ہیں۔''

ان دونوں مبارک ناموں کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ جو کوئی ان کو کسی ورق پر لکھ کر اپنے پاس رکھ لے اور ہمیشہ دیکھتا رہے اور حضور علیہ السلام پر درود وسلام بھیجتا رہے، تو اس کو نیند کی حالت میں سرکار دو عالم کی زیارت کثرت سے ہوگی۔

حضور علیہ السلام کے تمام ناموں میں مشہور تر نام محمد ہے اور آپ سے پہلے کسی نے یہ نام نہیں رکھا، لیکن جب آپ کے نور ظہور کا زمانہ قریب آ گیا اور آپ کا ذکر ہر طرف پھیلنے لگا تو اہل کتاب نے اپنے بیٹوں کا نام اس

امید پر "محمد" رکھا کہ شاید ہمارا بیٹا نبی بن جائے۔ ایسے بچوں کی تعداد پندرہ تھی۔
حضور علیہ السلام کے پاکیزہ نام کہا گیا ہے کہ ایک ہزار ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو ہزار بیس ہیں، لیکن ان سب میں سننے میں لذیذ تر اور دل کو سب سے زیادہ تسکین دینے والا، چشمہ فرحت و سرور یہی بابرکت نام ہے۔ اگرچہ آپ کے تمام نام ایسے ہی معظم و مکرم ہیں۔ شارح دلائل نے شروع میں فرمایا: سرکار کا یہ نام اقدس مشہور تر، مخصوص تر اور معروف تر ہے، اسی نام اقدس سے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں سکرات کو بلاتا ہے اور بلائے گا اور یہی نام پاک کلمہ توحید میں آیا ہے۔ اسی سے آدم علیہ السلام کی کنیت (ابو محمد) رکھی گئی اور اسی نام اقدس سے انہوں نے شفاعت چاہی۔ اور حضرت حوا کے حق مہر کے طور پر اسی نام پاک پر انہوں نے درود پڑھا تھا، اور خود حضور علیہ السلام اپنا یہی نام بتاتے تھے۔ فرماتے ہیں: انا محمد بن عبد الله۔ والذی نفس محمد بیده، فاطمة بنت محمد ۔ کسی کو خط لکھتے تو اس طرح من محمد رسول الله۔ اسی نام سے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں، اور اسی نام سے قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام تمام انسانوں کو شفاعت کیلئے آپ کا دروازہ دکھائیں گے۔ حدیث معراج میں حضرت جبریل علیہ السلام نے اسی نام پاک سے آپ کا تعارف کروایا۔ حدیث معراج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی آپ کا یہی نام مبارک لیا۔ آپ کی پیدائش پر آپ کے دادا حضرت عبد المطلب نے بھی یہی نام رکھا۔ اسی نام مبارک سے قوم آپ کو پکارتی تھی۔ پہاڑوں کے فرشتے نے بھی آپ کو اسی نام سے آواز دی۔ فرشتہ موت آپ کی روح قبض کر کے اپنے ہمراہ لے کر آسمان کی طرف، یہی نام مبارک لے لے کر روتا جاتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ جنت کا دروازہ کھلوائیں گے اور نگران فرشتہ نام پوچھے گا تو وہاں بھی آپ یہی نام لیں گے۔ یونہی دوسرے کئی مقامات جو اس وقت میرے ذہن میں حاضر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد رسول الله۔
یہ صفت سے منقول ہے، کیونکہ دراصل یہ حمد مضاعف سے اسم مفعول ہے، پھر اس کو نقل کر کے حضور علیہ السلام کا علم مقرر کیا گیا۔ معنوی لحاظ سے یہ صیغہ کیونکہ ثلاثی مجرد میں مبالغہ کا معنی پیدا کرنے کیلئے مضاعف کیا جاتا ہے (لفظی اضافہ کیا جاتا ہے) اصل میں حمد فعل مجہول سے محمود (اسم مفعول بنا) پھر اس کو (لفظی اضافہ کر کے) حمد اور اس سے اسم مفعول بھی محمد بنایا گیا اور یہ مبالغہ کیلئے کیا گیا، کیونکہ اس میں حمد یکے بعد دیگرے تکرار کے ساتھ ہوتی ہے۔ پس لغت میں محمد کا مطلب ہوگا: الذی بحمد حمدا بعد حمد" جس کی یکے بعد دیگرے ثناء کی جائے۔" اور مفعل کا لفظ، جیسے مضرب اور ممدح تو صرف اس ذات کیلئے آیا کرتا ہے، جس پر فعل یکے بعد دیگرے تکرار کے ساتھ آئے پس یہ نام حضور علیہ السلام کی ذات اور معنی کے مطابق ہے کیونکہ آپ کی ذات پاک تمام کائنات کی زبانوں پر ہر ہر پہلو سے ستودہ ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے، اوصاف کے لحاظ سے، جسم اور عادات کے لحاظ سے تمام اعمال، احوال، علوم، اور احکام کے لحاظ سے اور تمام ان چیزوں کے لحاظ سے جو آپ کے صدقے نازل ہوئیں اور ظاہر ہوئیں۔ پس وہ قابل ستائش ہیں زمین و آسمان میں اور دنیا و آخرت میں۔ دنیا میں یوں کہ اللہ نے آپ کے ذریعے ہدایت دی۔ اور آپ کے صدقے سے علم و حکمت سے مالا مال فرمایا۔ اور آخرت میں شکایت کے ذریعے۔ تو جیسا لفظ کا تقاضا تھا معنی میں تکرار ہو گیا اس کے

ساتھ آپ ہی حامد (اللہ کی حمد کرنے والے) ہیں، کیونکہ اللہ کی جس نے حمد وثناء کی آپ کی تعلیم سے کی کہ وہ سب کے نبی ہیں۔لہٰذا وہی حامد ہیں، چاہو تو یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی حامد وہی ہیں۔اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کی حمد وثناء کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی زبانوں پر آپ کی حمد کی۔پس آپ ہی الحامد اور آپ ہی المحمود ہیں۔مگر فرق یہ ہے کہ نزول حکم اور مبدا فاعلیت کے اعتبار سے آپ کو احمدیت سے مخصوص کیا گیا ہے اور بلوغ حکم اور منتہائے مفعولیت کے لحاظ سے محمدیت کے لحاظ سے۔پس آپ کا نام آسمان میں احمد اور زمین میں محمد مشہور ہو گیا۔پس آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حمد وثنا کرنے والوں میں بھی بہترین اور سزاواران حمد و ستائش میں بھی افضل ہیں اور حق تو یہ ہے کہ مخلوق میں سے آپ کے سوا نہ کسی نے آپ کی حمد وثناء کی اور نہ ہی آپ کے علاوہ رب کی طرف سے کسی کی تعریف وتوصیف کی گئی۔ہو بھی کیسے؟ کہ لواء الحمد تو آپ ہی کے ہاتھ میں ہوگا، وہی مقام محمود کے مالک ہیں، جہاں پہلے پچھلے سب آپ کی تعریف کریں گے۔

پھر یہ کہ آپ اس وقت تک محمد نہیں ہوئے جب تک کہ احمد نہ ہوئے۔یوں کہ آپ نے رب تعالیٰ کی حمد وثناء تمام لوگوں سے پہلے کی۔وجود میں بھی ایسا ہی ہوا (کہ آپ کا وجود پہلے اور مخلوق کا بعد میں ہوا) بلاشبہ آپ کا اسم گرامی احمد پہلی کتابوں میں موجود ہے اور اسم گرامی محمد (احمد کی طرح) قرآن میں ہے۔اسم گرامی احمد صفت سے منقول ہے جس میں تفضیل کا معنی ہے۔اس کا مفہوم ہے اپنے رب کی حمد وثناء کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد وثنا کرنے والا'' اور حقیقت میں ایسا ہی ہے کیونکہ مقام محمود میں آپ پر حمد وثناء کے وہ جامع کلمات کھولے جائیں گے جو آپ سے پہلے کسی پر نہ کھولے گئے، پھر آپ ان کلمات طیبات سے اپنے رب کی حمد وثناء کریں گے، اسی لئے حمد کا پرچم (لواء الحمد) آپ کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

اسم گرامی محمد میں صوری و مادی اشارات:

شیخ ابو عبد اللہ مکی نے کہا:

''اس اسم گرامی محمد میں صورت مادہ کے لحاظ سے لطیف اشارات ہیں یعنی حروف مادیہ اور ہیئت صوریہ کے لحاظ سے۔پہلی صورت اس طرح کہ اولاً یہ اسم گرامی ملکوت اعلیٰ (بلند ترین سلطنت) کی میم پر مشتمل ہے۔حا، اس حیات اور حفظ پر دلالت کرتی ہے جو آپ کو حاصل ہے اور جسے قلم بالا نے لکھا ہے، اور مملکت بالا کی میم ہے جو مملکت ظاہری کی میم میں موجود ہے اور دوام واتصال کی دال جو انفصال وانقطاع کے وہموں کو ختم کرتی ہے۔دوسری صورت یوں کہ اس اسم گرامی (محمد) کی صورت انسانی صورت سے ملتی جلتی ہے۔پہلی میم سر، حا دونوں بازو، دوسری میم پیٹ، دال دونوں پاؤں۔''

شیخ عبد الرحمٰن بسطامی رحمہ اللہ، اپنی کتاب درۃ الظنون فی رویۃ قرۃ العیون کی فصل ثانی میں لکھتے ہیں:

''پھر یہ اسم گرامی حقیقت میں نہ سرکار سے پہلے کسی کا رکھا گیا نہ بعد میں۔لوگوں نے یہ نام رکھ کر لفظوں میں شرکت کر لی۔معنوی جہت سے کوئی آپ کا شریک وسہیم نہیں ہو سکتا، کیونکہ آپ کے علاوہ جو مخلوق ہے، اس میں کچھ نہ کچھ کسی پہلو سے نقص ضرور ہے اور نہیں تو یہ تو ہے کہ کوئی اس کمال کی انتہا تک نہیں پہنچ سکا جو آپ کا مرتبہ ہے۔پس محمد علی الاطلاق یا محمد مطلق آپ کے سوا کوئی نہیں (جس میں کسی قسم کا نقص نہ ہو) کیونکہ کسی

وصف کمال میں انتہا تک نہ پہنچنا بھی ایک طرح کی برائی ہے یعنی ذم ہے اور جس سے ذم کا کسی طرح بھی تعلق ہو جائے حقیقۃً محمد نہیں ہو سکتا۔ پس محمد کے سوا کوئی محمد نہیں۔ اسی لئے جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرنا چاہی، تو اللہ نے اس کا رخ آپ سے پھیر دیا کیونکہ (محمد کی بجائے مذمم کی ہجو کرتے تھے) حضور کی حقیقت کسی طرح بھی اسے نہیں چاہتی، پس وہ مذمم کی ہجو کرتے تھے اور وہ شیطان ہے کیونکہ شیطان کے تمام ناموں میں یہ جامع ترین نام ہے، کیونکہ یہ انتہائی درجہ کے ہر عیب پر مشتمل ہے۔ ان دو ناموں (محمد، مذمم) میں اسی واضح تضاد اور دونوں صفتوں میں عدم اشتراک کی وجہ سے شیطان حضور علیہ السلام کی صورت نہیں بنا سکتا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اسم محمد اللہ کے نام محمود سے مشتق کیا جائے جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وشق لہ من اسمہ لجلہ

فذو العرش محمود وھذا محمد

''اللہ نے حضور کا نام اپنے نام سے مشتق کیا تا کہ اسے عظمت و بزرگی بخشے۔ پس عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔''

تو پھر اس محمد میں تشدید سے مبالغہ کیوں فرمایا اور محمود میں کیوں نہ مبالغہ کیا گیا؟

جواب: جب کہ حضور علیہ السلام بشر (انسان) ہیں اور بشر (بحیثیتِ بشر) اس شان کا مالک نہیں ہو سکتا کہ تمام اوصاف میں کامل ہو اور آخری درجہ پر فائز ہو، لہٰذا اسم گرامی مشدد کرنے کی ضرورت پڑی یہ بتانے کیلئے کہ اس وصف میں آپ دوسروں کی مثل نہیں، بلکہ آئینہ حق ہیں، جو اسماء وصفات کے تمام حقائق کو اپنے اندر منعکس کر رہے ہیں۔

سوال: سیدی ابو المواہب الشاذلی نے اپنی کتاب قوانین الاشراق میں فرمایا:

''فرمان باری تعالیٰ ہے:

((واذقلنا للملئکۃ اسجدوا لادم فسجدوا))

''جب ہم نے فرشتوں سے کہا، آدم کو سجدہ کرو، تو انہوں نے سجدہ کیا۔''

اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرنا تو حرام ہے تو یہ سجدہ کیسے جائز ہو گیا؟

جواب: ہم کہتے ہیں اس سجدہ سے مقصود تھا چھوٹے کا بڑے کے آگے تواضع وانکساری کرنا۔ یہ مربوب کا رب کو سجدہ نہ تھا کیونکہ آدم علیہ السلام بندے تھے، رب نہ تھے لیکن ان کی انسانی شکل کی اس لیے تعظیم وتکریم کی گئی کہ اس میں محمدی آثار نمایاں تھے۔ یہی تو وہ حقیقت ہے اے عقل و ذوق والو! جس نے محراب میں سجدہ واجب کیا۔

وہ یوں کہ آدم علیہ السلام کا سر میم (م) ان کا ہاتھ (ح) حا، ان کی ناف (م) میم اور باقی حصہ (د) دال۔'' خط قدیم میں یوں لکھا تھا۔'' ابو المواہب رحمہ اللہ نے فرمایا: ہماری بات کی تائید ہمارے استاذ یعنی سیدی علی وفا کے اس قول سے ہوتی ہے:

((لو ابصر الشیطان طلعۃ نورہ فی وجہ آدم کان اول من سجد))

''اگر شیطان حضور علیہ السلام کے نور کی جھلک آدم علیہ السلام کے چہرے میں دیکھ لیتا تو سب سے پہلے سجدہ کرنیوالا ہوتا۔''

حضور علیہ السلام تمام رسولوں اور نبیوں اور تمام اہل خیر وتقویٰ کے نور ہیں، جیسے کہ فرمایا:

عیسیٰ و آدم والصدور جیعھم

ھم اعین ھو نور ھالما ورد

''حضرت عیسیٰ، آدم اور تمام سردار (انبیاء) علیہم السلام ایسی آنکھیں ہیں جن میں روشنی آپ ہیں کہ روایات میں یہی آیا ہے۔''

یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کیلئے تمام نبیوں کا نور، رسولوں کی رہنمائی، اولیاء کو ہدایت اور جمع کر کے آپ کو نورِ ختم نبوت سے مختص کر دیا۔

یہاں ایک لطیفہ ہے کہ اسم محمد کی پہلی میم جب پڑھو تو تین حروف بنتے ہیں (میم، م، ے، م) حا میں دو حرف ہیں (ح، ا) ہمزہ کا شمار نہیں ہوتا، کہ یہ الف ہی ہے، دو میموں سے چھ حروف نکلے۔ دال میں تین حروف ہیں د، ا، ل، دال، الف، لام۔ پس جب شمار کریں آپ کے نام کے ظاہری و باطنی حروف تو تمہیں ابجد کے لحاظ سے 314 حاصل ہوئے۔ 313 تو رسولوں کی تعداد ہے جو نبوت کے جامع ہیں۔ باقی ایک بچا۔ یہ مقام ولایت ہے جو تمام نبیوں اور حضور علیہم السلام کے پیروکار ولیوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ یہاں ایک اور نقطہ ہے کہ ولیوں پر تقسیم ہونے کیلئے صرف ایک عدد (فرد) بچا ہے، کیونکہ ان ولیوں میں افراد بھی ہوتے ہیں جو حقیقیۃ انفرادی شان سے مختص ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک فرد کو اللہ تعالیٰ اپنے زمانہ کے نور کا جامع کر دیتا ہے اور یہ نقطہ حقیقت محمد یہ سے ملا ہے جو تمام حقائق کی جامع ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

ولیس علی اللہ مشنکر

ان تجمع العالم فی واحد

''اللہ کیلئے کوئی مشکل نہیں کہ تمام دنیا کے اوصاف کسی ایک میں جمع کر دے۔''

اور شیخ شہاب الدین احمد بن العماد اقفھسی نے اپنی کتاب کشف الاسرار عما خفی من الافکار میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کے اسم مبارک کے دس خصائص ہیں۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے:

حضور علیہ السلام کا نام مبارک ساق عرش پر لکھا ہے۔ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش پیدا کیا تو جنبش کرنے لگا اور جب اس پر اسم محمد لکھا گیا تو اسے سکون آ گیا۔ اس میں تنبیہ ہے کہ سب سے بڑی مخلوق حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ نام مبارک کے حروف کے بارے میں کہا: ''بعض لوگوں نے کہا: میم کا مطلب ہے کفر کو اسلام سے محو کرنا یا پیروکاروں کے گناہ محو کرنا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ میم کا مطلب ہے: من اللہ علی المومنین اللہ کا مسلمانوں پر من (احسان) یہ بھی کہا گیا ہے کہ میم سے مراد آپ کی امت کا ملک (حکومت) یا مقام محمود، حا کے متعلق کہا گیا ''مخلوق کے درمیان اللہ کے حکم سے آپ کا فیصلے کرنا، اللہ فرماتا ہے:

((فلاو ربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى انفسهم حرجاً مما قضيت وتسلموا تسليماً))

''پس ہرگز نہیں اور تمہارے رب کی قسم! وہ ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک تمہیں اپنے ہر جھگڑے میں حاکم نہ مانیں اور تمہارے فیصلے سے دل میں تنگی محسوس نہ کریں اور سر تسلیم کرلیں۔''

یہ بھی کہا گیا ہے:

''حا سے مراد آپ کی امت کی حیات ہے۔ رہی دوسری میم تو یہ اللہ کا حضور کی امت کی مغفرت کی میم ہے اور کہا گیا ہے اہل ایمان کی منادی، دال، داعی الی اللہ کی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

((داعيًا الى الله باذنه وسراجًا منيرًا))

''اللہ کی طرف بلانے والے اس کے اذن سے اور چمکتا سورج ہیں۔''

پس آنحضور دنیا و آخرت میں جنت کی طرف لوگوں کی دلیل ہیں۔

اس کو نیشاپوری نے ذکر کیا۔

امام بوصیری نے قصیدہ بردہ میں کیا خوب فرمایا:

فان لی ذمه منه بتسمیتی

محمدًا وهوا وفى الخلق فى الذمم

''بے شک مجھے حضور کی ذمہ داری (ضمانت) حاصل ہے کیونکہ میں نے اپنا نام محمد رکھا ہے اور حضور علیہ السلام سب سے بڑھ کر ذمہ داریوں کو پورا کرنیوالے ہیں۔''

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی رحمہ اللہ نے اپنی شرح قصیدہ بردہ میں فرمایا:

''ناظم کے کلام میں آپ کے نام پر نام رکھنے کی ترغیب ہے، اس بارے میں کئی احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے ایک یہاں انہوں نے اس کی سند ذکر کی ہے، حمید الطویل عن انس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے (قیامت کے دن) اللہ کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دے گا، وہ کہیں گے: پروردگار! ہم جنت کے مستحق کس طرح ہو گئے؟ ہم نے تو کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کے عوض جنت میں جاسکیں۔؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندو! جنت میں چلے جاؤ، کیونکہ میں نے قسم ارشاد فرما رکھی ہے کہ (بشرط ایمان) جس نے اپنا نام محمد یا احمد رکھا جہنم میں نہیں جائے گا۔''

نبیط بن شریط سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم کہ (حبیب!) جس نے تیرے نام پر نام رکھا میں اسے جہنم کی سزا نہیں دوں گا۔''

اس کو ابونعیم نے روایت کیا۔ ان سے ابوعلی حداد اور ان سے ابو منصور دیلمی نے اپنی سند کے ساتھ مسند الفردوس، میں مرفوعاً ذکر کیا اور فرمایا:

''اس کی سند متصل ہے۔''

جعفر بن محمد (الباقر) سے روایت ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا، ایک پکارنے والا پکارے گا: سنو! جس کا نام محمد ہے وہ اٹھ کر جنت میں داخل ہو جائے، یہ عزت و تکریم ہے سرکار کے نام کی۔ دوسرے لفظوں میں ہے کہ قیامت کے دن آواز دی جائے گی: یا محمد! تو جس جس کا نام محمد ہوگا میدان حشر میں سر اٹھا کر دیکھے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ جس نے (بشرط ایمان) میرے نبی کے نام پر محمد نام رکھا اسے میں نے بخش دیا۔

حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس کا بیٹا پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام برکت کیلئے محمد رکھا، وہ اور اس کا بیٹا دونوں جنت میں جائیں گے۔ اس کو صاحب مسند الفردوس اور اس کے بیٹے منصور نے روایت کیا۔

انہی دو بزرگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جس دستر خوان پر محمد یا احمد نام کا کوئی شخص حاضر ہوا، اللہ اس گھر کو ہر دن دو مرتبہ پاک فرماتا ہے۔"

امام قسطلانی فرماتے ہیں:

"اللہ کا شکر ہے کہ مجھے بھی حضور علیہ السلام کی ضمانت حاصل ہے کہ سرکار کے اسم مبارک کی طرح میرا نام بھی احمد ہے اور میں اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرتا ہوں کہ جس طرح اس نے مجھ پر یہ احسان فرمایا، مجھے حضور علیہ السلام سے محبت کرنیوالوں اور وارثوں کی لڑی میں پرودے۔"

سید مصطفیٰ البکری فرماتے ہیں:

"الحمد للہ! جس نے میرے نام پر اپنا نام مصطفیٰ رکھا وہ بجا طور پر سرکار دو عالم ﷺ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے کیونکہ میرا نام آپ ہی کے نام پر ہے، اور مجھے اہل وفا میں سے ایک صاحب کشف نے بتایا، جس نے چشمہ مصفا سے بھر بھر جام پیے تھے کہ بعض فقراء کی بہت حقیقتیں تھیں، جن کے بڑے بڑے نام تھے، جن میں سے ایک حقیقت کا نام اسی نام پاک مصطفیٰ پر رکھا گیا تھا، لیکن فیصلہ کن نام پاک تو وہی ظاہر و واضح (محمد و احمد) ہے اور موقع محل کے مطابق اسے سبقت حاصل ہے۔"

الفھسی رحمہ اللہ کی شرح قصیدہ بردہ میں امام حسن بصری کا یہ فرمان موجود ہے:

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن محمد یا احمد نام کے آدمی کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور فرمائے گا: جبریل! میرے بندے کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کر دو کہ جس کا نام میرے حبیب کے نام پر محمد یا احمد ہوا اسے جہنم میں عذاب دیتے مجھے شرم آتی ہے۔"

حضرت علی بن موسیٰ اپنے باپ اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب محمد نام رکھو تو اس کی تعظیم و توقیر کرو، اس کی تذلیل نہ کرنا، نہ ہی دباؤ ڈالنا، نہ ایسے آدمی کی بات ٹالنا۔"

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس شخص کے تین بیٹے ہوئے اور اس نے کسی کا نام محمد نہ رکھا، اس نے جہالت کا ثبوت دیا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''جس قوم نے کوئی مشورہ کیا اور محمد نامی کوئی شخص ہونے کے باوجود انہوں نے اسے مشورہ میں شریک نہ کیا، اس میں برکت نہ ہوگی۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس گھر میں میرا نام ہو، اس میں غریبی داخل نہ ہوگی۔''

سید مصطفیٰ البکری نے مذکورہ عبارت کے بعد فرمایا:

''اس اسم گرامی کے عدد اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے باسط اور ودود کے اعداد کے برابر ہیں، جس کسی کا نام محمد ہو اس کیلئے مناسب ہے کہ ان دو ناموں کا ذکر کرتا رہے۔ ہمارے شیخ، شیخ محمد الخلیلی القاطن نے ابھی ابھی بیت المقدس میں ہمیں بتایا کہ انہوں نے اپنے بعض مشائخ سے اسم امان حاصل کیا۔ یہ اللہ کا نام ہے جس کے اعداد اسم محمد کے موافق ہیں، اس مبارک اسم محمد کے متعلق ایک رسالہ ہے انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ اس کی شرح کرنا چاہتے ہیں تا کہ اجر جزیل پائیں۔ آپ ان حضرات میں سے ایک ہیں جنہوں نے مجھے اپنے مشائخ کی طرف سے اجازت دی۔ اللہ ان پر احسان کر کے جزائے خیر عطا فرمائے۔''

الیافعی رحمۃ اللہ نے الدر النظیم فی خواص القرآن العظیم میں فرمایا:

''شیخ محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے حضور علیہ السلام کے نام میں سے کچھ حروف لیے اور ان حروف کو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے جس میں دیکھے مطابق ہوں گے۔ اگر ایک اسم میں نہ پائے تو دو میں تلاش کر کے یا تین یا چار میں، مثلاً: محمد اس کے 92 عدد ہیں ہم نے اس کی موافقت اللہ کے ایک نام میں ڈھونڈھی تو نہ پائی۔ دو میں مل گئی اول اور دائم میں۔ پھر تین میں موافقت نہ ملی مگر اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے چار کے مجموعہ میں مل گئی۔ یہ چار حی، وھاب، واجد، ولی، ہیں، فرمایا کہ آدمی اسم محمد کے عدد کے برابر 92 مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھے۔ پھر اتنی ہی مرتبہ آیت الکرسی اور معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) اور اتنی ہی مرتبہ سورۂ الم نشرح پھر ان چار اسمائے حسنیٰ کو اسی تعداد کے مطابق پڑھے، اس کو وظیفہ بنالے، جب یہ وظیفہ مکمل تعداد میں پڑھ لے تو کہے: یا حی احی ذکر وارزقنی یہاں جو چاہے اس کا نام لے اسی طرح: یا وھاب ھب لی یہاں بھی مطلوبہ چیز کا نام لے۔ یا واجد اوجد، پھر مطلوبہ چیز پھر یا ولی تولنی اسی پر قیاس کرتے جاؤ۔''

بعض مشائخ نے کہا:

''اللہ کا ایک نام سلام ہے جب اس کو اسم مبارک واجد سے ملایا جائے تو اسم محمد کے اعداد سے ان کے اعداد موافق ہو جائیں گے، کیونکہ جب ہم نے کہا میم مشدد دو حرفوں کے برابر ہے تو اس کے عدد 232 ہوں گے۔ اس اسم سلام کو اسم محمد سے مناسبت حاصل ہے کیونکہ حضور علیہ السلام تمام دنیا کا قلب ہیں۔ یاسین، قرآن کا قلب ہے اور سلام قولا من رب رحیم ۔ یاسین کا قلب ہے۔ سلام کا مطلب ہے: امان بچاؤ اور حضور علیہ السلام امان ہیں کیونکہ خود فرماتے ہیں، اللہ نے میری امت کے لئے مجھ پر دو امانیں نازل فرمائیں، ایک تو:

((وما كان الله ليعذ بهم وانت فيهم وما كان الله معذبهم وهم يستغفرون))

''جب تک حبیب تم ان میں ہو اللہ ان کو عذاب نہیں کرے گا اور جب تک بخشش مانگتے رہیں گے تب تک اللہ ان کو عذاب نہ کرے گا۔''

دوسری جب میں چلا گیا تو ان میں تا قیامت استغفار چھوڑ جاؤں گا۔

جن لوگوں کا نام محمد یا احمد ہے ان کی فضیلت میں مروی آثار:

یہ وہ پسندیدہ آثار ہیں جن کی سند جلیل، قیمتی اور قابلِ اعتماد ہے اور ان لوگوں کی فضیلت کے بارے میں ہیں جن کا نام محمد یا احمد ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو بندے اللہ کے حضور کھڑے کیے جائیں گے، تو اللہ ان کو جنت کا حکم دے گا، وہ کہیں گے: پروردگار! ہم جنت کے مستحق کیسے ہو گئے؟ حالانکہ ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی جزا جنت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندو! جنت میں داخل ہو جاؤ میں نے عہد کر رکھا ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہو گا وہ آگ میں نہیں جائے گا۔''

اس حدیث کی سند یہ ہے:

((حدثنا احمد بن عبد الله، حدثنا جدی لابی العباس صدقة بن موسیٰ بن تميم بن ربيعة بن ضمرة الغنوی مولی علی بن ابیٰ طالب))

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کا بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام محمد رکھا، برکت حاصل کرنے کیلئے وہ اور اس کا بیٹا جنت میں جائیں گے۔''

اس حدیث کی سند یہ ہے:

((حدثنی ابو الحسن حامد بن حماد بن المبارك عن عب دالله العسكری بنصيبين حدثنا اسحاق بن سيار بن محمد ابو يعقوب النصيبی حدثنا حجاج بن المنهال حدثنا حماد بن سنمة عن برد بن سنان عن مكحول عن ابی امامة الباهلی رضی الله عنه و قال قال رسول الله))

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا بیٹا پیدا ہوا اس نے اس کا نام محمد رکھا، میری محبت اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے وہ اور اس کا بیٹا جنت میں جائیں گے۔

اس کی سند درج ذیل ہے:

((حدثنا محمد بن عبد الله الحضر می حدثنا حبيب بن نصر بن زياد المهلبی حدثنا عبد الصمد بن مقاتل العباد انی بعباد ان حدثنا منصور بن عكرمة بعباد ان فی رباطنا عن ابی العلا برد بن سنان عن مكحول عن ابی امامة الباهلی رضی الله

عنہ قال))

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے تین بیٹے ہوئے اور اس نے ان میں سے ایک کا نام بھی محمد نہ رکھا تو اس نے جہالت کی بات کی۔

اس کی سند درج ذیل ہے:

((حدثنی ابو الحسن احمد بن محمد بن علی بن الحسین بن القرج ابو الفقی السکری المقری حدثنا القاسم بن علی بن ابان العلان حدثنا علی بن میمون العطار حدثنا عثمان بن عبد الرحمن الطرائفی عن عمر بن موسیٰ ابو جیھی عن القاسم عن واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ قال))

اس کے بعد یہی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔ ذرہ لفظی اختلاف سے یہی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ پھر ایک اور روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو نقل کی گئی ہے اس میں فقد جفانی کے الفاظ ہیں کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اس کے بعد بحذف سند حضرت علی کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو لوگ کسی بات پر مشورہ کرنے کیلئے جمع ہوں اور محمد نامی شخص موجود ہو اور وہ اسے مشورہ میں شامل نہ کریں ان کے مشورہ میں ہرگز برکت نہ ہوگی۔“

حضرت امام حسین اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا:

”محمد یا احمد نامی کسی شخص کو مشورہ میں شامل کریں گے تو ان کیلئے بہتر ہی ہوگا۔“

اس کے بعد دو سندوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس قوم نے مشورہ کرنا ہو اور محمد یا احمد نامی شخص کو اس میں شریک کرلیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوگا۔“

ایک طویل سند کے ساتھ، جسے میں حذف کر رہا ہوں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”محمد نام رکھ کر پھر اسے گالی دیتے ہیں۔“

یہ روایت تین مختلف سندوں سے مذکور ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس کھانے کے دستر خوان پر محمد یا احمد نامی شخص حاضر ہو وہ گھر ہر دن میں دو مرتبہ پاک کیا جاتا ہے۔“

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب بچے کا نام محمد (یا احمد) رکھو تو اس کی عزت، توقیر اور تعظیم کرو۔ اس کی تذلیل، تحقیر اور توہین نہ کرو۔“

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ اس شخص کو جس کا نام محمد یا احمد ہوگا اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور فرمائے گا: محمد میرے بندے ہیں۔ کیا تمہیں شرم نہ آئی کہ میری نافرمانی کرتے رہے؟ حالانکہ تمہارا نام میرے حبیب کے نام پر محمد تھا۔ بندہ

اپنا سر جھکا لے گا اور کہے گا: پروردگار! مجھ سے قصور ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جبریل! میرے اس بندے کا ہاتھ پکڑ کر اسے جنت میں داخل کر دو کہ مجھے شرم آتی ہے کہ جس نے میرے حبیب کے نام پر محمد نام رکھا اسے آگ کا عذاب دوں۔''

اس کے بعد دو طویل سندوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب بیٹے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت کرو اور مجلس میں اس کیلئے جگہ وسیع کرو اور اس کے سامنے منہ نہ موڑو۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جس گھرانے میں محمد نامی کوئی شخص ہو اللہ تعالیٰ رات دن ان کو برکت دیتا رہتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس گھر میں میرا نام ہو اس میں فقر داخل نہ ہوگا (یعنی محتاجی)''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

''جس گھرانے میں نبی کا نام ہو ایک فرشتہ صبح و شام ان کو پاک کرتا ہے۔''

میں نے ابو محمد جعفر بن حسن بن منصور بغدادی الاشقر کی کتاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت دیکھی ہے جس کا مفہوم بعینہ مذکورہ بالا روایت والا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو حلال رزق میرا ہمنام شخص کھائے اس پر دگنی برکت ہوگی۔''

حضرت ابن عباس اور ابوسعید خذری رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

''جس کا لڑکا پیدا ہو اس کی تعلیم و تربیت بھی صحیح کرے اور نام بھی اچھا رکھے، جب بالغ ہو تو اس کی شادی کرے، اگر بالغ ہونے کے باوجود اس کی شادی نہ کی اور اس سے کوئی گناہ سرزد ہوا تو اس کا باپ بھی گنہگار ہو گا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہدیہ (تحفہ) تین طرح کا ہوتا ہے: ہدیہ مکافات (جو بدلے میں دیا جائے)۔ بدگوئی سے بچنے کیلئے۔ ہدیہ اللہ کی رضا کیلئے۔''

☆: علامہ ابن قیم سابقہ موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے تفصیلاً لکھتے ہیں:

واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ کے مشہور ترین اسماء میں سے جو نام ہے وہ حمد سے منقول ہے اور یہ دراصل حمد سے اسم مفعول ہے اور محمود کی ثناء و محبت اور اجلال و تعظیم کے ضمن میں ہے کیونکہ حمد کی حقیقت یہی ہے۔ یہ مفعل کے وزن پر مبنی ہے، جیسے معظم و مبجل و مسودو غیرہ ہیں۔ یہ بناء تکثیر کے لیے موضوع ہے۔ جب اس سے کثرت کے ساتھ اس شخص سے ہو، جیسے معلم و مفہم و مبین و مخلص و مفرج کے معنی سے واضح ہوگا اور جب اس سے اسم مفعول بناتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فعل کا وقوع مسلسل مرة بعد مرة اس پر ہوتا ہو۔ (استحقاقاً ہو یا وقوعاً)

پس محمد ﷺ وہ ہے جس پر حمد کرنے والوں نے مرة بعد اخریٰ بکثرت حمد کی ہو اور وہ جو مسلسل حمد کئے جانے کا

مستحق ہو۔ حمد سے محمد ﷺ اس طرح بنایا گیا ہے جیسے علم سے معلم۔

اسم مبارک علم بھی ہے اور صفت بھی: ابن قیم لکھتے ہیں:

یہ اسم مبارک علم بھی ہے اور صفت بھی اور نبی اکرم ﷺ کے حق میں دونوں امور مجتمع ہیں۔ گو بہت سے لوگوں کے لیے جن کا نام یہی (محمد) رکھا جائے' یہ اسم علم مختص ہوگا۔

یہی شان اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور کتب آسمانی کی ہے اور نبی اکرم ﷺ کے جملہ اسماء مبارکہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اعلام بھی ہیں اور اپنے معانی پر بھی جو اعلام کے لیے اوصاف ہیں دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے ان میں علمیت وصف سے متضاد نہیں ہوتی' برخلاف دیگر مخلوق کے اسماء کے مثلاً: اللہ' خالق' مصور' قہار جو اسماء ہیں یہ اپنے معانی پر جو اس کی صفات ہیں دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآن' فرقان اور کتاب مبین۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے اسماء محمد' احمد' ماحی ﷺ۔

چنانچہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

((ان لی اسماء انا محمد و انا احمد و انا الماحی الذی یمحو اللہ بہ الکفر))

''میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں ماحی ﷺ ہوں جس کی وجہ سے اللہ نے کفر کو محو کر دیا ہے۔''

دیکھو نبی اکرم ﷺ نے ان اسماء کا ذکر فرمایا اور فضیلت کی جو خصوصیت اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دی ہے اسے بیان کر کے معانی کی طرف بھی (کفر کو محو کر دینے کی وجہ سے نبی ﷺ کا نام ماحی ہے) ارشاد فرمایا۔ اگر یہ اسماء محض اعلام ہوتے جن کے کچھ معنی نہ تھے تو وہ مدح کی ہرگز دلیل نہ ہوتے۔

مداح نبیحضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے یہ شعر کہا ہے:

وشق لہ من اسمہ لیجلہ
فذو العرش محمود وھذا محمد

''اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ پس عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔''

اسماء حسنیٰ کا معانی سے تعلق: علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

یہی حال اللہ تعالیٰ کے جملہ اسماء مدح کا ہے' کیونکہ اگر وہ مجرد الفاظ ہوتے جن کے معانی نہیں تو وہ مدح پر دلالت کرنے والے نہ ہوتے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا و ذروا الذین یلحدون فی اسمہ سیجزون ما کانوا یعملون))

''اللہ کے پاک نام ہیں' انہی سے اللہ کو پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو وہ اپنے عملوں کا بدلا جلد پالیں گے۔'' (سورۃ الاعراف: 180/7)

جن اسماء کی توصیف لفظ حسنیٰ کے ساتھ فرمائی' وہ مجرد لفظ ہونے کی وجہ سے حسنیٰ نہیں بلکہ اوصاف کمال پر دلالت رکھنے کی وجہ سے ہیں۔ مروی ہے کہ ایک قاری نے یہ آیت پڑھی:

((والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزآء بما کسبا))

''چور مرد چور عورت کا ہاتھ کاٹ ڈالو یہ ان کے کیے کا بدلہ ہے۔'' (سورۃ المائدۃ:38/5)
اس سے آگے اس شخص نے غفور رحیم پڑھا' جس کے معنی ہیں' اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ قرآن میں دراصل عزیز حکیم تھا''یعنی اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''
ایک اعرابی نے سن کر کہا: یہ تو کلام الٰہی نہیں۔ قاری نے کہا: کیا تو کلام اللہ کی تکذیب کرتا ہے؟ وہ بولا: نہیں' مگر جو تو نے پڑھا ہے وہ کلام الٰہی نہیں۔ قاریؒ نے اپنے حافظہ پر زور ڈالا تو غفور رحیم کی جگہ عزیز حکیم پڑھا۔ اعرابی بولا: اب ٹھیک ہے۔ وہ غالب ہے اس لیے حکم دیا اور قطع ید فرمایا' اگر مغفرت و رحم کرتا تو قطع کا حکم نہ دیتا۔
یہی وجہ ہے کہ جب آیت رحمت اسم عذاب پر یا بالعکس ختم کی جائے تو تنافر کلام اور عدم انتظام ظاہر ہو جاتا ہے۔ سنن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ قرأت قرآن سات حرف پر ہے اور ہر ایک کافی وشافی ہے۔ اگر سمیعاً علیماً کی جگہ عزیزاً حکیماً پڑھ دیا جائے (تو کچھ ڈر نہیں) جب تک کہ آیت عذاب' رحمت پر اور آیت رحمت عذاب پر ختم نہ ہو۔
دیکھو! اگر یہ اسماء محض اعلام ہوتے جن کے کچھ معانی نہیں تو کچھ فرق نہ ہونا چاہیے تھا کہ آیت اس اسم پر ختم ہو یا اس پر۔ اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ احکام اور افعال کو اپنے اسماء کی علت ٹھہراتا ہے۔ پس اگر اسماء کے لیے کچھ معانی نہ ہوں تو وہ تعلیل بھی صحیح نہ ہوں۔ فرمایا:
((استغفروا ربکم انه کان غفارا))
''اپنے رب سے بخشش مانگو' بیشک وہ بہت بخشنے والا ہے۔'' (سورۃ نوح:10/71)
قرآن مجید کا طریق یہ بھی ہے کہ اسماء رجا اور اسماء خوف کو ساتھ ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ فرمایا:
((اعلموا ان اللہ شدید العقاب و ان اللہ غفور رحیم))
''جان لو اللہ سخت عذاب والا ہے اور اللہ بخشنے والا اور رحم والا ہے۔'' (سورۃ المائدۃ:98/5)
اہل جنت کا قول ہے:
((الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور))
''اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور فرمایا' بے شک ہمارا رب غفور و شکور ہے۔'' (سورۃ الفاطر:34/35)
اس آیت میں گویا اس معنی کا اظہار ہے کہ گناہ بھی ہمارے اسی نے بخشے اور نیکیوں کو مشکور بھی اس نے کیا تب ہم دار کرامت میں پہنچے۔
فرمایا:
((مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم و کان اللہ شاکرًا علیمًا))
''اللہ تم کو عذاب نہ دے اگر اللہ کے تم شکر گزار رہو اور ایمان لے آؤ اللہ بڑا قدر دان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے۔'' (سورۃ النساء:147/4)
مطلب یہ ہے کہ اگر تم پروردگار کا شکر کرو گے وہ تم کو مشکور کرے گا اور وہ تمہارے شکر کو جانتا بھی ہے۔ شکر

گزارونا فرمان اس سے کچھ مخفی نہیں۔ غرض قرآن مجید اسی سے بھرا ہوا ہے اور ہمارا مقصود اس پر آگاہی حاصل کرنا ہے۔

پھر تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء سے توحید پر بھی اور نفی شرک پر بھی استدلال فرماتا ہے۔ پس اگر اسماء کے معنی نہ ہوتے تو اس مدعا پر دلالت نہ کر سکتے مثلاً حضرت ہارون علیہ السلام کا گوسالہ پرستوں سے کہنا:

((یقوم انما فتنتم به وان ربکم الرحمن))

''اے قوم تم آزمائش میں ڈالے گئے ہو اور تمہارا رب تو رحمٰن ہی ہے۔'' (سورة طه:90/20)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا:

((انما الهکم اللہ الذی لااله الاهووسع کل شیء علماً)) (سورة طه:98/20)

''بے شک تمہارا معبود تو اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' اس نے ہر ایک چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔''

نیز یہ ارشاد:

((والهکم اله واحد لااله الاهو الرحمن الرحیم))

''تمہارا معبود وہی ایک ہے اس کے سوا کوئی نہیں وہ رحمٰن رحیم ہے۔'' (سورة البقرة:163/2)

نیز سورۂ حشر کے آخر میں یہ ارشاد ہے:

((هو اللہ الذی لااله الاهو علم الغیب والشهادة هوالرحمن الرحیم هو اللہ الذی لااله الاهوالملك القدوس السلم المومن المهیمن العزیز الجبار المتکبر سبحن اللہ عما یشرکون))

''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چھپی اور چیز کو جانتا ہے، وہ رحمٰن رحیم ہے، اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ملک' قدوس' سلام' مومن' مہیمن' عزیز' جبار' متکبر ہے۔ اللہ مشرکوں کی باتوں سے پاک ہے۔'' (سورة الحشر:59/22-23)

اس میں مشرکین کے شرک سے اپنی ذات پاک کی تسبیح و پاکی اور اسماء حسنیٰ کے ساتھ (جو توحید کے مقتضی ہیں اور اثبات کو محال بتلاتے ہیں) اپنی مدح فرمائی ہے۔

غرض جو شخص قرآن مجید میں اس انداز سے تدبر کرے گا' وہ نور ہدایت پائے گا اور خیابان علم میں جا پہنچے گا (جسے اللہ تعالیٰ ہر اس شخص سے جو کتاب وہدایت سے روگرداں ہو بچائے رکھے گا) یہ ایسا بیان ہے کہ اگر اس کتاب میں صرف یہی ایک فصل ہوتی' تب بھی ذوق و معرفت والے کے لیے یہی کافی تھی۔ واللہ الموفق للصواب۔

اس کے علاوہ تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء کے ساتھ معمولات یعنی ظرف و جار و مجرور وغیرہ کو بھی شامل کیا ہے' اگر اسماء حسنیٰ محض اعلام ہی ہوتے تب ایسا کرنا صحیح نہ ہوتا' مثلاً فرمایا:

((واللہ بکل شیء علیم))

''اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔'' (سورة النساء:176/4)

((و کان بالمومنین رحیما))

''اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر رحیم ہے۔'' (سورۃ الاحزاب:43/33)

((واللہ علیٰ کل شیء قدیر))

''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (سورۃ البقرۃ 284/2)

((انه بعباده خبیر بصیر))

''بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور انہیں دیکھنے والا ہے۔'' (سورۃ الشوریٰ:27/42)

غرض اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس، اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء کو منکرین صفات کمال کے لیے دلیل بھی بنایا ہے، فرمایا:

((الایعلم من خلق وهو اللطیف الخبیر))

''خبردار! کیا وہ جانتے ہیں کہ کس نے پیدا کیا اور وہ لطیف وخبیر ہے۔'' (سورۃ الملک:14/67)

واضح ہو کہ جن لوگوں نے اسماء حسنیٰ پر غور سے نظر ڈالی ہے' انہوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے:

1۔ کیا یہ اسماء متبائن ہیں؟ جیسا کہ ان معانی سے نظر آتا ہے کیونکہ ہر ایک اسم ایک جدا معنی پر دلالت کرتا ہے جس پر دوسرا اسم نہیں کرتا۔

2۔ کیا یہ مترادف ہیں؟ کیونکہ ذات واحد پر ہی دلالت کرتے ہیں اور ان کا مدلول ایک ہے متعدد نہیں۔ اور یہی تعریف مترادف کی ہے۔ لیکن یہ اختلاف صرف لفظی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ ذات کے اعتبار سے یہ مترادف ہیں اور صفات پر نظر ڈالنے سے متبائن اور ہر ایک اسم ہی ایسا ہے جو اپنی صفت سے موصوف پر نظر ڈالنے سے متبائن اور ہر ایک اسم ہی ایسا ہے جو اپنی صفت سے موصوف ذات پر تو بالمطابقت اور بالتضمن دلالت کرتا ہے اور دوسری صفت پر بالتزام۔

وجہ تسمیہ محمد ﷺ: جب تم مذکورہ بالا بیان سمجھ گئے تو نبی کریم ﷺ کے نام محمد ﷺ کی وجہ تسمیہ پر غور کرو جو حمد سے بنایا گیا ہے۔ بے شک نبی کریم ﷺ محمود ہیں' اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود ہیں' ملائکہ کے نزدیک محمود ہیں، اپنے اخوان مرسلین کے نزدیک محمود ہیں' کل باشندگان زمین کے نزدیک محمود ہیں' گو ان میں سے کوئی آپ کا انکار کرے، کیونکہ جو صفات کمال آپ میں ہیں وہ صفات ہر ایک عاقل کے نزدیک ضرور محمود ہیں۔ اب اگر کوئی شخص جہالت اور عداوت کی وجہ سے انکار کرتا ہے تو صرف اس امر کا کہ نبی کریم ﷺ ان اوصاف سے متصف نہیں لیکن جب اسے نبی کریم ﷺ کا متصف بہ اوصاف کمال ہونا واضح ہو جائے گا تو ضرور آپ کی حمد کرے گا، کیونکہ وہ حالت انکار میں بھی ایک ایسے وجود مبارک کی تعریف کر رہا ہے جو یقیناً لائق حمد ہیں۔ گو نبی کریم ﷺ کی ذات اشرف کو اس نے بھلا دیا ہے۔ پس یہ شخص فی الحقیقت نبی کریم ﷺ کا حامد ہے۔

نبی کریم ﷺ کو مسمی حمد کے ساتھ جو خصوصیت حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں' یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک محمد و احمد ہے۔

نبی کریم ﷺ کی امت حماد ہے جو تنگی و فراخی میں اللہ کی حمد کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ اور امت کی نماز اور خطبے اور قرآن مجید بھی حمد سے ہی شروع ہوتا ہے اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس لوح محفوظ پر بھی اسی طرح مرقوم ہے۔ نبی کریم ﷺ کے خلفاء وصحابہ بھی خطوط کو حمد سے ہی شروع کیا کرتے تھے اور قیامت کے دن لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) بھی نبی

کریم ﷺ کے ہی دست مبارک میں ہوگا اور جب نبی کریم ﷺ شفاعت کے لیے سجدہ فرمائیں گے اور اذن عطا ہوگا تو اس وقت نبی کریم ﷺ حمد ربانی ہی فرمائیں گے۔ ایسے محامد کے ساتھ جو اسی وقت نبی کریم ﷺ پر کھولے جائیں گے' نبی کریم ﷺ ہی صاحب مقام محمود ہیں جس کے لیے اولین و آخرین کی آرزو رہی اور ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((ومن الیل فتهجد به نافلةً لك عسیٰ ان یبعثك ربك مقاماً محمودا))

''رات کو نیند سے اٹھ کر نماز پڑھا کیجئے۔ یہ آپ کے لیے کثرت (خیر) کا باعث ہے۔ قریب ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر کھڑا فرمائے۔''

اگر کوئی شخص مقام محمود کے معنی جاننے کا شوق رکھتا ہے تو اسے وہ معنی دیکھنے چاہئیں جو سلف امت صحابہ و تابعین سے مروی ہیں اور ابن ابی حاتم' ابن جریر اور عبد بن حمید وغیرہ سلف کی تفاسیر میں منقول ہیں۔ الغرض جب روز قیامت میدان حشر میں نبی کریم ﷺ اس مقام پر ایستادہ ہوں گے تو اس وقت وہاں موجود تمام انسان کیا مسلمان' کیا کافر' اولین و آخرین نبی کریم ﷺ کی حمد کریں گے۔

بے شک نبی کریم ﷺ محمود ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے زمین کو ہدایت و ایمان اور علم نافع و عمل صالح سے بھر دیا ہے اور اپنی تعلیمات سے دلوں کو کھول دیا ہے اور ظلمت کو اہل زمین سے دور کر دیا، شیاطین کی قید سے دنیا کو چھڑا دیا' اللہ کے ساتھ شرک' کفر اور جہالت سے نجات دلا دی' حتی کہ نبی کریم ﷺ کا اتباع کرنے والے دارین کے شرف کو پہنچ گئے۔ بے شک اہل زمین پر جو آفت تھی اسے دور کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کی رسالت کی بہت زیادہ حاجت تھی، کیونکہ وہ لوگ بت پرست' صلیب پرست' آتش پرست اور ستارہ پرست تھے۔ ان پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا تھا اور انہوں نے یہی کچھ کمایا تھا۔ نیز وہ حیران تھے' وہ کسی معبود کو نہ جانتے تھے جس کی عبادت کریں۔ نہیں جانتے تھے کہ کیونکر عبادت کریں۔ آدمی ایک دوسرے کا دشمن تھا جس کو جو اچھا لگا' لوگوں کو ادھر ہی بلا لیا اور جس نے خلاف کیا اس سے جنگ شروع کر دی۔ غرض روئے زمین پر ایک قدم بھی ایسی جگہ نہ تھی جو نور رسالت سے منور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کو دیکھا اور عرب و عجم سے بیزاری فرمائی' بجز ان کے جو دین صحیح کے آثار پر بچے کھچے رہ گئے تھے۔ جب ایسی حالت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے بلاد و عباد کی فریاد کو سنا' گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اٹھا دیا اور موت کے بعد زمین کو حیات تازہ عطا فرمائی۔ ضلالت سے نکال کر ہدایت فرمائی۔ تنگی کے بعد فراخی عطا فرمائی۔ کور بصیرتوں کی آنکھوں کو کھول دیا اور بہروں کو کان دیئے دلوں کے پردے اٹھا دیئے' اب لوگوں نے اپنے رب و معبود کو جان لیا اور جہاں تک ان کے قویٰ مضبوط تھے انہوں نے معرفت حاصل کر لی۔

نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات افعال و احکام کے ذکر کو کہیں اختصار اور کہیں طوالت سے بیان کیا' بتلایا' دہرایا' حتی کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت مومن بندوں کے دل میں روشن ہوگئی اور شک و شبہات کی بدلیاں ان کے دلوں سے اس طرح دور ہوگئیں جیسے صاف چاندنی چٹکی رات میں چاند پر سے بادل دور ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں ایسی تعلیم دی کہ لوگوں کو نہ کسی پہلی تعلیم کا محتاج چھوڑا نہ پچھلی کا، بلکہ ہر شخص سے جو اس بارے میں بات کر سکتا ہے' اپنی امت کو غنی و بے پروا بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

**((اولم یکفهم انا انزلنا علیك الکتب یتلی علیهم ان فی ذلك لرحمة و ذکری لقوم

یو منون))

''کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے' بے شک اس میں مومنوں کے لیے رحمت اور یاد دلانا ہے۔'' (سورۃ العنکبوت:51/29)

ابوداؤد نے نبی کریم ﷺ سے مرسلاً روایت کی ہے کہ آپ نے ایک صحابی کے ہاتھ میں تورات کا ایک قطعہ دیکھا' فرمایا:

((کفی بقوم ضلالة ان یتبعوا کتابا غیر کتابهم انزل غیر نبیهم))

''کسی قوم کے لیے یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ اپنی کتاب کو چھوڑ کر دوسرے نبی پر اتری ہوئی کتاب کی تابعداری کرنے لگیں۔''

اللہ عزوجل نے اس کی تصدیق میں آیت بالا نازل فرمائی۔ دیکھو یہ حالت تو اس شخص کی ہے جو دوسرے نبی پر اتری ہوئی کتاب سے دین اخذ کرتا ہے' اس پر اندازہ کرو' اس شخص کا جو زید و بکر کی عقل سے دین لیتا ہے اور اسے اللہ و رسول ﷺ کے فرمان پر مقدم رکھتا ہے۔

غرض نبی کریم ﷺ نے دنیا کو وہ طریق بتلایا جو ان کو پروردگار سے ملا دیتا اور رضوان و دار کرامت تک پہنچا دیتا ہے۔ کوئی ایسا نیک کام نہیں جس کا حکم نہ فرمایا ہو' کوئی ایسا برا فعل نہیں جس سے روکا نہ ہو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے خود فرمایا:

((مارکت من شئی یقربکم الی الجنة الا و قد امرتکم به و لا من شیء یقربکم الی النار وقد نهیتکم عنه))

''جو چیز تم کو جنت سے نزدیک کرسکتی ہے' میں نے اس کا حکم تم کو دے دیا اور جو تم کو دوزخ سے نزدیک کرسکتی ہے میں نے اس سے تم کو ہٹا دیا ہے۔ بیان کر دینے میں کوئی بات باقی نہیں رکھی۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور کوئی پرند نہیں جو فضا میں اپنا بازو کھولتا ہے' مگر ہم کو اس کا علم سکھلایا۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے وہ تمام حالات بھی بتلائے جو پروردگار کے حضور میں حاضر ہونے پر واقع ہوں گے اور ان کا بیان نہایت واضح اور صاف انداز سے فرمایا۔ غرض علم نافع کا کوئی ایسا دروازہ جو بندوں کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتا ہو بند نہ چھوڑا اور کسی مشکل کو باقی نہ رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کی گمراہی سے نجات دی اور بیماری سے صحت عطا فرمائی اور مخلوق کی فریاد رسی کی' ایسی حالت میں بتلاؤ کہ نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کون شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی حمد کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو امت کی جانب سے بہترین جزاء عطا فرمائے۔

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین: علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

واضح ہو کہ وما ارسلنك الا رحمة للعالمین کی تفسیر میں دو قول ہیں اور صحیح تر یہ ہے کہ آیت اپنے عموم (عام) پر ہے اور قدرتی طور پر اس کی دو وجوہ ہیں:

اوّل: نبی کریم ﷺ کی رسالت کا نفع عام طور پر جملہ اہل عالم کو پہنچا ہے۔ اتباع کرنے والوں کو تو یہ کہ وہ دنیا و آخرت کی بھلائی کو پہنچ گئے اور جنگ جو دشمنوں کو یہ کہ موت و قتل نے ان کو جلد لے لیا' کیونکہ بدبختی ان کے لیے لکھی جا چکی تھی' اب

زندگی ان کے لئے عذاب کی شدت اور کثرت کا سبب تھی۔ اس لیے موت کا جلد آجانا ان کے حق میں طول عمری سے بہتر رہا۔ رہے اہل ذمہ جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہم عہد ہو کر رہے' وہ دنیا میں نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری وعہد کے زیر سایہ آباد اور آسائش پذیر رہے اور اسی وجہ سے ان میں اور فرقوں کی نسبت شر بھی کم ہو گیا۔ رہے منافق سو اظہار ایمان سے ان کے جان و مال' اہل وعیال محفوظ ومحترم ہو گئے اور توراث وغیرہ میں مسلمانوں کے احکام ان پر جاری ہو گئے۔ رہے وہ ملک اور قومیں جو دور دراز فاصلہ پر تھیں' سو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی رسالت کی وجہ سے اہل زمین سے عام عذاب کو اٹھالیا۔ اس بیان کے تمام باشندوں کو رسالت محمدی کا نفع پہنچا ہے۔

دوم: نبی کریم ﷺ کا وجود مبارک تو ہر ایک کے لیے رحمت ضرور ہے' مومنین نے اس رحمت کو قبول کر لیا اور دنیا وآخرت کا نفع اٹھایا تو کفار نے اس رحمت کو قبول نہ کیا اور لوٹا دیا' لیکن اس سے نبی کریم ﷺ کے سراپا رحمت ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا' مثلاً: کوئی دوا کسی مرض کے لیے مجرب ہے' اب اگر کوئی اس کا استعمال نہ کرے گا تو اس مرض کے لیے اس دوا کے مجرب ہونے میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

اخلاق وعادات نبوی ﷺ: واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ ان مکارم اخلاق اور بہترین عادات وخصائل کی وجہ سے ہے' جس پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو پیدا کیا ہے۔ بے شک جو شخص نبی کریم ﷺ کے اخلاق وعادات پر نظر ڈالے گا وہ ضرور اعتراف کرے گا کہ یہی بہترین اخلاق ہیں۔ بے شک نبی کریم ﷺ تمام مخلوق سے علم میں وسیع تر' امانت میں عظیم تر' گفتگو میں نہایت سچے اور موزوں کلام' کمال سخی' بہت زیادہ بردبار اور عفو ومغفرت میں بزرگ تر تھے۔ کوئی شخص کیسی ہی بڑھ کر جہالت سے پیش آتا' نبی کریم ﷺ اس کو برداشت فرماتے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کی ہے کہ تورات میں نبی کریم ﷺ کی صفت اس طرح سے ہے:

''محمد میرا بندہ ورسول ہے۔ میں نے اس کا نام متوکل رکھا ہے وہ بدزبان' درشت طبع' بازاروں میں آواز لگانے والا نہیں۔ وہ بدی کا بدلہ نہیں لیتا' بلکہ وہ معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے۔ میں اسے وفات نہ دوں گا جب تک بگڑی ہوئی ملت کو اس سے درست نہ بنوا دوں گا۔ میں اس سے کوربصیرتوں کی آنکھوں کو روشن کراؤں گا اور بہروں کی سماعت۔ وہ دلوں کے پردے اٹھا دے گا' یہاں تک کہ لوگ لا الہ الا اللہ کہنے لگیں۔''

نبی کریم ﷺ مخلوق میں سب سے بڑھ کر رؤف ورحیم اور دینی ودنیوی منفعت بخشنے میں سب سے زیادہ عظیم' جوامع الکلم تھے اور بڑی بڑی عبارات کا مفہوم مختصر انداز میں بیان کر دینے میں تمام خلقت سے زیادہ فصیح وخوش گفتار تھے' صبر کے موقع پر کمال درجہ صابر اور مقامات لقا میں نہایت ہی باصدق' عہد وحمایت میں نہایت کامل اور انعام وعطا بخشی میں سب سے بڑھ کر۔ تواضع میں کمال درجہ بڑھے ہوئے اور جود وسخاوت میں سب سے آگے نکلے ہوئے۔ اوامر میں نہایت محکم ومضبوط' نواہی میں بہت ہی تارک ونافر (نفرت کرنے والے)' محبت وپیار' اعزا پروری' اقرباء نوازی میں دنیا بھر سے زیادہ۔

آپ ﷺ اس شعر کے پورے پورے مصداق تھے:

بر د علی الادنی مو رحمة   وعلی الاعادی مازن جلد

خصائل وخصائص نبوی: رسول اللہ ﷺ کے خصائل وخصائص احادیث صحیحہ کی روشنی میں۔

جناب انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بے ڈول لمبے قد کے تھے اور نہ ہی ٹھگنے' اور آپ کا رنگ نہ تو چونے کی طرح سفید تھا اور نہ ہی ٹیالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نہ تو پیچدار تھے اور نہ سیدھے اکڑے ہوئے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر شریف میں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ دس برد مکہ مکرمہ اور دس برس مدینہ منورہ میں تبلیغ اسلام کے لئے قیام فرما رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تریسٹھ برس کی عمر میں وصال عطا فرمایا۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس اور داڑھی مبارک میں بیس بال شریف بھی سفید نہ تھے۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد درمیانہ تھا یعنی نہ تو دراز قامت تھے اور نہ ہی پست قد (ٹھگنے) جسم مبارک انتہائی خوبصورت تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نہ بہت گھنگھریالے تھے' رنگ مبارک سنہری تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو بغیر رکاوٹ (آگے کو جھکے ہوئے) کو چلتے تھے۔

حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد آدمی تھے' دونوں شانوں کے درمیان فاصلہ تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس کے بال مبارک دونوں کانوں کی لو تک لمبے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوڑا سرخ رنگ کا تھا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہر چیز سے بڑھ چڑھ کر حسین پایا۔

حضرت راء بن عاذب نے فرمایا میں نے کسی کو سرخ جوڑے میں ملبوس اور کانوں کی لو تک لٹکے ہوئے بالوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر خوبصورت نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس کی بال مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کو چومتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک نہ پست قامت تھا اور نہ دراز۔

امیر المومنین جناب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ دراز قد تھے اور نہ ہی پست قامت' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوے پر گوشت تھے۔ سر اقدس موزوں بڑا تھا' جوڑوں کی ہڈیاں ڈالدار تھیں' سینہ مبارک سے لے کر ناف تک ایک لمبی لکیر تھی' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے تو بلا رکاوٹ آگے کو جھکے ہوئے چلتے تھے گویا نشیب کی طرف قدم اُٹھا رہے ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل حسن اور خوبصورتی میں کسی ایک کو نہیں دیکھا۔

حضرت ابراہیم بن محمد جو کہ حضرت امیر المومنین سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پوتے ہیں) جناب امیر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت بھی مولائے کائنات رضی اللہ عنہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان فرماتے تو ارشاد فرماتے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بے ڈھب لمبے تھے اور نہ بدنما پست قد رکہ ایک عضو دوسرے عضو میں گھسا ہوا ہو' آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مائل بہ درازی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اقدس موٹا تھا نہ ہی چہرہ انور بالکل گول (چپٹا) تھا بلکہ رخ تاباں کتابی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ مبارک میں سفیدی اور سرخی کا امتزاج تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں مبارک کشادہ خواب سیاہ تھیں۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے ابرو مبارک لمبے لمبے اور انتہائی خوبصورت تھے جوڑوں کی ہڈیاں قوی تھیں اور دونوں شانوں کے درمیانی حصہ بھی مضبوط تھا' وجود اقدس پر بال نہ تھے مگر سینہ مبارک سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک لمبی لکیر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہاتھ کی ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوے پر گوشت تھے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو ایسے مضبوط قدم اٹھاتے جیسے فراز سے نشیب کی طرف گام فرسا ہوں۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک کی طرف متوجہ ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ از روئے قلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ فیاض تھے' اور از روئے گفتگو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سچے تھے اور از روئے طبیعت مبارکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ نرم تھے۔ اور از روئے قبیلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے قبیلوں میں سب سے زیادہ محترم و بزرگ تھے۔ جو شخص اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو ہیبت کھا جاتا اور جو شخص حصول معرفت کے لئے متواتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتا رہا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا محبوب بنالیتا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرنے والا کہے گا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل حسن اور خوبصورتی میں کسی ایک کو نہیں دیکھا۔

جناب امام حسن بن امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے پوچھا اور وہ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ہی زیادہ حلیہ مبارک بیان فرمایا کرتے تھے اور مجھے بڑا شوق تھا کہ وہ میرے لئے سید پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کریں تاکہ میں اس کے ساتھ تعلق پیدا کروں' پس انہوں نے فرمایا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس عظیم و بزرگ تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے معظم اور محترم تھے' چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد سے ذرا بڑے تھے اور لمبے تڑنگے قد سے ذرا چھوٹے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس کے بال مبارک جب لمبے ہوتے تھے تو کانوں کی لو سے ذرا نیچے ہوتے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک انتہائی سفید اور چمک دار تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ پیشانی والے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو کمان کی طرح خمیدہ اور انتہائی باریک تھے جو کہ پورے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے' دونوں ابروؤں کے درمیان رگ تھی جو کہ غصہ کے وقت اُبھر آتی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک مبارک اونچی تھی جس سے نور پھوٹ پھوٹ پڑتا تھا جو شخص غور سے دیکھتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند بینی والا خیال کرتا (حالانکہ ایسا نہیں تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گھنی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک ہموار تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ دہن تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے والے دانتوں میں کشادگی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک نہایت ہی خوبصورت اور چمکتی تھی جو کہ چاندی کی طرح صاف تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کا ہر عضو انتہائی متناسب تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء ایک دوسرے کو مضبوط پکڑے ہوئے تھے یہ نہیں کہ ڈھیلے اور لٹکے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ اور سینہ بالکل برابر تھا' سینہ مبارک کشادہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مناسب فاصلہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہڈیوں کے جوڑ مضبوط تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر نور علی نور تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقوم سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک لکیر تھی' سوائے اس لکیر کے دونوں پستانوں اور پیٹ پر بال نہیں تھے' دونوں بازوؤں دونوں مونڈھوں اور سینہ

اقدس کے اوپر کے حصہ پر بال تھے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں لمبی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیاں فراخ تھیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوے پر گوشت تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُنگلیاں خوبصورت لمبی تھیں' پاؤں کے تلوے گہرے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمبارک ہموار تھے' جب ان پر پانی ڈالا جاتا تو بہہ جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مضبوط قدم اُٹھاتے اور آہستہ آہستہ چلتے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتار بھی تھے جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ بلندی سے پستی کی طرف جا رہے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پوری توجہ فرماتے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیچی نظر سے دیکھتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اکثر زمین کی طرف ہوتی کبھی آسمان کی طرف بھی دیکھتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ چشم سے ملاحظہ کیا کرتے تھے آپ اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو چلتے وقت اپنے سے آگے کر دیتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس سے بھی ملتے تو سلام میں پہل فرماتے۔

سماک بن حرب کہتا ہے کہ میں نے جابر بن سمرہ سے سنا' وہ کہتے تھے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ''ضلیع الفم'' ''اشکل العین'' اور ''منھوس العقب'' تھے شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے سماک سے پوچھا ''ضلیع الفم'' کسے کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کادہ دہن والے کو کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا ''اشکل العین'' کسے کہتے ہیں' انہوں نے کہا اس سیاہ آنکھ کو کہتے ہیں جس کی سفیدی میں لمبے سرخ ڈورے ہوں' میں شعبہ نے پوچھا ''منھوس العقب'' کسے کہتے ہیں اس (سماک) نے جواب دیا کہ کم گوشت والی ایڑی کو کہتے ہیں۔

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے روشن ترین راتوں میں سے ایک رات حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ جوڑا زیب تن فرمائے دیکھا تو کبھی تو حضور سراپا حسن و جمال صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف دیکھتا پس میرے نزدیک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے بدرجہا زیادہ خوبصورت تھے۔

ابواسحٰق نے کہا کہ ایک شخص نے براء بن عازب سے دریافت کیا کہ حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور تلوار کی طرح تھا' انہوں نے کہا نہیں بلکہ چاند کی طرح تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک اتنا حسین تھا جیسا کہ چاندی سے ڈھالا گیا ہو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کنڈل دار (خمیدہ) تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے روبرو انبیاء کرام کو پیش کیا گیا' پس جب موسیٰ علیہ السلام کو پیش کیا گیا تو وہ ایسے پتلے کم گوشت والے آدمی تھے جیسا کہ شنوءہ قبیلہ کے افراد ہیں' اور میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ ان سب لوگوں میں جو میری نظر میں ہیں از روئے حلیہ کے عروہ بن مسعود کے مشابہ ہیں اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے از روئے حلیہ کے تمہارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں یعنی اپنے وجود مبارک کا ذکر کیا اور میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو وہ میرے نزدیک میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے از روئے حلیہ کے دحیہ (کلبی) کے مشابہ ہیں۔

سعید الجریری سے روایت ہے کہ میں نے ابوالطفیل سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت اچھی طرح سے دیکھا ہے اور اس وقت روئے زمین پر بغیر میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے۔ میں نے (ابوالفضل سے) عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ حلیہ مبارک میرے سامنے

بیان کیجئے، انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملیح تھے، میانہ قد تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دونوں دانتوں کے درمیان کشادگی تھی، جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو سامنے والے دانتوں سے نور دکھائی دیتا۔

حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں کہ مجھے میری خالہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں لے کر حاضر ہوئی پس عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ میری بہن کا بیٹا درد میں مبتلا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا میرے لئے برکت کی دعا کی، پھر وضو فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وضو کے پانی کو میں نے پیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک کے پیچھے کھڑا ہو گیا تو میں نے مہر نبوت کو جو کہ دونوں مونڈھوں کے درمیان تھی دیکھ لیا۔ پس وہ چھپر کھٹ کی گھنڈی کی طرح تھی۔

جابر بن سمرہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوت کی زیارت کی جو کہ سرخ گلٹی جیسی تھی جس کا حکم کبوتر کے انڈے جتنا تھا۔

رمیثہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات اس وقت سنی جبکہ مجھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر قرب حاصل تھا کہ اگر میں چاہتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کو چوم لیتی، اور وہ بات یہ تھی کہ جب سعد بن معاذ فوت ہوئے تو اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''سعد بن معاذ کی موت سے اللہ تعالیٰ کا عرش بھی حرکت میں آگیا''۔

حضرت امیر المومنین مولائے کائنات علی المرتضٰے کرم اللہ وجہہ الکریم کی اولاد میں سے یعنی آپ کے پوتے ابراہیم بن محمد فرماتے ہیں کہ جس وقت بھی حضرت امیر المومنین اسد اللہ الغالب غالب علی کل غالب علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین صاحب شفاعت کبریٰ احمد مجتبیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان فرماتے تو طویل حدیث بیان فرماتے اور فرمایا کہ دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کو ختم کرنے والے تھے۔

عمرو بن اخطب انصاری فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے زید کے والد! میرے نزدیک ہو جاؤ اور میری پیٹھ کو مل، پس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کو ملنے لگا پس اچانک میری اُنگلیاں مُہر نبوت پر لگ گئیں، میں نے (یعنی علباء نے) کہا مہر نبوت کیا ہے ابوزید نے کہا کہ بالوں کا مجموعہ۔

حضرت عبداللہ بن بریدۃ کہتے ہیں کہ میں نے ابی بریدہ سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ جس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو جناب سلمان فارسی ایک پٹنوس لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جو کہ تازہ کھجوروں سے بھرا ہوا تھا، حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہ پٹنوس رکھ دیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے سلمان! یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے صدقہ لایا ہوں، حضور نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پٹنوس کو اٹھا لے جا، ہم صدقہ نہیں کھاتے (راوی کہتا ہے) پس وہ پٹنوس اٹھا دیا گیا۔ پھر دوسرے دن سلمان فارسی پہلے پٹنوس کی مانند تازہ کھجوروں کا بھرا ہوا پٹنوس لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے سلمان

یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحفہ ہے پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ارشاد فرمایا کہ ہاتھ پھیلاؤ پھر سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھی اور ایمان لے آئے، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان کو اتنے اتنے درہموں میں خرید لیا (یعنی مکاتب بنا دیا) اور ساتھ ہی اس شرط پر کہ اس یہودی کے لئے کھجور کے درخت بوئے جائیں اور سلمان ان درختوں کی نگرانی کریں یہاں تک کہ وہ پھل لائیں اور پھل کھایا جائے، پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بابرکت ہاتھوں سے وہ پودے بودیئے سوائے ایک پودے کے جسے جناب عمر رضی اللہ عنہ نے بویا تو تمام پودے ایک سال ہی میں پھل لے آئے سوائے اس ایک کے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس درخت کو کیا ہوا؟ جناب عمر نے جواب دیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو میں نے بویا تھا۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پودے کو اکھیڑ کر پھینک دیا اور پھر اپنے دست مبارک سے وہاں پودا لگا دیا، پس وہ اسی سال پھل لے آیا۔

ابی نضرۃ العوفی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابی سعید خدری سے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کے متعلق دریافت کیا یعنی مہر نبوت کے بارے میں اس نے جواب دیا کہ وہ مہر نبوت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک میں ایک اُبھرا ہوا گوشت کا ٹکڑا تھا۔

عبداللہ بن سرجس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نور مجسم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رونق افروز تھے پس میں ان کی پشت کی طرف سے گرد گھوما، میں جو چاہتا تھا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس ارادے کو پہچان گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پشت مبارک سے چادر ہٹالی، پس میں نے آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت کی جگہ دیکھی جو کہ بند مٹھی کے برابر تھی اور اس کے چاروں طرف تل تھے گویا چوڑی کی طرح۔ پھر میں لوٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی طرف آیا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آپ نے فرمایا تمہاری بھی مغفرت ہو حاضرین نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ کو مغفرت عطا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں اور تم سب کو بھی مغفرت عطا فرمائے پھر یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی۔ و استغفر لذنبك وللمومنين و المومنات۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال آدھے کانوں تک لٹکتے تھے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر بال ہوتے جو کہ کندھوں کو چھوتے اور کانوں کی لو سے ذرا نیچے ہوتے۔

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان فاصلہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کانوں کی لو کو بوسہ دیتی تھیں۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب انس سے پوچھا کہ حضور پاک سید دو عالم صلی اللہ علیہ

وسلم کے سراقدس کے بال مبارک کیسے تھے انہوں نے فرمایا کہ نہ پیچدار تھے اور نہ ہی سیدھے اکڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زلفیں کانوں کی لوتک پہنچتی تھیں۔

جنابہ ام ھانی بنت ابی طالب سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لئے مکہ معظمہ قدم رنجہ فرمایا تو ہمارے ہاں بھی تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراقدس میں چار زلفیں تھیں۔

جناب انس سے روایت ہے یہ کہ حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نصف (مبارک) کانوں تک ہوتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حجو رسرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سراقدس کے بال مبارک یونہی چھوڑ دیتے تھے' درآنحالیکہ مشرکین اپنے سروں کے بالوں کو دوحصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ نیز اہل کتاب بھی سر کے بال یونہی چھوڑ دیتے تھے اور جب تک اس بارے میں کوئی حکم نہیں ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم (مشرکین کے مقابلہ میں) اہل کتاب کی موافقت کو اچھا سمجھتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سراقدس کے بالوں میں مانگ نکالا کرتے۔

ام ھانی سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار گیسو تھے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراقدس کے بالوں میں کنگھی کرتی تھی اس حال میں کہ میں ایام ماہواری میں ہوتی۔

انس بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورکون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سراقدس میں تیل ڈالا کرتے تھے اور بسا اوقات داڑھی مبارک میں کنگھی کیا کرتے تھے اور اکثر سربند باندھتے تھے یہاں تک کہ سرمبارک پر باندھنے کا کپڑا سربند تیلی کے کپڑے کی طرح چکنا ہو جاتا تھا۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے وقت داہنی جانب سے وضو کرنا پسند فرماتے تھے اور اسی طرح جب کنگھی فرماتے تھے تو داہنی جانب سے کرتے تھے نیز جس وقت جوتی مبارک پہنتے تھے تو داہنی جوتی پہنتے۔

عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کرنے سے منع فرماتے تھے مگر ایک دن چھوڑ کر۔

حمید بن عبدالرحمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن چھوڑ کر دوسرے روز کنگھی کیا کرتے تھے۔

جناب قتادہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے دریافت کیا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم خضاب کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی اس حد تک پہنچی ہی نہیں تھی کہ انہیں خضاب کی ضرورت پڑتی' صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنپٹیوں پر چند بال سفید تھے مگر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ حنا اور کتم سے خضاب کیا کرتے تھے۔

حضرت انس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں گنے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سراقدس اور ریش

مبارک میں مگر چودہ سفید بال۔

سماک بن حرب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن سمرہ سے سنا' ان (جابر) سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بالوں کے متعلق پوچھا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بالوں میں تیل لگاتے تھے تو سفید بال نظر نہیں آتے تھے اور جب تیل نہیں لگاتے تھے تو بعض بال سفید دکھائی دیتے تھے۔

ابن عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سوائے اس کے نہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک تقریباً بیس ہی سفید تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بوڑھے ہوگئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے ہود' واقعہ' مرسلات عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت کی سورت کی تلاوتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔

جناب ابی جحیفہ نے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھے نظر آرہے ہیں' جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے سورۂ ہود اور اسی طرح کی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔

ابی رمثہ تیمی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور میرا لڑکا بھی میرے ساتھ تھا۔ ابی رمثہ نے کہا کہ مجھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت کرائی گئی۔ پس جس وقت میں نے حضور پاک صلی اللہ علہ وسلم کو دیکھا تو فوراً کہہ اُٹھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت دو سبز رنگ کے کپڑے زیب تن فرمائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موئے مبارک پر بڑھاپے کے آثار کا غلبہ تھا اور بڑھاپے کی علامت سرخ بال مبارک تھے۔

سماک بن حرب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جابر بن سمرۃ سے دریافت کیا گیا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس میں سفید بال تھے' جابر بن سمرۃ نے فرمایا جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں سفید بال نہیں تھے بجز چند بالوں کے جو کہ مانگ میں تھے۔ جب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سر اقدس پر تیل لگاتے تھے تو وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے۔

ابورمثہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے لڑکے کے ہمراہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' یہ تیرا بیٹا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور یہ میرا بیٹا ہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے گواہ ہیں۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تیرے بیٹے کے قصور کا تجھ سے اور تیرے قصور کا تیرے بیٹے سے مواخذہ نہ ہوگا' ابورمثہ فرماتے ہیں اس وقت میں نے حضور سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے چند بالوں کو مائل بسرخ دیکھا۔ ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ اس باب میں یہ سب سے صحیح روایت کی گئی ہے اور واضح ہے روایات صحیحہ ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علے وسلم بڑھاپے کو نہیں پہنچے تھے اور ابورمثہ کا نام رفاعہ بن یثربی التیمی ہے۔

عثمان بن موہب فرماتے ہیں کہ جناب ابوہریرہ سے کسی صاحب نے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا تھا تو ابوہریرہ نے کہا ہاں۔

جھذمہ جو کہ بشیر بن الخصاصیہ کی بیوی ہے روایت کرتی ہے فرماتی ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر مبارک سے تشریف لاتے ہوئے دیکھا کہ سر اقدس جھاڑ رہے تھے اور غسل کیا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر حنا کا داغ تھا صاحب ترمذی کے شیخ ابراھیم بن ہارون نے ردغ کہا یا ردع کہا اس میں صاحب ترمذی کو شک ہے۔

جناب انس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک خضاب کئے ہوئے دیکھے۔ نیز حماد نے ہا کہ ہمیں خبر دی ہے عبداللہ بن محمد بن عقیل نے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب انس بن مالک کے پاس حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خضاب شدہ بال مبارک دیکھا۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اثمد کا سرمہ ڈالا کرو کیونکہ وہ بینائی کو جلا دیتا ہے اور پلکیں اُگا تا ہے' جناب ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرمہ دانی تھی' جس سے ہر رات تین سلائی ایک آنکھ مبارک میں اور تین سلائی دوسری آنکھ میں ڈالتے۔

جناب ابن عباس فرماتے ہیں کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نیند فرمانے سے پہلے ہر ایک آنکھ مبارک میں اثمد کے سرمہ کی تین سلائی لگایا کرتے تھے اور یزید بن ہارون نے فرمایا کہ ایک حدیث کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے نیند فرمانے کے وقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر آنکھ مبارک میں تین بار سرمہ لگاتے تھے۔

جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سوتے وقت اثمد کا سرمہ ضرور آنکھوں میں ڈال لیا کرو' پس بیشک یہ آنکھوں کی بینائی کو جلا دیتا ہے اور بالوں کو اُگا تا ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' تمہارے سب سرموں سے اچھا سرمہ اثمد ہے' بینائی کو جلا دیتا ہے اور بالوں کو اُگا تا ہے۔

ابن عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اثمد کا سرمہ ڈال لیا کرو' یہ آنکھوں کی بینائی کو جلا دیتا ہے اور بال اُگا تا ہے۔

ام المومنین اُم سلمہ فرماتی ہیں کہ کپڑوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص (کرتہ) بہت پسند تھی۔

ام المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' کپڑوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص (کرتہ) بہت پسند تھی۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم پہننے کے کپڑوں میں قمیص (کرتہ) کے پہننے کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے۔

اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ حضور سید الانس والجان پیغمبر اسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی آستین کلائی تک ہوتی تھیں۔

قرۃ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں قبیلہ مزنیہ کی ایک جماعت کے ساتھ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تا کہ ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کریں اس وقت حضور صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتہ مبارک کا گریبان کھلا ہوا تھا' یا (قرہ نے یہ) فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک کا تکمہ (بٹن) کھلا ہوا تھا' (قرہ نے) فرمایا کہ میں نے اپنا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتہ مبارک کے گریبان کے اندر داخل کر کے مہر نبوت کو چھوا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس تشریف لائے اس حالت میں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم جناب اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سہارا لئے ہوئے تھے' آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر یمنی چادر تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لپٹے ہوئے تھے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نماز پڑھائی اور عبد بن حمید نے کہا محمد بن الفضل فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے میرے پاس بیٹھتے ہی مجھ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا میں نے اس طریق سے حدیث بیان کرنی شروع کردی کہ حدیث بیان کی مجھ سے حماد بن سلمہ نے' تو اس (یحییٰ بن معین) نے کہا کہ اگر تو اپنی کتاب سے (یہ حدیث) پڑھتا (تو بہتر تھا) میں (محمد بن فضل) کتاب لانے کے لئے اُٹھا تو انہوں (یحییٰ بن معین) کو زبانی (یہ حدیث) لکھادی' پھر میں وہ کتاب لے کر آیا اور اسے پڑھ کر (یہ حدیث) سنائی۔

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیا کپڑا زیب تن فرماتے تو اس کو اس نام سے موسوم فرماتے جیسے امامہ یا کرتہ یا چادر' پھر فرماتے اسے اللہ تبارک وتعالیٰ ہر قسم کی تعریف ہر زمانے میں' ہر طریقہ پر ہر ایک سے خاص تیرے ہی لئے ہے جیسے کہ تو نے یہ کپڑا مجھے پہنایا اس پر میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔ اے اللہ! تجھ ہی سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں اور جس کام کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے اس کے لئے بھی بھلائی چاہتا ہوں۔ اس کپڑے کے شر سے تجھ ہی سے پناہ مانگتا ہوں اور جس شرارت والے کام کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

جناب انس بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کپڑوں میں پہننے کے لئے یمن کی سبز رنگ کی چادر بہت پسند تھی۔

ابی جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھے' گویا اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں مبارک پنڈلیوں کی نورانیت کو دیکھ رہا ہوں' سفیان فرماتے ہیں کہ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ حلہ حمرا بردیمانی تھا۔

براء بن عازب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے انسانوں میں سے کسی ایک کو بھی سرخ جوڑے میں ملبوس حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا' آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف مبارک کندھوں کے قریب تھیں (یعنی کندھوں کو چومتی تھیں۔

ابی رمثہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے تھے۔

قیلہ بنت مخرمہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم دو پرانی چادریں جن میں زعفران لگائی گئی تھی اور زعفران کو جھاڑ چکی تھیں زیب تین کئے ہوئے تھیاور اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چاہیے کہ تم سفید لباس پہنو تمہارے زندہ لوگ سفید کپڑے پہنیں اور اپنے مردوں کو سفید کپڑے کا ہی کفن دو' کیونکہ یہ تمہارے کپڑوں

میں سب سے بہترین (عمدہ) کپڑا ہے۔

سمرۃ جندب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو' کیونکہ یہ زیادہ ستھرے اور پاک رہتے ہیں اور اسی سے اپنے مردوں کو کفن پہنایا کرو۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ سید عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کے وقت باہر تشریف لے گئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ بالوں والی کملی اوڑھے ہوئے تھے۔

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی جبہ پہنا ہوا تھا' جس کی آستین تنگ تھیں۔

محمد بن سیرین سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور ان پر دو گیروے رنگ کے پھولدار کپڑے تھے یہ دونوں کپڑے کتان یعنی سلکی تھے۔ انہوں نے ان دونوں کپڑوں میں سے ایک کے ساتھ اپنے ناک کو صاف کیا پس فرمایا زہے زہے ابو ہریرہ آج کتان کے کپڑے سے ناک صاف کر رہا ہے البتہ قسم ہے کہ مجھ پر ایسی حالت گذری ہے کہ میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے درمیان بے ہوش پڑا رہتا تھا پس جب گذرنے والا مجھ پر گذرتا تو یہ سمجھ کر کہ میں مجنون ہوں' میری گردن پاؤں سے دباتا' حالانکہ مجھے کسی قسم کا جنون نہ تھا' بلکہ میری یہ کیفیت تو انتہائی بھوک کی وجہ سے ہوگئی تھی۔

مالک بن دینار سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز روٹی اور نہ ہی گوشت شکم سیر ہو کر اکیلے (نہیں) کھایا مگر لوگوں کے ساتھ' مالک نے کہا کہ میں نے ایک دیہاتی سے ضفف کے معنی پوچھے تو اس نے کہا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ لوگوں کے ساتھ مل کر تناول کرنا۔

بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نجاشی نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تحفتہ دو موزے سیاہ رنگ کے بھیجے تھے جو کہ صرف سیاہ رنگ کے ہی تھے۔ پھر ان دونوں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن کر وضو فرمایا اور ان پر مسح کیا۔

مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ دحیہ (کلبی) نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دو موزے تحفتہً پیش کئے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو پہنا' نیز اسرائیل جابر سے اور جابر' عامر سے روایت کرتے ہیں کہ موزوں کے علاوہ جبی بھی تھا۔ حضور سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنا' یہاں تک کہ وہ دونوں پھٹ گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تحقیق نہیں فرمائی کہ یہ دونوں موزے مذبوح جانور کی کھال کے تھے یا غیر مذبوح کے' ابوعیسیٰ نے کہا کہ یہ ابو اسحٰق شیبانی ہے اور کا نام سلیمان ہے۔

قتادہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے پوچھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا پاپوش مبارک کیسے تھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہر ایک کفش مبارک میں دو تسمے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفش مبارک کے وہ تسمے جو پشت قدم پر پڑتے تھے دوہرے تھے۔

عیسیٰ بن طہمان فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دو پاپوش مبارک جن پر بال نہ تھے ہمارے لئے نکالیں۔ ہر ایک پر دو دو تسمے تھے' فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ثابت نے مجھے بتایا کہ یہ دونوں نعلین پاک

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔

عبید بن جریج سے روایت ہے یہ کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ گائے کے چڑہ کا وہ جوتہ پہنتے ہیں جو کہ دباغت شدہ بغیر بالوں کے ہوتا ہے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یقیناً میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے جوتے پہنے دیکھا ہے جس پر بال نہ تھے اور ان میں وضو فرماتے لہٰذا میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ اس طرح کے جوتے پہنوں۔

ابی ہریرہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک کفش مبارک میں دو تسمے تھے۔

عمرو بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ایسی جوتیوں میں نماز پڑھ رہے تھے جن کو پیوند لگے ہوئے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایک جوتا پہن کر نہ پھرے۔ چاہیے کہ دونوں جوتے پہنے یا دونوں اُتار دے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے یا صرف ایک جوتا پہن کر چلے۔

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک جوتا پہنے تو چاہئے کہ داہنے جانب سے پہلے جوتا پہنے اور جب کوئی جوتا اتارے تو بائیں جانب سے اُتارنا چاہیے دایاں پاؤں جوتا پہننے میں مقدم ہو اور اُتارنے میں موخر۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ سید عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم حتی المقدور کنگھی فرمانے میں، جوتا پہننے میں اور وضو کرنے میں داہنی طرف سے شروع کرنے کو بہت پسند رکھتے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک کفش مبارک کے دو تسمے تھے اور جناب ابوبکر و جناب عمر رضی اللہ عنہما کے (کفش) بھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے صاحب ہیں جنہوں نے ایک تسمے والی جوتی پہنی۔

جناب انس بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبش کا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگشتری چاندی کی بنوائی تھی جس کے ساتھ مہر لگاتے اور اسے پہنتے نہیں تھے۔

جناب انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔

جناب انس بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب سید دو عالم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء عجم کو خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو عرض کیا گیا کہ امراء عجم ان خطوط کو قبول نہیں کرتے جن پر مہر لگی ہوئی نہ ہوا تو سرور عالم و عالمیان

صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی' گویا کہ اس کی سفیدی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارک میں اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش تین سطر میں تھا' ایک سطر میں محمد دوسری سطر میں رسول اور تیسری سطر میں اللہ تھا۔

جناب انس سے روایت ہے یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ قیصر اور نجاشہ کی طرف خطوط تحریر فرمائے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ بلا ریب وہ لوگ بغیر مہر شدہ خطوط قبول نہیں کرتے۔ نتیجۃً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور اس میں محمد رسول اللہ کندہ تھا۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی اُتار لیتے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی یہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں تھی پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں' پھر عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں' پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوتی تھی' یہاں تک کہ اریس کے کنویں میں گر گئی۔ اس کا نگینہ محمد رسول اللہ کے نقش تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگوٹھی داہنے ہاتھ مبارک میں پہنا کرتے تھے۔

حماد بن سلمہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابی رافع کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا تو اس سے اس کے تعلق پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ میں نے عبداللہ بن جعفر کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا تھا اور عبداللہ بن جعفر نے فرمایا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ مبارک میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ مبارک میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

صلت بن عبداللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انگوٹھی اپنی داہنی ہاتھ میں پہنا کرتے تھے اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ فرماتے کہ حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی انگوٹھی اپنے داہنے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔

ابن عمر سے روایت ہے یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی چاندی کی بنوائی اور اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھا ہوا تھا اور میں کندہ تھا محمد رسول اللہ' اور اس نام پاک کو انگوٹھی پر کندہ کرنے سے ہر ایک شخص کو منع فرما دیا تھا' یہ انگوٹھی معیقیب سے اریس کے کنویں میں گر گئی تھی۔

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین علیہما السلام انگوٹھیاں اپنے بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی داہنے ہاتھ مبارک میں پہنتے تھے۔

ابن عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی' اُسے اپنے داہنے

ہاتھ میں پہنتے تھے۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انگوٹھی اتاردی اور فرمایا کہ میں اسے کبھی نہ پہنوں گا' پس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی اپنی انگوٹھیاں اُتاردیں۔

جناب انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ پر چاندی کی گرہ تھی۔

سعید بن ابی الحسن سے روایت ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی گرہ چاندی کی تھی۔

ہود کے نانا مزیدۃ بن مالک العصری کہتے ہیں کہ جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو تلوار تھی اس پر سونا اور چاندی جڑی ہوئی تھی' طالب بن حجیر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا چاندی کے بارے میں تو انہوں نے کہا کہ تلوار کی گرہ چاندی کی تھی۔

ابن سیرین سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں سمرہ بن جندب کی تلوار میں نے اپنی تلوار بنوائی۔اور جناب سمرہ کہتے ہوئے تھے کہ ان کی تلوار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی طرح بنائی گئی تھی اور یہ تلوار بنی حنفیہ کے قبیلہ کی تلوار کی طرح تھی۔

زبیر بن عوام سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جنگ اُحد کے دن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں زیب تن فرمائی تھیں۔پس حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹان پر کھڑا ہونے کا قصد فرمایا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس چٹان پر نہ چڑھ سکے۔پس طلحہ کو نیچے بٹھایا اور ان پر کھڑے ہوکر اس چٹان پر اچھی طرح چڑھ گئے یہاں تک کہ ٹھہر گئے۔ زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ طلحہ نے واجب کرلی۔

سائب بن یزید سے روایت ہے یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے دن دو زرہیں پہنی تھیں جو کہ اوپر نیچے تھیں۔

انس بن مالک سے روایت یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر خود تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کیا گیا یہ ابن خطل ہے جو کہ کعبہ کا غلاف پکڑے ہوئے ہے ارشاد فرمایا کہ اس کو قتل کردو۔

انس بن مالک سے روایت ہے یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر خود تھی۔راوی کا بیان ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خود کو سر اقدس سے اُتارلیا تو ایک صحابی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ابن خطل کعبہ کے پردے کے ساتھ لپٹا ہوا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو قتل کردو۔ابن شہاب کہتے ہیں اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن محرم نہیں تھے۔

جناب جابر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر سیاہ پگڑ تھی۔

عمرو بن حریث سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر سیاہ رنگ کا عمامہ (پگڑی) دیکھا ہے۔

عمرو بن حریث سے رویت ہے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا جبکہ آنجناب صلی اللہ علیہ

وسلم کے سر اقدس پر سیاہ عمامہ تھا۔

ابن عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پگڑی مبارک باندھتے تھے تو اس کے شملہ کو اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکا دیتے تھے جناب نافع فرماتے ہیں کہ ابن عمر بھی اس طرح کرتے تھے اور عبید اللہ فرماتے ہیں کہ قاسم بن محمد و سالم کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ بھی اس طرح کرتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا' اور آنحضور کے سر اقدس پر کالا عمامہ تھا۔

ابی بردہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمیں ایک چادر پیوند لگی اور تہمد موٹی (درشت) دکھائی' پھر فرمایا یہ دو کپڑے تھے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال پایا۔

عبید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں' ایک دن میں مدینہ منورہ میں جا رہا تھا کہ ایک شخص مجھے پیچھے سے کہہ رہا تھا کہ اپنے تہمد کو اونچا کرو' یہ بچاؤ ہے اور باقی رہنے والا ہے' جب میں نے اس آواز دینے والے پر توجہ کی تو وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تھے' تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سوائے اس کے نہیں کہ یہ تو ایک چادر ہے سفید و سیاہ دھاریدار' حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میرے طرز عمل میں تیرے لئے نمونہ نہیں ہے؟ جب میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی تہمد نصف پنڈلی تک تھی۔

سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تہمد نصف پنڈلی تک ہوتی تھی اور فرمایا کہ میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی تہمد بھی اسی طرح ہوتی' صاحب کے معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حذیفہ بن الیمان روایت کرتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یا اپنی پنڈلی کا گوشت پکڑا اور فرمایا یہ تہمد کی جگہ ہے' اگر اس پر تجھے صبر نہیں تو اس سے کچھ نیچے کر لے' اور اگر تو اس پر بھی صبر نہیں کرتا تو تہمد کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں۔

ابی ہریرہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت اور بہتر کسی کو نہیں دیکھا' گویا کہ سورج کی شعاعیں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور سے پھوٹ رہی ہیں' اور میں نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز رفتار کبھی نہیں دیکھا گویا کہ زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے لپیٹی جا رہی تھی' ہم اپنی طرف سے پوری طاقت صرف کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفتار میں کوئی تکلف نہیں فرماتے تھے۔

ابراہیم بن محمد فرماتے ہیں کہ جس وقت جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بیان فرماتے تو فرماتے کہ جب چلتے تو زمین پر سے پاؤں زور کے ساتھ اُٹھاتے گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوپر سے نیچے کی طرف اُتر رہے ہیں۔

امام الاولیاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تھے تو بلا رکاوٹ آگے کو جھکے ہوئے چلتے تھے' گویا نشیب کی طرف قدم اُٹھا رہے ہیں۔

انس بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ القناع کو اکثر استعمال فرماتے تھے' یہ کپڑا گویا تیل میں نچڑا ہوا ہوتا۔

قیلہ بنت مخرمہ سے روایت ہے یہ کہ اس نے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد قرفصاء بیٹھے ہوئے دیکھا' وہ فرماتی ہیں سو جس وقت میں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ بڑے خشوع کے ساتھ تشریف فرما تھے میں ڈر کے

مارے کانپنے لگی۔

عباد بن تمیم اپنے چچا یعنی عبداللہ بن زید بن عاصم سے روایت کرتے ہیں یہ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹا ہوا دیکھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھے ہوئے تھے۔

ابی سعید خدری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھتے' تو گوٹ مار کر تشریف فرما ہوتے۔

جناب جابر بن سمرہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں جانب تکیہ پر ٹیک لگائے دیکھا۔

ابی بکرہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آیا تمہیں گناہ کبیرہ میں سے کچھ کبیرہ گناہوں کا بیان نہ کروں' صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ ابی بکرہ فرماتے ہیں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے' فرمایا اور جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کہنا راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کا بار بار تکرار فرمایا' یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب خاموش ہو جائیں۔

ابی جحیفہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' یقیناً میں جو ہوں تو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

علی بن الاقمر کہتا ہے کہ میں نے ابی جحیفہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کھانا نہیں کھاتا اس حال میں کہ ٹیک لگائے ہوں۔

جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

جناب انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے' پس باہر تشریف لائے اس حال میں کہ جناب اسامہ رضی اللہ عنہ پر سہارا لئے ہوئے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یمنی چادر تھی جس میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم لپٹے ہوئے تھے' سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اسی حالت میں نماز پڑھائی۔

فضل بن عباس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا' جبکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے اور اسی بیماری کے عالم میں ہی وصال فرمایا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر زرد پٹی بندھی ہوئی تھی' میں نے سلام عرض کیا۔ پس ارشاد فرمایا اے فضل۔ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوں ''۔ ارشاد فرمایا ''اس پٹی سے میرا سر مضبوط باندھو''۔ راوی کہتا ہے پس میں نے اسی طرح کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور میرے مونڈھے پر اپنا ہاتھ رکھا' پھر اُٹھے اور مسجد میں تشریف لائے۔ اور حدیث میں مفصل قصہ ہے۔

کعب بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیاں چاٹ لیا کرتے تھے۔ ابو عیسےٰ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو سوائے محمد بن بشار کے کعب نے اس طریق پر روایت کیا ہے' فرمایا کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تین انگلیاں چاٹ لیا کرتے تھے''

حضرت انس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا نوش فرما لیتے تو اپنی تینوں

انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

ابی جحیفہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقیناً میں جو ہوں سو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا' نیز علی بن الاقمر سے بھی اسی طرح کی روایت موجود ہے۔

کعب بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تین انگلیوں سے کھانا نوش فرماتے تھے اور ان کو چاٹ لیتے تھے۔

انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کھجوریں پیش کی گئیں تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ تناول فرما رہے ہیں' درانحالیکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ بھوک کے سہارا لئے ہوئے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ نے مسلسل (پے در پے) دو دن تک جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی یہاں تک کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا۔

ابی امامہ باہلی کہتے ہیں کہ اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کی روٹی بھی اتنی کم میسر ہوتی کہ (کھانے کے بعد) کچھ بھی باقی نہ بچتی تھی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم راتیں پے در پے بھوکے گذارتے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ بھی عشاء کا کھانا نہ پاتے' اور ان کا کھانا اکثر جو کی روٹی ہوتی۔

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی تناول فرمائی ہے تو سہل نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھنے ہوئے آٹے کو اس وقت تک نہیں دیکھا جس وقت تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر لی تو پھر ان سے پوچھا گیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تمہارے پاس چھلنیاں تھیں' تو سہل نے کہا کہ ہمارے پاس چھلنیاں نہیں تھیں تو پوچھا گیا کہ تم جو کے آٹے کو کس طرح صاف کرتے تھے تو سہل نے کہا کہ ہم اس کو پھونک مارتے جو تنکے وغیرہ اُڑ جاتے پھر ہم اس آٹے کو گوندھ لیتے۔

انس بن مالک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میز پر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چپاتی پکائی گئی' جناب یونس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہ سے دریافت کیا کہ کس چیز پر کھانا رکھ کر تناول فرماتے تو انہوں نے کہا کہ اسی دستر خوان پر۔

مسروق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا' اُنہوں نے میرے لئے کھانا منگوایا اور فرمایا کہ میں سیر ہو کر کبھی کھانا نہیں کھاتی مگر میرا جی رونے کو چاہتا ہے اور میں روتی ہوں مسروق نے کہا کہ میں نے دریافت کیا کہ کیوں؟ انہوں نے فرمایا میں اس حالت کو یاد کرتی ہوں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے مفارقت اختیار فرمائی مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دن میں دو مرتبہ بھی روٹی یا گوشت سے شکم سیر نہیں ہوئے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کے

آٹے کی روٹی سے پے درپے دو دن بھی شکم سیری نہیں فرمائی یہاں تک کہ وصال ہو گیا۔

جناب انس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور رسول کریم نے کبھی بھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا اور وصال تک نہ ہی کبھی چپاتی کی روٹی کھائی۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’ ۔ یہ ایک عمدہ سالن ہے‘‘ عبداللہ بن عبدالرحمٰن اپنی حدیث میں کہتے ہیں کہ ارشاد فرمایا ’’سرکہ ایک عمدہ سالن ہے‘‘۔

سماک بن حرب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نعمان ابن بشیر کو یہ کہتے سنا کہ کیا تم قسم قسم کے کھانے اور پینے کی چیزوں میں جو تمہیں پسند آتی ہیں مگن ہو گئے حالانکہ میں نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم میں دیکھا ہے کہ وہ صلی اللہ علیہ وسلم خشک خرما سے بھی شکم سیری نہ فرما سکتے تھے۔

جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سرکہ ایک عمدہ سالن ہے۔

زھدم الجرمی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ابوموسیٰ کے پاس تھے کہ مرغی کا گوشت لایا گیا' ان موجود افراد میں سے ایک شخص کھسک گیا تو جناب ابوموسیٰ نے فرمایا تجھے کیا ہوا اس نے کہا کہ میں نے مرغی کو نجاست کھاتے ہوئے دیکھا تھا تو میں نے قسم کھالی کہ اسے نہ کھاؤں گا۔ ابوموسیٰ نے فرمایا آجا میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغی کا گوشت نوش فرماتے دیکھا ہے۔

سفینہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سرخاب (حباریٰ) کا گوشت کھایا۔

زھدم الجرمی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ابی موسیٰ اشعری کے پاس تھے فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ کے سامنے کھانا لایا گیا اور اس کھانے میں مرغی کا گوشت لایا گیا۔ حاضرین میں بنو تیم اللہ کا سرخ رنگ کا ایک شخص بھی موجود تھا جو کہ آزاد شدہ غلام معلوم ہوتا تھا' فرماتے ہیں کہ وہ کھسک گیا تو حضرت جو موسیٰ نے اسے فرمایا قریب ہو جاؤ یقیناً میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے کھاتے دیکھا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ ’’میں نے اسے کچھ کھاتے دیکھا ہے پس میں اس سے کراہت کرتا ہوں' لہٰذا میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں اسے کبھی نہ کھاؤں گا۔‘‘

ابی اسید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور اس سے مالش بھی کرو کیونکہ یہ مبارک درخت کا تیل ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کھاؤ اور اس کے تیل کی مالش کرو' کیونکہ یہ مبارک درخت کا تیل ہے۔

انس بن مالک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو بہت پسند فرماتے تھے' پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا پیش کیا گیا یا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعو کیا گیا چونکہ میں جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو بہت پسند فرماتے ہیں اس لئے میں نے اس کھانے کے برتن میں سے کدو کے ٹکڑے دیکھ دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رکھنے شروع کر دیئے۔

جابر بن طارق سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا

تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کدو دیکھے جو کہ قاش قاش (ٹکڑے ٹکڑے) کئے جا رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ یہ اتنے چھوٹے چھوٹے کیوں؟ ارشاد فرمایا ان سے ہم اپنا سالن زیادہ کرتے ہیں۔

اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے روایت ہے کہ انہوں نے انس بن مالک سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک درزی نے حضور سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی جو کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تیار کیا گیا تھا۔ جناب انس فرماتے ہیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میں بھی اس کھانے میں شریک ہوا۔ پس اس درزی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو کی روٹی، شوربا جس میں کدو تھے اور خشک گوشت پیش کیا، جناب انس فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ کاسہ کے کناروں سے کدو کے ٹکڑے تلاش فرما کر نوش کر رہے ہیں اس دن سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھے کدو محبوب ہو گیا۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حلوا اور شہد بہت پسند فرماتے تھے۔

ام المومنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہلو کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا، اُسے تناول فرمایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔

عبداللہ بن الحارث سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بھنا ہوا گوشت کھایا۔

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک رات حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری دعوت کی گئی کھانے میں پہلو کا بھنا ہوا گوشت لایا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی چھری لی، اس چھری سے بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر مجھے مرحمت فرما رہے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ بلالؓ آ گیا اور اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے تیار ہونے سے مطلع کیا، تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری ہاتھ سے رکھ دی اور فرمایا کیا ہوا اسے! دونوں ہاتھ اس کے خاک آلود ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ اس کی دونوں مونچھیں بڑھ گئی تھیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاؤ ان کو مسواک پر رکھ کر کتر دوں، یا کتر دو ان کو مسواک پر رکھ کر۔

ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں سید دو عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمیت اقدس میں کہیں سے گوشت آیا، تو اس گوشت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دست پیش کیا گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت پسند تھا، آپ نے اس دست کے گوشت میں سے اپنے دندان مبارک سے کاٹ کر تناول فرمایا۔

ابن مسعود سے روایت ہے وہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت بہت پسند تھا۔ راوی کہتا ہے کہ دست کے گوشت ہی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا گیا تھا اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہودیوں نے زہر دیا تھا۔

ابی عبید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہانڈی پکائی چونکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت پسند تھا تو میں نے ان کی خدمت میں ایک دست پیش کر دی جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمائی، پھر فرمایا مجھے دست دو، میں نے خدمت مبارک میں پیش کر دی اس کو بھی نوش فرمالیا۔ پھر ارشاد فرمایا مجھے دست دو، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بکرے کے کتنے دست ہوتے ہیں؟ تو ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ

قدرت میں میری جان ہے اگر تو خاموش رہتا تو جب تک میں مانگتا رہتا تو مجھے دست پر دست دیتا ہی چلا جاتا۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت کچھ لذت کی وجہ سے زیادہ پسند نہ تھا بلکہ گوشت گاہے گاہے پکتا تھا اور یہ جلدی گل جاتا ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند فرماتے تھے۔

عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ارشاد فرمایا' سب سے اچھا گوشت پشت (کمر' پٹھہ) کا گوشت ہوتا ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سرکہ اچھا سالن ہے۔

ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے تو فرمایا کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے' تو میں نے عرض کیا کہ سوائے خشک روٹی اور سرکہ کے اور کچھ نہیں۔ تو ارشاد فرمایا لے آو۔ جس گھر میں سرکہ ہو وہ سالن سے خالی نہیں ہوتا۔

ابی موسیٰ اشعری حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے یہ کہ انہوں نے دیکھا کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پنیر کا ٹکڑا نوش فرما کر وضو کیا' پھر دیکھا کہ بکرے کے دست کا گوشت تناول فرمایا نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

انس بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ تازہ کھجور اور ستو سے کیا۔

جنابہ سلمٰی سے روایت ہے یہ کہ حسن بن علی' عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے ہاں تشریف لائے اور اسے کہا کہ ہمارے لئے وہ کھانا تیار کر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی پسند تھا اور جسے بڑی خوشی سے تناول فرماتے تھے تو اس نے کہا اے میرے پیارے بیٹو! آج کل تم اس کھانے کی طرف توجہ نہ دو گے۔ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا' ایسا نہیں ہے تم اسے ضرور تیار کرو۔ راوی نے کہا وہ اٹھیں اور تھوڑا سا جو کا آٹا لیا اسے گوندھا پھر اسے ہانڈی میں ڈالا اس میں تھوڑا سا روغن زیتون ڈالا' اور اس میں سیاہ مرچ اور زیرہ کوٹ کر ڈالا' تیار کر کے ان کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا یہ کھانا ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے اور شوق سے کھاتے۔

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جگہ پر رونق افروز ہوئے ہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک دنبہ ذبح کیا تو ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گویا یہ جانتے تھے کہ ہم گوشت کو بہت پسند کرتے ہیں صاحب شمائل الترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک پورا واقعہ ہے یعنی ایک معجزہ کا پورا بیان ہے۔

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے اور میں بھی ساتھ تھا' آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصار عورت کے گھر تشریف لے گئے اس عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دنبہ ذبح کیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تناول فرمایا۔ اس کے بعد اس عورت نے ایک طباق میں تازہ کھجوریں پیش کیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ نوش فرمائیں پھر وضو کیا اور ظہر کی نماز پڑھی' نماز سے فارغ ہوئے تو اس رت نے آپ کے واپس تشریف لانے پر اس دنبے کے بچے ہوئے گوشت میں سے کچھ گوشت پیش کیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا پھر عصر کی نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

ام المنذر رسے روایت ہے وہ کہتی ہے کہ حضور صلی اللہ عیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے ان کے ہمراہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی تھے' ہمارے گھر میں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ان سے کھجوریں کھانے لگے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی المرتضٰی کو فرمایا ''یا علی! مت کھا کیونکہ تو ابھی بیماری سے صحت یاب ہوا ہے'' جناب علی المرتضٰی بیٹھ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرماتے رہے۔ ام المنذر رکہتی ہے کہ میں نے ان حضرات کے لئے تھوڑے سے جو اور چقندر تیار کئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی المرتضٰی سے فرمایا ''یا علی اس کھانے کھاؤ یہ تمہاری مزاج کے موافق ہے۔''

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمتے کہ کیا تمہارے پاس صبح کے کھانے کے لئے کچھ ہے' میں کہتی کہ نہیں وہ فرماتی ہیں تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ میں نے روزہ کا ارادہ کرلیا ہے۔ ام المومنین فرماتی ہیں کہ ایک روز آپ تشریف لائے تو میں نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے تحفہ آیا ہوا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا حیس ہے۔ فرمایا کہ میں نے روزے کا ارادہ کر رکھا ہے' پھر اس میں سے کچھ کھالیا۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جاہلیت کے زمانہ میں بھی قریش عاشورا کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دن روزہ رکھتے' پھر جب مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو بھی خود اس دن کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔ پس جب رمضان فرض کیا گیا اور مختص ہو گیا فرض رمضان میں ہی' اور ترک کر دیا عاشورا کو۔ لہٰذا اب جو چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

علقمہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی دن کو دنوں میں سے روزہ کے لئے خاص فرماتے تھے' ارشاد فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل دائمہ ہوتا تھا' تم میں سے کون ایسی طاقت رکھتا ہے جیسی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم طاقت رکھتے تھے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کون ہے۔ میں نے عرض کیا کہ فلاں ہے جو کہ ساری رات نہیں سوتی۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جتنی تم طاقت رکھتے ہو اُتنے ہی نیک عمل کرو' پس اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ وہ نہیں تھکتا۔ یہاں تک کہ تم خود تھک جاؤ گے اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ بات بہت پسندیدہ تھی کہ اس پر عمل کرنے والا مداومت کرے۔

ابی صالح سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کونسا عمل محبوب تر تھا۔ ان دونوں نے ارشاد فرمایا کہ وہ عمل جو کہ دائمی کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

عووف بن مالک فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں موجود تھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک فرمائی' پھر وضو کیا پھر اُٹھے نماز پڑھی' میں نے حضور پاک کی اقتداء کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ بقرہ شروع فرمائی۔ جب بھی کوئی رحمت کی آیت تلاوت فرماتے تو ٹھہر جاتے پس دعا فرماتے اور جب بھی کوئی عذاب کی آیت فرماتے تو ٹھہر جاتے اور عذاب الٰہی سے پناہ مانگتے۔ پھر رکوع کیا اور رکوع بھی قیام کے برابر کیا اور رکوع میں سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ پڑھتے رہے اور سجدے میں بھی سبحٰن ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ پڑھتے رہے اور سجدہ بھی رکوع کے برابر فرمایا۔ پھر دوسری رکعت میں سورہ آل عمران تلاوت فرمائی اسی طرح ہر ایک رکعت میں ایک ایک سورۃ تلاوت فرماتے۔

یعلی بن مملک سے روایت ہے یہ کہ اس نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے قرآن مجید پڑھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے کے طریقہ پر اور حروف کو ادا کیا روشن واضح اور الگ الگ۔

ابی قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت قرآن مجید کس طرح تھی' انہوں نے فرمایا کہ مد سے پڑھتے تھے۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قرأت میں قرآن مجید کی آیت کو جدا جدا کرتے پڑھتے تھے کہ الحمد للہ رب العالمین پھر ٹھہر جاتے پھر پڑھتے الرحمٰن الرحیم پھر ٹھہر جاتے پھر مالک یوم الدین پڑھتے تھے۔

عبداللہ بن ابی قیس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے بارے میں پوچھا کہ آیا وہ آہستہ تلاوت فرماتے تھے یا اونچی آواز سے۔ انہوں نے فرمایا دونوں طرح پر' کبھی تو آہستہ کبھی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ میں نے کہا ہر قسم کی تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے دین کے امور میں فراخی عطا فرمائی۔

ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تلاوت قرآن مجید کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں فرماتے تھے اپنے بستر پر سنتی تھی۔

عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹنی پر سوار دیکھا اس حال میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر کی آیہ کریمہ تلاوت فرما رہے تھے' راوی کہتا ہے کہ آخر سورۃ تک پڑھا اور نہایت خوش آوازی سے پڑھتے تھے۔ شعبہ نے کہا کہ معاویہ بن قرہ نے کہا اگر مجھے لوگوں کے جمع ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں اسی آواز اور لہجہ میں پڑھ کر سناتا۔

قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک نبی کو خوش رو اور خوش

آواز مبعوث فرمایا اور تمہارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسین صورت اور حسین آواز والے تھے۔ اور آواز گلے میں گھما کر نہیں پڑھتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سنی جاتی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوٹھڑی میں فرماتے تو صحن والے سن لیتے۔

عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ انور سے رونے کی وجہ سے ایسی آواز آتی جیسے ہانڈی کے جوش کی آواز ہوتی ہو۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا مجھے قرآن سناؤ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو قرآن سناؤں حالانکہ قرآن تو آپ پر اُترا ہے۔ ارشاد فرمایا میں دوسرے شخص سے قرآن مجید سننا پسند کرتا ہوں تو میں نے سورہ نساء پڑھنی شروع کی۔ یہاں تک کہ وجئنا بک علی ھولاء شھیدا پر پہنچا۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ دونوں اانکھوں مبارک سے آنسو بہ رہے ہیں۔

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک دن سورج گرہن ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور نماز شروع کی۔ اتنی دیر قیام فرمایا گویا رکوع کرنے کا ارادہ نہیں اور پھر رکوع اتنا لمبا کیا کہ گویا اس سے اُٹھنے کا ارادہ ہی نہیں، پھر سر اُٹھایا قومہ میں بھی اتنی دیر تک کھڑے رہے گویا سجدہ ہی نہیں کرنا، پھر سجدہ کیا گویا سجدہ سے اُٹھتے ہی نہیں، پھر اسی طرح سجدہ سے اُٹھ کر جلسہ کیا اور پھر جلسہ کے بعد دوسرا سجدہ بھی طویل۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سانس مبارک آتا جاتا تھا اور رو رہے تھے اور دعا فرماتے تھے اے اللہ! آیا تو نے میرے ساتھ وعدہ نہیں فرمایا کہ میں ان میں موجود ہوں تو تو عذاب انہیں نہیں دے گا اے میرے پروردگار! آیا تو نے میرے ساتھ وعدہ نہیں فرمایا کہ جب تک یہ استغفار کریں گے انہیں عذاب نہیں ہوگا، اور ہم تجھ سے استغفار کرتے ہیں پس جب دو رکعتیں پڑھ چکے سورج کھل گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور ثنا بیان کی پھر فرمایا بے شک سورج اور چاند اللہ کی دو نشانیاں ہے، کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے انہیں گہن نہیں لگتا۔ جب یہ گہنا جائیں تو فوراً اللہ جل جلالہ کی یاد کی طرف دوڑو۔

ابن عباس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لڑکی قریب المرگ تھی اسے لیا اور گود مبارک میں اٹھایا (کہ دونوں ہاتھوں پر گیا) تو وہ فوت ہوگئی اس حال میں کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں تھی۔ ام ایمن چلا کر رونے لگی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اللہ کے نبی کے سامنے روتی ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ کیا میں آپ کو نہیں دیکھ رہی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا میرا رونا رونا نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کی رحمت ہے، بیشک مومن ہر حال میں خیر ہی میں ہوتا ہے، یقیناً جب اس کا نفس نکالا جاتا ہے اس کے پہلو سے اس وقت بھی وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے یہ کہ حضور سید عالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کا بوسہ لیا، اس حال میں کہ وہ فوت ہو چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے تھے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں مبارک سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حاضر ہوئے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی تدفین پر' اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے قریب تشریف فرما تھے۔ پس میں نے دیکھا کہ سید عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں مبارک سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سو ارشاد فرمایا کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے کہ جس نے آج رات اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کی ہو۔ ابوطلحہ نے عرض کیا میں ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ قبر میں اُتر۔ تو وہ قبر میں اُترا۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ سوائے اس کے نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک جس پر سوتے تھے چمڑے کا ہوتا تھا۔ جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔

امام محمد باقر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیسا تھا۔ انہوں نے فرمایا چمڑہ کا تھا بھرا ہوا تھا کھجور کی چھال سے اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی پوچھا گیا کہ آپ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیسا تھا۔ انہوں نے فرمایا ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے ہم بچھا دیتے تھے جس پر آپ سو جاتے۔ پھر ایک رات میں نے یہ کہا کہ اگر اس ٹاٹ کو میں چار تہہ کر دوں تو زیادہ نرم ہو جائے گا' میں نے اسے چار تہہ کر کے بچھا دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو اُٹھے تو فرمایا تم نے رات کو میرے لئے بستر بچھایا تھا۔ انہوں نے عرض کیا یہ آنجناب کا ہی بستر تھا مگر میں نے اسے چار تہہ کر دیا تھا تاکہ آپ کے لئے نرم ہو جائے۔ ارشاد فرمایا اسے پہلی ہی حالت پر لوٹا دو' پس اس کی نرمی میری رات کی نماز میں روک بن رہی تھی۔

عمر بن الخطاب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ میری تعریف میں ایسا مبالغہ مت کرو جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کیا تھا' میں تو عبداللہ ہوں پس تم بھی کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔

انس بن مالک سے روایت ہے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک عورت حاضر ہوئی اس نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ ایک کام ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شہر کے کسی راستہ پر بیٹھ جائیں وہاں بیٹھ کر تیری بات سنوں گا۔

انس بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے تھے' جنازے میں شریک ہوتے تھے' گدھے پر سواری فرما لیتے تھے' ہر آدمی کی دعوت قبول فرماتے بنی قریظہ کی لڑائی میں آپ ایک ایسے گدھے پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کے پٹھوں کی تھی اور کاٹھی بھی اسی کی تھی۔

انس بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کی روٹی اور کئی دن کی باسی پرانی چکنائی کی دعوت دیتا تو قبول فرما لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زرہ یہودی کے پاس تھی وصال مبارک تک رقم نہ ہونے کی وجہ سے اسے یہودی سے نہ چھڑا سکے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا' اس حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوسیدہ اور پھٹے پرانے پالان پر سوار تھے' اس پر ایک چادر تھی جو کہ چار درہم کی قیمت کے برابر بھی نہ تھی' اور یہ دعا فرما رہے تھے اے اللہ! اس حج کو ایسا حج بنانا جس میں نہ کو دکھاوا ہو اور نہ ہی شہرت۔

جناب انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی دوسرا شخص نہیں تھا' وہ فرماتے ہیں کہ باوجود اس کے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کھڑے نہ ہوتے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہیں تھا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے دریافت کیا اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کا بیان بہت فرمایا کرتے تھے اور مجھے اس کی بہت ہی خواہش ہوتی کہ میرے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی اوصاف بیان کرے تو انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی شان والے تھے۔ آنحضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا تھا۔ امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک عرصہ تک میں نے اس حدیث کو امام حسن علیہ السلام سے بیان نہیں کیا۔ پھر جب میں نے یہ حدیث اسے بیان کی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھ پر اس کے جاننے میں سبقت لے گئے ہیں' اور دریافت کر چکے تھے جس کے متعلق میں نے پوچھا تھا نیز امام حسن علیہ السلام نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے جانے اور باہر تشریف لانے اور آپ کے طور وطریقہ کے متعلق دریافت کر چکے تھے اور اس بارے میں ان سے کوئی شے نہیں رہ گئی تھی۔ جناب امام حسن علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے باپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک میں تشریف لے جانے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر مبارک تشریف لے جاتے تو اپنے اوقات کو تین حصوں میں بانٹ دیتے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے' ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے' اور ایک حصہ اپنے لئے۔ پھر وہ حصہ جو اپنے لئے مخصوص فرماتے اسے دو حصوں میں بانٹ دیتے' کچھ اپنے لئے اور کچھ لوگوں کے لئے' لوگوں کے حصہ میں خواص کو عوام پر ترجیح دیتے' اور ان سے کوئی چیز چھپا کر نہ رکھتے۔ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ سے تھا کہ اجازت کے ساتھ اہل فضل کو ترجیح دیتے اور اس وقت بھی فضل دینی کے اعتبار سے تقسیم فرمالیتے۔ بعض ایک ضرورت والے ہوتے' اور بعض دو ضرورتوں والے ہوتے' اور بعض زیادہ ضرورتوں والے ہوتے' پس اپنے آپ کو ان کے ساتھ مشغول رکھتے۔ ان تمام امور میں جس سے ان کی اصلاح ہوتی اور امت کی اصلاح ہوتی' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایسی چیزوں کی خبر دیتے جو کہ ان کے لئے ضروری ہوتیں۔ اور فرماتے چاہئے کہ موجود صاحبان ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں' یہ احکام پہنچادیں۔ اور فرماتے کہ جو مجھ تک پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا اس کی ضرورت مجھے پہنچاؤ۔ پس بیشک جو امیر تک کسی ایسے شخص کی ضرورت پہنچائے جو خود نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ثابت قدم رکھے گا' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایسی ہی باتیں ہوتی تھیں اور کسی ایک سے سوائے ان باتوں کے اور کچھ قبول نہ فرماتے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایسی ہی باتیں ہوتی تھیں اور کسی ایک کے سوائے ان باتوں کے اور کچھ قبول نہ فرماتے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنی حاجتیں لے کر داخل ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک سے کچھ چکھنے کے بغیر نہیں جدا ہوتے تھے۔ اور وہاں سے نکلے تو لوگوں کو دلالت کرنے والے ہوتے خیر کی۔ امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک سے باہر قدم رنجہ فرمانے کے بعد کیسے بسر ہوتا تھا۔ امیر المومنین نے فرمایا فضول باتوں سے اپنی زبان مبارک کو محفوظ رکھتے تھے' اور ان کی تالیف قلوب فرماتے' انہیں اپنے سے مانوس کرتے' اور قوم

کے سردار کی تکریم فرماتے اور اسی کو ان پر امیر فرماتے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں ڈراتے۔ اور لوگوں میں جو واقعات ہوتے ان کو دریافت فرماتے اور ہر نیک بات کی تحسین فرماتے اور اس اچھی بات کو مزید تقویت عطا فرماتے' اور بری بات کی برائی بیان فرماتے اور اس کو زائل فرماتے' اور ہر کام میں میانہ روی اختیار فرماتے نہ کہ متلون اور جلد باز تھے اور کسی وقت بھی مخلوق خدا کی اصلاح سے غافل نہ ہوتے کہ کہیں وہ لوگ امور دین سے غافل نہ ہو جائیں اور کسی دوسرے طرف مائل نہ ہو جائیں' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہر کام کے لئے باقاعدہ انتظام ہوتا تھا اور حق کے ارشاد فرمانے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی حد سے بڑھ جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی افراد انتہائی بہترین افراد ہوتے۔ آپ کے نزدیک صاحب فضیلت وہ ہوتا جو کہ از روئے نصیحت کرنے کے ہر ایک کی بھلائی چاہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑے مرتبے والا وہ ہوتا ہے جو کہ مخلوق خدا کی غمگساری اور مدد میں زیادہ حصہ لیتا۔ امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پھر میں نے لوگوں میں بیٹھنے کے متعلق ان سے پوچھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھتے بیٹھتے ذکر الٰہی کرتے اور جب کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جس جگہ اس مجلس میں جگہ ملتی وہاں بیٹھ جاتے اور اس بات کا حکم بھی فرماتے اور حاضرین مجلس میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ عطا فرماتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مبارک میں ہر ایک بیٹھنے والا یہی سمجھتا کہ کوئی ایک اس سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بزرگ نہیں ہے۔ جو شخص کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتا یا اپنی کوئی ضرورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیان کرتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے حوصلہ کے ساتھ تشریف فرما رہتے یہاں تک کہ وہ شخص خود اُٹھ کر چلا جاتا' اور جو شخص اپنی کسی ضرورت کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگتا تو آپ اسے نامراد نہ لوٹاتے۔ اگر وہ چیز میسر نہ ہوتی تو نہایت ہی معقول طریقہ پر عذر فرما دیتے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خندہ روئی اور اخلاق کریمانہ ہر ایک کو احاطہ کئے ہوئے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لئے باپ کی طرح ہو گئے تھے۔ حقوق کے لحاظ سے تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک میں برابر تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک علم حیا' صبر اور امانت کا مرقع ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں کوئی بھی اونچی آواز نہ کرتا اور نہ ہی کسی بے حرمتی کر جاتی' کسی کی لغزشوں کو شہرت نہ دی جاتی۔ سب لوگ برابر جانے جاتے باہم ایک دوسرے پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک فضیلت تقویٰ کی بنیاد پر ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بڑی عمر والے کی توقیر کی جاتی اور مجلس پاک میں چھوٹی عمر والوں پر شفقت کی جاتی۔ باہم ضرور تمندوں کو ترجیح دیتے مسافر کی رعایت کرتے۔

جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے بکری کے پائے کا بھی ہدیہ بھیجا جائے تو میں اسے قبول کر لوں گا۔ اگر مجھے اس کی دعوت پر بلایا جائے تو ضرور اس بلاوے کو منظور کر لوں گا۔

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو خچر یا تار کی گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔

یحییٰ بن ابی الھیثم العطار فرماتے ہیں کہ میں نے یوسف بن عبداللہ بن سلام سے سنا اُس نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام یوسف رکھا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔

جناب انس بن مالک سے روایت ہے یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرانے پالان پر حج کیا' اور اس ایک کمبلی حاشیہ والی پڑی ہوئی تھی جس کی قیمت کا اندازہ ہماری نظروں میں چار درہم کے قریب تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر سوار ہوئے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے اللہ تبارک وتعالیٰ میں حج کے لئے تیرے حضور میں کھڑا ہوں ایسے حج کیلئے کہ جس میں لوگوں کو نہ سنانا مقصود ہے اور نہ ہی دکھاوا۔

جناب انس بن مالک سے روایت ہے یہ کہ ایک درزی نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ثرید پیش کی گئی اس پر کدو کے ٹکڑے بہت پسند تھے۔ ثابت فرماتے ہیں کہ میں نے جناب انس سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ اس کے بعد سے میرے لئے کوئی کھانا تیار نہیں کیا گیا' جس میں کدو ڈلوانے کی طاقت ہو اور اس میں کدو نہ ڈالا گیا ہو۔

عمرہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر مبارک میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے اپنے کپڑے میں جوں ڈھونڈ لیتے تھے اور اپنا کام خود ہی کر لیتے تھے۔

خارجہ بن یزید بن ثابت سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ چند افراد زید بن ثابت کے پاس آئے' انہوں نے استدعا کی کہ ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے کچھ احادیث بیان کریں زید نے فرمایا کہ تم لوگوں کے سامنے کون کون سی باتیں بیان کروں' میں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمسایہ ہوں۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اُترتی تو مجھے بلا بھیجتے تو میں اس وحی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ے لئے لکھ لیتا۔ پس جب ہم معاملات کی باتیں کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ ویسی ہی گفتگو فرماتے اور جب ہم اخروی امور کا ذکر کرتے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ ویسی ہی گفتگو فرماتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ ویسی ہی گفتگو فرماتے' اور یہ تمام باتیں ہیں جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقن تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔

عمرو بن العاص سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی طرف جو برے سے برا بھی ہوتا اپنے پورے روئے انور کے ساتھ اور نرم گفتگو کے ساتھ متوجہ ہوتے تا کہ وہ اس اخلاق حسنہ کی بدولت حق کی طرف الفت اور رغبت حاصل کرے۔ سو اسی طرح پوری توجہ اور محبت بھری گفتگو میرے ساتھ بھی فرماتے یہاں تک کہ میرا یقین ہو گیا کہ میں قوم کا بہترن فرد ہوں پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہتر ہوں یا ابوبکر رضی اللہ عنہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہتر ہوں یا عمر رضی اللہ عنہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عمر رضی اللہ عنہ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیا میں بہتر ہوں یا عثمان رضی اللہ عنہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ جب میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پوچھی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہایت ہی سچا جواب مرحمت فرمدیا۔ پس ہر وقت میں اس بات کی خواہش رکھتا کہ اے کاش میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات نہ پوچھی ہوتی۔

انس بن مالک سے روایت ہےے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے کا شرف دس برس تک حاصل رہا۔ مجھے کبھی بھی اف تک نہیں فرمایا اور نہ کسی کام کے کرنے میں یہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں ایسا کیا اور کبھی

کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم از روئے اخلاق کے تمام انسانوں میں بہت ہی بہتر تھے۔ اور میں نے کبھی کوئی ریشم اور ریشمی کپڑا اور کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم ہو اور میں نے ہرگز کبھی بھی کسی قسم کا مشک اور عطر ہی حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھی۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک شخص تھا جس کے کپڑوں پر زرد نشان تھا۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارکہ ایسی تھی کہ کسی کی ناگوار بات کو منہ در منہ منع نہ فرماتے ہیں جب وہ شخص چلا گیا۔ تو اس وقت حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو چاہئے تھا کہ اسے کہتے کہ زردی لگانا چھوڑ دے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو طبعا بد خلق تھے اور نہ ہی بتکلف فحش بات فرماتے نہ بازاروں میں شور فرماتے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے لیکن درگذر فرما دیتے اور اعراض فرما دیتے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

ابی ہریرہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (میرے وارث) تقسیم نہ کریں میرے مال سے آپس میں دینار کو یا درہم کو' جو کچھ میری بیویوں اور میرے عامل کے خرچہ کے بعد بچ جائے وہ صدقہ ہے۔

مالک بن اوس فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اتنے میں عبدالرحمٰن بن عوف طلحہ اور سعد رضی اللہ عنہم بھی تشریف لے آئے اور علی المرتضیٰ اور عباس رضی اللہ عنہم بھی باہم جھگڑتے ہوئے آ گئے تو حضرت عمر نے ان صحابہ کبار کو مخاطب کر کے فرمایا تمہیں اس ذات اقدس کی قسم جس کے حکم وارادہ سے یہ زمین وآسمان قائم ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہماری وراثت نہیں جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے پس ان تمام حضرات نے کہا اے اللہ! ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا ہے اس حدیث میں ایک طویل واقعہ ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں وصال کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو دینار نہ ہی درہم' نہ ہی بکری اور نہ ہی اونٹ چھوڑا' راوی فرماتے ہیں کہ مجھے شک ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے غلام اور لونڈی کا ذکر نہیں فرمایا۔

جناب عبداللہ سے روایت ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا پس یقیناً اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا۔

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا' پس یقیناً اس نے مجھے ہی دیکھا' اس لیے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا یا فرمایا میری مانند نہیں ہو سکتا۔

نبی کریم ﷺ کی محبت و تعظیم وہی کرے گا جو اللہ کی محبت و تعظیم کرتا ہے: واضح ہو کہ بشر کی جس قدر محبت و تعظیم ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت و تعظیم کی اتباع (پیروی) میں ہونی چاہیے، مثلاً رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم۔، یہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی (جو نبی ﷺ کو بھیجنے والا ہے) محبت و تعظیم کی وجہ سے ہے۔ بے شک جو مومن رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کی وجہ سے ہے اور جو آپ کی تعظیم و اجلال کرتے ہیں اس کا باعث تعظیم و اجلال الٰہی ہے۔ اہل ایمان و اہل علم و صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت و تعظیم کا بھی یہی حال ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی محبت و تعظیم کے تابع ہیں۔ المختصر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنی محبت و مہابت (ڈر، خوف) کا حصہ بکثرت عطا فرمایا ہے اور ہر ایک مخلص و مومن کو بھی کم و بیش اس میں سے ایک حد تک لطف و سرور عطا کیا ہے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مومن کو حلاوت و مہابت دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت کی جاتی ہے اور اس کی ہیبت و جلال بھی دلوں پر پڑتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مومن کو خلعت ایمان پہنا دیتا ہے اور وہ ہیبت و محبت کا تقاضا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک عہد نبوی میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی بشر، ہیبت و جلال اور محبت و تعظیم کے لائق نہ تھا۔

صحابہ کرام اور اتباع واطاعت رسول:

صحابہ نے جب یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ یہ نبی ﷺ ان کے مقتداء، سربراہ اور مخدوم و متبوع ہیں اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی منشاء کو واضح فرمانے والے ہیں تو انہوں نے آپ ﷺ کی اس درجہ اتباع کی اور اتنی کامل و اکمل کی کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اتباع کرنیوالوں میں سے کسی کا کوئی فعل ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر آپ ﷺ صراحۃً اپنے مبارک قول کے ذریعے اتباع کا حکم نہ بھی دیتے وہ تب بھی اتباع کرتے بلکہ ان کی اتباع کیلئے آپ ﷺ کا فعل ہی کافی ہے۔ اس کے علاوہ انہیں کسی اور شے کی ضرورت نہیں، جب وہ دیکھتے آپ ﷺ نے یہ عمل کیا ہے تو وہ کر گزرتے کسی اور وجہ سے نہیں صرف اس وجہ سے کہ آپ ﷺ نے کیا ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے اس فعل کی علت و حکمت سے آگاہ نہ ہوتے۔

اس سلسلہ میں احادیث مسلسلہ کی روایت بھی قابل توجہ ہے اور یہ وہ روایات ہیں جنہیں صحابہ نے اس طریق و حالت و کیفیت میں بیان کیا جس میں انہوں نے اپنے محبوب آقا ﷺ سے سنا تھا۔ مثلاً تبسم، حرکت، فعل، قول، حالت یا قرات وغیرہ۔ محدثین کرام نے احادیث مسلسلہ ذکر کیں، بلکہ ان میں مستقل کتب تصنیف کیں، اگرچہ احادیث مسلسل صحیحہ کم ہیں۔

حضرت امیہ بن عبداللہ بن خالد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''ہم گھر اور خوف کی نماز قرآن میں پاتے ہیں مگر سفر کی قرآن میں نہیں پاتے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے!

((ان اللہ عزوجل بعث الینا محمدا ﷺ ولا نعلم شیئا وانما نفعل کما راینا محمدا ﷺ یفعل))

''اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا، ہم کوئی شی نہیں جانتے تھے، ہم وہی کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھتے ہیں۔'' (مسند احمد: 2-65)

نسائی کے الفاظ ہیں: ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: قصر کیسے کریں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم))

''تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں خوف ہو۔'' (النساء: 101)

حضرت ابن عمر نے فرمایا: اے بھتیجے!

((ان رسول اللہ ﷺ اتانا ونحن ضلال فعلمنا فکان فیما علمنا ان اللہ عزوجل امرنا ان تصلی رکعتیں فی السفر))

''رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف لائے، ہم گمراہ تھے، آپ ﷺ نے ہمیں تعلیم دی، اس تعلیم میں یہ بھی تھا کہ سفر میں نماز دو رکعات ہیں۔'' (نسائی، کتاب الصلوٰۃ)

حضرت عمر نے حجر اسود کو مخاطب کر کے کہا تھا:

((اما واللہ انی لاعلم انك حجر لا تضر ولا تنفع ولو لا انی رایت رسول اللہ ﷺ استلمك ما استلمتك فاستلمه))

''اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں تو پتھر ہے، نہ نقصان دے سکتا ہے اور نہ نفع۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اگر تجھے استلام کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے استلام نہ کرتا، پھر اسے استلام کیا۔''

بخاری و مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((ولو لا انی رایت رسول اللہ ﷺ یقبلك ما قبلتك))

''اگر میں رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔''

پھر فرمایا:

''ہمارا ان پتھروں سے کیا تعلق؟ ہم تو مشرکین کو ان کے ساتھ دیکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک فرما دیا،

پھر فرمایا:

((شی صنعه النبی ﷺ فلا نحب ان نترکه))

''ہمارے نبی ﷺ نے جو کچھ کیا ہے ہم اسے چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔'' (بخاری، کتاب الحج)

بلکہ صحابہ تو یہ کہا کرتے: ہم آپ ﷺ کی اتباع میں وہ ضرور کریں گے جو آپ ﷺ نے کیا کیونکہ ہم گمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سبب ہدایت دی ہے۔ ہم جاہل تھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے تعلیم دی یہی وجہ ہے وہ متبع تھے مبتدع نہ تھے، وہ اقتداء کرنے والے تھے اختراع کرنے والے نہ تھے۔ رضی اللہ عنہم۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ ارشاد اسی حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو نماز پڑھاتے نعلین اتارتے اور بائیں طرف رکھ دیتے۔ صحابہ نے بھی نعلین اتار دیئے، نماز سے فارغ ہو کر پوچھا:

''صحابہ! تم نے جوتے کیوں اتارے؟''

عرض کیا:

((رائیناك خلعت فخلعنا))

''آپ ﷺ کو اتارتے ہوئے دیکھ کر ہم نے بھی اتار دیئے۔'' (مسند احمد 3-20)

جب حضرت عبداللہ بن عمر سے حجر اسود کے استلام کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

((رایت رسول الله یستلمه ویقبله))

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسے استلام اور چومتے ہوئے دیکھا۔'' (بخاری، کتاب الحج)

اس لئے حضرت ابن عمر پہلے حجر اسود کو استلام کرتے پھر اس پر دیر تک دونوں ہونٹ رکھ دیتے (جیسا کہ امام شافعی نے روایت کیا ہے) جب سے حضور ﷺ کو چومتے ہوئے دیکھا اسے چومنا کبھی ترک نہیں کیا حتی کہ اژدھام کے وقت بھی، اگرچہ ان کے ناک سے خون جاری ہو جاتا، گویا حضرت ابن عمر اژدھام کو ترک بوسہ کیلئے عذر نہیں مانتے تھے۔ (فتح الباری، باب تقبیل الحجر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں سے یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ، یوم آخرت اور آپ ﷺ کے ماننے والوں کے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے آپ ﷺ کی طرف لوٹایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((یایها الذین امنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوه الی الله والرسول ان کنتم یومنون بالله و الیوم الاخر ذلك خیر واحسن تاویلا)) (النساء: 59)

''اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔ اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ بہتر ہے اور بہتر ہے انجام کے لحاظ سے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کی کتاب کی اور اس کے نبی (جو اس کے مبلغ ہیں) کی اتباع ہے، اس کے رسول کی اطاعت آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں آپ ﷺ کے اوامر و نواہی کی اتباع اور بعد ازاں وصال آپ ﷺ کی سنت کی پیروی ہے اور یہ تمام ایمان کی شرائط ہیں:

((یایها الذین امنوا...... ان کنتم تومنون))

اور اس شرط کا جواب یہی ہے اور اس کے علاوہ کوئی معنی نہیں، تو جب آپس میں اور ان کے اور حکمرانوں کے درمیان نزاع ہو جائے تو کتاب اللہ اور ظاہری حیات میں اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں تاکہ وہ فیصلہ فرمائیں یہ تو اس وقت ہے جب آپ ﷺ کے پاس ہوں اور اگر دور ہوں اور حکم نہیں جانتے تو کسی کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجیں یا خود حاضری دیں۔

اگر آپ ﷺ کی سنت سے آگاہ ہوں اس سے فیصلہ کرلیں اور یہی حکم وصال کے بعد ہے کیونکہ سنت موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اس کی کتاب قرآن کریم کی طرف ہے۔ یہ وہ فرض ہے جس میں کوئی جھگڑا نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دے رکھا ہے۔ یہاں اس آیت میں قابل توجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اطاعت کا ذکر فرمایا یا اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا تو اطاعت کا عطف اطاعت پر فرمایا تاکہ واضح رہے کہ اطاعت نبی مشروط نہیں

کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو واضح فرماتے ہیں تو آپ ﷺ کا قول دین میں حجت کا درجہ رکھتا ہے، لیکن جب اولوالامر کی اطاعت کی بات کی تو اس کا عطف اطاعت رسول پر ڈالا کیونکہ اس کی اطاعت کا آپ ﷺ کی اطاعت کے تابع ہونا شرط ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تنازع اور اختلاف کا بیان فرمایا کہ اس میں حکم کی طرف رجوع ضروری ہے تو وہاں اولوالامر کی بات نہیں کی صرف اتنا فرمایا:

((فردوه الى الله والرسول))

''پس اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔''

درمیان میں ''واؤ'' عاطفہ کا ذکر کیا ''والی الرسول'' نہیں فرمایا کیونکہ رسول اللہ ﷺ جو فیصلہ دیں گے وہ اللہ ہی کا فیصلہ ہوگا جو آپ ﷺ پر وحی کیا گیا کیونکہ آپ ﷺ خواہش نفس سے بولتے ہی نہیں صلات اللہ وسلامہ علیہ وعلی الہ وصحبہ اے اللہ! ہمیں بھی آپ ﷺ کے اتباع اور احباب میں شامل فرما دے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر حضور ﷺ کے احکام کو بجالانا اور آپ ﷺ کے نواہی سے رک جانا لازم فرما دیا ہے اور اس کی مخالفت کرنے والوں پر عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((وما اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا واتقوا الله ان الله شديد العقاب))(الحشر: 7)

''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''وما اتکم الرسول'' آپ ﷺ کے ہر حکم کو شامل ہے۔ خواہ بصورت قول ہو یا فعل یا آپ ﷺ کی تصویب وتائید ہو اور ''وما نھکم'' ہر منع کو شامل ہے خواہ بصورت فعل ہو یا قول تو مسلمان پر حالت منع میں اجتناب اور حالت حکم میں اتباع واطاعت لازم ہے، ورنہ عاصی ہوگا اور جس نے بھی امر ونہی میں آپ ﷺ کی مخالفت ونافرمانی کی اسے اللہ کے اس شدید عذاب سے ڈرنا چاہیے جس پر آیت کا اختتام ہوا ہے، باقی یہاں یہ شرط کوئی نہیں کہ اس امر ونہی کا قرآن میں ہی ہونا ضروری ہے، بلکہ فرمایا جس کا حکم آپ ﷺ دیں یا جس سے آپ ﷺ منع فرمائیں کیونکہ حکم ''ما'' عام ہے اور سب کو شامل ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال رمضان میں مکہ کی طرف سفر فرمایا، آپ ﷺ نے اور صحابہ نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ مقام کراع الغمیم پر پہنچے، عرض کیا گیا: لوگوں پر روزہ شاق ہو گیا ہے اور وہ آپ ﷺ کے منتظر ہیں، آپ ﷺ نے عصر کے بعد پانی کا پیالہ طلب فرمایا اور اسے بلند فرمایا تاکہ لوگ دیکھ لیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے پیا، پھر عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! کچھ لوگوں نے ابھی روزہ رکھا ہوا ہے۔ تو فرمایا:

((اولئك العصاة اولئك العصاة))

''یہ عاصی ہیں۔ یہ عاصی ہیں۔'' (مسلم، کتاب الصیام)

آپ ﷺ نے قولاً افطار کا حکم نہیں دیا، بس آپ ﷺ سے لوگوں کی تکلیف بیان کی گئی تو آپ ﷺ نے افطار فرما دیا تو آپ ﷺ کا فعل، الفاظ امر سے بھی زیادہ بلیغ ٹھہرا، اس لئے جب انہوں نے افطار نہ کیا تو فرمایا: وہ عاصی ہیں کیونکہ انہوں

نے آپ ﷺ کے امر بصورت فعل کی مخالفت کی تھی (اور وہ افطار تھا)۔

جس بات کا آپ ﷺ ہمیں حکم دیں اس کا حسب طاقت بجالانا لازم ہے اور جس سے منع فرمائیں اس سے کلی طور پر رک جائیں کیونکہ منہیات وممنوعات تمام کے تمام قدرت میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان میں تقسیم درست نہیں، رہا امر کا معاملہ تو اس میں بقدر طاقت رکھا جاسکتا ہے یعنی اس میں تخفیف ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((دعوني ما تركتكم فانما اهلك من قبلكم سوالهم واختلافهم على انبياء وهم فاذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه واذا امرتكم بشيء فاتوا منه ما استطعتم))

(بخاری، کتاب الاعتصام)

وہ چھوڑ دو جسے میں چھوڑ دو۔ تم سے پہلے لوگ انبیاء سے سوال اور اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ جب میں تمہیں کسی شی سے منع کروں تو اسے سے بچو اور جب کسی شی کے بجالانے کا کہوں تو اسے حتی المقدور بجا لانے کی کوشش کرو۔"

صحابہ کرام نے اس آیت مبارکہ سے حجیت حدیث پر استدلال کیا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے بال ملانے والیوں پر۔ بنو اسد کی خاتون کو یہ بات پہنچی (جس کا نام ام یعقوب تھا) وہ قرآن کا مطالعہ کرتیں تھیں۔ حضرت کے پاس آئیں اور کہا کہ مجھے آپ ﷺ کی بات پہنچی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں لعنت کیوں نہ کروں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اور یہ کتاب اللہ میں ہے، اس خاتون نے کہا:

((لقد رات ما بين لوحی المصحف فما وجدته))

"میں نے اول تا آخر قرآن پڑھا اس میں اسے میں نے کہیں نہیں پایا۔"

تو آپ نے فرمایا:

((لئن كنت قراتيه لقد وجدتيه وما اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا))

"اگر تم قرآن کی یہ آیت پڑھ لیتیں تو پالیتی: جو رسول تمہیں دے لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔"

کوئی انسان جتنا بھی کمال حاصل کر لے اس کے تمام اوامر و نواہی کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ معصوم نہیں اور نہ ہی اسے وحی آسمانی کی تائید حاصل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے مختار و مصطفیٰ نبی ﷺ کی وحی و عصمت کیلئے مخصوص فرمالیا تو ہم پر آپ ﷺ کی اطاعت تامہ اور تسلیم کامل لازم فرمادی، آپ ﷺ کے اوامر کو بجالانا اور نواہی سے اجتناب ضروری قرار دے دیا۔ آپ ﷺ کو یہ اجازت دے دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی منشاو مراد کو لوگوں پر واضح فرمائیں اور آپ ﷺ کو مہبط وحی بنایا تو اب تمام لوگوں پر آپ ﷺ کی اتباع اور امتثال لازم و فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ کریم ﷺ کو حکم، فیصل اور کامل ترازو بنایا تو جو آپ ﷺ عطا کریں لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ تو اس ترازو پر ہر مسلمان اپنے آپ کو پرکھ لے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے صفی نبی ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا تو کسی مقام و وقت یا حال و امر کا تعین نہیں فرمایا کہ فلاں جگہ اور موقع پر آپ ﷺ کی اتباع و اطاعت کی جائے، بلکہ ان آیات مبارکہ کے سیاق سے یہی واضح ہو رہا ہے کہ تمام امور، احوال، اوقات اور مقامات میں اطاعت لازم ہے، خواہ امور چھوٹے ہوں یا بڑے خواہ یہ تصرفات ہوں یا خواہشات، خواہ وہ عقیدہ ہو یا عمل،

خواہ عبادت ہوں یا معاملات، یہ اخلاق ہوں یا اذواق، صلح ہو یا جنگ، خواہ امر ہو یا نہی، خواہ نیکی ہو یا برائی، یہ اطاعت ہو یا معصیت، یہ امور دنیا یا معیشت کے ہوں یا امر اخروی، ہر شے میں غضب، حلم، غنا و فقر، الغرض دنیا و آخرت کے ہر معاملہ میں آپ ﷺ ہی کی اتباع کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو بے مثال رہنما، بے بدل قائد اور اسوۂ حسنہ بنایا ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے کہ جب بھی میرا نبی ﷺ تمہیں بلائے تو فی الفور حاضر ہو جاؤ، سستی نہ کرو کیونکہ اس میں قبول کرنے والی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:

((یایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعا کم یحییکم واعلموا ان اللہ یحول بین المرء و قلبہ وانہ الیہ تحشرون))(الانفال:24)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ۔ جب رسول تمہیں اس چیز کیلئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تمہارا اسی کی طرف حشر ہوگا۔''

اس آیت میں الفاظ ''اذا دعا کم'' بڑے ہی توجہ کے لائق ہیں، ضمیر تثنیہ نہیں، واحد ہے تا کہ واضح ہو جائے یہ دعوت (بلانا) ایک ہی ہے، جس نے بھی رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اس نے حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی کے بلانے پر حاضری دی کیونکہ آپ ﷺ کی ذات اقدس اللہ تعالیٰ کی ہی پیغامبر ہے۔ جس نے بھی آپ ﷺ کی اطاعت کی اس نے آپ ﷺ کے بھیجنے والے کی اطاعت کی، جس نے آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہی اس نے اللہ کی بات کو قبول کیا، جب صحابہ سے آپ ﷺ کے بلانے پر کچھ تاخیر ہوئی تو آپ ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ دیر نہ کیا کرو جلدی کیا کرو حتیٰ کہ وہ نماز میں تھے تب بھی فرمایا: تاخیر نہ کرو کیونکہ آپ ﷺ کی اطاعت اور آواز پر حاضر ہونا فی الفور لازم ہے، لیکن نماز ہے مثلاً: تو اس کیلئے کافی وقت ہوتا ہے تو اسے بھی آپ ﷺ کی اطاعت اور حکم پر چھوڑ دیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابی بن کعب کے پاس تشریف لائے، وہ نماز ادا کر رہے تھے، آپ نے آواز دی: اے ابی! انہوں نے جواب نہ دیا۔ جلدی سے نماز مکمل کر کے حاضر ہو کر عرض کیا:

((السلام علیك یا رسول اللہ))

''یا رسول اللہ! سلام عرض ہے۔''

آپ ﷺ نے جوابِ سلام عنایت کیا اور فرمایا:

((مامنعك یا ابی اذا دعوتك ان تجیبنی؟))

''میں نے بلایا تم نہیں آئے کیا وجہ؟''

عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ

((کنت فی الصلوۃ))

''میں نماز میں تھا۔''

فرمایا:

((افلست تجد فیما اوحی اللہ الی ان، یایھا الذین امنوا استجیبوا))

''کیا تم نے مجھ پر ہونے والی وحی میں یہ نہیں پایا: اے ایمان والو! فوراً حاضر ہو جاؤ۔''

عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ ﷺ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ (مسند احمد 2-412)

حضرت ابوسعید بن معلّٰی سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے، مجھے بلایا، میں نماز مکمل کر کے حاضر ہوا فرمایا:

((مامنعك ان تاتی؟))

''آنے سے کس نے روکا؟''

عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ

((انی کنت اصلی))

''میں نماز ادا کر رہا تھا۔''

فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں ہے؟

((یایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعا کم))

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کیلئے بلائیں جس سے تمہیں زندگی ملے۔'' (الانفال: 24)

پھر فرمایا: میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن کی عظیم سورت کی تعلیم دیتا ہوں، آپ ﷺ جب باہر تشریف لے جانے لگے تو میں نے عرض کیا تو آپ ﷺ نے مجھے الحمد للہ رب العالمین اور سبع مثانی کی تعلیم دی۔

ان نصوص سے یہ احکامات ثابت ہوتے ہیں:

1: جب اس شخص پر حاضر ہونا فی الفور لازم ہے جو نماز (جو کہ مستقبل اور اہم عبادت ہے) میں ہے تو اس شخص پر کس قدر لزوم ہوگا جو نماز میں نہیں، پھر عمومی حالات میں جس سے اطاعت کا مطالبہ کیا گیا ہے اس پر کتنا لزوم ہوگا؟ یہ نص خواہ بصورت آیت قرآنی یا بصورت حدیث، آپ ﷺ کی اطاعت کے حتمی وجوب پر دال ہے یعنی آپ ﷺ کی اطاعت پر کسی دوسری طاقت کو مقدم نہیں کیا جا سکتا خواہ وہ کتنی اہم عبادت ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ آپ ﷺ کی اطاعت مقدم ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے بلاوے پر فی الفور حاضر ہونا مقدم ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کے حکم کو بجا لانا ایسی عبادت ہے کہ کوئی عبادت اس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتی جس طرح آپ ﷺ کی بات نہ ماننا اور بلاوے پر حاضر نہ ہونا اتنی بڑی معصیت ہے کہ اس کا مقابلہ کوئی معصیت نہیں کر سکتی ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے ان صحابہ کرام کو عتاب فرمایا تا کہ آئندہ وہ معصیت میں نہ پڑ جائیں۔

2: متعدد علماء نے تصریح کی ہے کہ نماز کی حالت میں آپ ﷺ نے یاد فرمایا تو حاضری دی جائے اس سے نماز باطل نہیں ہوگی اگر چہ یہ حکم انہوں نے دیگر نصوص سے بھی لیا۔

3: اگر آدمی نماز میں ہے تب بھی حاضری فرض ہے، اگر حاضر نہیں ہوتا تو گناہگار ہوگا، اگر ایسی بات نہیں تو آپ ﷺ انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم پڑھ کر نہ سناتے، ہاں یہ آپ ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہے۔ ہاں نفل نماز میں والدہ کا بلانا بھی

اسی کے ساتھ متصل ہے۔ جیسا کہ عابد جریج کے واقعہ میں ہے کہ انہیں تین دفعہ بلایا اتفاقاً وہ نماز میں تھے، انہوں نے ماں پر نماز کو ترجیح دی حتیٰ کہ ماں نے بددعا کی:

((اللھم لا تمته حتی تریه وجوه المومسات))(مسلم)

''یا اللہ! یہ موت سے پہلے زانیہ عورتوں کو دیکھے۔''

4: حضور ﷺ جب بھی طلب فرمائیں فی الفور حاضر ہونا لازم وفرض ہے، اگر فی الفور حاضر ہونا لازم نہ ہوتا تو ان دو صحابہ پر آپ ﷺ عتاب نہ فرماتے۔

اطاعت رسول ...... خالص ترین عبادت:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صفی ﷺ کے بلاوے پر حاضر ہونا، دنیا و آخرت میں حیات ابدی پانے کا ذریعہ بنایا ہے، کیونکہ یہ اس اللہ کا حکم ہے جو بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ ﷺ سے صادر ہوتا ہے اسے وحی قرار دے دیا اور لوگوں پر آپ ﷺ کی اطاعت لازم فرما دی، حلال وحرام میں، صلح و جنگ، عقیدہ و عبادات اور اخلاق و معاملات میں حتیٰ کہ ہجرت بھی آپ ﷺ کی خاطر ہوتی اور جس نے آپ ﷺ کی طرف ہجرت کی اللہ نے اس کا اجر اپنے ذمہ لے لیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((ومن یخرج من بیته مهاجراً الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله وکان الله غفورا رحیما))(النساء:100)

''اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اگر آپ ﷺ کی اطاعت ایسی خالص عبادت نہ ہوتی جس پر مہاجر کو اجر دیا جاتا ہے تو آپ ﷺ کی طرف ہجرت جائز نہ ہوتی، جب ہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کو دیکھتے ہیں:

((مهاجرا الی الله ورسوله))(النساء:100)

''جو اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرتا ہے۔''

اور پھر فرمایا:

((فقد وقع اجره علی الله))(النساء:100)

''اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا۔''

تو اس کے سوا ہمارے اوپر کوئی اور معنی آشکار نہیں ہوتا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مہاجر کا اجر اپنے ذمہ لیا ہے۔ اس صورت میں جب وہ مہاجر ابھی مدینہ طیبہ آپ ﷺ تک نہیں پہنچا بلکہ راستہ میں اس کا وصال ہو گیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی فمن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله و من کانت هجرته الی دنیا یصیبها او امراة

یتزوجھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ))

”اعمال کا مدار نیتوں پر ہوتا ہے اور ہر آدمی کے لیے وہ ہے جس کی اس نے نیت کی، جس نے ہجرت کی اللہ و رسول ﷺ کی طرف اس کی ہجرت اللہ و رسول ﷺ کی طرف ہے اور جس نے ہجرت کی دنیا یا کسی خاتون کی خاطر اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے۔“ (بخاری، کتاب الایمان)

تو حکم کا ربط نیت سے ہے، جس کی ہجرت خالصۃً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہوگی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ہجرت کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دے گا، اسی لئے حضور ﷺ نے ہجرت پر صحابہ سے بیعت لی، جس کی ہجرت دنیا کی خاطر ہوتی دین کے لئے نہ تھی تو اس کیلئے کوئی اجر و ثواب نہیں۔ اگرچہ وہ ہجرت اولیٰ میں شامل ہوا ہو۔

جب آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو طفیل بن عمرو آ گئے، ان کی قوم میں سے ایک آدمی بھی ساتھ تھا، مدینہ کی فضاء اسے موافق نہ آئی تو بیمار ہو گیا، پریشان ہو کر قینچی لی اور اس کے ساتھ اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ دیئے، اس کے ہاتھ اس قدر زخمی ہو گئے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا، طفیل بن عمرو نے اسے خواب میں دیکھا حالت اچھی تھی لیکن ہاتھ ڈھانپے ہوئے تھے۔ پوچھا: رب کریم نے کیسا معاملہ فرمایا؟ کہا:

((غفری بھجرتی الی نبیہ))

”میں نے اس کے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی تھی اس کے وسیلہ سے اللہ نے مجھے بخش دیا۔“

پوچھا: کیا وجہ میں تجھے ہاتھ ڈھانپے دیکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا:

”مجھے فرمایا گیا جو تو نے خود فاسد کیا، ہم اس کو درست نہیں کریں گے۔“

یہ قصہ حضرت طفیل نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اللھم ولیدیہ فاغفر))

”اے اللہ اسے اور اس کے ہاتھوں کو معاف فرما دے۔“ (مسلم، کتاب الایمان)

تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی وجہ سے معاف فرما دیا تو ہجرت کا کتنا بلند مقام ہے کہ اس کی وجہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پھر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ہجرت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ تبھی تو یہ اس آدمی کے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنی۔

یہ مسلم ہے کہ فتنوں کے دور میں لوگ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں، حوادثات فتن کی وجہ سے عبادات سے ہٹ کر دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، ان کے اذہان اور عقول اپنے مولیٰ سے اور اس کا قرب پانے سے دور ہو جاتے ہیں کیونکہ جنگ، قتل، لوٹ مار، چوری ڈاکے انسانی ذہن کو پریشان کر دیتے ہیں جو شخص اس حال میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی ذات کی طرف متوجہ رہا، فتنے اسے پریشان نہ کر سکے، حوادثات اور مصائب اس کے ذہن کو پراگندہ کرانے میں کامیاب نہ ہو سکے، یقیناً ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں مگر ان کا عمل ان کے رب کے ساتھ تعلق میں کتنا مستحکم ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اجر و ثواب کس قدر نصیب ہوگا، ان کے اس عمل کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا مگر وہ شخص جس نے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((العبادة فی الھرج کھجرة الی))

''حوادثات فتن میں عبادت، میری طرف ہجرت کے برابر ہے۔'' (مسلم، کتاب الفتن)

اس حدیث مبارکہ میں دور فتنہ میں عبادت پر ابھارا گیا ہے کہ اس کا فضل اور ثواب ایسے ہے جیسے کسی نے اللہ کے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ اس نص نے تو نہایت اعلیٰ انداز میں ہجرت کی فضیلت واضح کی ہے۔ اور فتنوں کے دور میں عبادت کا مقدم ہونا بھی۔

صحابہ کرام اور محبت واطاعت رسول

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپ ﷺ سے محبت، توقیر، احترام، اطاعت، حکم کی بجا آوری، خیر خواہی، دوستوں سے محبت، دشمنوں سے نفرت، اگرچہ وہ لوگوں میں کتنا محبوب معزز کیوں نہ ہوتا، آپ ﷺ کی سنت کی تعظیم، اس کا دفاع، آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اس میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ یہاں تمام کے احوال کے ذکر کی گنجائش تو نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی توقیر، احترام اور قربانی میں ان میں سے بعض مظاہر کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

حضرت عروۃ بن زبیر، حضرت مسود بن مخرمۃ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہم سے بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کیلئے نکلے (اس میں ہے) عروہ بن مسعودؓ نے کہا:

''اے محمد! میں دیکھ رہا ہوں لوگ آپ کو چھوڑ جائیں گے اور بھاگ جائیں گے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

((امصص بظر اللات انحن نفر عنه و ندعه؟))

''جا کر اپنے بت لات کی شرمگاہ چوم، کیا ہم آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگنے والے ہیں؟''

کہنے لگا: یہ کون ہے؟ بتایا گیا: ابوبکر ہیں۔ کہنے لگا: قسم خدا کی! اگر اُس احسان کا بدلہ میں نے چکا دیا ہوتا جو تیرا مجھ پر ہے تو میں ضرور تجھے جواب دیتا۔

پھر اس نے آپ ﷺ سے گفتگو شروع کی، دوران گفتگو وہ آپ ﷺ کی مبارک داڑھی پر ہاتھ رکھتا، حضرت مغیرہ بن شعبہ آپ ﷺ کے پاس تلوار لئے کھڑے تھے اور انہوں نے خود پہنا ہوا تھا، جب عروۃ نے آپ ﷺ کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مارا اور کہا:

((اخر يدك عن لحية رسول الله))

''آپ ﷺ کی داڑھی مبارک سے ہاتھ کو پیچھے رکھ۔''

عروہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ کہنے لگے: میں مغیرہ بن شعبہ ہوں۔ عروہ نے کہا: اے دھوکہ باز! میں تیرے بارے میں بات نہیں کر رہا۔

پھر عروہ نے اپنی آنکھوں سے صحابہ کے معاملات کو دیکھا اور کہا:

((فوالله ما تنخم رسول الله نخامة الا وقعت فی كف رجل منهم فدلك بها وجهه وجلده))

''خدا کی قسم! آپ ناک چھینکتے تو ان کے ہاتھوں پر ہوتا، ہر کوئی لے کر اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا۔''

((واذا امرهم ابتدروا امره))

''جب کوئی حکم دیتے تو بجالانے میں بہت جلدی کرتے۔''

((وانا توضا كادوا يقتتلون على وضوله))

''جب وضو فرماتے تو آپ ﷺ کے بچے ہوئے پانی کو حاصل کرنے میں قریب تھا لڑ پڑتے۔''

((واذا تكلموا خفضوا اصواتهم عنده))

''گفتگو کے وقت آپ ﷺ کے پاس آواز کو پست رکھتے۔''

عروۃ نے واپس جاکر قوم سے کہا: میں بڑے بڑے بادشاہوں مثلاً قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں گیا ہوں۔

((والله ان رايت مليكا قط يعظمه اصحابه ما يعظم اصحاب محمد محمدا))

(بخاری، کتاب الشروط)

''اللہ کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کی ایسی تعظیم نہیں دیکھی جو محمد کے غلام محمد کی کرتے ہیں۔''

اس واقعہ میں تعظیم صحابہ کے کئی مظاہر ہیں، عروہ کے دعویٰ (صحابہ بھاگ جائیں گے) کا رد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کس انداز سے کیا اور واضح کیا کہ اسلام کی قربت، رشتہ داری سے کہیں قوی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے عروہ کے ہاتھ سے ضرب لگائی حالانکہ وہ ان کا سگا چچا تھا اور پھر گفتگو کے دوران داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھانا عربوں کا معمول بھی تھا لیکن حضرت مغیرہ کو گوارا نہ ہوا۔

پھر عروہ نے صحابہ کی تعظیم کے جو مظاہر دیکھے ان کا تبرک لینا اور آپ ﷺ کی توقیر اور احترام کرنا یہ سب کا سب ایسی محبت و تعظیم ہے جس کی مثال پیش ہی نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً: ناک مبارک سے تبرک لینا، وضو کے پانی کے لئے قتال، خدمت اقدس میں آواز کا پست رکھنا اور تعظیم کی خاطر چہرہ اقدس کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھنا وغیرہ۔

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو سرخ رنگ کے خیمہ میں دیکھا:

((رايت بلالا اخذ وضو رسول الله ورايت الناس يبتدون ذاك الوضوء فمن اصاب منه شيا تمسح به ومن لم يصب منه شياء اخذ من بلل يد صاحبه))

(بخاری، کتاب الصلاۃ)

''میں نے بلال کو آپ ﷺ کے وضو سے بچا ہوا پانی پکڑے دیکھا، لوگ اس سے پانی حاصل کر رہے تھے، جسے کچھ ملتا وہ اسے جسم پر مل لیتا اور جسے نہ ملتا وہ دوسرے کے ہاتھ سے اس کی تری حاصل کر رہا تھا۔''

اس کی متعدد سندیں اور متعدد روایات ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا، میرے نزدیک آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی بڑا نہ تھا:

((ما کنت اطیق ان املا عینی منه اجلالا له وسئلت ان اصفه ما اطقت لا نی لم اکن املا عینی منه))(مسلم ، کتاب الایمان)

''میں آپ ﷺ کے اجلال و اکرام کی وجہ سے آپ ﷺ کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکا۔ اگر کوئی مجھ سے آپ ﷺ کے سراپا کے بارے میں پوچھے تو میں نہیں بتا سکوں گا کیونکہ میں آپ ﷺ کو نظر بھر کر دیکھ ہی نہیں سکا۔''

یہ حال صرف حضرت عمرو العاص کا نہیں بلکہ تمام صحابہ کا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لم یکن شخص احب الیهم من رسول الله ﷺ))

''صحابہ کو آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا۔'' (ترمذی، کتاب الادب)

ترمذی نے روایت کر کے اسے صحیح کہا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے قرض کی ادائیگی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

((والله ان مجلس بنی سلمة لینظرون الیه هو احب الیهم من عیونهم ما یقربونه مخافة ان یوذوه))(دارمی: 1-28)

''اللہ کی قسم بنو سلمہ کے لوگ آپ ﷺ کو تک رہے تھے، آپ ﷺ کی ذات انہیں ان کی آنکھوں سے بھی محبوب تھی لیکن وہ اس خوف کی وجہ سے قریب نہ آئے کہیں تکلیف نہ ہو۔''

دارمی اور احمد نے اسے رجال صحیح سے روایت کیا، حافظ ابن حجر نے اسے حسن کہا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((لقد رایت رسول الله والحلاق یحلقه و اطاف به اصحابه فما یریدون ان تقع شعرة الا فی یدرجل))(مسلم، کتاب الفضائل)

''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ حجام آپ ﷺ کی حجامت کر رہا ہے۔ صحابہ حلقہ بنا کر اردگرد بیٹھے ہیں، کوئی بال زمین پر نہ گرنے دے رہے تھے بلکہ اپنے ہاتھوں پر لے لیتے۔''

ان کے مظاہر محبت میں سے، آپ ﷺ پر فدا ہونا، آپ ﷺ کا دفاع کرنا، آپ ﷺ کی ہر تکلیف کو اپنے اوپر لینا، آپ ﷺ کی خدمت کی سعادت حاصل کرنے کیلئے ہر بڑی قربانی دینا ان کیلئے نہایت آسان تھا۔ یہ موضوع بڑا وسیع ہے۔

انہی مظاہر میں سے احد کے دن حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

((یا نبی الله بابی انت وامی لا تشرف لا یصبك سهم من سهام القوم نحری دون نحرك))(بخاری ، کتاب المغازی)

''اے نبی اللہ! میرے والدین آپ ﷺ پر فدا ہوں۔ آپ ﷺ نہ جھانکیں کہیں دشمن کا تیر نہ لگ جائے، میرا سینہ آپ ﷺ کے سینہ کے سامنے حاضر ہے۔''

حضرت ابو دجانہ نے بھی احد کے دن آپ ﷺ کا اس قدر دفاع کیا۔

((حتی صار ظھرہ کا لقنفذمن السھام))

''حتی کہ ان کی پشت تیر لگنے کی وجہ سے چھلنی ہوگئی۔''

اور بہت سے انصاری صحابہ نے دفاع کرتے ہوئے جان دے دی۔

محبت وتعظیم صحابہ کا ایک مظاہرہ یہ بھی تھا،حضرت جابر سے مروی ہے:

((عدم ابتداء بالا کل قبلہ صلی اللہ علیہ وسلم))

''صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کھانا شروع نہیں کرتے تھے۔''(مسند احمد 3-351)

اس روایت کو حاکم نے صحیح کہا اور ذہبی نے اس حکم کو ثابت رکھا ہے۔

محبت وتعظیم کا یہ عالم تھا کہ جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک لگ جاتا اس کا بھی احترام کرتے۔

حضرت عثمان بن عفان کا بیان ہے:

((ما تغنیت ولا تمنیت ولامست ذکری بیمینی منذ بایعت بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم))

(ابن ماجہ، کتاب الطہارت)

''نہ میں نے گانا گایا اور نہ میں نے زنا کیا، نہ میں نے اس دائیں ہاتھ سے ذکر کو مس کیا۔ جب سے میں نے اس ہاتھ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے۔''

حضرت عمران بن حصین سے بھی اس طرح منقول ہے، حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے اس حکم کو ثابت رکھا۔

(المستدرک 4-109)

ان کی محبت وتعظیم کا ایک مظاہرہ یہ بھی تھا کہ اپنے والدین اور اپنی جان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کرتے، مثلاً: کہتے:

((جعلنی اللہ فداك او فداك ابی وامی و بابی انت وامی))

''مجھے اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا فرمائے۔ ہمارے والدین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت وتعظیم کا ایک مظاہرہ یہ بھی تھا:

((انا قدموا من سفر بدووا بہ فنظروا الیہ وسلموا علیہ قبل ان یذھبوا الی بیوتھم))

''جب کسی سفر سے واپس ہوتے تو اپنے گھر جانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے، سلام عرض کرتے، پھر گھر جاتے۔''

جیسا کہ حضرت عمران بن حصین سے ترمذی اور حاکم نے نقل کیا ہے۔

ترمذی نے اسے حسن اور حاکم نے صحیح کہا۔ (مستدرک 3-111)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت واحترام کا یہ تعلق تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کی تکریم کرتے مثلاً: حضرت سلمہ کا قول ہے:

((والذی کرم وجہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم))

''قسم اس ذات اقدس کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو یہ بزرگی بخشی۔'' (المسلم کتاب الجہاد)

ان کے مظاہر محبت میں سے ایک یہ بھی ہے۔ ہجرت کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے مہمان بنے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نچلی منزل پر ٹھہرنے سے پریشان ہوئے اور ساری رات بیوی کے ساتھ اوپر والی منزل میں

ایک کونے میں بسر کی اس خوف سے کہ کہیں ہماری حرکت سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ ہو حتیٰ کہ عرض کیا:

((لا اعلو سقيفة انت تحتها حتى تحول))

''جس چھت کے نیچے آپ ﷺ ہوں میں وہاں اوپر نہیں رہ سکتا تو رسول اللہ ﷺ پھر اوپر تشریف فرما ہو گئے۔'' (مسلم، کتاب الاشربہ)

صحابہ کی محبت یہ بھی تھی اگر بچے زیارت رسول اللہ ﷺ کیلئے چند دن نہ جاتے تو ان کی مائیں ان سے ناراض ہوتیں اور انہیں ڈانٹتیں جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے انہیں ڈانٹا:

((لا نه لم ير رسول ﷺ عدة ايام))

''کیونکہ انہوں نے چند دنوں سے آپ ﷺ کی زیارت کا شرف نہیں پایا تھا۔'' (مسلم، کتاب الجہاد)

ترمذی نے اسے روایت کیا اور حسن کہا، اسے امام احمد اور امام نسائی نے السنن الکبری میں ذکر کیا۔

یہ بھی محبت کا ہی مظہر ہے کہ جب ازواج مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت کو ہی پسند کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق نے جیش اسامہ کو روانہ کیا اور اس جھنڈے کو نہ کھولا جسے خود رسول اللہ ﷺ نے باندھا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی اشیاء کی تعظیم کرتے حتیٰ کہ کسی مشرک کو چھونے نہ دیتے جیسا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد ابوسفیان سے کیا، جب فتح مکہ سے پہلے ان کے ہاں آیا تو آپ ﷺ کی بچھی ہوئی چادر لپیٹ لی تا کہ وہ اس پر نہ بیٹھ جائے۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا یہ احترام کیا کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ کو اس سے قتل نہ کیا کہ یہ عورت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تلوار سے قتل کرنا مناسب نہیں۔

یہ بھی تعظیم ہی کا مظاہرہ تھا کہ بعض صحابہ کرام نے بال نہ مونڈوائے کیونکہ انہیں رسول ﷺ نے مس فرمایا تھا۔

صحابہ کی محبت کی ایک صورت یہ بھی تھی جب آپ ﷺ ان کے درمیان تشریف فرما ہوتے:

((لم يرفعوا اليه رؤسهم اعظاما له))

''تو آپ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے آپ ﷺ کی طرف سر نہ اٹھاتے۔''

جیسا کہ حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔ (مستدرک: 1-120)

جب آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے ان کے سروں پر پرندے ہیں جیسا کہ بخاری میں حضرت ابو سعید خدری سے، امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت براء اور امام احمد، ابوداؤد طیالسی اور حاکم نے حضرت اسامہ بن شریک سے روایت کیا ہے۔ (البخاری، کتاب الجہاد) (المستدرک 1-120)

صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آواز بلند نہ کرتے اور اگر کوئی اور ایسا کرتا تو سختی سے منع کرتے۔ جیسا کہ امام احمد، ترمذی اور ابن حبان نے حضرت صفوان بن عسال سے نقل کیا ہے۔ (مسند احمد 14-240)

صحابہ کی محبت کا ثبوت ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا کے اسلام پر ان کو جتنی خوشی ہوئی اتنی خوشی انہیں اپنے آباء کے ایمان لانے پر نہ ہوئی جیسا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

موت کے وقت صحابہ کے یہ الفاظ بھی سامنے رہنے چاہئیں:

((غدا القی الاحبة محمدا ﷺ و حزبه))

''کل ہم اپنے محبوب محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں سے ملنے والے ہیں۔'' (الشفاء 2-568)

صحابہ کی محبت اس قدر انتہائی درجہ پر تھی کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ہم دشمن کے ہاتھوں ریزہ ریزہ ہو جائیں مگر ایسا وقت نہ دیکھنا پڑے کہ ہم آرام سے بیوی بچوں میں ہوں اور ہمارے آقا ﷺ کے مبارک پاؤں میں کانٹا چبھ جائے، ابو سفیان نے حضرت زید بن دشنہ کی اسی تمنا کو سن کر کہا تھا:

((واللہ مارایت من الناس احدا یحب احدا کحب اصحاب محمد محمدا ﷺ))

(الشفاء 2-570)

''اللہ کی قسم! میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جو محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ سے کرتے ہیں۔''

بلکہ ان کی محبت تو ہر تصور سے بالاتر تھی، اگر ان کا کوئی عزیز رشتہ دار مثلاً: والد، بھائی یا خاوند و بیوی اللہ و رسول ﷺ کے دشمن تھے تو انہیں بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا جیسا کہ حضرت ابو عبیدہ نے کیا، حضرت ابو بکر کی بیٹے سے جو گفتگو ہوئی تھی، حضرت عبداللہ نے خواہش کی مجھے اجازت دی جائے میں اپنے باپ عبداللہ بن ابی بن سلول کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابو بکر صدیق کے بیٹے نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابو بکر سے کہا:

''ابا جان! غزوہ بدر میں آپ میری تلوار کی زد میں کئی مرتبہ آئے لیکن میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔''

حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا:

''اگر تم میری تلوار کی زد میں آتے تو میں تمہارے انکار اسلام کی وجہ سے تمہیں ہرگز نہ چھوڑتا۔''

صحابہ کی محبت کا ایک منظر یہ بھی تھا کہ حضرت عثمان کو کفار نے طواف کی اجازت دی مگر انہوں نے یہ کہہ کر طواف کعبہ سے انکار کر دیا:

((ما کنت لا فعل حتی یطوف به رسول اللہ ﷺ))

''جب تک اس کا طواف رسول ﷺ نہیں فرمائیں گے میں نہیں کر سکتا۔'' (مسند احمد 4-324)

محبت و توقیر نبی ﷺ یہ بھی تھی جب ان میں بڑے مثلاً: حضرت ابو بکر اور حضرت عمر آپ ﷺ سے گفتگو کرتے تو اتنی آہستہ کرتے کہ دوبارہ پوچھنا پڑتا کیا کہہ رہے ہو؟ (البخاری، کتاب التفسیر)

جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو محبت والوں کا حال یہ تھا کوئی تو بے ہوش ہو گیا، کوئی بیٹھا ہی رہ گیا، کسی کا دماغ چل بسا بلکہ کوئی فوت ہو گیا حتیٰ کہ حضرت ابو بکر کو خطبہ دینا پڑا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت ایمان کی اصل بلکہ عین ایمان ہے۔ اس وقت تک کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ محبت نہ ہو۔

یہ ہیں ابو بکر صدیق دو میں سے دوسرے، مکہ میں آپ لوگوں کا خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ انہیں سلام کی دعوت دے رہے تھے۔ کفار نے ان کی چادر سے پکڑ کر انہیں گھسیٹا اور اسقدر مارا پیٹا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ جب قدرے افاقہ ہوا تو فرمایا: مجھے حضرت محمد دکھا دیجئے جب ان کی والدہ انہیں دار ارقم میں لے آئیں تو بولے:

((زال عنی کل ماا جد برویتك یا رسول الله))

''اے اللہ کے رسول! آپ کا دیدار کر لینے کے بعد ہر تکلیف جو میں محسوس کر رہا تھا مجھ سے دور ہوگئی۔''

اے رسول اللہ کے خلیفہ! اللہ آپ سے راضی ہو! آپ پر سب تکلیفیں برداشت کرتے ہیں اور طرح طرح کی مشقتیں جھلیتے ہیں مگر آپ کو کچھ فکر لاحق نہیں ہوتی اور یہ مشقتیں آپ کو مضطرب نہیں کرتیں۔ اگر آپ کو فکر ہے تو محض سلامتی رسول کا فکر ہے اور آپ پریشان ہیں تو صرف اسی کے لیے اور جب آپ کا دل سلامتی رسول سے مطمئن ہو جاتا ہے تو بس صرف اسی وقت اور اسی کے واسطے سکون آپ کے جسم میں سرویت کر جاتا ہے۔

آپ خوشی سے جھوم و تھتے ہیں اور آپ کے سارے دکھڑے اور مشقتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جب صادق کے مفہوم کی کتنی ہی پیاری اور دلکش تصویر ہے یہ وہ حب جس نے جناب رسول اللہ کی سلامتی اور آپ کی عافیت کو اپنی سلامتی وعافیت سے بھی زیادہ محبوب بنا دیا۔ بے شک آپ اے ابوبکر! تیرے اس نفس اور تیری اس روح سے جو تیری دو پسلیوں کے درمیان ہے تجھ زیادہ پیارے ہیں۔ اے میرے سردار! تجھے مبارک ہو یہ ذاتی وشخصی رفعتیں تیرے لیے باعث صد مسرت ہوں، اور مبارک ہو آپ کے لیے یہ کارنامہ جسے پیش کر کے آپ ہمیں یہ سکھا رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کے لیے یہ کارنامہ جسے پیش کر کے آپ ہمیں سکھا رہے ہیں کہ رسول اللہ کی محبت کیسی ہونی چاہیے۔ اس میں کچھ اچنبے پن کی بات نہیں۔ آپ ہی تو وہ پہلی شخصیت ہیں جس نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور وہ بہتر ہستی ہیں جس نے آپ ﷺ کی پشت پناہی کی اور ان سب سے سچے ہیں جنہوں نے آپ ست دوستی کا دم بھرا اور آپ کی امت میں سے جو آپ کے جانشین بنے اور آپ کی سنت کی مظبوطی سے تھا، آپ ان سب سے زیادہ بہادر ہیں اور بے شک آپ کی خواہشات اور آپ کے سارے اعمال اس کے تابع تھے جو آپ لے کر آئے اور پھر اس میں کچھ انوکھا پن نہیں کہ لوگ اسی راستہ پر چلیں جس پر آپ چلے اور بعینہٖ اس طریقہ کار کو آپ کی محبت کے سلسلہ میں اپنا ئیں جو آپ نے اپنایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ ہم رسول الہ ﷺ کے ساتھ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے آپ ﷺ کی گردن مبارک میں کپڑا ڈالا اور سخت کھینچا، حضرت ابوبکر نے اسے کاندھوں سے پکڑ کر دور کرتے ہوئے کہا:

((اتقتلون رجلا ان یقول ربی الله))

''کیا تم اس وجہ سے ان کی جان کے دشمن ہو کہ یہ کہتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے۔؟'' (غافر:28)

حضرت اسماء اور حضرت انس رضی سے مروی روایت میں ہے کہ عقبہ نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کو پکڑ لیا۔ حضرت اسماء کا بیان ہے:

((فرجع الینا ابو بکر فجعل لا یمس شیئا من غدائرہ الارجع معه))

''جب حضرت ابوبکر لوٹے تو ان کے سر اقدس کو ہاتھ لگانے سے بال جھڑ جاتے تھے۔'' (مجمع الزوائد:6-15)

ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے محبت اور آپ کی قربانی بھی مثال ہے۔ اپنے آپ کو ہجرت سے روکے رکھا، جب رسولا اللہ ﷺ نے ہجرت کی اطلاع دی تو اس پر خوشی میں رو دیئے، پھر ہجرت میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا، اول سے آخر تک، جبل ثور کی غار میں بھی، حضرت عبداللہ بن ابی بکر اور حضرت اسماء بنت ابی بکر اور خادم ابوبکر عام بن فہیرہ کی خدمات

قابل توجہ ہیں۔ غار کے دھانے پر مشرکین کو دیکھ کر آپ ﷺ کے بارے میں حضرت ابو بکر پریشان ہو گئے تو آپ ﷺ نے حوصلہ دیا اور فرمایا:

((ما ظنك يا ابا بكر باثنين الله ثالثهما؟))

''اے ابو بکر! تمہاری کیا رائے ہے؟ ان دو کے بارے میں جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔؟''

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات مبارکہ نازل فرمائیں:

((الا تنصروه فقد نصره الله اذ اخرجه الذين كفروا ثاني اثنين اذهما في الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا فانزل الله سكينته عليه و ايده بجنود لم تروها وجعل كلمة الذين كفروا السفلى و كلمة الله هي العليا، والله عزيز حكيم))

(التوبہ:40)

''اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی، جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا، جب دو میں سے دوسرا جب کہ وہ غار میں تھے اپنے دوست سے فرماتے تھے: غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈالی اللہ ہی کی بات اونچی ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

راستہ میں کس طرح چلے، کبھی آپ ﷺ کے دائیں، کبھی بائیں، کبھی آگے اور کبھی پیچھے حتیٰ کہ سراقہ بن مالک آ کر ملا، بدر کے دن آپ ﷺ کے ساتھ خیمہ میں ان کے سوا کوئی نہ تھا، جب کوئی کافر آپ ﷺ کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو تلوار سے اس پر حملہ آور ہوتے وہاں بہت سے واقعات رونپذیر ہوئے جو آپ کی سچی محبت پہ دلالت کرتے ہیں۔ پیچھے بھی ایسی روایات آئی ہیں جب ان کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر ہوتا تو رو پڑتے۔ حتیٰ کہ منقول ہے:

((انه مات بالسل))

''ابو بکر کا وصال ہجر میں لاغری کی وجہ سے ہوا۔''

یہ بھی منقول ہے:

((انه مات كمدا او حزنا))

''ابو بکر حضور ﷺ کے وصال کے غم میں فوت ہوئے۔''

رسالت مآب ﷺ نے حضرت ابو بکر کا مقام بیان فرمایا۔ حضور ﷺ کے بارے میں جو کچھ ان کے دل میں تھا انہوں نے وہ بیان کر دیا، حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا:

''ایک بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے وہ چاہے تو دنیا کو پسند کر لے چاہے تو بارگاہ خداوندی کو قبول کرے۔''

اس پر حضرت ابو بکر رو پڑے اور کہنے لگے:

((فديناك با بائنا و امهاتنا))

''ہمارے آباء و مائیں آپ ﷺ کی ذات پر قربان۔''

ہمیں تعجب ہوا لوگوں نے کہا: آپ ﷺ نے کسی بندے کا تذکرہ فرمایا ہے اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا: ہمارے آباء اور مائیں آپ ﷺ پر قربان، حالانکہ جس ہستی کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ ہی تھے اور حضرت ابوبکر ہم سے زیادہ علم ومعرفت رکھنے والے تھے۔

سب سے عزیز چیز انسان کے ہاں اس کی جان، اولاد اور مال ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر تذکرہ جہاد میں نفس کو مال سے پہلے ذکر فرمایا ہے جیسا کہ دیگر مقامات پر جہاد بالمال کا ذکر جہاد بالنفس پر مقدم رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ))

''بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے امل اور جان خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کیلئے جنت ہے۔''

(التوبہ: 111)

ایک مقام پر فرمایا:

((لکن الرسول والذین امنوا معہ جھدوا باموالھم وانفسھم)) (التوبہ: 88)

''لیکن رسول اور جوان کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا۔''

سیدنا ابوبکر نے اپنی بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کروادیا تو وہ تمام اہل ایمان کی والدہ قرار پائیں۔ رہا مال کا معاملہ تو حضرت ابوبکر نے کئی دفعہ سارا مال خرچ کر دیا خواہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت ہو یا مدینہ منورہ میں کوئی ضرورت پیش آئی ہو۔

اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے مال صدقہ کرنے کا حکم دیا ان دنوں میرے پاس مال کی فراوانی تھی میں نے سوچا اس موقع پر میں ابوبکر سے بازی لے جاؤں گا۔ میں نے آدھا مال حاضر کر دیا، آپ ﷺ نے پوچھا: اہل کیلئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا: اس کے برابر چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت ابوبکر سارا مال لے آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: گھر والوں کیلئے چھوڑا؟ عرض کیا:

((ابیت لھم اللہ ورسولہ))

''میں ان کیلئے اللہ اور اس کا رسول ﷺ چھوڑ آیا ہوں۔''

تو میں (حضرت عمر فاروق) نے کہا:

''میں کبھی بھی ابوبکر سے بازی نہیں لے جا سکتا۔''

اسے ابوداود، ترمذی، حاکم، دارمی اور بزار نے نقل کیا۔

ابن حبان نے صحیح میں سند صحیح کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا:

((انفق ابو بکر علی رسول اللہ ﷺ اربعین الفا))

''حضرت ابوبکر سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چالیس ہزار درہم خرچ کئے۔'' (ابن حبان: 15-274)

اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا فائدہ مجھے ابوبکر کے مال نے دیا اس قدر کسی کے مال نے نہیں دیا۔

((بکی ابو بکر وقال ما انا ومالی الا لک))

''حضرت ابوبکر رو پڑے اور عرض کرنے لگے: میں اور میرا مال آپ ﷺ ہی کا تو ہے۔''

اسے امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ابی شیبہ، ابن حبان نے اسانید صحیح کے ساتھ روایت کیا۔ ترمذی نے اسے حسن کہا۔

حضرت ابودردا سے منقول واقعہ کا آخری حصہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم نے میری تکذیب کی اور ابوبکر نے میری تصدیق کی:

((وواسانی بنفسه وماله))

''اور اپنی جان و مال سے میرے ساتھ تعاون کیا۔'' (بخاری، فضائل الصحابہ)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے مرض وصال کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

((انه ليس من الناس احد امن على فى نفسه وماله من ابيى بكر بن ابى قحافة))

(بخاری، کتاب الصلاۃ)

''لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ پر جان و مال میں احسان کرنے والے ابوبکر ابن ابی قحافہ ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ پر آپ کا مال و جان فدا کرنا اور ہر جگہ آپ ﷺ کو ہر شے سے مقدم رکھنا کئی مقامات اور جگہوں میں ثابت ہے۔ جب کفار قریش نے آپ ﷺ کو پریشان کیا تو ابوبکر صدیق نے ہی آپ ﷺ کا دفاع کیا، بہت سے صحابہ سے آپ ﷺ کی یہ قربانیاں منقول ہیں۔ بعض میں اس کی تفصیل ہے کہ ان کو بالوں سے کس طرح کھینچا گیا اور ان کو اتنا پیٹا گیا کہ چہرہ مسخ ہو گیا، بے ہوشی طاری ہوئی حتیٰ کہ قوم نے محسوس کیا کہ وصال ہو گیا ہے ہم یہاں ایک روایت پر اکتفا کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کے بارے میں فرمایا:

((ان امن الناس على فى صحبته وماله ابا بكر ولو كنت متخذا خليلا من امتى لا تخذت ابا بكر الاخلة الاسلام، لا يبقين فى المسجد خوتة الا خوتة ابى بكر))

(بخاری، مناقب الانصار)

''وقت اور مال کے لحاظ سے جس نے سب سے زیادہ خدمت کی ہے وہ ابوبکر ہے، اگر میں امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا مگر خلت اسلام ہے۔ مسجد میں ابوبکر کے دروازے کے علاوہ کسی کا دروازہ باقی نہ رہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی الفاظ یہ ہیں:

((ولكنه اخى وصاحبى وقد اتخذ الله عزوجل صاحبكم خليلا))

(مسلم، فضائل الصحابہ)

''لیکن وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں، تمہارے صاحب کو اللہ عزوجل نے اپنا خلیل بنا رکھا ہے۔''

اسی بنا پر صدیق اکبر کا لقب پایا، صاحب ٹھہرے اور حضور نے کئی مقامات اور مجالس میں ان کے درجات کا تذکرہ فرمایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے آپ خلیفہ بنے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اور دیگر صحابہ کے درجات مزید بلند فرمائے ہمیں ان سے محبت عطا فرمائے اور ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جگہ عطا فرمائے۔ آمین

ان لوگوں کا شمار عقلمندوں میں سے ہے جو کہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ محبت رسول اللہ ﷺ کا کمال ایمان کے ساتھ بلا واسطہ تعلق ہے۔ سنئے یہ ہیں رسول کریم ﷺ جو اپنی محبت اور اس کی حدود و مدارج کی وضاحت فرماتے ہوئے ہمیں آگاہ کرتے ہیں:

((لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین))

آپ ہمیں سکھاتے ہیں کہ کیسی آپ کی محبت ہونی چاہیے اور یہ ہیں خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق حق و سچ بولنے والے جو رسول اللہ سے عرض کرتے ہیں:

''اے اللہ تعالیٰ کے رسول! آپ یقیناً مجھے ہر چیز سے بڑھ کر پیارے ہیں، سوائے میری اپنی جان کے۔''

مگر رسول اللہ ﷺ انہیں یہ جواب دیتے ہیں:

((لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین))

''نہیں قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان جان ہے جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے سے بھی زیادہ پیارا نہ ہوں اس وقت تک تم کامل الایمان نہیں ہو سکتے۔''

حضرت عمر فاروق نے عرض کی: یارسول اللہ! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں تو رسول اللہ نے فرمایا: ''اب اے عمر! آپ اس درجہ پر پہنچے ہیں جو کمال ایمان کا درجہ ہے اور اب آپ کی محبت کامل محبت کہلانے کی مستحق ہے۔

یہ انصار کی ایک عورت ہے جس کا بھائی، باپ اور خاوند جنگ احد میں شہید کر دیئے گئے۔ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جنگ کر رہے تھے۔ جب لوگوں نے اسے ان کی موت کی خبر سنائی تو اس نے کچھ پرواہ نہ کی، کیونکہ سلامتی رسول ہی اس کی تمنا اور اس کا مقصود زندگی تھا، جو ہر چیز سے پہلے بلکہ اس سے بھی پیشتر کہ وہ ان سب کی مصیبت کے بارے میں سوچتی اسے مشغول کیے ہوئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں دیکھتے ہی وہ چلا اٹھی:

((نافعل برسول اللّٰہ))

''رسول اللہ کے ساتھ کیا کیا گیا۔؟''

وہ جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی سلامتی کے بارے میں افسوس و اضطراب میں مبتلا تھی، جب لوگوں نے اسے بتایا کہ آپ ﷺ بحمد اللہ تیری خواہش کے مطابق بخیر و عافیت اور صحیح و سالم ہیں تو اسی وقت آناً فاناً یہ خبر سن کر باوجود اپنی مصیبت کی شدت اور اپنی تکلیف کی زیادتی کے مطمئن ہو جاتی ہے اور کہتی ہے:

''خدارا! مجھے ان کا دیدار کرایئے تاکہ میں ان کی طرف ایک نظر بھر کے دیکھ لوں۔''

جب اس نے آپ کو دیکھا تو اپنا وہ مشہور کلمہ کہا جو ضرب المثل بن چکا ہے مرور ادوار و تاریخ کے ساتھ ساتھ ایک جگمگاتا ہوا نور ہے جو اس انصاری عورت کے ایمان پر گواہ ہے اور وہ یہ ہے:

((کل مصیبته بعدك جلل یارسول اللہ!))

''یارسول اللہ! آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت حقیر ہے۔''

اس انصاری عورت کے ایمان کی یہ کتنی دلکش تصویر ہے جس نے جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت کی حدود اس کے

مراتب ومدارج اور اس کے کمال کے بارے ہمیں ایک دور رس سبق دیا ہے۔ جب ہم اس انصاریۃ کا قصہ پڑھ رہے ہوتے ہیں تو ہم آج بھی اس محبت کے مراتب کو اور اس کی چاشنی کو محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ وہ سچی محبت تھی جس کی مہک مرور تاریخ کے ساتھ ساتھ دم بدم تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو ہوتی جا رہی ہے۔

اب سنئے زید بن الدشنہ کے بارے میں جس وقت انہیں مشرکین مکہ نے قتل کرنے کی غرض سے حرم شریف سے باہر نکالا تو ابوسفیان نے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے ان سے کہنے لگے:

''اے زید کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ حضرت محمد اس وقت ہمارے پاس ہوتے اور ہم معاذ اللہ ان کی گردن مار دیتے اور تو اپنے گھر والوں میں آرام سے ہوتا۔؟''

زید نے جو جواب دیا وہ ابواب تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ وہ کچھ یوں تھا:

''انہیں انہیں ہرگز نہیں! بخدا میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ حضرت محمد کو کانٹا چبھے اور وہ تکلیف میں ہوں اور میں اپنے گھر والوں میں آرام سے بیٹھا رہوں۔''

یہ سن کر اس دن ابوسفیان بول اٹھا میں نے لوگوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جو کسی سے اتنی محبت رکھتا ہو جتنی محبت اصحاب محمد کو محمد سے ہے۔

تفحیھم میں سولی چڑھتے وقت بعینہ ایسا ہی قصہ، ایسے ہی ثابت قدمی اور ایسی ہی محبت حضرت حبیب کے بارے میں منقول ہے۔

اسی طریقہ سے صحابہ کرام جناب رسول اللہ کی مدافعت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کیا کرتے اور آپ پر قربان ہونے کے لیے اپنی روحوں کا نذرانہ پیش کیا کرتے اور آپ ﷺ کی خوشی اور آپ کی راحت کی خاطر ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے اور تکلیف کو آپ سے دور کرنے میں ایک دوسرے سے جلدی کرتے۔

اور یہ غزوہ ہے جب کہ انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو اپنے جسم کے ساتھ ڈھانپ لیا اور آپ کے اوپر لیٹ گئے وہ کسی جنگ میں آپ کا دفاع کر رہے تھے۔ تیر آپ کی پشت پر آ کر لگتے تھے۔ وہ جناب رسول اللہ کے اوپر جھکے ہوئے تھے اور ابھی تک حضور کے سر مبارک کے اوپر ہی تھے کہ انہیں شہید کر دیا گیا۔

جنگ احد کے موقع پر حضرت طلحہ نے عرض کیا:

((نحری دون نحرك يارسول الله ﷺ))

''یارسول اللہ! آپ کے سینہ مبارک کے بدلے میرا سینہ حاضر ہے۔''

چنانچہ اسی دن ان کا ہاتھ شل ہو گیا۔

ابو دجانہ نے بھی ایسا ہی کہا تھا تو ان کے سینے میں ایک تیر آ کے لگا اور ایسے ہی حضرت قتادہ کی زبان سے نکلا تھا اور ان کی ایک آنکھ میں تیر آ کے لگا۔ جناب رسول اللہ نے اسی وقت ان کی آنکھ کو درست فرما دیا۔

چنانچہ ان کی یہ آنکھ دوسری آنکھ کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

((رجال صدقوا ماعاهدوا الله عليه))

''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کے ساتھ اپنے کیے گئے عہد کو اچھی طرح نبھایا اور جناب رسول اللہ کی محبت میں سچے ثابت ہوئے۔ اپنے محبوب رسول کی سلامتی کے لیے بڑی فراخدلی کے ساتھ اپنے مال، اپنی اولاد اور اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔

یہ ان کی محبت کی صداقت اور ان کی وفا کی انتہا ہے۔ عقیدہ میں پختگی اور ثابت قدمی ہے۔

بلاشبہ انہوں نے ہمارے لیے محبت کی خوبصورت ترین تصویریں نقش کر دی ہیں۔ انہیں اس بات کا یقین کامل تھا کہ بے شک نبی کریم ﷺ مومنین کی جانوں کی بہ نسبت بھی ان کے زیادہ قریب ہیں۔

اور وہ اس بات پر بڑا حرص رکھتے تھے کہ ان کی ساری خواہشات اور ان کے تمام تصرفات محض اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسول کلی محبت اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر لبیک کہنے کے لیے ہوں:

((قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ))

اور زمانۂ صلح اور زمانہ امن میں بھی وہ حضرات آپ ﷺ کے اتباع میں ایسے ہی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے جیسے جنگوں میں آپ کی مدافعت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی تمنا رکھتے تھے۔

اصحاب السیر نے ذکر کیا ہے کہ قریش نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک سفارت بھیجی۔ اس وقت آپ ﷺ حدیبیہ میں مقیم تھے۔ ان کے سفیر نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ وضو فرما رہے ہیں اور صحابہ کرام جناب رسول اللہ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو اپنے جسموں پر مل رہے ہیں۔ جب وہ مکہ واپس آیا تو مکہ والوں سے یوں مخاطب ہوا:

''اے اہل مکہ! محمد کا خون کیسے بہایا جا سکتا ہے؟ ان کے اصحاب تو ان کے وضو کے قطروں کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے، وہ ان کے وضو کا پانی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے لڑ پڑتے ہیں، جس کو اس پانی سے کچھ نہ ملے وہ اپنے ساتھ کا پانی پکڑ کو اپنے چہرہ پر پھیر لیتا ہے۔''

اور یہ حضرت علی ابن ابی طالب ہیں۔ اب ان کی سنیئے فرماتے ہیں:

((کان رسول اللہ احب الینا من اموالنا و اولادنا و ابائنا و امھاتنا من الماء البارد علی الظلماء))

''جناب رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے مالوں، اپنی اولاد، اپنے باپوں، اپنی ماؤں اور سخت پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ پیارے تھے۔''

رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی طرف سے درود و سلام ہو۔ اے میرے سردار! اے اللہ کے رسول! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور آپ کو خلق عظیم پر پیدا فرمایا ہے اور مومنین کے ساتھ بہت نرمی کرنے والا اور رحم کرنے والا بنایا ہے۔

اس حقیقت کو قرآن یوں بیان فرماتا ہے:

((وانک لعلی خلق عظیم))

''اس میں کچھ انوکھا پن نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا ہے۔''

وہ خوداور اس کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں۔اس نے تمام رسالتیں آپ پر ختم کردیں اور آپ کو اس دن منصب شفاعت سے نوازے گا جس دن اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کو سفارش نہیں کر سکے گا اور اس کی کرسی آسمانوں اورزمینوں پر محیط ہے(یعنی اس کا علم وسیع ولا متناہی ہے)

((ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھاالذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما))

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔اے ایمان والو!تم بھی آپ پر درود پڑھو اور خوب سلام کرو۔''

امام مسلم نے حضرت واثانہ بن الاسقع سے روایت کی ہے۔انہوں نے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ سے قتر لیش کو چن لیا اور قریش سے ہاشم کو نبی ہاشم سے مجھے۔''

تب تو اس بات میں ذرا بھر بھی شک نہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت ہی تکمیل ایمان ہے اور یہ وہ محبت تھی جس نے ان صحابہ کرام اور جوان کے راستہ پر چلے ان کے نزدیک اللہ کے دین کی خاطر اور نبی کریم سے مدافعت میں قربانی دینے کو اور اپنی جانیں نچھاور کرنے کو محبوب بنا دیا اور اسی قاعدو کلیہ کے مطابق مسلمان کا ہر عمل بجز حب رسول کے ناقص رہتا ہے اور اس کا ایمان نامکمل ہوتا ہے۔

یہاں اس کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسلمان سے مطلوب ہے کہ اس کا ایمان اس کے دل اور اس کے جوارح میں کامل صورت میں موجود ہو۔ناقص ہرگز نہ رہنے پائیں۔

لیکن ایسا ایک ہی دفعہ فوری طور پر نہیں ہو جاتا۔ہمیشہ اس کی ابتداء قبول اسلام سے ہوتی ہے۔جب کہ ایک فرد اپنی زناب اور اپنے وجود کو دین کے تابع بنا دیتا ہے اور اس کے اعضاء کلمہ توحید اور جو کچھ جناب رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اس کے مطیع ہو جاتے ہیں۔پھر اس کے بعد ایمان کا نمبر آتا ہے۔مگر اس کے ساتھ ساتھ صحیح تربیت کا ہونا ضروری ہے اور یہی ہو صحیح تربیت ہے جو نوجوانوں کے دلوں میں حب رسول کو اجاگر کرتی ہے اور اس ایمان کامل کی طرف انکی راہنمائی کرتی ہے جو محبت رسول پر قائم ہے۔یہ وہ قرآن ہے جو ان اشخاص کو مد نظر رکھتے ہوئے مذکورہ بالا حقیقت کو واضح کرتا ہے جو پہلی دفعہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔انہوں نے اسلام تو قبول کر لیا تھا مگر تا حال ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا۔چنانچہ انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((قالت الاعراب آمنا قل لم تأمنوا ولکن قولوؤ سلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم

(الحجرات:۱۴)

''گنوار بولے ہم ایمان لائے۔تم فرماؤ تم اینا تو نہ لائے ہاں یوں کہو کہ ہم مطیع ہوئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں کہاں داخل ہوا۔''

بے شک کمال ایمان بجز آپ کی محبت اور بجز آپ کی تعظیم کے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے محقق نہیں ہوتا۔یہ تعظیم

وہ تعظیم ہے جس میں نہ تو شرک کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ ہی آپ کی ذات شریفہ میں اعتقاد ربوبیت ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے:

''میری مدح میں اس طرح غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں کہا کہ وہ (معاذ اللہ) اللہ کے بیٹے اور وہ تین میں تیسرے ہیں اور یہ بہتان اور شرک عظیم ہے۔''

بے شک یہ ایک پاکیزہ اور عمدہ موقع ہے اس میں گھڑی بھر کے لیے ہم اپنے ایمانوں کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی سیرت کی تلاوت اور آپ کے خصائص وخصائل سے آگاہی کے جذبہ وشوق سے بھر دیتے ہیں۔ خصوصاً اس وقت جیسا کہ آپ کا مہولادت ہم پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ یہ مہینہ ہے جس میں آپ کا نور اس کائنات میں جلوہ فگن ہوا اور اس نے ساری کائنات کو روشن ومنور کر دیا۔''

اسے سعادتوں سے بہرہ ور کیا (سبحان اللہ) اسے کفر کی آندھیریوں سے اسلام کی روشنیوں کی طرف نکال لایا۔ کیا خوب ہے یہ یاد؟ ہمیشہ ہمیشہ اور تابدالاباد مبارک ہو مسلمان کا آپ کا یہ سرمایہ محبت اور پھر یہ یاد اس مہینہ میں سبحان اللہ کیسا شرف عظیم ہے یہ؟ سوموار کے دن روزے رکھنے کے بارے میں ایک سائل کے سوال کے جواب میں حدیث میں یوں آتا ہے:

((فقال رسول الله هذا يوم ولدت فيه وانزل علی فيه))

''یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور اسی دن میں مجھ پر وحی نازل کی گئی۔''

اور اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھاتے ہیں کہ نعمت والے دن (جس دن نعمت ملی ہو) نعمت کا یاد کرنا ایک کارمشروع ہے اور لائق ستائش فعل ہے۔ آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو اے میرے سردار، اے اللہ کے رسول!۔

محمد واحمد ﷺ میں فرق: محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق دردرجہ سے ہے:

اوّل: محمد کے تو محمود ہیں، یعنی وہ شخص جس کی حمد کے بعد حمد کی جائے۔ پس یہ اسم تو حامدین کی کثرت حمد پر دلالت کرتا ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ وجود باوجود میں حمد کا جواز اور اسباب حمد بکثرت ہوں۔

احمد حمد سے افعل التفضیل (زیادہ فضیلت والا) ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ جس حمد کے مستحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس کا درجہ اس حمد سے افضل وبرتر ہے جس کا مستحق کوئی اور ہے، یعنی محمد رسول اللہ تو حمد کی کثرت بلحاظ کمیت میں ہے اور احمد حمد کی کثرت بلحاظ کیفیت میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محامد بشری میں اکثر اور افضل کے لائق ومصداق ہیں۔

دوم: محمد کے معنی تو وہی ہیں جو بیان ہو چکے ہیں اور احمد وہ ہے جو اپنے پروردگار کی حمد زیادہ تر کرتا ہو۔ پس اسم محمد سے تو یہ ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محمود ہیں اور اسم احمد سے یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں۔

یہ معنی قیاس نحوی پر مبنی ہیں، کیونکہ بصریین کے نزدیک افعل التفضیل اور تعجب فعل فاعل پر مبنی ہوتے ہیں، نہ کہ فعل مفعول پر، اس خیال سے کہ یہ فعل لازم سے بنتے ہیں نہ متعدی سے، اسی لیے فعل وفعل سے فعل کی بناء پر نقل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس پر دلیل یہ ہے کہ فعل کو مفعول کی طرف متعدی ہمزہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پس ہمزہ اس میں تعدیہ کے لیے ہوتی ہے، مثلاً: ماا ظرف زیدا و اکرم عمروا کیونکہ اصل میں یہ ظرف وکرم ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ متعجب منہ

دراصل فاعل ہوتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس کا فعل فی الاصل متعدی ہے۔ سو یہ تو ضرب سے وزن فعل لازم پر نقل کر کے پھر ہمزہ تعدیہ کے ساتھ اس کو متعدی بنایا گیا ہے۔ اور اس کی دلیل لام کا لانا ہے۔ چنانچہ ما اضرب زید العمرو بولتے ہیں، اگر یہ تعدیہ پر باقی ہوتا تو لام کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ایک کی طرف بنفسہٖ متعدی تھا اور دوسرے کی طرف ہمزہ تعدیہ سے، لیکن جب اسے مفعول کی طرف ہمزہ تعدیہ سے اور دوسرے کی جانب لام سے متعدی بنایا گیا ہے تو اس سے فعل کا لازم ہونا سمجھا گیا' غرض یہ وجہ ہے۔ جس نے بصریوں کو ضروری ٹھہرادیا ہے کہ فعل فاعل سے ہی اس کا بنایا جائے اور جو فعل مفعول پر واقع ہو اس سے نہیں۔

دوسرا گروہ اس بارے میں اختلاف رکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فعل تعجب وتفضیل کی بناء جائز ہے کہ فعل فاعل سے ہو اور جائز ہے کہ واقع بر مفعول سے۔ عرب بولتے ہیں: ماا شغله بالشیء دیکھو یہ شغل بہ سے بنایا گیا ہے اور تعجب مشغول بالشئی پر ہے نہ کہ شاغل پر۔ اسی طرح ماا و لعه بکذا بولتے ہیں۔ یہ بھی مفعول پر مبنی ہے۔ عرب نے التزام کرلیا ہے کہ اس فعل کی بناء پر مفعول پر نہ ہو نہ فاعل پر۔ اسی طرح ماا عجب بکذا بولتے ہیں یہ اعجب بالشئی سے ہے ماا حبه الی بولا کرتے ہیں۔ یہ فعل مفعول سے تعجب ہے۔ علی هذا ماا بغضه الی و امقته الی

اس جگہ ایک مشہور مسئلہ قابل ذکر ہے جو سیبویہ نے بیان کیا ہے، یعنی ما ابغضنی له ماا حبنی له ماا مقتنی له تو اس وقت بولتے ہیں جب تم مبغض ومحبّ وماقت ہو' یعنی تعجب فعل فاعل سے ہے اور ما ابغضنی الیه' ماا حبنی الیه' ماا مقتنی الیه تب بولتے ہیں جب تم مبغوض' محبوب' ممقوت ہو' یہاں تعجب فعل واقع بر مفعول سے ہے۔ پس جو لام کے ساتھ استعمال ہو وہ فاعل کے لیے ہے اور جو الی سے ہو وہ مفعول کے لیے۔ علیٰ هذا ماا حبه الی' ماا بغضه الی بولا کرتے ہیں، جب وہ محبوب ومبغوض ہو۔ اکثر نحاۃ اس علت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

اسی کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ لام فی المعنی فاعل کے لیے ہے' جب پوچھو گے: لمن هذاالفعل تو جواب میں کہیں گے: لزید، دیکھو لام کے ساتھ جواب ملا اور الی فی المعنی مفعول کے لیے ہے' جب تم پوچھو گے: الی من یصل هذا تو جواب میں کہیں گے: الی زید نکتہ اس میں یہ ہے کہ لام دراصل ملک یا اختصاص یا استحقاق کے لیے ہے اور ملک واستحقاق کا مستحق وہی فاعل ہوتا ہے جو مالک و مستحق ہے۔ اور الی انتہائے غایت کے لیے ہے (اور غایت اقتضائے فعل پر منتہی ہوا کرتی ہے) اس لیے الی کا مفعول کے لیے ہونا زیادہ موزوں تھا کیونکہ مفعول پر مقتضائے فعل تمام ہو جاتا ہے۔

فعل مفعول سے تعجب کی مثال کعب بن زہیر کا قول لغت نبوی میں ہے فلهوا خوف عندی اذا کلمہ اس جگہ اخوف خیف سے بنایا گیا ہے نہ خاف سے۔ یہ نظیر احمد کی ہے جو حمد بروزن سئل سے ہے نہ کہ حمد بروزن علم سے بولا کرتے ہیں:

"ماا جنه من جن فهو مجنون"

بصریین کہتے ہیں کہ یہ سب شاذ ہیں جس پر قاعدہ کو معول نہیں کرسکتے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ تو کلام عرب میں بکثرت موجود ہے اور اسے شذوذ میں سمجھنا جائز نہیں ہے' کیونکہ شاذ کی تعریف یہ ہے کہ وہ استعمال اور مطرد کلام کے خلاف ہو' سو ایسی حالت نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ لزوم فعل اور اس کو بنا و فعل مضموم کی طرف نقل کرنے میں جو تقدیر ظاہر کی گئی ہے' اس پر کوئی دلیل نہیں اور ہمزہ کے ساتھ متعدی بنانے کو جو تم نے اپنا تمسک بنایا ہے، سو اس کی حالت بھی ایسی نہیں' ہمزہ یہاں

متعدی بنانے کے لیے نہیں بلکہ معنی تعجب و تفضیل پر دلالت کرنے کے لیے ہے' جیسے فاعل کا الف اور مفعول کا میم وواوَ اور افتعال کی تاو غیرہ وغیرہ۔ تمام حروف جو فعل ثلاثی سے ملحق ہوتے ہیں تا کہ مجرد مدلول پر جو اضافہ ہو گیا ہے اسے بیان کرتے رہیں پس یہی سبب ہے جس سے ہمزہ یہاں لایا گیا نہ کہ صرف فعل کا متعدی بنانا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ جو فعل ہمزہ سے متعدی کیا جاتا ہے اس کا متعدی ہونا حرف جر یا تضعیف سے بھی جائز ہے' کہا کرتے ہیں:

اجلست زیدا وجلسته واقمته وقومته واقمت به وانمته وقومته وانمته وآنمته

وغیرہ وغیرہ بہت نظائر ہیں، لیکن جن نظائر میں ہمزہ کا استعمال ہوا ہے۔ وہاں اور کوئی اس کا قائم مقام نہیں ہوسکتا' اس لیے یہ دعویٰ باطل ٹھہرا کہ ہمزہ متعدی بنانے کے لیے ہے۔

حرف تعدیہ اور ہمزہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں' مثلاً: احسن بہ اور ما اکرم بہ بولا کرتے ہیں اور اس کے معنی ما اکرمہ اور احسنہ ہوتے ہیں اور ظاہر ہے فعل میں تعدیہ کرنے والی دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

عرب بولا کرتے ہیں:

"ما اعطی زید الدراھم"

اور

"ما اکساہ للثیاب بہ اعطی"

اور کسی صیغہ متعدی سے ہے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اعطیٰ اس جگہ عطو سے (جس کے معنی ہاتھ سے لینا ہیں) بنایا گیا ہے' اور اس پر ہمزہ متعدی بنانے کے لیے داخل کر دیا گیا ہے۔ گو بعض نے یہی تاویل کی ہے' مگر معنی میں اس سے جو فساد آتا ہے وہ غیر صحیح ہونے کو ظاہر کرتا ہے، کیونکہ تعجب تو اعطاء (دہش) پر ہے نہ عطو (گرفت عطیہ) پر اور ہمزہ اس میں تعجب و تفضیل کے لیے ہے اور جو ہمزہ فعل کا تھا وہ حذف کر دیا گیا، اس لیے اس ہمزہ کو تعدیہ کے لیے نہیں کہہ سکتے۔ رہا بصریین کا یہ قول کہ لام کے ساتھ اسے متعدی بنایا گیا ہے، جیسے ما اضرب بہ لزید سے ظاہر ہوتا ہے اور اگر فعل لازم نہ ہوتا تو لام کے ساتھ متعدی نہ بنایا جاتا' سو اس جگہ لزوم فعل کی بھی وہ حالت نہیں بلکہ وہ تو اس جگہ تقویت فعل کے لیے ہے، کیونکہ جب وہ تصرف سے روک دینے اور ایک ہی طریق کے لازم پکڑنے سے کمزور ہو گیا اور سنن افعال سے نکل گیا اور اپنے مقتضیٰ سے کمزور ہو گیا تو لام کے ساتھ اس کو قوت دی گئی ہے اور جس طرح یہاں لام سے تقویت دی گئی اسی طرح جب معمول فعل اس پر مقدم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

((ان کنتم للرویا تعبرون))

علیٰ ہذا اسم فاعل کی حالت میں بھی قوت دیا جاتا ہے۔ مثلاً:

((انا محب لك ومکرم لزید))

بولا کرتے ہیں اور یہی مذہب راجح ہے' جیسا کہ تم خود دیکھ سکتے ہو۔

اب ہم مقصود کی جانب رجوع کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نام محمد اور احمد ہے، کیونکہ جس قدر غیر کی حمد کی گئی رسول اللہ ﷺ اس سے کثیر تر اور افضل تر کے مستحق ہیں' پس یہ دونوں اسم مفعول پر واقع ہیں۔ یہی نحویین کا مذہب مختار ہے اور یہی مدح میں وسیع اور معنی میں مکمل ہے۔ اگر اس سے معنی فاعل کا ارادہ ہوتا تب حماد نام ہونا چاہئے تھا' جس کا معنی کثیر الحمد ہیں'

مگر نام مبارک تو محمد ﷺ ہے، جس کے معنی محمود کثیر ہیں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ نبی کریم ﷺ سب مخلوق سے بڑھ کر پروردگار کی حمد کرنے والے تھے، مگر اس اعتبار سے اسم مبارک کا حماد ہونا ضروری تھا، لیکن یہ تو نبی کریم ﷺ کی امت کا نام ہے جسے حمادون کہا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں اسماء کا اشتقاق نبی کریم ﷺ کے اخلاق حسنہ و خصائل محمودہ سے کیا گیا ہے اور محمد و احمد رکھا گیا۔ نبی کریم ﷺ ہی وہ ہیں جن کی حمد اہل دنیا و آخرت کرتے ہیں کہ اہل زمین سے محاسبین کے اعداد بھی عاجز ہیں تو ان دونوں اسماء کے ساتھ، جو قدر و صفت تفضیل و اضافے کے مقتضی ہیں، اس سے رسول اللہ ﷺ موسوم کئے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک 'محمد پہلے رکھا یا احمد ﷺ: ایک گروہ کا قول ہے انہی میں ابوالقاسم سہیلی وغیرہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا نام مبارک احمد پہلے رکھا گیا اور محمد بعد میں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی لیے بشارت میں احمد فرمایا ہے اور اسی لیے ایک لمبی حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

''اے اللہ! میں اس شان کی ایک امت دیکھ رہا ہوں، تو اسے میری امت بنا دے۔ فرمایا: اے موسیٰ! یہ تو امت احمد ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

((اللهم اجعلنی من امة احمد))

''الٰہی! مجھے احمد ﷺ کی امت میں ہی بنا دے۔''

یہ گروہ کہتا ہے کہ اسم مبارک محمد ﷺ خاص قرآن مجید میں ہے (وامنوا بما نزل علی محمد) اور ایک جگہ محمد رسول اللہ آیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ احمد تو تفضیل فعل فاعل ہے جس کے معنی اپنے پروردگار کے حامدین میں سے احمد ہیں اور محمد بمعنی محمود ہے یعنی جس کی حمد خلائق کرے۔ پس یہ بات وجود اور ظہور نبوی کے بعد ہی ہو سکتی ہے، اہل سماء وارض کا حمد کرنا بھی وجود و ظہور ہی کے بعد ہے اور اہل موقف کا قیامت کو حمد کرنا بھی ظہور اور خیرات پر مترتب ہے۔ غرض یہ وجہ ہے کہ اسم مبارک محمد ﷺ اسم مبارک احمد ﷺ سے متأخر کیا گیا۔ یہ وجہ ایسی ہے جس کا اقرار ہر ایک عالم اہل کتاب بھی جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان ارزانی عطا فرمایا ہے، کرے گا۔

تورات میں اسم مبارک کا ہونا: اب ہم اس نص کا ذکر کرتے ہیں جو اہل کتاب کے نزدیک تورات میں ہے اور اس کی تفسیر میں جو اختلاف ہے وہ چند وجوہات کی بنا پر یہ ہے۔

1۔ جیسا کہ انجیل میں اسم مبارک احمد ﷺ ہے، ایسا ہی انجیل سے پہلے اسم مبارک محمد ﷺ کا ہونا پایا جاتا ہے۔ توراۃ عربی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذکر میں ہے:

''اسمٰعیل کے بارے میں میں نے تیری (دعا) سنی اور میں نے اس کو برکت وامن بماد ماد سے دی۔ (پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذکر کے بعد ہے) اس کے بارہ سردار ہوں گے۔ عظیم وہ ہوگا جس کا نام ماد ماد ہے۔''

علماء مومنین اہل کتاب کے نزدیک یہ صریح اسم مبارک محمد نبی ﷺ کا ہے۔

تورات کی ایک شرح میں اس متن کے نیچے شارح کا لکھا ہوا میں نے دیکھا ہے کہ ان دونوں مقامات پر ہمارے سید

دموئی نبی ﷺ کا اسم مبارک محمد درج ہے، کیونکہ جب تم ان دونوں کلمات پر غور کرو گے تو ان میں اسم محمد کے حروف پاؤ گے۔ محمد کے دونوں میم اور دال تو بماد ماد' کے دونوں میم اور ایک دال کے مقابلہ میں ہیں۔ اسم محمد سے ح رہ گئی وہ ان دونوں اسموں کے بقیہ حروف میں پوری ہو جاتی ہے' وہ بقیہ حروف ب اور دونوں الف اور دوسری دال ہیں، کیونکہ ح کے عدد آٹھ ہیں اور ب'ا'ا' د کے مجموعی اعداد بھی آٹھ ہیں' تو تورات کے دونوں اسماء میں اسم مبارک محمد کا 3/4 یعنی تین چوتھائی حصہ تو بعینہ موجود ہے۔ رہا 1/4 یعنی ایک چوتھائی حصہ تو اس پر تورات کے کلمات کے بقیہ حروف صورت کتابت پر دلالت کر رہے ہیں۔

اگر کوئی پوچھے کہ اس تاویل میں تمہارا مستند کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ علماء یہود کا تورات کے حروف مشکلہ کی تاویل میں جو مستند ہے وہی ہمارا بھی ہے' مثلاً تورات میں ہے:

''اے موسیٰ! بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ ہر ایک شخص اپنے کپڑے کے گوشہ پر ایک نیلا ڈورا لگائے جس کے آٹھ سرے ہوں اور ان میں پانچ گرہیں ہوں اور کا نام صیصیت رکھا جائے۔''

علماء یہود کہتے ہیں کہ اس کی تاویل و حکمت یہ ہے کہ اس کے دیکھنے اور نام لینے سے اللہ تعالیٰ کے فرائض یاد آجائیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو (613) احکام دیئے تھے۔ اب دیکھو کہ صیصیت کے اعداد (600) ہیں (ص:90' ی:10' ص:90' ی:10' ت:400) اور نیلے ڈورہ کے 8 سرے اور 5 گرہیں 13 ہوتے ہیں۔ گویا یہ کپڑا اپنی صورت اور نام سے بتلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض کو یاد رکھو۔ یہی شارح کہتا ہے کہ بعض مفسرین نے جو کہا ہے کہ:

''ان دو حرفوں سے مراد جدا جدا ہے کیونکہ تورات میں لفظ ماد مفرد طور پر بھی بمعنی جدا آیا ہے۔''

یہ صحیح نہیں، جس بماد ماد کی باء متصلہ غلط بتا رہی ہے ''انا اکرمک بجدا'' میں حرف ب کلام مستقیم میں سے نہیں، مگر بماد ماد تو ایسا لفظ ہے کہ جب الواح جواہر کی تورات ازلیہ کو جو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام پر اتری تھیں' خط یونی میں نقل کیا گیا تو یہ لفظ صرف ب سے موصل تھا' جس سے ثابت ہوا کہ نہ تو یہ ماد ہے اور نہ اس کے معنی جدا ہیں۔ اس کی دلیل دوسری جگہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اس سے بارہ سردار نکلیں گے اور ان میں سے ایک کی اولاد میں سے بماد ماد ہو گا۔''

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ دونوں حرف ایک معین سردار کا اسم علم ہے' جو بنی اسمٰعیل ہو گا۔ اب جو شخص حرف ب کو بمعنی مصدر (تاکید کے لیے) کہتا ہے' اس کا قول باطل ہو گیا، کیونکہ اس میں اسم شخص ہونے کی تصریح اس شخص کے دعویٰ کو توڑتی ہے جو اسے کسی معنی کا نام بتلاتی ہے۔

اس شخص کے سوا اوروں نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک کے تورات میں ہونے کا ثبوت دینے کے لیے اس بے جا تکلف کی ضرورت بھی کیا ہے' تورات میں رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک تو اور بھی زیادہ صراحت سے ہے، کیونکہ تورات زبان عبریہ (عبرانی) میں ہے جو لغت عربیہ سے قریب اور دیگر لغات کی نسبت عربیت سے قریب تر ہے اور تم دیکھو گے کہ ان دونوں زبانوں میں اکثر اختلاف تو صرف ادائے حروف اور تکلم کا ہے۔ تفخیم یا ترقیق سے' ضم یا فتح سے۔ چنانچہ ہر دو لغات کے مفردات پر نظر غور ڈالنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

عربی	عبری		عربی	عبری
لا	لو	عربی میں لام پر ضمہ ہے		
		اور آواز	عالم	عولام
قدس	قدسی	الف واؤ کے درمیان	کیس	کیس
انت	انا	درمیان	یاکل	یوکل
			تین	تھین
یاتی	یوتی			
قدسک	قدسحا		الہ	اولوہ
منہ	ممنو	عبری میں یاء اول پر ضمہ	الھنا	اولوھیو
یھوذا	میھوذا	اور	ابانا	ابوتینا
سمتک	شمعتیخا	الف وواؤ کے درمیانی	یاصبح اللہ	یاصباء الوھیم
من	می	آواز	ابن	ابنو
یمینی	مینو		حلیب	حالوب
لہ	لو		لاتاکلوا	لوتوکلوا
امۃ	امو		کتب المثنی	کتب المشی
ارض	ایرض		لاتکل الجدی	لوتوکل لذابا
واحد	ایحاد		فی حلیب امہ	حالوب امو
		واؤ الف کی درمیانی آواز		

ہر دو لغات کی تقارب (قریب قریب ہونے) کے بارے میں بحث طویل ہے اور اسی کے اندر وہ راز بھی مخفی ہے جو دونوں شریعتوں کے تقارب میں ہے اور جس وجہ سے قرآن مجید کے چند مقامات پر قرآن اور تورات کا ایک ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے، چنانچہ فرمایا:

((اولم یکفروا بما اوتی موسی من قبل قالوا سحران تظھرا و قالوا انا بکل کفرون۔ قل فاتوا بکتب من عند اللہ ھو اھدی منھما اتبعہ))

(سورۃ القصص:48-4828-49)

’’کیا اس سے پہلے جو کچھ موسیٰ کو دیا گیا تھا اس کا کفر نہیں کر چکے۔ انہوں نے کہا کہ دونوں جادوگر ہیں، ایک دوسرے کی مدد پر، انہوں نے کہا: ہم دونوں کو نہیں مانتے۔ کہہ (یحییٰ) کہ کوئی کتاب الٰہی ایسی لے آؤ جو ان دونوں (تورات و قرآن) سے زیادہ ہدایت نما ہو، میں اس پر چلوں گا۔‘‘

اور سورۃ انعام میں فرمایا:

((قل من انزل الکتب الذی جآء به موسیٰ نوراً وهدی للناس))(سورۃ الانعام:91/6)

''دریافت کرو جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے جو لوگوں کے لیے نور ہدایت تھی وہ کس نے اتاری تھی۔؟''

اس کے بعد فرمایا:

((وھذا کتب انزلنه مبارك مصدق الذی بین یدیه))(سورۃ الانعام:92/6)

''یہ کتاب جسے ہم نے اتارا' مبارک ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کو سچا ٹھہراتی ہے۔''

اسی سورت کے آخر میں فرمایا:

((ثم اتینا موسی الکتاب تماماً علی الذی احسن وتفصیلا لکل شیء وھدی ورحمة لعلھم بلقاء ربھم یومنون۔وھذا کتب مبارك فاتبعوه واتقوا لعلکم ترحمون))

(سورۃ الانعام:154-155)

''پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو خوبیوں میں کامل اور ہر ایک تفصیل پر مشتمل اور ہدایت اور رحمت تھی' تاکہ وہ لقاء ربانی پر ایمان لائیں اور اس کتاب کو ہم نے اتارا ہے' برکتوں والی ہے' اس پر چلو اور تقویٰ رکھو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

سورت آل عمران کے شروع میں ہے:

((نزل علیك الکتب بالحق مصدقا لما بین یدیه وانزل التورة والانجیل من قبل ھدی للناس))

''آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور قبل ازیں لوگوں کی ہدایت کے لیے تورات اور انجیل اتاری۔''(سورۃ آل عمران:3/3-4)

پھر فرمایا:

((ولقدء اتینا موسی وھرون الفرقان وضیاء وذکر اللمتقین۔ الذین یخشون ربھم بالغیب وھم من الساعة مشفقون۔ وھذا ذکر مبارك انزلنه افانتم له منکرون))(سورۃ الانبیاء:21/48-50)

''پھر ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان وضیاء اور متقین کے لیے ذکر دیا، جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور قیامت سے خوف رکھتے ہیں۔ یہ ذکر مبارک ہے۔ جس کو ہم نے اتارا ہے کیا تم اس کا انکار کرو گے۔''

بے شک یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور اسے بار بار دہرایا ہے اور اس پیرایہ میں نبی کریم ﷺ کی تسلی فرمائی ہے' چنانچہ جب لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو تکلیف وایذا دی تو فرمایا:

((ولقد اوذی موسی باکثر من ھذا فصبر))

''تحقیق موسیٰ اس سے زیادہ ستائے گئے اور انہوں نے صبر کیا۔''

بے شک یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت میں وہی کچھ ہو گزرے گا جو کچھ بنی اسرائیل میں ہوا' حتی کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا ہوا ہے جو علانیہ ماں پر چڑھ بیٹھتا ہو تو اس امت میں بھی ایسا شخص پایا جائے گا۔''

اب تم اس تناسب میں جو دونوں کتابوں اور دونوں شریعتوں (مراد وہ شریعت صحیحہ ہے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوا) اور دونوں امتوں اور دونوں زبانوں میں ہے تامل کرو اور اس تامل کے ساتھ محمد ﷺ اور ماد ماد کے حروف پر نظر ڈالو۔ ماد ماد کو ماذ ماذ بھی لکھا گیا ہے۔ میم تو محمد اور ماد ماد میں برابر ہیں' الف و ح کا مخرج ایک ہے (محمد و ماد ماد ایک ہو گئے) اگر ماذ ماذ بھی کہیں تب بھی دال کی جگہ ذال بہت سے مقامات میں بولی جاتی ہے: مثلاً: ایجاذ واحد کو اور قوذس قدح کو' وجہ یہ ہے کہ د' ذ دونوں متقارب (قریب قریب) ہیں اور دونوں زبانوں پر غور کرنے سے کچھ شک نہیں رہ جاتا کہ یہ دونوں اسم ایک ہی ہیں۔ ہمارے مدعا کے لیے اور بھی نظائر ہیں' مثلاً موسیٰ عبرانی میں موشی ہے اور موشی مرکب ہے' مو پانی اور شی درخت کو کہتے ہیں۔ چونکہ ان کو پانی اور درخت کے پاس سے نکالا گیا تھا اس لیے یہ نام رکھا گیا۔ غرض محمد اور ماذ ماذ میں وہی فرق ہے جو موسیٰ اور موشی میں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اسمٰعیل کو عبرانی میں یشماعیل اور عیص (برادر یعقوب علیہ السلام) کو عیصے کہتے ہیں، غرض مختلف علوم میں ایسی نظائر بہت ہیں اور اشتقاقات میں بھی۔ چنانچہ یسمعون کو یشماعون' اقیم کو آقیم' لھم کو لاھیم' من قارب کو می قارب' اخوتھم کو آخیھم بولتے ہیں اور یہ ایسے قواعد ہیں جن کا اعتراف علماء اہل کتاب میں سے ہر ایک مومن عالم کرے گا۔

اس تمام بحث سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک محمد' تورات میں بھی محمد ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں محمد ہے، اب رہی یہ بات کہ مسیح علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر اسم مبارک احمد کے ساتھ کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ اسم مبارک احمد اسم مبارک محمد سے جو تورات میں ہے بعد میں واقع ہوا ہے گو قرآن مجید میں اسم مبارک محمد سے متقدم ہے اور دونوں (توراۃ و قرآن) کے درمیان مذکور ہے۔

تورات میں اسم محمد کیوں ہے اور انجیل میں احمد کیوں؟ اور قرآن مجید میں دونوں کیوں جمع ہوئے: ان دونوں اسماء محمد اور احمد میں جو صفیت ظاہر کرتے ہیں' علمیت کے لحاظ سے فی الحقیقت اس میں کچھ تضاد نہیں بلکہ دونوں کے معانی مقصود ہیں۔ رہی یہ بات کہ تورات میں محمد کیوں ہے اور مسیح علیہ السلام نے احمد کیوں کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس امت کے نزدیک جو وصف زیادہ تر معروف تھا اسی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر فرمایا گیا۔ اس کی شرح یہ ہے کہ محمد حمد سے مفعل کے وزن پر ہے اور یہ اس کثیر الاوصاف شخص کو کہتے ہیں جس کے خصال حمیدہ اور صفات ستودہ پر مسلسل اور مکرر حمد کے بعد حمد کی جائے۔ اس اسم کے معنی کی معرفت تب ہو سکتی ہے جب خصال خیر اور انواع علوم و معارف اور اخلاق و اوصاف و افعال سے' جن پر حمد کا تکرار ضروری ہے' معرفت حاصل ہو اور اس میں شک نہیں کہ بنی اسرائیل علم اول کے صاحب تھے اور ان کو وہ کتاب ملی تھی جس کی صفت اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی ہے:

((و کتبنا له فی الالواح من کل شیء موعظة و تفصیلاً لکل شیء))

(سورة الاعراف:145/7)

''اس کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہر شعبہ زندگی کے متعلق نصیحت اور ہر پہلو کے متعلق واضح ہدایت

تختیوں پر لکھ کر دے دی۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت حضرت مسیح علیہ السلام کی امت سے علم و معرفت میں زیادہ تر وسیع تھی اور یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح کی شریعت تورات اور احکام کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔ تم حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی کرامت کو دیکھو کہ وہ احکام میں دارومدار تورات پر ہی رکھتے ہیں اور انجیل تورات اور اس کے محاسن کی تکمیل کرتی ہے اور قرآن مجید دونوں کتابوں کے محاسن کا جامع ہے۔ غرض اس امت یہود کو تو نبی کریم ﷺ کی شناخت اسم محمد کے ساتھ کرائی گئی جو خصال خیر کا جامع ہے، جن کی وجہ سے آپ بار بار حمد کے مستحق ہیں اور امت مسیح کو نبی ﷺ کی شناخت اسم احمد کے ساتھ کرائی گئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تمام وہ محامد جن کا مستحق کوئی شخص ہو سکتا ہے، نبی کریم ﷺ افضل طور پر اس کے مستحق ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کی امت کو ریاضات و اخلاق و عبادات میں جو درجہ حاصل ہے وہ امت موسوی کو نہیں۔ ان کی کتاب کو دیکھو، اس کا بڑا حصہ مواعظ و زہد و اخلاق ہے اور نہ کوئی حلم و عفو کی تعلیم۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ شریعتیں تین ہیں:

1۔ شریعت عدل، جو تورات ہے۔ اس میں حکم اور قصاص ہے۔

2۔ شریعت فضل، جو انجیل ہے۔ اس میں عفو اور مکارم اخلاق اور درگزر و احسان کی تعلیم ہے۔ مثلاً: اس میں درج ہے کہ جو شخص تیری چادر چھینے تو اسے پیرہن بھی دے دے، جو تیرے دائیں رخسار پر طمانچہ لگائے اس کی جانب بایاں رخسار بھی کر دے، جو تجھے ایک میل بیگار لے چلے تو اس کے ساتھ دو میل چل وغیرہ وغیرہ۔

3۔ عدل و فضل کی جامع شریعت ہے جو قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کو دیکھو کہ وہ عدل کا بیان ہے اور اسے فرض قرار دیتا ہے۔ پھر فضل کا بیان کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی جانب بلاتا ہے فرمایا:

((وجزاء السیئة مثلها فمن عفا و اصلح فاجره علی الله انه لا یحب الظلمین))

(سورۃ الشوریٰ: 40/42)

"بدی کا بدلہ بد ہے اتنا ہی، پھر جو کوئی معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کو اللہ تعالیٰ سے اجر ملے گا، اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔"

مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی شریعت شریعت فضل نیز شریعت موسوی کی تکمیل ہے اسی طرح اس امت کے سامنے نبی کریم ﷺ کا وہ اسم مبارک لیا گیا جو افضل التفضیل ہے اور فضل و کمال پر دال ہے۔ اب رہی وہ کتاب جو کتب سابقہ کے محاسن کی جامع ہے، اس میں دونوں اسماء مبارک ہیں۔ اس فصل پر خوب تدبر کرو اور اسماء کے ساتھ معانی کو جو ارتباط و مناسبت ہے اسے اچھی طرح ذہن میں کر لو (الحمد للہ)۔

رہا قول ابوالقاسم کا کہ نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک محمد ظہور وجود کے بعد ہے کیونکہ خلائق کا حمد کے بعد حمد کرنا اسی وقت مترتب ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اسم مبارک احمد میں بھی یہی صورت ہو سکتی ہے۔ رہا ان کا یہ قول کہ اسم مبارک احمد اسم مبارک محمد سے متقدم ہے، اس دلیل کے ساتھ کہ احمد ﷺ کے معنی ہیں، پروردگار کی حمد کرنے والوں سے سب سے بڑھ کر حمد کرنے والا اور یہ نام محمد سے مقدم ہے، اس امر پر کہ خلائق اس شخص کی حمد کرے۔ سو واضح ہو کہ ہم اس قول کو اس بناء پر توضیح

مان سکتے ہیں جب کہ لفظ احمد فعل فاعل سے تفصیل سمجھا جائے، لیکن دوسرے قول صحیح کی صورت میں کہ فعل مفعول سے تفصیل سمجھا جائے، تب یہ قول ٹھیک نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نبی کے معنی:

نبی ہمزہ کے ساتھ کہا گیا ہے کہ یہ المنبی کے معنی میں ہے اور نباء سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: خبر۔ تو نبی کو نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کی خبر دیتا ہے۔ پس یہ نبی فعل کے وزن پر اسم فاعل نابی کے معنی میں ہے، یعنی خبر دینے والا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم مفعول منبا کے معنی میں ہو یعنی جس کو اللہ کی طرف سے خبر دی گئی اور اوامر و نواہی کی۔ ان حضرات نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ نبی کی جمع نباء ہے جیسے ظریف کی جمع ظرفا۔

حضرت عباس بن عباس فرماتے ہیں:

یا خاتم النباء انك مرسل　　بالحق بل هدى الله هدا كا

ان الله اتى عليك محبة　　فى خلقه و محمد اسما كا

''اے نبیوں میں آخری نبی! بے شک آپ حق کے ساتھ بھیجے گئے ہیں، بلکہ آپ کی ہدایت اللہ کی ہدایت ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں آپ کی محبت پیدا کی اور آپ کا نام محمد رکھا۔''

یا یہ نبا ینبو سے یعنی ظاہر ہونا اور بلند ہونا۔ اب یہ فعیل بھی فاعل ہوگا یعنی ظاہر اور بلند و مرتفع، اسم مفعول کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے یعنی جس کو اللہ نے اپنی مخلوق پر بلند مرتبہ بخشا یا یہ لفظ نبا سے ماخوذ ہے بمعنی راستہ۔ وہ اس طرح کہ نبی اللہ کی طرف مخلوق کو پہنچانے والا راستہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنے خالق کی پہچان تک پہنچتے ہیں، نبی وہ انسان ہوتا ہے جس کی طرف احکامِ شرع کی وحی کی جائے اور اس کو ان کی تبلیغ کا حکم دیا جائے۔ پھر اگر اس کو ان احکام شرع کی تبلیغ کا بھی حکم ہو تو وہ رسول بھی ہے۔ پس نبی عام ہے۔

سوال: اگر تم یہ سوال کرو کہ ان میں سے افضل کون سی ہے نبوت یا رسالت؟

جواب: شیخ عز الدین بن عبد السلام نے اپنے قواعد میں اس کا جواب دیا ہے کہ نبوت افضل ہے، کیونکہ اس کا مفہوم ہے ان امور کی خبر دینا جن کا رب سبحانہ مستحق ہے، مثلاً: صفات جلال و کمال اور ان کا تعلق دونوں طرف سے اللہ کے ساتھ ہے اور مقام رسالت اس سے کمتر ہے کیونکہ اس کا معنی ہے بندوں تک پہنچانے کا حکم، لہٰذا اس کا ایک طرف سے اللہ کے ساتھ تعلق ہے اور دوسری جانب سے بندوں کے ساتھ۔ اور بے شک جس کا دونوں طرف سے اللہ کے ساتھ تعلق ہے وہ اس سے افضل ہے جس کا ایک طرف سے تعلق ہے اور نبوت رسالت سے پہلے ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ کا یہ فرمان:

((انی انا الله رب العالمین))

''میں اللہ، پروردگار جہان ہوں۔''

پہلے ہے اللہ کے اس فرمان سے:

((اذهب الى فرعون انه طغى))

''فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہوگیا ہے۔''

پس فرعون کے جانے کے حکم سے پہلے جو کچھ فرمایا گیا وہ نبوت ہے اور اس کے بعد تبلیغ کے جو احکام آئے وہ رسالت

ہے۔خلاصہ یہ کہ نبوت کا رُخ معبود کی پہچان اور اس سے متعلقہ امور کی شناخت کی طرف ہوتا ہے اور رسالت کا رخ اللہ کا رسول کی طرف، اس مقصد کیلئے ہوتا ہے کہ وہ اس کے احکام اس کے بندوں تک پہنچائے سب تک یا بعض تک۔ جو اللہ نے ان پر فرض کیے مثلاً: اس کی پہچان، اس کی اطاعت اور اس کی نافرمانی سے بچنا۔

امی کے مفہوم کی تحقیق:

امی تشدید کے ساتھ منسوب ہے ام کی طرف، یعنی نہ لکھے، نہ لکھا ہوا پڑھے، گویا جس طرح ماں سے پیدا ہوتے وقت تھا اسی حالت پر برقرار رہے کہ نہ اس وقت لکھتا پڑھتا تھا نہ اب، یا یہ منسوب ہے ام کی طرف کہ بچہ ماں کے حال پر ہے کیونکہ عورتوں کی اکثر یہی حالت ہوتی ہے کہ نہ لکھیں نہ پڑھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ ام القری کی طرف منسوب ہے، یعنی مکہ کی طرف، بمعنی مکی) اور کہا گیا ہے کہ اس قوم عرب کی طرف منسوب ہے جس کی کثرت نہ پڑھتی تھی، نہ لکھتی تھی اور کہا گیا ہے کہ امی امت کی طرف منسوب ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام اپنی امت کا بہت خیال رکھتے تھے اور یہ کہا گیا ہے کہ ام الکتاب کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ آپ پر نازل ہوئی ہے یا اس لیے کہ آپ نے اس کی تصدیق فرمائی اور دوسروں کو اس کی تصدیق کی دعوت دی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ امۃ کی طرف منسوب ہے جس کا معنی قد و قامت ہے یعنی حسین قد و قامت والے۔ اور کہا گیا ہے کہ ام الدماغ کی طرف منسوب ہے (یعنی وہ جھلی جس میں مغز ہوتا ہے) مراد یہ ہے کہ جس مسئلہ میں وحی نہ وارد ہوئی اسے دماغ سے سوچ کر حل فرمانے والے۔ نہ لکھنا ہمارے نبی کا معجزہ تھا، حالانکہ آپ کو تمام علوم عطا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((وما کنت تتلو من قبله من کتب ولا تخطه بیمینك اذا الارتاب المبطلون))

''حبیب! تم اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے نہ ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست ضرور شک کرتے۔''

قرآن کریم میں یہ بھی ہے:

((الذین یتبعون الرسول النبی الامی))

''وہ لوگ جو اس رسول، نبی امی کی پیروی کرتے ہیں۔''

اللہ کی رحمتیں اور سلام ہو آپ پر اور آپ کی آل و اصحاب پر بہت بہت سلام۔

آل کا معنی:

آل میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کی اصل اہل ہے۔ ہا کو ہمزہ سے بدلا گیا (اور ماقبل فتحہ ہونے کی وجہ سے الف بن گیا) اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہاں آل محمد سے مراد کیا ہے۔ ترجیح اس کو ہے کہ آل محمد سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ امام شافعی نے اس کی تصریح کی ہے اور جمہور نے اس قول کو اختیار کیا ہے اور اس کی تائید کرتا ہے نبی کریم علیہ السلام کا فرمان ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

''ہم آل محمد کیلئے صدقہ جائز نہیں۔''

اسی طرح ایک مرفوع حدیث میں فرمایا:

''یہ صدقہ لوگوں کی میل ہے، نہ محمد کیلئے حلال ہے نہ محمد کی آل کیلئے۔''

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

''تشہد میں آل محمد سے مراد حضور علیہ السلام کے اہل بیت ہیں (ازواج مطہرات، بنات رسول، حسنین، علی، فاطمہ)''

اب سوال یہ ہے کہ آیا آل کی جگہ اہل کہنا جائز ہے؟ اس میں علماء کی دو روایتیں ہیں اور کہا گیا ہے کہ آل محمد سے آپ کی بیویاں اور اولاد مراد ہے، کیونکہ حدیث کے اکثر طرق میں آل محمد کے الفاظ آئے ہیں۔ حدیث ابو حمید میں اس کی جگہ وازواجہ وذریتہ آیا ہے۔ یہ دلیل ہے کہ آل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور اولاد ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ تینوں (آل، ازواج، اولاد) کا مجموعہ بھی ثابت ہے۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث۔ اس میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ بعض راویوں کو ایک لفظ یاد رہا اور دوسرا نہ رہا۔ تشہد میں آل سے مراد آپ کی بیویاں اور وہ حضرات ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ اس میں آپ کی تمام اولاد بھی شامل ہے۔ اس طرح حدیثوں میں مطابقت ہو جاتی ہے۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں آل محمد کا لفظ حضور علیہ السلام کی بیویوں پر بولا گیا ہے:

((ماشبع آل محمد من خبز مادوم ثلاثاً))

''محمد کی آل نے تین دن مسلسل سالن روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔''

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے:

((اللھم اجعل رزق آل محمد قوتاً))

''الٰہی! آل محمد کا رزق بقدر ضرورت مقرر فرما دے۔''

گویا ازواج و اولاد کا الگ مرکز نہ ہوتا تو بات ادھوری رہ جاتی۔

امام عبدالرزاق نے اپنی جامع میں سفیان ثوری کے متعلق لکھا ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا:

''میں سن رہا تھا کہ **اللھم صل علی محمد و علی آل محمد** میں آل محمد کون ہیں۔؟''

انہوں نے کہا:

''اس میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ آل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے ہیں اور کچھ کہتے ہیں: آل محمد وہ تمام لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی اطاعت کی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آل سے مراد صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہے۔''

اس کو نووی نے شرح المہذب میں بیان کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام قریش مراد ہیں اس کو ابن الرفعۃ نے الکفاء میں بیان کیا اور یہ کہا گیا ہے کہ آل سے مراد تمام امت اجابت ہے۔ ابن العربی نے کہا:

''اسی کی طرف امام مالک کا میلان ہے۔ اسی کو زہری نے اختیار کیا۔''

ابو الطیب طبری نے بعض شافعیہ سے یہی قول نقل کیا ہے۔ اسی کو علامہ نووی نے شرح مسلم میں ترجیح دی ہے۔ قاضی حسین اور الراغب نے پرہیزگاروں کی قید لگائی ہے۔ جنہوں نے مطلقاً کہہ دیا ہے ان کا کلام بھی اسی پر محمول کیا جائے گا۔

اسی کی تائید کرتا ہے اللہ کا یہ قول:

((ان اولیاء ہ الا المتقون))

''اس کے ولی صرف پرہیز گار لوگ ہو سکتے ہیں۔''

الخطیب نے بیان کیا کہ یحییٰ بن معاذ بلغ یا رے کے علاقہ میں ایک علوی (سید) کی زیارت اور سلام کرنے کیلئے گئے۔ علوی نے یحییٰ سے کہا:

''ہم اہل بیت کے بارے میں کیا کہتے ہو۔؟''

انہوں نے کہا:

''میں اس گارے کے بارے میں کیا کہوں جسے وحی کے پانی سے گوندھا گیا اور اس میں نبوت کا پودا لگایا گیا اور ھدایت کے پانی سے سینچا گیا، اس سے ہدایت کی کستوری اور عمدہ عنبر ہی نکل سکتا ہے۔''

علوی نے یحییٰ سے کہا:

''اگر تم ہماری زیارت کیلئے آؤ تو یہ بھی تمہاری مہربانی ہے اور اگر ہم تمہاری زیارت کیلئے آئیں تو بھی تمہاری فضیلت کی وجہ سے آئیں گے۔ فضیلت آپ ہی کی ہے زیارت کریں یا کروائیں۔''

پھر ہمارے شیخ نے کہا:

''ممکن ہے کہ جن حضرات نے مطلقاً تمام آل پر درود بھیجنے کو جائز قرار دیا ہے ان کی مراد یہ ہو کہ درود سے مراد رحمت مطلقہ ہے۔ پس اس کو نیکوں سے مقید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے:

((آل محمد کل تقی))

''ہر نیک مسلمان آل محمد ہے۔''

اس کو طبرانی نے بیان کیا ہے، لیکن اس کی سند بہت کمزور ہے۔ بیہقی نے حضرت جابر سے ایسی ہی روایت نقل کی ہے اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

لیکن حضور علیہ السلام کی اولاد پاک جن پر بعض احادیث میں درود آیا ہے، سو وہ حضور علیہ السلام کی اولاد اور ان کی اولاد ہے۔ (تا قیامت) کیا آپ کی بیٹیوں کی تعداد بھی اس میں شامل ہے؟ تو امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد کی ایک روایت بھی یہی ہے کہ یہ حضرات اولاد میں شامل ہیں کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ فاطمہ کی اولاد نبی علیہ السلام کی اولاد میں شامل ہے، جن کیلئے اللہ سے درود بھیجنے کی دعا کی جاتی ہے۔ ابن الحاجب نے مالکیہ کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کی تمام بیٹیوں کی اولاد اس میں شامل ہے، فرمایا: اسی طرح جس طرح عیسیٰ علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ یہ حضرات حضور علیہ السلام کی اولاد میں داخل نہیں، ہاں اس سے انہوں نے اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہا و علیہم کو مستثنیٰ کیا ہے، اس عظیم المرتبت نسب کی عظمت کے پیش نظر جس کو تمام مسلمانوں نے تسلیم کیا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

آپ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں، پھر سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، پھر عائشہ صدیقہ بنت

ابو بکر رضی اللہ عنہما، آپ کے علاوہ حضور علیہ السلام نے کسی کنواری سے شادی نہیں کی۔ پھر حضرت عمر کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہما، پھر زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما۔ حضور علیہ السلام کی ظاہری زندگی میں صرف یہ اور سیدہ خدیجہ فوت ہوئیں۔ پھر ام سلمہ ہند بنت ابو امیہ رضی اللہ عنہا، پھر زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، پھر جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہما، پھر ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا، پھر ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما، پھر صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا، پھر میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا۔ یہ تمام وہ ہیں جن سے آپ نے قربت و نکاح فرمایا۔ یہ کل بارہ ہیں۔ ان کے علاوہ سات سے آپ نے نکاح کیا ہے مگر قربت نہیں کی۔ پس آپ کی تمام ازواج مطہرات پر آپ کی تبع میں درود و سلام ہو۔ ان کے احترام اور امت پر ان کے حرام ہونے کی وجہ سے اور یہ تمام حضور علیہ السلام کی دنیا اور آخرت میں بیویاں ہیں۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

آل کے معنی: واضح ہو کہ لفظ آل کی تحقیق میں دو قول ہیں:

قول اوّل: آل دراصل اہل ہے ''ھ'' ہمزہ سے بدل کر آل ہو گیا۔ پھر اور الفاظ پر قیاس کر کے سہولت کے لیے آل بنالیا اور جب اس کی تصغیر بنانے لگے۔ تب اپنی اصلیت پر آ گیا، کیونکہ آل کی تصغیر اُہیل ہے۔

علماء کہتے ہیں چونکہ یہ ایک فرع کی فرع تھا، اس لیے جن اسماء کی طرف اس کی اضافت ہوسکتی ہے' اسے بھی مخصوص کر دیا گیا ہے' مثلاً یہ کہ اسے اسماء زمان و مکان کی جانب مضاف نہیں کرتے اور نہ اعلام کے سوا اور کسی جانب' مثلاً آل رجل اور آل امراۃ نہیں بولتے بلکہ بجز عظیم القدر شخص کے اور کسی جانب اس کو مضاف نہیں کرتے۔ واضح ہو کہ یہ قول چند وجوہات کی بناء پر ضعیف ہے:

1۔ اس پر کوئی دلیل نہیں کہ آل دراصل اہل ہے۔
2۔ اس سے کسی سبب کے بغیر اور باوجود مخالفت اصل کے قلب شاذ کا جائز ہونا لازم آتا ہے۔
3۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ اہل عاقل وغیرہ کی طرف مضاف ہوتا ہے اور لفظ آل نہیں ہوتا۔
4۔ لفظ اہل علم اور نکرہ دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے برخلاف آل کے' جو ایسے معظم شخص کی طرف ہی مضاف ہوتا ہے جس کی شان یہ ہو کہ اس کی جانب دوسرے کو رجوع کرنا پڑے۔
5۔ اہل ظاہر و مضمر دونوں کی جانب مضاف ہوتا ہے اور آل کو مضمر کی جانب مضاف کرنے میں علماء نحو کا اختلاف ہے۔ جو اسے جائز کہتے ہیں وہ شاذ و قلیل ہیں۔
6۔ جب کوئی شخص آل کی جانب مضاف ہوتا ہے تو وہ خود بھی اس میں داخل ہوتا ہے، چنانچہ **ادخلوا آل فرعون اشد العذاب** اور **الا آل لوط نجینا ھم بسحر** وغیرہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے: **اللھم صل علی اھل ابی اوفی** قاعدہ مذکورہ تو اس صورت میں ہے جب صاف اضافت کا جدا گانہ ذکر نہ ہو' لیکن جب اس کا جدا ذکر ہو اور آل کا جدا تب بعض تو کہتے ہیں کہ اس کا ذکر گویا دو دفعہ ہو گیا' ایک تو لفظ آل کے اندر اور دوسرے مفرد طور پر اور بعض کہتے ہیں کہ جب جدا گانہ اس کا ذکر موجود ہے تو پھر اس کو بھی آل میں داخل کرنا کیا ضروری ہے۔ اب دیکھو اہل اس کے برخلاف ہے' کیونکہ جب تم کہو گے: **جاء اھل زیب** تب خود زید اس کے اندر شامل نہ ہوگا۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ آل کی اصل اوّل ہے، چنانچہ صاحب صحاح نے اس کا ذکر اول کے باب میں کیا ہے اور آل الرجل کے معنی اس کے اہل وعیال واتباع لکھے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ لفظ آل یوول سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع ہیں اور آل الرجل سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور مضاف ہوتے ہیں اور سیاست وغیرہ میں ان کا مآل کار وہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایالت کے معنی سیاست بھی اسی لیے آئے ہیں اور چونکہ انسان کے لیے خود اپنے نفس پر سیاست زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے لفظ آل میں وہ بھی داخل ہوتا ہے۔ غرض یہ مادہ اصل اور حقیقت شئے کے لیے موضع ہے اور اسی لیے حقیقت شے کا نام تاویل ہے کیونکہ حقیقت وہی ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان معنی میں فرمایا ہے:

((هل ينظرون الا تاويله يوم ياتى تاويله يقول الذين نسوه من قبل قد جاء ت رسل ربنا بالحق)) (سورۃ الاعراف: 53/7)

''وہ حقیقت حال کے ہی منتظر ہیں، مگر جب حقیقت کھلے گی تو جو اس سے پیشتر اسے بھولے رہے تھے، وہ کہیں گے کہ ہمارے رب کے رسول حق لائے تھے۔''

دیکھو یہاں جو کچھ رسولوں نے بتایا تھا، اس کی حقیقت کے کھلنے اور کھلم کھلا دیکھنے کا نام تاویل فرمایا، انہی معنی میں ہے تاویل رؤیا جس کے معنی وہ حقیقت خارجہ ہے جو عالم مثال میں خواب دیکھنے والے کے لیے بتلائی گئی ہے:

((ذلك خير واحسن تاويلا))

''یہی ہے بہتر اور اچھا انجام۔'' (سورۃ النساء: 59/4)

لفظ تاویل بمعنی عاقبت ہے، وجہ یہ ہے کہ عواقب امور وہ حقائق ہیں جس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ تاویل کے معنی تفسیر بھی اسی لیے ہیں کہ تفسیر کلام سے اس معنی وحقیقت کا جو مراد قائل ہو بیان ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس معنی کے اعتبار سے لفظ اول بنا ہے، کیونکہ اعداد کی اصل اور بنیاد جس پر فرع نکلتی ہے، پہلا عدد ہوتا ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے آل کے معنی نفس شخص ہیں۔

اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ اہل عرب لفظ آل کو اضافت کے ساتھ بالالتزام استعمال کرتے ہیں۔ بجز شاذ ونادر اور یہ بھی التزام ہے کہ اسے ظاہر کی طرف مضاف کرتے ہیں اور مضمر کی طرف (بجز قلیل) نہیں، گو ابن مالک وغیرہ بعض نحویوں نے مضمر کی طرف اضافت کا ہونا جائز بتلایا ہے۔

بعض نحویوں کا یہ بھی خیال ہے جیسا کہ اکثر اقوال سے واضح ہے کہ یہ لفظ ذوی العقول کی طرف ہی مضاف کیا جاتا ہے۔ مگر ایک شاعر کے کلام میں آل اعوجا بھی واقع ہوا ہے۔ اعوج گھوڑے کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس لفظ کے احکام میں سے یہ ہے کہ اس کی اضافت ہمیشہ جلیل القدر صاحب شان شخص کی جانب ہوتی ہے، یعنی ال حائک، ال الحجام یا ال رجل کوئی نہیں بولتا۔ حائک بمعنی جولاہا۔ حجام پچھنا یا سنگی لگانے والا۔

اب ہم اس کے معنی لکھتے ہیں: آل الرجل کے معنی ہیں خود اس کی ذات اور جو اس کا اتباع کرے اور اس کے اہل واقارب ہوں۔ پہلے معنی کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ابواوفی کے حق میں جب وہ صدقہ لے کر آئے تھے۔ اللهم صل على ال ابى اوفى ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: سلام على ال ياسين ۔ اور رسول خدا ﷺ کا ارشاد كما صليت

علی ال ابراھیم ہے۔ آل ابراہیم سے مراد خود حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ پر جو درود مطلوب ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سا ہے، رہی ان کی آل وہ ان کی تبعیت میں ہے۔

ایک گروہ ان کے برخلاف ہے، وہ کہتا ہے کہ آل کے معنی صرف اتباع واقارب ہیں جو اور دلائل تم نے بیان کیے ہیں ان میں سے بھی اتباع اور اقارب ہی مراد ہیں۔ چنانچہ کما صلیت علی ال ابراھیم سے مقصود یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر اس قدر درود بھیجا جائے جس قدر حضرت خلیل کے گھرانے کے کل انبیاء پر بھیجا جاتا ہے، نہ یہ کہ حضرت ابراہیم اکیلوں کے برابر۔ چنانچہ اس کی تصریح کما صلیت علی ابراھیم و علی ا ابراھیم سے جو دوسری روایت میں ہے بخوبی ہوتی ہے۔

الیاسین کی تحقیق:

رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد: **سلام علی الیاسین** اس میں دو قراءتیں ہیں، ایک الیاسین اسماعیل کے وزن پر اور اس کی دو صورتیں ہیں:

1۔ الیاس اور الیاسین دونوں نام ہیں، جیسے میکال و میکائیل۔

2۔ الیاسین جمع ہے الیاس کی۔ دراصل الیاسین عبرانی میں دو یا کے ساتھ تھا تخفیف کر کے الیاسین بنایا گیا اور اس سے مراد اتباع ہے۔ سیبویہ کا یہی قول ہے کہ اس کی مثل اعجمون میں ہے یا یوں کہو کہ الیاس کی جمع محذوف الیاء ہے۔

قرأت دوم: سلام علیٰ ال یاسین ہے اور اس کی چند وجوہ ہیں:

1۔ یاسین ان کے باپ کا نام ہے، اس کی طرف منسوب کیے گئے جیسے آل ابراہیم۔

2۔ آل یاسین سے مراد خود الیاس ہیں۔ لفظ آل یہاں یاسین کی طرف اس طرح مضاف ہے جس کی بابت اوپر اقوال درج ہو چکے ہیں۔

3۔ یاء نسبت اس میں حذف ہے، اصل میں آل یاسین تھا، آل سے مراد اتباع و دیندار ہیں۔

4۔ یاسین قرآن ہے اور آل یاسین اہل قرآن ہیں۔

5۔ یاسین نبی اکرم ﷺ ہیں اور الیاسین آپ کی آل واقارب واتباع ہیں۔

یہ سب اقوال جیسا کہ آگے چل کر ذکر ہوگا ضعیف ہیں، وجہ یہ ہوئی کہ لوگوں کو لفظ آل کی اضافت میں مشکلیں پڑیں، جو قرآن مجید میں فصل کے ساتھ لکھا ہوا تھا اور جسے بعض قاریوں نے آل یاسین پڑھا تھا، ان کا تو نام ہی الیاس اور الیاسین ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام یسین، یاسین، الیاسین تھا۔ بعض کا قول ہے کہ یٰسین یا کسی اور کا نام ہے۔ پھر اختلاف ہے کہ وہ کون ہیں۔ کلبی تو کہتے ہیں کہ یٰسین نبی اکرم ﷺ کا نام ہے اور بعض نے کہا: قرآن مجید ہے، مگر یہ سب پیچیدگیاں ہیں جن کی کچھ ضرورت نہیں۔ میرے نزدیک تو اصل میں آل یاسین ال ابراہیم کے قیاس پر تھا تو الف ولام کو اول سے اس لیے حذف کر دیا کہ امثال (یعنی الیاسین کے لفظ میں الف ولام کا ہونا) موجود تھے اور خود اسم موضع حذف پر دلالت کرتا تھا۔ اس کی نظائر کلام عرب میں بہت ملتی ہیں، مثلاً: جب ایک جیسے ہی حروف اکٹھے ہو جاتے ہیں تو سب حروف کو نہیں بولا کرتے۔ غرض جس کے حذف میں کچھ ڈر نہیں سمجھتے اسے حذف کر دیا کرتے ہیں۔ گو اسی لفظ میں ایسے مقام پر جہاں امثال جمع نہ ہوں حذف کو ترک بھی کر دیتے ہیں۔ مثلاً: انی، کانی، لکنی کا نون حذف کر دیتے ہیں اور لیتنی کا نہیں اور لعل میں چونکہ ن، ل کا مشابہ تھا اس لیے اس کے ساتھ ن کو حذف کر دیا۔ اور عرب کی یہ عادت عجمی ناموں کے استعمال اور ان میں تغیر

کرنے کے وقت تو خصوصاً پائی جاتی ہے' بس وہ کبھی تو الیاس' کبھی الیاسین اور کبھی یاسین کبھی یاس کہا کرتے ہیں۔ دونوں قرأتوں میں سے ایک قرأت میں تو سلام صرف ان پر واقع ہوگا اور دوسری قرأت میں ان پر اور ان کی آل پر۔

ہر دو اقوال کے قائلین میں بھی یہی فیصلہ ہے کہ جب مفرد لفظ آل استعمال کیا جائے تو مضاف الیہ اسی میں داخل ہوتا ہے۔ اس کی نظائر **ادخلوا ال فرعون اشد العذاب** اور **صل علی ال ابی اوفی** اور **کما صلیت علی ال ابراھیم** کہ آل فرعون اور آل ابی اوفی میں ابو اوفی رضی اللہ عنہ اور آل ابراہیم میں خود ابراہیم علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اب لفظ کے مفرد و مقرون مستعمل ہونے کا فرق معلوم ہوگیا اور ظاہر ہوگیا کہ ایک ہی لفظ کی دلالت مجرد اور مقرون استعمال سے مختلف ہو جاتی ہے' مثلاً: فقیر و مسکین جب دونوں ایک جگہ ہوں، تب دو قسمیں سمجھی جائیں گی اور جب جدا جدا ہوں تب ایک' یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ میں دونوں قسمیں مراد اور کفارات میں ایک۔ ایمان و اسلام' بر و تقویٰ' فحش و منکر' فسوق و عصیان وغیرہ وغیرہ بھی ایسے ہی الفاظ ہیں اور ایسی نظائر خصوصاً قرآن مجید میں بہت ہیں۔

آل محمد ﷺ کی تحقیق:

نبی کریم ﷺ کے آل کے بارے میں اختلاف ہے اور اس میں چار اقوال ہیں۔

قول اوّل: آل محمد وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

(الف): یہ بنو ہاشم و بنو مطلب ہیں۔ یہ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

(ب): یہ خصوصاً بنی ہاشم ہیں۔ یہ مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اور اسی کو ابن القاسم صاحب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔

(ج): یہ بنی ہاشم ہیں اور ان سے اوپر نسل والے غالب تک' پس اس میں بنو مطلب بنی امیہ بنی نوفل وغیرہ' غرض بنی غالب تک سب داخل ہیں۔ یہ مذہب اشہب کا ہے جو کہ امام مالک کے اصحاب میں سے ہیں، جیسا کہ صاحب جواہر نے بیان کیا ہے اور لخمی نے تبصرہ میں اس کو اصبغ کا مذہب بیان کیا ہے۔ اشہب سے روایت نہیں کیا۔

رہے آل کے مذکورہ بالا معنی کہ یہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، یہ امام احمد و شافعی رحمۃ اللہ علیہما اور اکثر علماء سے تحقیق کیے گئے اور ثابت ہیں اور جمہور اصحاب احمد و شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔

قول دوم: نبی اکرم ﷺ کی آل خصوصیت سے حضور کی ذریت و ازواج ہیں۔ اس کو ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے تمہید میں بیان کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نعیم مجمر وغیرہ کی حدیث میں تو **اللھم صل علی محمد و علی ال محمد** آیا ہے اور ابو حمید ساعدی کی حدیث میں **اللھم صل علی محمد وازواجه وذریاته** وارد ہوا ہے' تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر کرتی ہے اور بتلاتی ہے کہ آل محمد سے مراد ازواج و ذریت ہیں' ان کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج و ذریت میں سے ہر ایک کو روبرو تو **صلی اللہ علیك** اور پس پشت ذکر آنے پر **صلی اللہ علیه** کہنا جائز ہے لیکن ان کے سوا اور کوئی نہیں' ان کا قول ہے کہ آل و اہل برابر ہیں اور اس حدیث سے ان کا تعین ہو چکا کہ ازواج و ذریت ہیں۔

قول سوم: نبی اکرم ﷺ کی آل آپ کے اتباع ہیں' قیامت تک۔ اس قول کو ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے

بعض اہل علم سے بیان کیا ہے اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول بتلایا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان ہی سے روایت کیا ہے اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی۔

اسی کو امام شافعی کے بعض اصحاب نے اختیار اور طبری نے تعلیق میں بیان کیا اور اسی کو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ترجیح دی اور ازہری نے اس کو پسند کیا ہے۔

قول چہارم: نبی اکرم ﷺ کی امت محمدیہ کے متقی لوگ ہیں۔ اس کو قاضی حسین اور راغب' نیز ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

اب ہم ان اقوال کے حج و دلائل بیان کرتے اور صحیح وضعیف دکھلاتے ہیں۔

قول اوّل کے دلائل اور ان کی جانچ پرکھ: آل وہ ہے جن پر صدقہ حرام ہے (گو تعین اشخاص میں اختلاف ہے) اس کی حجت کی چند وجوہات ہیں:

1۔ حدیث حضرت ابوہریرہ جسے صحیح میں امام بخاری نے روایت کیا ہے' اس میں رسول اللہ ﷺ کے پاس صدقہ کی کھجوروں کے آنے' حضرت حسین کا ان کے ساتھ کھیلنے' حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ایک کھجور کا منہ میں ڈالنے' نبی کریم ﷺ کی نظر ان پر جا پڑنے اور منہ میں انگلی ڈال کر نکال دینے کا ذکر ہے۔ جس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اماعلمت ان ال محمد لایاکلون الصدقة))

''کیا تجھے خبر نہیں کہ آل محمد صدقہ نہیں کھاتی۔''

مسلم کی روایت میں ہے:

((انا لاتحل لنا الصدقة))

''ہم کو صدقہ حلال نہیں۔''

2۔ صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ خطبہ کہنے کو خم کے پانی پر جو مکہ و مدینہ کے درمیان ہے کھڑے ہوئے' آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور ذکر و وعظ فرمایا اور پھر کہا:

''لوگو! میں ایک بشر ہوں' قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد (ملک الموت) میرے پاس آ پہنچے' میں تمہارے درمیان دو بڑی چیزیں چھوڑتا ہوں' اوّل اللہ عزّ وجل کی کتاب ہے جس میں نور و ہدایت ہے۔ کتاب اللہ کو پکڑ لو اور اسی پر چنگل مارے رہو۔''

پھر فرمایا:

''اور میری اہل بیت' میں تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے بارے میں۔''

حصین بن سبرہ نے (راوی حدیث صحابی سے) پوچھا: اے زید! نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت نہیں؟ کہا: ہاں! ازواج کیوں نہیں مگر رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ پوچھا: وہ کون ہیں؟ کہا وہ آل علی و آل عقیل و آل جعفر و آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ پوچھا: کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ کہا: ہاں۔

((لانورث ماتر کنا صدقة انما یاکل اٰل محمد من هذا المال یعنی مال اللّٰہ لیس لهم ان یریدوا علی الماکل))

''ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہمارا سب ترکہ صدقہ ہے۔ آل محمد اس مال یعنی اللہ کے دیئے ہوئے مال فیٔ میں سے کھاتے ہیں۔ ان کا خوراک سے زیادہ اس میں حق نہیں۔''

اس سے ثابت ہوا کہ آل محمد ﷺ کے چند خواص ہیں:

☆ صدقہ سے محرومی۔

☆ ورثہ نہ ملنا۔

☆ خمس الخمس کا استحقاق۔

☆ درود میں اختصاص۔

اور ظاہر ہے کہ خصوصیات بالا نبی کریم ﷺ کے چند اقارب میں ہی پائی جاتی ہیں۔ پس درود بر آل کا بھی یہی حال ہوگا۔

4۔ صحیح مسلم میں ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس کی درخواست برائے عامل (تحصیل داری آمدنی زکوٰۃ) کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((انما هی اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولالاٰل محمد))

''یہ صدقات تو لوگوں کی میل کچیل ہے اور یہ نہ محمد ﷺ پر حلال ہیں نہ آل محمد ﷺ پر۔''

5۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، جس میں ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دنبہ کو ذبح کرتے وقت فرمایا:

((اللهم تقبل من محمد ومن اٰل محمد ومن اُمة محمد))

''یا اللہ! اسے میری اور میری آل اور میری امت کی جانب سے قبول فرما۔''

چونکہ عطف مغائرت کو ظاہر کرتا ہے اور امت بہ نسبت آل کے عام تر ہے' اس لیے ہمارا مدعا نکل آیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے آل کی جو تفسیر خود فرمادی ہے، وہ اولیٰ تر ہے۔

قول دوم کے دلائل اور ان کی جانچ پرکھ: آل محمد ﷺ خصوصیت سے آپ کی ذریت وازواج ہیں' اس کی ایک دلیل تو وہی ہے جو ابن عبدالبر نے تحریر کی ہے کہ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں **اللهم صل علی محمد وعلی ازواجه وذریته** اور دیگر احادیث میں **اللهم صل علی محمد وعلی اٰل محمد** ہے۔ گویا ایک کی تفسیر دوسرے میں ہے۔

2۔ صحیحین کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے:

((اللهم اجعل رزق اٰل محمد قوتا))

''الٰہی! آل محمد کو صرف بقدر خوراک روزی دے۔''

ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی یہ دعائے مستجاب تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب پر صادق نہیں آسکی کیونکہ ان میں اس

وقت بھی اغنیاء اور صاحب وسعت تھے اور اب بھی ہیں۔ مگر ازواج وذریت پر یہ دعا درست آسکتی ہے کیونکہ عہد نبوی میں ان کا رزق بقدر قوت تھا اور بعد وفات بھی ازواج کا یہ حال تھا کہ اگر مال آجاتا تو بقدر قوت رکھ کر صدقہ کر دیتیں۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بہت سا مال آیا اور انہوں نے وہیں بیٹھے ہوئے تقسیم کر دیا۔ لونڈی بولی: اگر آپ اس میں سے ایک درہم رکھ لیتیں تو ہم اس کا گوشت ہی خرید کر لیتے۔ فرمایا' تو یاد دلا دیتی تو میں رکھ لیتی۔

3۔ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

((ماشبع ال محمد صلی اللہ علیہ وسلم من خبز بر مادوم ثلاثة ایام حتی لحق باللہ عزوجل))

"کبھی تین دن برابر آل محمد نے گندم کی روٹی سالن کے ساتھ سیر ہو کر نہیں کھائی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کو جا ملے۔"

یہ لوگ کہتے ہیں' ظاہر ہے کہ آل عباس و بنو مطلب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لفظ اور ارادہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

4۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ازواج عموماً آل میں داخل ہوتے ہیں اور ازواج نبی اکرم ﷺ تو خصوصیت سے ضرور ہے کیونکہ ان کو نسب میں بھی مشابہت ہے۔ یعنی جو اتصال ان کو نبی اکرم ﷺ سے حاصل ہے وہ ٹوٹنے والا نہیں' بے شک وہ دنیا و آخرت میں آپ کی ازواج اور آپ کی حیات و ممات میں سب پر حرام ہیں۔ غرض ان کو علاقہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہے۔ وہ نسب کا قائم مقام ہے دیکھو ازواج پر درود کی نص نبی کریم ﷺ نے خود فرما دی ہے اسی لیے صحیح قول (جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا منصوص ہے) یہ ہے کہ صدقہ ان پر حرام ہے کیونکہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس درگارہ عالی جاہ کو نیز آپ کی آل کو سب میل کچیل سے پاک صاف رکھا ہے۔

جو شخص **اللھم اجعل رزق ال محمد قوتا** میں ازواج کو داخل مانتا ہے اور قربانی کی دعا عن **محمد وال محمد** میں ان کو شامل سمجھتا ہے اور قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا **ماشبع ال محمد** الخ کا مصداق بھی ازواج کو جانتا ہے اور **صل علی محمد وعلی ال محمد** میں بھی ان کو داخل سمجھتا ہے' اس پر نہایت ہی تعجب ہے کہ وہ **لاتحل لمحمد ولاال محمد** میں ازواج کو شامل نہیں سمجھتا' حالانکہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے اور ازواج کا اس سے محفوظ و دور ہونا زیادہ ضروری ہے۔

اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر صدقہ ازواج پر حرام سمجھا جائے' تب ان کی لونڈی' غلام پر بھی حرام ہوگا جیسا کہ بنو ہاشم پر حرام ہونے سے ان کی لونڈی غلام پر بھی حرام ہے' مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی بریرہ کو صدقہ کا گوشت ملا اور اس نے کھا لیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے حرام نہیں بتلایا۔

جواب یہ ہے کہ یہ قصہ شبہ میں ڈالنے والا ہے اس شخص کے لیے جو ازواج مطہرات کے واسطے صدقہ حرام نہیں بلکہ ان کے لیے کہ نبی اکرم ﷺ سے متصل ہونے سے پیشتر ان پر حرام نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس تحریم میں ازواج مطہرات بمنزلہ فرع ہیں اور لونڈی غلام کی تحریم بھی آقا کی تحریم کی فرع ہے' چونکہ بنی ہاشم پر دراصل صدقہ حرام تھا اس لیے ان کی

لونڈی غلام پر بھی حرام ہوا جو ان کی تبعیت میں تھے' رہی ازواج' خود ان کی حرمت تبعیت میں تھی اس لیے ان کے لونڈی غلاموں پر جو فرع کے آگے فرع تھے حرمت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((ینسآء النبی من یات منکن بفاحشة مبنیة یضعف لها العذاب ضعفین و کان ذلك علی اللہ یسیرا ومن یقنت منکن للہ ورسوله وتعمل صلحا نوتها اجرها مرتین واعتدنا لها رزقا کریما۔ ینساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولا معروفا۔ وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولیٰ واقمن الصلوٰة وء اتین الزکوٰة واطعن اللہ ورسوله انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا۔ واذکرن مایتلی فی بیوتکن من ایت اللہ والحکمة))

(سورۃ الاحزاب: 33/30-34)

''اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کسی صریح فحش حرکت کا ارتکاب کرے گی اسے دہرا عذاب دیا جائے گا' اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بہت آسان کام ہے۔ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے اور ہم نے اس کے لیے رزق کریم مہیا کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے' بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اپنے گھروں میں جمی رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاؤ۔ نماز قائم کرو' زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبی سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔ یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔''

دیکھو اس تمام خطاب میں جو انہی کے ذکر میں ہے' ان کو اہل البیت میں داخل کیا' اب احکام اہل بیت میں سے کسی بات میں بھی ان کو خارج نہیں کر سکتے۔

قول سوم کے دلائل اور ان کی جانچ پرکھ: نبی اکرم ﷺ کی آل آپ ﷺ کے اتباع وامت تا قیامت ہے۔ اس پر حجت یہ ہے کہ معظم' متبوع شخص کی آل وہ کہلاتی ہے جو اس کے طریق و دین پر ہو۔ قریب ہو یا بعید۔ ان کا قول ہے کہ اس لفظ کا اشتقاق اس معنی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ آل یوول سے ہے جس کے معنی رجوع ہیں اور ظاہر ہے کہ اتباع کو اپنے متبوع کی جانب رجوع ہوتا ہے' کیونکہ وہ امام وموئل ہے۔ چنانچہ **الا ال لوط نجینا هم بسحر** میں یہی معنی مراد ہیں۔ اسی قول کی دلیل حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے' جسے بیہقی نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور اپنی رانوں پر بٹھالیا' پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر کو اپنی گود سے قریب کیا اور ان پر کپڑا ڈال کر فرمایا:

((اللهم هولاء اهلی))

''الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں۔''

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں بھی آپ کا اہل بیت ہوں۔ فرمایا:

((وانت من اهلى))

''ہاں تو بھی تو میری اہل بیت میں سے ہے۔''

یہ کہتے ہیں کہ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نسب میں تو بنی لیث میں سے تھے، لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ اتباع نبوی میں تھے۔

قول چہارم کے دلائل اور ان کی جانچ پرکھ: آل محمد آپ کی امت کے متقی اور پرہیز گار لوگ ہیں۔ اس کی حجت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آل محمد کون ہیں۔ فرمایا:

((كل تقى))

''یعنی ہر ایک متقی۔''

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

((ان اولياء الا المتقون))

''اس کے جائز متولی تو اہل تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں۔'' (سورۃ الانفال: 34/8)

طبرانی کہتے ہیں کہ یحییٰ سے صرف نوح روایت کرتا ہے اور اس سے روایت کرنے میں نعیم اکیلا ہے۔ بیہقی نے اس کو نافع ابو ہرمز سے روایت کیا ہے مگر اس نافع اور نوح سے کسی اہل علم نے حجت نہیں پکڑی بلکہ کذب سے منسوب کیا ہے۔

قول بالا کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

((انه ليس من اهلك انه عمل غير صالح))

کو بھی پیش کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی وجہ سے فرزند نوح علیہ السلام کو اہل نوح سے خارج کر دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی آل آپ کے اتباع وفرمانبردار ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب خوب دیا ہے کہ لیس من اهلك سے مراد یہ ہے کہ جس اہل کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم اور نجات دینے کا وعدہ ہوا ہے، یہ اس میں سے نہیں۔ چنانچہ آیت بالا سے پہلے یوں ہے:

((احمل فيها من كل زوجين اثنين واهلك الا من سبق عليه القول))

''اے نوح! کشتی میں ہر جنس کے جوڑے سوار کیجئے اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کیجئے مگر ان کو نہیں جن کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جن کی نجات کا ذمہ لیا گیا تھا یہ ان میں سے نہ تھا (نہ یہ کہ اہل میں سے ہی نہ تھا)۔

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کی صحت پر آیت کا سیاق بھی دلالت کرتا ہے، کیونکہ من سبق علیہ القول کے ساتھ ہی ومن امن بھی ہے۔ گویا مومنین اور حضرت نوح کی اہل کو جدا جدا کر دیا ہے۔ مومنین اور اہل اور کل زوجین یہ سب حمل کے مفعول ہیں۔

قول چہارم کی حجت حدیث واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ واثلہ کی تخصیص ان کو تعیم امت کی بہ نسبت قریب تر ثابت کر رہی ہے اور ان کا اہل کے اندر ہونا بتلا رہا ہے کہ جو شخص اس اسم کا مستحق ہو سکتا ہے وہی اہل

بیت بھی ہے۔ چاروں اقوال کے دلائل یہی ہیں جو بیان ہو چکے۔

ان میں صحیح قول تو پہلا ہے اور پھر اس کے قریب قریب دوسرا۔ یہ تیسرا اور چوتھا قول ضعیف ہیں، کیونکہ اس شبہ کو رسول اللہ ﷺ نے ان احادیث میں کہ صدقہ محمد اور آل محمد پر حلال نہیں اور آل محمد مال فیٔ میں سے خوراک لیتی رہے اور ''الٰہی آل محمد کو رزق بقدر خوراک عطا فرما'' سے اٹھا دیا ہے۔ ان احادیث کے مضمون کو ملحوظ رکھ کر معلوم ہو جائے گا کہ آل محمد سے مراد عموم امت کو سمجھنا قطعاً جائز نہیں' اس لیے بہتر یہی ہے کہ درود میں بھی آل سے مراد وہی ہوں جو نبی اکرم ﷺ کے دیگر ارشادات میں اس لفظ سے مراد ہیں' ان سے انکار کرنا جائز نہیں۔ رہا یہ امر کہ ازواج وذریت کی تخصیص ہو چکی ہے' اس سے ازواج وذریت کی خصوصیت آل ہونے کی ثابت نہیں ہوتی' بلکہ عدم تخصیص ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے:

((اللهم صل على محمد النبى وازواجه امهات المومنين و ذريته اهل بيته كما صليت على ابراهيم))

''یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد اور اہل بیت پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی۔''

دیکھو اس روایت میں ازواج وذریت اور اہل بیت ایک جگہ جمع کیے گئے ہیں اور اس تعین سے تخصیص فرما دی ہے کہ یہ سب آل میں داخل ہونے کے حق دار ہیں اس سے خارج نہیں، بلکہ اس لفظ کے اندر داخل ہونے والوں میں مستحق تر ہیں' اس حدیث میں گویا خاص کا عطف عام پر ہے۔ جیسا کہ خاص کا عام پر یا عام کا خاص پر عطف ہوا کرتا ہے اور اس سے غرض شرف خاص کو جتلا دینا اور نوع کے اندر جو خصوصیت اسے حاصل ہے اسے ظاہر کر دینا ہوتا ہے' اس لیے کہ افراد نوع میں سے اس کا مستحق تر ہونا واضح ہو جائے۔ واضح ہو کہ خاص وعام کے لیے لوگوں کے دو طریق ہیں:

1۔ خاص کا ذکر عام سے پہلے یا پیچھے ہونا ایک قرینہ ہے جو دلالت کرتا ہے کہ عام سے مراد ماسوائے خاص ہیں۔

2۔ خاص کا ذکر عام کے ساتھ ہونا بتلا رہا ہے کہ خاص کا ذکر دو دفعہ ہوا ہے' ایک دفعہ خصوصیت سے اور دوسری دفعہ عام کی شمولیت میں تاکہ خاص کے مزید شرف پر آگاہی ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((واذ اخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح وابراهيم وموسىٰ وعيسىٰ ابن مريم))

(سورة الاحزاب:7/33)

''اور (اے نبی!) یاد رکھو اس عہد و پیمان کو جو ہم نے سب پیغمبروں سے لیا ہے' تم سے بھی اور نوح' ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے بھی۔''

اس میں فرما کر پھر اولوالعزم رسول شمار کر دیئے، فرمایا:

((من كان عدواً لله وملئكته ورسله وجبريل وميكل فان الله عدو للكفرين))

(سورة البقرة:98/2)

''اگر جبریل سے ان کی عداوت کا یہی سبب ہے' تو کہہ دو جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کے دشمن ہیں' اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔''

اس میں ملائکہ کہہ کر پھر جبریل و میکائیل کا نام لے دیا۔ واضح ہو کہ درود نبی ﷺ اور آل نبی کا ایک حق ہے جو امت میں سے اور کسی کا حق نہیں ہو سکتا، اس لیے رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب ہے (گو آل کی تعیین میں اختلاف ہو) اور جس کے نزدیک واجب نہیں وہ مستحب کہتا ہے۔ بہر حال دیگر مومنین کے لیے درود کا پڑھنا یا تو یہ شخص مکروہ سمجھتا یا مستحب نہ جانتا یا جائز نہ سمجھتا ہوگا، لیکن جو شخص آل نبی کو درود کے بارے میں تمام امت کی مثال سمجھتا ہے وہ نہایت ہی بعید فاصلہ پر ہٹا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیکھو کہ نبی کریم ﷺ نے تشہد (آخر) میں سلام اور صلوٰۃ مشروع کئے ہیں۔ نماز پڑھنے والا تو پہلے ہی نبی اکرم ﷺ پر، پھر اپنے نفس پر، پھر تمام صالح بندوں کو جو زمین و آسمان میں ہیں سلام کر چکا۔ رہا درود تو وہ مشروع ہے خاص نبی کریم ﷺ اور آل کے لیے، اس سے ثابت ہو گیا کہ آل نبی کریم ﷺ کے اہل و اقارب ہی ہیں۔

اب یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو درود کا حکم دیا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے بہت سے حقوق اور خصوصیات کے ذکر کے بعد دیا ہے، مثلاً: جو عورت اپنا نفس نبی کریم ﷺ کے لیے ہبہ کر دے اس کا حلال ہونا، ازواج مطہرات کا امت کے لیے حرام ہونا وغیرہ وغیرہ۔

نبی کریم ﷺ کے حقوق و تعظیم اور توقیر و تجیل کا بیان فرما کر اور ازواج النبی ﷺ کے متعلق احکام دے کر پھر اس حق خاص کا بیان فرمایا ہے جو حقوق مصطفوی ﷺ میں سب سے زیادہ موکد و محکم ہے، یعنی نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کا بھیجنا۔ پھر اس حق و ذکر کو شروع بھی کیا تو اس طرح پر کہ خود اللہ تعالیٰ اور فرشتگان نورانی درود خوانی کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے:

((اللهم صل علی محمد وعلی ال محمد))

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آل پر صلوٰۃ کا بھیجنا صلوٰۃ کا کمال ہے، نیز نبی اکرم ﷺ کی صلوٰۃ کے تابع ہے، کیونکہ اس سے نبی کریم ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور شرف و علو مزید ہوتا ہے۔

صلی اللہ علیہ و الہ وسلم تسلیماً کثیراً

جو لوگ متقین امت کو آل محمد ﷺ بتلاتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ متقی لوگ تو اولیاء نبی ﷺ ہیں، جو متقی ہوگا وہ اولیاء نبی ﷺ میں سے ہوگا نہ کہ آل میں سے ہو سکتا ہے کہ:

1۔ ایک شخص اولیاء نبی میں سے بھی ہو اور آل میں سے بھی۔ جیسے اہل بیت آل مصطفیٰ اور خاندان نبوت کے مومنین ہیں۔
2۔ وہ نہ نبی ﷺ کی آل میں سے ہو نہ اولیاء میں سے۔
3۔ آل میں سے نہ ہو اور اولیاء میں سے ہو۔ جیسا کہ علم نبوت کے وارث سنت کی طرف بلانے والے، اسلام اور رسول پاک سے اعتراضات اٹھا دینے والے، دین کی نصرت و تائید کرنے والے ہیں۔

چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان ال ابی فلان لیسوا لی باولیاء ان اولیائی المتقون این کانوا ومن کانوا))

"میرے دوست فلاں شخص کی آل نہیں۔ میرے دوست تو متقی لوگ ہیں۔ خواہ وہ کہیں ہوں اور کوئی ہوں۔"

مطلب یہ ہے کہ متقی لوگ نبی کریم ﷺ کے اولیاء ہیں۔ اولیاء آپ کو آل سے زیادہ محبوب ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:

((ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما و ان تظھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ و جبریل وصلح المومنین و الملئکۃ بعد ذلک ظھیر)) (سورۃ التحریم 4/66)

''اگر تم دونوں اللہ کے آگے توبہ کرو (تو بہتر ہے کیونکہ) تمہارے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر تم نے نبی کے مقابلے میں جتھہ بندی کی تو جان لو کہ اللہ اس کا مولیٰ ہے اور اس کے بعد جبرئیل' تمام صالح اہل ایمان' سب ملائکہ اس کے ساتھی اور مددگار ہیں۔''

نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سے محبوب تر آپ کو کون ہے۔؟ فرمایا: عائشہ۔ عرض کی گئی: مردوں میں سے ۔؟ فرمایا: عائشہ کے والد، ابوبکر۔ (متفق علیہ)

مطلب اس سے یہ ہے کہ متقین اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین اٰمنوا و کانوا یتقون)). (سورۃ یونس:10/62-63)

''سنو! جو اللہ کے دوست ہیں' جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا' ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔''

یہ ظاہر ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں وہی رسول کریم ﷺ کے اولیاء ہیں۔

جس شخص کا یہ گمان ہے کہ آل اتباع کو ہی کہتے ہیں اس سے عرض کیا جائے گا کہ ہاں' اتباع پر لفظ آل کا اطلاق بعض مواضع میں ہوا ہے مگر قرینہ کے ساتھ، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں کہیں لفظ آل وارد ہوا ہے اس سے مراد اتباع ہی ہے۔ جیسا کہ نصوص بالا سے ثابت کیا گیا ہے۔

لفظ ذریت کی تحقیق:

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اور پہلے مسئلہ میں لفظ کی بحث ہے، اس میں تین اقوال ہیں:

1: ذریت لفظ ذرا اللہ الخلق سے ہے، جس کے معنی ہیں: ''اللہ نے خلقت کو پھیلایا'' اور ظاہر کیا۔ ہمزہ کو ثقیل سمجھ کر گرا دیا۔ پس اس کی اصل ذراہ فعلہ کے وزن پر ہے۔ ذرء سے یہ قول تو صاحب صحاح وغیرہ کا مختار ہے۔

2: اس کی اصل ذر ہے، جو ''چھوٹی چیونٹی'' کو کہتے ہیں۔ پس یہ ذریۃ تھا۔ تغیر نسب کے طور پر ضمہ پہلے کر دیا اور ہمزہ پیچھے مگر یہ قول چند وجوہات کی بناء پر ضعیف ہے۔

(الف): باب نسب کی مخالفت ہے۔

(ب): حرف ''را'' کا ''یا'' سے بدل خلاف قیاس ہے۔

(ج): ذریت اور ذر کا مفہوم ایک دوسرے سے جدا ہے۔

(س): ذر تو مضاعف سے ہے اور ذریۃ معتل یا مہموز۔ اس لئے یہ اور ہے وہ اور۔

3: ذریت: ذرا یذرو سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((فتذروہ ایریاح))
گویا دراصل یہ ذرو سے ذریوہ فعیلة کے وزن پر تھا۔ حرف واؤ کو یاء سے بدل دیا، کیونکہ یاء ماقبل ساکن موجود تھی۔
میرے نزدیک پہلا قول صحیح ہے، کیونکہ اشتقاق اور معنی اسی کی شہادت دیتے ہیں۔ بے شک اس کا مادہ ذرء ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
((جعل لکم من انفسکم ازوجاً ومن الآنعام ازوجاً یذرؤکم فیه))
(سورۃ الشوریٰ:۴۲/۱۱)
''جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کئے اور اسی طرح جانوروں میں بھی (انہی کے ہم جنس) جوڑے بنائے اور اسی طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے۔''
نیز فرمایا:
((وماذرأنا لجھنم کثیراً من الجن والانس))(سورۃ النحل:۷/۱۷۹)
''اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔''
نیز فرمایا:
((وماذرأ لکم فی الأرض مختلفاً ألونه))(سورۃ النحل:۱۶/۱۳)
''اور یہ بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں۔''
ذریت بمعنی مفعول یعنی مذرورۃ ہے، ہمزہ کے بدل جانے سے ذریت بن گیا ہے۔
معنی ذریت کی تحقیق: دوسرا مسئلہ اس لفظ کے معنی کا ہے۔ اہل لغت کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ اختلاف نہیں کہ ذریت اولادِ صغار وکبار کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:
((انی جاعلك للناس اماماً قال ومن ذریتی))(سورۃ البقرۃ ۲/۱۲۴)
''اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ اللہ میری اولاد میں سے بھی پیشوا بنانا۔''
((ان اللہ اصطفی ادم و نوحاً و ابراھیم و ال عمران علی العلمین ذریة بعضھا من بعض))(سورۃ آل عمران:۳/۳۳-۳۴)
''اللہ تعالیٰ نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران (علیہم السلام) کو تمام جہانوں کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔ ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے۔''
((ومن ابآئھم وذریتھم و اخوانھم))(سورۃ الانعام:۶/۸۷)
''اور بعض بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی۔''
رہا یہ کہ ذریت آباء کو بھی کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں:
1: کہا جا سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے:

((و ایة لهم أنا حملنا ذریتهم فی الفلك المشحون))(سورۃ یٰسین:۳۶/۴۱)

’’اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔‘‘

2: اہل لغت کی ایک جماعت نے اس سے انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ لغت میں یہ معنی جائز نہیں، کیونکہ ذریت تو الفاظ نسل وعقب کی مثل ہے، اس لئے یہ عمود اسفل (نچلے درجے) کے لئے ہی ہوسکتا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ومن ابائهم و ذریاتهم و اخوانهم فرمایا ہے اور نسب کی تین جہات اوپر نیچے، اطراف بیان کردی ہیں۔

جس آیت سے قول اول میں دلیل پکڑی گئی ہے، وہ مدعا کے لحاظ سے ٹھیک نہیں، کیونکہ اس میں کسی طرح بھی ذریت کو اولاد کی جانب مضاف نہیں کیا گیا اور اضافت کا یہ حال ہے کہ ادنیٰ تعلق اور خصوصیت سے بھی کی جاتی ہے۔

اسم کا یہ حال ہے کہ مختلف وجوہ سے دو جداگانہ اشیاء کی طرف مضاف ہوتا ہے، ایک جانب اور جہت اضافت ہوتی ہے اور دوسرے کی جانب جہت اضافت اور جناب ابو طالب عم رسول اللہ ﷺ کا شعر ہے:

لقد علموا ان ابننا لا مكذب　　　لدینا و لا یعزی لقول الاباطل

اس میں انہوں نے نبی ﷺ کو اپنا فرزند کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرزند ابو طالب ہونا اور جہت سے ہے اور ابن عبد اللہ ہونا اور جہت سے۔ علیٰ ہذا لفظ رسول کو دیکھو اسے کبھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب مضاف کیا ہے:

((قد جآء کم رسولنا))

’’تمہارے پاس ہمارا رسول آیا۔‘‘ (سورۃ المائدۃ:/۱۵)

اور کبھی امت کی طرف:

((أام لم یعرفو رسولهم))

’’کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا۔‘‘ (سورۃ المومنون:۲۳/۶۹)

پہلی آیت میں مرسل کی طرف اضافت ہے اور دوسری میں مرسل الیہم کی جانب۔ علی ہذا لفظ کتاب کبھی اسے کتاب اللہ کہا جاتا ہے اور کبھی بندے یوں کہتے ہیں کہ ہماری کتاب قرآن ہے، ہماری کتاب سب کتابوں سے بہتر ہے۔ ایسی ہی اور بہت سی نظائر ہیں۔

پس (انا حملنا ذریتهم) میں لفظ ذریت اور جہت سے ان کی طرف مضاف کیا گیا اور آباء کی جانب اور جہت سے ہوتا۔ ایک گروہ اس آیت کے معنی یہ کرتا ہے کہ یہاں جنس بنی آدم مراد ہے، اشخاص موجودۂ زمان نبوی مراد نہیں۔ پس ذریت سے مراد جنس انسانی ہوئی۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ ذریت سے مراد خود شخص مخاطب ہے اور اظہار قدرت وشمار نعمت کے لئے یہ طریق زیادہ بلیغ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذریت جو صلب آباء میں تھی، آباء کو کشتی میں بچالینے سے محفوظ رکھی گئی۔

غرض ((ذریة)) اولاد اور اولاد کی اولاد کو کہتے ہیں:

ذریت میں اولاد دختر بھی داخل ہے یا نہیں؟: ذریت میں دختر کی اولاد بھی داخل ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''داخل ہیں۔''

اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''داخل نہیں۔''

جو ذریت میں اولاد دختر کو داخل سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کی ذریت نبی کریم ﷺ ہونا سب مسلمانوں کے نزدیک باجماع صحیح ہے (واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ کی بنات طیبات میں سے صرف سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ہی اولاد دنیا میں باقی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے نواسہ کو فرمایا تھا:

((ان ابنی هذا سید!))

''میرا یہ بیٹا (سید) سردار جنت ہے۔''

دیکھو یہاں میرا بیٹا فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آیت مباہلہ:

((ابناء نا و ابناء کم))

نازل فرمائی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ وحسنین رضی اللہ عنہما کو ہی طلب فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے حق میں فرمایا ہے:

((ومن ذریته داوٗد وسلیمن وایوب و یوسف و موسیٰ و هرون و کذلك نجزی المحسنین وزکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس))

''اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) کو بھی اور ہم نیکوں کاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں اور زکریا اور یحیٰ اور عیسیٰ اور الیاس (علیہم السلام) کو بھی۔'' (سورۃ الأنعام:۶/۸۳-۸۵)

ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ماں کی جہت سے ہے۔

جو کہتے ہیں کہ ذریت میں اولاد دختر داخل نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اولاد در حقیقت اپنے آباء سے جنم لیتی ہے، دیکھو اگر ماں ہاشمیہ ہو اور باپ تیمی یا عدوی یا ہزلی تو کوئی شخص اولاد کو ہاشمی نہ کہے گا، کیونکہ اولاد نسب میں اپنے باپ کے تابع ہوتی ہے اور آزادی و غلامی میں ماں کی اور دین میں جو دونوں میں سے زیادہ نیک ہو۔ ایک شاعر کا قول ہے:

بنونا بنوا ابنائنا وبناتنا بنوهن ابناء الرجال الأباعد

چنانچہ اگر کسی قبیلہ کے متعلق کوئی وصیت یا وقف ہو تو اس میں اولاد دختر داخل نہیں ہوتی۔ رہا یہ امر کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد نبی کریم ﷺ کی ذریت میں داخل ہے، سو اس کی وجہ سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے والد کریم النفس اور شریف النسب (ﷺ) کا شرف وجاہ ہے جس کو اہل دو عالم میں سے کوئی نہیں پا سکتا، یہ نبی کریم ﷺ کی قوت وجلالت اور قدر و عظمت کا باعث ہے کہ نواسوں کو بھی اولاد کا درجہ مل گیا۔ چنانچہ ہم امراء وملوک میں جب نگاہ کرتے ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ کی جناب رفیع اور بارگاہ عالی سے کچھ بھی نسبت نہیں تو دیکھا جاتا ہے کہ بے اولادی کی حالت میں وہ اولاد دختر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کو نسبت فرزندی کے ساتھ چشم رغبت سے دیکھتے ہیں، حتیٰ کہ ان کے باپ کا ذکر بھی درمیان

سے اٹھا دینا چاہتے ہیں۔ایسی حالت میں تم اس دودمان عالی اور اولاد عظیم الشان کے لئے کیا خیال کر سکتے ہو جن کی عظمت وجلالت روشن ہے۔

رہا مسیح علیہ السلام کا ذریت ابراہیم علیہ السلام میں ہونا یہ کچھ حجت نہیں کیونکہ مسیح علیہ السلام کا باپ تھا ہی نہیں۔ چونکہ باپ کی طرف سے نسب کا قائم ہونا محال تھا اس لئے ماں ہی باپ کی جگہ سمجھی گئی۔ یہی حال ہے اس کا جس کا نسب باپ کی طرف سے لعان وغیرہ کی وجہ سے منقطع ہو گیا ہو کہ ماں نسب میں والدین کی جگہ سمجھی جاتی ہے اور اس وقت وہ عصبہ (اولاد زینہ کی جگہ) بھی ہوگی۔صحیح قول بھی یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی اور مقتضائے نصوص بھی یہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی اور قیاس بھی اسی کی صحت پر شاہد ہے، کیونکہ نسب دراصل باپ کی طرف سے ہے، جب ادھر سے منقطع ہو گیا تو ماں کی طرف راجع ہوگا اور اگر کبھی باپ کی طرف نسبت کا صحیح ہونا ممکن ہو جائے تب ماں کی جانب سے لوٹ کر پھر اسی کی طرف راجع ہوگا اور جیسا کہ سب کا اتفاق ہے۔

یہی حال ولاء میں ہے کہ وہ موالی پدر کے لئے ہے، لیکن اگر ادھر رجوع محال ہو تو موالی مادر کے لئے ہوگی اور اگر پھر ان کا عود اپنے معدن وقرار کی جانب ممکن ہو تو ادھر ہی رجوع کر جائیں گے اور ظاہر ہے کہ ولاء نسب کی فرع اور اسی کے دوش بدوش ہے۔ پس جب کہ ماں کے عصبات اس مولی کے لئے (جس کی تعصیب باپ کی جنت سے منقطع ہو گئی ہے) عصبات بن گئے ہیں تو اگر نسب میں ماں کے عصبات کا اس شخص کے لئے جس کی تعصیب باپ کی جہت سے منقطع ہو گئی ہے قائم کی جائے تو اولیٰ طریق ہوگا۔ ورنہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ یہ حکم ولاء میں تو ثابت ہو اور نسب میں ثابت نہ ہو، جس کی غایت یہ ہے کہ اسی کا شبیہ اور اسی کی شاخ ہے۔

بے شک ایسے مسائل سے ہی پتہ لگتا ہے کہ قیاس صحیح کبھی نص کے خلاف نہیں ہوتا اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا علم کیسا عمیق تھا اور وہ علم کی کس غایت کو پہنچے ہوئے تھے، جہاں تک پہنچنا اور لوگوں کے لئے میسر نہیں۔

ذالك فضل الله يوتيه من يشآء والله ذو الفضل العظيم

لفظ زوج کی تحقیق:

ازواج، زوج کی جمع ہے، جسے زوجہ بھی کہتے ہیں۔ مگر زوج فصیح ہے اور اسی کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے:

((اسكن انت وزوجك الجنة))(سورة البقرة 35/2)

”تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔“

قصہ زکریا علیہ السلام میں ہے:

((واصلحنا له زوجه))(سورۃ الانبیاء:90/21)

”ہم نے اس کی بیوی کو اس کے لیے ٹھیک کر دیا۔“

زوجہ کی مثال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں ہے جو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے:

((انها زوجة نبيكم فى الدنيا والاخرة))

”بے شک وہ تمہارے نبی کی زوجہ ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔“

زوجہ کی جمع زوجات اور زوج کی جمع ازواج آتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

((وازواجهم فی ظلل علی الارائك متكئون)) (یٰسین 36:56)

"وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں ہیں مسندوں پر تکیے لگائے ہوئے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

((ادخلوا الجنة انتم وازواجكم تحبرون)) (سورۃ الزخرف 43:70)

"داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں، تمہیں خوش کر دیا جائے گا۔"

واضح ہو کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں اہل ایمان کا ذکر ہے، مفرد یا جمع۔ وہاں تو لفظ زوج استعمال کیا گیا ہے۔

مثلاً فرمایا:

((النبی اولی بالمومنین من انفسهم وازواجه امهاتهم))

"نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں اور نبی کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

((یاایها النبی قل لازواجك))

"اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے۔!"

اور جہاں اہل شرک کا ذکر کیا ہے وہاں لفظ امراۃ بولا گیا ہے۔

مثلاً فرمایا:

((وامرأته حمالة الحطب فی جیدها حبل من مسد))

"اور ابولہب کی بیوی کے گلے میں کھجور کی رسی کی چھال۔"

فرمایا:

((ضرب الله مثلا للذین کفروا امراة نوح وامرأة لوط))

"اللہ تعالیٰ نے مثال بنایا کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کو۔"

چونکہ یہ دونوں مشرکہ تھیں، اس لیے امرأۃ کہا۔ فرمایا:

((ضرب الله مثلا للذین أمنوا امرأة فرعون))

"اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی ایمان والوں کی فرعون کی بیوی آسیہ سے۔"

فرعون مشرک، بیوی مومنہ اس لیے بیوی کو اس کا زوج قرار نہ دیا، لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا:

((اسكن انت وزوجك))

"اے آدم! آپ اور آپ کی بیوی دونوں جنت میں رہیے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

((انا احللنا لك ازواجك))

"بے شک ہم نے آپ کے لیے آپ کی بیویاں حلال کیں۔"

مومنین کو فرمایا:

((ولهم فيها ازواج))

''مومنوں کے لیے جنت میں بیویاں ہوں گی۔''

ایک گروہ کا قول ہے (سہیلی بھی ان میں ہی ہے) کہ حضرت نوح وحضرت لوط علیہم السلام اور فرعون کی بیویوں کو زوج اس لیے نہیں کہا کہ یہ آخرت میں اپنے شوہروں کے ساتھ رہنے والی نہ ہوں گی۔ نیز اس لیے کہ تزویج ایک زیور شرعیہ اور امر دین میں سے ہے، اس لیے کافرہ کو زیور سے برہنہ رکھا۔ جیسا کہ لوط ونوح علیہما السلام بیویوں کو۔ سہیلی نے اس قول پر خود ہی اعتراض کیا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے قول میں وكانت امرأتي عاقرا اور قصہ ابراہیم علیہ السلام میں فاقبلت امرأته في صرة بھی تو فرمایا ہے۔ پھر یہ جواب دیا ہے کہ ان دونوں مقامات میں لفظ امراۃ لانا ہی زیادہ تر موزوں تھا، کیونکہ یہاں حمل اور ولادت کا ذکر ہے اور لفظ امراۃ ہی صفت انوثت کے لیے جو حمل وولادت کی مقتضی ہے بہ نسبت زوج کے اولیٰ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مومنین اور ان کی بیویوں کا ذکر لفظ ازواج کے ساتھ کرنے کا راز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ ہم شکل ہونے، ہم جنس ہونے اور قریب ہونے کو بھی ظاہر کرتا ہے اور زوجین وہ دو چیزیں ہیں جو متشابہ، متشاکل اور متساوی ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((احشروا الذين ظلموا وازواجهم))

''گھیر لاؤ سب ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو۔'' (سورۃ الصافات: 22/37)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ازواج سے مراد ان کی شبیہہ ہیں۔ انہی معنی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((واذا النفوس زوجت))

''اور جب قسم قسم کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔'' (سورۃ التکویر: 7/81)

اور نعمتیں وعذاب کی اقسام ہوں گی۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ صالح، صالح کے ساتھ بہشت میں اور فاجر، فاجر کے ساتھ آگ میں۔ حسن، قتادہ رحمۃ اللہ علیہما اور اکثر مفسرین نے بھی یہی کہا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مومنین حور عین کے ساتھ اور کافر شیاطین کے ساتھ اکٹھے کیے جائیں گے۔ یہ معنی بھی قول اول کی طرف راجع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ثمانية ازواج فرمایا اور پھر اس کی تفصیل من الضان اثنين ومن المعز اثنين فرمائی ہے۔ غرض یہ کہ زوجین کو نوع واحد کے دو فرد قرار دیا ہے اور انہی معنی میں زوجا خف اور زوجا حمام (جوڑا جراب اور کبوتر کا جوڑا) ہے۔ ہاں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار اور مومنین کے درمیان مشابہت فرمایا ہے۔ پھر دوسری جگہ اہل کتاب میں سے جو مومن ہوئے ان کو کفار سے جدا کر دیا ہے اور ليسوا سواء من اهل الكتاب فرما کر احکام دنیا میں بھی مقارنت کو قطع کر دیا اور باہمی وراثت ونکاح اور ولایت کو اٹھا دیا ہے۔ حتی کہ زن وشوہر کی تولیت کو تاکہ جس طرح فی المعنی مواصلت منقطع ہو چکی ہے اسی طرح اسی طور پر بھی قطع ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بیوی نہ ہونے کی صورت میں اس کو لفظ امراۃ سے جو انوثیت پر

دلالت کرتا ہے شوہر کی طرف مضاف کیا گیا۔ نہ لفظ زوج سے جو مشاکلت اور مشابہت کا اظہار کرتا ہے۔ تم اس معنی پر غور کرو اس سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مجید کے الفاظ و معانی سے اسے کس قدر زیادہ مشابہت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کی مسلمان عورت کو امرأة الکافر اور مومن کی کافرہ عورت کو امرأة المومن کہا ہے، یعنی لفظ امراۃ نہ کہ لفظ زوجہ۔

یہ توجیہہ اس قول سے بہتر ہے جو بیان کیا جاتا ہے کہ ابولہب کی عورت کو زوجہ اسلئے نہیں کہا گیا کہ کفار کی شادیاں صحیح نہیں جیسے مومن کے نکاح صحیح ہوتے ہیں، کیونکہ جب امراۃ نوح اور امراۃ لوط بھی آیا ہے اور اس نکاح کی صحت میں کچھ شک وشبہ نہیں ہوسکتا تو ظاہر ہے کہ یہ توجیہہ بالکل ہی باطل ہے۔ تم ہمارے بیان کردہ معنی کو آیت مواریث میں دیکھو کہ وہاں بھی وراثت کو لفظ زوجہ کے ساتھ متعلق فرمایا ہے نہ کہ لفظ امراۃ کے ساتھ فرمایا:

((نصف ماترك ازواجكم))

تا کہ معلوم ہو جائے کہ توراث جو زوجہ کے ساتھ ہے وہ باہمی تشاکل و تناسب کی وجہ سے ہے اور چونکہ مومن و کافر میں تناسب و تشاکل نہیں ہوتا اس لئے ان میں توارث بھی نہیں۔

اللہ اکبر! قرآن مجید کے مفردہ و مرکبہ الفاظ کے اسرار کتنے ہیں کہ اہل دنیا کی عقول کی وہاں تک رسائی نہیں۔

نبی کریم کی ازواج مطہرات کا تذکرہ: جہاں تک ہم بیان کر چکے ہیں یہ ایسا موقع ہے جہاں ازواج رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرنا زیادہ موزوں و مناسب ہے۔

اُمُّ المومنین سیّدہ خدیجۃُ الکبریٰ رضی اللہ عنہا: مومنوں کی پہلی عظیم المرتبت ماں ملکہ بقا ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا وہ عظیم ہستی ہیں جن کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا ہی سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادیں ہوئیں سوائے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کے بعد اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے سخت مشکلات و مصائب برداشت کیے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی جان، اپنا مال اور اپنا سب کچھ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پہ نثار کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے پچیس سال تک مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسے خدمت کی جیسے ایک کنیز اپنے آقا کی کرتی ہے۔ اسی لیے حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد بھی کثرت سے آپ رضی اللہ عنہا کو یاد کیا کرتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بہت زیادہ یاد کیا کرتے تھے یہاں تک کہ میں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر رشک کرنے لگ پڑی۔

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عام الفیل سے پندرہ سال قبل 555 عیسوی کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کا نام ''خدیجہ''، لقب ''طاہرہ'' اور کنیت ''ام ہند'' تھی۔

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عرب کے شریف اور معزز ترین خاندان قریش سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا بچپن سے ہی نہایت شریف النفس اور نیک طبع تھیں، آپ جب بڑی ہوئیں تو اپنے اعلیٰ کردار، پاکیزہ اخلاق اور فہم و فراست کی وجہ سے ''طاہرہ'' کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت و فطانت کے ساتھ ساتھ عفت

وعصمت کی صفاتِ جمیلہ سے بھی نوازا تھا۔(اصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 60)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پیشتر آپ رضی اللہ عنہا کی دو شادیاں ہو چکی تھیں۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا ایک سردار کی بیٹی تھیں، بڑے ناز و نعم میں پلی بڑھی تھیں اور مال و دولت کی بھی فراوانی تھی اس لیے آپ رضی اللہ عنہا کے لئے ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ آیا مگر آپ کے والد نے اپنی بیٹی کی فہم و فراست کے پیش نظر ان کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کا انتخاب کیا جو کہ تورات کے بہت بڑے عالم تھے۔ لیکن بعد میں نامعلوم وجوہات کی بنا پر یہ رشتہ نہ ہو سکا اس طرح آپ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی ابوہالہ بن بناش تمیمی سے ہو گئی۔ اس کا تعلق بنی اسد بن عمرو سے تھا۔ بعض مورخین نے اس کا نام و نسب ابوھالہ ھند بن ذرارۃ بن بناش تمیمی لکھا ہے۔ اکثر تواریخ میں اس کا نام ھند بھی آیا ہے۔(اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 79)(فتح الباری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 167)

ابوہالہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دو لڑکے ہوئے۔ ایک کا نام ہالہ اور دوسرے کا نام ہند تھا۔ بعض روایات کے مطابق ہالہ زمانہ جاہلیت میں ہی فوت ہو گیا اور ھند کو شرف صحابیت حاصل ہوا۔

شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ابو ہالہ فوت ہو گیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا نکاح عتیق بن عابد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم المخذومی سے ہو گیا۔ اس سے آپ کے ہاں ایک بیٹی ہوئی جس کا نام ہند رکھا گیا۔ اس زمانے میں ہند نام لڑکے اور لڑکی دونوں کیلئے رکھا جاتا تھا۔(عیون الاثر، جلد 1، صفحہ نمبر 109)

بعض مورخین نے کہا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا عتیق بن عابد مخزومی سے پہلے نکاح ہوا اور ابو ہالہ سے بعد میں۔ بہر حال اس بات پر تمام متفق ہیں کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے دو شادیاں کر چکی تھیں اور دونوں خاوند فوت ہو چکے تھے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اپنے دوسرے خاوند کے فوت ہو جانے کے بعد زیادہ وقت خلوت گزینی میں گزارتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنا کچھ وقت خانہ کعبہ میں گزارتی اور کچھ زمانے کے مشہور کاہنہ عورتوں میں صرف کرتیں۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے آپ رضی اللہ عنہا کو پیغامِ نکاح دیا مگر آپ رضی اللہ عنہا نے سب کو رد کر دیا اور پردہ نشین اور باعزت زندگی بسر کی۔

(تاریخ الرسل والملوک، از امام طبری، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 161-160)(التاریخ از یعقوب بن سفیان، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 267 تا 269)(الدلائل النبوۃ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 283)(المسیرہ، از ابن اسحاق، صفحہ نمبر 245)(مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 253)

اُمّ المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کے پہلے دن سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں اپنی جان و مال کے ساتھ ایسی مستغرق ہوئیں جیسے کہ ایک لونڈی اپنے آقا کے لیے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا مال و اسباب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر دیا جس کی وجہ سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر معاش سے نجات مل گئی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ساری زندگی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی خدمت کی کہ ساری زندگی کبھی ایسا موقعہ نہیں آیا جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا برابر بھی رنج پہنچا ہو۔ بلاشبہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس ذی عظمت خاتون نے اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر اور اپنی مالی خوشحالی کی

بنا پر دشمنوں کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچنے دیا۔ انہوں نے عام گھریلو عورتوں کی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اپنی ذات میں ہی نہیں لگائے رکھا بلکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت گزینی سے واپس تشریف لاتے تو بڑی خندہ پیشانی اور پیار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرتیں اور جس قدر توشہ کی ضرورت ہوتی تیار کرتیں اور کبھی بھی گلہ نہ کرتیں کہ آپ مجھے کم وقت دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے قبل ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دو نکاح ہو چکے تھے اور ان سے اولادیں بھی ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پہلے نکاح سے لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام ہند رکھا گیا۔ دوسرے نکاح سے آپ کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے ان میں سے ایک کا نام ہالہ دوسرے کا نام ہند تھا۔ جیسا کہ پہلے کیا جا چکا ہے کہ اس زمانے میں ''ہند'' عورت اور مرد دونوں کا نام رکھا جا سکتا تھا۔

(الاستیعاب، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 1549)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولادیں سوائے حضرت ابراہیم کے آپ کے بطن اطہر سے پیدا ہوئیں۔

1: سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کی طرح زمانہ جاہلیت میں ہی بت پرستی ترک کر دی تھی اور ان سے بے زار ہو گئیں تھیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا!

''بخدا! میں کبھی بھی لات وعزیٰ کی پرستش نہ کروں گا۔''

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''لات کو جانے دیجئے۔ عزیٰ کو جانے دیجئے، آپ ان کا نام بھی نہ لیں۔''

(مسند امام احمد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 222)

2: سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی ایمان لانے والی پہلی خاتون تھیں۔

3: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''خَيْرُ نِسَآئِهَا مَرْيَمُ بِنْتِ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَآئِهَا خَدِيْجَةُ بِنْ خَوَيْلَدٍ''

(صحیح مسلم، جلد نمبر 2، کتاب الفضائل، صفحہ نمبر 284)

''مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تمام عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔''

4: سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار خط رقم فرمائے۔ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا!

''تم جانتے ہو یہ خط کیا ہیں؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حسب معمول عرض کیا!

''وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ''

''اللہ اور اللہ کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔''

اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا!

''اَفْضَلُ نِسَآءِ اَهْلِ جَنَّةِ خَدِيْجَةُ بِنْتِ خُوَيْلَدٍ وَّفَاطِمَةُ بِنْتِ مُحَمَّدٍ وَّمَرْيَمُ بِنْتِ عِمْرَانَ وَاسِيَةُ بِنْتِ مَزَاحِمَ اِمْرَأَةُ فِرْعَوْنَ

(مسند امام احمد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 293) (مسند ابو یعلی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 159) (مستدک حاکم، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 160) (نسائی فی فضائل صحابہ، صفحہ نمبر 252) (المعجم الکبیر للطبرانی، جلد نمبر 11، صفحہ نمبر 336) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 223)

''جنت کی عورتوں میں سب سے افضل چار عورتیں ہیں۔ پہلی خدیجہ بنت خویلد، دوسری فاطمہ بنت محمد، تیسری مریم بنت عمران اور چوتھی آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی۔''

5: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ!

جبرائیل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدیجہ آرہی ہیں، ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں شوربا، کھانا یا پانی ہے، جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیے اور میری طرف سے بھی اور انہیں جنت میں ایسے گھر کی خوشخبری سنائیں جو کھلے موتی کا بنا ہوا ہے جس میں نہ کسی قسم کا شور ہو گا اور نہ کوئی تکان۔''

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جبرائیل علیہ السلام کا پیغام سنایا تو وہ کہنے لگیں!

''اللہ ہی سلام ہے (یعنی وہ خود بھی سلامت ہے اور دوسروں کو بھی سلامت رکھنے والا ہے) اور اسی کی طرف سے سلامتی ہے اور جبرائیل علیہ السلام پر سلام ہو۔''

(الصحیح البخاری، مناقب الانصار، باب تزویج النبی خدیجۃ وفضلھا، حدیث نمبر 3821) (فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 133) (الصحیح المسلم، فضائل صحابہ، باب فضائل خدیجہ، حدیث نمبر 1887) (السنن الترمذی، باب فضل خدیجہ، حدیث نمبر 3876) (السنن النسائی، باب فضائل صحابہ، حدیث حضرت انس) (مسند امام احمد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 205) (الطبرانی، جلد نمبر 13، صفحہ نمبر 11) (مسند امام احمد، فضائل صحابہ، حدیث نمبر 1586) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 185) (اسمط الثمین للطبری صفحہ نمبر 24) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 223) (کنز العمال، جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 130)

یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو کسی دوسری خاتون کے حصے میں نہیں آئی۔

6: یہ بات بھی ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے خصائص میں شامل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا چوبیس سال اور کچھ ماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہیں اور اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہ کی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی اور آپ رضی اللہ عنہا کو بھی۔

(الصحیح المسلم، حدیث نمبر 2436) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 450) (طبرانی فی عبد الرزاق، جلد نمبر 7، صفحہ 493) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 220)

7: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سوائے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔

8: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد ان کی بہت زیادہ تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتیں ہیں!

''میں اتنا رشک کسی دوسری عورت پر نہ کرتی جتنا جنابہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کرتی، حالانکہ میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں۔ رشک کرنے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کرتے کرتے اور آپ رضی اللہ عنہا کے لیے استغفار کرتے کرتے تھکتے ہی نہ تھے۔ چنانچہ ایک دن حسب معمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تو مجھے غیرت نے ابھارا۔ میں نے عرض کیا!

''اللہ تعالیٰ نے میری صورت میں ایک عمر رسیدہ کا بدل آپ کو دیا ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضب ناک ہو گئے جس سے میری ہمت جواب دے گئی تو میں نے کہا!

''اے اللہ! اگر تو اپنے رسول کا غصہ مجھ سے دور کر دے تو جب تک میں زندہ رہوں گی کبھی بھی خدیجہ کا ذکر برائی کے ساتھ نہیں کروں گی''۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حالت دیکھی تو فرمایا!

''تو نے یہ کس طرح کہہ دیا؟ بخدا! وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔ جب لوگوں نے میرا انکار کیا تو انہوں نے مجھے پناہ دی۔ ان سے مجھے اولاد عطا کی گئی جبکہ تم اس سے محروم کردی گئیں۔

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 3821) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 2437) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 117) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 13) (البدایہ والنہایہ، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 162) (الاستیعاب، لابن عبد البر، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1824) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 234) (الاربعین، لابن عساکر، صفحہ نمبر 18) (الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 605) (تاریخ دمشق، لابن عساکر، صفحہ نمبر 161/161)

9: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد بہت دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ اس وقت تک گھر سے باہر نہ جاتے جب تک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خوب تعریف اور ان کیلئے استغفار نہ کر لیتے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو بھی ایسا ہی کرتے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانور ذبح فرماتے اور اس کا گوشت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیجتے۔

10: جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی چیز لائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے!

''اس کو فلاں کے گھر بھیج دو کیونکہ وہ خدیجہ سے محبت کرتی تھیں''۔

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''ایک مرتبہ حسانہ مزینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کے لئے آئیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی مہربانی کے ساتھ ان سے پیش آئے اور ان کا حال احوال پوچھا۔ جب وہ چلی گئیں تو میں نے پوچھا!

''یارسول اللہ! یہ بڑھیا کون تھی جس کے ساتھ آپ اتنی شفقت کے ساتھ پیش آئے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''یہ خدیجہ کی سہیلی ہے جو خدیجہ کے ساتھ بہت محبت کرتی تھی۔''

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''اے عائشہ! یہ خدیجہ کی زندگی میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اور محبت کی تکریم بھی ایمان کا جز ہے۔''

(شعب الایمان، للبیہقی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 517، حدیث نمبر 9122) (مستدرک حاکم، جلد نمبر 1، صفحہ 15) (اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 64) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 14) (الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 580) (المقاصد الحسنہ، حدیث نمبر 1198)

اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ کوئی مرد ایمان لایا اور نہ کوئی عورت۔ اس بات پر سب علماء اور محدثین کا اتفاق ہے۔

1: امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ طبرانی شریف میں روایت کرتے ہیں!

''سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔''

(المعجم الکبیر، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 452) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ 2204)

2: ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تمام مسلمانوں کے اجماع کی رو سے اللہ کی مخلوق میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں سب سے اول ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے پہلے نہ کوئی مرد ایمان لایا اور نہ کوئی عورت۔'' (اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 78)

3 علامہ ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں!

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نماز کے واجب ہونے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والوں میں سب سے پہلی ہیں۔''

(عن الزہری، اخرجہ البسوی فی تشریح، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 320) (السمط الثمین للحب، للطبری، صفحہ نمبر 9)

4: امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

''اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔''

5: علامہ ابن کثیر اور امام طبری رحمۃ اللہ علیہما اپنی اپنی کتب میں رقم طراز ہیں!

''آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عورتوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ ایمان لائے۔''

(طبری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 60) (البدایہ والنہایہ، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 29)

6: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!
''خدا کی قسم! مجھے خدیجہ سے اچھی بیوی نہیں ملی، وہ ایمان لائیں جب سب لوگ کافر تھے، اس نے میری تصدیق کی جب سب نے مجھے جھٹلایا، اس نے اپنا مال مجھ پر قربان کر دیا جب دوسروں نے مجھے محروم رکھا اور اللہ نے مجھے اس کے بطن سے اولاد دی۔''

7: ابن سعد کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ عفیف کندی کچھ سامان کی خریداری کیلئے مکہ آئے اور حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کے گھر قیام کیا۔ ایک دن وہ کہیں جا رہے تھے کہ ان کی نظر کعبۃ اللہ پر پڑی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اتنے میں ایک نوجوان آیا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا اور پھر قبلہ رخ کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک لڑکا آیا اور اس نوجوان کی دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک عورت آئی اور ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ یہ دونوں اس نوجوان کے ساتھ نماز پڑھ کر چلے گئے۔ پھر عفیف کندی نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے کہا!
''یہ نظریں دیکھ رہی ہیں کہ کوئی بہت بڑا انقلاب آنے والا ہے۔''
حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا!
''کیا تم جانتے ہو کہ یہ نوجوان، بچہ اور یہ عورت کون تھے؟''
عفیف نے کہا!
''نہیں!''
حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا!
''یہ نوجوان میرا بھتیجا محمد ہے، دوسرا بچہ بھی میرا بھتیجا علی ابن ابی طالب ہے اور وہ خاتون محمد کی بیوی خدیجہ ہے۔ میرے بھتیجے محمد کا خیال ہے کہ اس کا مذہب خاص الہامی مذہب ہے۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اللہ کے حکم سے کرتا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے اس روئے زمین پر ان تینوں کے سوا کوئی اس دین کا پیروکار نہیں۔
عفیف کندی کہتے ہیں!
''یہ سن کر میرے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش میں چوتھا ہو جاؤں۔''

اعلانِ نبوت کے دسویں سال شعب ابی طالب کا محاصرہ تین سال جاری رہنے کے بعد ختم ہوا۔ اس محاصرے کی سختی سے ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نڈھال ہو گئیں اور اکثر بیمار رہنے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت علاج معالجہ کروایا مگر صحت دن بدن خراب ہوتی گئی۔

جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا!
''یا رسول اللہ! کچھ دیر میرے سامنے تشریف فرما ہوں۔''
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے تو انہوں نے عرض کیا!
''یا رسول اللہ! میں نے اپنی ساری زندگی آپ کی خدمت میں بسر کی ہے اور اب قاصدِ اجل آنے والا ہے، میں آپ سے التماس کرتی ہوں کہ قیامت کے دن بھی مجھے اپنے ساتھ رکھیں، اللہ تعالیٰ سے میری

سفارش فرمائیں اور اگر خدمت میں کوئی کمی کوتاہی ہوگئی ہوتو مجھے معاف فرمائیں۔ میری چھوٹی بیٹی فاطمہ کا خاص خیال رکھیں۔ نیز میں آپ سے ایک بڑی بات کہنا چاہتی ہوں مگر آپ کے سامنے عرض کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اس لیے وہ بات میں فاطمہ کو بتا دیتی ہوں وہ آپ کو بتادے گی۔"

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا!

"بیٹی! اپنے والد گرامی کی خدمت میں میری یہ آخری خواہش پیش کرنا کہ آپ اپنی وہ چادر جو نزولِ وحی کے وقت اوڑھا کرتے ہیں میرے کفن کیلئے عطا فرمائیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ کی یہ آرزو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وہ چادر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیتے ہوئے ارشاد فرمایا!

"بیٹی! جاؤ اور یہ چادر اپنی والدہ کو دکھا آؤ تا کہ وہ خوش ہو جائیں۔"

اسی اثنا میں حضرت جبرائیل امین علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا!

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ اپنی چادر واپس لے لیں۔ خدیجہ نے اپنا سب کچھ ہمارے لیے قربان کر دیا اس لیے اس کا کفن ہمارے ذمہ ہے۔ ہم اسے اپنے کرم کی پوشاک عطا کریں گے اور اس کیلئے جنت سے پاکیزہ تر کفن بھیجتے ہیں۔"

(روضۃ الشھداء، صفحہ نمبر 78)

11 رمضان المبارک، اعلانِ نبوت کے دسویں سال ہجرت مدینہ سے تین سال قبل اور جناب ابو طالب کی وفات کے تین یا پانچ دن بعد، پچیس سال حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہنے کے بعد، چونسٹھ سال چھ ماہ کی عمر مبارک میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس دار فانی سے دار باقی کی طرف انتقال فرماگئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں ہستیوں کے وصال کا اتنا غم تھا کہ اس سال کا نام ہی "عام الحزن" پڑ گیا۔ چونکہ اس وقت نماز جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کا عطا کردہ کفن پہنایا گیا اور جنت المعلیٰ میں قبر مبارک بنائی گئی۔ قبر میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اترے اور پھر اپنی غمگسار بیوی کی تدفین فرمائی۔

(بخاری شریف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 551) (دلائل النبوۃ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 352) (زرقانی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 291) (تفسیر ابن ھشام، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 416) (المعارف، لابن قتیبہ، صفحہ نمبر 133) (عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 327) (تفسیر قرطبی، جلد نمبر 14، صفحہ نمبر 164) (نووی فی تھذیب، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 342) (الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 605) (روضۃ الشھداء، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 77) (تذکار صحابیات، صفحہ نمبر 36) (آل رسول، صفحہ نمبر 145)

اُمُّ المومنین سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا کا نام سودہ تھا۔ قریش کے مشہور قبیلۂ عامر بن لوی سے آپ رضی اللہ عنہا کا تعلق تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام الاسود تھی۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اعلانِ نبوت کے تھوڑے عرصہ بعد ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر ان کی ترغیب سے ان کے شوہر سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح انہیں قدیمُ الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ہجرت حبشہ اولیٰ تک یہ دونوں میاں بیوی بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کفار کی سختیاں برداشت کرتے رہے لیکن جب کفار کی زیادتیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت عطا فرمائی۔ 86 مردوں اور 17 عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی ان میں یہ دونوں میاں بیوی بھی شامل تھے۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ان کے والد کے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو بن عبدالشمس بن عبدود رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ سکران رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی سہیل، حاطب اور سلیط رضی اللہ عنہم سب صحابی رسول تھے۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ کئی سال کے بعد جب یہ لوگ واپس مکہ آئے تو حضرت سکران رضی اللہ عنہ کا کچھ دیر بعد وصال ہو گیا۔

ایک مرتبہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ آسمان سے چاند ان کی جھولی میں آ گیا ہے۔ انہوں نے جب یہ خواب اپنے شوہر سکران رضی اللہ عنہ کو سنایا تو انہوں نے کہا!

''اس کی تعبیر یہ ہے کہ عنقریب میں فوت ہو جاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارا نکاح ہو جائے گا۔''

ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لا رہے ہیں اور انہوں نے آ کر میری گردن کو چھوا ہے۔ یہ خواب جب میں نے اپنے شوہر سکران کو بتایا تو انہوں نے کہا!

''اگر تیرا خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ بہت جلد میرا انتقال ہو جائے گا اور تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جائے گا۔''

چنانچہ تھوڑے عرصہ بعد حضرت سکران رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، اسی بیماری میں ان کا وصال ہو گیا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد بہت افسردہ رہتے۔ آپ علیہ السلام کو اپنی کم عمر بچیوں کی پرورش کا خیال مزید غم زدہ کر دیتا جو کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اکیلی رہ گئیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پریشان تھے۔ ایک دن حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ایک مونس و غمگسار رفیق کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سلسلہ میں بات شروع کروں؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا!

''وہ کون سی خاتون ہیں جن کے ساتھ نکاح کی بات کرنا چاہتیں ہیں؟''

انہوں نے عرض کیا!

''سودہ بنت زمعہ''

حضرت خولہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئیں اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغام نکاح دیا جوانہوں نے اسی وقت قبول کرلیا اور اپنے بوڑھے والد زمعہ کے پاس اجازت طلب کرنے کیلئے بھیجا۔ آپ کے والد زمعہ نے بھی یہ رشتہ قبول کرلیا۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے گھر میں تشریف لائے۔ زمعہ نے اپنی بیٹی سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا خطبہ نکاح پڑھا اور چار سو درہم حق مہر مقرر کیا۔ اس طرح سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا حرم نبی میں داخل ہوگئیں۔ یہ اعلان نبوت کے دس سال بعد کا واقعہ ہے۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ اس وقت گھر میں موجود نہ تھے۔ جب وہ گھر واپس آئے اور اس شادی کی خبر سنی تو افسوس کرتے ہوئے اپنے سر میں خاک ڈال لی۔ ایمان لانے کے بعد ساری زندگی انہیں اپنی اس حماقت پر افسوس رہا۔

ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد آپ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نکاح فرمایا اور رخصتی ہجرت کے بعد ہوئی۔ یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کیونکہ ان دونوں ازواج سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن فرق کے ساتھ نکاح فرمایا۔

بہر حال اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا ہی داخل ہوئیں۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 121) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 24، صفحہ نمبر 3) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 246)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''سودہ بنت زمعہ اتنے پاکیزہ اخلاق کی مالکہ تھیں کہ سوائے سودہ کے کسی عورت کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا نہ ہوئی کہ اس کے جسم میں میری روح ہوتی''۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا تو یہ ہمیشہ گھر میں ہی رہیں جبکہ دوسری ازواج نے حج وغیرہ کئے لیکن یہ فرمایا کرتیں!

''میں نے حج کرلیا ہے، اس لیے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی''۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دستکار تھیں اور طائف کی کھالیں بنایا کرتی تھیں، اس سے جو بھی آمدن ہوتی تمام کی تمام راہ خدا میں خرچ کردیتی تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہا بے حد فیاض اور سخی تھیں۔ جو مال و دولت بھی ان کے پاس آتا وہ غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے درہموں سے بھری ہوئی تھیلی آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ہدیہ بھیجی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے پوچھا!

''اس میں کیا ہے؟''

لوگوں نے بتایا!

''درہم ہیں!''

فرمانے لگیں!

''تھیلی میں کھجوروں کی طرح''۔

یہ کہہ کر تمام درہم ضرورت مندوں میں اس طرح تقسیم کر دیئے جیسے کھجوریں تقسیم کی جاتی ہیں۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت میں ظرافت تھی جس کی وجہ سے وہ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دیا کرتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے ہی آیت حجاب نازل ہوئی۔ جس میں خواتین کے لیے پردہ کا حکم نازل ہوا۔

امت کی یہ ماں امت کیلئے بہت سے اعمالِ حج آسان بنانے کا سبب بنیں۔ جیسے مزدلفہ سے نکلنا، فجر سے پہلے کنکریاں مارنا اور جلدی مکہ واپس لوٹنا وغیرہ۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی ایثار و قربانی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخش دی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''میں نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی عورت کے دل کو حسد سے خالی نہیں دیکھا''۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دراز قامت، فربہ جسم، عمر رسیدہ، سلیقہ شعار اور پاکباز خاتون تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں کچھ تیزی بھی تھی مگر طبیعت میں ظرافت کا پاکیزہ مزاح بھی تھا، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر محظوظ ہوتے۔ آپ رضی اللہ عنہا کبھی کبھار جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بے ڈھنگے انداز میں چلتیں جس کو دیکھ کر آپ علیہ السلام تبسم فرماتے۔

ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کل رات میں نے آپ علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے اتنا طویل رکوع فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری نکسیر ہی نہ پھوٹ پڑے۔ اس لیے میں نے دیر تک اپنی ناک پکڑے رکھی''۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 54) (الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 721)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا ہمیں ملنے لئے آئیں۔ جب وہ بیٹھ گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پاؤں میری طرف تھا اور ایک سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی طرف۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حریرہ (حلوہ) بنا رکھا تھا۔ جو میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔ میں نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو بھی کھانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے کہا!

''یا تو آپ حریرہ کھائیں ورنہ میں اسے آپ کے منہ پر مل دوں گی۔''

لیکن سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے پھر بھی کھانے سے انکار کیا۔ چنانچہ میں نے پلیٹ سے تھوڑا سا حریرہ لے کر ان کے منہ پر مل دیا تو انہوں نے بھی تھوڑا سا میرے منہ پر مل دیا۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہنسے۔

(السنن النسائی، فی عشرۃ النساء، حدیث نمبر 31) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 316) (مسند ابو یعلیٰ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 285) (کتاب العیال، لابی الدنیا، حدیث نمبر 567)

ام المومنین سیدہ سودہ بن زمعہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ عائشہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی قسم کا بھی کوئی اختلاف نہ تھا۔ یہ دونوں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما میں بہت زیادہ پیار و محبت تھا اور دونوں ایک دوسرے کا لحاظ رکھتیں تھیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کیونکہ سن رسیدہ تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے بہت چھوٹی تھی، اس لیے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گھریلو معاملات میں مشورے دیتیں اور ان کی معاونت کرتیں تھیں۔ اعلانِ نبوت کے تیرھویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مدینہ پہنچ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا کہ وہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اہل خانہ کو مدینہ لے لائیں۔ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں، ام ایمن رضی اللہ عنہا اور اپنے گھر والوں کو لے کر مدینہ آ گئے۔ ان کی آمد سے قبل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رہنے کیلئے ایک مکان تیار کروا لیا تھا۔ اس کے کچھ بعد ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اہل عیال بھی مدینہ آ گئے اور تھوڑے عرصہ بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہو گئی۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کی بہت اچھے طریقے سے پرورش فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ سال ازدواجی رفاقت میں رہیں اور ہمیشہ اسی کوشش میں رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ممکن خدمت کی جائے۔ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ علیہ السلام نے فرمایا!

''اے میری بیویو! میرے بعد اپنے گھروں میں بیٹھنا۔''

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا اس ارشاد کی وجہ سے ہمیشہ گھر میں ہی رہیں حتیٰ کہ حج و عمرہ وغیرہ کے لئے بھی گھر سے نہ نکلیں۔ جبکہ دیگر ازواج مطہرات حج و عمرہ کیلئے اس حکم میں رخصت کی قائل تھیں۔ حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں!

''بخدا! میں نے حج وعمرہ ادا کرلیا ہے اور اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق سب ازواج مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرما جانے کے بعد حج کیے مگر سیدہ زینب بنت جحش اور سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہما نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی حج نہ کیا بلکہ برابر گھر میں ہی بیٹھی رہیں اور یہ دونوں ازواج مطہرات فرمایا کرتیں تھیں!

''بخدا! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 324) (مسند ابویعلی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 340)

ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک لڑکا تھا جن کا نام عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تھا۔ یہ صحابی تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جنگ فارس میں شریک ہوئے اور اسی جنگ میں جان شہادت نوش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔

ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھی تھیں کہ انہوں نے سوال کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے پہلے کس کا وصال ہوگا؟

غیب دان نبی علیہ السلام نے فرمایا!

''اس کا جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں۔''

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اپنے اپنے ہاتھ ماپنے تو سب سے لمبے ہاتھ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے تھے۔ لیکن جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو انہیں معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے مراد ظاہری لمبائی نہ تھی۔ بلکہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سخاوت وفیاضی اور کثرت صدقات تھے جو کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا امتیازی وصف تھا۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے سنِ وصال میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء ومفسرین کی رائے کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہا کے آخری زمانے میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

اُمُّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا کا نام عائشہ تھا۔ لقب صدیقہ اور ام المومنین تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت صدیق اور حمیرا لقب سے بھی خطاب فرمایا۔

عرب میں کنیت رکھنا شرافت کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے ہر مرد وعورت اپنی کنیت ضرور رکھتا تھا۔ چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے نام پر اپنی کنیت ام عبداللہ رکھی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''جب عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو میں انہیں اپنی گود میں اٹھا کر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

لعاب وہ پہلی چیز تھی جو عبداللہ بن زبیر کے پیٹ میں گئی۔اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''یہ عبداللہ ہے اور تو ام عبداللہ!

ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری تمام سہیلیوں کی کنیتیں ہیں۔آپ میری بھی کوئی کنیت مقرر فرمائیں۔

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''تم بھی اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیت ام عبداللہ رکھ لی۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 107)(سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4970)(مسند ابو یعلی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 294)(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 63)(طبرانی، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 18)(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 278)(صفۃ الصفوۃ، لابن جوزی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 15)(السنن البیہقی، حدیث نمبر 218)(الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 18)(البدایہ والنہایہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 95)(القول البدیع، صفحہ نمبر 118)(المدارج النبوۃ، اردو صفحہ نمبر 803)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وسن ولادت پر تاریخ وسیر کی کتابیں خاموش ہیں۔البتہ یہ باتیں متفقہ طور پر ثابت ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ سے تین برس قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً 16 سال کی تھی، شوال یکم ہجری میں 19 سال کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمایا یعنی ربیع الاول 11 ہجری کو آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 28 سال کی تھی۔اس حساب سے آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت کی صحیح تاریخ اعلانِ نبوت۔سے پانچ سال قبل ہوئی بمطابق جولائی 604 عیسوی۔

چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری ازواج کے اعتبار سے کم عمر تھیں اس لیے وہ دوسری ازواج کی طرح اچھا کھانا نہیں پکاتی تھیں۔آٹا گوندھ کر رکھتی اور خود سو جاتیں کہ بکری آتی اور سارا آٹا کھا جاتی۔اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت فرماتے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت فرماتی تھیں۔اس کا اندازہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نو سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں مگر سوائے واقعہ ایلاء کے کوئی اور کشیدگی کا واقعہ پیش نہیں آیا۔چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی پتہ تھا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔اس لیے وہ قصداً ہدیے اور تحفے اس دن بھیجتے جس دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام پذیر ہوتے۔دیگر ازواج مطہرات کو اس کا ملال ہوتا۔ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پیغام دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تمام بات بتائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''اے لخت جگر! جس کو میں چاہوں گا کیا تم اس کو نہ چاہو گی؟''

یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس تشریف لے آئیں۔ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے پھر بھیجنا چاہا

مگر آپ رضی اللہ عنہا راضی نہ ہوئیں تو انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو درمیان میں ڈالا۔ انہوں نے موقع دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''مجھے عائشہ کے معاملے میں تنگ نہ کرو۔ کیونکہ عائشہ کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔''

حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ جب غزوۂ سلاسل سے واپس آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دنیا میں سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''عائشہ کو!''

عرض کیا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مردوں کی نسبت سوال ہے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ کے والد (صدیق اکبر) کو۔'' (الصحیح البخاری، مناقب ابوبکر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کرتے تھے!

''الٰہی! جو چیز میرے امکان میں ہے (یعنی ازواج میں معاشرت اور لین دین کی برابری) میں اس میں عدل سے باز نہیں آتا لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے (یعنی عائشہ کی قدر و قیمت) اس کو معاف فرما۔''

گھر میں اگرچہ بریرہ خادمہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں مگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام کام خود کیا کرتیں تھیں۔ آٹا خود پیستی تھیں، خود گوندھتی تھیں اور کھانا بھی خود ہی پکاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بستر خود اپنے ہاتھ سے بچھاتی تھیں، وضو کا پانی خود لا کر رکھتی تھیں، قربانی کے اونٹوں کا قلادہ خود بٹتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں تیل لگاتی اور کنگھا کرتی تھیں۔ کپڑے خود دھوتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں کو خوشبو لگاتی تھیں، سونے سے قبل مسواک اور پانی سرہانے رکھتی تھیں اور دیگر امور جن کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا خود ہی انجام دیتیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے الزام لگایا جس کا ذکر سورۃ النور میں ہے، اسی واقعہ افک کہا جاتا ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل، مناقب، عظمت اور شان کتب احادیث میں اس کثرت سے موجود ہیں جو کہ کسی دوسری خاتون کیلئے نہیں ہے۔ چند ایک فضائل ملاحظہ فرمائیں!

1: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کنواری خاتون سے نکاح نہ کیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب ترین زوجہ ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ کون عزیز ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''عائشہ!''

پھر پوچھا!

''مردوں میں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''عائشہ کے والد۔''

(مسند احمد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 203) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 67) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 43) (الصحیح البخاری، حدیث نمبر 3663) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 2384) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 3880)

2: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''مردوں میں بہت سے افراد کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی کامل نہیں اور پھر فرمایا!

''وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ''

''اور عائشہ کو تمام عورتوں پر ایسے فضیلت ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر۔''

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 3773) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 2446) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 3881) (السنن النسائی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 262) (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 2381) (مسند احمد، جلد نمبر 2، صفحہ 159) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 19، صفحہ نمبر 28) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 243)

3: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیا و آخرت میں بیوی ہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تو میں نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فاطمہ کا ذکر تو فرما رہے ہیں میرے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تو دنیا و آخرت میں میری بیوی ہے؟''

(السنن الترمذی، باب فضل عائشہ، حدیث نمبر 3772) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 66) (المعجم الکبیر للطبرانی، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 39) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 10) (الاحسان، بترتیب صحیح ابن حبان، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 53) (ابن ابی شیبہ، جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 128، حدیث نمبر 12325) (ابن عساکر، فی اربعین، باب مناقب امہات المومنین، حدیث نمبر 227)

4: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے ہاں ایک ایک رات قیام فرماتے جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دو راتیں قیام فرماتے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ جب سیدہ سودہ بن زمعہ رضی اللہ عنہا کی عمر زیادہ ہوگئی تو انہوں نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی باری کا دن عائشہ کو دیتی ہوں۔''

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں دو دن قیام فرماتے ایک دن حضرت میری باری کا اور ایک دن حضرت سودہ کا۔'' (الصحیح البخاری، حدیث نمبر 5212) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 1463)

5: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت فرماتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے کہ تم بھی ان سے محبت کرو۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنا سفیر بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری چادر میں آرام فرما رہے تھے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی ازواج مطہرات نے مجھے سفیر بنا کر بھیجا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ بنت ابی قحافہ (عائشہ) کے بارے میں عدل سے کام لیں۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا!

''اے میری پیاری بیٹی! کیا تو اس سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں؟''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''کیوں نہیں؟''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''پس تو بھی عائشہ سے محبت کیا کر۔''

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 2581) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 2446) (السنن النسائی، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 151) (الانوار فی شمائل نبی مختار، للبغوی، حدیث نمبر 841) (مسند ابی یعلی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 470، حدیث نمبر 4934) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 241) (کشف الاستار للبزار، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 240)

6: ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ میں سیدہ عائشہ، سیدہ حفصہ، سیدہ صفیہ اور سیدہ سودہ اور دوسرے گروہ میں سیدہ ام سلمہ اور دیگر ازواج شامل تھیں۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اس لیے وہ خاص طور پر آپ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن تحفے تحائف بھیجتے۔ جس کو دیگر ازواج مطہرات محسوس کرتیں۔ ایک مرتبہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس بارے میں بات کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بڑی سمجھ داری سے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی کہ صحابہ کو حکم دیا جائے کہ عائشہ کی باری کا انتظار نہ کیا کریں بلکہ جہاں بھی آپ ہوں وہاں ہی تحفے تحائف بھیج دیا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بات سنی مگر جواب کچھ نہ دیا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہا واپس آگئیں۔ تھوڑے دنوں بعد پھر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''ام سلمہ! عائشہ کے بارے میں مجھے اذیت نہ دو کیونکہ عائشہ کے سوا کسی دوسری بیوی کے بستر میں مجھ پر وحی

نازل نہیں ہوتی۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ کے حضور میں آپ کی اذیت سے توبہ کرتی ہوں۔''

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 2581) (الصحیح المسلم، باب فضل عائشہ، حدیث نمبر 2441) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 2874) (النسائی، فی عشرۃ النساء، حدیث نمبر 11) (مسند احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 293) (السنن النسائی، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 68) (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 7065)

7: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واقعۂ افک کے موقع پر آپ کی برأت کے لئے سورۃ نور شریف کی بارہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کی پاکدامنی کی گواہی ہر مسلمان کے منہ سے قیامت تک جاری کردی۔ آپ اس بات پر فخر کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں!

''میرا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ میری برأت اس طرح فرمائے گا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بتا دیا جائے گا۔ مگر میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں میری برأت کے لئے آیات نازل کردے گا۔''

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 4750) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 2770) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 3179) (النسائی فی عشرۃ النساء، حدیث نمبر 45)

8: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کی برکت سے تیمّم کا حکم نازل ہوا

سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس وقت جوش مسرت میں فرمایا!

''اے آل ابی بکر! یہ تیمّم کا حکم نازل ہونا تمہاری پہلی برکت نہیں بلکہ تمہاری برکت سے اور بھی بہت سی آسانیاں ہو چکی ہیں اور کئی سہولتوں کے احکام نازل ہو چکے ہیں۔''

(الصحیح البخاری، شریف حدیث نمبر 334-3773) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 367)

9: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تو انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا سلام کیا۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھے ہوئے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ کو دحیہ کلبی کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھے، ان سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''کیا تو نے اسے دیکھا؟''

عرض کیا!

''ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''وہ دحیہ کلبی نہیں تھے بلکہ جبرائیل علیہ السلام تھے اور وہ تمہیں سلام کہتے ہیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا!

''وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ انہیں اچھی جزا دے۔ میزبان بھی بہترین ہے اور مہمان بھی بہترین ہے۔''

(الصحیح البخاری، باب ذکر الملائکہ، حدیث نمبر 3217) (الصحیح المسلم، باب فضل عائشہ، حدیث نمبر 2447) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 84، باب فضائل صحابہ، حدیث نمبر 1635) (المعجم الکبیر للطبرانی، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 34) (مسند حمیدی، حدیث نمبر 277) (صفتہ الصفوۃ، لابن الجوزی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 20) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 243)

10: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظاہری زندگی کے آخری ایام ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزارے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات پر فخر کیا کرتی تھیں۔

11: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اسی حجرے میں قیامت تک آرام فرما ہوئے۔

12: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''جب بھی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسرت وخوشی کی حالت میں دیکھتی تو میں عرض کرتی! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعا فرماتے۔

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ عَائِشَۃَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِھَا وَمَا تَأَخَّرَ وَمَا اَسَرَّ وَمَا اَعْلَنَتْ))

''یا اللہ! عائشہ کی اگلی اور پچھلی مخفی اور ظاہری تمام خطائیں معاف فرما دے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا سنتیں تو مارے خوشی کے بہت زیادہ ہنستیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے!

''عائشہ میری دعا نے تمہیں خوش کر دیا۔

تو آپ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی دعا مجھے کیوں خوش نہیں کرے گی؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے!

''بخدا! میں ہر نماز کے بعد ایسی ہی دعا اپنی امت کے لئے کرتا ہوں۔''

(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 11) (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 7067) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 243) (کشف الاستار، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 238)

13: جب آیت تخییر نازل ہوئی تو باوجود اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا!

''اپنے والدین سے پوچھ کر جواب دینا۔''

آپ رضی اللہ عنہا نے فوراً عرض کیا!

''اس میں والدین سے پوچھنے کا کیا مطلب۔؟ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں!''

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 4785-4788)(الصحیح المسلم، حدیث نمبر 1475)(نووی شرح صحیح مسلم، جلد نمبر 10، صفحہ نمبر 78)

14: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''اللہ تعالیٰ نے مجھے دیگر ازواج مطہرات پر دس باتوں سے فضیلت عطا کی ہے۔''

☆ میرے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج میں سے کوئی کنواری نہ تھی۔

☆ میرے سوا کسی اور زوجہ کے والدین مہاجر نہ تھے۔

☆ جبرائیل امین علیہ السلام ریشم کے ایک کپڑے میں میری تصویر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور کہا ان سے شادی کریں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے میری برأت نازل فرمائی۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں ایک ہی برتن سے کر غسل کیا کرتے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور بیوی کے ساتھ تو اس طرح غسل نہیں فرمایا۔

☆ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے بستر پر آرام فرما ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی۔

☆ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میری گود میں تھا۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپ کے آگے لیٹی ہوئی ہوتی۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات وصال فرمایا جس رات میری باری تھی۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں وصال کے بعد آرام فرما ہوئے۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 63)(اربعین لابن عساکر، صفحہ نمبر 32)(المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 29)(المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 241)(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 10)(مسند ابی یعلی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 336)(سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 141)

15: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو عبادتِ الٰہی سے اتنا شغف تھا کہ فرض نمازوں کے علاوہ سنتیں اور نوافل بھی کثرت سے ادا کیا کرتی تھیں۔ تہجد اور چاشت کی نماز کا ساری عمر ناغہ نہیں کیا۔ رمضان کے علاوہ اکثر روزے رکھتیں۔ بعض روایات کے مطابق ہمیشہ روزے سے رہتیں۔ حج کی شدت سے پابند تھیں۔ کوئی سال ایسا کم ہی گزرتا جس سال آپ رضی اللہ عنہا حج نہ فرماتیں۔

16: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پردے کی بہت پابند تھیں۔ آیت حجاب کے بعد تو اس میں مزید شدت آگئی۔ ایک مرتبہ اسحاق تابعی جو کہ نابینا تھے آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہا نے ان سے پردہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا!

''مجھ سے کیا پردہ میں تو نابینا ہوں؟''

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

''اگر چہ تم مجھے نہیں دیکھتے لیکن میں تمہیں دیکھتی ہوں۔''

آپ رضی اللہ عنہا اکثر رات کے وقت طواف فرماتیں جب مرد موجود نہ ہوتے اور اگر کبھی دن کو طواف کا موقع پیش آتا تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کرالیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر چند بیبیوں نے عرض کیا!

''ام المومنین! چلیں حجر اسود کو بوسہ دے لیں؟''

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

''تم جاسکتی ہو میں مردوں کے ہجوم میں نہیں جاسکتی۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردے کے اہتمام کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب تک آپ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مزار تھے اس وقت تک آپ رضی اللہ عنہا بلاتردد یہاں پر آتی رہیں اور یہاں پر سوتی بھی رہیں۔ لیکن جیسے ہی یہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا فرماتیں!

''پہلے تو یہاں میرے شوہر اور والد تھے لیکن اب عمر کے آجانے سے مجھے یہاں بلا پردہ آتے حجاب آتا ہے۔''

یہ آپ رضی اللہ عنہا کا تقویٰ تھا حالانکہ شریعت اسلامیہ میں فوت شدگان سے پردہ نہیں۔

(الصحیح البخاری، باب طواف النساء، مسند احمد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 117) (طبقات ابن سعد، جز نساء، صفحہ نمبر 47)

17: ایک شخص نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سامنے ناشائستہ الفاظ میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

''اُغْزِبْ مَقْبُوْحًا مَنْبُوحًا تُؤْذِیْ حَبِیْبَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ''

''بدبخت! مردود! دور ہو جا! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری زوجہ کو اذیت دیتا ہے؟''

(السنن الترمذی، حدیث نمبر 3882) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 65) (المطالب العالیہ، للطیالسی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 128)

18: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخلاق کا ایک ممتاز جوہر ان کی طبعی فیاضی اور کشادہ دستی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ذرہ ذرہ جوڑ کر جمع کرتیں اور جب کچھ رقم جمع ہو جاتی تو ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتیں۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے پوری ستر ہزار کی رقم خدا کی راہ میں تقسیم کی اور دوپٹہ کا گوشہ جھاڑ دیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے۔ شام ہونے سے پہلے پہلے آپ رضی اللہ عنہا نے وہ تمام اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر دیئے اور ایک پائی بھی اپنے پاس نہ رکھی۔ اس دن آپ روزے سے تھیں۔ خادمہ نے عرض کیا!

''سیدہ! آپ کا روزہ تھا آپ ایک درہم رکھ لیتیں میں آپ کے لیے گوشت تیار کر دیتی؟''

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

''تم نے یاد دلا دیا ہوتا تو میں رکھ لیتی۔''

آپ رضی اللہ عنہا جس مکان میں رہتی تھیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں فروخت کر دیا اور جو رقم ملی وہ سب کی سب غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے، آپ رضی اللہ عنہا کے سب سے زیادہ چہیتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت اکثر یہی کیا کرتے تھے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فیاضی کو دیکھتے دیکھتے گھبرا گئے اور انہوں نے کہہ دیا!

''سیدہ کا ہاتھ روکنا چاہیے''۔

جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے قسم کھالی کہ اب کبھی ابن زبیر سے بات نہ کروں گی۔ وہ میرا ہاتھ روکے گا۔؟ بہت عرصہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض رہیں۔ آخر بہت لوگوں کی سفارش سے انہیں معاف فرمایا۔

(مسند امام احمد بن حنبل، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 99) (طبقات ابن سعد، جز نساء، صفحہ نمبر 45) (الصحیح البخاری، باب سخاوۃ النفس، موطا امام مالک، باب الترغیب فی الصدقہ)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان لڑکیوں میں سے تھیں جن کی جسمانی بالیدگی نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کرتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نو سال کی عمر میں مکمل بالغ ہو چکی تھیں۔ لڑکپن میں آپ رضی اللہ عنہا دبلی پتلی اور چھریری سی تھیں لیکن رنگ سرخ وسفید تھا۔ حمیرا آپ کو سرخ وسفید رنگت کی وجہ سے ہی کہا جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا خوش رو اور صاحبِ جمال تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا اخلاق نہایت بلند تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نہایت فیاض، رحم دل، سنجیدہ، قانع اور عبادت گزار تھیں۔

زہد وقناعت کی وجہ سے صرف ایک جوڑا اپنے پاس رکھتیں تھیں اور اسی کو دھودھو کر پہنتی تھیں۔ کبھی کبھی زعفرانی رنگ کے کپڑے بھی زیب تن کیا کرتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کرتا تھا جس کی قیمت اس وقت پانچ درہم تھی۔ یہ اس زمانہ کے لحاظ سے اس قدر بیش قیمت تھا کہ دُلہنوں کے لئے عاریتاً مانگا جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کبھی کبھار زیور بھی پہنا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا نے سونے کے کنگن پہنے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا!

''میں تمہیں اس سے اچھی بات نہ بتاؤں۔ چاندی کے کنگن بنا کر ان کو زعفرانی رنگ دے کر پہن لو''۔

آپ رضی اللہ عنہا کے گلے میں سیاہ وسفید مہموں کا یمنی ہار ہوتا تھا اور آپ انگلیوں میں کبھی کبھار سونے کی انگوٹھیاں بھی پہنتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ آپ کے بھانجے اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھی تھی۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں ہی پرورش پائی۔ ان کے علاوہ جن بچوں کی سیدہ رضی اللہ عنہا نے پرورش کی ان کے نام یہ ہیں!

مسروق بن اجدع، عمرہ بن عائشہ بن طلحہ، اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، عبداللہ بن یزید اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان کے علاوہ محمد ابن ابی بکر کی لڑکیوں کو بھی سیدہ رضی اللہ عنہا نے پالا اور ان کی شادی بھی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں بھی آپ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری لڑکی کی

پرورش کی تھی جس کی شادی کا ذکر احادیث میں بھی موجود ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تقریباً بیس سال حکومت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری سالوں میں 58 ہجری رمضان المبارک میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں بلکہ مسلمانوں کے عام قبرستان میں دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کیا جائے اور رات کو ہی دفن کیا جائے دن کا انتظار نہ کیا جائے۔ آپ رضی اللہ عنہا تھوڑے دن بیمار رہیں اور 7 رمضان المبارک بروز منگل 58 ہجری بمطابق 13 جون 678 عیسوی میں نماز وتر ادا کرنے کے بعد فوت ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً چھتر سال تھی۔

جیسے ہی لوگوں کو آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کی خبر ملی ہر کوئی اپنے گھروں سے نکل آیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی جنازہ رات کے وقت ہی مدینہ کے قائم مقام گورنر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہا نے پڑھائی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ روایات کے مطابق اتنا ہجوم پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا۔

طبقات ابن سعد، صفحہ نمبر 52 پر یہ روایت موجود ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ پر اتنا رش تھا کہ روز عید کے اژدھام کا گمان ہوتا تھا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن عتیق عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارا جو کہ آپ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور بھانجے لگتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے وصال پر پورا عالم اسلام آبدیدہ اور غم زدہ تھا۔ ایک مدنی سے کسی نے پوچھا!

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے وصال پر اہلِ مدینہ نے کتنا غم کیا؟"

اس نے جواب دیتے ہوئے کہا!

"وہ جس جس کی ماں تھی اسی کو ان کا غم تھا۔ یعنی تمام مسلمان اس غم میں برابر کے شریک تھے۔"

مسند ام سلمہ، صفحہ نمبر 224 پر یہ روایت موجود ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے وصال پر رونا دونا سن کر بولیں!

"عائشہ کے لئے جنت واجب ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ اللہ تعالیٰ عائشہ پر پر رحمت بھیجے کہ یہ اپنے باپ کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔"

اُمُّ المومنین سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا: ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات میں چوتھا نمبر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا عقل وفہم، علم وعمل، کردار وگفتار اور فقہی مسائل میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد تمام امہات سے ممتاز تھیں۔ آپ قدیم الاسلام تھیں یعنی ان ابتدائی چند لوگوں میں سے تھیں جنہوں نے اعلانِ نبوت کے ابتدائی زمانہ میں ہی اسلام کی دولت سمیٹ لی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا چونکہ ابتدائی زمانہ میں ہی مسلمان ہوگئی تھیں، اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے کفارِ مکہ کی بہت زیادہ تکالیف اور مصائب وآلام برداشت کیے۔ آپ

رضی اللہ عنہا صبر وتحمل، بردباری اور صاف گوئی میں اپنی مثال آپ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا شرافت وسیادت اور امارت و آسائش کی گود میں پلی بڑھی تھیں۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی عرب کے مشہور ترین رئیس تھے اس لیے مال و دولت کی فراوانی تھی اور ہر قسم کی آسائش میسر تھی۔

آپ رضی اللہ عنہا کا اصل نام ہند اور کنیت ام سلمہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ اصل نام کی بجائے اس کنیت سے ہی پکاری جانے لگیں۔

حضرت عبداللہ جو کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیت سے مشہور تھے، بڑے بہادر، جی دار اور ماہرِ حرب تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے 2 ہجری میں جنگِ بدر میں شرکت کی اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ پھر 3 ہجری میں جنگِ اُحد میں شرکت کی اور بڑی دلیری کے ساتھ لڑے۔ اسی جنگ میں ابواسامہ جشمی نے ایک زہر آلود تیر ان کو مارا جوان کے بازو میں لگا، ایک ماہ کے مسلسل علاج سے زخم بظاہر مندمل ہوگیا لیکن زہر اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا۔ جنگِ احد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ طلحہ اور اسد بن خولید وادی قطن میں لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کیلئے ابھار رہے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سازش کو ابتداء میں ہی ختم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس لیے آپ نے محرم الحرام کے اوائل میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ڈیڑھ سو مجاہدین ان کی سرکوبی کیلئے بھیجے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے بڑی حکمت کے ساتھ ان سازشیوں کی جمیعت کو ختم کیا اور بہت سی بھیڑ بکریاں اور اونٹ وغیرہ مالِ غنیمت لے کر کامیاب واپس لوٹے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس مہم کو 39 دنوں میں سر کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کامیاب واپسی کے تھوڑے دن بعد ہی آپ رضی اللہ عنہ کا جنگِ اُحد والا زخم پھر تازہ ہوگیا۔ آپ رضی اللہ عنہ تھوڑے دن بیمار رہے اور جمادی الاآخر 4 ہجری میں وصال فرما گئے۔ وصال کے وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے!

”اے اللہ! میرے اہل وعیال کی اچھی طرح نگہداشت فرمانا۔“

روایت کے مطابق حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے خود جا کر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے وصال کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پورے گھر میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ خواتین پردے کے پیچھے آہ وفغاں میں لگی ہوئی تھیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بار بار یہ کہتی!

”ہائے! غربت میں یہ کسی موت آئی۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دلاسہ دیا اور فرمایا!

”ان کے لئے دُعائے مغفرت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو۔

”اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلَهٗ وَاعْقِبْنِیْ مِنْهُ عُقْبٰی حَسَنَةً“

”اے اللہ! مجھے اور انہیں بخش دے اور مجھے ان کے بعد اچھا نعم البدل عطا فرما۔“

دوسری روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے آخری وقت ان کی عیادت کے لئے آئے لیکن جیسے ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے تو ان کی روح پرواز کر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی دونوں آنکھوں کو بند کیا اور فرمایا!

''انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی دونوں آنکھیں اس کو دیکھنے کے لئے کھل جاتی ہیں۔''

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 172)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ خود بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھائی اور اس میں نو تکبیریں کہیں۔ جنازہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ زائد تکبیریں سہواً تھیں؟ اگر نہیں تو اس میں راز کیا ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''یہ سہواً نہیں تھیں بلکہ یہ تو ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔''

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 289) (زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 275)

حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے شوہر بارگاہِ نبوی سے واپس آئے تو بہت خوش تھے۔ میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ یہ دُعا مانگے!

''اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا''

''اے اللہ! میری مصیبت میں میرا اجر قائم فرما اور اس سے بہتر میرے لیے اس کا قائم مقام بنا۔''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے خاوند حضرت ابو سلمہ فوت ہوئے تو مجھ پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ اس دعا کو میں نے اپنا معمول بنالیا۔ جب میں دعا پڑھتی اور اس جگہ پہنچتی کہ ''میرے لیے اس سے بہتر قائم مقام بنا'' تو میں سوچتی کہ ابو سلمہ سے بہتر مسلمان کون ہو سکتا ہے؟ لیکن چونکہ یہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا اس لیے میں اس دعا کو کثرت کے ساتھ پڑھتی رہی۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا!

''میں نے سنا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر اس کی زندگی میں فوت ہو جائے اور وہ عورت اس کے بعد شادی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی مرد کی بیوی فوت ہو جائے اور وہ اس کے بعد دوسری شادی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس مرد کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ اس لیے آؤ ہم دونوں یہ عہد کریں کہ ہم میں سے جو بھی پہلے فوت ہو جائے تو دوسرا اس کے بعد شادی نہیں کرے گا۔''

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا!

''تم میرا کہا مانو گی؟''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا!

''کیوں نہیں! اس سے بڑھ کر میرے لیے اور سعادت کی کون سی بات ہو سکتی ہے۔''

تو حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا!

''اگر میں پہلے فوت ہو جاؤں تو تم ضرور شادی کر لینا۔''

اس کے بعد حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی!

''یا اللہ! اگر میں ام سلمہ کی زندگی میں انتقال کر جاؤں تو تو اسے مجھ سے بہتر شخص عطا فرمانا۔''

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 88) (سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 203)

جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں۔ وضعِ حمل کے بعد جب عدت گزر گئی تو انہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے نکاح کا پیغام دیا جو انہوں نے مسترد کر دیا۔ پھر آپ کے ماموں زاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیغامِ نکاح بھیجا تو انہوں نے یہ بھی مسترد کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام نکاح بھیجا تو انہوں نے کہا!

''مَرْحَبًام بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ''

کیونکہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔ انہوں نے پیغام نکاح قبول کر لیا لیکن تین عذر پیش کیے!

1: میں بہت زیادہ غیرت والی عورت ہوں سوکنوں کو برداشت نہ کر سکوں گی۔

2: میں بچوں والی عورت ہوں، بچوں کی کفالت و نگہداشت میرے ذمہ ہے۔

3: میں ایسی عورت ہوں جس کا یہاں کوئی وارث موجود نہیں ہے جو میری شادی کا اہتمام کر سکے اور بعض روایات کے مطابق تیسرا عذر بیان کیا کہ میری عمر زیادہ ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے یہ عذر سنے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا!

''اپنی جس غیرت کا تم نے ذکر کیا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ تم سے دور کر دے۔ جن بچوں کا تم نے ذکر کیا ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے کافی ہوگا اور تیسری بات جو تم نے بیان کی ہے کہ تمہارا کوئی وارث اس وقت موجود نہیں ہے تو تمہارا نہ تو کوئی موجودہ وارث اور نہ کوئی غائب وارث ایسا ہو سکتا ہے جو مجھے ناپسند کرے۔''

چنانچہ ان کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شوال 4 ہجری کی آخری تاریخوں میں ہوگئی۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 296) (تفسیر الطبری، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 7) (تفسیر القرطبی، جلد نمبر 14، صفحہ نمبر 182) (الثمین، صفحہ نمبر 20) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1921) (دلائل النبوۃ، للبیقی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 463) (تہذیب للنووی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 362)

روایات کے مطابق چونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی غریب الوطنی، اسلام کے لئے برداشت کی گئی تکالیف، غربت اور بے سہارگی کا بے حد احساس تھا اس لیے یکے بعد دیگرے ان کو نکاح کا پیغام دیتے رہے۔ ان میں سے کسی کی بھی خواہش دنیاوی نہ تھی۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''جب میں اپنے شوہر حضرت ام سلمہ کے وصال کے بعد دعا مانگتی تو جب میں یہاں تک پہنچی کہ مجھے اس سے اچھا نعم البدل عطا فرما تو میں سوچتی کہ ابو سلمہ سے زیادہ اچھا مسلمان اور کون ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی میں یہ دعا

کرتی رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسلمہ سے بہتر نعم البدل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں مجھے عطا فرمایا۔"

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت سیدہ زینب بنت خذیمہ رضی اللہ عنہا (جن کا وصال ہو چکا تھا) کے گھر میں ٹھہرایا۔ اس گھر کا کل اثاثہ دو چکیاں، ایک گھڑا جس میں جو رکھے ہوئے تھے، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک ہانڈی اور چند برتن تھے۔ جس دن آپ رضی اللہ عنہا رخصت ہوکر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئیں اسی دن آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھوں سے جو پیسے، روٹیاں تیار کیں، ان پر گھی لگایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ ولیمہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تین دن تک رہے اور جب جانے لگے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"تم اپنے شوہر کی نظر میں کم نہیں ہو۔ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن قیام کروں اور پھر باقی ازواج کے ہاں بھی سات سات دن رہوں؟"

اس پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

"حضور! تین دن ہی ٹھیک ہیں کیونکہ میں اتنی زیادہ جدائی برداشت نہ کرسکوں گی۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا اور وہ رخصت ہوکر آئیں تو ان کا طریقہ زندگی ایسا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کا مزاج دوسری ازواج کے ساتھ ملتا ہی نہیں لیکن چند ہی دنوں میں وہ دوسری ازواج کی طرح زندگی گزارنے لگیں۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 93) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 295) (مسند امام شافعی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 26) (مسند ابو یعلی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 244) (الفتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 81) (المطالب العاسیہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 133) (سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 205) (الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 223)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اور سب سے آخر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔ وصال کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر چوراسی سال تھی اور آپ کا وصال یزید کے دورِ حکومت میں واقعہ حرا کے بعد ہوا۔ واقعہ حرا 63 ہجری میں پیش آیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نمازِ جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا نے پڑھایا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

اُمُّ المومنین سیّدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا: ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کردار، گفتار، عبادات وریاضت اور شب بیداری میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ذرا سی تیزی تھی مگر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ہر وقت خوشنودی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مصروف رہتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا بلند ہمت، حق گو، سخاوت شعار، حاضر جواب

اور بہت زیادہ سمجھ دار تھیں۔ آپ اکثر روزے سے ہوتیں۔ تلاوت قرآن پاک آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ آپ اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں یہ وہ وقت تھا جب قریش کعبہ شریف کی تعمیر میں مصروف تھے۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو السابقون الاولون۔ یعنی ابتداء میں ہی قبول اسلام کا شرف حاصل کرنے والے تھے جیسے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا آپ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی مشرف با اسلام ہوگئیں اور ساتھ ہی آپ کے دیگر گھر والے بھی مسلمان ہو گئے۔ جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ہوش سنبھالا تو اس وقت ان کے تمام گھر والے مسلمان تھے۔

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت خنیس بن خذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ یہ بھی مسلمان تھے اور قبیلہ السہمی سے تعلق رکھتے تھے۔ کفار کے مظالم سے تنگ آ کر حضرت خنیس رضی اللہ عنہ نے اعلانِ نبوت کے چھ سال بعد حبشہ کی طرف ہجرت کی اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرتِ مدینہ سے کچھ عرصہ قبل مکہ واپس آ گئے اور کچھ عرصہ بعد حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

حضرت خنیس رضی اللہ عنہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جانباز سپاہی تھے۔ انہوں نے 2 ہجری میں جنگِ بدر میں شرکت کی اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ آپ رضی اللہ عنہ 3 ہجری میں غزوہ احد میں شریک ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑے۔ اس جنگ میں آپ کو کچھ کاری زخم بھی آئے۔ آپ کو مدینہ واپس لایا گیا اور علاج معالجہ کیا گیا لیکن یہ زخم صحیح نہ ہو سکے اور آپ نے انہیں زخموں کی وجہ سے جام شہادت نوش کیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں اور ان کی عدت پوری ہو گئی تو میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا ان دنوں اُن کی زوجہ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو چکا تھا۔ جب میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ رضی اللہ عنہ کو بہت مغموم پایا۔ جب میں نے ان سے غمگین ہونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا!

''میں اس لیے پریشان ہوں کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو سسرالی رشتہ تھا وہ منقطع ہو گیا۔''

میں نے ان سے کہا!

''فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَفْصَةَ''

''میں آپ پر حفصہ کا رشتہ پیش کرتا ہوں؟''

انہوں نے کہا!

''میں اس پر غور کروں گا۔''

کچھ دنوں بعد جب دوبارہ ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا!

''ابھی میں نکاح نہیں کرنا چاہتا۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

پھر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا!

"اِنْ شِئْتَ زَوَّجْتُكَ حَفْصَةَ"

"اگر آپ چاہیں تو حفصہ سے نکاح کر لیں۔"

میری بات سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے ابوبکر کی اس بے توجہی پر کچھ رنج ہوا تو میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کیا اور عرض کیا!

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے عثمان کو بھی حفصہ کے ساتھ نکاح کی پیشکش کی لیکن انہوں نے بے التفاتی سے کام لیتے ہوئے میری پیشکش کو ٹھکرا دیا۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"يَتَزَوَّجُ حَفْصَةَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْ عُثْمَانَ وَيَتَزَوَّجُ عُثْمَانُ خَيْرٌ مِّنْ حَفْصَةَ"

"حضرت حفصہ سے شادی وہ کریں گے جو عثمان سے بہتر ہوں گے اور عثمان اس سے شادی کریں گے جو حفصہ سے بہتر ہوں گی۔"

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور خود حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی۔

(صحیح بخاری، حدیث نمبر 5122) (السنن النسائی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 83-77) (مسند امام احمد حنبل، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 12) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 83) (الصحیح البخاری، کتاب النکاح، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 767) (جامع الاصول، جلد نمبر 11، صفحہ نمبر 408)

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 3 ہجری میں ہوا۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 81) (صفۃ الصفوۃ، لابن جوزی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 38) (الفتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 81) (تہذیب الاسماء والصفات للنووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 338) (الانساب الاشرف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 422) (سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 227)

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا جب حرم نبوی میں داخل ہوئیں اس وقت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں دو ازواج حضرت سیدہ سودہ بنت زمعہ اور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سن رسیدہ تھیں اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہم پلہ اور ہم عمر تھیں۔

حضرت ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اس لیے ان کے مزاج میں اپنے والد کی طرح تیزی تھی۔ اس تیزی کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو بھی کر لیتی تھیں۔ چنانچہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

"ہم لوگ زمانۂ جہالت میں عورتوں کو ذرا برابر بھی اہمیت نہ دیتے تھے لیکن اسلام کی برکت سے ان کی عظمت وشان بہت زیادہ ہوگئی اور جب خواتین کے بارے میں آیات نازل ہوئیں تو ان کی قدر و عظمت اور زیادہ ہو گئی۔ ایک مرتبہ میری بیوی نے مجھے کسی معاملے میں رائے دی تو میں نے اس سے کہا!

''تم کو رائے اور مشورے سے کیا تعلق؟''

اس نے جواب دیا!

''اے ابن خطاب! تم کو میری ذرا سی بات بھی برداشت نہیں ہوئی حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر کی گفتگو کر لیتی ہے؟''

میں یہ سن کر فوراً اٹھا اور حفصہ کے پاس گیا اور ان سے کہا!

''بیٹی! یہ میں نے کیا سنا ہے کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہے؟''

وہ بولیں!

''ہاں! ہم ایسا کرتی ہیں۔''

میں نے کہا!

''خبردار! میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں۔ تم اس خاتون (عائشہ) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔''

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے مزاج کی تیزی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے۔ دیکھا تو ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا!

''مجھے حفصہ نے تانہ دیا ہے کہ تم ایک یہودی کی بیٹی ہو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''حفصہ خدا سے ڈرو۔''

پھر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا!

''صفیہ! تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا چچا پیغمبر ہے اور تم پیغمبر کے نکاح میں ہو۔ حفصہ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے؟''

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا اسی لیے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی تعلیم کا خاص اہتمام فرماتے۔ مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت شفا بنت عبد اللہ عدویہ رضی اللہ عنہا نے ان کو لکھنا سکھایا اور ان کو چیونٹی کے کاٹنے کا دم بھی سکھایا۔ بعض اہل سیرت و مورخین کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے تمام کتابت شدہ اجزاء اکٹھے کر کے ان کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیا اور یہ اجزاء تازندگی ان کے پاس رہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرکاری طور پر قرآن مجید کا نسخہ تیار کروایا تو ان اجزاء کو سامنے رکھتے ہوئے اس کو ترتیب دیا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب قرآن مجید کی نقول تیار کروانے کے لئے اور سرکاری اخراجات سے عوام کو قرآن مجید مہیا کرنے کیلئے نسخے تیار کروائے تو جس نسخے کو بطورِ نمونہ سامنے رکھا گیا وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نسخہ تھا۔ اس کی نقول کی تیار کرنے کے بعد وہ ان کو واپس کر دیا گیا۔ ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو دین میں تفقہ کا بھی ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ وہ مختلف آیات پر غور و فکر کرتیں اور ان سے

مختلف نکات نکالتیں رہتیں۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاج شناس تھیں اس لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا موڈ دیکھ کر بے باکی کے ساتھ سوالات پوچھ لیا کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا جواب بھی مفصل دے دیا کرتیں تھیں۔ ام مبشر انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہی موجود تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب حدیبیہ جہنم میں داخل نہیں کیئے جائیں گے۔''

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر عرض کیا کہ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے!

''تم میں سے ہر شخص جہنم میں سے گزرنے والا ہے۔ یہ تیرے رب کا لازم کیا ہوا ہے جو پورا ہو کے رہے گا۔''

(القران الکریم، سورۃ تحریم، آیت نمبر 7)

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''ہاں! اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بھی تو ارشاد فرمایا ہے!''

''پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو ڈرتے تھے اور ظالموں کو اس میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔''

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 285)

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام و تابعین کرام نے تعلیم حاصل کی۔ ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں!

حضرت عبداللہ بن عمر، حمزہ بن عبداللہ، مطلب بن ابی وداعہ، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، عبداللہ بن صفوان بن امیہ، عبدالرحمٰن تیتر بن شکل، صفیہ بنت ابی عبیدہ (زوجہ عبداللہ بن عمر) حارثہ بن وہب، ام بشر انصاریہ رضوان اللہ علیہم۔

تدوینِ حدیث میں بھی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا بڑا ہاتھ ہے۔ حضرت عمرو بن رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ام المومنین کیلئے مصحف لکھا کرتا تھا۔

کتب احادیث میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے ساٹھ احادیث مروی ہیں، چار متفق علیہ ہیں، چھ مسلم شریف میں ہیں اور باقی دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کروایا۔ چنانچہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بے التفاتی کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''اللہ تعالیٰ نے عثمان کا نکاح تیری بیٹی سے زیادہ اچھی عورت سے کر دیا ہے اور تیری بیٹی کا نکاح عثمان سے زیادہ اچھے آدمی سے کر دیا ہے۔''

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا دنیا و آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو پیغام دے کر بھیجا!

''میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو کہ اس طلاق سے رجوع کر لیں کیونکہ حفصہ رضی اللہ عنہا جنت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہوں گی۔''

دُنیا میں اور جنت میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونا بہت بڑی فضیلت ہے۔

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کے سات آدمیوں نے جنگ بدر میں شرکت کی یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ وہ سات افراد یہ ہیں!

آپ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، آپ کے چچا حضرت زیاد رضی اللہ عنہ، آپ کے شوہر حضرت حنیس رضی اللہ عنہ، آپ کے تین ماموں حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مظعون، حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہم اور ان کے ماموں کے بیٹے حضرت سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ۔

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طویل نماوں کی گواہی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے دی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام دیا!

''اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ حفصہ سے رجوع فرمالیں کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی، بہت زیادہ نماز پڑھنے والی اور بہت زیادہ پرہیز گار خاتون ہے۔''

وصال کے وقت بھی حضرت ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا روزے کی حالت میں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے اجزاء کو جمع کر کے حضرت ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوادیا۔ جوتا زندگی آپ رضی اللہ عنہا کے پاس رہے۔ یہ وہ اعزاز ہے جو کسی اور زوجہ کے حصے میں نہیں آیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جو نقلیں تیار کروائیں وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نسخہ کو دیکھ کر تیار کی گئیں۔ ہمارے پاس جو قرآن پاک کے نسخے ہیں وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نسخے کے عین مطابق ہیں۔

ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی علامہ اور فقیہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تعلیم کا خود انتظام فرمایا اور حضرت شفاء بنت عبداللہ عدویہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ ان کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی صریح مخاطب فرمایا ہے۔ یہ اعزاز کسی اور خاتون کو حاصل نہیں ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتی ہیں۔!

''جس طرح آپ کے والد گرامی حضرت عمر فاروق مضبوط ارادے کے مالک ہیں ویسی ہی ان کی صاحبزادی حضرت سیدہ حفصہ بھی مضبوط ارادے کی مالکہ ہیں۔''

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا دینی مسائل پوچھنے اور بات کرنے میں بہت جری تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا قرآنِ مجید کی آیات سے نقاط نکالتی رہتیں اور جس بات میں کچھ مشکل محسوس کرتیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا جھجک پوچھ لیتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر دے دی تھی کہ میرے بعد حضرت ابو بکر اور ان کے بعد تمہارے والد عمر فاروق لوگوں کے امیر ہوں گے۔

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وصال سے قبل اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو وصیت کی کہ میری تمام جائیداد فروخت کر کے اللہ کی راہ میں تقسیم کر دینا۔ (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 396)

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو امت میں اختلاف سے سخت نفرت تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ مبارکہ میں جب جنگ صفین کا واقعہ پیش آیا اور اس کا خاتمہ تحکیم پر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کو فتنہ سمجھ کر گوشہ نشین ہونا چاہتے تھے۔ کیونکہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے کے سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی گفتگو منافقین کے ہنگامے کی نظر ہو گئی تھی۔ ایک دن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بہن حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا!

''آپ دیکھ رہی ہیں کہ لوگوں کا کیا حال ہے۔؟ اس لیے میں اس معاملے سے گوشہ نشیں ہونا چاہتا ہوں۔''

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا!

''گو کہ اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں ہے تاہم اس کوشش میں تمہیں شریک رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور مجھے ڈر ہے کہ تمہارے نہ جانے سے اور گوشہ نشینی اختیار کرنے سے ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔''

چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے سمجھانے پر اس معاملہ کی اصلاح میں شریک رہے۔ (الصحیح البخاری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 589)

مدینہ طیبہ میں صیاد نامی ایک شخص تھا اس میں دجال کی بہت سی علامات پائی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کے متعلق کچھ شک تھا۔ ایک دن اس کی حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سر راہ ملاقات ہو گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا لیکن وہ آپ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے سخت سست کہا۔ اس پر وہ اس قدر پھولا کہ سارا راستہ بند ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ چونکہ بہت بہادر اور زاہد تھے اس لیے اس کو مارنا شروع کر دیا۔ اس بات کی خبر جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا!

''تمہیں اس سے کیا غرض۔؟ اس کو چھوڑ دو۔! تمہیں پتہ نہیں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا۔'' (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 283)

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان بہت زیادہ پیار تھا اور یہ ہر کام باہمی مشاورت سے کرتی تھیں لیکن مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زیادہ حصہ حاصل کرنے کیلئے ان میں کبھی کبھار شک و رقابت کا اظہار ہو جاتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں شریک تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے ساتھ ساتھ چلتے اور ان سے باتیں کرتے رہتے۔ ایک روز سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا!

''آج رات میں تمہارے اونٹ پر اور تم میرے اونٹ پر سوار ہو گی۔''

اس پر وہ راضی ہو گئیں۔ چنانچہ ان دونوں نے اپنے اپنے اونٹ بدل لیے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ اس میں عائشہ رضی

اللہ عنہا نہیں بلکہ حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے باتیں کرنے لگے۔ جب یہ قافلہ منزل پر پہنچا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر (یہ ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں!

''اے اللہ! کسی سانپ یا بچھو کو مقرر کر کہ وہ مجھے ڈس جائے۔''

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان 45 ہجری میں مدینہ طیبہ میں تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہا کا دور خلافت تھا۔ مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دیر تک جنازے کو کندھا بھی دیا۔ پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جنازے کو قبر تک لے گئے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عمر کے صاحبزادوں حضرت عاصر، حضرت سالم، حضرت عبداللہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارا۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 86) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 15) (العیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 296) (اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 67) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1812) (تہذیب الاسماء والصفات، للنووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 339)

اُمُّ المومنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا: ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں چھٹا نمبر ہے۔ آپ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں۔ آپ خود اپنے نکاح کے ولی ہونے کے اعتبار سے تمام ازواج مطہرات میں ممتاز ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج سے کہا کرتیں!

"لَيْسَتِ امْرَةٌ مِّنْهُنَّ اِلَّا زَوَّجَهَا اَبُوْهَا اَوْ اَخُوْهَا اَوْ اَهْلِهَا غَيْرِىْ زَوَّجَنِىَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ"

''میری علاوہ تم میں سے ایسی کوئی بھی عورت نہیں مگر اس کی شادی یا تو اس کے باپ یا اس کے بھائی یا اہل خاندان نے کی مگر میری شادی کا آسمان سے خود اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اہتمام فرمایا۔''

حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا وہ عظیم المرتبت خاتون ہیں جن کی وجہ سے اسلام سے دو ایسی رسموں کا قلع قمع ہوا جو اسلامی مزاج کے سخت خلاف تھیں۔ ان میں ایک تو غلام اور آزاد، غریب اور مالدار، صاحب نسب اور غلام کے درمیان تمیز کا خاتمہ کر کے سب کو مساوی حقوق عطا کرنا اور دوسرا اپنے متبنیٰ بیٹے کی بیوی سے بعد از طلاق نکاح کرنا شامل تھا۔ جس کو عرب بہت برا خیال کرتے تھے۔

ام المومنین کا پہلا نام برہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تبدیل کر کے زینب رکھا۔ آپ کی کنیت ام الحکم تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا قریش کے خاندان اسد بن خذیمہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اعلان نبوت سے سترہ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔

جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے حضرت زینب کی شادی ہوئی، لیکن یہ شادی قائم نہ رہ سکی، بالآخر حضرت زید نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور ان کی عدت پوری ہو چکی تو اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ زینب سے نکاح فرمالیں۔ چونکہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا اس لیے آپ علیہ السلام منافقین کی باتوں سے پس و پیچ فرمار ہے تھے۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ جس طرح حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح نہیں ہوسکتا ویسے ہی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح نہیں ہوسکتا تھا اور سگے بیٹے کی طرح وہ بھی جائیداد اور دیگر معاملات میں وارث ہوتا۔ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار اور خاص کر منافقین کی باتوں کی وجہ سے اس نکاح میں دیر فرمار ہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا دوسرا حصہ نازل فرمایا!

"وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَااللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَ النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَهُ"

(القرآن المجید، پارہ 22، سورۃ احزاب، آیت 37)

"اور آپ مخفی رکھے ہوئے تھے اپنے دل میں وہ بات جس کو اللہ تعالیٰ فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔"

امام زین العابدین بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی وجہ سے جس بات کو چھپار ہے تھے وہ یہ تھی!

"مَا اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ اِلَيْهِ اَنْ زَيْنَبَ سَيُطَلِّقُهَا زَيْدٌ وَيَتَزَوَّجُهَا عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ"

(تفسیر روح المعانی، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 24)

"اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی فرمائی کہ حضرت زید حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے اور آپ ان سے نکاح فرمائیں گے۔"

دوسری بات جو مفسرین نے بیان کی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین اور کفار کی طعن تشنیع کی وجہ سے یہ نکاح نہیں فرمار ہے تھے کہ وہ کیا کہیں گے کہ محمد نے اپنے متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کرلیا، لیکن جب آیت کا یہ حصہ نازل ہوا تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام نکاح کیلئے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ہی انتخاب کیا۔ اس انتخاب میں ایک حکمت تو یہ تھی کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنی مرضی سے طلاق دی ہے۔ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں پیغام نکاح دیا تو انہوں نے اسی وقت کہا!

"میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک میں اپنے پروردگار سے مشورہ (استخارہ) نہ کرلوں۔"

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا استخارہ کیلئے مصلی پر کھڑی ہوگئیں۔ علماء فرماتے ہیں چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں اپنے عزیز یا رشتہ دار سے مشورہ طلب نہیں کیا تھا بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے رجوع کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص ولایت سے فرشتوں کی موجودگی میں آپ کا نکاح مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کردیا اور تمام آسمانوں پر اس کا اعلان بھی فرمادیا۔ اب باری زمین پر اس نکاح کے اعلان کی تھی چنانچہ اللہ رب العزت نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمادی!

"فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝"

(القرآن المجید، سورۃ احزاب، پارہ نمبر 22، آیت نمبر 37)

''پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا تا کہ ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ طلاق دے دیں اور اللہ کا حکم تو ہر حال میں ہو کر رہتا ہے۔''

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متبسم ہوئے اور فرمایا!

''کون ہے جو حضرت زینب کے پاس جائے اور انہیں بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ان کا نکاح مجھ سے کر دیا ہے۔''

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا بھاگی ہوئی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچی اور انہیں یہ خوشخبری سنائی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اتنا خوش ہوئیں کہ اپنا سارا زیور جو اس وقت آپ نے پہن رکھا تھا سلمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا، سجدہ شکر ادا کیا اور یہ منت مانی کہ اس نعمت کے ملنے پر دو ماہ کے روزے رکھوں گی۔

(الاصابہ، رواہ ابن سعد عن ابن عباس، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 313)

نکاح کے بعد اللہ رب العزت نے فرمایا!

''مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا٥''

''اور محمد تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔'' (پارہ 22، سورۃ احزاب، آیت 40)

اور ساتھ ہی ساتھ یہ حکم بھی دے دیا کہ ''اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَآئِھِمْ'' کہ لوگوں کو ان کے حقیقی باپ کی نسبت سے پکارا کرو۔ اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد نہیں بلکہ زید بن حارثہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح ہو جانے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور بغیر اجازت کے گھر میں داخل ہو گئے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بغیر خطبہ اور بغیر گواہ کے میرے ساتھ نکاح فرما لیا ہے؟''

تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''تیرے ساتھ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر کر دیا ہے اور جبرائیل اور دوسرے فرشتے اس نکاح کے گواہ ہیں۔''

(الصحیح المسلم، حدیث نمبر 1428) (السنن النسائی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 79) (مسند امام احمد، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 195)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو مجھے خیال ہوا کہ زینب بنت جحش میں حسن و جمال تو پہلے سے موجود ہے اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح آسمانوں پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے۔

(الاصابہ، ترجمہ زینب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 313)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہونے کے بعد مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا!

''تمہارا نام کیا ہے؟''

سیدہ نے جواب دیا!

''میرا نام برہ ہے۔''

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا کا نام تبدیل کر کے زینب رکھ دیا۔

(الصحیح المسلم، حدیث نمبر 2142) (البیہقی، فی الاداب، حدیث نمبر 611)

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آسمانوں پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ رب العزت نے فرمایا اور زمین پر آپ رضی اللہ عنہا کا خطبہ نکاح آپ کے بھائی ابواحمد بن جحش نے پڑھا۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح تین، چار یا پانچ ہجری میں ہوا۔

(ابن عبدالبر فی الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1849) (البیہقی فی دلائل النبوہ، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 467)

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا حق مہر چار سو درہم مقرر فرمایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو میری والدہ ام سلیم (جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ میں خالہ لگتی تھیں) نے مالیدہ بنایا اور اس کو ایک طشت میں رکھ کر مجھے کہا!

''انس! اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ اور عرض کرنا میری والدہ نے بھیجا ہے، وہ آپ کو سلام کہتیں ہیں اور عرض کرتی ہیں کہ یہ ہماری طرف سے ایک قلیل ساھد یہ ہے قبول فرمائیں۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

''میں وہ مالیدہ لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی والدہ کی طرف سے سلام پیش کیا اور اس قلیل سے ھدیہ کو قبول کرنے کی درخواست کی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کیا اور فرمایا!

''اسے یہاں رکھ دو۔ فلاں فلاں کو لے آؤ اور راستے میں جو بھی ملے اسے بھی بلا لانا۔''

چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا کہ جن جن کے نام لیے گئے تھے انہیں بھی اور جو کوئی راستہ میں ملا میں اسے بھی بلا لایا۔ جب وہ سب آ گئے تو صفہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ بھر گیا۔''

راوی نے پوچھا ان کی تعداد کتنی تھی تو حضرت انس رضی اللہ عنہا نے بتایا!

''تیس سو یعنی تین ہزار۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''انس! وہ طشت لاؤ۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''دس دس کا حلقہ بنالو اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے۔''

چنانچہ تمام لوگوں نے کھانا شروع کیا اور سب سیر ہو گئے۔ ایک گروہ داخل ہوتا اور سیر ہو کر باہر نکلتا پھر دوسرا ، پھر تیسرا، یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ پھر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا!

''انس! اب طشت کو اٹھالو۔''

جب میں نے اس کو اٹھایا تو میں نہیں سمجھتا کہ جب میں نے اسے رکھا تھا اس وقت وہ مالید زیادہ تھا یا جب میں نے اسے واپس اٹھایا اس وقت۔''

(بخاری شریف حدیث نمبر ۵۱۶۳، مسلم شریف حدیث نمبر ۱۴۲۸، نسائی شریف جلد ۶ صفحہ ۱۳۶)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ولیمہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اہتمام کے ساتھ فرمایا کہ ایسا ولیمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی کسی زوجہ کا نہیں ہوا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا۔ آپ نے ایک بکری کو ذبح کیا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر گوشت روٹی کھلائی۔ لوگ کھانا کھا کر چلے گئے لیکن تین اشخاص وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید حیا کی وجہ انہیں تو کچھ نہیں کہا لیکن خود مجلس سے اٹھ کر ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں چلے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نکاح کی مبارک باد دی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر واپس تشریف لائے تو یہ تینوں ابھی بھی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اسی حجرے میں امیر المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر باہر تشریف لے گئے اور باری باری تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے۔ تمام ازواج مطہرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارکباد دی۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو تب یہ تینوں واپس چلے گئے تو اللہ رب العزت نے آیت حجاب نازل فرمائی!

''يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ احزاب، آیت نمبر 53)

''اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو اور نہ کھانے کا وقت تاکتے ہو، اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ پھر جب کھانا کھا چکو تو چلے جاؤ اور باتوں میں نہ لگ جاؤ کیونکہ اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے۔ سو وہ تمہارے لحاظ میں کچھ نہیں کہتے مگر اللہ تعالیٰ کو حق بات کہنے میں کوئی شرم نہیں اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کی آڑ سے مانگو۔''

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 4791)(الصحیح المسلم، حدیث نمبر 1428)(السنن الترمذی، حدیث نمبر 3215)

آیت حجاب ذی قعدہ 5 ہجری میں نازل ہوئی اس حساب سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذیقعدہ 5 ہجری میں ہوا۔ نکاح کے وقت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر 35 سال تھی۔ آیت حجاب کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں پردے ڈلوا دیئے۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جب حرم نبوی میں داخل ہوئیں تو دیگر ازواج کی طرح مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگ گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت فرماتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ رضی اللہ عنہا کی بڑی خاطر داری فرماتے تھے۔

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتیں تھیں۔!

’’مجھے تین باتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی اور بیوی اس بارے میں ناز نہیں کر سکتی۔

1: میرے جد امجد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ایک ہیں۔
2: میرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر کیا۔
3: میرے معاملے میں سفیر جبرائیل امین علیہ السلام تھے۔

(خصائص النبوۃ للسیوطی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 246) (تفسیر طبری، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 14)

آپ کے بہت سے فضائل و مناقب ہیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

1: ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی سب سے بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ ان کا نکاح مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود اللہ رب العزت نے اپنی خاص ولایت سے آسمانوں پر فرمایا اور اس نکاح کے گواہ حضرت جبرائیل اور دیگر فرشتے علیہم السلام تھے۔
2: آپ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت کی ایک قدیم اور بری متبنیٰ کی رسم مٹ گئی اور اللہ رب العزت نے حکم فرما دیا کہ لوگوں کو ان کے اصل باپ کی نسبت پکارا جائے۔
3: آپ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے ظلم و ستم اور ذلت میں گری ہوئی قوم غلام کو ایک آزاد اور صاحبِ نسب و حشمت انسان کے برابر درجہ عطا کر دیا گیا اور غلام و آقا کے درمیان تمام تمیزات کا خاتمہ کر دیا گیا۔
4: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد شاندار ولیمہ کا اہتمام کیا اور کم و بیش تین سو افراد کو گوشت روٹی اور مالیدہ سے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جو کہ کسی اور زوجہ محترمہ کیلئے نہ تھا۔
5: مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ رضی اللہ عنہا کے جد امجد ایک تھے یعنی جناب عبد المطلب رضی اللہ عنہ۔
6: سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر پردہ کا حکم نازل ہوا۔
7: صدقہ و خیرات میں آپ رضی اللہ عنہا بے مثال تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کا گھر ’’ماوی المساکین‘‘ کے نام سے مشہور تھا۔
8: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں! ’’مرتبہ و مقام میں زینب بنت جحش میرا مقابلہ کرتی تھیں اور مصطفیٰ کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کے نزدیک میری ہم پلہ تھیں۔''

9: سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا زہد وتقویٰ کا ایک پہاڑ تھیں اس کا اعلان مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں اواہ کہہ کر فرمایا۔

10: ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو عبادت وریاضت کا خاص ذوق تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے گھر میں تشریف لائے تو سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو نماز اور دعا میں مشغول پایا۔ اس پر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ''یہ بڑی نرم دل ہے۔'' اسی طرح جب حضرت زید رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نکاح لے کر آئے تو آپ رضی اللہ عنہا استخارہ کرنے میں مشغول ہو گئیں۔

11: ام المومنین سیدہ ام سلمہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتی ہیں! ''بے شک وہ بڑی نیک، بڑی روزے رکھنے والی، بڑی تہجد گزار اور بڑی کمانے والی تھیں۔ جو کماتی تھیں سارے کا سارا مساکین پر صدقہ کر دیتی تھیں۔''

12: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتی ہیں! ''میں نے کوئی عورت زینب سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیز گار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، زیادہ سخی، زیادہ مخیّر اور خدا تعالیٰ کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔ صرف مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔''

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بہت کم روایت کرتی تھیں۔ اس لیے احادیث کی کتابوں میں آپ رضی اللہ عنہا سے صرف گیارہ احادیث مروی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے جن راویوں نے روایت کی ہیں ان کے نام یہ ہیں!

سیدہ ام حبیبہ، سیدہ زینب بنت ابی سلمہ، حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش اور کلثوم بن طلق رضی اللہ عنہم۔

غیب دان نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا!

''میرے بعد تم ازواج میں سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں۔''

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لمبے ہاتھ فرمانے سے مراد صدقہ وخیرات میں زیادتی تھی۔ چنانچہ سب سے زیادہ خیرات وصدقات کرنے والی ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال سب سے پہلے ہوا۔ قاسم بن محمد کی روایت کے مطابق جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت آیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی کہ مجھے اس کفن میں دفنایا جائے جو کہ آپ نے خود اپنے لئے تیار کیا تھا اور پھر فرمایا!

''ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میرے لیے کفن بھیجیں تو اسے صدقہ کر دینا۔''

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کے وصال کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کیلئے بھیجے جو آپ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کو بطور صدقہ دے دیئے گئے۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 115)

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ مجھے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابوت پر اٹھایا جائے۔ اس سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس تابوت پر اٹھایا جا چکا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا وہ پہلی خاتون تھیں جن کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابوت پر اٹھایا گیا۔

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال 20 ہجری میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 53 سال تھی۔ خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

روایات کے مطابقت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی تدفین کے لئے ایک خاص قسم کی کھاٹ بنائی گئی جس پر انہیں رکھا گیا اور کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا۔ خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اس کھاٹ کو دیکھا تو فرمایا!

''یہ کتنی اچھی اور کتنی ستر پوش ہے۔''

آپ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون تھیں جن کیلئے اس طرح کی کھاٹ بنائی گئی۔ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی لحد تیار کی جا رہی تھی تو گرمی بہت زیادہ تھی اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس جگہ پر خیمہ لگوا دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو بقیع میں کسی قبر پر لگوایا گیا۔ جب جنازہ قبرستان میں لایا گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کو قبر میں خود اتارنے کا ارادہ ظاہر فرمایا لیکن جب دیگر ازواج مطہرات سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا!

''ان کو لحد میں وہی اتار سکتا ہے جو ان کا شرعی محرم ہے۔''

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسامہ بن زید، حضرت عبداللہ بن جحش، محمد بن عبداللہ بن جحش اور عبداللہ بن ابی احمد بن جحش رضی اللہ عنہم نے لحد میں اتارا۔

جب سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

''افسوس! آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی، عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کی ملجا و ماویٰ تھی۔'' (الصحیح البخاری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 191) (الصحیح المسلم، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 341)

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے سب کچھ اپنی زندگی میں ہی خیرات کر دیا تھا۔ صرف ایک مکان ہی آپ رضی اللہ عنہا کا ترکہ تھا جسے خلیفہ یزید بن عبدالملک نے پچاس ہزار درہم میں خرید کر مسجد نبوی شریف میں داخل کر دیا۔

اُمُّ المومنین سیّدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا: ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا مصطفیٰ کریم علیہ السلام کی ازواج میں ساتویں نمبر پر ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا بہت دریا دل، غریب پرور، سخی اور مساکین کی خبر گیری کرنے والی خاتون تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا بھوکوں کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا زمانہ جاہلیت میں ہی ''ام المساکین'' (مسکینوں کی ماں) کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کا نام زینب، لقب ام المساکین اور آپ کو ہلالیہ اور عامریہ کے ساتھ بھی پکارا جاتا تھا۔ کیونکہ آپ ہلال بن عامر بن صعصعہ کے خاندان سے تھیں جو کہ قبیلہ بنو عامر کی ایک شاخ تھی۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت سے چودہ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ رضی

اللہ عنہا کا خاندان بنو ہلال مکہ کا ایک بہت معزز خاندان تھا جو کہ قبیلہ بنو عامر کی ایک شاخ تھے اور یہ شاخ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے قبل آپ رضی اللہ عنہا جن کے نکاح میں تھیں اس بارے میں بہت اختلاف ہے۔ حضرت قتادہ بن دعامہ کا قول ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے قبل آپ رضی اللہ عنہا اپنے چچا حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 115)

ابن قلبی کا بیان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے قبل طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو ان کے بھائی عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ یہ وہ بہادر شخص تھے جنہیں جنگ بدر میں سب سے پہلے زخم لگے۔ یہ اتنی بہادری اور بے خوفی سے لڑے کہ کفاران کے مقابلہ میں آنے سے گھبرانے لگے۔ جب یہ زخمی ہو گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین انہیں اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر اپنی ران مبارک پہ رکھا۔ میدانِ بدر سے واپسی کے بعد عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ان زخموں کی وجہ سے جام شہادت نوش کیا۔

(الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 673) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 396) (مرشد المختار، لابن طولون، صفحہ نمبر 261)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے قبل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح میں تھیں جو کہ ام المومنین حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بہت جلیل القدر صحابہ کرام میں شامل تھے۔

(مستدرک حاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 33) (دلائل النبوۃ، للبیہقی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 159) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 396) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1853) (جوامع السیرۃ، لابن حزم، صفحہ نمبر 33)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ 3 ہجری کو جنگِ اُحد میں شریک تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے میدانِ جنگ میں جانے سے قبل دعا مانگی!

''اے خالق کون و مکاں! مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور غضب ناک ہو، میں تیری راہ میں لڑتا ہوا اس کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں اور وہ میرے ہونٹ ناک اور کان کاٹ ڈالے تاکہ جب میں تجھ سے ملوں تو تو مجھ سے پوچھے کہ اے عبداللہ! تیرے ہونٹ، ناک اور کان کیوں کاٹے گئے ہیں۔؟ تو میں عرض کروں! الٰہی! تیرے اور تیرے رسول کے لئے۔''

بارگاہ رب العزت میں آپ کی دعا قبول ہوئی اور ہاتف غیبی کے ذریعے انہیں شہادت کی خوشخبری عطا کی گئی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

''خدا کی قسم! میں دشمن سے لڑوں گا حتیٰ کہ وہ مجھے قتل کر کے میری لاش کا مثلہ کرے گا۔''

چنانچہ جب میدانِ جنگ گرم ہوا تو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اس جوش اور بہادری سے لڑے کہ آپ رضی

اللہ عنہ کی تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ آپ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک چھڑی دی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اس چھڑی کو لے کر جھٹکا دیا تو وہ تلوار بن گئی۔ اسی حالت میں بے جگری کے ساتھ لڑتے لڑتے آپ رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ مشرکین نے ان کے ہونٹ ناک اور کان کاٹ کر انہیں دھاگہ میں پرو دیا۔ اس طرح ان کی یہ خواہش بھی رب العزت نے قبول فرمائی۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دس ماہ تک بیوہ رہیں۔ ایام بیوگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیغامِ نکاح بھیجا تو انہوں نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میرے معاملے میں خود مختار ہیں۔''

چنانچہ ابتدائے رمضان 3 ہجری کو مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے ان کو اپنے حبالہ عقد لے لیا۔ ان کا حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ (پانچ سو درہم) مقرر ہوا۔

اس وقت حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت سیدہ سودہ بنت زمعہ، حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھیں۔ جبکہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا چھ سال قبل وصال ہو چکا تھا۔ ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے کے بعد صرف آٹھ ماہ تک زندہ رہیں۔

آپ کے بہت سے فضائل ومحاسن ہیں:

1: آپ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ سخی اور فیاض تھیں اور ہر وقت ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے میں لگی رہتی تھیں۔

2: آپ رضی اللہ عنہا کو ام المساکین اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپ مساکین کو کھانا کھلانے میں بہت فیاض تھیں اور زمانہ جاہلیت میں ہی ام المساکین کے لقب سے مشہور ہوگئیں تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا یہ لقب آپ کے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی قائم رہا۔ یقیناً آپ رضی اللہ عنہا ساری عمر غرباء اور مساکین کی دادرسی میں مصروف رہیں۔

3: آپ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں وصال فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اپنا آخری سفر طے کیا۔

4: آپ رضی اللہ عنہا مہاجرین میں سے تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بھی مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

5: ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے ایک خاوند عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شہید ہوئے اور ایک خاوند حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جنگِ اُحد میں۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت حذیمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے کے بعد صرف آٹھ ماہ حیات رہیں۔ ایک روایت کے مطابق تیس (۳۰) سال اور دوسری روایت کے مطابق بتیس (۳۲) سال کی عمر میں عین وقت شباب آپ رضی اللہ عنہا نے ماہ ربیع الثانی 4 ہجری میں اس دارفانی سے انتقال فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کا نماز جنازہ پڑھایا اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ جنت البقیع میں ایک قبہ تھا جس کو ''قبہ ازواج النبی'' کہا جاتا تھا۔ یہاں پر ازواج مطہرات اسودہ خاک تھیں۔ ابن

سعود نجدی نے اس قبہ کو شہد کر دیا اور تمام مزارات کے نام ونشان تک ختم کر دیئے۔ دنیا والے اپنے ورثہ کی حفاظت کرتے ہیں لیکن ان بدبختوں کا یہ حال ہے کہ جس چیز کو بھی مصطفیٰ کریم علیہ السلام کے ساتھ کچھ بھی نسبت ہے اس کا نام ونشان بھی مٹا دینا چاہتے ہیں۔

ام المومنین سیدہ زینب حضرت ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد وہ واحد زوجہ ہیں جنہوں نے مصطفیٰ کریم علیہ السلام کی ظاہری زندگی میں وصال فرمایا اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دفن ہوئیں۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 116) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 396) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 212) (جوامع السیرۃ، صفحہ نمبر 33) (کتاب المعرفۃ والتدریخ البسوی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 322) (مرشد المختار، صفحہ نمبر 262)

اُمُّ المومنین سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا: سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام برہ تھا۔ مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے اسے تبدیل کر کے جویریہ رکھا۔ اس کے بعد آپ اسی نام سے مشہور ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب یوں ہے!

جویریہ بنت الحارث بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات میں آٹھواں نمبر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا بڑی عابدہ وزاہدہ اور حسنِ صورت وحسنِ سیرت کی مالکہ تھیں۔ ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت سے دوسال قبل رابغ اور جدہ کے درمیان علاقہ ''قدید'' میں قبیلہ ''بنو مصطلق'' کے سردار حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ کے ہاں پیدا ہوئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری سے تقریباً پونے دوسو برس قبل ملکہ سبا کی قوم کا ایک شخص عمر بن عامر اپنے اہل وعیال کے ساتھ یمن سے ہجرت کر کے عرب کے شمالی علاقوں میں آباد ہوا۔ یہی حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا جد اعلیٰ تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ جفنہ، ثعلبہ، حارثہ۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار کے قریش مکہ کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات تھے، اس لیے جب مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے اعلانِ نبوت فرمایا تو قریش کے ساتھ ساتھ بنو مصطلق بھی اسلام کے دشمن ہو گئے۔ روایات کے مطابق سردارانِ قریش کے اُکسانے پر حارث رضی اللہ عنہ نے (اسلام لانے سے قبل) مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے اور مدینہ طیبہ پر حملہ کیلئے قریبی قبائل کی مدد حاصل کرنا شروع کی جب اس جنگی تیاریوں کی خبر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ علیہ السلام نے تحقیق کیلئے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ تحقیقِ احوال کے بعد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہا نے اس خبر کی تصدیق کی۔ چنانچہ مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے اس فتنہ کو ابتداء میں ہی ختم کرنے کا ارادہ فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے خلاف جہاد کا حکم دیا۔ یہ 2 شعبان سن 5 ہجری کا واقعہ ہے۔

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بنو مصطلق کے خلاف خروج کا حکم دیا تو منافقین کی ایک بہت بڑی تعداد بھی مالِ غنیمت کی لالچ میں آپ علیہ السلام کے ساتھ ہوگئی۔ یہ وہ منافقین تھے جنہوں نے اس سے قبل کسی بھی

غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ چونکہ اب انہیں فتح صاف نظر آ رہی تھی اس لیے مالِ غنیمت کے لالچ میں یہ بھی ساتھ ہو لیے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور بنو مصطلق کی طرف روانہ ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

تیز رفتاری کے ساتھ اسلامی لشکر منازل طے کرتا ہوا مریسیع (مریسیع ایک چشمے کا نام ہے جس کی وجہ سے یہ مقام ہی مریسیع کے نام سے مشہور ہوگیا) کے مقام پر پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔جب اسلامی لشکر کی آمد کی خبر بنو مصطلق کے سردار حارث کو ہوئی تو وہ اور اس کا لشکر سب ڈر کر بھاگ گئے مگر مریسیع کے باشندوں نے صف آرائی کی اور مسلمانوں کے مقابلے کیلئے تیار ہو گئے۔انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا جس کے جواب میں مسلمانوں نے یکبارگی ان پر حملہ کر دیا جس سے ان کے قدم اکھڑ گئے جس کے نتیجہ میں ان کے دس آدمی مارے گئے اور چھ سو گرفتار کر لیے گئے۔مالِ غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بھیڑ بکریاں ہاتھ آئیں۔ان گرفتار شدگان میں بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی برہ (حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا) بھی تھیں۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 45)(تفسیر زرقانی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 96)

مالِ غنیمت کے تقسیم میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئیں تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ مجھ سے مکاتبت کر لیں۔مکاتبت یہ ہوتی ہے کہ غلام اپنے آقا سے معاہدہ کر لے کہ میں اتنی رقم دے کر آزاد ہو جاؤں گا۔جب غلام اور آقا اس پر راضی ہو جائیں اور غلام مقررہ رقم ادا کر دے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔چنانچہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت جویرہ رضی اللہ عنہا سے نو اوقیہ یعنی تین تولے سونے کے عوض مکاتبت کر لی۔چونکہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سونا نہ تھا اس لیے انہوں نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا!

''آپ جانتے ہیں کہ میں سردارِ بنو مصطلق کی بیٹی ہوں۔قیدی یا غلام بنالیا جانا میرے لیے بہت مصیبت کی بات ہے۔چونکہ میں تقسیم میں ثابت ابن قیس کے حصہ میں آئی ہوں اس لیے میں نے ان سے نو اوقیہ سونے پر مکاتبت کر لی ہے۔اب میں آپ کی خدمت میں بدلِ کتابت کی اعانت کیلئے حاضر ہوئی ہوں۔''

مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے ان کی تالیفِ قلب کے لئے فرمایا!

''اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں۔وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے مکاتب کی واجب الادا رقم دے کر تم کو آزاد کر دوں اور پھر تمہیں اپنی زوجیت میں لے لوں۔''

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

''میں اس پر راضی ہوں۔'' (ابوداؤد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 192)

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ بہت سے اونٹ اپنے ساتھ لے کر اپنی بیٹی جویریہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑنے کیلئے دربار رسالت کیلئے چلے۔ان اونٹوں میں سے دو اونٹ انہیں بہت پسند آئے اس لیے جب وہ مدینہ کے قریب پہنچے تو ان دونوں اونٹوں کو ایک گھاٹی عقیق میں چھپا دیا تاکہ یہ فدیہ دینے سے بچ جائیں اور واپسی پر انہیں

اپنے ساتھ لیا جائے۔ جب یہ مدینہ پہنچ کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور بہت سے اونٹ اپنی بیٹی کے فدیہ کے لئے پیش کیے تو غیب دان نبی علیہ السلام نے فرمایا!

''وہ دو اونٹ اس میں کم ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو!''

حارث رضی اللہ عنہ نے اسی وقت کہا!

''اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ''

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔''

اور عرض کیا!

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے علاوہ اس بات کا کسی اور کو علم نہیں ہے۔ اگر آپ اللہ کے سچے رسول نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس بات سے مطلع نہ فرماتا۔''

(خصائص الکبریٰ، للسیوطی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 236) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 399) (الاصابہ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 281)

حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بیٹی سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا فدیہ پیش کرنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اس معاملے کو خود جویریہ کے اختیار اور مرضی پر چھوڑ دوں؟''

حارث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا چونکہ وہ جانتے تھے کہ برہ (جویریہ رضی اللہ عنہا) کبھی بھی غلامی کی زندگی برداشت نہ کرے گی اور ہمارے ساتھ جانے کو ترجیح دے گی۔ چنانچہ حارث رضی اللہ عنہ جب اپنی بیٹی سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور انہیں تمام معاملہ بتایا اور کہا کہ تم ہمیں رسوا نہ کرنا۔ اس پر سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

''میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔''

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر فدیہ لیے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کے وقت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی عمر بیس سال تھی۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ 118) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 24، صفحہ نمبر 59) (مصنف عبد الرزاق، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 271) (شرح معانی الاثار، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 20) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 282)

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے تین رات قبل خواب دیکھا کہ چاند یثرب (مدینہ) سے آرہا ہے اور میری آغوش میں آکر گر جاتا ہے۔ میں نے اپنا خواب لوگوں کو بتانا پسند نہ کیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق پر حملہ کر دیا۔ جب ہم قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے تو میں نے اپنے اس خواب کی تعبیر کی امید لگائی۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے میرے خواب کی تعبیر یوں پوری فرمائی مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے مجھے آزاد کر کے اپنی ازواج میں شامل فرما لیا۔

(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 27) (دلائل النبوۃ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 50) (مغازی، للواقدی، جلد نمبر 411)

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمالیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس نکاح کی خبر ہوئی تو انہوں نے بنی مصطلق کے تمام قیدی یہ کہتے ہوئے آزاد کردیئے کہ اب یہ لوگ مصطفیٰ کریم علیہ السلام کے سسرالی رشتہ دار بن گئے ہیں۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے بنو مصطلق کے ایک سو سے بھی زیادہ گھرانوں کو ایک ہی دن میں آزاد کردیا گیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''میں نے جویریہ سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت اور باعثِ رحمت نہیں دیکھا۔ جن کی وجہ سے ایک دن میں سو گھرانے آزاد ہوئے۔'' (مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 277)

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد کی برکت ورحمت کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا، آپ کے والد اور سو گھرانے جو قیدی بنا کر لائے گئے تھے سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ جب یہ لوگ واپس اپنے قبیلے میں گئے تو مسلمانوں کا ایثار اور محبت دیکھ کر اکثر دولت ایمان سے بہرہ افروز ہوئے۔ یہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح ہی کی برکت تھی کہ قبیلہ بنی مصطلق جو پہلے مسلمانوں کا دشمن تھا اب خود دائرۂ اسلام میں داخل ہوکر مسلمانوں کا معین ومددگار بن گیا۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوگئے اور انہوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح ہونے کے بارے سنا تو وہ مال واسباب جو آپ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے فدیہ کے لئے لائے تھے سب کا سب مدینہ کے غربا اور مساکین میں تقسیم کر دیا اور بہت خوشی ومسرت کا اظہار کیا۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی نہ پہلے خاوند مسافع سے اولاد تھی اور نہ ہی مصطفیٰ کریم علیہ السلام سے۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''جویریہ رضی اللہ عنہا خوب صورت اور خوب سیرت تھیں۔ ان میں حلاوت وملاحت ووصت تھے جس کی وجہ سے جو بھی انہیں دیکھتا اپنے دل میں جگہ دینے پر مجبور ہوجاتا۔''

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بہت خوددار تھیں۔ اپنی عزتِ نفس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اپنی آزادی کے لئے آپ رضی اللہ عنہا کا جدوجہد کرنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کو غلامی کی حالت میں رہنا بہت شاق تھا۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بڑی عابدہ اور ذاکرہ تھیں۔ عبادت سے انہیں خاص شغف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اکثر نفلی عبادات کرتے ہوئے پاتے۔ ایک مرتبہ مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے انہیں صبح کے وقت اپنے مصلیٰ پر عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔ دوپہر کے وقت جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے دوبارہ گزر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا ابھی بھی مصلیٰ پر بیٹھی عبادت کررہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا!

''کیا تم ہمیشہ ایسا ہی کرتی ہو؟''

حضرت سیدہ جویرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''یہ کلمات پڑھا کرو۔ان کو تمہاری نفلی عبادات پر ترجیح حاصل ہے۔''

وہ کلمات یہ ہیں!

''سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَضٰى نَفْسِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَضٰى نَفْسِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ زِنَةَ عَرْشِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ'' (السنن الترمذی، صفحہ نمبر 590)

دوسری روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ کلمات پڑھنے کیلئے بتائے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ! (تین مرتبہ)

سُبْحَانَ اللّٰهِ زِنَةَ عَرْشِهٖ (تین مرتبہ)

سُبْحَانَ اللّٰهِ رِضَا نَفْسِهٖ (تین مرتبہ)

سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (تین مرتبہ)

(صحیح مسلم، حدیث نمبر 2726) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 324) (زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 255)

ایک مرتبہ مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔اس دن سیدہ جویرہ رضی اللہ عنہا روزہ سے تھیں۔ مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا!

''کیا تم نے کل روزہ رکھا تھا۔''

انہوں نے جواب دیا!

''نہیں!''

آپ علیہ السلام نے پوچھا!

''کیا کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟''

آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا!

''نہیں!''

اس پر مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''پھر تم روزہ افطار کرلو۔'' (صحیح بخاری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 266)

علماء کرام نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ میں کم از کم تین روزے لازمی رکھا کرتے تھے اور یہ مسلسل ہوتے اور ان میں سے ایک دن جمعہ کا لازمی ہوتا تھا۔اس لیے صرف اکیلے جمعہ کے دن روزہ رکھنے میں اختلاف ہے۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احتیاط اسی میں ہے کہ اکیلے جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھا جائے بلکہ اس کے ساتھ ایک اور روزے کا اضافہ کرلیا جائے۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ دیگر ازواجِ مطہرات کی طرح یہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مدارت میں لگتی رہتیں تھیں۔ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو فرمایا!

''کیا کچھ کھانے کو ہے؟''

تو انہوں نے عرض کیا!

''یارسول اللہ! سوائے صدقہ کے گوشت کے کچھ بھی نہیں ہے۔''

اس پر مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے فرمایا!

''وہ ہی لے آؤ۔ کیونکہ جس کو صدقہ دیا گیا تھا اس کو وہ پہنچ گیا ہے۔(یعنی تمہارے لیے وہ صدقہ تھا میرے لیے تمہاری طرف سے تحفہ ہے۔)''(صحیح مسلم، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 400)

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بڑے فضل والی تھیں۔ آپ نے مصطفیٰ کریم علیہ السلام سے چند احادیث بھی روایت کی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے جن حضرات نے احادیث روایت کیں ان کے نام یہ ہیں!

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر، ابوایوب المراغی، کلثوم بن المصطلق، عبداللہ بن شداد بن الہاد، حضرت عبید بن السباق طفیل، حضرت مجاہد، حضرت کریب، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ام المومنین سیدہ جویرہ رضی اللہ عنہا کے سنِ وصال کے میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا ربیع الاول 50 ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئیں اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ وصال کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 65 سال تھی۔ گورنر مدینہ مروان بن حکم نے آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 120)(عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 399)(تہذیب النووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 336)(السیرۃ النبویہم لابن ہشام، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 289)(تاریخ خلیفہ بن خیاط، صفحہ نمبر 224)(زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 1253)(الاصابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 265)

اُمُّ المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا: ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ سلام اللہ علیہا کا ازواج مطہرات رسول اللہ علیہم اجمعین میں نواں نمبر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا یہود کے قبیلہ نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ آپ بہت زیادہ عقل مند، خوش خلق، بردبار، علم وفضل میں ممتاز، نہایت حلیم الطبع، کشادہ دل، سیر چشم اور صابروشاکرہ خاتون تھیں۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام زینت یا زینب تھا۔ عرب میں مالِ غنیمت کے ایسے حصہ کو جو بادشاہ یا سالارِ جنگ کے لئے مخصوص ہوتا تھا ''صفیہ'' کہتے تھے۔ چونکہ حضرت زینب غزوۂ خیبر میں خاص مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئیں اس لیے صفیہ کے نام سے پکاری جانے لگیں۔ ابن ابی زبالہ نے المنتخب میں آپ رضی اللہ عنہا کا نام حبیبہ بیان کیا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت کے دو سال بعد یہود کے مشہور قبیلہ بنونضیر کے سردار حیی بن اخطب کے ہاں پیدا ہوئیں۔ آپ کی کنیت ''ام یحییٰ'' تھی۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا چونکہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے رئیس زادی تھیں اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے ابتداء سے ہی خوشحالی دیکھی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بڑے نازونعم میں پرورش پائی۔ جب آپ رضی اللہ عنہا کی عمر

بارہ سال ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا کی شادی بنو قریضہ کے مشہور شہسوار سلام بن مشکم سے کر دی گئی لیکن دونوں میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکا جس کے نتیجہ میں مشکم نے آپ کو طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد آپ کے والد نے آپ کا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے کر دیا جو خیبر کے رئیس اعظم ابو رافع کا بھتیجا اور خیبر کے سب سے مضبوط قلعہ القموس کا حاکم تھا۔

یہودیوں نے چونکہ مدینہ سے نکلنے کے بعد خیبر کو اپنا مرکز بنالیا تھا اور روز بروز اپنی طاقت میں اضافہ کر رہے تھے اور ان کا مقصد مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنا تھا۔ کئی سال کی مسلسل تیاری کے بعد اور سامانِ حرب جمع کر لینے کے بعد انہوں نے بنو غطفان اور بنو اسد کو اس شرط پر اپنے ساتھ ملالیا کہ مدینہ کی فتح کے بعد نصف نخلستان ان کو دے دیا جائے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر اس فتنہ کو ختم کرنے کیلئے خیبر روانہ ہوئے اور حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثاروں کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے یہودیوں کو مسلمانوں کی روانگی کی خبر دے دی۔ چنانچہ وہ مکمل تیاری کے ساتھ میدان میں نکل آئے لیکن ان کے اندازے سے قبل ہی مسلمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں خیبر پہنچ گئے جس کی وجہ سے یہود کے ہوش اڑ گئے اور انہوں نے میدان میں مقابلہ کے بجائے قلعہ بند ہو کر مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کر دی۔

محرم سات ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف روانہ ہوئے اور خیبر اور غطفان کے درمیان رجیع نامی وادی میں خیمہ زن ہوئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر اس لیے پڑاؤ کیا تا کہ یہ دونوں بستی والے اہل خیبر کی مدد نہ کر سکیں کیونکہ یہ دونوں اہل خیبر کے حلیف تھے۔ جب اہل غطفان کو مسلمانوں کی خیبر پر چڑھائی کی خبر ہوئی تو وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جمع ہو کر یہودیوں کی مدد کیلئے روانہ ہوئے۔ ابھی یہ ایک منزل ہی گئے تھے کہ پیچھے انہیں اپنے اہل و عیال میں بے چینی محسوس ہوئی۔ انہوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں نے ہمارے اہل و عیال پر حملہ کر دیا ہے اس لئے وہ واپس ہو گئے اور اپنے اہل و عیال اور املاک میں ٹھہر گئے۔ اس طرح خیبر کا راستہ مسلمانوں کیلئے صاف ہو گیا۔

یہودیوں نے مدینہ طیبہ سے نکلنے کے بعد خیبر کو اپنا گڑھ بنالیا تھا اور اس کے ارد گرد بہت جلد چھ قلعے تعمیر کر لیے تھے۔ ان میں سب سے مضبوط اور مرکزی قلعہ القموص نامی تھا جس کا کنٹرول یہودیوں کے بہت مشہور پہلوان مرحب کے پاس تھا۔ مرحب کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ ایک ہزار آدمیوں کی طاقت کے برابر ہے۔ جب مسلمانوں نے خیبر پر حملہ کیا تو پانچ قلعے تو جلد ہی فتح ہو گئے مگر قموص قلعہ بار بار کی کوشش کے فتح نہ ہو رہا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم لے کر نکلے اور پہلے سے زیادہ شدت سے حملہ کیا مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ جب اس کی اطلاع مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

”کل میں علم (جھنڈا) اس کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اسے دوست رکھتے ہیں۔ اس کے ہاتھ پر قلعہ فتح ہو جائے گا۔“

چنانچہ اگلے دن ہر کسی کی خواہش تھی کہ جھنڈا اسے دیا جائے۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

”اَیْنَ عَلِیُّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ؟“

”علی ابن ابی طالب کہاں ہے؟“

لوگوں نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کی آنکھیں دکھتی ہیں اس لئے وہ اپنے خیمہ میں ہیں۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ بھی یہی فرمایا۔ صحابہ نے پھر یہی جواب دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ جب یہ فرمایا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی، آپ اسی وقت جلدی سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنے مرض کے بارے میں عرض کی۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن مبارک لگایا تو وہ فوراً ٹھیک ہو گئیں۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا اور قموص فتح کرنے کیلئے بھیجا۔

جب مرحب کو مسلمانوں کے حملے کیلئے آنے کی خبر ہوئی تو وہ یہ رجزیہ اشعار پڑھتا اور تکبر و غرور اور لوہے میں اٹا ہوا قلع سے باہر نکلا!

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبُ — شَاكِی السَّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

اَطْعَنُ اَحْيَانًا وَحِيْنًا اَضْرَبُ — اَذَا اللُّيُوْثُ اَقْبَلَتْ تَحْرَبُ

كَانَ حُمَایِ لِلْحُمٰى لَا يُقْرَبُ

''تمام خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں مسلح۔ دلاور اور جنگ آزمودہ۔ کبھی نیزہ چلاتا ہوں اور کبھی تلوار جب کوئی دلاور جنگ میں میرے سامنے آتے ہیں۔ میری چراگاہ سے متصل کسی اور کی چراگاہ نہیں ہوتی۔''

اس کے مقابلے پر شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور یہ اشعار پڑھے!

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَيْدَرَهْ

اَكِيْلُكُمْ بِالسَّيْفِ كَيْلَ السُّنْدَرَهْ

لَيْثٌ بِغَابَاتٍ شَدِيْدٍ قَسْوَرَهْ

''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں تلوار سے تجھے ایسے کاٹوں گا جس طرح آگ کا درخت کاٹا جاتا ہے۔ میں نہایت ہی تند خو اور بہادر شیر ہوں۔''

جب دونوں آمنے سامنے ہوئے تو ایک دوسرے پر وار شروع کئے۔ مرحب نے وار کیا جو شیر خدا نے اپنے ڈھال پر روکا اور جب شیر خدا نے وار کیا تو یہ وار اتنا کاری تھا کہ مرحب کے سر پر پہنی ہوئی لوہے کی ٹوپی کٹی، اس کی کھوپڑی کٹی اور تلوار اس کے جبڑوں تک آ گئی۔ جب مرحب مرا تو اہل خیبر کے حوصلے پست ہو گئے اور چھوٹا قلعہ قموص بھی فتح ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہو گئے۔ جب آپ قلعہ قموص کے پاس پہنچے تو اہل قلعہ مقابلہ کے لئے باہر آئے۔ ہم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے لڑنے لگے۔ دورانِ جنگ ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا جو آپ نے اپنی ڈھال پر روکا مگر یہ وار اتنا زوردار تھا کہ آپ کی ڈھال گر گئی۔ شیر خدا نے پاس ہی قلع کے دروازے کو اکھاڑا اور اس سے ڈھال کا کام لینے لگے۔ وہ اس دروازے کو اٹھائے مسلسل لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطاء فرمائی۔ جب لڑائی سے فارغ ہوئے تو ہم آٹھ آدمیوں نے اپنا پورا زور لگا دیا کہ اس دروازے کو

پلٹ دیں مگر ہم ایسا نہ کر سکے۔ (تاریخ طبری، جلد اول، صفحہ نمبر 361)

جب یہود نے اپنے ساتھیوں کو مولی گاجر کی طرح کٹتے دیکھا تو بڑی عاجزی کے ساتھ صلح کی درخواست کی جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر قبول فرمالی کہ زمین کی نصف پیداوار بطورِ جزیہ ہر سال ادا کرو گے۔ اس جنگ میں یہود کے 93 آدمی واصل جہنم ہوئے اور مسلمانوں کے 15 مجاہد شہید ہوئے۔ اس جنگ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کے تمام آدمی یا تو مارے گئے یا جنگی قیدی بنا لئے گئے۔ مقتولین میں آپ کے باپ، بھائی اور شوہر بھی تھے۔ اس طرح آپ نہایت قابلِ رحم حالت میں تھیں۔

جب خیبر فتح ہو گیا اور مال غنیمت اکٹھا کیا گیا تو ان میں چند عورتیں بھی تھیں جن میں حضرت صفیہ اور ان کی بہن بھی شامل تھیں۔ ان دونوں بہنوں کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ لے کر آ رہے تھے۔ راستے میں جب ان کے مقتولین کے پاس سے گزرے تو حضرت صفیہ کی بہن اپنے عزیز و اقارب کی لاشیں دیکھ کر چیخنے اور سینہ کوبی کرنے لگ پڑی مگر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کوئی عمل نہ کیا۔ جب ان دونوں کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اس عورت نے گریہ زاری اور ماتم شروع کر دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"اس شیطانہ کو میرے سامنے سے دور کر دو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔

جب مالِ غنیمت تقسیم ہونے لگے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا!

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایک لونڈی عطا فرمادیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"جاؤ اور پسند کر لو۔"

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لئے پسند کیا۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اعتراض کیا کہ حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ماں اور باپ دونوں جانب سے عالی نسب ہیں اور سردار کی لڑکی اور سردار کی بیوی ہیں اور حسن و جمال میں بھی یکتا ہیں اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے لئے مخصوص فرمالیں۔ اس طرح صفیہ رضی اللہ عنہا کی بھی دل جوئی ہو گی اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھی انصاف ہو گا کیونکہ دحیہ جیسے صحابہ تو بہت ہیں مگر صفیہ جیسی غنیمت میں کوئی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی نفسیات کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا!

"اچھا دحیہ اور لڑکی کو بلاؤ۔"

جب یہ حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کلبی رضی اللہ عنہ سے فرمایا!

"تم اور لونڈی لے لو۔"

پھر ان کی دلجوئی کے لئے سات لونڈیوں کے بدلے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خرید لیا اور اپنے لئے مخصوص فرمالیا۔
(روض الانف، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 6)

مدارج النبوۃ میں یہ روایت موجود ہے کہ جب حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا اور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لئے منتخب فرمالیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود خیمہ میں تشریف لے گئے۔ جب حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھا تو استقبال کے لئے کھڑی ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ بستر بچھادیا جو خیمہ میں تہہ کر کے رکھا تھا اور خود زمین پر بیٹھ گئیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے صفیہ! تمہارے باپ نے ہمیشہ ہمارے ساتھ دشمنی اور عداوت رکھی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا۔ تمہارے خاندان والوں نے ہمارے ساتھ یہ کیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حق تعالیٰ کسی بندے کو دوسرے کے گناہ کے بدلے نہیں پکڑتا۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''تمہیں اختیار ہے کہ اگر تم آزاد ہو کر اپنی قوم میں جانا چاہو تو جاسکتی ہو اور اگر اسلام قبول کرلو تو میں تمہیں آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیتا ہوں۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کرلیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمالیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی آزادی ہی آپ کا مہر قرار پائی۔

(السنن الترمذی، حدیث نمبر 1097)(سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1915)(المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 251)(تلخیص الخیر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 220)(تحفۃ الاشرف، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 188)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''جب میں قیدی بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ناپسندیدہ انسان میری نگاہ میں کوئی دوسرا نہیں تھا کیونکہ میرے گمان میں میرا باپ، شوہر، بھائی اور دوسرے رشتہ دار قتل ہو چکے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تمہاری قوم والوں نے ہمارے ساتھ یہ یہ کیا تو یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و کردار اور آپ کے اخلاق نے مجھ پر یہ اثر کیا۔ جب میں اپنی جگہ سے اٹھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب، پسندیدہ اور پیارا کوئی دوسرا میرے لئے نہیں تھا۔''

جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ میں سبز نشان دیکھا۔ آپ نے فرمایا!

''اے صفیہ! یہ کیسی سبزی ہے؟''

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز میں اپنے خاوند کی گود میں سر رکھ کر سو رہی تھی کہ میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آگرا ہے۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے خاوند کو سنایا تو اس نے اس زور سے مجھے تھپڑ مارا جس کی وجہ سے میری آنکھ میں یہ نشان پڑ گیا۔ پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا!

''کیا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے؟''

(سیرت ابن حبان، حدیث غزوہ خیبر، صفحہ نمبر 1297)(سیرت ابن ھشام، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 257)(المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 251)(البدایہ والنھایہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 198)

فتح خیبر کے بعد حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم مقام صہبا میں اترے جو کہ خیبر سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے رسم عروسی ادا فرمائی اور یہاں پر تین دن ولیمہ کیا۔ اس وقت سیدہ کی عمر سترہ برس تھی۔ اس جگہ پر سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو دلہن بنایا۔ سیدہ کا ولیمہ بھی بڑی شان کا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہا بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب عروسی کے اگلے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا!

''جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے۔''

چمڑے کا دستر خوان بچھایا گیا تو کوئی کھجور لایا، کوئی ستو، کوئی پنیر اور کوئی گھی۔ ان تمام چیزوں کو ملایا گیا تو سب نے ملکر اسے کھایا۔ اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی وغیرہ کچھ نہ تھا۔ یہ سلسلۂ دعوت تین یوم تک چلتا رہا۔

(المجمع الزوائد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 49)(مسند ابو یعلی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 62)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا حسن و جمال میں بے مثال تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا قد چھوٹا تھا مگر حسن ایسا تھا کہ جب آپ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلہن بن کر آئیں تو مدینہ کی خواتین آپ کے حسن کا شہرہ سن کر آپ کو دیکھنے کیلئے آئیں۔ ان میں ازواج مطہرات میں سے سیدہ زینب بن جحش، سیدہ حفصہ، سیدہ جویریہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھن بھی تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نقاب اوڑھ کر آئیں اور جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر جانے لگیں تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہچان لیا اور ان سے پوچھا!

''اے عائشہ! کیا دیکھا؟''

تو انہوں نے جواب دیا!

''ایک یہودیہ کو دیکھ کر آئی ہوں۔''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''ایسا مت کہو! وہ اسلام لے آئیں ہیں اور ان کا اسلام نہایت اچھا اور بہتر ہے۔''

(الاصابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 347)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے حسن کا شہرا سن کر سیدۃ النساء سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنی چند سہلیوں کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے کیلئے آئیں تو آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے کانوں کے جھمکے اتار کر دیے اور ان کے ساتھ آنے والی لڑکیوں کو بھی کچھ نہ کچھ زیور دیا۔

دیگر ازواج مطہرات کی طرح سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی حرم نبوی میں داخلے کے ساتھ ہی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور دلجوئی میں لگ گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کھانا بہت لذیذ پکاتی تھیں اور اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا کرتی تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''میں نے صفیہ سے اچھا کھانا پکانے والا کسی کو نہیں دیکھا۔''

ایک مرتبہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے کھانا پکا کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھیجا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ دیکھ کر غصہ آ گیا کہ میری باری کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری زوجہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھائیں۔ اس لئے آپ نے پیالے پر ہاتھ مارا جس سے پیالہ ٹوٹ گیا۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ پیالے کے ٹکڑے اکٹھے کرنے لگے اور خادمہ سے فرمایا!

''تمہاری ماں کو غصہ آ گیا تھا۔''

اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس جرم کا کفارہ کیا ہے؟''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''ایسا ہی پیالہ اور ایسا ہی کھانا۔''

چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ویسا ہی نیا پیالہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو واپس کیا۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتی تھیں۔ اس کی ایک مثال تو یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا قیدی بنا کر لائی گئیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنے قبیلے والوں کے پاس جانے کا اختیار دیا مگر انہوں نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا اندازہ اس طرح سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض میں مبتلا ہوئے تو تمام ازواج مطہرات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لئے آئیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے چین دیکھا تو عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش آپ کی بیماری مجھے لگ جائے۔''

دوسری ازواج ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگ پڑیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''واللہ! یہ سچی ہیں۔ صرف دکھاوے کیلئے نہیں کہہ رہیں بلکہ ان کو مجھ سے اتنی محبت ہے کہ یہ سچے دل کے ساتھ ایسا کہہ رہی ہیں۔''

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 128)(زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 296)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسنِ اخلاق کا مجسمہ کوئی اور نہیں دیکھا۔ جب میں خیبر سے قیدی بنا کر لائی گئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ اونٹنی پر سوار تھے۔ مجھے اونگھ آ رہی تھی جس کی وجہ سے میں بار بار کجاوے کے ساتھ ٹکرا رہی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار مجھے سنبھالتے تاکہ میں گر نہ جاؤ اور فرماتے!

''اے بنت حیی! تھوڑی دیر انتظار کرو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے گئے یہاں تک کہ صہبا آ گیا۔

(مسند ابویعلی، حدیث نمبر 7084) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 252)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا وصال 50 ہجری میں ساٹھ سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔ یہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا دور خلافت تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا جنت البقیع شریف میں اسودۂ خاک ہوئیں۔

(فتح الباری شرح حدیث نمبر ۲۰۳۵، طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۲۸، نووی فی التہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۴۹، صفۃ الصفوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۲، انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۴۴۴)

آپ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک مکان تھا جس کو آپ نے اپنی زندگی میں ہی خیرات کر دیا تھا۔ البتہ آپ نے ایک لاکھ درہم جو کہ ایک قطعہ زمین کی قیمت کے تھے ترکہ چھوڑا آپ نے وصیت کی کہ ان میں سے ایک تہائی میرے بھانجے کو دیا جائے۔ چونکہ آپ کا بھانجہ یہودی تھا اس لئے لوگوں نے آپ کی وصیت پوری کرنے میں تامل کیا۔ جب اس بات کا پتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو لگا تو آپ نے لوگوں کو پیغام بھیجا کہ اللہ سے ڈرو اور صفیہ کی وصیت پوری کرو۔ چنانچہ مال کا ایک تہائی آپ بھانجے کو دے دیا گیا اور باقی صدقہ وخیرات کر دیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 128) (زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 296) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 401)

اُمُّ المومنین سیّدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا: ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات میں دسواں نمبر ہے۔ آپ بڑی نیک سیرت، نیک صورت اور بڑی راسخ العقیدہ خاتون تھیں۔ آپ عالی نسب، عالی ہمت، سخی طبیعت اور پاکیزہ صفات کی مالکہ تھیں۔ آپ کو قدیم الاسلام ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ حالانکہ آپ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ تک مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی قیادت کرتے رہے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہا کا نام ''رملہ'' یا ''ہند'' اور کنیت ''اُم حبیبہ'' ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے 17 سال قبل مکہ میں مکہ کے رئیس حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر پیدا ہوئیں۔

(الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 84) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 20) (الانساب الاشراف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 438) (التہذیب فی نووی، جلد نمبر 2، صفحہ 359)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا چونکہ رئیس قریش ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں اس لیے انہوں نے بڑے نازونعم کے ساتھ پرورش پائی۔ جب جوان ہوئیں تو اپنی قوم کے حلیف عبید اللہ بن جحش سے ان کا نکاح ہوا۔ عبید اللہ اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ابتدائی زمانہ اسلام میں ہی اسلام قبول کر لیا۔ جب کفار مکہ اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اذیتیں حد سے تجاوز کر گئیں تو ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ میں ہی ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ رکھا گیا۔ ام المومنین سیدہ رضی اللہ عنہا اسی وجہ سے ام حبیبہ کے نام سے مشہور ہوئی اور ان کا اصل نام کنیت کے نیچے دب گیا۔

ہجرت حبشہ کے تھوڑے عرصہ بعد ہی سیدہ رضی اللہ عنہا کا خاوند عبید اللہ بن جحش مرتد ہو گیا اور اس نے عیسائیت کو قبول کر لیا۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''جس دن عبید اللہ مرتد ہوا اس سے پہلی رات میں نے اسے نہایت بری شکل اور بھیانک صورت میں دیکھا۔ میں اس خواب سے بہت گھبرائی۔ جب صبح بیدار ہوئی تو وہ اسلام سے منحرف ہو کر عیسائیت اختیار کر چکا تھا۔ میں نے اس امید پر اسے اسلام کی دعوت دی کہ شاید وہ متنبہ ہو جائے اور اسلام کے دامن رحمت میں دوبارہ آ جائے مگر وہ شراب و کباب میں ڈوبا رہا اور میرے کسی کہے میں نہ آیا۔''

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 97،)(المستدرک، للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 20) (زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 242) (سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 221)

عبید اللہ نے ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پر بھی عیسائیت اختیار کرنے کیلئے دباؤ ڈالا مگر آپ رضی اللہ عنہا اسلام پر سختی سے قائم رہیں۔ مذہب کے اختلاف کی وجہ سے دونوں میاں بیوی میں علیحدگی ہو گئی۔

اللہ رب العزت کی شان دیکھیئے کہ عبید اللہ نے جس بادشاہ نجاشی رضی اللہ عنہ سے متاثر ہو کر عیسائیت اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ نجاشی رضی اللہ عنہ کو ہی اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''عبید اللہ شراب و شباب میں ڈوبا رہا۔ یہاں تک کہ کثرتِ شراب کی وجہ سے حالت کفر میں ہی مر گیا۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس جماعت میں شامل ہیں جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور کفار مشرکین کی اذیتیں برداشت کی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اسلام کی خاطر اپنے والدین، بہن، بھائی، عزیز و اقارب اور وطن تک کو چھوڑ دیا تھا اور حبشہ میں آپ کا خاوند عبید اللہ آپ کا سہارا تھا لیکن وہ بھی مرتد ہو کر مر گیا۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر یہ واقعہ بڑا شاق گزرا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیفِ قلب کیلئے ان سے نکاح فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عدت ختم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ فہری رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنا کر حضرت نجاشی رضی اللہ عنہا کے دربار میں بھیجا اور فرمایا!

''اگر ام حبیبہ اس پر راضی ہوں تو میرا نکاح خود میرے وکیل بن کر ان سے کر دینا۔''

جب حضور شفیع عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اپنی خاص ابرہہ نامی کنیز کو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نکاح دینے کیلئے بھیجا اور کہا!

''اگر ام حبیبہ کو منظور ہو تو اپنی طرف سے نکاح کیلئے کوئی وکیل مقرر کر دیں۔''

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو جب حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغام نکاح ملا تو آپ رضی اللہ عنہا اتنی خوش ہوئیں کہ پیغامِ نکاح لانے والی لونڈی ابرہہ کو اپنے ہاتھوں کے دونوں کنگن، پیروں کی پازیب اور انگلیوں کے چھلے جو سب سونے کے تھے دے دیئے اور اپنے ماموں زاد حضرت خالد بن سعید بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل مقرر کیا۔

جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے رضامندی ہو گئی اور ان کی طرف سے نکاح کا وکیل مقرر کر دیا گیا تو حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے تمام مہاجر مسلمانوں جن کے سردار حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ تھے کو اپنے دربار میں بلایا اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے وکیل ہونے کے سبب سے خطبۂ نکاح پڑھا۔ اس خطبہ کو تفاسیر میں یوں بیان کیا

گیا ہے!

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ الْمُتَكَبِّرِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَّهُ الَّذِىْ بَشَّرَ بِهٖ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَتَبَ اِلَىَّ اَنْ اُزَوِّجَهٗ اُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ اَبِىْ سُفْيَانَ فَاَجَبْتُ اِلٰى مَادَعَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ اَصْدَقْتُهَا اَرْبَعَ مِائَةِ دِيْنَارٍ"

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو مالک ہے، پاک ہے، سلامتی دینے والا ہے، امن عطا کرنیوالا ہے، نگہبان ہے، سب پر غالب ہے، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والا اور متکبر ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپ وہ ہیں جن کی بشارت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ اما بعد! بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف لکھا ہے کہ میں آپ کی طرف سے آپ کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کردوں، پس میں نے اسے پسند کیا جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور چار سو دینار میں نے اپنی طرف سے ام حبیبہ کے حق مہر کے ادا کیے۔"

اس کے ساتھ ہی حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار اپنی قوم کے سامنے رکھ دیئے۔ اس کے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وکیل حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے خطبہ نکاح پڑھا!

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِيْنُهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَجَبْتُ مَادَعَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَزَوَّجْتُهٗ اُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ اَبِىْ سُفْيَانَ فَبَارَكَ اللّٰهُ رَسُوْلَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامِ"

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، میں اس کی تعریف کرتا ہوں، اس کی جناب میں استعانت کی درخواست کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ بیشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب بندے اور رسول ہیں۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ یہ مشرکوں کو ناپسند ہے۔ امابعد! بیشک میں پسند کرتا ہوں اس چیز کو جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا ہے۔ لہٰذا میں نے ام حبیبہ بنت ابی سفیان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کردیا۔ پس اللہ رب العزت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر برکتیں نازل فرمائے۔"

جب نکاح کی تقریب مکمل ہوئی، لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے ان سب کو بٹھالیا اور فرمایا!

"حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ سنت ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہوتا ہے چنانچہ سب احباب ولیمہ کی دعوت کھا کر جائیں۔"

3: قرآن مجید کی یہ آیت "عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مُوَدَّةً" سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حق میں ہی نازل ہوئی۔

4: ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی شدت سے عمل کرتی تھیں۔ اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے وصال کے تین دن بعد خوشبو لگانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق دن اور رات میں بارہ نفل پڑھنا اس کی روشن مثال ہے۔

5: ام المومنین رضی اللہ عنہا نہ صرف خود حدیث پر شدت سے عمل کرتی تھیں بلکہ دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن المعیزہ نے ستو کھا کر کلی کی تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

"تم کو وضو کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شے کو آگ لگا دے اس کے استعمال سے وضو لازم ہوتا ہے۔"

یہ مسئلہ علمائے شافعیہ وغیرہ کی تائید میں ہے۔ حنفی مسلک اس کے خلاف ہے اور ہمارے حنفی علماء کے پاس احادیث وغیرہ سے بے شمار دلائل موجود ہیں۔

6: حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نہایت نیک فطرت تھیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بہن کے ساتھ نکاح کرنے کی درخواست کی تھی۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک دن آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا!

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میری بہن عزہ سے شادی کریں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"کیا تم اسے پسند کرتی ہو؟"

آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

"میں اکیلی تو آپ کی بیوی نہیں ہوں۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ میری بہن بھی اس خیر و فضیلت میں شریک ہو جائے۔"

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"(شریعت اسلامیہ میں ایک وقت میں دو بہنوں کے ساتھ نکاح نہیں کیا جا سکتا اس لیے) "وہ میرے لیے حلال نہیں!"

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 5107) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 1449) (شرح صحیح مسلم، جلد نمبر 16، صفحہ نمبر 63) (جلاء الافہام، صفحہ نمبر 187) (الفصول، صفحہ نمبر 248)

7: آپ رضی اللہ عنہا کی شرافت کا اندازہ وفات کے وقت ام المومنین سیدہ عائشہ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے معافی کی درخواست سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

"سیدہ ام حبیبہ نے وفات کے وقت مجھے بلایا اور کہا کہ مجھ میں اور تم میں وہ تعلقات تھے جو باہم سوکنوں میں

ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو معاف فرمائے اور تم سے درگزر فرمائے۔ اس پر میں نے جواب دیا کہ تم نے مجھے خوش کیا ہے، خدا تعالیٰ تمہیں خوش رکھے۔ اسی طرح سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی بلا کر کہا۔

(طبقات ابن سعد، جلد 8، صفحہ نمبر 100) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 22) (صفۃ الصفوۃ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 42)

8: ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی عالم حدیث بھی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے 65 احادیث مروی ہیں جنہیں جلیل القدر صحابہ و تابعین نے آپ سے روایت کیا ہے۔

9: ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا صورت اور سیرت میں خوبصورت تھیں اور آپ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ آپ کے حسن پر فخر کیا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا!

"عِنۡدِیۡ اَحۡسَنُ الۡعَرَبِ وَاَجۡمَلُہٗ اُمُّ حَبِیۡبَۃَ"

"میرے نزدیک عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت ام حبیبہ ہے۔"

حسین ظاہری رنگ وصورت، نین نقش اور خدوخال کے متوازن ہونے کا نام ہے اور جمال سیرت و کردار، گفتار و افعال، عقل و فہم کی زیادتی کا نام ہے۔ یہ دونوں وصف حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا میں موجود تھے۔ اس لیے آپ حسین بھی تھیں اور جمیل بھی۔

10: یہ بھی حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ان کے والدین کے گھر کو "دارالامن" قرار دے دیا۔ جبکہ ابھی تک ان کے والدین ایمان نہیں لائے تھے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور آپ کی زوجہ رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔ لہٰذا اب ان شخصیات کے خلاف زبان درازی بہت بڑا گناہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے والدین صحابیت کے رتبے سے مشرف تھے اور آپ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے خلفائے راشدین کے دور میں کئی اٹھنے والے فتنوں کے خلاف محاذ آرائی کی اور مسلمانوں کو کئی خطرناک حملوں سے بچایا۔ آپ رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین کے دور میں بطور جرنیل رہے، یہ آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت جاننے کے لیے کافی ہے۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آپ کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکے کا نام عبد اللہ تھا اور لڑکی کا نام حبیبہ تھا۔ حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں پرورش و تربیت پائی اور قبیلہ ثقف کے رئیس کے بیٹے عروہ بن مسعود ثقفی کے ساتھ منسوب ہوئیں۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے 73 سال کی عمر میں اپنے بھائی کاتب وحی حضرت امیر معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں 44 ہجری کو مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔

(استیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1845) (اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 116) (الانساب الاشراف، جلد نمبر 1، صفحہ

نمبر 440)(عیون الاثر، جلدنمبر 2،صفحہ نمبر 401)(صفۃ الصفوۃ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 46) (الاصابہ، جلد نمبر 7،صفحہ نمبر 654)(التھذیب فی النووی، جلدنمبر 2،صفحہ نمبر 359)(المستدرک للحاکم، جلدنمبر 4،صفحہ نمبر 20)(اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 316)

حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو وہاں سے ایک کتبہ برآمد ہوا جس پر لکھا تھا!

"ھٰذَا قَبْرُ رَمْلَةِ بِنْتِ صَخْرٍ"

"یہ رملہ (ام حبیبہ) بنت صخر (ابوسفیان) کی قبر ہے۔"

چنانچہ میں نے وہ کتبہ وہیں پر رکھ دیا۔(الاستیعاب، جلدنمبر 2، صفحہ نمبر 750)

اس روایت سے یہ ظاہر ہوا کہ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی قبر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھی۔

اُمُّ المومنین سیّدہ ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہما: آپ رضی اللہ عنہا کا نام "ریحانہ" اور تعلق یہود کے مشہور قبیلے بنونضیر کے خاندان بنوقریضہ سے تھا۔ آپ کے والد کا نام شمعون بن زید بن حنانہ رضی اللہ عنہ تھا۔ ان کو صحابیت، سماع اور روایت کا شرف بھی حاصل ہے۔ بعض اہل تاریخ کے نزدیک سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام زید بن عمرو بن ضبافہ بن شمعون بن زید تھا۔ لیکن پہلے نام پر اکثر مؤرخین کا اتفاق ہے۔

جب بنوقریظہ نے اپنے عہد سے روگردانی کی اور مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کیں تو اللہ رب العزت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خلاف جنگ کا حکم دیا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے ہتھیار کھول دیے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا!

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ہتھیار کھول دیئے ہیں جبکہ فرشتے ابھی تک مسلح ہیں۔ اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ بنوقریضہ کے خلاف نکلیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت زرہ منگوا کر پہنی اور مسلمانوں کو بنوقریظہ کے خلاف خروج کا حکم دیا اور فرمایا!

"تمام مسلمان بنوقریظہ جا کر عصر کی نماز ادا کریں۔"

حضرت جبرائیل علیہ السلام مسلمانوں سے پہلے بنوقریظہ میں مسلمانوں کا خوف پیدا کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ جب مصطفیٰ کریم علیہ السلام بنی غنم کے پاس سے گزرے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا!

"کوئی یہاں آیا تھا؟"

انہوں نے جواب دیا!

"ہاں وحیہ کلبی یہاں آئے تھے۔"

وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی وضع قطع میں حضرت جبریئل امین علیہ السلام انسانی صورت میں آیا کرتے تھے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''وہ جبریل تھے!''

بنی قریظہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے کھیتوں کو سیراب کرنے والے کنویں ''انا'' نامی کے پاس پڑاؤ کیا۔ مسلمان نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق عصر کی نماز ابھی تک نہیں پڑھی تھی اور عشاء کے بعد انہوں نے بنو قریظہ پہنچ کر عصر کی نماز پڑھی۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا ایک ماہ یا پچیس دن تک محاصرہ کیے رکھا جب بنو قریظہ محاصرہ سے تنگ آ گئے تو صلح کیلئے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ یہود نے ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ اگر صلح کرو گے تو سب مارے جاؤ گے۔ اسی عرصہ میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ لیا۔ (اس واقعہ کی مکمل تفصیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ نے ذیل میں موجود ہے) المختصر! بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا فیصلہ کرنے کیلئے مقرر کیا تو انہوں نے فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ میں جو بھی لڑنے کے قابل مرد ہے اسے قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سن کر فرمایا!

''سعد! تو نے اللہ اور اس کے رسول کی منشاء کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔''

چنانچہ بنو قریظہ کی بدعہدی کے جرم کی سزا کے طور پر ان کے سات سے آٹھ سو مردوں کو قتل کیا گیا، بچوں اور عورتوں کو لونڈیاں اور غلام بنا لیا گیا اور ان کی املاق کو تقسیم کر دیا گیا۔ حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا بنو قریظہ کی قیدی عورتوں میں سے تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لئے مخصوص فرمایا۔

(تاریخ طبری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 302)

حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لئے مخصوص کیا تو ان کو حضرت ام المنذر بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہرایا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے فرمایا!

''اگر چاہو تو اسلام قبول کر لو اور اگر چاہو تو اپنے مذہب یہودیت پر قائم رہو۔''

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مذہب یہودیت کو اختیار کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پھر فرمایا!

''اگر تم اسلام قبول کر لو تو ہم تمہیں اپنے لئے مخصوص کر لیں گے۔''

مگر پھر بھی انہوں نے یہودیت کو ہی اختیار کیا۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا مگر آپ علیہ السلام کو ان کے انکار اور رویہ پر بہت رنج ہوا۔

ایک دن مصطفیٰ کریم علیہ السلام اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی کے آنے کی آواز آئی۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا اور غیب دان نبی علیہ السلام نے فرمایا!

''یہ ثعلبہ بن شعبہ ہیں جو ریحانہ رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام کی خوشخبری لے کر آئے ہیں۔''

جب ثعلبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے تو انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں کچھ کہا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا!

''یہ ریحانہ کے قبول اسلام کی خبر دے رہے ہیں۔''

دوسری روایت کے مطابق جب سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا قیدی ہو کر آئیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لئے مخصوص فرمایا۔ آپ علیہ السلام حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا!

''اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لو تو میں تمہیں اپنے لئے خاص کر لوں گا۔''

انہوں نے عرض کیا!

''میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔''

یہ پانچ ہجری کے آخر کا واقعہ ہے۔

سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی ان کے چچازاد عبدالحکیم سے ہوئی تھی جو غزوہ بنو قریظہ میں مارا گیا تھا۔ ام المومنین سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کی دوسری شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔

جب آپ رضی اللہ عنہا قیدی بن کر آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی پھر مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے انہیں آزاد فرمایا اور ان سے نکاح فرمالیا۔

آپ رضی اللہ عنہا کا حق مہر بارہ اوقیہ سونا مقرر فرمایا گیا یا پھر بارہ اوقیہ چاندی اور عمدہ قسم کی خوشبوئیں بطور مہر دی گئی۔ رخصتی کے بعد حضرت ام المنذر بنت قیس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ٹھہرائی گئیں۔ دوسری ازواج مطہرات سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح ان کا بھی باری کا دن مقرر فرمایا اور ان کو بھی پردہ کروایا۔

آپ رضی اللہ عنہا کی مستقل رہائش دار قیس بن فہد میں صدقے کی کھجوروں کے درختوں کے پاس تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گاہے بگاہے وہاں پر قیلولہ (دوپہر کے وقت آرام) فرمانے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت فرماتے تھے اور ان کی ہر فرمائش پوری کیا کرتے تھے۔ ام المومنین سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا حسنِ صورت کے ساتھ ساتھ نہایت پاکیزہ اخلاق کی مالکہ تھیں۔ ان کو بھی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ بڑے پیار اور خندہ پیشانی سے استقبال کرتیں۔

ام المومنین سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دس ماہ قبل مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

اُمُّ المومنین سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا: صلح حدیبیہ کی واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل عرب سے جنگ کا خطرہ نہ رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے پاس وفد اور خطوط بھیجے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہیں وفود میں سے ایک وفد ذیقعد چھ ہجری میں حضرت حاطب بن ابی بلتہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قبطیوں کے سردار اور اسکندریہ کے حاکم ''جریح بن مینا (جس کا لقب ''مقوقیس تھا) کے پاس بھیجا

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط بھی دیا۔ مقوقس کو ارسال شدہ خط کی اصل دریافت ہو چکی ہے جو اس وقت ترکی کے ''توپ کاپی میوزیم میں موجود ہے جو ترکی کے بادشاہ سلطان عبدالمجید نے تین سو اشرفیوں کے عوض خرید کر اپنے محل میں محفوظ کر لیا تھا۔ اس خط کا متن یہ ہے!

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰى مُقَوْقِسٍ عَظِيْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ تَبِعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ! فَاِنِّىْ اَدْعُوْكَ بِدُعَايَةِ الْاِسْلَامِ فَاَسْلِمْ تَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْقِبْطِ ٥ يٰاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ٥''

(مواہب اللدنیہ، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 247)

''اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے مقوقس عظیم قبط کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد! میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دوگنا اجر دے گا اور اگر روگردانی کرو گے تو قبطیوں کا عذاب تمہاری گردن پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ اس کا کسی کو شریک ٹھہرائیں گے اور نہ ہم میں سے کچھ لوگ کچھ لوگوں کو اللہ کے برابر بنائیں گے۔ اگر وہ روگردانی کریں تو تم گواہی دو کہ ہم مسلمان ہیں۔''

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

''جب ہم موقس کے پاس گئے تو اس نے ہماری خوب خاطر مدارت کی اور اس سے ملاقات کے لئے ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ جب ہم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ اسے پہنچایا تو اس نے اس کا بہت احترام کیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت اچھے الفاظ کہے۔ اس نے اس خط کو پڑھا اور کہا کہ میں نے اس پر غور کیا ہے مزید غور و فکر کی مہلت چاہتا ہوں۔ پھر اس نے ایک ہاتھی کے دانت کی ڈبیہ میں اس خط کو رکھ کر سربمہر کیا اور اپنی ایک خاص لونڈی کو دے دیا اور پھر اپنے کاتب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام جواب لکھوایا جو اس طرح ہے!

''قَدْ عَلِمْتُ اَنَّ نَبِيًّا قَدْ بَقِيَ وَكُنْتُ اَظُنُّ اَنَّهٗ يَخْرُجُ بِالشَّامِ وَقَدْ اَكْرَمْتُ رَسُوْلَكَ وَبَعَثْتُ اِلَيْكَ بِجَارِيَتَيْنِ لَهُمَا مَكَانٌ فِى الْقِبْطِ عَظِيْمٌ وَقَدْ اَهْدَيْتُ لَكَ كِسْوَةً وَّبَغْلَةً تَرْكَبُهَا''

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 260) (نقوش، رسول نمبر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 224)

''میں جانتا تھا کہ ایک کی نبی آمد ابھی باقی ہے مگر میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور کرے گا۔ میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا ہے اور اس کے ہمراہ آپ کے لئے دو ایسی باندیاں بھیج رہا ہوں جنہیں قبطیوں میں ممتاز

مقام حاصل ہے۔ میں نے آپ کے لئے لباس اور ایک خچر بھی بطور ہدیہ بھیجا ہے جس پر آپ سواری فرمائیں۔"

حضرت حاطب ابن ابی بلتہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم مقوقس کے پاس پانچ راتیں رہے اس دوران اس نے ہماری بہت خاطر مدارت کی لیکن اسلام قبول نہ کیا۔ جب ہم اس سے رخصت ہونے لگے تو اس نے ایک خط، دوتر کی باندیاں جن میں سے ایک حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ان کی بہن سیرین رضی اللہ عنہا تھیں، ان کی خدمت کیلئے ایک خصی غلام، ایک خواجہ سرا، سواری کے لئے خاص گدھا جس کا نام عفیر یعفور تھا، ایک سفید خچر جس کا نام دلدل تھا پورے عرب میں اس وقت تک ایسا سفید خچر نہ تھا، ایک نیزہ، بیس لباس کا کپڑا اور ایک ہزار مثقال سونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحفہ بھیجا اور مجھے ایک سو مثقال سونا اور پانچ کپڑے تحفے میں دیئے۔

ایک روایت کے مطابق راستے میں ہی حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے حضرت ماریہ اور حضرت سیرین رضی اللہ عنہما مسلمان ہو گئیں۔ دوسری روایت کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو ان دونوں بہنوں نے اسے قبول کیا اور مسلمان ہو گئیں۔ جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ علیہ السلام نے فرمایا!

"خبیث موقس نے اپنی بادشاہت کی وجہ سے بخیلی کی حالانکہ اس کی بادشاہت باقی نہ رہے گی۔"

مقوقس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے مقوقس کے تحائف کو قبول فرمایا۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جو سرخ وسفید رنگ اور گھنگھریالے بالوں والی خوبصورت خاتون تھیں کو اپنے لئے مخصوص فرمایا اور ان سے ملک یمین کے طور پر تصرف فرمایا۔ ان سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ان کی بہن حضرت سیرین رضی اللہ عنہا کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بخش دیا جن سے ان کے ہاں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ دراز گوش پر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سواری فرماتے۔ اس گدھے یعفور نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں ایک کنویں میں ڈوب کر جان دے دی۔ خچر دلدل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کیلئے خاص کر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس پر سواری فرمایا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اس پر سواری فرمایا کرتے۔ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے بعد اس پر حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے سواری کی۔ یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ فوت ہو گیا۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 260) (کتاب الوفاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 717)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو بالا خانے میں ٹھہرایا جس کا نام بعد میں "مشربہ ام ابراہیم" پڑ گیا۔ کیونکہ یہاں پر ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔ مصطفیٰ کریم علیہ السلام سیدہ ماریہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ ازواج مطہرات جیسا سلوک کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہا کو بھی پردہ کا حکم تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے!

''قبطیوں (مصر کے عیسائیوں) کے ساتھ حسن سلوک کرو کیونکہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔ عہد کا تعلق تو یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے اور نسب کا تعلق یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اور میرے فرزند ابراہیم رضی اللہ کی والدہ ماریہ رضی اللہ عنہا اسی قوم سے ہیں۔''

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

''جتنا رشک مجھے ماریہ پر آتا تھا اتنا مجھے کسی اور پر نہ آتا تھا۔ سیدہ ماریہ کو اللہ نے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے نوازا تھا۔''

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ سیدہ ماریہ نہایت پاکباز اور نیک سیرت تھیں۔ مصطفیٰ کریم علیہ السلام سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے پاس اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم نے ان کی خدمت کیلئے وہ خصی غلام جوان کے ساتھ قبط سے آیا تھا معمور فرمایا تھا۔ وہ آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی رہتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر گئی ہوئی تھیں کہ حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صحبت فرمائی، چونکہ یہ دن حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی باری کا تھا اس لئے جب انہیں اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے بہت غیرت کھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے آپ سے ایسی بات حاصل ہوئی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے کسی دوسری زوجہ کو نہیں دی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا!

''اچھا تو اس پر راضی نہیں کہ میں اسے اپنے اوپر حرام کرلوں؟''

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہ نے کہا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں کیوں نہ راضی ہوں گی؟''

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا!

''اس بات کا ذکر کسی اور سے نہ کرنا۔''

مگر اس بات کا ذکر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا جس سے اللہ رب العزت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرمادیا اور یہ آیت نازل فرمائی!

''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ''

''اے نبی! آپ اس چیز کو کیوں اپنے اوپر حرام کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔ آپ ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ آپ کی ازواج خوش ہو جائیں؟''

اس آیت کے نزول کے بعد مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا سے مقاربت فرمائی اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔

(تفسیر طبری، جلد نمبر 28، صفحہ نمبر 167)(تفسیر ابن کثیر، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 412)(فتح الباری، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 525)(الدر المنثور، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 214)

1: ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہ سلام اللہ علیہا کے فضائل میں سب سے روشن باب یہ ہے کہ آپ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں۔ حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے تھی۔

2: لونڈی ہونے کے باوجود مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ازواج مطہرات جیسا سلوک کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہا کو وہی عزت ووقار حاصل تھا جو دیگر ازواج کا تھا۔

3: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لئے حرام کرلیا تو اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی!

"یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مقاربت فرمائی اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔

4: ام المؤمنین رضی اللہ عنہا حسنِ صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت سے بھی مالا مال تھیں۔ اس لئے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں!

"جتنا رشک مجھے ماریہ پر آتا ہے کسی اور پر نہیں آتا۔"

5: حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ "حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا نہایت پاکباز اور نیک سیرت خاتون تھیں۔"

6: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آپ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا ملک یمین سے نکل گئیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وجہ سے آزاد ہوگئی تھیں۔

7: ام المؤمنین کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"قبطیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو کیونکہ ان سے ہمارا دوہرا تعلق ہے۔ ایک تو عہد کا اور دوسرا نسب کا۔ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اور میرے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ کا تعلق اسی قوم سے ہے۔"

8: مقوقس نے حضرت سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سیرین رضی اللہ عنہا کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحفہ بھیجتے وقت خط میں لکھا تھا کہ دونوں لڑکیاں اہل قبط میں بہت عزت ووقار والی ہیں اور بڑا مرتبہ رکھتی ہیں۔

9: روایات کے مطابق سیدہ ماریہ صابریہ، شاکرہ اور پاکباز خاتون تھیں۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے حضرت سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھی۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ ذی الحجہ آٹھ ہجری میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دائیہ کے فرائض رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ لونڈی حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا نے ادا کیے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ جب حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند حضرت ابورافع کو اس کی خبر دی۔ وہ خوشی خوشی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرزند کی پیدائش کی خوشخبری دی تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے خوش ہوئے کہ انہیں انعام میں ایک غلام عطا کیا۔ دوسری روایت کے مطابق ان کو آزاد فرما دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے اور اپنے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان سے پیار کیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کو "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَبَا اِبْرَاھِیْم" کہہ کر سلام کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت اپنے حرم سے باہر تشریف لائے اور فرمایا!

"آج رات میرے لڑکا پیدا ہوا ہے اور میں نے اپنے باپ کے نام پر اس کا نام ابراہیم رکھا ہے۔"

(طبقات ابن سعد، اردو، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 192) (مدارج النبوۃ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 773)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"ابراہیم نے اپنی ماں کو آزاد کروا دیا ہے۔" (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 192)

جب حضرت سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابرہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو دیگر ازواج ان پر رشک کرنے لگیں اور ان کو یہ بات بہت گراں گزری۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دن حضرت سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف نہ لے گئے کیونکہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج پر گراں گزرتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اس پر رشک کھاتی تھیں لیکن ان میں حضرت سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہما کو سب سے زیادہ رشک تھا۔

(طبقات ابن سعد، اردو، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 192)

ساتویں دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا، سر کے بال اتروائے، ان کے ہم وزن چاندی غرباء اور مساکین میں تقسیم کی اور ان بالوں کو زمین میں دفن کروایا۔

حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو انصار کی عورتوں میں یہ مقابلہ پیدا ہو گیا کہ کون حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلائے گی کیونکہ ہر کوئی اس سعادت کو اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتی تھی۔ لیکن یہ خوش بختی حضرت ام بردہ بنت المنذر بن زید بن لبید بن خواش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار رضی اللہ عنہا کے حصے میں آئی۔ حضرت ام بردہ رضی اللہ عنہا حضرت براء رضی اللہ عنہ بن اوس بن خالد بن الخبور بن عوف بن منذول بن عمرو غنم بن عدی بن نجار کی بیوی تھیں۔ یہ ایک لوہار تھے اور ان کا لقب ہی قین یعنی لوہار مشہور تھا۔ ان کا گھر مدینہ منورہ سے تقریباً ایک میل دور تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کے ہاں حضرت سیدنا ابراہیم رضی

اللہ عنہ کو دیکھنے جایا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام برہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ہی دوپہر کے وقت قیلولہ فرماتے اور سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ سے پیار فرماتے۔

روایات کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دایہ کو ایک قطعہ نخلستان عطا فرمایا تھا جس کی آمدن سے ان کا بہت اچھا گزارہ ہوتا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

"مَارَاَیْتُ اَحَدًا کَانَ اَرْحَمُ بِالْعِیَالِ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ"

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو بھی اپنے عیال پر مہربان نہیں پایا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریف لے چلے اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہم ابوسیف کے گھر پہنچ گئے، وہ اس وقت اپنی دھونکی دھونک رہے تھے اور تمام گھر دھوئیں سے بھر گیا تھا۔ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ابوسیف کے پاس پہنچا اور ان سے کہا!

"ابوسیف! روک دے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے ہیں۔"

ابوسیف رک گئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور سینے سے لایا اور جو خدا نے چاہا فرمایا۔ (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 193)

حضرت عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر اس نخلستان کی طرف چلے جہاں پر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہا اپنی دایہ کے ساتھ رہتے تھے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو حضرت ابرہیم رضی اللہ عنہا کا آخری وقت تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی آغوش میں لیا اور انہیں پیار کیا پھر مجھے دے دیا۔ جب سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے تو میں نے عرض کیا!

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ گریاں ہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گریہ و بکا سے منع نہیں فرمایا۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"میں نے نوحے کی ممانعت کی تھی، دو احمقانہ اور فاجرانہ آوازوں کی ممانعت کی تھی، ایک آواز وہ کہ عیش و نعمت کے وقت بلند ہو تو وہ لہو لعب و مزامیر شیطان ہے اور دوسری وہ آواز کہ مصیبت کے وقت نکلے جس کے ساتھ چہروں کو خراشنا، جیب اور دامن پھاڑنا ہوتا ہے وہ شیطان کی جھنکار ہے۔

پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"اے ابراہیم! اگر یہ موت کا معاملہ امر حق نہ ہوتا، اگر یہ وعدہ صادقہ نہ ہوتا، اگر یہ ایسا راستہ نہ ہوتا جس پر سب ہی کو چلنا ہے اور ہم میں جو پیچھے رہ گئے ہیں وہ بھی اگلوں کے ساتھ عنقریب شامل ہو جانے والے ہیں تو ہم تجھ پر اس سے کہیں زیادہ سخت رنج کیے ہوتے اور حقیقت میں ہم تیرے واسطے رنجیدہ ہیں۔ آنکھ میں آنسو بھرے ہیں، دل رنج سے لبریز ہے، اس پر بھی ہم ایسی بات نہیں کہتے جو پروردگار عزوجل کو ناخوش کر دے۔"

مکحول رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی روتے ہیں؟ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''یہ تو فقط رحم کی بات ہے اور جو خود رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موت کا بہت زیادہ غم کیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو گرے۔ اس پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہا نے چیخ کر رونا اور آہ وزاری شروع کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک دیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے تو آپ کو روتے دیکھا اس لئے میں بھی نالہ کرنے لگا؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''رونا رحمت ہے اور چیخنا شیطان سے ہے۔''

(طبقات ابن سعد، اردو، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 95-96) (مدارج النبوت، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 775)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے بڑا پیار فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے اعزاز اور اکرام کو برقرار رکھا۔ روایت کے مطابق سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں محرم الحرام کے مہینے میں 16 ہجری کو وصال فرمایا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام اہل مدینہ کو جمع فرمایا اور خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کیا۔

اُمُّ المومنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا: ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں آخری نمبر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شادی نہیں فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا نہایت متقی، پرہیز گار، سگھڑ اور صلہ رحمی کرنے والی خاتون تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت سے سترہ (17) سال قبل مدینہ منورہ میں پیدا ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کا اصل نام برہ تھا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر میمونہ رکھا۔ میمونہ یمن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں برکت۔ اسی طرح سے میمون اور میمونہ کے معنی ہوئے مبارک۔

ابن قتیبہ نے بیان کیا ہے کہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند بنت عوف سے زیادہ اس روئے زمین پر کوئی عورت اپنے دامادوں کی وجہ سے خوش قسمت نہیں کیونکہ ان کے دامادوں میں درج ذیل شخصیات شامل ہیں۔

1: مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے داماد تھے۔ بلکہ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کی دو بیٹیاں حضرت سیدہ زینب بنت خذیمہ اور حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا یکے بعد دیگرے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

2: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے داماد تھے۔

3: حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب بھی ان کے داماد تھے۔

4: حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی ان کے داماد تھے۔

5: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم بھی ان کے داماد تھے۔

6: حضرت سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما بھی ان کے داماد تھے۔

7: شداد بن الہاد بھی ان کے داماد تھے۔

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پہلے عقدوں میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آپ کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا لیکن باہمی نااتفاقی کی وجہ سے جلد ہی طلاق ہوگئی۔ پھر ان کا نکاح ابورہم بن عبدالعزیٰ سے ہوگیا۔ بعض نے پہلا نکاح عمیر بن عمرو ثقفی سے لکھا ہے اور دوسرا ابوزہیر بن عبدالعزیٰ سے۔ بعض نے پہلا نکاح خویطب بن عبدالعزیٰ سے اور دوسرا ابورہم بن عبدالعزیٰ سے لکھا ہے۔ لیکن اس بات میں اکثریت متفق ہے کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے قبل آپ رضی اللہ عنہا ابورہم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبدود بن نضر بن مالک کے نکاح میں تھیں ۔ابورہم کا سات ہجری میں انتقال ہوگیا اور حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر بیس سال تھی۔

(زرقانی ،جلد نمبر 3،صفحہ نمبر 388)(عیون الاثر، جلد نمبر 2،صفحہ نمبر 402)(الاستیعاب ،جلد نمبر 4،صفحہ نمبر 1916)(انساب الاشراف، جلد نمبر 1،صفحہ نمبر 444)(المعارف ،صفحہ نمبر 137)(اسد الغابہ، جلد نمبر 7،صفحہ نمبر 272)(الاصابہ، جلد نمبر 8،صفحہ نمبر 126)

ذیعقدہ 7 ہجری میں مصطفیٰ کریم علیہ السلام عمرۃ القضاء کی نیت سے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو مکہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام سرف میں قیام کیا۔ حضرت سیدہ میمونہ سلام اللہ علیہا یہیں پر مقیم تھیں۔ سیدہ کے چچازاد اور بہنوئی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما جو کہ سیدہ کے بیوہ ہوجانے پر بڑے متفکر تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا!

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میمونہ بیوہ اور بے سہارا ہوچکی ہے اس لئے اس کے سہارا کے لئے اس سے عقد فرمالیں۔''

مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کیلئے اسے قبول فرمایا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو پیغام نکاح دے کر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا جسے انہوں نے اسی وقت قبول کرلیا۔

جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام لے کر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو وہ اونٹ پر سواری تھیں۔ انہوں نے جواب دیا!

''اَلْبَعِيْرُ وَمَا عَلَيْهِ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ''

''اونٹ اور جو کچھ اونٹ پر ہے وہ سب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔''

(تفسیر روح المعانی، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 59)

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کردیا تھا۔

''جب ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی!

''وَامْرَاَۃً مُّؤْمِنَۃً اِنْ وَّھَبَتْ نَفْسَھَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَھَا''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ احزاب، آیت نمبر 50)

''اور وہ مومن عورت جو اپنی جان نبی کو نذر کر دے، اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو انہیں اجازت ہے۔''

حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل نامزد کیا جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح مصطفیٰ کریم علیہ السلام کے ساتھ کر دیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر پانچ سو درہم مقرر فرمایا۔ خطبۂ نکاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھا۔ نکاح کے بعد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ رخصتی عمرہ کی ادائیگی کے بعد ہو۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ ادا کرنے مکہ مکرمہ چلے گئے۔

اس میں اختلاف ہے کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حالتِ احرام میں کیا یا غیر احرام میں۔ اس بارے میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔

1: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے تب نکاح فرمایا جب آپ عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے احرم باندھا ہوا تھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کر دیا پھر سیدہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ چلی گئیں۔

(السیرۃ النبویہ، لابن ھشام، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 646) (اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 274) (الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 127) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1917)

2: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالتِ احرام میں نکاح کیا۔

(الصحیح البخاری، حدیث نمبر 1837-4259) (الصحیح المسلم، حدیث نمبر 1410) (السنن ابی داؤد، حدیث نمبر 1844) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 842) (السنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1965) (السنن النسائی، جلد نمبر 5، صفحہ نمبر 191) (مسند امام احمد بن حنبل، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 252-245)

اب وہ روایات بیان کی جاتی ہیں جن کی رو سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہ سے غیر احرام میں نکاح فرمایا۔

1: حضرت ابوخثیمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح عمرۃ القضاء میں کیا۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کیلئے مکہ مکرمہ میں تین یوم قریش کے معاہدے کے مطابق ٹھہرے، جب تیسرا روز ہوا تو خویطب بن عبدالعزیٰ قریش کے چند آدمیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا!

''آپ کی مدتِ قیام ختم ہو چکی ہے اس لئے آپ مکہ سے چلے جائیں۔
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!
''اگر تم مجھے تھوڑا سا وقت اور دے دو تو میں تمہارے سامنے شادی کرلوں، تمہیں ولیمے کا کھانا بھی کھلاؤں اور تم بھی اس شادی میں شریک ہو جاؤ؟''
خویطب اور اس نے ساتھیوں نے جواب دیتے ہوئے کہا!
''ہمیں آپ کے کھانے کی ضرورت نہیں لہٰذا آپ مکہ چھوڑ جائیں۔
چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ مکہ سے نکل آئے اور مقام سرف پر آپ علیہ السلام نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔
(دلائل النبوہ، للبیہقی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 133) (سیرۃ النبویہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 372)

2: ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں!
''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مقامِ سرف میں نکاح فرمایا۔ اس وقت ہم دونوں حلال تھے یعنی احرام کھول چکے تھے۔''
(السنن الترمذی، حدیث نمبر 845) (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 1843) (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1964) (الصحیح المسلم، صفحہ نمبر 1411)

3: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اس حالت میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام اتار چکے تھے۔ میں اس وقت ان دونوں کے درمیان سفیر کا فریضہ ادا کر رہا تھا۔
(السنن الترمذی، حدیث نمبر 841) (التمھید، لابن عبدالبر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 152) (تحفۃ الاشرف، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 200)
ان دونوں طرح کی روایات میں تطبیق علماء کرام نے یوں فرمائی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عرض پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء پر جاتے ہوئے مقام سرف میں حالتِ احرام میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیلئے رضامندی ظاہر فرمائی اور عمرہ سے واپسی پر اسی مقام سرف میں احرام کھول کر آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا۔
شادی کے وقت ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی عمر 35 یا 37 سال تھی۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زوجہ محترمہ تھیں یعنی آپ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اور نکاح نہیں فرمایا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ زوجہ محترمہ ہیں جنہوں نے تمام ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں وصال فرمایا۔
(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 132) (تفسیر القرطبی، جلد نمبر 14، صفحہ نمبر 167) (دار المعاد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 113) (الواقدی کمافی طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ، 140) (الانساب الاشراف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 446)
دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرح سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ اگر آپ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان دیکھتیں تو خود پریشان اور غم زدہ ہو جاتیں۔

ایک دن مصطفیٰ کریم علیہ السلام جب بیدار ہوئے تو خاموش اور پریشان تھے۔
سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا!
''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وجہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح سے پریشان لگ رہے ہیں؟''
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!
''آج رات جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ نہیں آئے۔ نہ جانے کیا بات ہے۔ خدا کی قسم! انہوں نے کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کی۔''
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتے کے بچے کا خیال آیا جو رات کو پلنگ کے نیچے آکر بیٹھ گیا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فوراً باہر نکلوا دیا تو اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہو گئے اور عرض کیا!
''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس گھر میں کتا یا تصویر ہو۔''
آپ کے درج ذیل فضائل ومناقب ہیں:

1: مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا، سیدہ سلمیٰ رضی اللہ عنہا اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو مومن بہنیں فرمایا ہے۔
2: علم وحدیث وفقہ میں آپکا مقام بہت بلند ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا سے چھہتر احادیث مروی ہیں جس سے آپ رضی اللہ عنہا کے علمی مقام اور فقاہت دانی کا پتہ چلتا ہے۔
3: سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی کو آزاد کیا۔ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور بڑے اجر وثواب کی نوید سنائی۔
4: ام المومنین رضی اللہ عنہا بے حد سخی اور فیاض تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی فیاضی کی وجہ سے اکثر قرض لینے کی نوبت بھی آجاتی مگر سائل کو در سے خالی نہ جانے دیتیں۔
5: سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو مسواک سے خاص شغف تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا مسواک کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔
6: امرونواہی اور دین کے معاملے میں آپ رضی اللہ عنہا بہت سخت تھیں۔ جب بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی دیکھتیں تو بلا لحاظ اسے جھاڑ دیتیں اور سخت سرزنش فرماتیں۔
7: ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے حق میں یہ آیت کریمہ ''وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسا للنبی نازل ہوئی۔
8: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا!
''میمونہ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلح رحمی کرنے والی ہیں۔''
9: خاندانی شرافت کے لحاظ سے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا ایک ممتاز مقام ہے۔
10: ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہبہ کر دیا مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی ان کا حق مہر مقرر فرمایا۔ حق مہر پانچ سو درہم تھا جو کہ اکثر ازواج کے مہر کے برابر تھا۔
11: ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے آخری زوجہ محترمہ تھیں۔ آپ رضی

اللہ عنہا کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کوئی نکاح نہیں فرمایا۔

12: ام المومنین رضی اللہ عنہا کی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی بھی مقام سرف (جو کہ مکہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے) میں ہوئی، آپ رضی اللہ عنہا کا وصال بھی اسی جگہ پر ہوا اور آپ رضی اللہ عنہا وہیں مدفون ہیں۔

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں مقیم تھیں کہ بیمار ہو گئیں۔ جب بیماری کچھ زیادہ ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

''مجھے مکہ سے لے چلو کیونکہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ تجھے مکہ میں موت نہیں آئے گی۔''

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا کو مکہ سے باہر مقام سرف پر لایا گیا جہاں پر آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے 51 ہجری کو اس جگہ وصال فرمایا جس جگہ رخصتی کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ لگایا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی جب تدفین کے لئے جنازہ کو اٹھایا گیا تو لوگ ذرا تیزی سے چلنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا!

''جنازے کو جھٹکے کے ساتھ مت اٹھاؤ، آہستہ آہستہ چلو اور ادب واحترام کا خیال رکھو کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔''

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو مقام سرف کی اسی جگہ پر دفن کیا گیا جس جگہ آپ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔

آپ رضی اللہ عنہا کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عبداللہ خولانی رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر 81 سال تھی۔

جس طرح ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج میں سب سے آخر میں آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔

(طبقات ابن سعد جلد 8، صفحہ نمبر 140) (الصحیح البخاری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 211) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 333) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 249) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 442) (الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 128) (تاریخ خلیفہ بن خیاط، صفحہ نمبر 218) (التمھید، لابن عبدالبر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 151) (التھذیب للنووی، جلد نمبر 2، صفحہ 356) (الانساب الاشراف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 446) (بسوی، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 415)

الغرض یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ ہم بستر ہوئے جیسا کہ حافظ ابو محمد مقدسی وغیرہ نے کہا ہے اور سات ایسی ہیں جن سے نکاح ہوا اور ہم بستری نہیں ہوئی۔ ان کا ذکر ہم نے طوالت سے بچنے کے لیے یہاں نہیں کیا۔

مقصود کلام یہ ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر درود تابع ہے، ان کے احترام کا اور ان کی تحریم برامت کا اور یہی رسول اللہ ﷺ کی بیویاں دنیا و آخرت میں ہیں۔ جس عورت سے نبی ﷺ نے ہم بستری نہیں کی اور زندگی میں ہی وہ نبی ﷺ سے جدا ہو گئی اسے ازواج مطہرات کے احکام و درجہ، جن کے سر سے نبی ﷺ نے انتقال فرمایا حاصل نہیں۔

لفظ برکت:

لغت میں اس کا مطلب ہے: عزت و بھلائی کا بڑھنا اور ترقی کرنا اور کہا گیا ہے کہ مراد ہے عیبوں سے پاک صاف ہونا، یہ بھی کہا گیا ہے اس کا ہمیشہ قائم دائم رہنا۔ عربوں کے اس قول سے بارکت الابل اونٹ زمین پر ٹھہر گیا۔ برکة الماء اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی ٹھہرتا ہو۔

ابوالیمن بن عساکر نے اس معنی پر جزم کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''بارک کا مطلب ہے جو شرف و عزت تو نے ان کو دی ہے اسے قائم دائم رکھنا، یہ عربوں کے اس قول سے ہے: بارك البعين اونٹ اپنے بیٹھنے کی جگہ بیٹھا رہا جہاں اسے بٹھایا گیا۔ کبھی یہ لفظ نیک بختی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ نیک بخت آدمی کو مبارک کہا جاتا ہے یعنی محبوب و مرغوب ہے۔ حاصل یہ کہ اس لفظ کا مقصود ہے بہتری حاصل ہونا اور اس کا قائم و دائم رہنا۔''

جب ہم کہتے ہیں: اللهم بارك على محمد تو اس کا مطلب ہوتا ہے: الٰہی! محمد کے ذکر، دعوت اور شریعت کو دائمی کر دے اور حضور کے پیروکاروں اور غلاموں کی کثرت عطا فرما اور حضور کی امت کو آپ کی برکت و سعادت کی پہچان کرا دے کہ تو ان کے بارے میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول فرمائے گا اور ان کو پہلی جنتوں میں داخل فرمائے گا، اور ان کو اپنی رضامندی کے گھر میں ٹھہرائے گا۔ پس اس میں برکت، سعادت، دوام اور اضافہ کے معنی ہیں۔

ہماری معلومات کے مطابق ابن حزم کے سوا، کسی نے وبارك على محمد کو واجب نہیں کہا۔ ابن حزم کے الفاظ سے کسی نہ کسی صورت میں اس کا وجوب معلوم ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں:

''ابن آدم پر لازم ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم پر برکت بھیجے، خواہ عمر میں ایک بار ہی کیوں نہ ہو۔''

واضح ہو کہ برکت کی حقیقت ثبوت ولزوم واستقرار ہے ((برك البعير)) جب اونٹ زمین پر بیٹھ جائے ((مبرك)) ''بیٹھنے کی جگہ'' ((برك)) ''ہر ایک ثابت اور قائم چیز'' ((برك الابل)) ''اونٹوں کی کثرت'' ((بركه)) ''حوض'' کیونکہ پانی اس میں جمع رہتا ہے۔ ((براكا)) ''لڑائی میں ثابت رہ کر سعی و کوشش کرنا۔''

ایک شاعر کا قول ہے:

ولال ينجى من الغمرات الا براكا القتال أو الفرار

برکت کے حصول اور کثرت کی دعا کرتے وقت بولا جاتا ہے:

((بارك الله، بارك فيه، بارك عليه، بارك له))

قرآن مجید میں ہے:

((بورك من فى النار ومن حولها))(سورة النمل: ٢٧/٨)

''مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے۔''

((وباركنا عليه وعلى اسحاق))((وباركنا فيه))

''اسے اور اسحاق (علیہم السلام) کو برکت دی۔'' (برکت کی ہم نے اس میں)

دعائے قنوت کے الفاظ ہیں:

((وبارك لنا فی ما اعطیت))

''جو تو نے عطا فرمایا ہے اس میں ہمارے لیے برکت عطا فرما۔''

حدیث حضرت سعد رضی اللہ عنہ میں ہے:

((بارك الله لك فی اهلك و مالك))

''اللہ تعالیٰ تیرے گھر اور مال میں برکت عطا فرمائے۔''

مبارک وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے برکت دی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے فرمایا گیا ہے:

((وجعلنی مبار کا أین ما کنت))(سورة مریم: ۳۱/۱۹)

''اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں۔''

قرآن مجید کی شان میں ہے:

((وهذا ذکر مبارك انزلناه))

''اور یہ بابرکت ذکر ہم نے تمہارے لئے نازل کیا۔''

دوسری جگہ ہے:

((کتب أنزلنه الیك مبرك)) (سورة: ص: ۲۹/۳۸)

''یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔''

بے شک قرآن مجید کو مبارک کہا جانا سب سے زیادہ موزوں ہے کیونکہ خیر و منافع کی کثرت اور جملہ وجوہ برکت اس میں موجود ہیں۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے لئے لفظ تبارک کا استعمال فرماتا ہے: مبارک نہیں۔ ایک گروہ کا جس میں جوہری بھی ہے، قول ہے کہ تبارک بمعنی بارک ہے، مثل قاتل اور تقاتل کے۔ فرق یہ ہے کہ فاعل متعدی ہے اور تفاعل متعدی نہیں ہوتا۔

یہ قول محققین کے نزدیک غلط ہے۔ بے شک تبارک (بروزن تفاعل) برکت سے ہے اور یہ اللہ پاک کی ثناء ہے۔ اس سے وہ وصف ظاہر ہوتا ہے جو اسی کی جانب راجع ہوتا ہے، مثلاً: لفظ تعالیٰ کہ وہ بھی علو سے بروزن تفاعل ہے، اسی لئے یہ دونوں الفاظ ایک ساتھ لکھے بولے جاتے ہیں اور تبارک و تعالیٰ کہا جاتا ہے۔ دعا قنوت میں بھی ہے:

((تبارکت وتعالیت))

''اے اللہ! تو بابرکت ہے اور بلند تر ہے۔''

بے شک اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ ان الفاظ کا پورا مستحق ہے، کیونکہ تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے اور تمام خیر اسی کی جانب سے ہے اور اسی کی جملہ صفات صفات کمال ہیں، اسی کے جملہ افعات حکمت و رحمت و مصلحت و خیرات ہیں۔ جن میں کسی قسم کا کوئی شر نہیں۔

حدیث نبوی ہے:

((واشر لیس الیك))

''اور شر کو تو پسند نہیں فرماتا۔''

بے شک شر تو اس کے مفعولات و مخلوقات میں واقع ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے فعل میں۔
غرض جب بندہ یا اور چیزوں کو بھی مبارک کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں بھی اسباب خیر کے اتصال سے کثرت خیر و نفع پایا جاتا ہے اور دیگر اشخاص بھی اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی شان کے شایان ہے کہ وہ متبارک ہو اور تبارک و تعالیٰ کی جگہ تعاظم و تعالیٰ بھی بولتے ہیں۔ یہ ثناء اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خیر کی مداومت و کثرت نیز اسی ذات کی صفات کمال کی جامعیت پر دلیل ہے۔ علیٰ ہذا یہ لفظ دلیل ہے عظمت و جلال اور علوشان الٰہی پر۔ اس لئے اس کا ذکر غالباً بیان جلال و عظمت و کبریائی کے آغاز میں ہوتا ہے۔ فرمایا:

((ان ربكم الله الذى خلق السموت والأرض فى ستة أيام ثم استوى على العرش يغشى اليل النهار يطلبه حثيثا والشمس والقمر والنجوم مسخرت بأمره ألا له الخلق و الأمر تبارك الله رب العلمين))

''تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان و زمین چھ دن میں بنائے، پھر عرش پر مستوی ہوا۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا اور سورج اور چاند اور ستارے کام میں لگے ہیں اس کے حکم پر۔ سن لو اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا۔ بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔'' (سورۃ الأعراف: ۷/۵۴)

فرمایا:

((تبارك ألذى نزل الفرقان على عبده ليكون للعلمين نذيراً))

''نہایت متبرک ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا تا کہ اہل عالم کو ڈرائے۔'' (سورۃ الفرقان: ۲۵/۱)

فرمایا:

((تبارك الذى جعل فى السمآء بروجا وجعل فيها سرجاً وقمراً منيراً))

(سورۃ الفرقان: ۲۵/۶۱)

''بڑی برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے، اس میں چراغ رکھا اور روشن چاند بنا دیا۔''

فرمایا:

((وتبارك الذى له ملك السموت والأرض وما بينهما وعنده علم الساعة واليه ترجعون))

''بڑی برکت والا ہے وہ جس کی آسمان اور زمین میں بادشاہی ہے اور ان دونوں کے درمیان کی۔ اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' (سورۃ الزخرف: ۴۳/۸۵)

فرمایا:

((تبرك الذى بيده الملك وهو على كل شىء قدير))

''بڑی برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (سورۃ الملک: ۶۷/۱)

انسان کی پیدائش کی سات حالتوں کا ذکر کر کے فرمایا:

((فتبارك الله أحسن الخلقين))

''پس بہت برکت بخشنے والا ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔'' (سورۃ المؤمنون: ۲۳/۱۴)

دیکھو اللہ نے تبارک کا ذکر ان مقامات میں کیا ہے جہاں اپنی ذات پاک کی ثناء، جلال وعظمت بیان کی، نیز ان افعال سے کی ہے جو اس کی ربوبیت والہیت وحکمت اور دیگر صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً: قرآن مجید کا اتارنا، ہر دو عالم کا بنانا، آسمان و بروج کا ہونا، چاند سورج کی پیدائش، ملک میں منفرد اور قدرت میں کامل ہونا، اسی لئے ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ((تبارك)) بمعنی تعالیٰ روایت کیا ہے۔

ابو العباس کا قول ہے کہ ((تبارك)) کے معنی ((ارتفع)) ہیں اور ((مبارك)) بمعنی ''مرتفع'' ابن الانباری کا قول ہے کہ ((تبارك)) بمعنی ''تقدس'' ہے۔ حسن کا قول ہے ((تبارك)) وہ ہے ''جس کی طرف سے برکت پہنچے۔''

ضحاک کا قول ہے کہ ((تبارك)) بمعنی ''تعاظم'' ہے۔ خلیل ابن احمد کا قول ہے کہ ((تبارك)) بمعنی ''تمجد'' ہے۔

حسین بن فضل کہتے ہیں کہ تبارک تو اس کی ذات ہے اور بارک مخلوق میں سے وہ جسے اللہ نے چاہا۔ یہ احسن الاقوال ہے کیونکہ ((تبارك)) صفت ذات بھی ہے اور صفت فعل بھی جیسا کہ حسین کا قول ہے اور دلالت اس پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو اپنے نام کی طرف بھی مسند کیا ہے۔ فرمایا:

((تبرك اسم ربك ذی الجلال و الاكرام))

''بڑی برکت والا ہے تیرے رب جلال اور اکرام والے کا نام۔'' (سورۃ الرحمٰن: ۵۵/۷۸)

دعائے استفتاح میں ہے:

((تبارك اسمك وتعالى جدك))

''تیرا نام برکت والا اور تیری شان بلندی والی ہے۔''

اور اپنی ذات کی طرف بھی فرمایا:

((تبارك الذی بیده الملك))

''اللہ تعالیٰ بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔''

اس بحث سے یہ معلوم ہو گیا کہ ((تبارك)) بمعنی ((بارك)) نہیں جیسا کہ جوہری کا قول ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی تبریک صرف مسمی لفظ کا جزو ہے نہ اس کے معنی کا کمال۔ ابن عطیہ کہتا ہے کہ تبارک کے معنی یہ ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی برکات عظیم و کثیر ہیں اور اس لفظ کے ساتھ غیر اللہ کی توصیف نہیں ہو سکتی اور نہ یہ لفظ لغت عرب میں منصرف ہے۔ اس کا مضارع وامر مستعمل نہیں۔ کیونکہ جب یہ لفظ غیر اللہ کے لئے مستعمل نہیں تو اسے مستقبل کے لئے بھی نہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تو ازل سے ہی متبارک ہے۔''

پھر کہا کہ ابو علی نے غلطی کھائی کہ ((تبارك)) کا مستقبل ((یتبارك)) بتلایا۔ اس نے یہ نہ سوچا کہ عرب تو یہ نہیں بولتے۔

ابن قتیبہ نے ((تبارك اسمك)) کے معنی میں کہا ہے کہ ((تبارك)) برکت سے بروزن تفاعل ہے جیسے ((تعالى

علو)) سے ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ تیرا نام بابرکت ہے اور جس پر تیرا نام لیا جائے اس میں برکت ہو جاتی ہے۔ کہا ایک عالم لغت نے میرے سامنے ایک شعر پڑھا تھا۔ جس کا مصرعہ دوم یاد رہ گیا ہے:

((إلى الجذع جذع النخلة المتبارك))

واضح ہو کہ ابن قتیبہ کا یہ قول تیرا نام بابرکت ہے اور جس پر تیرا نام لیا جائے اس میں برکت ہو جاتی ہے، دلالت کرتا ہے کہ یہ صفت اس پاک ذات برکت بخشنے والا کی ہے۔ کیونکہ برکت اسم برکت مسمی کے تابع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((فسبح باسم ربك العظيم))

''پس تسبیح بیان کریں عظمت والے رب کے نام کے ساتھ۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ رب عظیم کی تسبیح بطریق اولیٰ کرنی چاہیے، کیونکہ تنزیہ اسم (نام کی پاکی) تنزیہ مسمی (نام والے کی پاکی) کے تابع ہے۔

زمخشری کہتا ہے کہ اس کے دو معنی ہیں:

1۔ خیر الٰہی میں کثرت واضافہ ہے۔

2۔ یا وہ ہر ایک شے سے بڑھ کر ہے اور اپنی صفات وافعال میں سب سے برتر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہر دو معانی میں کچھ تضاد نہیں جیسا کہ حسین بن فضل وغیرہ کا قول ہے۔ نضر بن شمیل کہتا ہے کہ میں نے خلیل بن احمد سے ((تبارك)) کے معنی پوچھے تو اس نے ''تمجد'' بتلائے۔ یہ ہر دو معانی کا جامع ہے۔

1۔ مجد ذاتی کا۔

2۔ خلقت کو برکات کی فیض رسانی کا، کیونکہ مجد کی حقیقت یہی ہے۔ وجہ یہ کہ مجد کے معنی وسعت ہیں۔ مجد الشیء کہا کرتے ہیں جب اس میں وسعت پائی جائے۔ استجد اور عرش مجید بھی انہیں معنی میں ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں ممکن ہے کہ ((تبارك بروك)) سے ہو۔ پس ((متبارك)) کے معنی ''ازلاً وابداً ثبت ودوام ہوں گے۔'' اس سے یہ نکلے گا کہ وہ واجب الوجود ہے۔ اس کا وجود غیر سے نہیں اور وہ ازلی ہے، لیکن یہ معنی جزء معنی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا متبارک ہونا اس کے دوام وجود اور کثرت خیر ومجد وعلو وعظمت وتقدس ہے۔ جملہ خیرات کا اسی کی جانب سے ہونا جسے چاہے اپنی خلقت میں سے اسے برکت دے جملہ معانی پر جامع ہے اور یہ معانی الفاظ قرآن سے ماخوذ ہیں۔ کتاب اللہ سب معانی پر دال ہے۔ پس کسی نے تو اس میں سے کوئی معنی لے لئے اور کسی نے کوئی۔ گو لفظ سب پر دلالت کرتا ہے۔

ہمارا مقصود تو اس جگہ

((وبارك على محمد على ال محمد كما باركت على ال ابراهيم))

کے معنی سے ہے۔ پس یہ ایک دعا ہے جو بہترین عطیۂ خیر کی ضامن ہے جو آل ابراہیم کو عطا ہو چکا ہے۔ پھر اس کی مداومت وثبوت اور کثرت وزیادتی پر مشتمل ہے، کیونکہ برکت کی حقیقت یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل کے حق میں فرمایا ہے:

((وبشرنه باسحق نبياً من الصلحين وبركنا عليه وعلى اسحق))

(سورۃ الصافات: ۳۷/۱۱۳)

''ہم نے اس کو اسحاق کی بشارت دی جو صالحین میں سے اور نبی ہیں اور ہم نے ابراہیم واسحاق کو برکت دی۔''

ان کے اہل بیت کے حق میں فرمایا ہے:

((رحمت الله و بركته عليكم أهل البيت انه حميد مجيد))

''اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! بے شک اللہ حمد اور مجد والا ہے۔'' (سورۃ ھود: ۱۱/۷۳)

قابل غور یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید میں

((باركنا عليه وعلى اسحاق))

فرمایا ہے۔

اسی طرح تورات میں حضرت اسمٰعیل اور ان کی اولاد کو برکت وخیر دیئے جانے کا اظہار فرمایا ہے۔ تمام برکتوں کا نتیجہ اور سب سے اجل واعظم وجود، وجود محمد رسول اللہ ﷺ تھا۔ پس اس کی اطلاع تو بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام کی زبان سے دلائی، تا کہ اس برکت عظیم اور خیر کثیر پر جو بنی اسمٰعیل کے اندر ظاہر ہوگی، سب آگاہ ہو جائیں اور ہم مسلمانوں کے لئے قرآن مجید میں برکت اسحاق کا ذکر فرمایا تا کہ جو نبوت اور علم وکتاب ان کی اولاد کو لوگوں کی ہدایت و ایمان کے لئے بکثرت عطا ہوئی ہے، اس کی آگاہی ہم کو ہو جائے، ایسا نہ ہو کہ مسلمان اس مبارک خاندان کے حقوق کے ناشناسا بن جائیں اور انبیاء بنی اسرائیل کو دوسری شاخ سے سمجھ کر کہنے لگیں کہ ہمارا ان سے کچھ تعلق نہیں، بلکہ مسلمانوں پر بھی ان کی توقیر واحترام ضروری ہے۔ ان کی محبت وتعظیم رکھنا ان پر ایمان لانا اور ان کی ثناء کرنا لازمی ہے۔

((صلوات الله وسلامه عليهم أجمعين))

خاندان خلیل الرحمن کے خصائل و فضائل: چونکہ حضرت خلیل الرحمٰن کا مبارک ومطہر گھرانہ کل عالم کے خانوادوں سے علی الاطلاق اشرف و بزرگ تر ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو چند خصوصیات کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے، جن میں سے چند درج کی جاتی ہیں:

۱۔ نبوت اور کتاب کو اس خاندان میں مخصوص فرمایا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی نبی حضرت خلیل کے کنبہ سے باہر نہیں ہوا۔

۲۔ اس گھرانے کو ائمہ مہدیین بنایا۔ اولیاء اللہ متقین سے جو کوئی جنت میں داخل ہوگا، وہ ان کے طریق ودعوت پر چلنے سے ہوگا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اس خاندان عالیہ میں سے دو (حضرت ابراہیم وسیدنا محمد صلی اللہ علیہما) کو خلیل بنایا۔

۴۔ اس گھرانے کو اہل عالم کا امام قرار دیا۔

((انی جاعلك للناس اماما))

۵۔ ان کے ہاتھ سے اپنے گھر کی بنیاد رکھوائی اور اس گھر کو تمام دنیا کے لئے قبلہ، جائے قیام وحج گاہ بنایا۔

بندوں کو حکم دیا گیا کہ اس گھرانے پر درود بھیجا کریں، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ان پر اور سلف پر درود بھیجتا ہے۔ ۶۔

۷۔ اسی گھرانے میں اللہ تعالیٰ نے دو مقدسوں کو اتنی بڑی امتیں جو کسی اور گھرانے کو نہیں ملیں عطا فرمائیں۔ یعنی امت موسیٰ وامت محمدیہ۔ امت محمدیہ پچھلی ستر امتوں کے برابر اور دیگر امتوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ میں بڑھ کر اور گرامی تر ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے لسان صدق اور جمیل ثناء دنیا میں قائم رکھی کہ جب ان کا ذکر آئے ثناء کی جائے اور صلوٰۃ و سلام ان پر بھیجا جائے۔

۹۔ اس گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے پرکھنے کی کسوٹی بنایا۔ سعید وہ ہیں جو اس گھرانے کی تبعیت کرتے، ان سے محبت واخلاص رکھتے ہیں اور شقی وہ جن کو ان سے بغض ہے اور جنہوں نے ان سے منہ پھیر لیا ہے۔ جنت اس گھرانے کے لئے ہے اور ان کے اتباع کے لئے اور دوزخ ان کے اعداء ومخالفین کے لئے۔

۱۰۔ ان کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ یکجا فرمایا ہے، مثلاً: بولتے ہیں: ابراہیم خلیل اللہ، اسماعیل ذبیح اللہ، محمد رسول اللہ، موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح۔ اللہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو اپنی خاص نعمتوں کا شمار کراتے ہوئے فرمایا ہے:

((ورفعنا لک ذکرک))

''اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر یہ کی ہے:

''جب میرا ذکر ہو تیرا بھی ساتھ ہو۔''

کلمہ طیبہ پر غور کرو جس سے اسلام نصیب ہوتا ہے، علیٰ ہذا القیاس اذان، خطبات اور تشہد میں دیکھو یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس کے آخری نبی ﷺ کا نام بھی ہے۔

۱۱۔ دنیا وآخرت کی شقاوت سے تمام خلقت کی نجات اس گھرانے والوں کے ہاتھ پر رکھی گئی ہے، نہ ان کی نعمتوں کا جو لوگوں کو ان سے حاصل ہیں شمار ممکن ہے اور نہ کوئی ان کی جزاء دے سکتا ہے۔ بے شک اولین وآخرین میں جس قدر اہل سعادت ہو گزرے ہیں (جن کو مدارج رفیعہ کے حصول میں ید طولیٰ ہے اور جس پر ان کو جزا عنایت ہو گی) سب کی گردنوں پر اس گھرانے کے بڑے بڑے احسانات کا بار ہے۔

۱۲۔ جو عمل صالح اور اطاعت دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لئے کی جاتی ہے اس میں اس گھرانے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا خود عمل کرنے والے کو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے خصوصیت دیتا ہے۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھرانے کے سوا تمام طریقوں کو مسدود کر دیا اور تمام دروازوں کو بند فرما دیا۔ اب اہل عالم اور اللہ کے درمیان جو دروازہ کھلا ہے وہ انہی کا راستہ اور ان ہی کا دروازہ ہے۔

شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے:

''مجھ کو اپنی عزت وجلال کی قسم ہے۔! خواہ لوگ کسی طریق سے آئیں اور کسی دروازہ کو کھٹکھٹائیں میں ان کے لئے کوئی دروازہ نہ کھولوں گا اور کوئی راہ نہ دوں گا جب تک اے رسول! تیرے پیچھے ہو کر نہ آئیں۔''

۱۴۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھرانے کو وہ علم عطا فرمایا جو کسی دوسرے گھرانے کو نہیں دیا۔ اسی لئے دنیا میں کوئی ایسا گھرانہ نہیں گزرا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات، احکام وافعال، جزاوسزا مقامات رضاء وغضب اور ملائکہ ومخلوقات کی معرفت اور علم وشرع میں اس سے بڑھ کر ہو۔ پاک ہے وہ مالک جس نے اس گھرانے کے لئے اولین وآخرین کے علوم کو جمع کر دیا ہے۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید ومحبت اور قرب وتعلق خاص میں اس گھرانے کو ایسی خصوصیت عطا فرمائی ہے جو کسی اور گھرانے کو نہیں ملی۔

۱۶۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں تمکنت دی اور خلافت عطا فرمائی اور جملہ روئے زمین کو ان کا مطیع بنایا یہ بات اور کسی کو حاصل نہیں۔

۱۷۔ اللہ تعالیٰ نے جس قدر ان کے ہاتھوں سے اہل ضلالت وشرک کے آثار وعلامات کو جن سے ذات الٰہی بیزار تھی، محو کرایا ہے اس قدر دوسرے کے ہاتھ پر نہیں۔

۱۸۔ جملہ اہل عالم کے دل میں ان کی محبت واجلال اور تعظیم کے جو شجر لگائے گئے ہیں وہ دوسرے کی محبت کے نہیں۔

۱۹۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے آثار کو دنیا میں بقائے عالم اور حفاظت بنی آدم کا سبب ٹھہرایا۔ جب تک یہ آثار باقی ہیں عالم باقی ہے۔ جب یہ نہ رہے اس وقت سے ہی خرابی کی ابتداء ہوگئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے درج ذیل آیات کی تفسیر میں فرمایا:

((جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیما للناس والشھر الحرام و الھدی والقلائد))(سورۃ المائدۃ:۵/۹۷)

''اللہ نے مکان محترم، کعبہ کو لوگوں کے لئے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا اور ماہ حرام اور قربانی کے جانوروں اور قلادوں کو (اس کام میں معاون بنایا)۔''

''اگر سب کے سب آدمی حج چھوڑ بیٹھیں تو آسمان زمین پر آگرے۔ اور کہا، اگر سب ہی حج چھوڑ دیں تو ان کو کچھ نظر نہ آئے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی خبر دی ہے کہ آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اپنے گھر کو زمین پر سے اور اپنے کلام کو مصاحف اور لوگوں کے سینہ سے اٹھا لے گا۔ اس وقت نہ حج کرنے کے لئے بیت اللہ ہوگا نہ تلاوت کے لئے کلام اللہ۔ تب بہت جلد عالم تباہ ہو جائے گا۔ چنانچہ آج ہم اپنے وقت میں دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر لوگ آثار وشرائع پر قائم ہیں اور قیام امور وحصول مصالح میں مصروف اور ہر گونہ بلا وشر کے دفع کرنے میں مشغول ہیں، وہ سب امور شریعت کے ظہور وقیام کے طفیل ہے اور جس قدر لوگ ہلاکت ومصیبت میں گر رہے ہیں اور شر وبلا میں پڑ رہے ہیں، وہ سب شریعت کو معطل رکھنے، اس سے منہ پھیرنے اور اسے چھوڑ کر غیر کو اختیار کر لینے کے باعث ہے۔ جو کوئی تأمل سے غور کرے گا اور بستیوں یا بندوں پر دشمنوں کے غلبہ کی وجہ تلاش کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب ہمارے گناہ کی شامت ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے دین و احکام اور سنتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں نبی کریم ﷺ کے آثار وسنن وشرائع کا ظہور ہے وہاں سے اسی ظہور کے موافق یہ مصائب بھی دور ہیں۔''

بے شک یہ جملہ خصائص بلکہ ان سے چند در چند وصف اس گھرانے کو اللہ تعالیٰ کے آثار رحمت و برکات سے حاصل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے اور آل محمد یہ کے لئے ان برکتوں کا سوال کریں جو اس معظم گھرانے کے لئے ہیں۔

۲۱۔ اس گھرانے کی برکات و خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ خصوصیتیں عطا کی ہیں جو غیر کو عطا نہیں کیں۔ ان میں خلیل الرحمٰن بھی ہیں اور ذبیح اللہ بھی، وہ بھی جس سے اللہ نے کلام کیا اور وہ بھی جسے قرب تامہ دیا، وہ بھی جسے حسن کا ایک حصہ دیا اور کریم بنایا اور وہ بھی جس کے پاس وہ فرشتہ حاضر ہوا، جو کسی کے پاس نہ آیا تھا، وہ بھی جسے مکان علیا پر بلندی عطا ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس گھرانے کا ذکر کیا ہے تو فرمایا ہے کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے عالمین پر فضیلت دی ہے۔

۲۲۔ اہل زمین پر اس گھرانے کی برکات و خصائص سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب عام اہل زمین سے اٹھالیا۔ سنت الٰہی اس گھرانے کے انبیاء سے پہلے سابقہ امتوں کے بارے میں یہ تھی کہ جب وہ اللہ اور رسول کی تکذیب کرتے تو عذاب عام کے ساتھ ہلاک کر دیئے جاتے۔ جیسا کہ قوم نوح وہود و صالح و لوط (علیہم السلام) کے ساتھ ہوا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے تورات و انجیل و قرآن مجید کو نازل فرمایا تو عذاب عام کو اہل زمین سے اٹھالیا۔ اور حکم دیا کہ مخالف اور تکذیب کرنے والوں کے ساتھ جہاد کیا جائے تا کہ درجہ شہادت مل سکے۔ مومنین کے ہاتھوں سے نصرت و فتح کا ظہور ہو اور مہابت الٰہیہ چھا گئے۔

بے شک اس گھرانے کے لئے بعض ایسے فضائل و خصائص ثابت ہیں کہ زبان کو ہمیشہ ان کے صلوٰۃ وسلام اور ذکر و ثناء و عظمت کے بیان میں تر اور دل کو تعظیم و محبت و جلال سے پر رکھنا چاہیے اور پھر بھی یہ خیال رہے کہ اگر جملہ انفاس ان پر صلوٰۃ بھیجنے میں ہی صرف ہو جائیں، تب بھی ان کے حق کا ادنیٰ حصہ پورا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو خلقت کی جانب سے افضل جزاء عطا فرمائے اور ملاء اعلیٰ میں ان کی تعظیم و تشریف و تکریم روز افزوں رکھے اور ختم نہ ہونے والی صلوٰۃ دائمہ ان پر نازل کرے اور سلام کثیر قیامت تک ان پر نازل فرماتا رہے۔ آمین!

لفظ ابراہیم:

سریانی میں ابراہیم کا معنی ہے: اب رحیم، مہربان باپ۔ اللہ سبحانہ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کا تیسرا باپ بنایا۔ ہمارے پہلے باپ آدم علیہ السلام، دوسرے نوح علیہ السلام ہیں۔ تمام اہل زمین ان کی اولاد سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وجعلنا ذریته هم الباقین))

''ہم نے انہی کی اولاد کو باقی رکھا۔''

تیسرے باپ، نبیوں کے باپ، کائنات کے ستون، حنفاء (اللہ کو ماننے والوں) کے امام جن کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے خلیل بنایا۔ نبوت اور کتاب ان کی اولاد میں رکھی، وہ اللہ کے خلیل، شیخ الانبیاء، جن کا نام اللہ نے امام اور فرمان بردار امت اور حنیف رکھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((واذا بتلی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن قال انی جاعلك للناس اماماً))

''اور یاد کرو جب ابراہیم کو ان کے رب نے آزمایا چند باتوں سے، پھر ان کو انہوں نے پورا کر دیا، فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کے امام بنانے والا ہوں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((ان ابراهیم کان امة قانتاً لله حنیفاً))

''بے شک ابراہیم ایک جماعت کی مثل تھے، وہ اللہ کے فرمانبردار یکسو تھے۔''

(اگرچہ ایک تھے مگر پوری جماعت کا کام کیا) امت کا مطلب ہے: قابل تقلید، نیکی کی تعلیم دینے والا۔ قانت کا مطلب ہے: ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرنے والا۔ حنیف کا مطلب ہے: اللہ کی طرف رُخ کرنے والا، اوروں سے منہ موڑنیوالا اور جو کسی چیز کی طرف رُخ کرتا ہے، ماسواء اللہ سے منہ موڑتا ہے۔

پس ابراہیم علیہ السلام ہمارے تیرے باپ ہیں۔ وہی اہل توحید کے امام ہیں۔ اہل کتاب ان کو ''عمودِ عالم''، ستونِ کائنات کا نام دیتے ہیں۔ تمام اہل مذاہب ان کی عظمت و محبت پر متفق ہیں۔ ان کے بہترین فرزند ارجمند اولادِ آدم کے سردار محمد ﷺ ان کی تعظیم و تکریم فرماتے تھے اور تمام مخلوق سے بڑھ کر ان کے مشابہ تھے جیسا کہ حضور علیہ السلام کی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

''میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ وہ تمہارے صاحب یعنی حضور علیہ السلام کی ذات پاک سے تمام لوگوں سے بڑھ کر مشابہ تھے۔''

ابراہیم علی نبینا و علیہ السلام پہلے انسان تھے جنہوں نے مہمان نوازی کی اور پہلے ختنہ کرنے والے اور پہلے آدمی ہیں جنہوں نے سفید بال دیکھ کر عرض کیا:

''اے پروردگار! یہ کیا ہے۔؟''

فرمایا: ''وقار۔''

عرض کیا: ''پروردگار! میرے وقار میں اضافہ فرما۔''

((قلبه للرحمن، ولده للقربان بدنه للنیران ماله للضیفان))

''حضرت ابراہیم کا دل رحمٰن کیلئے تھا، اولاد قربانی کیلئے تھی، بدن آگ کیلئے اور مال مہمان کیلئے تھا۔''

جب ان کے رب نے انہیں اپنا خلیل بنایا اور خلت کمال محبت کو کہتے ہیں اور یہ وہ مقام ہے جو شرکت و مزاحمت قبول نہیں کرتا۔ آپ نے اپنے رب سے نیک و صالح بیٹا عطا کرنے کا سوال کیا تو اللہ نے آپ کو اسماعیل علیہ السلام عطا فرمائے۔ اس بیٹے نے دل کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا، دوست کو دوست کی اس بات پر عزت آئی کہ اس کے دل میں کسی اور کا مکان ہو۔ پس اسی بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دے کر اپنے دوست کا امتحان لیا تاکہ محبت کا راز کھل جائے کہ اپنے دوست کی محبت بیٹے کی محبت پر فائق ہے، پھر جب اپنے دوست کی محبت کو بیٹے کی محبت پر ترجیح دیتے ہوئے حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اس اقدام پر پوری طرح سے آمادہ ہو گئے، اور محبت کی حکمرانی غالب آئی اور بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا، اللہ نے اپنا حکم منسوخ کر دیا اور ذبح عظیم سے اس کا فدیہ دے دیا اور جب اللہ کے دشمنوں نے ان کیلئے آگ جلائی اور ان کو

منجنیق میں بٹھا کر آگ میں ڈالنے لگے تو زمین و آسمان کے درمیان جبریل علیہ السلام ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کیا:

''ابراہیم! میری ضرورت ہو تو حاضر ہوں۔''

فرمایا:

''تیری کوئی ضرورت نہیں۔''

پھر اللہ نے خود ہی ان پر آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی کا محل بنا دیا۔

ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''شب معراج میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی، انہوں نے فرمایا: یا محمد! اپنی امت کو میرا سلام کہنا اور ان کو بتا دینا کہ مٹی ستھری، پانی میٹھا اور سطح ہموار اور اس کے پودے ''**سبحان اللہ و الحمد للہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر**'' ہیں۔''

ترمذی نے کہا:

''یہ حدیث حسن ہے۔''

سیدنا ابراہیم کے حالات زندگی: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا شجرہ نسب کچھ اس طرح ہے:

''ابراہیم بن (250) تارخ بن ناحور (148) بن ساروغ (230) بن راغو (239) بن فالغ (439) بن عابر (464) بن شالح (433) بن ارفخشسدز (438) بن سام بن نوح علیہ السلام (600)''

شیخ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ شجرہ نسب اہل کتاب کی موجودہ تورات کی نص ہے، میں نے ان کے اسماء کے ساتھ ساتھ ان کی عمریں بھی لکھ دی ہیں جیسا کہ اہل کتاب کے ہاں مرقوم ہیں۔

آپ کی پیدائش طوفان نوح کے سترہ سو نو سال بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار تین سو سال پہلے شہر بابل کے قریب کوثی میں ہوئی۔

بعض کتابوں میں ہے کہ آپ کی ولادت اہواز کے علاقہ سوس میں ہوئی۔

حافظ ابن عساکر اپنی تاریخ میں اسحاق بن بشر کاھلی صاحب ''المبتداء'' کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوانح حیات لکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام ''امیلہ'' تھا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے واقعہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ کلبی فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی ''بونا'' بنت کربتا بن کرثی ہے، جو ارفخشسذ بن سام بن نوح کی اولاد سے ہیں۔

ابن عساکر عکرمہ سے ایک اور طریق سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی کنیت ''ابو الضیفان'' ہے۔

اہل کتاب لکھتے ہیں کہ جب جناب تارخ کی عمر پچھتر سال ہوئی تو ان سے ابراہیم، ناحور، ھاران پیدا ہوئے اور ہاران سے لوط علیہ السلام پیدا ہوئے۔ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تارخ کے درمیانی بیٹے تھے اور ہاران اپنے باپ کی حیات میں اسی جگہ فوت ہو گئے جہاں وہ پیدا ہوئے تھے۔

ان کی جائے پیدائش کلدانیوں کا ملک بابل بتایا جاتا ہے اور ابن عساکر نے اسے ہشام بن عمار کے طریق سے

روایت کرنے کے بعد صحیح قرار دیا ہے۔ ہشام بن عمار نے اسے ولید سے، انہوں نے سعید بن عبد العزیز سے، انہوں نے مکحول سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل میں پیدا ہوئے ہیں۔

شیخ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''آپ کی جائے ولادت کے متعلق مختلف اقوال ملتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ ''سوس'' میں پیدا ہوئے۔ بعض ''سواد'' اور بعض ''بابل'' کا نام لیتے ہیں۔ ''سواد'' کوثی کے ایک طرف واقع ایک جگہ کا نام ہے۔ پہلے ہم ابن عباس سے روایت کردہ ایک اثر بیان کر چکے ہیں کہ آپ علیہ السلام دمشق کے مشرق میں واقع ایک شہر برزہ میں پیدا ہوئے۔''

غوطۃ الدمشق کی بستی ''برزہ'' کی طرف منسوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اس مقام پر قیام پزیر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی مدد کے لیے یہاں تشریف لائے تھے اور آپ علیہ السلام نے اس مقام پر نماز ادا فرمائی تھی۔

ابن جریر اپنی تاریخ کی کتاب میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش نمرود بن کنعان کے زمانے میں ہوئی۔ جس کا نام الضحاک بتایا جاتا ہے، جو بہت مشہور و معروف بادشاہ ہو گزرا ہے۔ اس کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک ہزار سال تک حکومت کی۔ یہ بہت ظالم اور پرلے درجے کا خونخوار تھا۔

بعض اسلاف کا کہنا ہے کہ اس بادشاہ کا تعلق بنی راسب سے تھا جن کی طرف پہلے نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اور ان دنوں نمرود پوری دنیا کا بادشاہ تھا۔ علماء تاریخ بیان کرتے ہیں کہ ایک ستارہ طلوع ہوا جس کی روشنی کے آگے چاند اور سورج کی روشنی بھی ماند ہو گئی۔ لوگ ڈر گئے۔ نمرود خود بھی خوف سے کانپ اٹھا۔ اس نے فوراً کاہن اور منجم جمع کر لیے اور ان سے ستارے کے بارے پوچھا۔ کاہنوں اور ستارہ شناسوں نے بتایا:

''آپ کی رعایا میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں آپ کا ملک زوال پذیر ہو جائے گا۔''

بادشاہ نے حکم جاری کر دیا:

''کوئی میاں بیوی اکٹھے نہیں ہوں گے اور آج سے جو بچہ پیدا ہوگا اسے قتل کر دیا جائے گا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش انہی دنوں ہوئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فاجر اور ظالم کے ہاتھوں بچا لیا اور خود قدرت نے ان کی حفاظت فرمائی۔

آپ بھرپور جوانی کی عمر کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بہت اچھی طرح پروان چڑھایا۔ حتیٰ کہ آپ کے ساتھ وہ واقعات پیش آئے جن کا تذکرہ ہم پہلے کر آئے ہیں۔

علماء اہل کتاب فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ''سارہ'' کے ساتھ شادی کی اور ان کے بھائی ''ناحور'' نے ''ملکا'' بنت ہاران سے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ''سارۃ'' بانجھ تھیں، ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جناب تارخ اپنے بیٹے حضرت ابراہیم اور ان کی بیوی سارہ اور ان کے بھتیجے لوط بن ہاران کے ساتھ روانہ ہوئے اور کلدانیوں کی زمین سے ہجرت کر کے ارض کنعان آ گئے۔ وہ ملک کنعان میں حران نامی جگہ پر اترے۔ یہیں

تارخ مالک حقیقی سے جا ملے۔ اس وقت ان کی عمر اڑھائی سو سال تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم حران میں پیدا نہیں ہوئے، بلکہ آپ کلدانیوں کی زمین میں پیدا ہوئے ہیں اور کلدانیوں کی سرزمین بابل اور اس کے گردونواح کا علاقہ ہے۔

پھر آپ علیہ السلام ارض کنعان کی طرف عازم سفر ہوئے جسے بیت المقدس کہا جاتا ہے اور حران میں قیام پذیر ہوئے جو ان دنوں کلدانیوں کی سرزمین کہلاتی تھی۔ اسی طرح جزیرہ اور شام کے علاقے بھی انہیں کے قلمرو میں آتے تھے۔ کلدانی سات ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ ان دنوں دمشق کے تمام لوگوں کا دین بھی ستارہ پرستی تھا۔ وہ قطب شمالی کی طرف منہ کر کے قولاً اور فعلاً سات ستاروں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی لیے دمشق کی ہر ایک دروازے پر ان سات ستاروں کی عبادت کے لیے عرصے سے ہیکل بنے ہوئے تھے اور دمشق کے سب باسی ان ستاروں کے لیے عیدیں اور میلے منعقد کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح اہل حران بھی کواکب اور مورتیوں کی عبادت کرتے تھے۔

ان دنوں پوری دنیا میں تقریباً بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ صرف ابراہیم، ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اس لعنت سے محفوظ تھے۔

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام ہی وہ واحد ہستی ہیں جن کے ذریعے اللہ کریم نے ان فتنوں کا ازالہ فرمایا اور اس گمراہی کا بطلان کیا۔ اللہ کریم نے بچپن سے ہی ابراہیم علیہ السلام کو دانائی عطا کر دی تھی اور جب آپ علیہ السلام جوان ہو گئے تو انہیں رسالت کے منصب پر فائز کر کے اپنا خلیل ہونے کا شرف عطا فرما دیا۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل و کنا بہ عالمین))(سورۃ الانبیاء :51)

''اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔''

یعنی وہ اس مقام و مرتبہ کے لائق تھے۔

سورت عنکبوت میں ارشاد فرمایا:

((وابراھیم اذ قال لقومہ اعبدو اللہ واتقوہ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون انما تعبدون من دون اللہ اوثاناً وتخلقون افکاً ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقاً فابتغو عند اللہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون وان تکذبوا فقد کذب امم من قبلکم وما علی الرسول الا البلغ المبین اولم یروا کیف یبدی اللہ الخلق ثم یعیدہ ان ذلک علی اللہ یسیر قل سیروا فی الارض مانظروا کیف بدا الخلق ثم اللہ ینشیء النشاۃ الاخرۃ ان اللہ علی کل شئی قدیر یعذب من یشاء و یرحم من یشاء والیہ تقلبون وما انتم بمعجزین فی الارض ولا فی السماء وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر والذین کفروا بایت اللہ ولقائہ اولئک یئسوا من رحمتی واولئک لھم عذاب الیم فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اقتلوہ او حرقوہ فانجہ اللہ من النار ان فی ذلک لایت لقوم یومنون وقال

انما اتخذتم من دون الله اوثاناً مودة بينكم فى الحيوة الدنيا ثم يوم القيمة يكفر بعضكم ببعض ويلعن بعضكم بعضاً ومأ واكم النار ومالكم من نصرين فامن له لوط وقال انى مهاجر الى ربى انه هو العزيز الحكيم ووهبناله اسحق ويعقوب وجعلنا فى ذرية النبوة والكتاب واتينه اجره فى الدنيا وانه فى الاخرة لمن الصلحين)) (سورۃ عنکبوت:16-27)

''اور ابراہیم کو یاد کرو جب آپ نے فرمایا اپنی قوم کو: عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرتے رہا کرو یہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ تم تو پوجا کرتے ہو اللہ تعالی کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم فقط جھوٹ ہی گھڑتے ہو۔ بے شک جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے، پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق اور اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو، اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو جھٹلایا اپنے نبیوں کو ان امتوں نے بھی جو تم سے پہلے تھیں اور رسول پر فرض نہیں بجز اس کے کہ وہ (اللہ کا حکم) صاف طور پر پہنچادے۔ کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کس طرح آغاز فرماتا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کا پھر وہ کس طرح اس کا اعادہ کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے۔ فرمایئے سیر وسیاحت کرو زمین میں اور غور سے دیکھو کہ کس طرح اس نے خلق کی ابتداء فرمائی، پھر اللہ تعالیٰ (اسی طرح) پیدا فرمائے گا دوسری بار۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے رحم فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے۔ اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔ اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے (اللہ تعالی کو) زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور کوئی مددگار۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا، وہ لوگ مایوس ہو گئے ہیں میری رحمت سے اور وہی لوگ ہیں جن کے لیے عذاب الیم ہے۔ آپ کی قوم سے کوئی جواب نہ بن آیا بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اسے قتل کر ڈالو یا اسے جلا دو، سو بچالیا اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے۔ بے شک اس واقعہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں۔ اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے بنالیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور لعنت بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار۔ تو ایمان لائے ان پر لوط۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔ بے شک وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحٰق اور یعقوب اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب اور ہم نے دیا ان کو ان کا اجر اس دنیا میں اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین میں ہوں گے۔''

سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کو دعوت دی۔ آپ کا چچا بھی بتوں کا پجاری تھا۔ اس لیے سب سے زیادہ حقدار تو وہ تھا کہ اسے خلوص کے ساتھ نصیحت کی جائے۔ جیسا کہ رب قدوس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

((واذكر فى الكتات ابرهيم انه كان صديقاً نبياً اذ قال لابيه يابت لم تعبد مالا يسمع ولا يبصر ولا يغنى عنك شيئا يابت انى قد جاء نى من العلم مالم يأتك فاتبعنى اهدك صراطاً سوياً يابت لا تعبد الشيطن ان الشيطن كان للرحمن عصياً يابت انى اخاف ان يسمك عذاب من الرحمن فتكون للشيطن ولياً قال اراغب انت عن الهتى يابرهيم لئن لم تنته لارجمنك واهجرنى ملياً قال سلم عليك ساستغفرلك ربى انه كان بى حفياً واعتزلكم وما تدعون من دون الله وادعوا ربى عسىٰ الا اكون بدعا ربى شقياً فلما اعتزلهم وما يعبدون من دونه وهبنا له اسحق ويعقوب وكلا جعلنا نبياً))(سورت مريم :41-48)

''اور ذکر کیجئے آپ کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا۔ وہ بڑے راست باز نبی تھے۔ جب انہوں نے کہا: اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔؟ اے میرے باپ! بے شک آیا ہے میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا، اس لیے تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ۔ اے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر۔ بے شک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے اللہ کا عذاب نہ پہنچ جائے تو تو بن جائے شیطان کا ساتھی۔ باپ نے کہا: اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں سے روگردانی کرنے والا ہے! اگر تو باز نہ آیا تو میں تمہیں سنگ سار کر دوں گا اور دور ہو جا میرے سامنے کچھ عرصہ۔ ابراہیم نے (جواب میں) کہا: سلام ہو تم پر! میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لیے اپنے رب سے بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔ اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا۔ پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب۔ اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔''

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کی اپنے چچا کے ساتھ گفتگو اور مباحثہ اور مکالمہ کو بیان فرما رہا ہے۔ آیات کریمہ سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ نے کتنے لطیف انداز اور خوبصورت اشاروں سے اپنے چچا کے ساتھ گفتگو کی۔ آپ علیہ السلام نے بیان فرمایا: ایسی مورتیوں کی عبادت عقل مندی نہیں جو نہ عبادت گزار کی دعا کو سنتی ہیں اور نہ اسے دیکھنے کی قدرت رکھتی ہیں۔ ایسے بے جان پتھر بھلا اپنے پرستار کو کیا فائدہ دیں گے یا رزق اور مدد کے معاملے میں اس کی کیا مدد کریں گے۔ پھر آپ نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے مجھے علم نافع اور ہدایت کا نور دیا ہے، اگرچہ میں صغر سن ہوں لیکن اس کی عطا سے میری جھولی بھری ہوئی ہے۔

فرمایا:

((یاابت انی قدجاء نی من العلم مالم یاتك فاتبعنی اهدك صراطاً سویاً))

''اے میرے باپ! بیشک میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا۔ اس لیے تو میری پیروی کر میں تجھے سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔'' (سورۃ مریم:43)

یہاں صراطاً سویاً سے مراد وہ راستہ ہے جو سیدھا بھی ہو اور واضح بھی، آسان بھی ہو اور فطرت کے مطابق بھی۔ جس پر چل کر انسان دنیا و آخرت میں سرخرو اور کامیاب ہو جائے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کو یہ تلقین کی اور حق کی راہ پر گامزن ہونے کی نصیحت کی تو وہ اکڑ گیا اور اس نے اس نصیحت کو قبول نہ کیا، بلکہ وہ آپ علیہ السلام پر برافروختہ ہو کر دھمکیاں دینے لگا اور یہاں تک کہہ اٹھا:

((اراغب عن الهتی یا ابراهیم لئن لم تنته لارجمنك)) (سورۃ مریم:46)

''اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں سے روگردانی کرنے والا ہے؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا۔''

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا نے آپ کو یہ دھمکی قولاً دی اور بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ فعلاً یہ وعید اور تہدید عمل میں آئی۔

((واهجرنی ملیا))

''اور دور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔'' (مریم:47)

یعنی میں تجھے عاق کرتا ہوں، اب تجھے اس شہر سے دربدر ہونا پڑے گا۔

اس دھمکی کے جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

((''سلام علیك'')) (سورۃ مریم:47)

''سلام ہو تم پر۔''

یعنی میری طرف سے تمہیں کسی برے سلوک کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور نہ میرے ہاتھ اور زبان سے تمہیں تکلیف پہنچے گی، بلکہ تم میری طرف سے مامون و مطمئن ہو۔

پھر کمالِ خیر خواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

((ساستغفر لك ربی انه كان بی حفیاً))

''میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لیے اپنے رب سے۔ بے شک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔'' (سورۃ مریم:47)

حضرت ابن عباس اور کئی دوسرے مفسرین رضی اللہ عنہم نے ''حفیاً'' کا معنیٰ ''لطف کرنے والا'' کیا ہے، یعنی میرے رب کا مجھ پر بے حد لطف و کرم ہے کہ اس نے مجھے اپنی عبادت کی ہدایت اور اخلاص وللّٰہیت کی دولت سے نوازا ہے۔

آپ نے فرمایا:

((واعتزلكم وما تدعون من دون الله وادعو ربی عسیٰ الا اكون بدعا ربی شقیاً)) (سورۃ مریم:48)

''اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لیے دعائے مغفرت کی کیونکہ آپ اس سے وعدہ کر چکے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے تیرے لیے عفو و درگزر کی درخواست کروں گا، لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اس سے برأت کا اعلان کر دیا۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

((وما كان استغفار ابراهيم لابيه الا عن موعدة وعدها اياه فلما تبيّن له انه عدو لله تبرأ منه ان ابراهيم لاواه حليم))(سورة التوبه:144)

''اور ابراہیم کی اپنے باپ کے لیے استغفار ایک وعدہ کو پورا کرنے کی وجہ سے تھی، جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب ان کے لیے ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہو گئے۔ بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل اور بردبار تھے۔''

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم سے اسماعیل بن عبداللہ نے بیان کیا:

''مجھ سے میرے بھائی عبدالحمید نے بیان کیا، انہوں نے ابن ابی ذئب سے، انہوں نے سعید المقبری سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے، جبکہ اس کا چہرہ بری طرح غبار آلود ہو چکا ہو گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے: میں تمہیں نہ کہتا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر؟ آزر کہے گا: آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے: اے میرے رب؟ تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کروں گا۔ بھلا اس سے بڑی رسوائی اور کیا ہو گی کہ میرا باپ مجھ سے اتنا دور ہے؟ رب قدوس فرمائے گا: میں نے کافروں کے لیے جنت حرام کر دی ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جائے گا: اے ابراہیم! آپ کے پاؤں کے نیچے کیا ہے؟ آپ فوراً دیکھیں گے تو آزر خون میں لت پت مرا پڑا ہو گا۔ پھر اس کے جوڑ جوڑ کو لے کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔''

اس حدیث کو صرف انہوں نے ہی روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب التفسیر میں فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن طھمان نے ابن ابی ذئب سے، انہوں نے سعید المقبری سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

اسی طرح اس قصے کو امام نسائی نے احمد بن حفص بن عبداللہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے ابراہیم بن طھمان سے انہیں الفاظ میں روایت کیا ہے۔

اسے بزاز نے حماد بن سلمہ کی حدیث سے، انہوں نے ایوب سے، انہوں نے محمد بن سیرین سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے، انہوں نے رسول کریم ﷺ سے اسی طرح روایت فرمایا ہے۔

اس حدیث کے سیاق میں غرابت پائی جاتی ہے۔ بزاز نے قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے حوالے سے، انہوں نے عقبہ بن عبد بن عبدالغافر سے، انہوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اسے روایت کیا ہے۔

روایت ہے:

"ان ابراهيم عليه السلام اذا شفع فی ابيه قيل له يا ابراهيم انظر ماوراءك فاذا هو بذيخ ملطخ فيوخذ بقوائمه ويلقی فی النار" (حديث صحيح)

"حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے اب (آزر) کی شفاعت کریں گے تو انہیں حکم ہوگا: اے ابراہیم! اپنے پیچھے دیکھو! جب وہ نظر کریں گے تو ان کا اب بھیڑیے کی شکل میں پاخانہ میں لتھڑا ہوا ہوگا۔ اس کے بعد اس کی ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((وكذلك نری ابرهيم ملكوت السموت والارض وليكون من الموقنين فلما جن عليه اليل رأ كوكباً قال هذا ربی فلما افل قال لا احب الافلين فلما رأ القمر بازغاً قال هذا ربی فلما افل قال لئن لم يهدنی ربی لاكونن من القوم الضالين فلما رأ الشمس بازغةً قال هذا ربی هذا اكبر فلما افلت قال يقوم انی بریء مما تشركون انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض حنيفاً وما انا من المشركين وحاجه قومه قال اتحاجونی فی الله وقد هدان ولا اخاف ما تشركون به الا ان يشاء ربی شيئا وسع ربی كل شیء علماً افلا تتذكرون وكيف اخاف ما اشركتم ولا تخافون انكم اشركتم بالله مالم ينزل به عليكم سلطٰنا فای الفريقين احق بالامن ان كنتم تعلمون الذين امنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون وتلك حجتنا اتينها ابراهيم علی قومه نرفع درجت من نشاء ان رب حكيم عليم))

(سورۃ الانعام: 75-83)

"اور اسی طرح ہم نے دکھادی ابراہیم کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی تاکہ وہ ہو جائیں کامل یقین کرنے والوں میں، پھر جب چھا گئی ان پر رات تو دیکھا انہوں نے ایک ستارا، بولے: کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو بولے: میں نہیں پسند کرتا ڈوب جانے والوں کو۔ پھر جب دیکھا چاند کو چمکتے ہوئے تو کہا: کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے کہا: اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا رب تو ضرور ہو جاتا میں بھی اس گمراہ قوم سے۔ پھر جب دیکھا سورج کو جگمگاتے ہوئے تو بولے: کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ تو ان سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔ بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا

فرمایا آسمانوں اور زمین کو یک سو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے اور جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم، آپ نے کہا: کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دے دی ہے مجھے اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنھیں تم شریک بناتے ہو اس کا۔ مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا۔ گھیرے ہوئے ہے میرا رب ہر چیز کو اپنے علم سے تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرو گے اور کیسے ڈروں میں ان سے جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ تم نہیں ڈرتے اس سے کہ تم نے شریک بنایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسے کہ نہیں اتاری اللہ نے اس کے متعلق تم پر کوئی دلیل تو تم ہی بتاؤ دونوں فریقوں سے کون زیادہ حقدار ہے امن وسلامتی کا؟ اگر تم (کچھ) جانتے ہو۔ وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے انہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے دی تھی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں۔ ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں، بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے۔"

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بت پرستوں کے مناظرے کو بیان کیا جا رہا ہے۔ آپ انہیں بتاتے ہیں کہ یہ روشن ستارے جو نظر آ رہے ہیں الوہیت کے حقدار نہیں ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی عبادت کی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کمال تک پہنچایا ہے۔ اسی ذات نے انہیں وجود بخشا ہے۔ اب وہی ان کا مدبر ہے اور اسی کے دست قدرت میں ان کی باگ ڈور ہے۔ کبھی یہ طلوع ہوتے ہیں اور کبھی غروب ہو جاتے ہیں۔ ادھر یہ مطلع فلک پر نظر آتے ہیں تو ادھر نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں، پروردگار عالم کی نظر سے تو کچھ غائب نہیں رہ سکتا اور کوئی خفیف ترین ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں ہے، بلکہ وہ ذات اقدس تو دائم، باقی اور لازوال ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے انہیں یہ بات سمجھائی کہ یہ ستارہ خدا نہیں بن سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ قوم زھرہ کی عبادت کرتی تھی۔ پھر آپ چاند کی طرف متوجہ ہوئے جس کی روشنی اور چمک دمک زھرہ سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر سورج کی طرف متوجہ ہوئے جو تمام اجرام فلکی سے روشنی، خوبصورتی اور حجم میں بڑا نظر آتا ہے۔ آپ نے انہیں متوجہ کر کے فرمایا کہ یہ سورج جس کی روشنی سے زمین کا ایک وسیع خطہ چمک اٹھتا ہے قادر مطلق کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اسی ذات نے اس کا محور اور مرکز متعین کیا ہے جس پر یہ گردش کناں ہے۔ یہ اسی کی صنعت گری کا کمال اور اس کی کمال قدرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ خدا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ جیسا کہ سورہ حم سجدہ میں فرمایا:

((ومن ایاته اللیل والنهار والشمس والقمر لا سجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذی خلقهن ان کنتم ایاه تعبدون))(سورة حم سجده:37)

"اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی۔ سورج بھی ہے اور چاند بھی۔ مت سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو۔"

اسی لیے رب قدوس ارشاد فرماتا ہے:

((فلما رای الشمس بازغة)) (انعام:78)

''پھر جب دیکھا سورج کو جگمگاتے ہوئے۔''
بازغۃ کا معنی طالعۃ طلوع ہوتے بھی ہے۔

((قال ھذا ربی ھذا اکبر فلما افلت قال یاقوم انی بریء مما تشرکون انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض حنیفاً وما انا من المشرکین وحاجہ قومہ قال اتحاجونی فی اللہ وقد ھدان ولا اخاف ما تشرکون بہ الا ان یشاء ربی شیئا'' (سورۃ الانعام:78-80)

''تو بولے: کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ تو ان سب سے بڑا ہے، لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔ بیشک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، یکسو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے۔ جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم۔ آپ نے کہا: کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دی ہے مجھے اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنہیں تم شریک بناتے ہو اس کا۔ مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا۔''

یعنی اللہ کو چھوڑ کر تم جن خداؤں کی پرستش کرتے ہو مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ نہ تو کچھ فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ سنتے ہیں۔ ان میں سمجھنے کی صلاحیت ودیعت ہی نہیں کی گئی بلکہ یہ تو دوسرے ستاروں اور جمادات کی طرح حکم خداوندی کے پابند اور محتاج ہیں۔ یا وہ مورتیاں جنہیں تم خدا کہتے ہو تمہارے ہی ہاتھوں کی تراشیدہ اور مصنوعہ ہیں، ان میں خدائی کے جلوے کیسے آسکتے ہیں۔؟

ظاہر ہے کہ آپ کی یہ نصیحت اہل حران کے لیے تھی جو ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کا بھی رڈ کرتی ہے جن کا یہ گمان ہے کہ آپ نے یہ گفتگو اس وقت فرمائی جب آپ بچے تھے اور تہہ خانے سے نکلے تھے۔ جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔ دراصل تہہ خانے والا واقعہ اسرائیلی روایات سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے اس پر یقین نہیں کیا جاسکتا اور خصوصاً ایسی صورت میں تو وہ بالکل ہی قابل اعتماد نہیں رہتا جب حق کے مخالف ہو۔

بہر حال اہل بابل بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے بتوں کی پوجا پاٹ کے متعلق پجاریوں سے مناظرہ کیا۔ بت پرستی کی قباحتوں کو عیاں فرمایا اور ان کی خدائی کا حکیمانہ اسلوب میں بطلان کیا۔ جیسا کہ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

((وقال انما اتخذتم من دون اللہ اوثاناً مودۃ بینکم فی الحیاۃ الدنیا ثم یوم القیامۃ بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضاً وماوا کم النار وما لکم من ناصرین)) (سورۃ عنکبوت:25)

''اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے بنالیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت و پیار کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا۔ اور پھٹکار ولعنت بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار۔''

سورہ انبیاء میں ارشاد فرمایا:

((ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل و کنا بہ علمین اذ قال لابیہ و قومہ ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عکفون قالوا وجدنا ابائنا لھا عبدین قال لقد کنتم انتم واباؤکم فی ضلل مبین قالوا اجئتنا بالحق ام انت من اللعبین قال بل ربکم رب السموت والارض الذی فطرھن وانا علی ذلکم من الشھدین وتاللہ لاکیدن اصنامکم ان تولوا مدبرین فجعلھم جذاذاً الا کبیراً لھم لعلھم الیہ یرجعون قالو سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابرھیم قالوا فأتوا بہ علی اعین الناس لعلھم یشھدون قالوآ ء انت فعلت ھذا بالھتنا یابراھیم قال بل فلعہ کبیرھم ھذا فسئلوھم ان کانوا ینطقون فرجعوا الی انفسھم فقالوا انکم انتم الظلمون ثم نکسوا علی رؤسھم لقد علمت ماھؤلاء ینطقون قال افتعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم شیئا ولا یضرکم اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون قالوا حرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فعلین قلنا یا نار کونی برداً وَّسلمًا علی ابراھیم وارادوا بہ کیدًا فجعلنھم الاخسرین))

(سورۃ الانبیاء 51-70)

”اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو جب آپ نے کہا: اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پاٹ پر تم جمے بیٹھے ہو۔ وہ بولے: پایا ہے ہم نے اپنے باپ داداوں کو کہ وہ ان کے پجاری تھے۔ آپ نے فرمایا: بلاشبہ مبتلا رہے ہو تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں۔ انہوں نے پوچھا: کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لے کر آئے ہو یا صرف دل لگی کر رہے ہو۔؟ آپ نے فرمایا: بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے اور میں اس صداقت پر گواہی دینے والوں سے ہوں۔ اور بخدا! میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کرڈالا مگر ان کے بڑے بت کو کچھ نہ کہا تا کہ وہ لوگ اس افتاد کے بارے میں اس کی طرف رجوع کریں، وہ بولے: کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا بے شک وہ ظالموں میں سے ہے۔ چند آدمیوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان کا ذکر برائی سے کیا کرتا ہے، اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ کہنے لگے: تو پھر پکڑ کر لاؤ اسے سب لوگوں کے روبرو شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں۔ لوگوں نے پوچھا: اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی، سو ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں۔ وہ لاجواب ہو کر اپنے دلوں میں غور کرنے لگے، پھر بولے: بلاشبہ تم ہی زیاں کار ستمگار ہو۔ پھر وہ اوندھے ہو کر اپنی سابقہ گمراہی کی طرف پلٹ گئے اور کہنے لگے: تم

خوب جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں۔ آپ نے فرمایا: نادانو! کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بے بس بتوں کی جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر، نیز ان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟ سب یک زبان ہو کر بولے: جلا ڈالو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔ جب آپ کو آتشکدہ میں پھینکا گیا تو ہم نے حکم دیا: اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کے لیے، انہوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے ان کو نا کام بنا دیا۔"

سورہ شعراء میں فرمایا:

((واتل علیهم نبا ابرهیم اذ قال لابیه وقومه ما تعبدون قالوا نعبد اصناماً فنظل لها عکفین قال هل یسمعونکم اذ تدعون او ینفعونکم او یضرون قالو بل وجدنا اباء نا کذلك یفعلون قال افرئتم ما کنتم تعبدون انتم واباؤکم الاقدمون فانهم عدولی الا رب العلمین الذی خلقنی فهو یهدین والذی هو یطعمنی ویسقین واذا مرضت فهو یشفین والذی یمیتنی ثم یحین والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین رب هب لی حکما والحقنی بالصلحین))

"اور آپ بیان فرمائیے ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ۔ جب آپ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو۔؟ انہوں نے کہا: ہم تو پوجتے ہیں بتوں کو اور ہم انہی کی پوجا میں ہر وقت منہمک رہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا: بھلا یہ بتاؤ کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب تم انہیں پکارتے ہو یا وہ تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔؟ انہوں نے لاجواب ہو کر کہا: بلکہ ہم نے پایا اپنے آباؤ اجداد کو کہ وہ یونہی کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے دیکھ لیا ان کی بے بسی کو جن کی تم اور تمہارے آباؤ اجداد پرستش کیا کرتے تھے۔ پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے، جس نے مجھے پیدا فرمایا وہ میری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخشش دے گا میرے لیے میری خطا کو روز جزا کو۔ اے میرے رب! عطا فرما مجھے علم و عمل اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ۔"

سورۃ صافات میں فرمایا:

((وان من شیعته لَابرهیم اذ جاء ربه بقلب سلیم اذ قال لابیه وقومه ما ذا تعبدون ائفکاً الهةً دون الله تریدون فماظنکم برب العلمین فجنظر نظرة فی النجوم فقال انی سقیم فتولوا عنه مدبرین فراغ الی الهتهم فقال الا تاکلون مالکم لا تنطقون فراغ علیهم ضرباً بالیمین فاقبلوا الیه یزفون قال اتعبدون ما

تنحتون و الله خلقكم وما تعلمون قالوا بنوا له بنيانا فالقوه فى الجحيم فارادوا به كيدًا فجعلنهم الاسفلين))(سورة الصافات :83-98)

''اوران کی جماعت میں سے ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو۔ کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خدا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ چاہتے ہو۔ پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں۔؟ سو آپ نے ایک بار دیکھا ستاروں کی طرف، پھر کہا: میری طبیعت ناساز ہے۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ کر (میلہ دیکھنے) چلے گئے، پس آپ چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے اور کہا: کیا تم (یہ مٹھائیاں) نہیں کھاؤ گے؟ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے بھی نہیں؟ پھر پوری قوت سے ضرب لگائی ان پر داہنے ہاتھ سے۔ قوم کے لوگ آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ انہوں نے کہا: بناؤ اس کے لیے وسیع آتشکدہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں۔ انہوں نے تو چاہا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں، لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا۔''

مذکورہ آیات کریمہ میں رب قدوس ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اہل ایمان کو مطلع فرما رہا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کے سامنے بتوں کی پرستش سے انکار فرمایا۔ پجاریوں کے سامنے ان کی تحقیر فرمائی۔ پروہتوں کی موجودگی میں بتوں کی تنقیص کو عیاں کیا۔ انہیں یہ بار بار باور کرایا کہ یہ حقیر سی مورتیاں ہاتھ کے تراشیدہ پتھر ہیں یہ کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ یہ اجرام فلکی اللہ کی قدرت کے شاہکار ہیں خود خدا نہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔

آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا:

((ماهذه التماثيل التى انتم لها عاكفون))(سورة الانبياء:52)

''جن مورتیوں کے معبدوں میں تم اعتکاف کرتے ہو اور ان کی عبادت بجالاتے ہو وہ کیا ہیں؟''

مشرکوں نے جواب دیا:

((وجدنا اباء نالها عابدين))

''پایا ہے ہم نے اپنے باپ دادوں کو کہ وہ ان کے پجاری تھے۔''(سورۃ الانبیاء:53)

بت پرستی کے جواز پر ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ وہ صرف اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے بل بوتے پر مورتیوں کو پوج رہے تھے اور شرک باللہ کی لعنت میں گرفتار تھے۔

((قال لقد كنتم انتم واباكم فى ضلال مبين))(سورة الانبياء:54)

''آپ نے فرمایا: بلاشبہ مبتلا رہے ہو تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں۔''

جیسا کہ ایک اور آیت کریمہ میں بیان ہوا:

((اذ قال لابيه وقومه ماذا تعبدون ائفكا الهة دون الله تريدون فما ظنكم برب العالمين))(سورة الصافات:85-87)

''جب انہوں نے کہا: اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو۔ کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خدا اللہ تعالیٰ کے علاوہ چاہتے ہو۔ پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں۔؟''

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے:

''اے کافرو! ذرا سوچو جب تم میری بارگاہ میں حاضر ہو گے تو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا جبکہ تم مجھے چھوڑ کر دوسروں کو پوجتے رہے ہو گے؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا:

((هل يسمعونكم اذ تدعون او ينفعونكم اويضرون))(سورۃ الشعراء:72-73)

''(بھلا یہ تو بتاؤ) کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب تم انہیں پکارتے ہو۔ یا وہ تمہیں (کچھ) نفع پہنچا سکتے ہیں ضرور پہنچا سکتے ہیں؟''

((قالوا وجدنا اباء نا كذالك يغعلون))(سورة الشعراء:74)

''انہوں نے لاجواب ہو کر کہا: بلکہ ہم نے پایا اپنے آباؤ اجداد کو کہ وہ یونہی کیا کرتے تھے۔''

گویا انہوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ بت نہ تو پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں اور نہ اسے کچھ نفع و نقصان دے سکتے ہیں۔ ان کی بت پرستی کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی تقلید کر رہے ہیں اور ان کی مثل جو بھی بت پرست ہیں ان تمام کے پاس اس کی صرف ایک ہی دلیل ہے کہ ان کے جاہل اسلاف ایسا کرتے آئے ہیں۔ اسی لیے آپ علیہ السلام نے ان سے کہا:

((افرايتم ماكنتم تعبدون انتم واباؤكم الاقدمون فانهم عدولي الا رب العالمين))
(سورۃ الشعرا:75-77)

''کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے حسی) کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہو تم اور تمہارے گذشتہ آباؤ اجداد۔ پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔''

یہ ان کے معبودانِ باطلہ کی الوہیت کی تردید پر دلیل قاطع ہے، کیونکہ آپ نے ان سے بیزاری کا اعلان فرمایا اور ان کی تحقیر کی، اگر وہ کچھ نقصان دینے کی قدرت رکھتے تو حضرت ابراہیم کو نقصان دیتے ان میں ذرا برابر بھی کوئی اثر پیدا کرنے کی قوت ہوتی تو کچھ تو ابراہیم علیہ السلام کے انکار پر اثر مرتب ہوتا۔

((قالوا اجئتنا بالحق ام انت من الاعبين))(سورة الانبيا:55)

''انہوں نے پوچھا: کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لے کر آئے ہو یا دل لگی کر رہے ہو۔؟''

وہ کہا کرتے تھے:

''اے ابراہیم! جو کلام آپ ہمیں سناتے ہیں اور ہمارے خداؤں کی تنقیص شان میں جو آیتیں آپ پیش کرتے ہیں اور جن کو بنیاد بنا کر آپ ہمارے آباؤ اجداد پر لعن طعن کرتے ہیں اور انہیں گمراہ بتاتے ہیں یہ واقعی اللہ کا کلام ہے اور آپ یہ سب باتیں سنجیدگی سے کرتے ہیں یا محض دل لگی کے لیے اور ہمیں تنگ کرنے کے لیے کرتے رہتے ہیں؟''

((قال بل ربکم رب السموت والارض الذی فطرھن وانا علی ذلکم من الشاھدین))(سورۃ الانبیاء:56)

''آپ نے فرمایا: بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا اور میں اس صداقت پر گواہی دینے والوں سے ہوں۔''

یعنی جو کچھ میں کہتا ہوں یہ باتیں طنز و مزاح کے جذبے کی تسکین کے لیے نہیں کہ اس کی کوئی اصل نہ ہو بلکہ میری زبان سے ادا ہونے والا ایک ایک لفظ حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ میں نہایت سنجیدگی سے تمہیں بت پرستی کی لعنت سے آگاہ کر رہا ہوں اور پورے خلوص سے اس ذات اقدس کی طرف پلٹ آنے کی دعوت دے رہا ہوں جو تمہارا ''واحد الہ'' ہے جو تمہارا اور کائنات کی ہر چیز کا پروردگار ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے، جس نے بغیر کسی سابقہ نمونے کے انہیں تخلیق فرمایا ہے، صرف اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس بات پر تمہارے سامنے گواہی دے رہا ہوں۔

مگر ان نصیحتوں کو وہ نہ مانے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

((وتاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولو مدبرین))(سورۃ الانبیا:57)

''اور اللہ کی قسم! میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔''

آپ نے قسم اٹھائی کہ جب تم عید منانے باہر جاؤ گے اور معبد کے رکھوالے شہر سے نکل جائیں گے تو میں ان بتوں سے نمٹ لوں گا جن کی تم خدا سمجھ کر عبادت کرتے ہو۔

کہا جاتا ہے کہ یہ بات آپ نے اپنے دل میں کہی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی اس دھمکی کو بعض لوگوں نے سن بھی لیا تھا۔

وہ ان بتوں کے نام پر ہر سال میلا منعقد کرتے تھے اور پوری آبادی خوشی کے اس موقع پر شہر سے باہر چلی جاتی تھی۔ آپ علیہ السلام کے باپ نے آپ کو بھی اس میلے میں شرکت کرنے کا حکم دیا لیکن آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔

جیسا کہ کلام مجید میں تصریح ہے:

((فنظر نظرۃ فی النجوم فقال انی سقیم))(سورۃ الصافات:88)

''سو آپ نے ایک بار دیکھا ستاروں کی طرف اور فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔''

درحقیقت ان کے شرک کی وجہ سے جس شدید تکلیف و پریشانی کا آپ کو سامنا تھا آپ نے اس کو بیماری سے تعبیر فرمایا۔ دراصل مقصد یہ تھا کہ ان کی مورتیوں کی اہانت کی جائے دین حق کی سربلندی اور بت پرستی کے باطل عقیدے کی بیخ کنی کے لئے کوشش کی جائے اور انہیں یہ بتایا جائے کہ یہ بت ہیں ہی اسی سلوک کے لائق کہ انہیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے اور ان کی پوری طرح تحقیر و تنقیص کی جائے۔

جب وہ لوگ میلے کے لیے شہر سے باہر چلے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر میں ٹھہر گئے تو آپ چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں سینکڑوں بت نصب تھے اور ان کے سامنے انواع و اقسام کے

کھانے رکھے تھے جو ان کی قربت حاصل کرنے کے لیے لائے گئے تھے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے حقارت اور طنز کے لہجے میں فرمایا:

((الا تاکلون مالا کم لاتنطقون فزاغ علیھم ضربا بالیمین))

(سورۃ الصافات: 91-93)

''کیا تم (یہ مٹھائیاں) نہیں کھاؤ گے۔؟ تمہیں کیا ہوگیا کہ تم بولتے بھی نہیں؟ پھر پوری قوت سے ضرب لگائی ان پر داہنے ہاتھ سے۔''

دائیں ہاتھ سے ضرب لگانے کی وجہ یہ تھی کہ داھنا ہاتھ زیادہ قوی، زیادہ سخت، زیادہ تیز اور بہت قہر آلود ہوتا ہے۔ آپ نے ان بتوں کو کلہاڑے کے ساتھ ریزہ ریزہ کر کے چھوڑا۔ جیسا قرآن کریم کا بیان ہے:

((فجعلھم جذاذا)) (سورۃ الانبیاء: 58)

''پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا۔''

جذاذاً کا معنی ایندھن ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کی ہیئت بگاڑ دی اور ان مورتوں میں سے کسی ایک کو بھی معاف نہ فرمایا۔

((الا کبیرا لھم لعلھم الیہ یرجعون))(سورۃ الانبیاء:58)

''مگر ان کے بڑے بت کو کچھ نہ کہا تا کہ وہ لوگ (اس افتاد کے بارے میں) اس کی طرف رجوع کریں۔''

بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے کلہاڑا اس بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا تا کہ لوگ سمجھیں کہ یہ بڑا بت اپنے ساتھ ان چھوٹے معبودوں کی عبادت میں شرکت کو برداشت نہیں کر سکتا اور اسی لیے اس نے ان تمام کو توڑ ڈالا ہے۔

جب لوگ میلے سے لوٹے اور اپنے معبودوں کی حالت کو اپنے آنکھوں سے دیکھا تو کہنے لگے:

((من فعل ھذا بالھتنا انہ لمن الظالمین))(سورۃ الانبیاء:59)

''کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا۔ بیشک وہ ظالموں میں سے ہے۔''

اگر ان عقل کے اندھوں میں ذرا سی غور و فکر کی صلاحیت ہوتی تو اس میں ان کے لیے کتنی بڑی دلیل تھی۔ ان کے معبودوں کا جو حشر ہو چکا تھا ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی تھا۔ اگر وہ الہ ہوتے تو ضرور اس شخص کا ہاتھ پکڑتے جو انہیں تکلیف دینے کے درپے تھا، لیکن اپنی جہالت، کم عقلی اور ضلالت و گمراہی کی وجہ سے وہ کہنے لگے:

((من فعل ھذابالھتنا انہ لمن الظالمین))

''کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا؟ بیشک وہ ظالموں میں سے ہے۔''

((قالو سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم))(سورۃ الانبیاء:60)

''انہوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے، وہ ان کا ذکر برائی سے کیا کرتا ہے، اسے ابراھیم کہا جاتا ہے۔''

یعنی وہ لڑکا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور ان کی تنقیص شان کرتا رہتا ہے۔ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔ اسی نے یہ بت توڑے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق یذکرھم کے الفاظ کا اشارہ ان الفاظ کی طرف

ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے ایک دفعہ لوگوں کے سامنے کہے تھے:

((وتاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین))(سورۃ الانبیاء:57)

''اور اللہ کی قسم! میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔''

((قالوا فاتوا بہ علی اعین الناس لعلھم یشھدون))(سورۃ الانبیاء:61)

''کہنے لگے: تو پھر پکڑ کر لاؤ اسے سب لوگوں کے روبرو۔ شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں۔''

یعنی اس کو ایک بڑے اجتماع کے سامنے پیش کیا جائے اور جو اس بت شکنی کا الزام لگاتے ہیں وہ لوگوں کی سامنے گواہی دیں کہ اس نے ان بتوں کے بارے یہ باتیں کی ہیں۔ لوگ ان کی باتوں کو اپنے کانوں سے سنیں تاکہ فیصلہ کیا جاسکے کہ اس جرم کی پاداش میں اسے کیا سزا دی جائے۔

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام تو چاہتے ہی یہ تھے کہ تمام لوگ ایک جگہ جمع ہوں تاکہ وہ تمام بت پرستوں کے سامنے بت پرستی کے بطلان پر دلیل قائم کرسکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون کو بھرے مجمع میں گفتگو کا چیلنج دیا تھا اور فرمایا تھا:

((موعدکم یوم الزینۃ وان یحشر الناس ضحی))(سورۃ طہ:59)

''جشن کا دن تمہارے لیے مقرر کرتا ہوں اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔''

(جب تمام جادوگر اور لوگ اکٹھے ہوگئے اور جادوگروں نے جادو سے لکڑیوں اور رسیوں کو سانپ بنادیا تو حضرت موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر رکھا تو وہ اژدھا بن گیا جس نے سب جادو کی چیزوں کو ہڑپ کرلیا اور پھر عصا کا عصا بن گیا۔)

جب تمام لوگ اکٹھے ہوگئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر لایا گیا، پھر بھرے مجمع میں آپ سے پوچھا گیا:

((ءانت فعلت ھذا بالھتنا یا ابراھیم))(سورۃ الانبیاء:62)

''اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔؟''

((قال بل فعلہ کبیرھم ھذا))(سورۃ الانبیاء:63)

''فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے (مخالف) نے یہ حرکت کی ہوگی۔''

اس کا ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ مجھے اس بڑے نے اُکسایا ہے کہ میں ان چھوٹوں کو ریزہ ریزہ کردوں۔ آپ نے انہیں جتاتے ہوئے فرمایا:

((فاسالوھم ان کانوا ینطقون))(سورۃ الانبیاء:63)

''سو ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہیں۔''

آپ چاہتے یہ تھے کہ وہ فوراً کہہ اٹھیں کہ وہ بولتے نہیں اور اعتراف کرلیں کہ یہ بھی دوسرے جمادات کی طرح جمادات ہیں۔

((فرجعوا الی انفسھم فقالوا انکم انتم الظالمون))(سورۃ الانبیاء:63)

''پس وہ اپنے دلوں میں غور کرنے لگے۔ پھر بولے: بلاشبہ تم ظالم ہو۔''

یعنی وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تم بڑے زیاں کار ہو۔ یعنی تم معبد کو چھوڑ کر چلے گئے اور کوئی محافظ کوئی نگہبان بھی مقرر نہ کیا۔

((ثم نکسوا علی رؤسھم))(سورۃ الانبیاء:63)

''پھر وہ اوندھے ہو کر (اپنی سابقہ گمراہی کی طرف) پلٹ گئے۔''

شیخ سدی فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی پہلی سی گمراہی اور فتنے کی طرف پلٹ گئے۔ اگر آیت کے اس حصے کا یہ معنی لیا جائے تو پھر انکم انتم الظالمون کا معنی یہ ہو گا تم ان بتوں کی پوجا کر کے خود نقصان کرتے آئے ہو۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ نکسوا علی رؤوسھم کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو پھر وسوسوں نے آلیا اور وہ برائی کی طرف مائل ہو گئے یعنی انہوں نے سر جھکا لیے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا:

((لقد علمت ماھولاء ینطقون))(سورۃ الانبیا:64)

''اے ابراہیم! تو تو جانتا ہے کہ یہ بول نہیں سکتے۔''

پھر تو کیوں کہتا ہے کہ ان سے پوچھو؟ یہ جواب سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

((قال افتعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم شیئا ولا یضر کم اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون))(سورۃ الانبیاء:66-67)

''کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بتوں کی جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر نیز ان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟''

اسی طرح سورہ صافات میں ہے:

((فاقبلوا الیہ یزفون))(سورۃ الصافات:94)

''پس وہ دوڑے آئے آپ کی طرف۔''

حضرت امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یزفون کا معنی یسرعون (دوڑ کر آئے) ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

((اتعبدون ما تنحتون))(سورۃ الصافات:95)

''کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو۔؟''

یعنی تم ان بتوں کی عبادت پر کیسے مائل ہو جاتے ہو جنہیں تم خود لکڑی اور پتھر سے گھڑ کر بناتے ہو۔ ان کی پہلے کوئی شکل وصورت نہیں ہوتی۔ تم کسی پتھر کو اور کسی لکڑی کو اٹھاتے ہو تیشے سے خود اسے گھڑتے ہو اور اپنی پسند کی شکل وصورت اسے دیکر اس کو خدا بنا لیتے ہو۔

((واللہ خلقکم وما تعلمون))(سورۃ الصافات:96)

''حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔''

لفظ ''ما'' مصدر یہ ہو یا موصولہ الذی کے معنی میں ہے۔ دونوں صورتوں میں کلام کا مقتضی یہ ہے کہ تم اللہ کی مخلوق ہو اور وہ بت بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کی مخلوق ہیں۔

پھر ایک مخلوق دوسری مخلوق کا معبود کیسے بن سکتی ہے؟ جب یہ بھی مخلوق تم بھی مخلوق تو یہ الوہیت کا حق تم سے زیادہ تو نہیں رکھتے۔ جب تم معبود نہیں بن سکتے تو ان کو معبود ماننا بھی باطل ہے، کیونکہ عبادت تو صرف اس ذات کی کی جاسکتی ہے جو خالق ہے اور اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں۔

قوم نے حضرت ابراہیم کی بتوں سے دشمنی دیکھ کر کہا:

((قالوا بنوا له بنیاناً فالقوه فی الجحیم فارادوا به کیداً فجعلنهم الاسفلین))

(سورۃ الصافات: 97-98)

''انہوں نے کہا: بناؤ اس کے لیے وسیع آتشکدہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں۔ انہوں نے چاہا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا۔''

جب وہ لاجواب ہو گئے اور بحث و مباحثہ میں مغلوب ہو گئے تو مناظرے سے منہ موڑ لیا اور قوت و طاقت کے استعمال کی ٹھان لی۔ اب اس کے علاوہ وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ بت پرستی کے جواز پر کوئی دلیل تو دے نہ سکتے تھے۔ اللہ کے نبی نے بتوں کی بے بسی اظہر من الشمس کر دی تھی۔ اب کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ یہ عقیدہ بے بنیاد ہے لیکن اپنی سفاہت اور سرکشی کے نتیجے میں جس عقیدہ پر وہ شروع سے آرہے تھے، اس کی مدد کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں قوت کے استعمال کا پختہ ارادہ کر لیا، لیکن اللہ جل شانہ نے انہیں ذلیل و خوار کیا اور اس کے کلمے دین اور الٰہی برہان کو فتح حاصل ہوئی۔ جیسا کہ کلام مجید میں مذکور ہے:

((قالوا حرقوه وانصروا الهتکم ان کنتم فعلین قلنا ینار کونی برداً وسلماً علی ابرهیم واردوا به کیداً فجعلنهم الاخسرین))(سورۃ الانبیاء :68-70)

''انہوں نے کہا: جلا ڈالو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔ ہم نے حکم دیا: اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کے لیے۔ انہوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے ان کو نا کام بنا دیا۔''

اس فیصلے کے بعد مشرکین نے حتی الامکان مختلف جگہوں سے ایندھن جمع کرنا شروع کر دیا اور ایک مدت تک لکڑیاں اکٹھی ہوتی رہیں۔ حتی کہ ایک عورت جب بیمار ہوئی تو اس نے نذر مانی کہ اگر میں شفایاب ہو جاؤں گی تو ابراہیم کو جلانے کے لیے ایندھن اٹھالاؤں گی۔ پھر ایک بہت بڑی جگہ تیار کی۔ اس میں سارا ایندھن جمع کر دیا گیا۔ مروی ہے کہ قوم کے چھوٹے بڑے لوگ چالیس دن تک ایندھن اکٹھا کرتے رہے۔ پھر ایندھن کو آگ لگا دی۔ آگ خوب روشن ہو گئی۔ خوفناک تڑاخ تڑاخ کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ لکڑیاں سرخ انگاروں کی شکل اختیار کرنے اور شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے، اتنی بلند آگ شاید پہلے کبھی نہ دیکھی گئی ہوگی۔

آپ علیہ السلام کو جلانے کے لیے جو چار دیواری بنائی گئی اس کی مقدار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے درج ذیل بیان فرمائی ہے:

بلندی.........تیس ذراع (پینتالیس فٹ)

چوڑائی.........بیس ذراع (تیس فٹ)

طول............تیس ذراع (پینتالیس فٹ)

حضرت امام مجاہد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے مجاہد! کیا تمہیں معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا مشورہ دینے والا کون تھا؟''

میں نے عرض کیا:

''میں نہیں جانتا۔''

آپ نے فرمایا:

''وہ فارس کے دیہات میں رہنے والا شخص تھا جس کا نام اکراد تھا۔''

بعض علماء نے نام ہیون اور ہدیر بھی تحریر فرمائے ہیں۔

مروی ہے کہ جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک منجنیق میں بٹھا دیا گیا۔ یہ منجنیق ''ہیزن'' نامی ایک کرد نے خاص اسی مقصد کے لیے بنائی تھی۔ یہ سب سے پہلی منجنیق ہے جو دنیا میں بنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کاریگر کو زمین میں دھنسا دیا، وہ قیامت تک یونہی دھنستا جائے گا۔

پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ اور پاؤں رسیوں سے جکڑ دیئے اور آگ میں پھینکنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان نازک لمحات میں بھی آپ کی زبان مبارک پر اللہ کا ذکر جاری رہا اور آپ برابر پڑھتے رہے:

((لا اله الا انت سبحانك رب العالمين لك الحمد ولك الملك لاشريك له))

''تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے اور رب العالمین ہے۔ تمام تعریف تیرے لیے ہے۔ بادشاہی صرف تجھے زیبا ہے تیرا کوئی ہمسر نہیں۔''

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر منجنیق میں رکھ کر آگ کے شعلوں میں پھینکا گیا تو آپ کی زبان سے معاً یہ الفاظ نکلے:

((حسبنا الله و نعم الوكيل))

جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں پھینکا گیا تو آپ نے حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہا اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ نے بھی یہی کہا تھا جب آپ سے کہا گیا تھا:

((ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل فانقلبوا بنعمة من الله وفضل لم يمسسهم سوء))

''کافروں نے آپ کے لیے جمع کر رکھا ہے، سوڈر وان سے۔ تو بڑھا دیا ان کے جوش ایمان کو اور انہوں نے کہا: کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے۔ پس وہ واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ۔ نہ چھوا ان کو کسی برائی نے۔'' (سورۃ آل عمران: 173-174)

جناب ابویعلی فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوہشام رفاعی نے بیان کیا، ہم سے اسحاق بن سلیمان نے بیان کیا، انہوں نے ابی جعفر رازی سے، انہوں نے عاصم بن ابی النجود سے، انہوں نے ابوصالح سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت

کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو آپ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے اللہ! بیشک تو آسمان میں ایک ہے اور زمین پر میں ایک ہی تیری عبادت کرنے والا ہوں۔''

کچھ اسلاف بتاتے ہیں کہ ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوا میں تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نے پیش کش کی:

''اے ابراہیم! کیا کوئی حاجت ہے؟''

فرمایا:

''مجھے آپ سے کوئی حاجت نہیں۔''

حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر سے روایت کیا جاتا ہے کہ جب بارش کے فرشتے نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ جب حکم ہوگا میں بارش برسا دوں گا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''میرا خداوند ان چیزوں سے زیادہ قوی و تیز ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((قلنا یا نار کونی برداً وّسلاماً علیٰ ابراھیم))(سورۃ الانبیاء:69)

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ حضرت ابراہیم کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر اللہ تعالیٰ آگ کو ٹھنڈا ہونے کا حکم دینا اور سلاماً نہ فرماتا تو وہ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی سردی سے وفات پا جاتے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو العالیہ فرماتے ہیں:

''اگر اللہ تعالیٰ ''سلاماً علی ابراھیم'' نہ فرماتا تو آگ اس قدر ٹھنڈی ہو جاتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک کی اذیت برداشت نہ کر سکتے۔''

کعب الاحبار فرماتے ہیں:

''اس دن زمین والے آگ سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ کائنات کے اندر جتنی بھی آگ تھی سب ٹھنڈی ہوگئی۔ صرف وہ رسی جلی جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں باندھے گئے تھے۔''

مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ باہر باہر جلتی رہی لیکن اس کی حرارت حضرت ابراہیم علیہ السلام تک نہ پہنچ سکی، بلکہ آگ کے اندر ایک باغ بنا دیا گیا۔

آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو اللہ کے حکم سے فرشتوں نے آپ کو پہلوؤں سے پکڑ کر زمین میں ایک جگہ بٹھا دیا۔ وہاں ایک میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور ارد گرد گلاب، نرگس اور چنبیلی کے پودے اور پھول اپنا حسین و جمیل منظر پیش کر رہے تھے۔

ضحاک فرماتے ہیں:

''جبرائیل امین بھی حضرت ابراہیم کے ساتھ تھے۔ آپ نے اپنے چہرے کو پونچھا لیکن پسینہ تک نہیں تھا۔''

شیخسدی فرماتے ہیں:

''سائے کا فرشتہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ آپ آگ کے میدان کے درمیان ایک شاداب باغ میں تشریف فرما تھے جس کے اردگرد آگ کے شعلے تھے۔ لوگ دیکھ رہے تھے کہ حضرت ابراہیم تو شاداب باغ میں ہے لیکن نہ تو ان میں ہمت تھی کہ آگ کے ان شعلوں کو عبور کر کے آپ علیہ السلام تک پہنچتے اور نہ آپ اس باغ و بہار سے باہر آنا چاہتے تھے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے جبکہ اپنے بیٹے کو اس حالت میں دیکھا تو کیا ہی خوب کہا: ''اے ابراہیم! تیرا پروردگار ہی بہترین پروردگار ہے۔''

تفسیر ابن منذر میں ہے کہ سلیمان بن صرد نے فرمایا:

جب نمرود اور اس کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے لکڑیاں جمع کرنی شروع کیں تو ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کر رہی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ساری قوم کو مخالف پایا تو کہا:

((حسبی ربی ونعم الوکیل))

''میرا رب میرے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

جب آپ کو ان لوگوں نے آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ سے فرمایا:

((یانار کونی برداو سلاما علیٰ ابراھیم))

''اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔''

جب آپ پر آگ گلزار بن گئی تو آپ کے چچا نے کہا:

((فقال عمه من اجلی دفع عنه))

''یہ آگ میری وجہ سے ہی ابراہیم سے دور ہوئی ہے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے آگ کا ایک جنگاڑا اس پر ڈالا جو اس کے قدموں میں گرا اور اسے جلا کر راکھ کر دیا۔

شیخ ابن عساکر جناب عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے آپ علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا تو آواز دی:

''اے میرے بیٹے! میں تیرے پاس آنا چاہتی ہوں۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ تیرے اردگرد آگ سے مجھے نجات دے۔''

آپ نے فرمایا: ہاں آیئے۔ وہ آپ کے پاس جا پہنچیں اور آگ کے شعلوں نے انہیں چھوا تک نہیں۔ جب وہ وہاں پہنچیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ بوسے دیئے اور پھر واپس آگئیں۔

منہال بن عمرو سے روایت ہے کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چالیس یا پچاس دن تک آگ کے شعلوں کے درمیان رہے اور آپ نے فرمایا:

''آگ کے ان دنوں اور راتوں سے زیادہ عیش کے دن اور عیش کی راتیں میں نے نہیں دیکھیں۔ میں چاہتا تھا کہ کاش! میری پوری زندگی اسی طرح آگ میں گزر جائے۔''

مشرکین نے تو کامیابی کا ارادہ کیا تھا لیکن انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ انہوں نے تو بلندی کی تمنا کی تھی لیکن انہیں پستی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ تو غالب ہونا چاہتے تھے لیکن رب قدوس نے فرمایا:

((وارادوا به كيدًا فجعلنهم الاخسرين))

''انہوں نے ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا تھا لیکن ہم نے ان کو ناکام بنادیا۔'' (سورۃ الانبیا:70)

سورۃ صافات میں ''الاسفلین'' کے الفاظ آتے ہیں کہ ہم نے انہیں ذلیل کردیا۔ وہ جو اللہ کے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اذیت دینا چاہتے تھے آخر خود دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوئے اور آخرت میں آگ کا عذاب ان کا مقدر ہوگا، لیکن وہاں یہ آگ ٹھنڈی اور راحت بخش نہیں ہوگی۔ نہ وہاں امن وآمان اور سلامتی پائیں گے، بلکہ اللہ کریم نے اس کا تعارف کراتے ہوئے پہلے سے فرمادیا ہے:

((انها ساء ت مستقراً ومقاماً))

''بے شک وہ بہت برا ٹھکانا اور بہت بری جگہ ہے۔'' (سورۃ الفرقان:66)

منہال بن عمرو کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آگ میں رہنے کے دنوں میں میں جتنا خوش رہا اتنا اس سے پہلے اور بعد کبھی نہ رہا۔

نمرود نے اپنے محل کی بلندی سے دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک باغ میں بیٹھے ہوئے پایا اور ایک فرشتے کو بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ آپ کے اردگرد لکڑیوں کو جلتے ہوئے اور آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھ کر آپ کو پکارنے لگا:

''اے ابراہیم! کیا تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟''

آپ نے فرمایا:

''ہاں! نکل سکتا ہوں۔''

اس نے کہا:

''اٹھو اور نکل آؤ۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھے اور چلتے چلتے آگ سے نکل آئے۔ آپ سے نمرود سے پوچھا:

''تمہارے ساتھ تمہاری ہی شکل کا دوسرا آدمی کون ہے؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ سایہ پر مقرر فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میرے پاس اس لیے بھیجا ہے تاکہ میں اکیلے ہونے سے گھبرانہ جاؤں۔ میں اس سے انس حاصل کرتا ہوں۔''

نمرود نے کہا:

''میں نے تمہارے رب کی عزت وقدرت کو دیکھا ہے تو میں نے نذر مانی ہے کہ میں تمہارے رب کا قرب حاصل کرنے کے لیے قربانی کروں گا۔ اس لیے میں تمہارے رب کے حضور چار ہزار گائے کی قربانی پیش کررہا ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو اللہ تعالیٰ تمہاری کوئی بھی قربانی قبول نہیں کرے گا۔''

اس نے کہا:

''میں اپنی بادشاہی کو تو نہیں چھوڑ سکتا البتہ قربانی ضرور کروں گا۔''

پس اس نے نذر کے مطابق چار ہزار گائے ذبح کیں۔ اور آئندہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سزا نہ دینے کا ارادہ کرلیا۔ البتہ وہ اپنے کفر پر جما رہا اور ایمان نہ لایا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب کفار نے دیکھا کہ آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا تو انہوں نے کہا کہ ابراہیم نے آگ پر جادو کر دیا ہے۔ انہوں نے تجربہ کے لیے ایک بوڑھے کو آگ میں ڈالا تو آگ نے اسے بری طرح جھلسا دیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں: ہم سے عبید اللہ بن موسیٰ نے بیان کیا یا ابن سلام نے ان سے روایت کیا، ہمیں ابن جریج نے اطلاع دی، انہوں نے عبد الحمید بن جبیر سے، انہوں نے سعید بن المسیب سے، انہوں نے ام شریک سے روایت فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے چھپکلیاں مارنے کا حکم دیا اور فرمایا:

''یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر (آگ جلانے کے لیے) پھونکیں مارتی تھیں۔''

امام مسلم نے ابن جریج کی حدیث سے یہی روایت فرمایا ہے۔ امام نسائی اور ابن ماجہ نے سفیان بن عیینہ کی حدیث سے اسے اپنی کتب حدیث میں نقل کیا ہے۔

یہ دونوں حضرات حمید بن جبیر بن شیبہ کے حوالے سے اس حدیث کو سفیان بن عیینہ سے نقل کرتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: ہم سے محمد بن بکر نے بیان کیا، ہم سے ابن عمر کے آزاد کردہ غلام حضرت نافع نے بیان کیا اور انہوں نے مجھے بتایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''چھپکلیوں کو مارو۔ بیشک یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ روشن کرنے کے لیے پھونکیں مارتی تھیں۔''

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انہیں مارا کرتی تھیں۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، ہم سے ایوب نے نافع سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ ایک عورت حضرت عائشہ کے گھر آئی تو دیکھا کہ ایک نیزہ نصب ہے۔ عورت نے پوچھا:

''یہ نیزہ کیسا ہے؟''

تو آپ نے جواب دیا:

''ہم اس سے چھپکلیوں کو مارتے ہیں، پھر آپ نے اس عورت سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو تمام حشرات الارض اور جانور آگ کو بجھانے کی کوشش کرنے لگے سوائے چھپکلی کے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ جلانے کے لیے پھونکیں مارنے لگی۔''

ان دونوں روایتوں کو لینے میں امام احمد تنہا ہیں۔ امام احمد ایک اور سند سے بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم سے عفان نے بیان کیا۔ ہم سے جریر نے بیان کیا۔ ہم سے نافع نے بیان کیا۔ مجھ سے سمامہ نے بیان کیا جو کہ فاکہ بن مغیرہ کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئی تو میں نے ان کے حجرہ مبارکہ میں ایک نیزہ پڑا ہوا دیکھا۔ میں نے پوچھا:

''ام المومنین! آپ اس نیزہ کو کیا کرتی ہیں؟''

آپ نے فرمایا:

''یہ ان چھپکلیوں کے لیے ہے۔ میں اس سے انہیں مارتی ہوں، کیونکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو زمین پر کوئی ایسا جانور نہیں تھا جس نے اس آگ کو بجھانے کی کوشش نہ کی ہو سوائے چھپکلی کے۔ اس نے ابراہیم خلیل اللہ پر آگ جلانے کے لیے پھونکیں ماری تھیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کے مارنے کا حکم فرمایا ہے۔''

اسے ابن ماجہ نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے، انہوں نے یونس بن محمد سے، انہوں نے جریر ابن حازم سے انہیں الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((الم تر الی الذی حاج ابراهیم فی ربه ان اته الله الملك اذ قال ابراهیم ربی الذی یحی ویمیت قال انا احی و امیت قال ابرهیم فان الله یاتی بالشمس من المشرق فات بها من المغرب فبهت الذی کفر والله لا یهدی القوم الظالمین))

(سورہ البقرہ:258)

''کیا نہ دیکھا آپ نے اسے جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ دی تھی اسے اللہ نے بادشاہی۔ جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے، اس نے کہا: میں بھی زندہ کرسکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نکالتا ہے سورج کو مشرق سے تو تو نکال لا اسے مغرب سے (یہ سن کر) ہوش اڑ گئے اس کافر کے اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک مناظرے کا ذکر فرما رہا ہے جو آپ نے ایک جابر، سرکش مدعی ربوبیت بادشاہ کے ساتھ کیا تھا۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اس کی دلیل کو باطل فرما دیا تھا اور اس پر یہ حقیقت واضح کردی تھی کہ تو جاہل مطلق کم عقل اور پرلے درجے کا بے وقوف ہے۔ آپ نے اس سرکش کے منہ حجت ربانی کی لگام دی اور اس پر راہ مستقیم روشن وعیاں کردی۔

علمائے مفسرین کے علاوہ علمائے نسب اور اخبار فرماتے ہیں کہ وہ سرکش بابل کا بادشاہ تھا جس کا نام نمرود بن کنعان

بن کوش بن سام بن نوح تھا۔

حضرت مجاہد اور دوسرے کئی علماء فرماتے ہیں کہ اس کا نام نمرود بن فالح بن عابد بن صالح بن ارفخشذ بن سام بن نوح تھا۔

حضرت امام مجاہد اور اس نظریے کے حامل علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ نمرود دنیا کے ان بادشاہوں میں سے ایک ہے، جن بادشاہوں نے اپنے اپنے وقت میں پوری دنیا پر بادشاہی کی۔ ان بادشاہوں کی تعداد چار بتائی جاتی ہے۔ ان میں سے دو مسلمان ہیں اور دو کافر ہیں۔

۱۔ حضرت ذوالقرنین۔ ۲۔ حضرت سلیمان۔

یہ دونوں مومن تھے۔

۳۔ نمرود۔ ۴۔ بخت نصر۔

یہ دونوں کافر تھے۔

علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نمرود نے چار سو سال تک حکومت کی وہ بہت باغی، سرکش، جابر اور عناد پرست حکمران تھا۔ اس کی تمام کوششوں کا مرکز و محور دنیاوی عیش و عشرت تھا۔

جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے خدائے یکتا و لاشریک کی عبادت کی اسے دعوت دی تو جہالت گمراہی اور امیدوں کی طوالت نے اسے اللہ کے انکار پر ابھارا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑنے لگا اور اس نے دعویٰ کیا کہ صرف میں ہی پروردگار ہوں۔ میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا:

((ربی الذی یحیی ویمیت قال انا احی و امیت))

"میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے تو اس نے کہا: میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔" (سورۃ البقرہ:258)

جناب قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ جب میرے پاس دو آدمیوں کو لایا جاتا ہے جن کے قتل کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے تو میں ایک کے قتل کا حکم صادر کر دیتا ہوں اور ایک کو بخش دیتا ہوں۔ میں بھی یہ حکم صادر کر کے گویا ایک کو زندہ کرتا ہوں اور دوسرے کو موت دے دیتا ہوں۔

لیکن یہ کلام خلیل اللہ علیہ السلام کا جواب نہیں بن سکتا تھا۔ اسے تو اس گفتگو سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا جو دونوں کے درمیان ہو رہی تھی۔ یہ دراصل اس مباحثے کے اصولوں سے فرار تھا اور محض ایک لچر بات تھی، جو اس نے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے کی تھی، درحقیقت اس کی ساری گفتگو کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے سوال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے حیوانات کی زندگی اور موت کے روزمرہ واقعات سے صانع کے وجود پر استدلال فرمایا تھا، یعنی موت و حیات کا یہ سلسلہ خود بخود تو نہیں چل رہا کیونکہ تمام چیزیں قائم بالذات نہیں اس لیے کسی ایسی ذات کا وجود ماننا ضروری ہے جس کے ارادے اور مشیت سے یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ ہم روز بروز کائنات میں ایک تبدیلی دیکھ رہے ہیں، مثلاً: کچھ نئی چیزیں معرض وجود میں آتی ہیں اور نہایت ہی نظم و ضبط کے ساتھ عرصہ عمل میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ اجرام فلکی، ہوائیں، بادل بارش یہ تمام چیزیں ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلتی رہتی ہیں اور ان کا سفر ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ کیا یہ تمام چیزیں قائم بالذات ہیں؟ ہرگز نہیں اور جب یہ قائم بالذات نہیں بلکہ کسی اور کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں تو

گویا یہ خود بخود معرض وجود میں بھی نہیں آگئیں۔ ان کا کوئی نہ کوئی موجد ہے اور وہ ہے بھی بڑی قدرتوں اور طاقتوں کا مالک۔ خصوصاً موت اور زندگی کا چکر یہ ایسی دلیل ہے جو خدائے قادر مطلق کے وجود پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

((ربی الذی یحی و یمیت))

''میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔''

جاہل بادشاہ کا یہ کہنا:

''انا احیی و امیت''

''میں بھی زندہ کرسکتا ہوں اور مار بھی سکتا ہوں۔''

اگر ان معنوں میں تھا کہ وہ ان حوادث کا فاعل حقیقی ہے تو پھر اس نے تکبر اور عناد سے کام لیا اور اگر مراد وہی مفہوم ہے جسے قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق نے لیا ہے تو پھر گویا بادشاہ نے ایک ایسی بات کہی ہے جس کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے کلام سے کوئی تعلق ہی نہیں، کیونکہ یہ بات تو نہ مقدمہ کے مانع ہے اور نہ دلیل کے مدمقابل آسکتی ہے۔

جب آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ بادشاہ مناظرے سے پہلوتہی کر رہا ہے اور اسی وجہ سے اس کے درباری اور دوسرے کئی لوگوں پر حقیقت عیاں نہیں ہو رہی تو آپ نے وجود باری تعالیٰ پر ایک دوسری دلیل پیش کی جس نے نمرود کے دعوے اور اس کی دلیل کو واضح طور پر باطل کر دیا۔

((قال ابراهیم فان الله یاتی بالشمس من المشرق فات بها من المغرب))

''ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نکالتا ہے سورج کو مشرق سے تو تو نکال لا اسے مغرب سے۔''

یعنی یہ سورج روزانہ ایک نظام کی پابندی کرتا ہے۔ مشرق سے طلوع ہوتا ہے جیسا کہ اس کے خالق، اس کے چلانے والے اور اس کے مالک کی مشیت اور ارادہ ہوتا ہے اور اس کا مالک اور چلانے والا وہ ہے جو ہر چیز کا خالق ہے، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر تو سمجھتا ہے کہ تو موت اور زندگی کا مالک ہے تو پھر اس سورج کو مغرب سے طلوع کر کے دکھا، کیونکہ جو موت و حیات کا مالک ہے وہ تو جو چاہے کرسکتا ہے۔ نہ کوئی اس کو روک سکتا ہے اور نہ مغلوب کرسکتا ہے، بلکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر چیز اس کی مشیت کی پابند ہے۔ اگر تو بھی کامل قدرت و سطوت کا دعویدار ہے تو یہ مطالبہ پورا کر دکھا اور اگر تو سورج کو مغرب سے طلوع نہ کرسکے تو یقیناً تو ایسا نہیں جیسا تو گمان رکھتا ہے اس بات سے تو خود بھی واقف ہے اور دنیا کا ہر شخص بھی کہ تجھ میں یہ قدرت نہیں بلکہ تو عاجز اور ایک مکھی کی تخلیق سے بھی درماندہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی گمراہی، جہالت اور جھوٹے دعوے کو کھول کر بیان فرما دیا اور اس بات کو عیاں کر دیا کہ اس کا مسلک باطل ہے اور وہ اپنی جاہل قوم کے سامنے فخر کرتا ہے اور انہیں دھوکہ دیتا ہے۔ اب نمرود کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کا کوئی جواب نہ تھا، بلکہ فوراً اس نے ہوشیاری سے کام لیا اور جواب دینے کی بجائے خاموش ہو گیا، اسی لیے قرآن میں ہے:

((فبهت الذی کفر والله لایهدی القوم الظالمین))

''پس ہوش اڑ گئے اس کافر کے اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔'' (سورۃ البقرہ:258)

شیخ سعدی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان یہ مناظرہ اس دن ہوا جس دن آپ علیہ السلام آگ سے باہر آئے تھے۔اس سے پہلے نمرود کے ساتھ آپ کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

تفسیر کبیر اور روح المعانی میں ہے کہ حضرت ابراہیم کا نمرود سے مناظرہ بتوں کو توڑنے کے بعد اور آگ میں ڈالے جانے سے پہلے ہوا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ جب آگ سے باہر تشریف لائے تو مناظرہ اس وقت ہوا۔نمرود نے آپ سے پوچھا تھا کہ تمہارا رب کونسا ہے، جس کی میں عبادت کروں۔

عبدالرزاق نے معمر سے، انہوں نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ نمرود غلے کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔لوگ اس کے پاس آرہے تھے کہ اپنے خاندان کے لیے غلہ لے جائیں۔حضرت ابراہیم بھی ان لوگوں کے ساتھ وہاں گھر والوں کے لیے غلہ لینے تشریف لے گئے۔آپ کا نمرود سے صرف اسی دن آمنا سامنا ہوا تھا اور یہ مناظرہ بھی اس دن وقوع پذیر ہوا تھا۔نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلہ نہ دیا جیسا کہ وہ دوسرے لوگوں کو دے رہا تھا، آپ باہر نکلے تو ہاتھ خالی تھے۔

جب آپ اپنے اہل خانہ کی طرف جانے لگے تو ریت کے ایک ٹیلے کی طرف گئے اور وہاں سے دو بوریاں ریت کی بھر لیں۔سوچا جب میں اپنے گھر والوں کے پاس پہنچوں گا تو وہ سمجھیں گے کہ میں کچھ لے آیا ہوں۔آپ گھر آئے سامان رکھا ٹیک لگائی اسی حالت میں نیند آئی اور سو گئے۔آپ کی زوجہ محترمہ سارہ اٹھیں اور دونوں بوروں کو دیکھا۔دونوں بورے بہترین غلے سے بھرے ہوئے تھے۔انہوں نے کھانا تیار کیا۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھر والوں نے کھانا تیار کیا ہوا ہے۔آپ علیہ السلام نے پوچھا:

''تو نے یہ کھانا کہاں سے لیا؟''

حضرت سارہ نے بتایا:

''جو آپ لیکر آئے ہیں، اسی سے نکال کر پکایا ہے۔''

آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا ہے۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نمرود کے پاس ایک فرشتہ انسانی شکل میں بھیجا۔جس نے آکر کہا:

''تیرا رب کہتا ہے کہ مجھ پر ایمان لے آ! میں تیری سلطنت قائم رکھوں گا۔''

وہ بولا:

''رب تو میں ہی ہوں۔میرا رب کون ہے؟''

یہ واقعہ تین مرتبہ پیش آیا۔

زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سرکش بادشاہ کی طرف ایک فرشتہ بھیجا تاکہ وہ اسے ایمان باللہ کا حکم دے، لیکن نمرود نے فرشتے کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔فرشتے نے اسے پھر اللہ کی طرف بلایا مگر اس نے پھر انکار کر دیا، فرشتے نے تیسری دفعہ دعوت دی لیکن وہ پھر بھی نہ مانا۔تب فرشتے نے کہا:

''تو اپنا لشکر جمع کرے اور میں اپنا لشکر جمع کرتا ہوں۔''

نمرود نے سورج کے طلوع ہوتے ہی اپنا لشکر اور جماعت کو اکٹھا کر لیا۔اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا ایک لشکر جرار بھیجا کہ

سورج نظر ہی نہ آتا تھا اور اسے ان کافروں پر مسلط کر دیا۔ مچھروں کی اس فوج نے ان کے گوشت کاٹ کھائے اور خون پی ڈالے۔ کل جو اپنی خدائی اور بزرگی کے دعویدار تھے آج ہڈیوں کا ڈھانچا نظر آ رہے تھے۔ سوائے نمرود کے کوئی بھی فوجی باقی نہ رہا۔ ایک مچھر نمرود کے ناک میں گھس گیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دشمن کو حقیر سی مخلوق مچھر کے ذریعے عذاب دیا۔ یہ مچھر اس کے ناک میں چار سو سال رہا، اس عرصہ میں لوہے کی سلاخوں کے ساتھ اس کے سر پر ٹھوکریں لگتی رہیں حتی کہ اللہ عزوجل نے اسے ہلاک کر دیا۔

تفسیر خازن اور روح المعانی میں ہے:

''نمرود کا نام نمرود ابن کنعان ابن سنجاریب تھا۔ یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے تاج پہنا اور اپنی رعایا پر ظلم کیا۔ اسی نے پہلی مرتبہ خدائی کا دعویٰ کیا، سارے جہاں کی بادشاہت اس کو ملی، اس کی کل عمر آٹھ سو سال تھی۔ چار سو سال اپنی بادشاہی میں رعب اور دبدبہ میں گزارے اور چار سو سال مچھر نے اسے کاٹا جو اس کی ناک کے راستے اس کے دماغ میں گھس گیا تھا۔ وہ اپنے سر پر جوتے لگواتا رہا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کے لیے بلند قلعہ بنوایا تھا۔ اس کا دارالخلافہ بابل تھا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((فامن له لوط و قال انی مهاجر الی ربی انه هو العزیز الحکیم ووهبنا له اسحق ویعقوب وجعلنا فی ذریته النبوة والکتب واتینه اجره فی الدنیا وانه فی الاخرة لمن الصالحین))

''تو ایمان لائے ان پر لوط اور ابراہیم نے کہا: میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف، بے شک وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحٰق اور یعقوب اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب اور ہم نے دیا ان کو ان کا اجر اس دنیا میں اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین میں ہوں گے۔'' (سورۃ العنکبوت: 26-27)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

((ونجینه ولوطاً الی الارض التی بر کنا فیها للعلمین ووهبنا له اسحق ویعقوب نافلة وکلا جعلنا صالحین وجعلنهم ائمة یهدون بامرنا واوحینا الیهم فعلم الخیرت واقام الصلوة وایتاء الزکوة وکانوا لنا عابدین))

(سورۃ الانبیا: 71-73)

''اور ہم نے نجات دی آپ کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی تھی تمام جہاں والوں کے لیے۔ اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اسحٰق اور یعقوب اور سب کو ہم نے صالح بنا دیا اور ہم نے بنا دیا انہیں پیشوا وہ راہ دکھاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ وہ نیک کام کریں اور نماز ادا کریں اور زکوۃ دیا کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔''

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں نے اللہ کی رضا کی خاطر ہجرت فرمائی تو آپ بھی ان کے ساتھ

تھے۔ آپ کی زوجہ محترمہ بانجھ تھیں اوران کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی۔ ہجرت کے وقت آپ علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھتیجے لوط بن ہاران بن آزر بھی تھے۔ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد صالح عطا فرمائی اور نبوت وکتاب کا سلسلہ انہی کی نسل کے ساتھ خاص کر دیا۔ آپ کے بعد جتنے بھی نبی تشریف لائے وہ آپ ہی کی نسل سے تھے اور آپ کے بعد آنے والی ہر کتاب آپ ہی کی اولاد میں سے کسی رسول پر نازل ہوئی۔ یہ اللہ کی طرف سے خصوصی رحمت اور عزت افزائی تھی، کیونکہ آپ نے اپنے ملک اور اپنے اہل وعیال اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر ایک ایسے ملک کی طرف ہجرت فرمائی تھی جہاں رہ کر وہ اللہ عزوجل کی عبادت کر سکیں اور لوگوں کو دعوت حق دے سکیں۔

وہ سرزمین مقدس جس کی طرف آپ علیہ السلام نے ہجرت فرمائی ارض شام ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جس کے متعلق اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

((الی الارض التی بارکنا فیھا للعلمین)) (الانبیاء: 70-72)

''اس سرزمین کی طرف (ہجرت کا حکم دیا) جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا تمام جہان والوں کے لیے۔''

حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ''بابرکت سرزمین'' سے مراد مکہ ہے جیسا کہ سورہ آل عمران میں فرمایا گیا ہے:

((ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً وھدیً للعالمین))

(سورۃ آل عمران: 96)

''بیشک پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے، جو مکہ میں ہے بڑا بابرکت والا، ہدایت (کا سرچشمہ) ہے سب جہانوں کے لیے۔''

کعب الاحبار گمان کرتے ہیں کہ ارض مبارک سے مراد ''حران'' ہے۔

جیسا کہ ہم اہل کتاب کے نقل کو پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام ان کے بھائی ناخور ابراہیم کی بیوی حضرت سارہ اور ان کے بھائی کی بیوی ملکا حران آ کر قیام پذیر ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ''تارخ'' کا یہیں انتقال ہوا۔

شیخ سدی فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام شام کی طرف نکلے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ''حران'' کے بادشاہ کی بیٹی سارہ سے ملاقات ہوگئی جو اپنی قوم پر ان کے دین میں طعن کرتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پاکیزہ خصلت خاتون سے اس شرط پر شادی کر لی کہ ان کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کریں گے۔

اسے ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے لیکن یہ غریب ہے۔

مشہور رائے یہ ہے کہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم کے چچا ہاران کی بیٹی ہیں جن کی طرف ''حران'' کی نسبت کی جاتی ہے۔

جن لوگوں کو گمان یہ ہے کہ حضرت سارہ آپ کے بھائی ہاران کی بیٹی ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی بہن ہیں جیسا کہ سہیلی، قتیبی اور نقاس سے روایت کیا ہے تو یہ بات قرین قیاس نہیں بلکہ بے اصل اور بے بنیاد ہے۔

جن لوگوں کا دعوی یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی بھتیجی سے شادی فرمائی وہ بتاتے ہیں اس دور میں بھائی کی بیٹی

سے شادی مشروع تھی، لیکن اس قول کی صحت پر کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔ بفرض محال اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیں کہ اس دور میں یہ شادی مشروع تھی جیسا کہ یہودی ربیوں سے نقل کیا جاتا ہے تو پھر بھی انبیاء کی شان کرامت سے یہ بعید ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کریں جس کی وجہ سے ان کے اخلاق عالیہ پر کسی دور میں بھی انگشت نمائی کی جاسکے۔ پھر یہ بات مشہور بھی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے ہجرت کی اور شہر چھوڑ کر نکلے تو حضرت سارہ بھی آپ کے ساتھ تھیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب آپ شام تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: میں یہ زمین تیرے بعد تیری نسل کو دوں گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر یہاں ایک قربان گاہ بنائی اور بیت المقدس کے مشرق کی طرف اپنا خیمہ کھڑا کیا۔ پھر آپ علیہ السلام ارض مقدس تشریف لائے مگر یہاں سے بھی چل پڑے کیونکہ یہاں قحط اور خشک سالی تھی اور کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ پھر آپ علیہ السلام ارض مصر کو تشریف لے گئے۔

اہل کتاب پھر بالتفصیل حضرت سارہ اور بادشاہ مصر کے واقعہ کو بیان کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ سے فرمایا تھا کہ بادشاہ پوچھے تو کہنا کہ میں ابراہیم کی بہن ہوں۔ پھر پورا قصہ بیان کرتے ہیں کہ کس طرح بادشاہ نے خواب میں اس حقیقت کو پالیا کہ سارہ شادی شدہ ہیں اور ابراہیم نبی ہیں اور اس نے ہاجرہ کو ان کی خدمت کے لیے ساتھ کر دیا۔ آپ یہاں سے ارض مقدس یعنی بیت المقدس اور اس کے گردنواح کے علاقہ میں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ بہت زیادہ ریوڑ، غلام اور مال ومتاع تھا۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن محبوب نے بیان کیا، ان سے حماد بن زید نے بیان کیا، انہوں نے ایوب سے، انہوں نے محمد سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی بھی خلاف واقعہ بات نہیں فرمائی سوائے تین مواقع کے۔ ان مواقع پر ایسی گفتگو فرمائی جسے سننے والوں نے خلاف واقعہ سمجھا۔ دو دفعہ تو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر مثلاً: ایک دفعہ بیماری کا بہانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میری طبیعت ناساز ہے اور دوسرے بت توڑنے کے بعد کہا تھا کہ اس بڑے کی یہ سب کارستانی ہے، تیسری خلاف واقعہ بات آپ کو اس وقت کرنا پڑی جب آپ مصر تشریف لے گئے اور حضرت سارہ آپ کے ساتھ تھیں۔ جب بادشاہ مصر کو بتایا گیا کہ ایک مسافر آیا ہے جس کے ساتھ خوبصورت ترین عورت ہے۔ بادشاہ نے آدمی بھیج کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ آپ نے جواباً فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ پھر آپ حضرت سارہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اے سارہ! روئے زمین پر تیرے اور میرے سوا کوئی مومن نہیں۔ بادشاہ نے آپ کے بارے مجھ سے پوچھا ہے تو میں نے اسے بتا دیا ہے کہ تو میری بہن ہے، بس آپ بھی میری تکذیب نہ کریں۔ بادشاہ نے آدمی بھیج کر حضرت سارہ کو اپنے محل میں منگوالیا اور جب آپ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو اس نے دست درازی کی کوشش کی، اس کا ہاتھ فوراً جکڑا گیا۔ کہنے لگا: آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ بادشاہ نے پھر دست درازی کی کوشش کی، پھر پہلے کی طرح بلکہ پہلے سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ ہاتھ جکڑا گیا۔ اس نے حضرت ہاجرہ سے پھر سے درخواست کی کہ اللہ سے میرے لیے دعا فرمائیں، میں اب کے بار نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ آپ نے دعا فرمائی، اس کا ہاتھ آزاد ہو

گیا۔ اس نے اپنے دربان کو بلایا اور کہا: بلاشبہ تو میرے پاس انسان نہیں جن لے کر آیا ہے۔ بادشاہ نے ان کی خدمت کے لئے ہاجرہ کو ساتھ کر دیا اور آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اشارے سے پوچھا: کیا ہوا؟ حضرت سارہ نے بتایا: اللہ تعالیٰ نے کافر کے مکر و فریب کو اسی کی طرف لوٹا دیا یا فرمایا کہ اللہ نے فاجر کے مکر و فریب کو اس کی طرف لوٹا دیا اور اس نے ہاجرہ مجھے خدمت کے لیے دلوا دی۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

’’اے بنی اسماعیل! یہی ہاجرہ تمہاری ماں ہیں۔‘‘

اس سند کے ساتھ صرف امام بخاری نے اسے موقوفاً روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو حافظ ابو بکر، بزار عمرو بن علی الفلاس سے، انہوں نے عبدالوہاب ثقفی سے، انہوں نے ہشام بن حسان سے، انہوں نے محمد بن سیرین سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین کے کبھی کوئی بات خلاف واقعہ نہیں کی۔ یہ تینوں باتیں محض اللہ کی خاطر تھیں۔ ایک تو آپ نے بیماری کا بہانہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ میری طبیعت ناساز ہے۔ دوسرا آپ نے فرمایا تھا کہ یہ (توڑ پھوڑ) بڑے بت نے کی ہوگی اور تیسرا جب آپ حضرت سارہ کو ساتھ لیے ایک جابر بادشاہ کے علاقے میں سفر کر رہے تھے، آپ علیہ السلام ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے کہ وہ جابر بادشاہ آیا۔ اسے بتایا گیا کہ یہاں ایک شخص آ کے اترا ہے جس کے ساتھ دنیا کی حسین ترین عورت ہے۔ بادشاہ نے آپ کو بلا بھیجا اور حضرت سارہ کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتایا کہ وہ میری بہن ہیں۔ جب آپ حضرت سارہ کے پاس واپس آئے تو فرمایا: بادشاہ نے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا ہے اور میں نے اسے بتایا ہے کہ آپ میری بہن ہیں۔ آج آپ کے اور میرے علاوہ کوئی مسلمان نہیں لہٰذا آپ میری (دینی) بہن ہیں۔ آپ بادشاہ کے پاس میری تکذیب نہ کریں۔

بادشاہ حضرت سارہ کو لے کر چلا گیا۔ جب اس نے دست درازی کا ارادہ کیا تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ کہنے لگا: آپ اللہ سے میرے لیے دعا کریں میں آپ کو کوئی نقصان نہیں دوں گا۔ حضرت سارہ نے اس کے لیے دعا کی تو اس کا ہاتھ صحیح ہو گیا۔ اس نے پھر دست درازی کی لیکن اس مرتبہ پہلے کی طرح ہاتھ پھر شل ہو گیا۔ بادشاہ نے درخواست کی: آپ میرے حق میں دعا کریں میں آپ کو کوئی نقصان نہیں دوں گا۔ آپ نے دعا کی تو ہاتھ چھوٹ گیا۔ یہ حادثہ تین دفعہ ہوا۔ بادشاہ نے قریب ہی کھڑے اپنے خادم کو آواز دی اور کہا: تو میرے پاس انسان نہیں جن لے کر آیا ہے۔ بادشاہ نے حضرت سارہ کو محل سے رخصت کیا اور ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو خدمت کے لیے ساتھ کر دیا۔

حضرت سارہ حضرت ابراہیم کے پاس واپس پہنچیں۔ آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب انہیں حضرت سارہ کی واپسی کا احساس ہوا تو مڑے اور پوچھا: کیا ہوا؟ آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کی سازش کے لیے کافی رہا اور اس نے مجھے ہاجرہ خدمت کے لیے دے دی ہے۔

اسے ہشام نے روایت کیا ہے۔ پھر بزاز نے کہا ہے: حضرت ابو ہریرہ سے محمد بن سیرین کے حوالے سے کسی نے

سند بیان نہیں کی، سوائے ہشام کے۔ اس کے علاوہ دوسرے لوگوں نے اسے موقوفاً روایت کیا ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن حفص نے بیان کیا۔ انہوں نے ورقاء جن کا نام ابوعمر یشکری ہے، انہوں نے ابوزناد سے، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین دفعہ خلاف واقعہ بات کی۔ ایک اس وقت جب بت پرستوں نے انہیں اپنے خداؤں (کے میلے) کی طرف دعوت دی تو فرمایا کہ میری طبیعت ناساز ہے۔ دوسرا جب آپ نے فرمایا کہ ''بلکہ یہ ان کے اس بڑے (بت) کی کارستانی ہے اور تیسرے جب آپ علیہ السلام نے حضرت سارہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ میری بہن ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بستی میں تشریف لے گئے جس میں ایک بادشاہ رہتا تھا یا ایک جابر حاکم رہتا تھا۔ بادشاہ کو بتایا گیا کہ ابراہیم نامی ایک شخص رات کو بستی میں آیا ہے اور اس کے ساتھ ایک عورت بھی ہے جو تمام عورتوں سے زیادہ حسین ہے۔ بادشاہ نے یا اس جابر حکمران نے آدمی بھیج کر پوچھا: تیرے ساتھ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: میری بہن ہے۔ بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس بھیج دے۔ آپ علیہ السلام نے حضرت سارہ کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور فرمایا: میری بات کو مت جھٹلانا۔ میں اسے بتا آیا ہوں کہ آپ میری بہن ہیں، کیونکہ آج روئے زمین پر تیرے اور میرے سوا کوئی مومن نہیں۔ جب حضرت سارہ بادشاہ کے محل میں داخل ہوئیں تو اس نے آپ کا ارادہ کیا۔ آپ نے فوراً وضو کیا، نماز پڑھی اور اللہ کے حضور التجا کرنے لگیں: اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لا چکی ہوں اور میں نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے، سوائے اپنے خاوند کے تو اس کافر کو مجھ پر قدرت نہ دے۔ پس وہ کافر کس دیا گیا حتی کہ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔''

ابوزناد کہتا ہے کہ ابومسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت سارہ نے بارگاہ خداوندی میں التجا کی:

''اے اللہ! اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اسے میں نے قتل کیا ہے۔''

اس دعا کے ساتھ ہی اسے چھوڑ دیا گیا۔ وہ دست درازی کی خاطر پھر اٹھا۔ حضرت سارہ نے پھر نماز پڑھ کر بارگاہ خداوندی میں التجا کی:

''مولا! اگر تو جانتا ہے کہ میں تجھ پر ایمان لائی اور تیرے رسول کی رسالت کی تصدیق کرتی ہوں اور میں نے سوائے اپنے خاوند کے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ فرما۔''

راوی فرماتے ہیں کہ وہ شخص کس دیا گیا حتی کہ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ حضرت سارہ نے عرض کیا: اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے: اسے میں نے قتل کیا ہے۔

اسے چھوڑ دیا گیا۔ راوی ارشاد فرماتے ہیں کہ تیسری دفعہ پھر چوتھی دفعہ ایسے ہی ہوا تو جابر بادشاہ نے کہا:

''اے خادمو! تم نے میری طرف جن بھیجا ہے۔ اسے ابراہیم کے پاس واپس لے جاؤ اور اسے دے دو۔''

آپ فرماتے ہیں کہ حضرت سارہ واپس گئیں اور حضرت ابراہیم سے عرض کرنے لگیں: کے آخر میں۔

''کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی سازشوں کو ناکام بنادیا اور مجھے خدمت کے لئے ایک لڑکی عطا فرمائی ہے۔''

اس سند کے ساتھ صرف احمد نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح کی شرط پر ہے، اسے امام بخاری نے عن ابی ایمان، عن شعیب بن ابی حمزہ عن ابی الزناد عن ابی ہریرہ عن النبی ﷺ کی سند کے ساتھ مختصراً روایت کیا ہے۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ہم سے میرے والد مکرم نے بیان فرمایا۔ ہم سے سفیان نے بیان کیا۔ انہوں نے علی بن زید بن جدعان سے، انہوں نے ابی نضرہ سے، انہوں نے حضرت ابوسعید سے روایت کیا کہ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین باتوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان تین کلمات کے علاوہ دین میں کوئی خلاف واقعہ بات حلال نہیں ہے۔

وہ کلمات یہ ہیں۔ ایک تو آپ نے فرمایا تھا کہ میری طبیعت ناساز ہے۔ دوسرا آپ نے فرمایا تھا کہ یہ توڑ پھوڑ اس بڑے بت نے کی ہے اور تیسرا آپ نے بادشاہ سے جب اس نے حضرت سارہ کا ارادہ فرمایا تھا تو کہا تھا کہ یہ میری بہن ہے۔

حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول کہ ''یہ میری بہن ہے'' کو اس معنی پر محمول کریں گے کہ یہ دین میں میری بہن ہے اور آپ نے جو یہ فرمایا کہ ''زمین پر تیرے اور میرے سوا کوئی مومن نہیں'' تو آپ کا مطلب یہ تھا کہ روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی جوڑا مومن نہیں ہے۔ اسے اس معنی پر محمول کرنا اس لیے ضروری ہے کیونکہ لوط علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے اور لوط اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں۔

جس وقت حضرت سارہ کو بادشاہ کے پاس لے گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ عبادت کرنے لگے اور دعا کرنے لگے کہ الٰہی! میرے اہل خانہ کی حفاظت فرمانا اور جن لوگوں نے ان کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا ہے انہیں قدرت نہ دینا کہ وہ انہیں اذیت دے سکیں۔ حضرت سارہ نے بھی بارگاہ خداوندی میں یہی التجا کی۔ جب اللہ کے دشمن بادشاہ نے دست درازی کا ارادہ کیا تو آپ نے وضو کیا، نماز پڑھی اور اللہ کی بارگاہ میں اپنی حفاظت کی التجا کی۔ اسی لیے اللہ کریم کا حکم ہے:

((واستعینوا بالصبر والصلوۃ))(سورۃ البقرہ 45)

''اور مدد لو صبر اور نماز سے۔''

اللہ تعالیٰ نے انہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمایا اور اپنے بندے رسول حبیب اور خلیل علیہ السلام کی عزت کو داغدار ہونے سے بچالیا۔

بعض علماء کا نظریہ ہے کہ تین عورتوں کو نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے۔ حضرت سارہ، ام موسیٰ اور مریم علیہن السلام، لیکن جمہور یہ کے نزدیک یہ تینوں برگزیدہ شخصیات نبی نہیں بلکہ صدیقیت کے مرتبے پر فائز ہیں (رضی اللہ عنہن وارضاھن) کیونکہ خواتین نبی نہیں ہوسکتیں۔

بعض آثار میں مجھے یہ بات بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سارہ علیہا السلام کے درمیان حائل پردے ہٹادیئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی کو برابر دیکھ رہے تھے۔ جب سارہ بی بی آپ سے

جدا ہوئیں اس وقت سے لے کر واپس آنے تک کوئی لمحہ بھی ایسا نہ گزرا کہ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ کو نہ دیکھا ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پورے واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کیسے وہ بادشاہ کے پاس پہنچیں اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی عصمت کی حفاظت فرمائی۔ یہ سب اس لیے تھا تا کہ اللہ کے مخلص بندے ابراہیم علیہ السلام کا دل پریشان نہ ہو اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ نیز انہیں سارہ کی کمال عصمت پر اور زیادہ یقین آجائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ علیھا السلام کو ٹوٹ کر چاہتے تھے۔ اس کی وجہ حضرت سارہ کی دینداری اور قرابت داری کے علاوہ حسین صورت بھی تھی، کہا جاتا ہے کہ حضرت حواء کے بعد اس دور تک کوئی عورت ایسی پیدا نہیں ہوئی تھی جو ان سے حسن میں بڑھ کر ہو۔

سابقہ احادیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ خلاف واقعہ باتیں کہیں، اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ بولا تھا، کیونکہ انبیائے کرام سے مطلقاً جھوٹ ثابت نہیں ہوسکتا لیکن یہ خلاف واقعہ جن باتوں کا ذکر احادیث میں کیا گیا یہ سننے والے کی طرف منسوب ہیں، جن کو سننے والے نے خلاف واقعہ سمجھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ اقوال بظاہر خلاف واقعہ نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں خلاف واقعہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ اس طرح گفتگو فرمائی کہ لوگوں نے اسے خلاف واقعہ سمجھا۔ ان تین مرتبہ کے علاوہ آپ نے کوئی ایسا کلام نہیں فرمایا جس کو لوگوں نے بھی خلاف واقعہ سمجھا ہو۔ ایسے الفاظ کو علمائے لغت ''توریہ'' کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے ارض مقدس کو واپس تشریف لائے۔ اسی مقدس سرزمین سے کچھ عرصہ قبل آپ نے ہجرت فرمائی تھی۔ آج جب وہ واپس آئے تھے تو ان کے پاس مال ومتاع تھا اور خدمت کے لیے غلام اور خادم تھے۔ حضرت بی بی ہاجرہ بھی آپ کے ساتھ اس سرزمین مقدس میں تشریف لائیں۔

آپ کے بھتیجے لوط علیہ السلام اپنے حصے کا بہت سا مال ومتاع لے کر غور کے علاقے میں تشریف لے گئے جو غور زغر کے نام سے مشہور تھا۔ آپ سدوم نامی شہر میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ شہر ان دنوں تمام شہروں کی ماں قرار دیا جاتا تھا۔ سدوم کے لوگ بہت شریر، کافر اور فاجر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ کو وحی فرمائی اور حکم دیا:

''اے خلیل! ذرا نظر اٹھاؤ اور شمال وجنوب اور مشرق ومغرب کو دیکھو۔''

آپ علیہ السلام نے تعمیل امر کی آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی گئی کہ اے خلیل! یہ ساری زمین تیری اور تیری اولاد کو دیتا ہوں اور میں تیری اولاد کو اتنا بڑھاؤں گا کہ ریت کے ذروں کے برابر ہو جائیں گے۔

اس بشارت کا مصداق امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام بھی ہے، بلکہ یہ بشارت نہ تو مکمل ہوئی ہے اور نہ ہوسکتی ہے جب تک امت محمدیہ کو اس کا مصداق نہ مانا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ بھی اس کی موید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا۔ میں نے اس کے مشرق ومغرب کا مشاہدہ کیا۔ میری امت کی حکومت زمین کے اس خطے تک پہنچے گی جس حصے تک زمین سمیٹی گئی ہے۔''

تاریخ دان کہتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام پر کسی جابر قوم نے حملہ کیا، انہیں قید کر کے ساتھ لے گئے اور آپ کے مال مویشی سب ہانک کر ساتھ لے گئے، جب یہ خبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنچی تو آپ تین سو اٹھارہ آدمیوں کا مختصر سا لشکر لے کر گئے اور حضرت لوط علیہ السلام کو قید سے چھوڑا کر ان کے مال مویشی بھی دشمنوں سے واپس کرائے اور دشمنان خدا اور رسول کو بے دریغ قتل کیا۔ وہ شکست کھا کر بھاگ گئے اور آپ نے شمالی دمشق تک ان کا پیچھا کیا اور برزہ کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ میرا خیال ہے کہ برزہ کو اسی لیے مقام ابراہیم کہتے ہیں کیونکہ حضرت خلیل علیہ السلام کا لشکر یہیں ٹھہرا تھا۔

آپ علیہ السلام فتح و نصرت کا جھنڈا لہراتے ہوئے جب واپس تشریف لائے تو بیت المقدس کا بادشاہ آپ کی تعظیم کو نکلا اور نہایت عزت و تکریم سے پیش آیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آخر دم اسی ملک میں قیام پزیر رہے۔

اہل کتاب کے بقول حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پاکیزہ اولاد کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی۔ انہیں بیت المقدس میں رہتے ہوئے بیس سال گزر چلے تھے، لیکن اب تک اولاد نہیں تھی۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی:

''اے ابراہیم! اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد سے نہیں نوازا۔ آپ میری خادمہ ہاجرہ کے پاس جائیں، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے اس کے بطن سے اولاد دے۔''

حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی خادمہ ہاجرہ ہبہ کر دیں، آپ ان کے پاس گئے اور وہ اللہ کے فضل و کرم سے حاملہ ہو گئیں، لیکن جونہی ہاجرہ بی بی کو حمل کی گرانی محسوس ہوئی تو وہ اپنی مالکہ پر ٹھٹھا و مذاق کرنے لگیں اور ان کو اپنے سے کم تر سمجھنے لگیں۔ سیدہ سارہ نے اپنی خادمہ سے حسد کیا اور حضرت ابراہیم سے شکایت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں جواب دیا:

''سارہ! جیسی تیری مرضی ہو تو ویسا ہی کر۔''

ہاجرہ ڈر گئیں اور وہاں سے بھاگ گئیں۔ آخر وہ ایک کنویں کے پاس جا رکیں۔ وہاں ہاجرہ کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا:

''ڈریئے نہیں اللہ تعالیٰ تیرے بطن کے اندر موجود بچے کو ذریعہ خیر بنائے گا۔''

فرشتے نے انہیں واپس ہو جانے کو کہا اور بشارت دی کہ تیرے بیٹا پیدا ہوگا اور تو اس کا نام اسماعیل رکھے گی اور وہ تمام لوگوں سے زیادہ قوی ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف ہوگا اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا اور وہ اپنے بھائیوں کے تمام شہروں کا مالک بنے گا۔ اس پر سیدہ ہاجرہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

یہ بشارت آپ کے بیٹے سیدنا محمد ﷺ پر منطبق ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی وجہ سے آج عربوں کو عزت نصیب ہے اور وہ مشرق و مغرب کے تمام ملکوں کے حکمران ہیں۔ اللہ کریم نے آپ ہی کے طفیل اس امت کو علم نافع اور عمل صالح سے نوازا ہے کہ ایسا علم اور عمل کسی اور امت کو نصیب نہیں ہوسکا اور توحید کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کو تمام رسولوں پر فضیلت اور کمال شرف و کرامت حاصل ہے۔ آپ ﷺ کی رسالت کی برکت اور پیغام کا کمال ہے اور روئے زمین کے تمام انسانوں کے لیے آپ کے نبی ہونے کی وجہ سے آج عربوں کو وہ اقتدار حاصل ہے کہ اس سے قبل کسی کو بہ توقیر سیادت نصیب نہیں ہوئی۔

جب حضرت ہاجرہ واپس آئیں تو حضرت اسماعیل پیدا ہوئے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ستاسی سال تھی یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے تیرہ سال قبل حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں۔

ولادت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی:

''سارہ کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام اسحاق ہوگا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بشارت کو سن کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

''میں نے اسماعیل کے بارے آپ کی دعا قبول کر لی اور میں نے اس کو برکت دی اور میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا اور اس کی اولاد کو بہت زیادہ بڑھاؤں گا۔ اسماعیل کی اولاد سے بارہ بادشاہ ہوں گے اور میں اسے ایک عظیم قوم کا سردار بناؤں گا۔''

یہ بشارت بھی اسی امت عظیمہ کے متعلق ہے۔ بارہ بادشاہوں سے مراد بارہ خلفاء راشدین ہیں جن کی بشارت حدیث پاک میں بھی دی گئی ہے۔ حضرت عبدالملک بن عمر حضرت جابر بن سمرہ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''بارہ امیر ہوں گے۔''

پھر آپ ﷺ نے کوئی بات فرمائی لیکن میں نہ سمجھ سکا تو میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ حضور ﷺ کیا فرمار ہے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ آپ فرمار ہے ہیں:

''تمام کا تعلق قریشی خاندان سے ہوگا۔''

بارہ خلفاء میں سے خلفائے اربعہ ہیں اور باقیوں کی تعین میں علماء کا اختلاف ہے۔ بہر حال آخری خلیفہ امام مہدی ہوں گے۔ رضی اللہ عنہم۔

اس حدیث کو صحیحین میں شیخین نے روایت فرمایا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ''یہ معاملہ قائم رہے گا۔''

ایک روایت میں ہے:

''یہ معاملہ غالب رہے گا، حتی کہ بارہ خلفاء گزر جائیں گے جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔''

بہر حال جب ہاجرہ بی بی سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے تو حضرت سارہ حسد کرنے لگیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان ماں بیٹا کو میری آنکھوں سے اوجھل کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ھاجرہ اور اسماعیل کو لے کر روانہ ہوئے اور اس بے آب وگیاہ وادی میں انہیں فروکش کیا جہاں اب مکہ مکرمہ کا شہر آباد ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ان دنوں حضرت اسماعیل دودھ پیتے بچے تھے۔ جب آپ اس وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر واپس ہوئے تو بی بی ہاجرہ نے ان کا دامن تھام لیا اور بولی:

''ابراہیم! ہمیں اس حالت میں یکا و تنہا چھوڑ کر کہاں جارہے ہیں؟''

حضرت ابراہیم خاموش رہے۔ جب ہاجرہ بی بی نے بار بار یہی کہا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا تو پوچھا:

''اے ابراہیم! کیا یہ رب قدوس کا حکم ہے!''

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں اور خاموش ہو گئے۔ حضرت سارہ نے کہا:

''اگر یہ میرے رب کا حکم ہے، تو پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔''

شیخ ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''النواد'' میں فرماتے ہیں کہ حضرت سارہ کو ہاجرہ بی بی پر بہت غصہ آیا اور انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ ہاجرہ کے جسم کی تین اعضاء کاٹے گی۔ تب حضرت خلیل نے حکم دیا کہ ہاجرہ اپنے کانوں کو چھدوائے اور ختنہ کروائے، اس طرح وہ قسم سے بری ہو گی۔

شیخ سہیلی فرماتے ہیں:

''حضرت ہاجرہ عورتوں میں سب سے پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ختنہ کرایا، سب سے پہلے انہوں نے ہی کان چھدوائے اور سب سے پہلے انہوں نے اپنی دامن لمبا کیا۔''

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن محمد یعنی ابوبکر بن ابی شیبہ نے فرمایا: ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا، ہم سے معمر نے بیان کیا، انہوں نے ایوب سختیانی سے اور کثیر بن کثیر بن المطلب بن ابی وداعہ سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عورتیں جو آزاد بند بناتی ہیں اسے انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ سے سیکھا، کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے ہی ازار بند بنایا تاکہ اپنا جسم سارہ سے چھپائیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے آئے اور ان دنوں حضرت اسماعیل کو آپ دودھ پلا رہی تھیں، یہاں تک کہ آپ نے انہیں بیت اللہ شریف کے پاس زمزم کے قریب مسجد کی بلند جگہ بٹھا دیا۔ ان دونوں مکہ میں کوئی شخص بھی نہیں تھا اور نہ وہاں کہیں پانی کا نام ونشان تھا۔ حضرت ابراہیم نے ان ماں بیٹا کو وہاں چھوڑ دیا، ان کے پاس صرف ایک تھیلہ تھا جس میں کھجوریں تھیں اور ایک مشک تھی جس میں پانی تھا، آپ علیہ السلام نے یہ سامان رکھ دیا اور واپس پلٹے۔

حضرت اسماعیل کی والدہ ہاجرہ ان کے پیچھے ہو لیں اور کہنے لگیں:

''ابراہیم! اس وادی میں آپ ہمیں چھوڑ کر کہا جانے لگے جس میں نہ تو کوئی انسان ہے اور نہ کوئی ضرورت کی چیز؟''

حضرت ہاجرہ نے بار بار پوچھا لیکن حضرت ابراہیم نے ان کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا، آخر ام اسماعیل سیدہ ہاجرہ نے عرض کیا:

''کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں۔ حضرت ہاجرہ بولی: ٹھیک ہے، پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ اور پھر واپس بچے کے پاس آ گئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ ثنیہ کے پاس پہنچے جہاں سے وہ دونوں آپ کو نہیں دیکھ سکتے تھے، آپ قبلہ رو ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے:

((ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتك المحرم ربنا لیقیموا

الصلوۃ فاجعل افئدۃ الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون))(سورۃ ابراھیم:37)

''اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں۔ تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لیے تاکہ وہ قائم کریں نماز، پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔''

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں، آپ نے پیاس محسوس کی اور آپ کا بچہ بھی پیاس سے بلک اٹھا، چنانچہ وہ بچے کی طرف دیکھتی رہیں کہ مارے پیاس کے وہ تڑپ رہا ہے، لیکن وہ اس حالت کو زیادہ دیر نہیں دیکھ سکتی تھیں اس لیے وہاں سے چل دیں، قریب ہی صفا کی پہاڑی نظر آئی، اس پر کھڑی ہو گئیں اور وادی کی طرف منہ کر کے نظر دوڑائی کہ کوئی ہو تو نظر آ جائے، لیکن کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ آپ صفا سے اتریں حتیٰ کہ بطن وادی تک پہنچ گئیں۔ دامن اٹھا کر پھر دوڑ پڑیں جیسا کہ مصیبت زدہ انسان دوڑتا ہے اور نشیب کو پیچھے چھوڑتے ہوئے مروہ پہاڑ پر چڑھ گئیں۔ وہاں کھڑے ہو کر اور ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی ہو تو نظر آئے لیکن وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ اس طرح آپ نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔

امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''حضرت ابراہیم، اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ کو لے کر زم زم کے بالائی طرف مسجد سے اوپر والے حصے میں تشریف لائے جبکہ اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے بچے تھے۔ ان دنوں مکہ میں کوئی رہنے والا نہ تھا اور نہ وہاں پانی تھا۔ جب آپ نے ان کو وہاں چھوڑا تو ان کے پاس دو برتن تھے۔ ایک برتن جس میں کھجوریں اور ایک برتن جس میں پانی تھا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام پیچھے چلے گئے۔ آپ کے پیچھے ام اسماعیل گئیں۔ عرض کی: آپ کہاں جاتے ہیں اور ہمیں اس وادی میں جہاں نہ کوئی انسان ہے نہ کوئی دوسری شے چھوڑے جاتے ہیں؟ یہ بات انہوں نے کئی مرتبہ کہی مگر آپ ان کی طرف توجہ ہی نہ فرماتے تھے۔ آخر کار انہوں نے کہا: کیا اس کا حکم اللہ نے آپ کو دیا ہے؟ تو آپ نے جواباً کہا: ہاں۔ حضرت ہاجرہ نے کہا: تب تو وہ ہمیں ضائع نہ کرے گا۔ پھر آپ پلٹ آئیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام چلے گئے حتیٰ کہ جب گھاٹی کے پاس پہنچے جہاں سے وہ آپ کو نہ دیکھ سکتے تھے تو آپ نے اپنا منہ بیت اللہ شریف کی طرف کیا اور ہاتھ اٹھا کر ان کلمات کے ساتھ دعا فرمائی:

''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی اولاد کو ایسے مقام پر ٹھہرایا ہے جہاں پر کوئی سبزہ نہیں تیرے عزت والے گھر کے پاس۔ اے ہمارے رب اس لئے کہ یہ نماز قائم کریں تو تو بنا دے لوگوں کے دلوں کو کہ ان کی طرف کھنچے چلے آئیں اور تو انہیں پھلوں سے رزق عطا فرما' تاکہ یہ شکر گزار رہوں۔''

اسماعیل کی والدہ نے اسماعیل کو دودھ پلانا شروع کر دیا اور اس پانی سے پیتی رہیں حتیٰ کہ جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو ماں بیٹا دونوں پیاسے ہو گئے۔ تو آپ نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھنا شروع کیا کہ آپ پیاس سے بے تاب تھے اور پریشانی کے عالم میں زمین پر پاؤں مارتے تھے۔''

بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ گویا وہ موت کی ہچکیاں لے رہے تھے، سسکیاں لے لے کر رو رہے تھے اور کبھی آواز بلند کرتے تھے، کبھی آواز پست ہوتی تھی، جھگڑنے والے کی طرح تو سیدہ کی طبیعت کو بے قراری ہو رہی تھی۔ جب آپ یہ دیکھ کر برداشت نہ کرسکیں تو وہ چلیں تو صفا پہاڑ کو انہوں نے اپنے قریب ترین اس زمین میں پایا۔ اس پر کھڑی ہوئیں، منہ وادی کی طرف کر کے دیکھنے لگیں کہ کیا کوئی نظر آتا ہے تو انہیں کوئی نظر نہ آیا تو آپ صفا سے اتریں حتیٰ کہ جب وادی تک پہنچی تو آپ نے اپنے دامن کو اٹھایا، پھر آپ طاقتور انسان کی طرح دوڑیں حتیٰ کہ وادی کو عبور کر کے مروہ تک پہنچیں، اس پر کھڑی ہوئیں تو دیکھنے لگیں کہ کوئی نظر آئے تو انہیں کوئی نظر نہ آیا اس طرح آپ نے سات مرتبہ کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی صفا و مروہ کے درمیان لوگوں کی سعی ہے۔ جب آپ مروہ پر چڑھیں تو آپ نے ایک آواز سنی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے جبرائیل کو ندا دی تو جبرائیل نے کہا: کون ہے؟ آپ نے جواب میں کہا:

''میں ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی ماں ہاجرہ ہوں۔''

جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے آپ دونوں کو کس کے سپرد کیا ہے۔؟''

سیدہ نے جواب دیا:

''اللہ کے۔''

جبرائیل نے کہا کہ انہوں نے یقیناً تم دونوں کو اللہ کے سپرد کیا ہے جو انتہائی طاقتور ہے۔''

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی یا اپنے پیر سے زمین کو کریدا حتیٰ کہ پانی ظاہر ہوگیا۔

امام بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ پانی بہنے لگا تو اسماعیل کی والدہ گھبرا گئیں تو آپ نے اس کے گرد حوض بنانا شروع کردیا۔

آپ نے پانی کو مشک میں ہاتھوں کے ساتھ ڈالنا شروع کیا۔ آپ کے ہاتھوں کے ساتھ پانی ڈالنے کے بعد پانی جوش مارنے لگا۔ آپ فرماتی جارہی تھیں:

''زم زم''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم فرمائے، اگر وہ زم زم کو چھوڑ دیتیں اور چلوؤں سے نہ روکتیں تو زم زم جاری چشمہ ہوتا۔''

آپ نے پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا۔ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے پانی پینا شروع کیا تو آپ کا دودھ بچے کے لئے زیادہ ہوگیا۔ آپ کو فرشتے نے کہا: ضائع ہونے کا ڈر نہ رکھو کیونکہ یہاں بیت اللہ ہے، جسے یہ بچہ اور اس کا والد تعمیر کریں گے اور اللہ اس بیت اللہ کے رہنے والوں کو ضائع نہیں کرے گا۔

سیدہ ہاجرہ اسی حالت میں وہاں ٹھہری رہیں حتیٰ کہ ان کے پاس سے جرہم بنی قحطان کا ایک قافلہ یا جرہم قبیلے کے ایک گھر والے گزرے۔ کداء کے راستے سے آتے ہوئے تو وہ مکہ میں اترے۔ انہوں نے پرندوں کو منڈلاتے دیکھا،

حالانکہ کبھی کوئی پرندہ وہاں نہ گزرا تھا تو انہوں نے کہا کہ بے شک یہ پرندہ پانی پر گھومتا ہے اور اس وادی میں ہمیں ایک زمانہ گزرا ہم نے یہاں پانی نہیں دیکھا۔ انہوں نے ایک یا دو قاصدوں کو بھیجا۔ انہوں نے پانی پایا تو واپس آ کر خبر دی تو سب پانی پر آئے۔ راوی کہتے ہیں کہ سیدہ ہاجرہ پانی کے پاس موجود تھیں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ ہمیں اس پانی کے پاس ٹھہرنے کی اجازت دیتی ہیں؟ آپ نے انہیں اجازت دی اور فرمایا کہ تمہارے لئے پانی میں سے اس کے سوا کچھ نہیں جو تم اس سے پیو یا جس سے نفع اٹھاؤ۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اسی لیے لوگ ان دنوں پہاڑوں کے درمیان سعی کرتے ہیں۔

سیدہ ہاجرہ سے فرشتے نے مخاطب ہو کر کہا: ہلاکت کا خوف نہ کرو۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جسے نئے سرے سے یہ بچہ اور اس کا والد گرامی تعمیر کریں گے اور اللہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا۔

کعبۃ اللہ کی جگہ ایک ٹیلے کی مانند سطح زمین سے قدرے بلند جگہ تھی۔ سیلاب آتے اور وہ اسے دائیں بائیں سے کاٹ کر لے جاتے۔ اسی طرح حضرت ہاجرہ یہاں قیام پذیر رہیں حتیٰ کہ بنو جرہم کے کچھ لوگوں کا یہاں سے گزر ہوا یا فرمایا کہ جرہم کی کچھ لوگ کداء کے راستے سے واپس آتے ہوئے یہاں سے گزرے۔ قافلہ والے وادی کے نشیب میں اترے تو انہوں نے ایک پرندہ کو منڈلاتے ہوئے دیکھا۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے:

''ضرور یہ پرندہ پانی پر منڈلا رہا ہوگا، حالانکہ ہم بھی تو اسی وادی میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور کہیں پانی کا نام و نشان نہیں ہے۔''

انہوں نے ایک یا دو آدمی بھیجے۔ وہ تلاش کرتے کرتے پانی پر جا پہنچے اور واپس آ کر دوسرے لوگوں کو پانی کی موجودگی کی اطلاع دی۔

تمام لوگ اسی طرف چل دیئے۔ آپ فرماتے تھے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پانی کے قریب تشریف فرما تھیں۔ ان لوگوں نے یہاں فروکش ہونے کی اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا:

''تمہیں اجازت ہے لیکن تمہارا پانی پر کوئی حق نہیں ہوگا۔''

انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

''حضرت ہاجرہ کے لیے یہ لوگ غنیمت ثابت ہوئے۔ چنانچہ وہ لوگ مقیم ہو گئے اور انہوں نے اپنے اہل و عیال کو بھی وہیں بلوا لیا۔ بنو جرہم کے لوگ وہاں مقیم رہے یہاں تک کہ کچھ لوگ گھر والے ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ کے بیٹے سیدنا اسماعیل جوان ہو گئے اور انہوں نے ان سے عربی زبان سیکھی اور فصاحت و بلاغت میں ان پر بازی لے گئے، یہاں تک کہ انہیں حیران کر دیا۔ اب جان پہچان ہو گئی تو انہوں نے اپنے خاندان کی ایک عورت سے ان کی شادی کر دی۔''

آب زم زم کے فضائل اور برکات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک پانی کو مکہ مکرمہ کی آبادی کا سب سے پہلا سبب بنایا ہے اور زندگی کی نشوونما اس میں ہے۔ اسی وجہ سے بیت اللہ شریف کی آبادی ہے۔ ایک وقت ایسا تھا کہ بطنِ

مکہ میں پانی نہیں تھا اور کوئی ایک وہاں ٹھہرتا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کر کے اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے ظاہر کر دیا۔ اس آب زم زم سے آپ کی اور آپ کی والدہ سیدہ ہاجرہ علیہما الصلوۃ والسلام کی مدد کر کے دونوں کو سیراب کیا تو ان سے مکہ آباد ہوا اور وہاں پانی کی وجہ سے یمن کا ایک قبیلہ جرہم سکونت پذیر ہوا اور یہ سکونت حضرت ہاجرہ علیہما الصلوۃ والسلام سے اس پانی کی مجاورت کی اجازت لینے کے بعد ہوئی کیونکہ آپ نے انہیں اس شرط پر اجازت دی کہ ان کے لئے اس پانی سے پینے اور نفع پانے کے علاوہ کچھ اختیار نہیں تو وہ ٹھہرے اور اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی شادی اس قبیلے میں ہی اس کے بعد ہوئی۔

اہل تورات کے ہاں یہ قصہ بھی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اسماعیل اور جتنے ان کے پاس غلام ہیں ان کا ختنہ کریں اور ان کا بھی جو آپ کے ساتھ آزاد مرد ہیں۔ آپ علیہ السلام نے ان تمام کا ختنہ کیا، اس وقت آپ کی عمر مبارک ننانوے سال تھی اور اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہو چکی تھی۔ یہ اہل بیت کی طرف سے حکم خداوندی کو بجالانے کی ایک صورت تھی۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ ختنے کا حکم وجوب کے لیے تھا۔ اسی لیے علماء کے اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے واجب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ختنہ کا واقعہ بخاری کی روایت کردہ حدیث سے بھی ثابت ہے۔ بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ ہم سے مغیرہ بن عبد الرحمٰن قرشی نے بیان فرمایا۔ انہوں نے ابی زناد سے، انہوں نے اعراج سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک اسی سال ہوئی تو آپ کا کلہاڑے سے ختنہ کیا گیا۔''

اسے امام مسلم نے قتیبہ سے روایت کیا ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب ختنہ ہوا تو آپ کی عمر اسی سال ہو چکی تھی۔ آپ کا ختنہ کلہاڑے سے ہوا۔''

یہ الفاظ اسی سے زائد کی نفی نہیں کرتے، کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب ختنہ کیا گیا تو آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور اس کے بعد آپ اسی سال زندہ رہے۔''

اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

پچھلے صفحات میں مذکورہ حدیث میں ذبیح یعنی اسماعیل السلام کا ذکر نہیں ہے اور نہ یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کتنی دفعہ ملاقات کے لیے مکہ تشریف لائے۔ صرف یہ ثابت ہے کہ آپ تین مرتبہ مکہ تشریف لائے۔ سب سے پہلے حضرت ہاجرہ کی وفات کے بعد جب کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے انہیں بچپنے میں چھوڑا ہوا اور پھر شادی تک ان کی خبر گیری تک نہ کی ہو، حالانکہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے تو زمین لپیٹ دی جاتی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب آپ تشریف لاتے تو ایک براق پر سوار ہوتے اور تھوڑی ہی دیر میں یہ طویل سفر طے ہو جاتا۔ آپ نے کیسے ملاقات نہ کی ہو گی جب کہ انہیں آپ کی ضرورت اور سخت حاجت تھی۔

اس حدیث کے بعض جملے اسرائیلیات سے ماخوذ لگتے ہیں اور بعض جملوں پر شبہ ہوتا ہے کہ مرفوعات میں سے ہیں، لیکن قصہ ذبیح کا ذکر اس میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((وقال انی ذاهب الی ربی سیهدین رب هب لی من الصالحین فبشرنا بغلام حلیم۔ فلما بلغ معه السعی قال یابنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذی تری قال یآ ابت افعل ماتومر ستجدنی ان شاء الله من الصابرین فلما اسلما وتله للجبین ونادیناه ان یا ابراهیم قد صدقت الرء یا انا کذلك نجزی المحسنین ان هذا لهو البلاء المبین وفدیناه بذبح عظیم وتر کنا علیه فی الآخرین سلام علی ابراهیم کذالك نجزی المحسنین انه من عبادنا المومنین وبشرناه باسحاق نبیاً من الصالحین وبار کنا علیه وعلی اسحاق ومن ذریتهما محسن وظالم لنفسه مبین))(سورة الصفافات:99-113)

''اور آپ نے کہا کہ میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف۔ وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔ اے میرے رب! عطا فرما دے مجھے ایک نیک بچہ۔ پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے۔ آپ نے فرمایا: اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، اب تیری کیا رائے ہے۔؟ عرض کیا: میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور ہم نے آواز دی: اے ابراہیم! آپ نے اپنی خواب پوری کر دکھائی، بیشک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی اور ہم نے بچالیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔ اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر خیر آنے والوں میں۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحٰق کی کہ وہ نبی ہوگا صالحین میں سے۔ اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحاق پر اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے خلیل اور حبیب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرما رہا ہے کہ جب آپ نے اپنی قوم کا وطن چھوڑا تو اپنے رب سے نیک فرزند کے لیے دعا کی۔ اللہ کریم نے ان کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے انہیں ایک نیک بچے کی خوشخبری دی۔ جن کا اسم گرامی اسماعیل علیہ السلام رکھا گیا، کیونکہ آپ پہلے بچے ہیں جو ستاسی سال کی عمر میں آپ کو مرحمت کیے گئے اور اس چیز میں کسی ملت کا بھی اختلاف نہیں، کیونکہ اسماعیل علیہ السلام ہی ابراہیم علیہ السلام کے ہاں سب سے پہلے تولد ہوئے اور پہلوٹھے ہونے کا حق حاصل کیا۔

فلما بلغ معه السعی کا مطلب ہے کہ جب وہ جوان ہوئے اور زندگی کے معاملات نمٹانے لگے جیسا کہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام معاملات نمٹاتے تھے۔
مجاہد کہتے ہیں کہ فلما بلغ معه السعی کا مطلب یہ ہے کہ اسماعیل جب بڑے ہو گئے تو سفر کرنے لگے اور ہر کام میں اپنے والد گرامی کا ہاتھ بٹانے لگے۔
ذبح کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر کے بارے میں تفسیر کبیر میں ہے:

((قال بعضهم كان فی ذلك الوقت ابن ثلاث عشر سنة))

''ذبح کے وقت حضرت اسماعیل کی عمر تیرہ برس تھی۔
بہر حال جب اسماعیل علیہ السلام سیانی عمر کے ہو گئے تو ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ انہیں اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حدیث مرفوع کے الفاظ ہیں کہ ''انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔''
ذی الحج کے سات دن گزر جانے پر حضرت ابراہیم نے رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے:
''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔''
آپ نے صبح اس پر تفکر کیا اور کچھ تردد میں رہے کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے؟ یا خواب فقط خیال تو نہیں۔ اسی وجہ سے آٹھ ذی الحج کا نام یوم الترویہ (سوچ بچار کا دن) رکھا گیا۔
آٹھ تاریخ کا دن گزر جانے پر رات پھر خواب دیکھا، صبح یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی حکم ہے اسی لیے نو ذی الحج کو یوم عرفہ (پہچاننے کا دن) کہا جاتا ہے۔
اس کے بعد آنے والی رات کو پھر خواب دیکھنے پر صبح اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر لینے پر ہی دس ذی الحج کو یوم النحر (قربانی کا دن) کہا جاتا ہے۔
منقول ہے:

((ان الله تعالیٰ جعل رؤیا الانبیاء حقا))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے خوابوں کو سچا بنایا ہے۔''
عبید بن عمیر بھی یہی کہتے ہیں:
اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے یہ بہت بڑا امتحان تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر دیں جو انہیں بڑھاپے میں عطا ہوا تھا، جبکہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچنے والا تھا اور اس سے پہلے بھی وہ اسی بچے کے متعلق ایک آزمائش پوری کر چکے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ اپنے بچے اور ان کی والدہ کو اکیلا کسمپرسی کی حالت میں ایک ایسی جگہ اور ایسی وادی میں چھوڑ کر آئیں، جہاں نہ کوئی پرسانِ حال ہو اور نہ کوئی یار و مددگار، نہ سبزہ اور نہ کوئی جاندار۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم کو خوش دلی سے پورا کیا تھا اور ان ماں بیٹا کو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین اور توکل کرتے ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں انہیں سنبھالا دیا تھا اور ان کے لیے آسانیاں اور زندگی کے سامان پیدا کر دیئے تھے اور انہیں وہاں سے رزق باہم پہنچایا تھا جہاں سے ان کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔
اب انہیں اس آزمائش کے بعد ایک اور آزمائش کا سامنا تھا۔ اب انہوں نے اس بچے کو ذبح کرنا تھا جسے کچھ عرصہ

پہلے اپنے سے جدا کیا تھا۔ جو پہلوٹھا تھا اور اکلوتا بھی کہ اس کے علاوہ اور کوئی اولاد نہیں تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب قدوس کے حکم کے سامنے سرخم کر دیا اور فوراً بچے کو ذبح کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ وہ کسی دیر کے روادار نہیں ہوئے۔ فوراً اپنے بچے کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا، تا کہ وہ بخوشی اور آسانی سے اللہ کی اطاعت پر کمربستہ ہو جائے اور اس پر سختی نہ کرنا پڑے اور زبردستی ذبح کا عمل سرانجام نہ دینا پڑے، فرمایا:

((یابنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذی تری))

"اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں پس بتا تمہاری کیا رائے ہے۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جواب میں کمال راستبازی، اللہ تعالیٰ اور اپنے والد مکرم کی فرمانبرداری کا کمال جذبہ موجزن نظر آتا ہے۔ آپ نے عرض کیا:

((یآ ابت افعل ماتومر ستجدنی ان شاء الله من الصابرین))

"اے والد محترم! وہ کام کر گزریئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے صبر کرنے کے پختہ ارادہ کو انشاء اللہ سے ملا کر برکت حاصل کی اور اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو کام مستقبل میں کرنا ہو اس کے ساتھ ان شاء اللہ ذکر کیا جائے کیونکہ نیکی کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اسی طرح گناہوں سے بچانا بھی اسی کے فضل سے نصیب ہوتا ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بیٹے پر کامیاب ہونے کا ارادہ کیا تو ایک دوست کی شکل میں آپ کو روکنے کے لیے آیا لیکن آپ پر کامیاب نہ ہو سکا، پھر آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن ان پر بھی اس کا داؤ نہ چل سکا تو اس نے بہت بڑا موٹا تازہ بن کر وادی کو بھر دیا تا کہ آپ اس سے آگے نہ جاسکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ تھا جس نے آپ کو کہا:

"اسے ماریں۔"

آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ راستے سے ہٹ گیا، دوبارہ پھر آگے آنے کی کوشش کی تو آپ نے پھر کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا، تیسری بار پھر اسی طرح آگے آ کر راستہ بند کر دیا تو آپ نے پھر اسی طرح سات کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا۔

جہاں جہاں شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا راستہ روکا تھا وہاں وہاں جمرات نصب کیے گئے ہیں۔ آج حاجی ان تین جمرات کو کنکریاں مارتے۔

رب قدوس فرماتا ہے:

((فلما اسلما وتله للجبین))

اسلما کا معنی سر تسلیم خم کر دینا ہے، یعنی ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ تلہ للجبین یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر اسماعیل کو منہ کے بل لٹایا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے گدی کی طرف سے ذبح کرنے کا ارادہ اس لیے

کیا تا کہ ذبح کرتے وقت وہ اپنے فرزند دلبند کا چہرہ نہ دیکھنے پائیں۔ ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور ضحاک یہی فرماتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پہلو کے بل لٹایا جیسا کہ ذبح کے وقت جانوروں کو لٹایا جاتا ہے اور ان کی پیشانی مبارک زمین سے لگی رہی اسی لیے وتلہ للجبین کے الفاظ آئے ہیں۔ ''واسلما'' یعنی لٹانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تسمیہ کے الفاظ (بسم اللہ) پڑھے اور تکبیر (اللہ اکبر) کہی۔ اور حضرت اسماعیل نے کلمہ شہادت پڑھا اور موت کے لیے تیار ہو گئے۔

شیخ سدی وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حلق پر چھری چلائی لیکن چھری کی دھار اور اسماعیل کی گردن کے درمیان پیتل کا ایک ٹکڑا سا نمودار ہوا جس سے چھری حلق تک نہ پہنچ سکی۔

ایسے میں بارگاہ خداوندی سے ندا آئی:

((ان یا براهیم قد صدقت الرؤیا))

''اے ابراہیم! بیشک آپ نے سچ کر دکھایا خواب کو۔''

آپ کے امتحان اور اطاعت کو جانچنے کا مقصد پورا ہوا۔ ہم نے دیکھ لیا کہ آپ کس طرح اپنے پروردگار کے حکم کو بجا لاتے ہیں اور اپنے بچے کو قربانی کے لیے پیش کرتے ہیں۔ میرے بندے جس طرح آپ نے آگ میں کود کر میری فرمانبرداری کا ثبوت دیا، آج اسماعیل جیسے بچے کے حلق پر چھری رکھ کر آپ نے ثابت کر دیا تو واقعی ہمارا خلیل ہے۔ تو نے مہمانوں کے لیے صرف مال ہی خرچ نہیں کیا بلکہ ہمارے ہر حکم پر تو نے لبیک کہا، لیکن بچہ ذبح کر دینا:

((ان هذا لهوا البلد المبین))

یہ ظاہر اور واضح امتحان ہے۔ اور **وفدیناہ بذبح عظیم** کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے بچے کی قربانی کو ابراہیم علیہ السلام کے لیے اپنی خوشنودی کا اہم ذریعہ بنا دیا ہے۔

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام جب فدیہ لے کر آئے تو خیال کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کہیں جلدی نہ کر دیں تو آپ نے پڑھا:

((الله اکبر الله اکبر))

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آسمانوں کی طرف سر اٹھایا کہ جبرائیل علیہ السلام فدیہ لا رہے ہیں تو پڑھا:

((لااله الا الله والله اکبر))

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ کلمات سنے تو پڑھا:

((الله اکبر والله الحمد))

ان تینوں حضرات کے مجموعی کلام کو تکبیرات تشریق کی صورت میں تمام نمازیوں پر ذی الحج کی نو تاریخ سے لے کر دس تاریخ باختلاف روایت تیرہ تاریخ کی نماز عصر تک واجب کر دیا گیا۔

جمہور علماء کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ ذبح عظیم سے مراد ایک مینڈھا ہے جو سفید رنگ کا بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والا اور بڑے سینگوں والا تھا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''شبیر'' نامی پہاڑ پر دیکھا کہ اس کے سینگ ببول کے درخت میں

اٹکے تھے، ثوری عبداللہ بن عثمان بن خثیم سے، وہ سعید بن جبیر سے، وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''ذبح عظیم سے مراد کہ ایک مینڈھا ہے جو چالیس سال تک جنت میں چرتا رہا۔''

حضرت سعید بن جبیر فرماتے تھے:

''وہ جنت میں چرتا رہا حتی کہ ثبیر پہاڑ پھٹا اور وہ اس میں سے نمودار ہوا، اس پر سرخ رنگ کی اون تھی۔''

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ''ثبیر'' سے ایک سیاہ آنکھوں اور بڑے سینگوں والا مینڈھا اترا جو ممیار ہا تھا۔ آپ نے اسے ذبح فرمادیا۔ یہ وہی مینڈھا تھا جس کی آدم علیہ السلام کے بیٹے (ہابیل) نے قربانی کی تھی اور ان کی یہ قربانی اللہ تعالیٰ نے منظور کر لی تھی۔

اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے مٹی میں ذبح فرمایا۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم پر ذبح ہو۔ حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ یہ کوئی پہاڑی بکرا تھا۔ حسن سے روایت ملتی ہے کہ وہ پہاڑی ہرن تھا اور اس کا نام جریر تھا، لیکن ان بزرگوں کی طرف ان اقوال کی نسبت شاید صحیح نہیں ہوگی۔

غالب گمان یہ ہے کہ یہ تمام آثار اسرائیلیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس واقعہ کے متعلق جو کچھ قرآن کریم نے بیان کیا ہے وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ قرآن کی رو سے یہ ایک امتحان تھا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کامیاب ہوئے اور اللہ کریم نے حضرت اسماعیل کے بدلے ایک بڑی قربانی عطا فرمادی۔ اور حدیث پاک میں اتنا ہے کہ اللہ کریم نے اسماعیل علیہ السلام کے بدلے ایک مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا۔ ہم سے منصور نے بیان کیا، انہوں نے اپنے خالو نافع سے، انہوں نے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کیا۔ آپ فرماتی ہیں کہ مجھے بنی سلیم کی ایک عورت نے بتایا جو ہمارے عام گھروں میں پیدا ہوئی تھی، کہ حضور ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلا بھیجا، فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے عثمان سے پوچھا۔ آپ کو رسول کریم ﷺ نے کیوں بلایا تھا؟ تو آپ فرمانے لگے کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

''میں جب بیت اللہ شریف گیا تو میں نے وہاں مینڈھے کے سینگ دیکھے ہیں۔ میں آپ کو حکم دینا بھول گیا کہ آپ انہیں کہیں چھپا دیں۔ پس آپ انہیں چھپا دیں، کیونکہ بیت اللہ شریف کے اندر ایسی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کو مشغول کردے۔''

سفیان فرماتے ہیں کہ وہ دونوں سینگ بیت اللہ شریف میں لٹکتے رہے حتی کہ جب بیت اللہ شریف کو آگ لگ گئی تو وہ بھی جل گئے۔

تاریخ مکہ میں ہے:

دوسری بیوی سیدہ ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جاؤ اسمٰعیل اور اس کی والدہ کو سرزمین عرب مکہ معظمہ میں چھوڑ آؤ وہ اپنی بیوی کو لے کر مکہ معظمہ تشریف لے آئے اور کعبہ شریف کے

قریب لاکر چھوڑ دیا۔ پھر یہ دعا کی:

''اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دیجئے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا ان بتوں کے ذریعہ بہت سے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں، میں ان لوگوں سے بیزار ہوں، جو شخص میرا اتباع کرے، توحید کی راہ پر چلے وہ میرا ہے اور جو شخص میری نافرمانی کرے وہ میرا نہیں ہے، اے رب! تو اسے ہدایت دے کر مغفرت کے راستے پر ڈال سکتا ہے اور اس پر رحم فرما سکتا ہے، ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ میں تیرے کے معظم گھر (کعبہ شریف) کے قریب اس وادی (میدان) میں اپنی بعض اولاد کو چھوڑ رہا ہوں، یہ میدان کھیتی والا نہیں ہے، حکم کی تعمیل میں یہاں قیام کرا رہا ہوں، میری اس ذریت کو اور اس کی نسل کو ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق دینا میں انہیں یہاں اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ نماز قائم کریں، میری نسل کے یہ لوگ خود بھی دین پر چلنے والے بنیں اور دوسروں کے لیے بھی مقتدا بن جائیں، لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دے تا کہ ایمان اور اعمال صالحہ سیکھ سکیں۔''

یہ تو ان کی دینی زندگی کے لیے دعا کی اور دنیاوی زندگی اور غذا کے لیے یوں دعا کی:

''اے ہمارے رب! انہیں پھل عطا فرمانا تا کہ یہ شکر گزار ہوں۔''

اللہ جل شانہٗ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں، ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جنہیں مکہ معظمہ میں چھوڑ گئے تھے اور ان کی نسل کو ایمان سے اور اعمال صالحہ سے مالا مال فرمایا اور انہیں مقتدا ہونے کی شان بھی عطا فرمائی۔ ان کی طرف لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے نیز انہیں رزق بھی خوب عطا فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ایسی قبول فرمائی کہ دنیا بھر سے مکہ معظمہ میں پھل آتے ہیں اور وہاں کے مقامی حضرات اور حجاج اور زائرین سب ہی کھاتے ہیں۔

مکہ معظمہ کے قریب ہی شہر طائف آباد ہے اور وہ سرسبز و شاداب علاقہ ہے ہمیشہ وہاں سے طرح طرح کے پھل مکہ معظمہ پہنچتے رہے ہیں اور دنیا کے تمام اطراف و اکناف سے مکہ معظمہ میں طرح طرح کے پھل آرہے ہیں۔ شاید دنیا کا کوئی پھل ایسا نہ بچا ہو جو مکہ معظمہ نہ پہنچا ہو۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ثمرات کے عموم میں درختوں کے پھلوں کے علاوہ مشینوں کی پیداوار اور دستکاریوں سے حاصل ہونے والا سامان بھی داخل ہے۔ مکہ کی سرزمین میں نہ کاشت ہے، نہ شجر کاری ہے اور نہ صنعت کاری لیکن پھر بھی اس میں دنیا بھر کے ثمرات اور طرح طرح کی مصنوعات ملتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنی بیوی اور بچے کو مکہ کے پہاڑوں میں چھوڑ دیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ معظمہ کی چٹیل زمین میں چھوڑ کر واپس فلسطین تشریف لے گئے اور ان کے گزارے کے لیے ایک تھیلے میں کچھ کھجوریں اور مشکیزے میں پانی رکھ دیا، جب واپس ہونے لگے تو ان کی اہلیہ پیچھے ہو لیں اور کہنے لگیں کہ ہمیں یہاں چھوڑ کر آپ کہاں جا رہے ہیں، یہاں نہ آدم ہے نہ آدم زاد نہ اور کوئی چیز ہے، انہوں نے کئی بار یہ سوال کیا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے، آخر میں اس مومنہ خاتون نے کہا: کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ اس پر وہ

کہنے لگیں کہ پھر تو اللہ ہمیں ضائع نہ فرمائے گا، جب مشکیزہ کا پانی ختم ہوگیا تو وہ پانی کی تلاش میں نکلیں، سات مرتبہ صفا مروہ پر آنا جانا کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بچہ کے قریب فرشتے کی ایڑی مارنے سے چشمہ جاری فرما دیا، دونوں ماں بیٹے وہیں رہتے رہے، پھر قبیلہ بنی جرھم بھی وہاں آکر آباد ہوگیا، یہ قبیلہ ”فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ“ کی مقبولیت کا اولین مصداق تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی اپنی بیوی اور بچہ کی خبر لینے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہوگئے تو بنی جرہم میں ان کی شادی بھی ہوگئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کعبہ شریف تعمیر کیا جسے پہلے فرشتوں نے پھر حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا، پھر عرصہ دراز کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کی وجہ سے دیواریں مسمار ہوگئی تھیں اور عمارت کا ظاہری پتہ بھی نہ رہا تھا، جس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا چونکہ اس جگہ کے قریب اپنی بیوی اور بچہ کو چھوڑا تھا اس لئے دعا میں یوں عرض کیا:

((اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ))

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بچے سے رخصت ہوکر آگے بڑھے تو قبلہ رخ ہوکر ایسی جگہ کھڑے ہوئے، جہاں سے کعبہ شریف کی اٹھی ہوئی جگہ نظر آتی تھی جو ٹیلہ کی شکل میں تھی اور بیوی بچہ نظر سے اوجھل تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ دعا کی جو آیت شریفہ میں مذکور ہے۔

یہ تو معلوم تھا کہ یہاں اللہ کا گھر ہے لیکن خصوصی طور پر متعین کر کے جگہ معلوم نہیں تھی، جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کعبہ شریف بنانے لگے تو انہیں متعین طور پر کعبہ شریف کی جگہ بتا دی گئی جسے سورۂ حج کی آیت کریمہ: وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ میں بیان فرمایا۔

جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت ابراہیم علیہ وعلی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل میں اہل ایمان رہے اور مکہ معظمہ میں بستے رہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، اہل مکہ مشرک ہوگئے بتوں کی پوجا کرنے لگے اور کعبہ شریف تک میں بت رکھ دیئے۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں سے تھے، آپ نے توحید کی دعوت دی اور توحید کو پھیلانے اور شرک کو مٹانے کے لیے بڑی بڑی محنتیں کیں اور قربانیاں دیں جس کی وجہ سے اہل مکہ پھر توحید پر آگئے اور دنیا بھر کے قلوب ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور کعبہ شریف بتوں سے پاک وصاف ہوگیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا کہ میں نے اپنی ذریت کو اس وادی میں آپ کے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہے اور ساتھ ہی لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ بھی کہا تا کہ وہ نماز قائم کریں۔

اس سے نماز قائم کرنے کی اہمیت معلوم ہوئی جو ایمان کے بعد افضل الاعمال ہے۔ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا:

((رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ))

”اے میرے رب! مجھے نماز قائم رکھنے والا رکھئے اور میری ذریت میں سے بھی نماز قائم کرنے والے پیدا

فرمائیے۔"

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی، اول تو بنی جرہم کو مکہ معظمہ میں بسا دیا، انہیں میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی، پھران کی نسل چلی اور بڑھی جن میں خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں، آپ سارے عالم کے مقتدا ہیں، آپ مکہ معظمہ ہی کی سرزمین میں پیدا ہوئے اور وہیں نبوت سے سرفراز ہوئے، آپ کی دعوت توحید کا پہلا مرکز مکہ معظمہ ہی تھا آپ سے اور آپ کی اولاد و اصحاب سے سارے عالم میں ایمان پہنچا جن کی طرف پورے عالم کے قلوب متوجہ ہو گئے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی مقبولیت کا مظاہرہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا:

((وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ))

"انہیں پھلوں میں سے رزق عطا فرمانا تاکہ وہ شکر ادا کریں۔"

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں بارہ دفعہ مذکور ہے۔ اور وہ مقامات یہ ہیں:

سورت	آیت نمبر	سورت	آیت نمبر
البقرة	۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۰	ابراہیم	۳۹
آل عمران	۸۴	مریم	۵۴
النساء	۱۶۳	الانبیاء	۸۵
الانعام	۸۶	ص	۴۸

ذرا تصور کیجئے جب ابراہیم نے دعا کی تھی "اے میرے پروردگار! اس جگہ کو پُر امن شہر بنا دینا اور یہاں رہنے والوں کو پھلوں کا رزق عطا فرمانا، خصوصاً جو لوگ اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور جو شخص کفر کرے گا میں اسے بھی کچھ دیر کے لیے یہ فوائد عطا کروں گا، پھر اسے (موت کے بعد) آگ کے عذاب کی طرف کھینچ لاؤں گا۔ اور یہ بدترین ٹھکانا ہے۔"

اس وقت کو یاد کیجئے جب ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے (اور ساتھ ساتھ دعا کرتے تھے) "اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ کام قبول فرما۔ بلاشبہ تو ہی خوب سننے جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک "اُمت مسلمہ" پیدا فرما اور ہمیں مناسکِ حج سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بلاشبہ تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔"

(البقرہ:۱۲۵ تا۱۲۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین دن متواتر یہ خواب دیکھا کہ حضرت اسماعیل کو ذبح کر رہے ہیں۔ بالآخر اس خواب کی حقانیت پر یقین ہو گیا اور اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے کعبۃ اللہ کے قریب لے گئے، جب ذبح کا کامل ارادہ کر لیا اور بیٹے سے پوچھا:

((یا بنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ))

''اے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔؟''

بیٹے نے عرض کیا:

((یاابت افعل ماتؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین))

''اے ابا جان! کر گزریئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے، انشاء اللہ! آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔''

پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کے گلے پر چھری رکھ دی تو حضرت جرائیل علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کو اٹھالیا اور ان کی جگہ جنتی دنبہ رکھ دیا، حضرت ابراہیم نے زور سے چھری چلائی جب خون جاری دیکھا تو مذبوح کی جانب غور کیا کہ وہ تو دنبہ ہے، دوسری طرف دیکھا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام مسکرا رہے تھے اور ان کے ساتھ حضرت جرائیل علیہ السلام بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((فلما اسلما وتلہ للجبین))

''جب دونوں نے ہمارا فیصلہ خوشی سے مان لیا اور ابراہیم نے اسماعیل کو منہ کے بل لٹالیا۔''

تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی:

((یا ابراھیم قد صدقت الرءیا))

''اے ابرہیم! آپ نے خواب سچ کر دکھایا ہے۔''

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ماعمل ابن ادم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم وانہ لیاتی یوم القیامۃ بقرونھاواشعارھا واظلافھا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل یقع بالارض فطیبو بھانفساً))

''یوم النحر یعنی قربانی کے دن اولاد آدم کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی والا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ پس اے اللہ کے بندو! پوری خوشدلی کے ساتھ قربانی کرو۔'' (جامع ترمذی وابن ماجہ)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ماانفقت الورق فی شیء احب الی اللہ من نحر ینحر فی یوم عید))

''عید کے دن قربانی کا جانور خریدنے کے لیے پیسے خرچ کرنا اللہ کے ہاں اور کاموں میں خرچ کرنے سے زیادہ افضل ہے۔'' (الطبرانی)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا:

((یارسول اللہ ماھذاہ الاضاحی قال سنة ابیکم ابراھیم علیه السلام قالو ا فما لنا فیھا یارسول اللہ قال بکل شعرة حسنة قالوا فالصوف یارسول اللہ قال بکل شعرة من الصوف حسنة))

''یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔''

صحابہ نے عرض کیا: ہمارے لیے ان میں کیا اجر ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ صحابہ نے عرض کیا: اون کا بھی یہی حساب ہے؟ فرمایا: ہاں اون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی۔ (مسند امام احمد بن حنبل وسنن ابن ماجہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یا فاطمة قومی فاشھدی اضحیتك فان لك باول قطرة تقطر من دمھا مغفرة لکل ذنب امام انه یجاء بدمھا ولحمھا فیوضع فی میزانك سبعین ضعفا فقال ابو سعید یارسول اللہ ھذالال محمد خاصة فانھم اھل لما خصوا به من الخیر اولال محمد وللمسمین عامة؟ فقال لال محمد خاصة وللمسلمین عامة))

(ترغیب وترہیب)

''اے فاطمہ! جاؤ اپنی قربانی پر حاضری دو کیونکہ اس کے خون سے جونہی پہلا قطرہ گرے گا تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، نیز وہ جانور اپنے خون اور گوشت سمیت لایا جائے گا اور پھر اس سے ستر گناہ زیادہ ثواب تمہارے میزان میں رکھا جائے گا۔ حضرت ابوسعید خذری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ آل محمد کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ وہ اس کار خیر کے زیادہ مستحق ہیں یا آل محمد اور تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ آل محمد کے لیے بطور خاص ہے اور مسلمانوں کے لیے عام۔''

حدیث میں ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے، اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہو چکی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچے کو ملنا چاہتے تھے۔ بچے سے ملاقات نہ ہو سکی۔ آپ نے ان کی بیوی (اپنی بہو) سے حضرت اسماعیل کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ہمارے لیے رزق تلاش کرنے گئے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہو سے حضرت اسماعیل کی بسر اوقات اور

حالت کے متعلق پوچھا۔لڑکی نے کہا:

''ہم بہت بری حالت میں ہیں یعنی بہت مشکل سے گزارا کررہے ہیں اور ہماری مالی حالت اچھی نہیں ہے۔''

الغرض انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے سامنے شکایت کی۔آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''جب تیرا خاوند آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور بتانا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ تبدیل کرلے۔''

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس تشریف لائے تو گویا کچھ اثر اپنے باپ کی برکت کا پایا اور پوچھا:

''کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا۔؟''

خاتون خانہ نے بتایا کہ ہاں اس شکل وصورت کے ایک بزرگ تشریف لائے تھے اور انہوں نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا، میں نے انہیں آپ کے متعلق بتایا۔پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہاری گزر بسر کیسی ہے۔؟ تو میں نے انہیں بتایا کہ ہم بڑی مشکل اور تنگ دستی کی زندگی گزار رہے ہیں۔حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا:

''کیا وہ بزرگ آپ کو کوئی وصیت کر کے گئے ہیں۔؟''

بیوی نے کہا کہ ہاں! انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کو ان کا سلام کہوں۔نیز آپ کو ان کا یہ پیغام بھی دوں کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ میرے والد گرامی تھے۔انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے اپنے سے الگ کر کے میکے بھیج دوں۔''

سو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اسی خاندان کی ایک اور عورت سے شادی کرلی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک عرصے تک تشریف نہ لائے۔ایک دن پھر آنا ہوا لیکن اس بار بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہوسکی۔آپ اسماعیل علیہ السلام کی بیوی کے ہاں تشریف لے گئے اور ان کے متعلق پوچھا، اس نے بتایا کہ وہ رزق کی تلاش میں تشریف لے گئے ہیں۔آپ علیہ السلام نے پرسش احوال کی اور گزر بسر کے بارے پوچھا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے بتایا کہ ہم بالکل خیریت سے ہیں اور اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی۔ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:

''تمہاری خوراک کیا ہے؟''

اس نے بتایا کہ گوشت۔آپ علیہ السلام نے پوچھا:

''تمہارا مشروب کیا ہے؟''

اس نے کہا: پانی۔حضرت ابراہیم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! انہیں گوشت اور پانی میں برکت دے۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اس دن ان کے پاس اناج نہیں تھا۔اگر ان کے پاس اناج ہوتا تو آپ اس میں برکت کی دعا بھی کرتے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا کہ صرف گوشت اور پانی پر مکہ کے سوا کہیں کوئی شخص گزارا نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ دونوں چیزیں اس

کے مزاج کے موافق نہیں ہوسکتیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بہو سے فرمایا:

''جب تیرا خاوند آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور بتانا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھے۔''

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو پوچھا: کیا کوئی آیا تھا؟ بیوی نے بتایا:

''ہاں! ہمارے گھر ایک بہت خوبصورت بزرگ تشریف لائے تھے۔''

اس نے ابراہیم علیہ السلام کی بہت تعریف کی اور بتایا:

''اس بزرگ نے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا۔ میں نے انہیں بتایا۔ انہوں نے مجھ سے ہماری گزر بسر کی بابت بھی پوچھا، میں نے انہیں عرض کی کہ ہم بالکل خیریت سے ہیں۔''

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا:

''کیا انہوں نے آپ کو کوئی نصیحت بھی فرمائی؟''

کہنے لگیں:

''ہاں! وہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھیں۔''

حضرت اسماعیل نے بتایا:

''وہ میرے والد گرامی تھے۔ اور آپ دروازے کی چوکھٹ ہیں۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اپنے پاس رکھوں۔''

جب سیدنا ابراہیم اپنے لخت جگر کی ملاقات کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے مگر وہ گھر پر موجود نہیں تھے، ان کی بیوی عمارہ نے آپ کی عزت و تکریم اور بے حد تعظیم کی اور اس وقت کے دستور کے مطابق التجا کی کہ چچا جان! آپ براق سے اتر کر استراحت کریں اور میں آپ کے گرد آلود سر کے بال دھونے کی سعادت حاصل کروں، لیکن آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے نیچے اترنے کی اجازت نہیں۔

چنانچہ نیک خصال بہو ایک پتھر لائی اور اسے آپ کے دائیں پاؤں کے نیچے رکھا۔ آپ نے پتھر پر پاؤں رکھ کر سر کو دائیں جانب جھکا دیا، اور بہو نے اسے دھویا۔ پھر پتھر بائیں پاؤں کے نیچے رکھ کر سر کی دوسری جانب بھی دھوئی۔ جہاں آپ نے پتھر پر پاؤں مبارک رکھے تھے وہاں ٹخنوں تک اس میں گڑھ گئے اور بہت گہرے نشانات مرتسم ہو گئے۔

جب حضرت اسماعیل گھر تشریف لائے تو زوجہ مکرمہ نے سارے واقعات سے آپ کو مطلع کیا اور یہ بات خصوصیات اور تعجب سے بتائی کہ جس پتھر پر انہوں نے پاؤں رکھے تھے، اس میں اب بھی گہرے نشانات موجود ہیں۔ سیدنا اسماعیل نے اسے ایک معجزہ قرار دیا اور اس پتھر کو گھر میں عزت و تکریم سے محفوظ فرما لیا۔

پھر جس وقت تعمیر بیت اللہ کے لئے حضرت ابراہیم تشریف لائے اور دوران تعمیر پہاڑ بنانے کیلئے کوئی پتھر لانے کو کہا تو حضرت اسماعیل نے وہی پتھر لا کر پیش کر دیا۔ (روح المعانی، جلد ۹، صفحہ ۱۴۳) (تفسیر کبیر، جلد ا، صفحہ ۱۵۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ عرصہ بعد تشریف لائے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے چشمے کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے تیر بنا رہے تھے۔ جب اسماعیل علیہ السلام نے دیکھا کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابراہیم نے پیار

کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تعظیم وتکریم بجالائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''اے اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کرنے کا حکم دیا ہے۔''

اسماعیل علیہ السلام نے عرض کی:

''ابا جان! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس امر کا حکم دیا ہے اسے کر گزریئے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''کیا تم میری مدد کرو گے؟''

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کی:

''ہاں میں آپ کی مدد کروں گا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتایا:

''اللہ نے مجھے یہاں ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔''

آپ نے ایک اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ اس کے اردگرد۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''دونوں باپ بیٹا نے کعبۃ اللہ کی بنیادیں اٹھائیں۔ حضرت اسماعیل پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم دیوار چنتے تھے۔ جب دیوار اونچی ہو گئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک پتھر لے آئے اور اسے نیچے رکھ دیا تاکہ آپ علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر کام کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے دیوار بنانے لگے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر ڈھوتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم دیوار چنتے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ دونوں بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے جاتے تھے:

((ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم))(سورۃ البقرہ 127:)

''اے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

راوی فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام تعمیر میں لگے رہے حتی کہ کعبۃ اللہ کے چاروں طرف پھر گئے۔ دونوں کی زبان پر یہی کلمات تھے:

((ربنا تقبل منا انك انت ا السميع العليم))(سورۃ البقرہ 127:)

''اے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

(یہ تمام احادیث حضرت ابن عباس سے مروی ہیں، کچھ ان کے اقوال ہیں اور کچھ مرفوع کا حکم رکھتی ہیں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ کی بنیادوں پر ہی عمارت تعمیر فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کی تفصیل درج ذیل ہے:

کعبہ شریف کی بلندی نو ہاتھ تھی۔

رکن اسود سے رکن شامی تک تینتیس ہاتھ تھی۔

رکن غربی سے رکن یمانی تک اکتیس ہاتھ تھی۔
رکن یمانی سے رکن اسود تک بیس ہاتھ تھی۔
رکن شامی سے رکن غربی تک بائیس ہاتھ تھی۔
کعبہ شریف مستطیل تھا لیکن طول اور عرض کی ایک ایک دیوار معمولی تھی۔ دروازے دو بنائے گئے تھے جو زمین کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ کواڑ زنجیر وغیرہ نہیں تھے۔ بعد میں تبع حمیری کے زمانہ میں کواڑ زنجیر وغیرہ لگائے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پتھر گارا وغیرہ دیتے تھے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((واذ بؤانا لا براهيم مكان البيت ان لا تشرك بى شيئا وطهر بيتى للطائفين والقائمين والركع السجود واذن فى الناس بالحج يأتوك رجالاً وعلى كل ضامر ياتين من كل فج عميق))(سورة الحج:26-27)

''اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کردی ابراہیم کے لیے اس گھر کے (تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے اور اعلان عام کر دو لوگوں میں حج کا، وہ آئیں گے آپ کے پاس پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو آتی ہیں ہر دور دراز راستہ سے۔''
ارشاد الٰہی ہے:

((ان اول بيت وضع للناس للذى ببكة مبركاً وّهدًى للعلمين فيه ايت بينت مقام ابراهيم ومن دخله كان امنا ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا ومن كفر فان الله غنى عن العلمين))(سورة آل عمران:96-97)

''بے شک پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑا برکت والا ہدایت والا سب جہانوں کے لیے، اس میں روشن نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہوا اس میں ہو جاتا ہے محفوظ اور اللہ کے لیے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی اور جو شخص انکار کرے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے سارے جہاں سے۔''
ارشاد الٰہی ہے:

((واذابتلى ابرهيم ربه بكلمت فاتمهن قال انى جاعلك للناس اماماً قال ومن ذريتى قال لا ينال عهدى الظلمين واذ جعلنا البيت مثابةً للناس وأمنا واتخدوا من مقام ابرهيم مصلىً وعهدنآ الىٰ ابراهيم واسمٰعيل ان طهرا بيتى للطائفين والعكفين والركع السجود واذ قال ابرهيم رب اجعل هذا بلداً أمناً و ارزق اهله من الثمرات من أمن منهم بالله واليوم الاخر قال ومن كفر فامتعه قليلا ثم

اضطره الی عذاب النار وبئس المصیر واذ یرفع ابرهیم القواعد من البیت واسمعیل ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امةً مسلمةً لك ارنا مناسکنا وتب علینا انك انت التواب الرحیم ربنا وابعث فیهم رسولاً منهم یتلوا علیهم ایتك ویعلمهم الکتب والحکمة ویزکیهم انك انت العزیز الحکیم))

(سورۃ البقرہ:124-129)

''اور یاد کرو جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں سے تو انہیں پورے طور پر بجالایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیشک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا۔ عرض کی: میری اولاد سے بھی؟ فرمایا: نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں تک۔ اور یاد کرو جب ہم نے بنایا اس گھر (خانہ کعبہ) کو مرکز لوگوں کے لیے اور امن کی جگہ اور بنالو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ (مقام ابراہیم) کو جائے نماز اور ہم نے تاکید کر دی ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ خوب صاف ستھرا رکھنا میرا گھر طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے۔ اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے: اے میرے رب! بنادے اس شہر کو امن والا اور روزی دے اس کے باشندوں کو طرح طرح کی پھلوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے کفر کیا اسے بھی فائدہ اٹھانے دوں گا چند روز پھر مجبور کروں گا اسے دوزخ کے عذاب کی طرف اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور یاد کرو جب اٹھا رہے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (ان دونوں نے عرض کیا:) اے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے، بیشک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! بنادے ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتادے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر، بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے بندے، اپنے رسول، اپنے صفی اور اپنے خلیل، امام الحنفاء والد انبیاء سیدنا ومولانا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر فرما رہا ہے کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر کی سعادت انہی کے حصے میں آئی۔ بیت اللہ شریف جسے تمام لوگوں کے لیے پہلی عبادت گاہ بنایا گیا۔ جسے کائنات ارضی کے عابدوں کے لیے معبد و مامن قرار دیا گیا۔ اللہ کریم نے اپنے بندہ خاص خلیل علیہ السلام کو خود بتایا کہ میرا گھر کہاں تعمیر کرنا ہے۔ بوا کا معنی رہنمائی کرنا اور بتانا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب اور دوسرے صحابہ کرام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتادیا تھا کہ بیت اللہ کہاں تعمیر کرنا ہے۔

کعبۃ اللہ بیت المعمور کے عین نیچے واقع ہے۔ یوں سمجھیے کہ بفرض محال اگر بیت المعمور نیچے گرے تو سیدھا بیت اللہ شریف پر آئے گا۔ اسی طرح ہر آسمان پر جو عبادت خانہ ہے وہ بیت اللہ کی سیدھ میں واقع ہے۔ جیسا کہ اسلاف کا کہنا

ہے کہ ہر آسمان پر ایک گھر ہے جس میں اہل آسمان اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس طرح اہل زمین کے لیے بیت اللہ شریف کو خصوصی عبادت گاہ کا درجہ حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ ساکنان سماوی کے ان معابد کی طرح اہل زمین کے لیے بھی ایک گھر تعمیر کرو جس میں وہ میری عبادت کیا کریں۔ اس حکم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی جگہ بھی بتادی جو زمین و آسمان کی تخلیق کے ساتھ ہی مختص اور مقرر ہو چکی تھی، جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے:

''اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے معظم و محترم قرار دے دیا ہے اور وہ قیامت کے دن تک اللہ کے حکم سے حرمت والا رہے گا۔''

حدیث رسول ﷺ میں یہ بات بہر حال کہیں بیان نہیں ہوئی کہ یہ گھر حضرت خلیل سے پہلے بھی کسی کے ہاتھوں تعمیر ہوا ہے۔ کوئی یقینی اور قطعی بات محسوس نہیں ہوتی، کیونکہ اس سے یہ مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے کہ بیت اللہ کی جگہ اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر تھی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ جگہ تقدیراً مقرر ہو چکی تھی اور تمام انبیاء علیہم السلام کو اس کے معظم ہونے کا علم دے دیا گیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اسی جگہ اپنا خیمہ نصب کیا تھا اور فرشتوں نے آپ کی جناب میں عرض کی تھی کہ ہم اس سے پہلے اس گھر کا طواف کر چکے ہیں اور سفینہ نوح نے چالیس دن تک اس کا طواف کیا تھا۔

یہ اور اس قسم کی کئی دوسری روایات اسرائیلیات سے تعلق رکھتی ہیں اور ہم نے ایک بات مقرر کر لی ہے کہ ان روایات کی نہ تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب اور نہ ہی انہیں کسی مسئلے کے ثبوت کے لیے دلیل قرار دیا جائے۔ ہاں اگر قرآن یا حدیث نبوی ان کی تردید کرتی ہو تو پھر یقینی طور پر انہیں مردود کہا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً وّھدًی للعالمین))

''سب سے پہلے جس گھر کو تمام آدمیت کے لیے برکت و ہدایت کا مرکز قرار دیا گیا وہ مکہ میں واقع بیت اللہ شریف ہے۔''

بعض لوگ کہتے ہیں:

''اول بیت سے مراد اول محل (سب سے پہلی جگہ) ہے۔''

((فیہ آیات بینات))(سورۃ آل عمران)

یعنی اس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا تعمیر کردہ گھر ہے، جو کہ بعد میں مبعوث ہونے والے تمام انبیاء کے والد ماجد اور آپ کی نسل سے ہونے والے تمام پرہیز گاروں کے امام ہیں۔ جو آپ کو اپنا مقتداء یقین کرتے ہیں اور آپ کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

''مقام ابراھیم'' (سورۃ آل عمران:97)

یعنی وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے اور کعبۃ اللہ شریف کی تعمیر مکمل فرمائی، کیونکہ جب بیت اللہ شریف کی دیوار آپ کی قامت سے بلند ہو گئی تھی تو آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ مشہور پتھر اٹھا لانے کو فرمایا تھا

تا کہ اس پر کھڑے ہو کر کام کریں، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ ایک طویل حدیث میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

اس پتھر کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق کے دور خلافت تک یہ دیوار کعبہ سے متصل رہا لیکن آپ نے اسے دیوار سے قدرے جدا کر کے نصب کر دیا تا کہ بیت اللہ شریف کا طواف کرنے والے لوگوں کی وجہ سے مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے والے لوگوں کی نماز میں خلل واقع نہ ہو اور بعد میں بھی لوگوں نے اسی جگہ قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصی بصیرت عطا فرمائی اسی لیے آپ کی بہت ساری باتیں وحی کے موافق قرار پائیں۔

آپ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی تھی:

"کاش ہم مقام ابراہیم کو مصلیٰ بناتے۔"

کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی:

((واتخذوا من مقام ابراهيم مصلیٰ))(سورة البقرہ 125)

"بنالو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز۔"

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قدموں کے نشان اس پتھر پر ثبت تھے، اوائل اسلام میں یہ نقوش پا نظر بھی آتے تھے۔

جناب ابوطالب اپنے مشہور قصیدہ لامیہ میں ان نقوش پا کا تذکرہ کرتے ہیں:

وثور ومن ارسی ثبیرا مکانه   وراق لیرقی فی حراء و نازل

"مجھے قسم ہے ثور پہاڑ کی اور اس ذات کی جس نے ثبیر پہاڑ کو اس کی جگہ بلند کیا ہے اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جو تشریف لے جاتا اور پھر واپس آتا کہ کوہ حراء پر چڑھیں۔"

وبالبيت حق البيت من بطن مكة   وبالله ان الله ليس بغافل

"میں بیت اللہ شریف کی قسم اٹھاتا ہوں جو یقینی طور پر مکہ کی وادی میں اللہ کا گھر ہے اور اللہ کی قسم اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔"

والحجر المسود اذ یمسحونه   اذا کتنفوه بالضحی والا صائل

علی قدمية حافیا غیر ناعل

"اور میں قسم اٹھاتا ہوں حجر اسود کی جسے لوگ صبح و شام چومتے ہیں اور اس کے اردگرد چکر لگاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان اس پتھر پر اب بھی تر و تازہ ہیں۔ باوجود اس کے کہ آپ کے پاؤں ننگے تھے اور آپ نے جوتے نہیں پہنے ہوئے تھے۔"

یعنی آپ کے پاؤں کے نشان پتھر پر ثبت ہیں اور نشان قدم سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ننگے پاؤں تھے۔ جوتا نہیں پہن رکھا تھا۔

اسی لیے رب قدوس فرماتا ہے:

((واذ يرفع ابراهيم القواعد من البيت واسماعيل))

''اور جب ابراہیم اور اسماعیل کعبۃ اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔''

بیت اللہ شریف کی بنیادیں بلند کرتے ہوئے انہوں نے عرض کی:

((ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم))

''اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے نہایت اخلاص اور فرمانبرداری کا ثبوت دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اس عظیم اطاعت اور مخلصانہ کوشش کو اپنی بارگاہ میں منظور کر لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو سمیع اور علیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ربنا واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امةً مسلمةً لك وارنا مناسكنا وتب علينا انك انت التواب الرحيم))(سورۃ البقرہ:128)

''اے ہمارے رب! بنا دے ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتا دے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) بیشک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔''

مقصد یہ ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے بے آب وگیاہ وادی میں، روئے زمین کی سب سے افضل جگہ پر سب سے اعلیٰ وارفع مقام کی حامل عبادت گاہ تعمیر فرمائی اور ساتھ ساتھ اس خطہ پاک کے باسیوں کے لیے پھلوں کے رزق کی دعا بھی فرمائی، حالانکہ اس وادی غیر ذی زرع میں پانی کی قلت تھی اور درختوں، کھیتوں اور پھلوں کا نام ونشان تک نہیں تھا اور یہ دعا بھی کہ یہ گھر ان کے لیے امن وآشتی اور حرمت وتقدس کا مرکز بن جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جو تمام تعریفوں کے لائق ہے اپنے بندے کی التجا کو سن لیا۔ ان کی دعا پر ''میں حاضر ہوں میرے بندے'' فرماتے ہوئے ان کے دامن مراد کو بھر دیا اور ارشاد فرمایا:

((اولم يروا انا جعلنا حرماً امناً ويتخطف الناس من حولهم))(سورۃ العنکبوت:67)

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اچک لیا جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

((اولم نمكن لهم حرماً امناً يجبىء اليه كل شىء رزقاً من لدنا))

''کیا ہم نے نہیں دیا انہیں حرم میں جو امن والا ہے، چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل۔ یہ رزق ہے ہماری طرف سے۔''(سورۃ القصص:57)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کہ الٰہی ان میں سے ایک عظیم رسول ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرما جو میری نسل سے ہو۔ یہاں کے باسیوں کی زبان میں فصیح وبلیغ کلام فرمائے اور انہیں نصیحت اندوز باتوں سے راہ راست پر گامزن کرے، تاکہ ان ظاہری نعمتوں کے ساتھ ساتھ باطنی اور اخروی نعمتیں بھی انہیں میسر آ جائیں۔ وہ دنیا میں بھی سرخرو ہوں اور آخرت میں بھی تیری نعمتوں کے مستحق ٹھہریں، اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول فرمائی اور بنی اسماعیل میں

ایک نہایت ہی عظیم الشان رسول کی بعثت ہوئی جن پر نبوت و رسالت کا سلسلہ اختتام پذیر کر دیا اور جو ایک ایسا اکمل واتم دین لے کر تشریف لائے جو ایسی صورت میں کسی نبی و رسول کو عطا نہیں ہوا، جن کی دعوت عربی عجمی ہر انسان کے لیے عام ہے۔ ہر قوم و نسل ہر زبان و کلام کے آدمی کو شامل ہے۔ اقطار عالم، امصار جہاں اور اعصار زمان میں قیامت تک کوئی شخص ان کی دعوت سے مستثنیٰ نہیں۔ تمام انبیاء میں سے یہ شرف صرف آپ ﷺ کو حاصل ہے، کیونکہ آپ کی ذات اقدس میں بھی کمال ہے اور آپ کی دعوت میں بھی تکمیل و تتمیم ہے۔ نیز اس خطہ پاک کے لوگوں میں سج دھج بھی ہے کہ اس پیغام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچائیں اور ان کی لغت میں وہ وسعت بھی ہے کہ پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرے۔ پھر رسول اکرم ﷺ کی اپنی امت پر جو شفقت ہے، آپ کے لطف و رحمت کی جو بے کرانیاں ہیں، آپ کے خاندان، آپ کے مولد اور آپ کے مصدر و مورد کو جو کمال حاصل ہے وہ بھی اس بات کا مقتضی ہے کہ ان کی دعوت عام ہو اور ان کی رحمت شامل کائنات ہو۔

اہل زمین کیلئے تعمیر کعبہ کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کا مستحق ٹھہرایا کہ ان کا منصب، ان کا ٹھکانا اور ان کی جگہ آسمانوں کے بلند مقامات میں ہو اور وہ بیت المعمور کے نزدیک اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں وہ بیت المعمور جو اہل سموات سبع کا کعبہ ہے۔ جس میں بے پناہ برکتیں ہیں اور جس میں عبادت کا ثواب دوسری جگہوں سے کہیں زیادہ ہے۔ جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور عبادت خداوندی سے مستفیض ہوتے ہیں۔ پھر ایک گروہ جب چلا جاتا ہے تو قیامت تک پھر اس کی باری نہیں آئے گی۔

شیخ سدی فرماتے ہیں:

''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تعمیر کعبہ کا حکم دیا تو وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ گھر کہاں تعمیر ہوگا۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ''الخجوج'' نامی ایک ہوا بھیجی جس کے دو پر تھے اور سانپ کی طرح سر تھا۔ اس نے وہ جگہ جھاڑ و دے کر صاف کر دی جہاں بیت اللہ کی بنیادیں تھیں۔ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے اس سے جگہ پہچان لی اور گینتیاں لیکر بنیادیں کھودنے لگے حتی کہ بنیاد رکھ دی گئی۔ اسی کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((واذ بوانا لابراهيم مكان البيت))(سورة الحج 26)

''اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم کے لئے اس گھر کے (تعمیر کرنے) کی جگہ۔''

جب باپ بیٹا ستونوں تک پہنچے اور رکن بنالیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہنے لگے:

''بیٹا! میرے لیے کوئی اچھا سا پتھر لے آؤ تا کہ میں اسے یہاں رکھ لوں۔''

آپ نے عرض کی:

''ابا جان! میں بہت تھک گیا ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''کچھ بھی ہو جاؤ اور پتھر لے آؤ۔''

اسی اثناء میں جبرائیل امین ہندوستان سے حجر اسود لے آئے جو اس وقت سفید یاقوت تھا اور شخامہ نامی صنعت کی طرح چمکتا تھا، اس پتھر کو حضرت آدم علیہ السلام جنت سے لے کر زمین پر آئے تھے، یہ لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے سیاہ پڑ گیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب پتھر لے آئے تو حجر اسود کو رکن کے قریب دیکھ کر پوچھا:

''ابا جان! یہ پتھر کون لایا ہے؟''

آپ نے فرمایا:

''یہ وہ لایا ہے؟ جو آپ سے زیادہ چست ہے۔''

تعمیر کے دوران حضرت ابراہیم و اسماعیل رب قدوس سے دعائیں مانگ رہے تھے:

((ربناتقبل منا انك انت السميع العليم))

ابن ابی حبان نے ذکر کیا کہ کعبۃ اللہ شریف کی تعمیر پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے کی گئی اور ذوالقرنین روئے زمین کا بادشاہ جب حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے پاس سے گزرا اور انہیں بیت اللہ شریف کی تعمیر میں مصروف پایا تو پوچھا:

''آپ کو اس گھر بنانے کا حکم کس نے دیا ہے؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔''

ذوالقرنین کہنے لگا:

''اس کا کیا ثبوت ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؟''

پانچ مینڈھوں نے جو وہاں موجود تھے گواہی دی کہ انہیں اللہ نے تعمیر بیت اللہ کا حکم دیا ہے۔ ذوالقرنین یہ سن کر ایمان لایا اور آپ کی باتوں کی تصدیق کرنے لگا۔ ازرقی کا بیان ہے کہ ذوالقرنین نے خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف بھی کیا۔

کعبۃ اللہ شریف کی عمارت مدتوں خلیل اللہ علیہ السلام کی بنیادوں پر رہی۔ پھر جب قریش نے اسے تعمیر کیا تو شمال کی طرف سے اس میں کمی کر دی اور آج تک کعبۃ اللہ شریف قریش کی بنیادوں پر قائم ہے۔

صحیحین میں مالک کی بیان کردہ حدیث میں ہے۔ انہوں نے اس حدیث کو ابن شہاب سے، انہوں نے سالم سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن محمد بن ابوبکر نے ابن عمر سے اور انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہوئے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''آپ دیکھتی نہیں کہ جب تیری قوم نے کعبہ کی تعمیر کی تو اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے چھوٹا کر دیا ؟''

میں نے عرض کی:

''یارسول اللہ! آپ اسے ابراہیمی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیوں نہیں فرما دیتے؟''

حضور نے فرمایا:

''اگر تیری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں یہ کام ضرور کرتا۔''

اور دوسری روایت میں ہے کہ اگر تیری قوم کی جہالت کا دور قریب نہ ہوتا تو میں ضرور کرتا یا فرمایا کہ تیری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں کعبۃ اللہ کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کر دیتا اور اس کا دروازہ زمین کے برابر بنا دیتا اور حجر (حطیم) کو کعبہ کی عمارت میں داخل کر دیتا۔"

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے دور میں کعبۃ اللہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے خطوط پر تعمیر فرمایا تھا، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ جو ان کی خالہ تھیں انہوں نے آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات سے آگاہ فرمایا تھا۔ جب حجاج نے 73ھ میں چڑھائی کر کے آپ کو شہید کیا تو اس نے عبدالملک بن مروان کو جو اس وقت مسند اقتدار پر متمکن تھا ایک خط لکھا، اس کا خیال تھا کہ شاید ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی شہرت کے لیے تعمیر کعبہ میں ردو بدل کیا ہے، اس کے حکم سے حطیم کو کعبہ کی دیوار سے باہر نکال دیا گیا۔ پھر اس جگہ ایک دیوار الگ تعمیر کر دی گئی اور کعبہ کے اندر پتھر لگا دیئے گئے۔ اس طرح مشرقی دروازہ بلند ہو گیا اور مغربی دروازہ بالکل بند کر دیا گیا جیسا کہ آج کل کعبہ دیکھنے میں آتا ہے۔

لیکن جب امویوں کو معلوم ہوا کہ حضرت ابن زبیر نے تو حضرت عائشہ ام المومنین کے کہنے پر ایسا کیا تھا تو بہت نادم ہوئے اور افسوس کرنے لگے کہ کاش ہم اس کو اسی طرح چھوڑ دیتے اور اس میں ردو بدل نہ کرتے۔

خلیفہ مہدی بن منصور کے دور میں امام مالک بن انس سے مشورہ لیا گیا کہ اسے حضرت عائشہ کی حدیث کے مطابق تعمیر کر دیا جائے تو آپ نے فرمایا:

"رہنے دو۔ مجھے خدشہ ہے کہ بادشاہ اسے کھلونا بنالیں گے کہ جو بھی بادشاہ بنے گا وہ اپنی مرضی سے کعبۃ اللہ کی تعمیر کرے گا۔"

اس لیے آج تک کعبہ کی عمارت پرانی بنیادوں پر قائم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

بیت اللہ کے چاروں طرف کچھ دور تک مختلف فاصلوں پر حرم کی حدودِ جبرئیل کی نشاندہی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم فرمائی تھیں۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجدید فرمائی۔ ان حدود پر حکومت نے نشانات لگائے ہوئے ہیں۔ اس کے اندر شکار کھیلنا، گھاس اور درخت کاٹنا حرام ہے۔

مشہور تابعی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب تم حرم میں داخل ہو تو نہ کسی کو دھکا دو، نہ کسی کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ بھیڑ بھاڑ کرو۔

حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اہلِ مکہ اس وقت تک ہلاک نہ ہوں گے جب تک حرم کو حل نہ سمجھنے لگیں۔

حدودِ حرم حسب ذیل ہیں:

۱۔ **تنعیم**: مدینہ اور شام کی سمت میں مسجد حرام سے جانب شمال مکہ مکرمہ اور مقام سرف کے درمیان مدینہ منورہ روڈ پر سات کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حدودِ حرم میں سب سے نزدیک یہی حد حرم ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ نے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عمرہ کا احرام یہیں سے باندھا تھا۔ بعد میں اس جگہ ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور میں تقریباً ایک کروڑ ریال کی لاگت سے اس کی توسیع ہوئی۔ یہ مسجد عائشہ کے نام سے موسوم ہے۔ اسی مسجد تنعیم سے بجانب شمال دو سو میٹر دور حل کی سمت میں جلیل

القدر صحابی رسول حضرت خبیب بن عدی کی جائے شہادت ہے۔

۲۔ جعرانہ: مکہ مکرمہ اور طائف کے راستہ پر حل میں ایک کنویں کا نام ہے اور بعض کے نزدیک اس کی نسبت ایک عورت کی طرف ہے جو قریش کے بنو تمیم قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی، اس کا نام ریطہ اور لقب جعرانہ تھا۔ غزوۂ حنین سے واپسی پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہوازن کا مالِ غنیمت تقسیم کیا تھا تو آپ یہاں ٹھہرے تھے اور یہیں سے آپ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ مسجد حرام سے اس کا فاصلہ شمال مشرقی سمت میں ۲۴ کلومیٹر ہے۔ یہاں کا پانی اپنی شیرینی میں ضرب المثل ہے۔ اس جگہ بھی ایک مسجد تعمیر کردی گئی ہے جہاں سے اہلِ مکہ عمرہ کا احرام باندھتے ہیں۔

۳۔ حدیبیہ: یہ حدودِ حرم سے باہر مکہ وجدہ کی قدیم شاہراہ پر ایک مقام ہے۔ یہاں حدیبیہ نام کا ایک کنواں تھا جس کی نسبت سے اس جگہ کا نام بھی حدیبیہ پڑ گیا۔ آج کل یہ جگہ شمیسیہ کے نام سے مشہور ہے۔ صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان اسی مقام پر ہوئی تھی۔ یہ جگہ مسجد حرام سے ۲۴ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے جبکہ یہاں سے حرم کی حدود ۲ کلومیٹر سے شروع ہوتی ہے۔ یہ حرم مکہ کی مغربی سرحد ہے۔ جب وادیٔ بکہ میں بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر ہوئی اور مکے کی آبادی حضری زندگی کی ایک مستقل بستی بنی تو اس تعمیر کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بستی کو ایک حرم (یا سیاسی اصطلاح میں ایک شہری مملکت) قرار دیتے ہوئے اس کی حدود مقرر کیں اور مختلف سمتوں میں حدودِ حرم پر منارے تعمیر کیے گئے۔ عہد نبوی میں یہ نہ صرف ایک قدیم چیز تھے بلکہ آپ نے ان کی مرمت بھی کرائی تھی۔ یہ اب تک چلے آرہے ہیں۔ ان میں سے ایک حد حدیبیہ بھی ہے۔

حدیبیہ مکے سے کوئی دس میل اور جدہ سے کوئی تیس میل پر واقع ہے۔ یہاں وہ پہاڑ جو مکے کو گھیرے ہوئے ہیں ختم ہو جاتے ہیں اور ساحلی میدان شروع ہوتا ہے۔ آغازِ اسلام کے وقت یہاں ایک کنواں تو تھا جو مسافروں اور حاجیوں کے کام آتا ہوگا لیکن کسی آبادی کا ثبوت نہیں ملتا۔ غالباً زیر زمین پانی میٹھا اور کافی ہے، اسی لیے ببول وغیرہ کے جنگلی درخت یہاں غیر معمولی طور پر بلند نظر آتے ہیں۔ یہیں ایک درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جان نثاری کا عہد لیا تھا۔ اس کے سائے میں مریضوں کی صحت وغیرہ کے غیر اسلامی معتقدات توہم کی شکل اختیار کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اُکھڑوا دیا۔ بعد میں اس کی جگہ ایک مسجد کی تعمیر عمل میں آئی۔ ترکی دور میں اس پر کوئی کتبہ نہ تھا۔ اب ترمیم وتزئین کے بعد اس پر سلطان عبدالعزیز بن سعود کے نام کا کتبہ پایا جاتا ہے۔ یہ مسجد نئی سڑک کے کنارے واقع ہے۔ خلافت راشدہ کے ایک مدت بعد یہ مقام حجاج کی ضرورتوں کے تحت آباد ہونے لگا اور یہ گاؤں کم از کم آٹھویں صدی ہجری سے شُمَیْسِیہ کہلاتا ہے اور اب پولیس کی اہم چوکی ہے۔

۴۔ وادی نخلۃ: مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان نخلہ ایک مقام ہے جو عراق اور شمال کی سمت میں حرم مکہ کی حد ہے۔ اس مقام پر عربوں کا مشہور بت عزیٰ نصب تھا جسے گرانے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔

اس کو نخلہ یمانیہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے قریب ایک نخلۃ الشامیۃ تھا۔ اس کا ایک نام مضیق بھی ہے۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے ۴۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، یہ وہی مقام ہے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے دسویں سال مشہور سفر طائف سے واپسی پر ٹھہرے تھے اور جنات کی ایک جماعت قرآن مجید کی آیات سن کر حلقہ بگوش اسلام ہوئی تھی۔

۵. اضائۃ لبن: یمن کے راستہ پر جنوبی سمت میں حدودِ حرم میں سے ایک حد ہے۔ یہ ایک جھیل نما مقام ہے۔ لبن دودھ کو کہتے ہیں اس کے نزدیک جو پہاڑ ہے وہ سفیدی مائل ہے۔ اس مناسبت سے اس جگہ کو اس نام سے موسوم کیا گیا۔ یہاں سے مسجد حرام کی مسافت ۱۶ کلومیٹر ہے۔ اس جگہ کو عقیشیۃ یا العکیشیۃ بھی کہتے ہیں۔

۶. عرفات: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ))

''جب تم عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام میں اللہ کا ذکر کرو۔'' (البقرہ: ۱۹۸)

عرفات مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں پندرہ سولہ کلومیٹر کے فاصلے پر جبلِ رحمت کے دامن میں واقع ہے۔ مکہ سے تقریباً ۸ کلومیٹر پر منیٰ ہے اور منیٰ سے اتنے ہی فاصلے پر عرفہ ہے۔ منیٰ سے مزدلفہ کے راستے آگے بڑھیں تو ایک خاصے چوڑے برساتی نالے کی گزرگاہ آتی ہے جس کا نام وادیٔ عُرنہ ہے۔ اس کے اوپر قریباً ایک کلومیٹر کے اندر چودہ کشادہ پل بنے ہوئے ہیں۔ مسجد نمرہ کے قریب برساتی نالے میں ذرا سا خم ہے۔ نالے کا پل پار کرتے ہی دائیں ہاتھ مسجد نمرہ آتی ہے۔ دور سامنے ذرا بائیں ہاتھ کو جبلِ رحمت ہے اور اس پر سفید لاٹھ کی صورت میں پتھر کی ایک لوح نظر آتی ہے۔ وادیٔ عرنہ کو پار کریں تو ۱۹ سڑکیں تیر کی طرح سیدھی اور متوازی آگے بڑھتی ہیں جنہیں دائیں سے بائیں سات سڑکیں زاویہ قائمہ پر کاٹتی ہیں۔ یہی میدانِ عرفات ہے۔ سڑکوں پر نمبر لگے ہیں، جا بجا پل بنے ہوئے ہیں اور آنے جانے کے نشانات مرتسم ہیں۔ سڑکوں کے ان متوازی خطوط کے جال میں ایک دائرہ بھی ہے، اس دائروی سڑک نے جبلِ رحمت کو اپنے محیط میں لے رکھا ہے۔

عرفات سال کے ۳۵۴ دن بے آباد ہوتا ہے اور صرف ایک دن ۹ ذی الحجہ کے لئے شہر بنتا ہے اور وہ بھی صرف آٹھ دس گھنٹوں کے لیے۔ یہ صبح آباد ہوتا ہے اور غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی اس کی تمام آبادی رخصت ہو جاتی ہے اور حُجاج ایک رات کے لیے مزدلفہ میں جا مقیم ہوتے ہیں۔ وقوف عرفات حج کا بنیادی رکن ہے مگر قریشِ مکہ نے اپنی جھوٹی عظمت و شان کا سکہ بٹھانے کے لئے اپنے لیے وقوفِ عرفہ کو ساقط کر دیا تھا۔

اب میں کعبۃ اللہ کی تعمیر کے مختلف ادوار پر مختصر روشنی ڈالتا ہوں۔

چند پتھروں کی چنی ہوئی اس سادہ سی عمارت کی چھت کو اللہ کے جلال و قدوسیت نے اپنا نشیمن بنایا اور اسے ایسا لازوال دوام بخشا کہ ہزار ہا برس کے حوادثات و انقلابات اس کی قبولیت اور صداقت پر دھبہ نہ لگا سکے۔ مزید برآں اس چار دیوار کے گرد دعائے ابراہیمی نے ایک ایسا آہنی حصار کھینچ دیا کہ چار ہزار برس کے دوران انقلابات ارضی و سماوی نے سمندروں کو جنگل اور شہروں کو سمندروں میں تبدیل کر دیا، لیکن آج تک اس مقدس گھر کی بنیادوں کو کوئی حادثہ متاثر نہ کر سکا اور نہ ہی کوئی صداقت انہیں نقصان پہنچا سکی۔ تاریخ اس بات پر نازاں ہے کہ اس سرزمین کی مقدس و محترم خاک آج تک غیر مسلم اقوام کے حملہ سے محفوظ و مامون ہے۔ روئے زمین پر اس سے زیادہ قدیم اور کہنہ عمارت اور کوئی نہیں ہے اور رب ذوالجلال کی شان پر سو جان سے قربان جائیں کہ اس انتہائی سادہ سی عمارت کو چار ہزار سال کے طویل عرصہ میں صرف چند بار بنانے اور تعمیر کرنے کی نوبت آئی ہے۔

جس کی تفصیلات محدثین اور مورخین نے پوری شرح و بسط سے ارقام فرمائی ہے۔ بعض روایات میں پانچ مرتبہ، بعض

میں دس اور بعض میں گیارہ بار تعمیر کرنے کا ذکر آتا ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

امام سہیلی نے پانچ تعمیرات کا ذکر کیا ہے۔

1: تعمیر شیث علیہ السلام۔ 2: تعمیر ابراہیم علیہ السلام۔

3: تعمیر قریش قبل از اسلام۔ 4: سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔

5: خلیفہ عبدالملک بن مروان۔

(روض الانف، جلد ا، صفحہ ۱۲۷)

جمہور علماء کرام کے نزدیک تعمیر اول ملائکہ یا آدم علیہ السلام نے کی تھی۔ شیث علیہ السلام نے ان کے بعد تعمیر کیا ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ کعبۃ اللہ کو درج ذیل ادوار میں تعمیر کیا گیا۔

1: عہد ملائکہ (قبل از پیدائش آدم)۔ 2: عہد آدم علیہ السلام۔

3: عہد ابراہیم علیہ السلام۔ 4: عہد جرہم۔

5: عہد عمالقہ۔ 6: عہد قریش علیہ السلام۔

7: عہد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ 8: عہد حجاج بن یوسف۔

9: سلطان مراد خان ترکی۔ 10: شاہ فیصل۔

روح المعانی پارہ ۱۷ میں بھی پانچ تعمیرات کا ذکر کیا ہے، لیکن علماء اور مورخین کے نزدیک جو روایت زیادہ قابل اعتماد ہے اس میں دس مرتبہ کا ذکر ہے:

۱۔ ملائکہ۔ ۲۔ حضرت آدم۔

۳۔ حضرت شیث۔ ۴۔ حضرت ابراہیم۔

۵۔ بنی جرہم۔ ۶۔ بنی عمالقہ۔

۷۔ قصی بن کلاب۔ ۸۔ قریش۔

۹۔ عبداللہ بن زبیر۔ ۱۰۔ حجاج بن یوسف۔

(اخبار مکہ) (تفسیر کبیر، جلد ا، صفحہ ۴۷۷) (تاریخ کعبہ، صفحہ ۳۹)

۱۱۔ سلطان مراد خان عثمانی۔

امام تقی الدین فاسی نے بھی دس ہی کا ذکر کیا ہے۔ جسے ایک منظور کلام میں پیش کرتے ہیں:

بنی الكعبة الغراء عشر ذكر تهم ورتبتهم هسبالذى اخبر الثقة

ملائكة الرحمن، آدم، ابنه كذالك خليل الرحمن ثم عمالقه

و جرهم، يتلوهم قصى، قريشهم كذا ابن زبير ثم حجاج لاحقه

بعض شعراء نے اس کے متعلق اشعار لکھے ہیں:

بنى الكعبة الغراء عشر ذكرتهم ورتبتهم حسب الذى اخبر الثقه

ملائكة الرحمن، آدم، ابنه كذا خليل الله ثم الحمالقه

جرهم يتلوهم قصي فريشهم . كذا ابن الزبير ثم حجاج لاحقه
ومن بعدهم من آل عثمان قد بنى مراد حماه من كل طارقه

علامہ عمادالدین ابن کثیر علیہ الرحمۃ "قالوا اتجعل فيها من يفسدفيها" کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"زمین مکہ معظمہ کی سرزمین سے پھیلائی گئی ہے اور بیت اللہ کا سب سے پہلے ملائکہ نے طواف کیا تھا اور فرمان باری تعالیٰ: "انی جاعل فی الارض خلیفة" میں ارض سے مراد مکہ معظمہ ہی ہے۔"

(تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۷۰)

امام بغوی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل فرشتوں نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا اور زمین میں رہنے والے ملائکہ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا طواف کرنے اور حج کرنے کا حکم دیا تھا۔"

(مراۃ المفاتیح، جلد ۵، صفحہ ۲۶۳)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کعبہ شریف زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ جب زمین پیدا ہی نہیں ہوئی تھی تو کعبہ شریف کی پیدائش کیسے عمل میں آئی جب کہ یہ بھی تو زمین پر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے اس پر دو فرشتے مقرر فرما رکھے تھے جو دو ہزار سال سے دن رات اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کر رہے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمانا چاہا تو کعبہ شریف کے نیچے سے زمین کو پھیلا دیا اور کعبہ شریف زمین کے عین وسط میں واقع ہے اور یہی قول حضرت مجاہد کا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبۃ المشرفہ کو زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل پیدا فرمایا، اور پھر اس کے نیچے سے زمین پھیلا دی۔

سیدنا امام باقر علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ علی زین العابدین بن حسین بن امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے ایک آدمی نے استفسار کیا کہ بیت اللہ شریف کا سب سے پہلے طواف کس نے کیا؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ جل جلالہ نے ملائکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((انی جاعل فی الارض خلیفة))(سوره بقره)

"میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

تو ملائکہ نے عرض کی:

((اتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك))

(سورہ بقرہ)

"نئی جنس سے بننے والا خلیفہ زمین میں فساد بپا کرے گا اور خون ریزی کرے گا، یا اللہ! ہم تیری حمد وثناء کرتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

((انی اعلم ما لا تعلمون))

''جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔'' (سورہ بقرہ)

اللہ رب العزت کے اس فرمان پر ملائکہ کو گمان ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہو جائے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے عرش عظیم کے گرد طواف کرنا شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگے، جس کے باعث اللہ جل شانہ کی خصوصی رحمت نے ان پر نزول رحمت فرمایا اور عرش کے نیچے حسن و جمال میں عدیم النظیر ایک گھر رکھا جو زبرجد کے چار ستونوں پر قائم تھا اور یہ گھر بیت المعمور تھا، جس کے گرد طواف کرنے کا حکم بارگاہ خداوندی سے ملائکہ کو ہوا، اور عرش کی نسبت اس کا طواف سہل اور آسان تھا۔ بیت المعمور میں ستر ہزار فرشتے ہر روز داخل ہوتے ہیں، جسے ایک دفعہ داخل ہونا نصیب ہو گیا قیامت تک پھر اس کی باری نہیں آئے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین پر اس گھر یعنی بیت المعمور کی مانند میرا ایک گھر بناؤ تا کہ جس طرح ملائکہ بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین پر میرے بندے اس گھر کا طواف کریں اور جس طرح میں بیت المعمور کا طواف کرنے والے فرشتوں سے راضی ہو گیا ہوں، اسی طرح بیت اللہ کا طواف کرنے والے بندگان خدا سے راضی ہو جاؤں۔

چنانچہ ملائکہ نے حکم خداوندی کی تعمیل کی اور بیت اللہ تعمیر کرنے کے بعد اس کا طواف کیا اور اس عمارت کا نام ''الضراح'' رکھا اور فرشتوں نے اس کا حج بھی کیا۔ (قرطبی، جلد۲، صفحہ ۱۲۰) (اخبار مکہ، صفحہ ۵)

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ اللہ رب العزت نے جب سیدنا آدم علیہ السلام کو آسمان سے اتارا تو آپ کا نزول سرزمین ہند میں ہوا۔ آپ تنہائی کے باعث غمگین اور پریشان رہتے تھے۔ طبیعت میں قرار و سکون نہیں تھا۔ اللہ کریم نے ان کے اضطراب اور بے چینی کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ آپ مکہ معظمہ کی مقدس سرزمین میں تشریف لے جائیں۔ وہاں آپ کی طمانیت قلبی کا سامان موجود ہے۔ وہاں میرا ایک گھر ہے، آپ اس کا طواف اس طرح کریں جس طرح میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے، نماز اسی طرح پڑھیں جس طرح میرے عرش کے پاس پڑھی جاتی ہے۔

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آسمان سے سرخ یاقوت کا ایک خیمہ اتارا، جسے بیت اللہ شریف کی جگہ نصب فرما کر اپنا گھر قرار دیا۔ جب سیدنا آدم علیہ السلام کا یہاں ورود مسعود ہوا تو بیت اللہ کے دیدار سے حزن و ملال کافور ہو گیا۔ اضطراب و قلق تسکین و طمانیت میں تبدیل ہو گیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور مناسک حج ادا کئے۔ بعد ازاں ہند سے پاپیادہ چل کر چالیس مرتبہ حج ادا فرمایا۔ یہاں تک کہ طوفان نوح میں اللہ تعالیٰ نے اس یاقوتی خیمہ کو آسمانوں پر اٹھا لیا اور اسے غرق آبی سے محفوظ و مامون فرما دیا۔ یہ سرخ یاقوت کا خیمہ درحقیقت بیت المعمور تھا۔ جس کے شرقاً غرباً دو دروازے دل کو موہ لینے والے سبز زمرد کے بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے اتارا تھا۔ طوفان نوح کے وقت اللہ تعالیٰ نے اسے چوتھے آسمان پر اٹھا لیا اور وہاں ملائکہ کا قبلہ قرار دے دیا گیا۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں، مگر جو ایک دفعہ اس میں داخل ہوا، دوبارہ قیامت تک اسے داخل ہونے کی نوبت نہیں آئے گی اور یہ کعبہ شریف کے بالکل محاذات میں واقع ہے۔

(تفسیر کبیر، جلد ا، صفحہ ۴۷) (تفسیر کشاف، جلد ا، صفحہ ۲۳۳) (مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام مناسک حج سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''جس طرح حج کرنے سے ہم نے آپ کی لغزش معاف کردی ہے، اسی طرح آپ کی اولاد میں سے بھی جو شخص اس گھر کا حج کرے گا اس کے گناہ بھی معاف کر دیئے جائیں گے۔'' (اخبار مکہ، صفحہ ۱۳)

امام بیہقی علیہ الرحمۃ دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس بھیجا کہ حوا کو ساتھ لے کر میرا گھر تعمیر کریں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انہیں کعبہ شریف کی جگہ بتادی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے کھودنا شروع کیا اور سیدہ حوا مٹی نکالتی جاتی تھیں۔ بنیادوں کو پانی تک گہرا کھودا گیا۔ پھر ان پر تعمیر فرمائی۔ جب کعبہ شریف تیار ہو گیا تو اس کا طواف کرنے کا حکم ملا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوع انسانی کیلئے آپ سب سے پہلے انسان ہیں اور روئے زمین پر یہ سب سے پہلا گھر ہے۔ پھر یہ گھر نوح علیہ السلام کے زمانہ تک محفوظ و مامون رہا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اس کا حج کیا۔''

(عمدہ القاری، جلد ۹، صفحہ ۲۱۶)

امام ازرقی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کرتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام ہی نے سب سے پہلے کعبہ شریف کی بنیادیں رکھیں اور اس میں نماز ادا فرمائی تھی۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۱۰)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام آسمان سے اتر کر زمین پر آئے تو وہ ملائکہ کی پاکیزہ باتیں سننے سے محروم ہو گئے۔ دل مغموم اور اداس ہو گیا۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

''بارالہا! میں اس نعمت سے محروم ہو گیا ہوں۔''

اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

''آپ مکہ معظمہ جائیں اور وہاں میرا گھر تعمیر کر کے اس کا طواف کریں اور اس کے پاس نماز پڑھیں۔ جس طرح فرشتے میرے عرش کا طواف کرتے اور اس کے پاس نماز پڑھتے ہیں۔''

چنانچہ سیدنا آدم علیہ السلام حضرت جبرائیل امین کی رہنمائی میں مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں جبرائیل علیہ السلام نے پر مار کر کعبہ شریف کی بنیادیں ظاہر کر دیں جو انتہائی گہری تھیں۔ پھر فرشتے پانچ مختلف پہاڑوں سے بڑی بڑی وزنی چٹانیں لائے۔ جن میں سے ایک چٹان تیس آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔ حسب ذیل پہاڑوں سے فرشتے چٹانیں لائے تھے:

جبل لبنان۔ جبل طور۔

جبل زیتاء۔ جبل جودی۔ جبل حرا۔

بعد میں امتداد زمانہ اور حوادثات کے باعث وہ عمارت بنیادوں سمیت منہدم ہو گئی اور اس کے نشانات بھی مٹ گئے۔

(مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۹۲) (قرطبی، جلد ۲، صفحہ ۲۱)

یہ روایت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کعبہ شریف ملائکہ نے سب سے پہلے تعمیر کیا تھا جس کی بنیاد جبرائیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے منکشف کردی تھی۔

حضرت کعب کی روایت میں کعبہ شریف کے متعلق مذکورہ روایات کے برعکس واقعات سامنے آتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت کعب سے بیت اللہ شریف کی اصلیت اور حقیقت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ یاقوت کا بنا ہوا یہ گھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے ساتھ آسمان سے اتارا تھا اور آپ کو حکم دیا کہ اس کا اسی طرح طواف کریں جس طرح فرشتوں کو عرش کا طواف کرتے دیکھا ہے اور انہیں کی مانند اس کے پاس نمازیں پڑھیں اور اس کے ساتھ ہی فرشتوں کا نزول بھی ہوا جنہوں نے پتھروں سے بنیادیں چنیں اور ان پر یہ یاقوتی گھر نصب کر دیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو غرق کیا تو اس یاقوتی خیمہ کو آسمان پر اٹھالیا اور بنیادیں زمین میں رہ گئیں۔

(تفسیر کبیر، جلد ا، صفحہ ۴۷۴) (عمدۃ القاری، جلد ۹، صفحہ ۲۱۶) (مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۹۲)

امام ازرقی نقل فرماتے ہیں کہ وہ خیمہ جنت کے سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا۔ اس میں جنت ہی کی تین سنہری قندیلیں روشن تھیں، اور اس کے ساتھ حجر اسود بھی نازل ہوا تھا، جو انتہائی سفید جنت کا یاقوت تھا۔

(اخبار مکہ، صفحہ ۸)

حضرت عطاء کی روایت میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین ہند میں اتارا، تو آپ ملائکہ کی گفتگو سے جو جنت میں سنتے تھے محروم ہو گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ یہ محرومی کس وجہ سے ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی لغزش نے اس نعمت سے محروم کر دیا۔

بہر حال آپ مکہ مکرمہ جائیں اور وہاں میرا گھر تعمیر کر کے اس کا اسی طرح طواف کریں، جس طرح آپ نے فرشتوں کو عرش کا طواف کرتے دیکھا ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے حکم خداوندی کو پورا کر دیا اور پھر ہندوستان سے چل کر چالیس مرتبہ حج کیا۔

قدوۃ المؤرخین امام ازرقی وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ یاقوت کا وہ خیمہ جو سیدنا آدم علیہ السلام کے لئے جنت سے اتارا گیا تھا۔ آپ کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھالیا۔ تب انہی بنیادوں پر آپ کی اولاد نے مٹی اور پتھروں سے کعبہ شریف تعمیر کر دیا اور وہ عمارت طوفانِ نوح تک قائم رہی۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۱۹)

اور امام سہیلی روض الانف میں ارقام فرماتے ہیں:

''سیدنا شیث علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی سب سے پہلے تعمیر نو فرمائی تھی۔'' (روض الانف، جلد ا، صفحہ ۱۲۷)

لیکن اکثر علماء مفسرین، محدثین اور مورخین نے آدم علیہ السلام کی تعمیر ہی کا ذکر کیا ہے، اور شیث علیہ السلام کی تعمیر کا تذکرہ نہیں کیا اور یہی قول زیادہ قوی ہے۔ (تاریخ الکعبہ، صفحہ ۴۸)

امام مجاہد سے منقول ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کے زمانہ میں آنے والے طوفان نے جہاں دیگر شہروں اور بستیوں میں ہلاکت خیز تباہی مچائی، وہاں بیت اللہ شریف بھی اس کے دست تصرف سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اللہ جل شانہ نے جنت سے بھیجے ہوئے سرخ یاقوتی خیمہ کو بحفظ وامان آسمان پر اٹھالیا، مگر اس کی بنیادیں جنہیں سیدنا آدم علیہ السلام نے بنایا تھا غرق

آب ہو گئیں اور ان کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ پانی کے ریلے نے وہاں ریت اور مٹی اکٹھی کر دی۔ جو بعد میں ایک ابھرے ہوئے سرخ ٹیلے کی شکل میں مرجع عوام بن گیا۔ یہ جگہ مرتفع ہونے کی وجہ سے برساتی نالہ کے بہاؤ سے محفوظ رہتی تھی اور اسی ٹیلے پر سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے بسیرا کیا تھا۔

مظلوم و مقہور، مصیبت زدہ، بیمار اور علیل لوگ یہاں آتے اور دعا کرتے جسے اللہ کریم قبولیت سے نوازتا۔ دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کا حج کیلئے یہاں تشریف لانا بھی ثابت ہے۔ بہر حال ہزار ہا برس کے بعد اللہ رب العزت نے دو جلیل القدر نبیوں کے ہاتھوں پھر اس کی تعمیر و تزئین کا سامان فرمایا۔

(اخبار مکہ، صفحہ ۲۰)

امام ازرقی حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ سے روایت کرتے ہیں کہ طوفان نوح کے بعد کعبہ معظمہ والی جگہ ایک سرخ ٹیلہ بن گیا تھا جو بلند ہونے کے باعث سیلاب کی زد سے محفوظ تھا۔ طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود لوگ اس جگہ کو جانتے تھے اور زمین کے کونے کونے سے مظلوم اور بیمار لوگ وہاں آکر دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرماتا۔ لوگ حج کیلئے بھی دنیا کے کونے کونے سے آتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نے انہی بنیادوں پر کعبہ شریف تعمیر کیا۔

علامہ عماد الدین ابن کثیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ کشتی نوح میں اسی مرد و زن سوار تھے جن میں حضرت نوح بھی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف پھیر دیا۔ جب وہ اس مقدس سرزمین میں پہنچی تو چالیس دن تک شب و روز بیت اللہ شریف کے گرد طواف میں مصروف رہی۔ پھر حکم ربانی سے اس کا رخ جودی پہاڑ کی طرف ہو گیا، جہاں جا کر ٹھہر گئی۔ یہ پہاڑ موصل کے علاقہ میں واقع ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، صفحہ ۴۴۷) (البدایہ والنہایہ، جلد ۱، صفحہ ۱۶۳)

ایسا حیرت انگیز واقعہ صرف ایک ہی بار وقوع پذیر نہیں ہوا، بلکہ سانپوں، اونٹوں، پرندوں اور کئی دوسرے جانوروں کے طواف کرنے کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

سیدنا آدم علیہ السلام کے وصال کے ۱۲۶ سال بعد سیدنا نوح علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ سیدنا نوح علیہ السلام کے ۸۹۰ سال بعد ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ گویا کہ حضرت ابراہیم حضرت نوح کی وفات سے ۶۰ سال قبل پیدا ہو چکے تھے۔ سیدنا نوح کی ولادت کے ۶۰۰ سال بعد طوفان آیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کی ولادت سے ۲۹۰ سال قبل طوفان کا زمانہ بنتا ہے۔ طوفان نوح آنے کے ۴۰۰ سال بعد ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا۔

اس حساب سے تعمیر کعبہ کے وقت آپ کی عمر ۱۱۰ سال اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر ۲۰ سال تھی۔ آپ کے وصال کے وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ اس میں تین اقوال ہیں: ۱۷۵، ۱۹۰ یا ۲۰۰ سال۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشی میں صرف اسی آدمی تھے۔ وہ کشتی میں ایک سو پچاس دن تک ٹھہرے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا رخ کعبہ کی طرف موڑ دیا اور وہ چالیس دن تک کعبہ شریف کا طواف کرتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے جودی پہاڑ کی طرف موڑ دیا، وہاں جا کر ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوے کو بھیجا کہ جاؤ زمین کی خبر لے کر آؤ اور وہ جا کر مردار پر گر پڑا اور جلدی واپس نہ آیا۔ پھر فاختہ کو بھیجا تو وہ زیتون کے پتے لے کر آئی اور اس کے پاؤں پر مٹی لگی ہوئی

تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اندازہ لگایا کہ پانی خشک ہو گیا ہے۔ پھر آپ جودی پہاڑ کے دامن میں اتر آئے اور وہاں ایک بستی کی بنیاد رکھی جس کا نام ثمانین رکھا۔ ایک دن اچانک ان کی زبانیں بدل گئیں۔ اسی آدمیوں کی اسی زبانیں ہو گئیں۔ ان میں صرف ایک عربی بولتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی زبان سمجھنے سے بھی قاصر ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام ایک دوسرے کو مطلب سمجھاتے تھے۔ (اخبار مکہ، جلد اول، صفحہ ۵۲)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ بیت اللہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے بنایا گیا اور وہ اس کا طواف کرتے رہتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اس کے غرق ہونے سے پہلے اس کا حج کیا اور اس کی عظمت بیان کی۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ فلسطین سے مکہ معظمہ میں مقیم اپنی بیوی اور فرزند دل بند کی ملاقات کے لئے حکم الٰہی سے براق پر سوار ہو کر گاہے گاہے تشریف لاتے رہتے تھے۔ مگر اب کی بار یہ تاریخی اور آخری سفر آپ نے عظیم وجلیل مشن کی تکمیل کے لئے اختیار فرمایا تھا۔ یہ یادگار سفر اللہ رب العزت کے گھر کی تعمیر کے سلسلہ میں تھا۔ اس وقت سیدنا اسماعیل علیہ السلام بیس سال کی عمر مبارک کو پہنچ چکے تھے۔ جب پدر بزرگوار کا ورود مسعود محمود ہوا تو وہ زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھے تیر بنا رہے تھے۔ ایک طویل مدت کے بعد والد گرامی قدر کا چہرہ پرضیا کا دیدار ان کیلئے نوید مسیحا ثابت ہوا۔ جوش مسرت میں والد مکرم سے بغل گیر ہو گئے اور انتہائی تعظیم وتکریم سے خوش آمدید کہا۔

باہمی راز و نیاز کی گفت وشنید کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے گوہر مقصود سے تسلیم ورضا کے پیکر فرزند ارجمند کو آگاہ فرمایا کہ مجھے بیت اللہ شریف کی تعمیر کا عظیم الشان کام سونپا گیا ہے۔ اداشناسِ نبوت بیٹے نے الحاح وتضرع سے عرض کیا کہ ارشاد ربانی کی تعمیر میں تاخیر آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ آپ اس کی تعمیر میں جلدی سے کام لیں۔

ارشاد ہوا:

"جان پدر! اس عظیم منصوبہ کو پایا تکمیل تک پہنچانا تنہا میرے بس کا روگ نہیں، تمہیں بھی میرا دست وبازو بننا ہوگا۔"

فرماں بردار بیٹے نے عرض کیا:

"سو جان سے فدا ہوں، جو بھی ارشاد ہو سر تسلیم خم ہے۔"

تب عظمت اسلام کے تابندہ نگیں اور شوکت وجلالت کے آفتاب ومہتاب اپنے اشتراک عمل سے خانہ خدا کی تعمیر پر کمر بستہ ہو گئے۔ یہ ایسی مقدس یادیں ہیں جن سے ایک مہکتا ہوا گلستان نبوت اور سرسبز وشاداب چمن زار رسالت وابستہ ہے۔ جہاں باران رحمت سے سدا بہار پھول قیامت تک اپنا جوبن اور نکھار دکھاتے رہیں گے۔

چنانچہ دو نبیوں کے مقدس ہاتھوں اس عظیم المرتبت اور ذی شان گھر کی تعمیر کا پروگرام طے ہو گیا، لیکن یہ حقیقت ابھی منکشف نہیں ہوئی تھی کہ بیت اللہ کا حدود اربعہ کتنا ہوگا؟ کونسی دیوار کتنی طویل اور کونسا گوشہ کتنا عریض ہوگا؟ امتداد زمانہ اور سیلاب وغیرہ نے اس کے قدیم نشانات کو ملیا میٹ کر دیا تھا۔ اگرچہ لوگ اس بات سے آشنا تھے کہ اس مقام پر بیت اللہ تھا۔ اسی لئے بیمار مظلوم اور فریادی زمین کے گوشے گوشے سے یہاں آتے اور ان کی دعا کو قبولیت بھی نصیب ہوتی تھی، بلکہ حج کیلئے بھی آتے تھے، مگر جگہ کی صحیح تعین کسی کو بھی معلوم نہیں تھی۔

قدرت الٰہی سے ان معزز معماروں کی رہنمائی کے لئے اچانک ایک بدلی نمودار ہوئی۔ جس سے یہ صدا آرہی تھی کہ جس قدر طول وعرض اس بدلی کے سایہ کا ہے اسی قدر جگہ میں آپ بیت اللہ کی بنیادوں پر دیواریں کھڑی کریں۔ اس میں کمی بیشی نہ ہونے پائے۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے بنیادوں کی نشاندہی کی تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک مجسم ہوا آئی جس کا نام ریح الخجوج تھا، اس نے بیت اللہ کی جگہ کے گرد طواف کر کے اس کی حدود کو واضح کیا تھا۔ اس وقت یہ جگہ ایک ابھرے ہوئے سرخ ٹیلے کی شکل میں تھی، اور یہی بنائے آدم یا آپ پر اتارے گئے سرخ یاقوت کے خیمہ کا مقام تھا۔

خلیل اللہ علیہ السلام اور ذبیح اللہ علیہ السلام نے اس جگہ کھدائی شروع کر دی اور کچھ دیر بعد وہ قدیم بنیادیں ظاہر ہو گئیں جن پر انہوں نے تعمیر کی تکمیل کرنی تھی۔ اسماعیلؑ ذبیح اللہ مزدوروں کے بھیس میں پتھر لانے کی خدمت انجام دے رہے تھے اور خلیل اللہ معمار کی حیثیت سے اپنے مقدس ہاتھوں سے دیواریں چن رہے تھے۔ مٹی، گارا یا چونا کی مدد کے بغیر ہی پتھر پر پتھر جوڑتے چلے جا رہے تھے، وہ پتھر اس قدر بڑے اور وزنی تھے کہ تیس آدمی مل کر بھی بمشکل اٹھا سکتے تھے۔ اس تعمیر میں کام آنے والے پتھر پانچ مختلف پہاڑوں سے ملائکہ عظام لائے تھے۔ طور سینا، طور زیتا، یہ دونوں پہاڑ بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ہیں۔ کوہ لبنان، کوہ جودی اور کوہ حراء، بنیادوں میں کوہ حرا کے پتھر استعمال ہوئے۔ جب دیواروں کی بلندی کچھ زیادہ ہوگئی اور پتھر لگانے میں دشواری کا سامنا ہونے لگا، تو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے چہیتے مزدور سے فرمایا:

''کوئی ایسا پتھر تلاش کر لاؤ جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کی تکمیل بسہولت ہو جائے۔''

چنانچہ سیدنا اسماعیل کی نظر انتخاب جس پتھر پر پڑی وہی یادگار پتھر تھا جسے قرآن پاک میں ''مقام ابراہیم'' کے مبارک اعزاز سے نوازا گیا اور یہ وہی پتھر تھا جو سیدنا اسماعیل کی زوجہ مکرمہ نے حضرت ابراہیم کا سر دھوتے وقت ان کے پاؤں کے نیچے رکھا تھا۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اس پتھر کو پاڑ بنا کر تعمیر میں مشغول ہو گئے۔ اس پتھر نے مزاج کی سنگینی اور سختی کے باوجود آپ کے نقش پا کا اس قدر گہرا اثر قبول کیا کہ زمانہ کے حوادثات بھی اسے نہ مٹا سکے۔ جس جگہ پتھر پر کھڑے ہو کر آپ تعمیر فرماتے رہے وہاں پاؤں مبارک کے ٹخنوں تک گہرے نقوش نصب ہو گئے، جن کا نظارہ آج بھی مسلمان عالم بچشم خود کر رہے ہیں۔

جب دیواریں کچھ اونچی ہو گئیں تو آپ نے فرزند دلبند کو ارشاد فرمایا کہ کوئی عمدہ سا پتھر تلاش کر لاؤ جسے یہاں ایک کونے میں نصب کر دیا جائے، جو طواف کرنے والوں کیلئے ایک امتیازی نشان بن جائے۔ حسب حکم سیدنا اسماعیل علیہ السلام جب پتھر لے کر آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس جگہ کی رونق ایک ایسا پتھر بن چکا ہے جس کی روشنی شرقاً غرباً، شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی ہے۔ عرض کرنے لگے:

''ابا جان یہ پتھر کون لایا ہے؟''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''جان پدر یہ جبرئیل امین جنت سے لائے ہیں۔''

موجودہ حطیم والی جگہ سیدنا اسماعیل کی بھیڑ بکریاں باندھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی اسے بھی کعبہ شریف میں شامل کر لیا۔

مشرق کی جانب زمین کے برابر ایک دروازہ کر کھا، جس کی نہ تو چوکھٹ تھی اور نہ ہی کواڑ۔ دروازہ کے اندر دائیں جانب ساڑھے چار فٹ گہرا ایک کنواں بنایا جس میں کعبۃ اللہ پر چڑھائی جانے والی نذر و نیاز کا خزانہ جمع کیا جاتا تھا۔ یہ فقید المثال اور عظیم النظیر مکان چھت کے بغیر ہی تھا جس کی دیواریں مٹی گارے کے بغیر پتھروں پر پتھر رکھ کر بنائی گئی تھیں۔

یہ واقعات بخاری شریف میں بھی اختصار کے ساتھ مرقوم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سیدنا ابراہیم خلیل اللہ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو سیدنا اسماعیل کو چاہ زمزم کے پیچھے تیر بناتے ہوئے پایا۔ انہیں بتایا کہ مجھے بارگاہ ایزدی سے بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ہوا ہے۔ فرماں بردار بیٹے نے عرض کیا: آپ حکم ربانی کی اطاعت کیجئے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا: تمہیں بھی میرے ساتھ تعاون کا حکم دیا گیا ہے۔ عرض کرنے لگے: میں حاضر ہوں۔''

چنانچہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر شروع کر دی اور حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام پتھر دینے لگے۔ کام کے دوران دونوں باپ بیٹا بارگاہ الٰہی میں یہ دعا بھی کرتے رہے:

((ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم))

دیواریں جب بلند ہوگئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھر لگانے میں دشواری محسوس کرنے لگے تو ایک پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر مکمل کی۔ (بخاری، جلد ۱، کتاب الانبیاء، صفحہ ۴۷۶)

امام ابن کثیر ارقام فرماتے ہیں: ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے یہ دعا بھی کی تھی:

''اے اللہ! ہمیں مسلمان بنا دے۔ یعنی مخلص اور مطیع بنا، موحد بنا، شرک سے بچا، ریا کاری سے محفوظ فرما اور خشوع وخضوع کی نعمت عطا فرما۔'' (تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۱۷۸)

شیخ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اُرسے براق پر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ ان کے ساتھ سکینہ تھی جس کا منہ بھی تھا، وہ کلام کرتی تھی اور اس کے ساتھ فرشتہ بھی تھا جو انہیں بیت اللہ کی جگہ کی نشاندہی کرتا تھا۔ جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جب کہ ان کی عمر بیس سال کی تھی اور ان کی والدہ ہاجرہ کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی قبر حجر یعنی حطیم میں بنائی گئی تھی۔ آپ نے بیٹے کو حکم الٰہی سے آگاہ کیا۔ بیٹے نے دریافت کیا کہ کعبہ کس جگہ بنایا جائے گا؟ تو فرشتے نے جگہ بتا دی۔ پھر دونوں باپ بیٹا بنیادیں کھودنے لگے۔ ان کے ساتھ تیسرا کوئی بھی معاون نہیں تھا۔ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کھدائی کرتے ہوئے ان بنیادوں تک پہنچ گئے جو سیدنا آدم علیہ السلام نے بنائی تھیں تو ان میں بڑے بڑے وزنی پتھر پائے، جنہیں تیس آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔

(اخبار مکہ، صفحہ ۳۰)

اسی طرح مصنف عبدالرزاق، جلد ۵، صفحہ ۹۲ میں بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مکہ مکرمہ میں تشریف آوری کا واقعہ آرمینیا سے مذکور ہے۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر بیت اللہ کی پیمائش حسب ذیل ارقام فرمائی ہے۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۳۱)

مشرق میں: حجر اسود سے رکن عراقی تک۔ ۳۲ ذراع ۴۸ فٹ یعنی ۱۴ میٹر ۳۳ سینٹی میٹر

شمال میں: رکن عراق سے رکن شامی تک۔۲۲ ذراع ۳۳ فٹ یعنی ۱۰ میٹر

مغرب میں: رکن شامی سے رکن یمانی تک۔۳۱ ذراع، ساڑھے چھیالیس فٹ یعنی ۱۳ میٹر ۵۸ سینٹی میٹر۔

جنوب میں: رکن یمانی سے حجر اسود تک۔۲۰ ذراع ۳۰ فٹ یعنی ۹ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر

دیواروں کی بلندی ۹ ذراع ساڑھے تیرہ فٹ یعنی ۴ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر اور چوڑائی ۲ ذراع تقریباً ۳ فٹ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کی درج ذیل خصوصیات تھیں:

۱۔ حضرت ابراہیم نے سیدنا آدم کی بنیادوں پر کعبہ شریف تعمیر فرمایا۔

۲۔ آپ نے پتھر پر پتھر رکھ کر دیواریں کھڑی کیں۔ گارا، مٹی، چونا یا کوئی دوسری چیز استعمال نہیں کی۔

۳۔ آپ نے کعبہ شریف مستطیل شکل کا بنایا تھا۔

۴۔ آپ کی تعمیر میں چار رکن تھے (رکن حجر اسود، رکن عراقی، رکن شامی اور رکن یمانی) اور چاروں کا استلام کیا جاتا تھا۔

۵۔ مشرقی دیوار میں ایک ہی دروازہ تھا، جس کے نہ تو کواڑ تھے اور نہ ہی کسی دوسری چیز سے بند کیا جاتا تھا۔

۶۔ دروازہ زمین کے برابر تھا، بلندی پر نہیں تھا۔

۷۔ حطیم والی جگہ کعبہ شریف میں شامل تھی۔

۸۔ کعبہ شریف کی چھت نہیں تھی۔

۹۔ نہ ہی کعبہ شریف پر غلاف تھا۔ غلاف سب سے پہلے شاہ تبع نے چڑھایا تھا۔

۱۰۔ دیواروں کی بلندی ۹ ذراع (۱۳ فٹ ۶ انچ یعنی ۴ میٹر ۱۰ سینٹی میٹر) تھی۔

۱۱۔ دروازہ والی مشرقی دیوار ۳۲ ذراع (۴۸ فٹ ۶ انچ یعنی ۱۴ میٹر ۳۳ سینٹی میٹر) حطیم کی جانب والی دیوار ۲۲ ذراع (۳۳ فٹ یعنی تقریباً ۱۰ میٹر) اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کی دیوار ۲۰ ذراع (۳۰ فٹ یعنی ۹ میٹر ۱۵ سینٹی میٹر) رکن شامی سے رکن یمانی تک ۳۱ ذراع (ساڑھے چھیالیس فٹ یعنی ۱۳ میٹر ۵۸ سینٹی میٹر۔

۱۲۔ دروازہ کے سامنے دائیں جانب ۶۔۴ فٹ ۱۰ ایک میٹر ۷ ۳ سینٹی میٹر) گہرا گڑھا تھا۔

جس وقت سیدنا ابراہیم کو بیت اللہ شریف تعمیر کرنے کا حکم ملا، تو آپ نے جبرائیل کی نشاندہی کے مطابق ایک سرخ ٹیلہ پر کعبہ شریف تعمیر کیا تھا۔ جیسا کہ سامنے والی تصویر سے ظاہر ہے۔

اس وقت کعبہ شریف ٹیلہ پر بلند جگہ تھا اور اس کے چاروں طرف زمین پست تھی۔ یہ مقدس گھر سیلاب کے دست رس سے محفوظ تھا، لیکن اب چار ہزار سال گزر جانے کے بعد کیفیت اس کے بالکل برعکس ہو چکی ہے کہ کعبہ شریف نشیب میں واقع ہے جب کہ اس کے چاروں طرف راستے اور زمین خاصی بلند ہے۔ اس طویل عرصہ میں سیلاب پہاڑوں کی چوٹیوں، دامنوں اور اطراف سے مٹی اور بڑی بڑی چٹانیں بہا کر اس نشیبی جگہ میں برابر جمع کرتا رہا۔ چونکہ اس کے نکالنے اور راستہ صاف کرنے کا انتظام نہیں تھا، جس کے باعث نشیب، فراز اور بلندی، پستی میں تبدیلی ہو گئی۔

آج جسے چار سو سال پہلے جس وقت سیلاب کی گزرگاہ (نالہ) حرم شریف سے شمالاً جنوباً باب الزیادہ اور باب الاجیاد کی طرف تھی تو سیلاب مسلسل مٹی اور پتھر بہا کر مسفلہ کی طرف جمع کرتا رہا۔ گویا کہ دس سال کے عرصہ میں اوسطاً ایک مرتبہ سیلاب آتا رہا۔ جس سے راستے اونچے اور حرم شریف کی زمین پست ہو گئی۔ حتیٰ کہ باب ابراہیم کی طرف سے حرم شریف

میں داخل ہونے کیلئے پندرہ سیڑھیاں چڑھ کر دروازہ تک پہنچنا ہوتا تھا۔

۱۳۰۰ ہجری تک چھ سیڑھیاں مٹی میں دب چکی تھیں جب کہ سات باہر باقی تھیں، جن پر چڑھ کر لوگ اندر داخل ہوتے ہیں۔

یہ جملہ احوال آج جسے کافی عرصہ پہلے کے ہیں۔ اس وقت باہر صرف دو سیڑھیاں رہ گئی ہیں اور باقی سب مٹی میں دب چکی ہیں اور دروازہ کے اندر صحن تک جانے کیلئے تیرہ سیڑھیاں اترنا پڑتی ہیں۔ شعبان ۱۳۶۶ھ میں جب باب الزیادہ کے سامنے فرش بنایا گیا جو مٹی، بجری اور سیمنٹ سے تیار کیا گیا تھا۔ جس سے پانچ سیڑھیاں اور بھی دب گئیں اور اس طرح صرف دو باقی رہ گئیں۔ جن پر چڑھ کر لوگ حرم شریف کے دروازہ تک پہنچتے تھے۔

یہ واقعات تو کافی زمانہ پہلے کے بیان کئے گئے ہیں، لیکن سعودی حکومت نے جب حرم شریف کی توسیع اور سڑکوں کو کشادہ کیا تو باہر کی سطح اور بھی بلند ہو گئی۔ اس طرح مذکورہ بالا دروازہ کے علاوہ تمام دروازوں سے باہر صرف تین سیڑھیاں رہ گئی ہیں۔ ان پر چڑھ کر دروازہ تک پہنچ کر پھر دو متفرق جگہوں سے آٹھ سیڑھیاں اتر کر صحن حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

''اب آپ لوگوں میں اعلان کریں کہ وہ بیت اللہ شریف کا حج کرنے کو آئیں۔''

آپ نے عرض کیا:

''پروردگار! یہاں تو دور دور تک انسانی آبادی کا نام و نشان نہیں ہے، یہ تو جنگل اور چٹیل میدان ہے اور جہاں آبادی ہے وہاں تک میں اپنی نحیف آواز کیسے پہنچا سکتا ہوں۔؟''

فرمان ذی شان ہوا:

((علیك الاذان وعلی البلاغ))

''آپ کے ذمے صرف اعلان کرنا ہے، ساری دنیا میں اسے پہنچانا اور پھیلانا ہماری ذمہ داری ہے۔''

چنانچہ سیدنا ابراہیم مقام ابراہیم پر کھڑے ہو گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس قدر بلند ہو گیا کہ جبل ابی قبیس کی بلندی بھی اس کے سامنے ہیچ تھی۔ بعض روایات کے مطابق جبل ابی قبیس یا کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر دائیں بائیں اور شرقاً غرباً بلند آواز سے اعلان فرمایا:

''اے لوگو! پروردگار نے اپنا گھر بنایا ہے، لہٰذا تم اس کا حج کرنے کے لئے آؤ۔''

اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس آواز کو زمین و آسمان کی تمام مخلوق نے سنا، یہ صدا چار دانگ عالم میں گونج گئی۔ نہ صرف دنیا میں موجود انسانوں کے کانوں تک یہ دلربا اور ایمان افروز آواز پہنچی بلکہ عورتوں کے ارحام اور مردوں کی اصلاب میں بھی جو بچے تھے اور جو قیامت تک پیدا ہونے والے تھے، بطور معجزہ ان سب تک یہ آواز پہنچا دی گئی۔ اللہ کریم نے جس کی قیمت میں اس مبارک گھر کی زیارت سے مشرف ہونا لکھا تھا، ان سب نے اس آواز پر لبیک کہا، جس کے مقدر میں دو مرتبہ حج کی سعادت تھی اس نے دو دفعہ اور جس کی قسمت میں تین یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ لبیک کہا۔ یہاں تک کہ درختوں، پتھروں، پہاڑوں اور ہر ایک چیز نے اس آواز پر لبیک کہا، لیکن جن لوگوں نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی دعوت پر لبیک نہیں کہا وہ شومئی قسمت اور اپنی بدبختی کے باعث حج کی لازوال نعمت سے محروم رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

((وارنا منا سکنا و تب علینا انك انت التواب الرحیم))

''اے اللہ! ہمیں حج کے مناسک سکھا دے اور ہم پر توبہ ڈال دے، بیشک تو توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔''

حج کے اعلان عام کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی مذکورہ بالا دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور حج بیت الحرام کا حکم دیا۔ جبرئیل امین کی رہنمائی میں آپ نے پہلے کعبہ شریف کا طواف کیا، پھر صفاء مروہ کے درمیان سعی کی۔ بعد ازاں منی کو تشریف لے گئے۔ آپ جب مقام عقبہ کے قریب ایک درخت کے پاس پہنچے تو شیطان سامنے آ کھڑا ہوا۔ آپ نے سات کنکریوں سے اس کی تواضع کی اور ہر ایک کنکری مارتے وقت تکبیر پڑھتے جاتے تھے۔ وہاں سے شیطان غائب ہو کر تھوڑی دیر بعد جمرہ ثانیہ کے پاس راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے پھر تکبیر کہتے ہوئے اسے سات کنکریاں ماریں۔ وہ خبیث وہاں سے بھاگ کر تیسرے جمرہ کے پاس پھر سامنے آ گیا۔ وہاں بھی تکبیر کے ساتھ سات کنکریاں ماریں۔ بالآخر اسے اپنی بے بسی کا یقین ہو گیا اور وہ ذلیل وخوار ہو کر روپوش ہو گیا۔

آپ چلتے چلتے میدان عرفات میں پہنچ گئے، جسے اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اوصاف کے مطابق پا کر آپ نے پہچان لیا۔ اسی وجہ سے اس میدان کو عرفات کہا جاتا ہے۔ دن بھر وہاں ٹھہرنے کے بعد شام ڈھلے مزدلفہ کے قریب پہنچ گئے۔ رات وہاں بسر فرمائی اور صبح وہاں سے منیٰ تشریف لے گئے اور جن تین مقامات پر شیطان دکھائی دیا تھا، وہاں سات سات کنکریاں ماریں اور منیٰ میں قیام کیا۔ جبرائیل نے آپ سے کہا کہ ارکان حج ادا کرنے کے بعد منیٰ کے مقام پر ہی حجامت بنائی جائے گی۔ آخر ارکان حج سے فارغ ہو کر وطن واپس تشریف لے گئے۔

چنانچہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اختیار کردہ طریقہ کے مطابق اسلام نے بھی مناسب حج ادا کرنے کا حکم دیا۔ گویا انہیں بنیادوں پر اسلام کی عمارت کھڑی کی گئی۔

(فتح الباری، جلد ۳، صفحہ ۳۲۴) (تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۱۸۳) (تفسیر ابن جریر، جلد ۱)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کعبہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہو کر اس کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو نفل ادا کیے۔ اتنے میں جبرائیل تشریف لائے اور آپ کو صفا مروہ کی سعی کرائی۔ پھر منیٰ اور مزدلفہ میں لے گئے۔ منیٰ میں تین جگہ شیطان نظر آیا تو جبرائیل نے آپ سے کہا کہ تکبیر کے ساتھ اسے سات کنکریاں ماریں۔ بعد میں آپ عرفات تشریف لے گئے۔

شیخ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ سیدنا ابراہیم نے سیدنا اسماعیل اور قبیلہ جرہم کے جو مسلمان وہاں موجود تھے، ان سب کی معیت میں ارکان حج ادا فرمائے۔ آپ نے منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور دوسرے دن صبح کی نماز ادا فرمائی، اور جب سورج طلوع ہو گیا، تو آپ عرفات میں تشریف لے گئے۔ وہاں مسجد نمرہ کی جگہ قیام فرمایا اور ظہر وعصر جماعت کے ساتھ اکٹھی مسجد ابراہیم والی جگہ ادا فرمائی اور پھر موقف کی طرف تشریف لے گئے۔ موقف وہ مقام ہے جہاں امام کھڑا ہوتا ہے۔ پھر جب سورج غروب ہو گیا تو آپ نے مزدلفہ میں قدم رنجہ فرمایا۔ وہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کیں۔ اگلے روز صبح صادق کے بعد نماز با جماعت ادا فرمائی۔ پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کو روانہ ہو گئے اور وہاں رمی کی۔

مناسک حج سے فراغت کے بعد آپ ﷺ اپنے وطن ملک شام تشریف لے گئے اور وہاں وصال فرمایا۔ (اخبار مکہ، صفحہ ۳۶)

مؤرخین لکھتے ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ پتھروں کو جوڑ کر بنایا۔ اس میں کوئی چونا یا مٹی نہیں لگائی گئی۔ اس کے اندر دائیں جانب ایک گہرا گڑھا کھودا جو کنوئیں کی مانند تھا۔ جو کچھ خانہ کعبہ کو بطور ہدیہ پیش کرتے وہ اس میں ڈالا جاتا تھا۔ وہ اس کے لئے خزانہ کا کام دیتا تھا۔ اس کی گہرائی علامہ ازرقی کے بیان کے مطابق ۳ ہاتھ تھی۔ کعبہ شریف کی نہ تو چھت تھی اور نہ ہی دروازہ۔ لکڑی وغیرہ کسی قسم کا دروازہ نہیں تھا۔ ہاں شرقی دیوار میں تھوڑی سی جگہ خالی چھوڑی گئی تھی۔ یہ دروازے کی جگہ تھی۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی تھی کہ یہ بیت اللہ کا چہرہ ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت لوگ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ خیانت اور چوری وغیرہ جرائم سے بے خبر تھے۔ ان کے مال، سونا اور چاندی کی کبھی چوری نہیں ہوتی تھی۔ ان کے مکانات بھی ہمارے زمانہ کے محلات کی طرح مضبوط اور بلند نہیں تھے۔ سب سے پہلے اسعد حمیری نے خانہ کعبہ کا دروازہ بنایا جو بند کیا جاسکتا تھا۔ وہ یمن کے تبع بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت سے بہت پہلے کی ہے۔ اس شخص نے سب سے پہلے خانہ خدا کو غلاف پہنایا اور وہیں قربانی دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مندرجہ ذیل پانچ پہاڑوں سے خانہ کعبہ کو بنایا:

۱۔ طور سینا۔ ۲۔ طور زیت۔

۳۔ لبنان۔ ۴۔ جودی۔ ۵۔ حراء۔

اول الذکر دونوں پہاڑ بیت المقدس کے ہیں۔ فرشتے ان پہاڑوں سے پتھر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام انہیں اٹھا اٹھا کر پتھر دیتے تھے۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی بنیاد پر خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔ اس کی بنیاد جبل حراء کے پتھروں سے بنائی گئی۔ یہ پہاڑ مکہ سے شمال مشرق میں واقع ہے۔ فرشتے پتھر لا کر اس میں پھینکتے رہے۔ اس کا نام قواعِ رکھا گیا۔ آپ نے خانہ کعبہ کے صرف دو رکن بنائے، ایک کا نام رکن اسود ہے اور دوسرے کا نام رکن یمانی ہے۔ حجر اسماعیل کی جانب رکن نہیں بنائے گئے، بلکہ نصف دائرہ کی شکل میں اسے مدور کر دیا گیا جس طرح حجر اسماعیل کی دیوار ہے۔ نیز حجر اسماعیل کے پہلو میں ایک چھپر ڈال دیا گیا جو پیلو کے درخت سے بنایا گیا تھا۔ حضرت اسماعیل کی بکریاں اس میں داخل ہوتیں اور ان کے لئے یہ پناہ گاہ کا کام دیتا تھا۔ دروازہ کو زمین سے ملا دیا لیکن اس کی شکل دروازہ کی نہیں تھی۔ زمین سے آسمان کی طرف اس کی بلندی ۹ ہاتھ کر دی اور سامنے کی دیوار جس میں دروازہ ہے اس کا عرض ۳۲ ہاتھ کر دیا اور اس کے بالمقابل دیوار کا عرض ۳۱ ہاتھ بنایا۔ اس دیوار کا عرض جس میں میزاب رحمت ہے، ۳۱ ہاتھ بنایا اور اس کے بالمقابل دیوار کا عرض ۲۰ ہاتھ کر دیا۔ (اخبار مکہ، جلد ۱، صفحہ ۵۹ تا ۶۶)

چونکہ حجر اسماعیل مدور تھا اس لئے مناسب تھا کہ کعبہ کی دیوار جو حجر کے بالمقابل ہو وہ بھی مدور ہو۔ یہاں پر حدود بیت

اللہ ختم ہو جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

ایک روایت میں ہے:

جب حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ بیت الحرام تعمیر کرو تو وہ آرمینیا سے براق پر آئے۔ ان کے ہمراہ سکینہ تھی۔ اس کا منہ تھا، وہ باتیں کرتی تھی۔ یہ ٹھنڈی ہوا کے بعد آئی۔ اس کے ہمراہ ایک فرشتہ جو بیت اللہ کی جگہ بتانے آیا تھا، حتیٰ کہ وہ مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام موجود تھے۔ ان کی عمر اس وقت بیس سال کی تھی۔ ان کی والدہ وفات پا چکی تھی اور حجر کے مقام میں دفن کی گئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتلایا کہ اے اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کا گھر بناؤں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: کس مقام پر؟ تو فرشتے نے اس مقام کی طرف اشارہ کیا۔ یہ حکم سن کر دونوں اٹھے اور بنیادیں کھودنے لگے۔ ان دونوں کے علاوہ وہاں پر اور کوئی نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم نے اس کی بنیادیں تک کھودیں۔ بنیادیں کھودتے ہوئے ایک پتھر اور ہڈیاں ملیں۔ یہ پتھر اتنا بھاری تھا کہ تمیں آدمی مل کر بھی اسے نہیں اٹھا سکتے تھے۔ پھر حضرت آدم کی بنیاد پر خانہ کعبہ تعمیر کیا گیا۔ پھر سکینہ نے گھیر لیا۔ اس کی شکل سانپ جیسی تھی۔ اس نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ خانہ کعبہ کی بنیاد مجھ پر رکھو۔ آپ نے اس پر بنیاد رکھی۔ اس لئے اس کا جو بھی طواف کرتا ہے خواہ وہ کعبہ سے نفرت کرنے والا یا متکبر اور سرکش آدمی کیوں نہ ہو اس پر سکینہ (رحمت الٰہی) واقع ہوتی ہے۔ آپ نے بیت اللہ کو تعمیر کیا۔ اس کا طول آسمان کی جانب ۹ ہاتھ اور عرض زمین پر ۳۲ ہاتھ ہے۔ یہ حجر اسود سے رکن شامی تک ہے جو حجر اسماعیل کے سامنے ہے۔ رکن شامی سے رکن غربی تک جس میں حجر واقع ہے، ۲۲ ہاتھ ہے۔ اس کا طول پچھلی جانب رکن عربی سے رکن یمانی تک ۳۱ ہاتھ ہے۔ رکن اسود ہے رکن یمانی تک ۲۰ ہاتھ ہے۔ (اخبار مکہ)

کعبہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ کعب کی شکل کے مانند ہے۔ اس طرح حضرت آدم کی بنیاد کو مضبوط کیا اور ایک دروازہ بنایا جو زمین سے ملا دیا۔ اس دروازے کے کوئی کواڑ نہیں تھے۔ حتیٰ کہ تبع سعد حمیری نے دروازہ بنایا اور ایرانی طرز کے کنڈے لگائے اور مکمل غلاف دیا۔ پھر اس کے پاس قربانی دی۔ حضرت ابراہیم نے بیت اللہ کے پہلو میں حجر اسماعیل پر ایک چھپر ڈال دیا۔ چھت پر پیلو کے درخت کی لکڑی لگائی گئی۔ اس میں بکریاں داخل ہوتی تھیں۔ یہ حضرت اسماعیل کی بکریوں کے لئے پناہ گاہ تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کے اندر ایک کنواں کھودا۔ جب کوئی شخص کعبہ شریف میں داخل ہوتا تو اس کی دائیں جانب ہوتا تھا۔ یہ بیت اللہ کا خزانہ تھا۔ اس میں تحفے اور ہدایا رکھے جاتے تھے۔ یہ وہی کنواں ہے جس پر عمرو بن لحی نے ہبل بت رکھا تھا۔ یہ وہ بت تھا جس کی قریش پوجا پاٹ کرتے تھے اور اس کے پاس آکر تیر نکالتے تھے۔ یہ جزیرہ کی زمین سے یہاں لایا گیا۔

حضرت ابراہیم پتھر لگاتے تھے اور حضرت اسماعیل اپنی گردن پر اٹھا کر آپ کے پاس لاتے تھے۔ جب دیواریں بلند ہو گئیں تو مقام ابراہیم کا پتھر نزدیک کیا گیا۔ آپ اس پر کھڑے ہو کر دیواریں تعمیر کرنے لگے اور حضرت اسماعیل بیت اللہ کے کناروں میں پتھر کو پھیرتے رہے۔ پھر جب حجر اسود کے مقام پر پہنچے تو حضرت ابراہیم نے کہا کہ ایک ایسا پتھر تلاش کرو جو لوگوں کے لئے طواف شروع کرنے کا نشان بن جائے۔ حضرت اسماعیل ایسا پتھر تلاش کرتے رہے، لیکن نہ مل سکا۔ جب واپس آئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے

پہلے یہ پتھر لا چکے تھے۔ جب اللہ تعالی نے حضرت نوح کے زمانے میں زمین کو غرق کیا تو یہ پتھر ابو قبیس پہاڑ کے سپرد کیا اور اسے حکم دیا کہ جب میرا خلیل یعنی حضرت ابراہیم میرے گھر کی تعمیر کرے تو اس پتھر کو باہر نکال دو۔ حضرت اسماعیل واپس آئے اور حضرت ابراہیم کے پاس حجر اسود دیکھ کر پوچھا: ابا جان! یہ کہاں سے ملا؟ جواب دیا: وہ لایا ہے جس نے مجھے تیرے پتھر پر بھروسہ سے بے نیاز کر دیا۔ اسے حضرت جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں۔ جب حضرت جبرائیل نے پتھر اس کی جگہ پر رکھا تو حضرت ابراہیم نے تعمیر کے کام کو مکمل کر دیا۔

حجر اسود اس وقت اتنا سفید تھا کہ چمک رہا تھا۔ اس کی روشنی مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب حرم کی حدود تک پہنچی تھی جو حرم کے چاروں طرف تھی۔ اس کے سیاہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ دور جاہلیت اور دور اسلام میں کئی دفعہ آگ کی لپیٹ میں آیا۔ زمانہ جاہلیت میں اس کو آگ لگنے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک عورت نے قریش کے زمانہ میں کعبہ میں اگربتی جلائی۔ اس سے ایک شعلہ اڑا اور غلاف پر جا پڑا۔ اس سے حجر اسود جل کر سیاہ ہو گیا اور کعبہ کی دیواریں بوسیدہ ہو گئیں۔ اس لئے قریش نے خانہ کعبہ کو منہدم کر کے دوبارہ از سر نو تعمیر کیا۔

دور اسلام میں آگ لگنے کا واقعہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں پیش آیا۔ وہ یوں ہوا کہ حصین بن نمیر کندی نے اس کا محاصرہ کیا۔ اس سے غلاف کعبہ اور حجر اسود جل گئے اور یہ پتھر تین مقامات سے پھٹ گیا۔ پھر حضرت شعبہ زبیر نے اس پر چاندی لگا کر مضبوط کیا۔ مذکورہ وجوہات اور گناہگاروں کے چھونے کی وجہ سے یہ سیاہ ہو گیا۔ اگر حجر اسود جاہلیت کی نجاسات سے ملوث نہ ہوتا اور مشرکین اور گنہگار لوگ اسے نہ چھوتے تو جب مصیبت زدہ اسے چھوتا اس کی مصیبت دور ہو جاتی۔

سعید بن سالم نے ابن جریج سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کیا۔ نیز بتایا کہ وہ مکعب ٹخنے کی مانند ابھرا ہوا ہے، اس لئے اسے کعبہ کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ پر چھت نہیں ڈالی تھی اور نہ ہی اینٹوں کو مٹی اور چونا وغیرہ سے جوڑا تھا بلکہ وہ تو پتھر جوڑے ہوئے تھے۔

وہب بن منبہ نے خبر دی کہ جب اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی بنا کر مبعوث کیا تا کہ آپ اللہ کا گھر بنائیں تو آپ نے پہلی بنیاد کو تلاش کیا جو حضرت آدم علیہ السلام نے خیمہ کی جگہ رکھی تھی۔ یہ وہ خیمہ تھا جس سے حضرت آدم علیہ السلام کو سکون حاصل ہوا۔ یہ جنت کا ایک خیمہ تھا۔ اسے مکہ معظمہ میں بیت الحرام کی جگہ رکھا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم بنیادیں کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ حتی کہ حضرت آدم کے زمانہ کی بنیاد تک پہنچ گئے جہاں خیمہ رکھا ہوا تھا۔ جب وہاں پہنچے تو اللہ تعالی نے بیت اللہ کی جگہ ایک بادل کا سایہ کر دیا اور یہ بیت اللہ کی جگہ کو گھیرے ہوئے تھا۔ پھر اس کو اس نے گھیرے رکھا حتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے سایہ سے فائدہ اٹھاتے اور بنیادوں کے سلسلہ میں اس سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بنیادیں اونچی ہو گئیں پھر بادل چھٹ گیا۔ یہ ہے اللہ تعالی کے اس قول کا مطلب ''واذ بوانا لا براهيم یعنی بادل جس نے اس جگہ کر گھیر رکھا تھا تا کہ بنیادوں کی جگہ معلوم ہو جائے، تو یہ جب سے تعمیر ہوا ہے آباد رہا ہے۔

اللہ تعالی کے فرمان:

((فيه آيات بينات مقام ابراهيم ومن دخله كان امنا)).

''کعبہ میں واضح نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہوا امن والا ہوا۔''

کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''خانہ کعبہ سب سے پہلا گھر نہیں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام مکانات میں رہتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مکانات میں رہائش پذیر تھے، لیکن وہ پہلا گھر ہے لوگوں کے لئے جس میں کھلی اور واضح نشانیاں ہیں۔ منجملہ ان سے ایک نشانی مقام ابراہیم کا پتھر بھی ہے، جو اس میں داخل ہوگا اسے امن ہوگا۔ نشانیاں یہ ہیں کہ حضرت ابراہیم کو بیت اللہ تعمیر کرنے کا حکم ہوا، لیکن انہیں مشکل نظر آیا۔ انہیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ خانہ کعبہ کو کیسے بنائیں۔ چنانچہ اللہ تعالی نے سکینہ بھیجی وہ ایک تیز و تند ہوا تھی، اس کا سر تھا، اس نے طوق پہنا ہوا تھا۔ وہ حوض کے کناروں میں خشک شدہ پانی کی طرح نظر آ رہی تھی۔ حضرت ابراہیم نے اس پر بنیاد رکھی۔ آپ پر روز سارا دن کام کرتے تھے۔ اس وقت مکہ معظمہ میں گرمی پورے جوبن پر تھی۔ جب آپ حجر اسود کے مقام پر پہنچے تو حضرت اسماعیل سے فرمایا: جاؤ! ایک پتھر تلاش کر کے لاؤ، اسے یہاں پر رکھنا ہے تاکہ لوگ اس سے راہنمائی حاصل کریں۔ چنانچہ حضرت اسماعیل پہاڑوں میں گھومتے پھرے لیکن حسب منشاء پتھر نہ مل سکا۔ جب واپس آئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے پہلے حجر اسود لا چکے تھے۔ پوچھا: یہ پتھر کہاں سے ملا ہے؟ جواب دیا: اس آدمی سے جس نے میری اور تیری بنیاد پر بھروسہ نہیں کیا۔ پھر کچھ وقت کے بعد بیت اللہ شریف منہدم ہوگیا تو فرشتوں نے اسے تعمیر کیا۔ پھر منہدم ہوگیا تو قبیلہ بنو جرہم نے اسے تعمیر کیا۔ پھر ایک مرتبہ منہدم ہوگیا تو قریش نے اسے بنایا۔ جب حجر اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو قریش کا آپس میں نزاع پیدا ہوگیا۔ بالآخر اس بات پر متفق ہوگئے کہ جو آدمی ہمارے پاس سب سے پہلے اس دروازے سے داخل ہوگا، اسے پتھر نصب کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ چنانچہ ان کے فیصلہ کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: ایک کپڑا بچھاؤ۔ جب کپڑا بچھایا گیا تو آپ نے اس پر حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے رکھا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ ہر قبیلہ کا ایک آدمی چادر کا ایک کنارہ پکڑ لے۔ چنانچہ وہ اس طرح حجر اسود کو اٹھا کر خانہ کعبہ کے پاس لے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھا کر خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب کر دیا۔''

ابوالولید ازرقی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت کعب سے کہا کہ مجھے بیت اللہ شریف کی خبر دو۔ کعب نے کہا کہ اللہ تعالی نے آسمان سے ایک مجوف یاقوت حضرت آدم کے ہمراہ اتارا اور فرمایا: اے آدم! یہ میرا گھر ہے، اسے میں نے تیرے ہمراہ اتارا ہے۔ اس کے اردگرد یوں طواف ہوگا جس طرح میرے عرش کے اردگرد طواف ہوتا ہے اور اس کے اردگرد یوں نماز پڑھی جائے گی جس طرح میرے عرش کے اردگرد نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس کے ہمراہ فرشتے اترے۔ انہوں نے اس کی بنیادیں بلند کیں۔ پھر بیت اللہ شریف کو رکھا۔ پھر حضرت آدم اس کے گرد طواف کرتے رہے اور نماز بھی پڑھتے رہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی قوم کو غرق کیا تو اسے اوپر اٹھا لیا گیا اور اس کی بنیادیں باقی رہ گئیں۔''

کعبۃ اللہ سن آٹھ ہجری فتح مکہ کے سال مسلمانوں کا قبلہ مقرر رہا۔

تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ بیت اللہ شریف ۳ ہجری میں مسلمانوں کا قبلہ مقرر رہا۔

سیدنا علی سے مروی ہے کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت کعبہ جب منہدم ہوگئی تو پھر بنو جرہم نے اسے ازسرنو تعمیر کیا۔ مگر جب وہ بھی منہدم ہوگئی تو عمالقہ نے اسے بنایا۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کے فرزند ارجمند نابت کعبہ شریف کے متولی بنے اور ان کے انتقال کے بعد نانا مضاض بن عمر متولی ہوئے اور بنو اسماعیل ننھیالی رشتہ کی وجہ سے ان کے مطیع ہو گئے۔ اس طرح بنو جرہم اور بنو اسماعیل پر مضاض سلطنت کرنے لگا۔ ان کی تعداد کثیر اور اسلحہ بے شمار تھا۔ یہ لوگ جبل قعیقعان پر مقیم تھے، جو مکہ مکرمہ کا مشہور پہاڑ ہے۔ یہ جبل ابی قبیس کے سامنے شمال مغرب کو واقع ہے۔ اس زمانہ میں تجارتی قافلے بھی اسی پہاڑ پر قیام کیا کرتے تھے۔ مکہ معظمہ کے بالائی حصہ میں واقع ہونے کی بنا پر بارش کے سیلاب سے محفوظ ترین جگہ تھی۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ جب شاہ تبع مکہ مشرفہ میں آیا تو اس نے اسی پہاڑ کے دامن میں ایک بہت بڑی دعوت کی تھی۔ جس میں بے شمار جانور ذبح کیے اور فج کا اسلحہ بھی اسی مقام پر جمع کیا تھا۔ اسی سبب سے اس پہاڑ کا نام قیعقعان پڑ گیا۔ جرہم کا بادشاہ مضاض اسی پہاڑ پر براجمان تھا اور اس کے مخالفین بنو عمالقہ کا بادشاہ سمیدع نشیبی علاقہ میں تھا۔ ان دونوں کے مابین زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں جرہم عمالقہ پر غالب آ گئے اور صدیوں مکہ مکرمہ پر ان کی حکومت قائم رہی۔ ان کے دور حکومت میں ایک مرتبہ زبردست سیلاب آیا جس سے کعبہ شریف منہدم ہوگیا۔ بنو جرہم نے اسے ازسرنو تعمیر کیا۔ اس سے قبل کعبہ شریف کے دروازہ کے کواڑ نہیں تھے۔ انہوں نے کواڑ بھی بنائے اور کواڑ نہ ہونے کی وجہ سے متعدد بار کعبہ شریف کا خزانہ چوری ہوتا رہا۔ اس لئے انہوں نے چابی تالے کا انتظام بھی کیا۔ ایک مرتبہ ایک ڈاکو چوری کی نیت سے کعبہ شریف کے کنوئیں میں اترا ہی تھا کہ ایک بڑی چٹان کنوئیں کے منہ پر آ پڑی اور چور کنوئیں میں بند ہوگیا۔ جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے چٹان ہٹا کر چور کو باہر نکالا۔ چابی تالے کا انتظام ہونے کے ساتھ ہی ایک قدرتی انتظام بھی ہوگیا کہ ایک بہت بڑا سانپ اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا، جس نے خزانے کی حفاظت کیلئے کنوئیں پر ڈیرہ ڈال لیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سانپ پانچ سو سال تک کعبہ شریف میں رہا اور قریش کی تعمیر کے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بہت بڑا پرندہ آیا اور اسے اٹھا کر لے گیا۔

مؤرخین کے درمیان اس امر میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ کعبہ شریف کی تعمیر پہلے عمالقہ نے کی یا جرہم نے۔ مؤرخ شہیر علامہ ازرقی عمالقہ کی تعمیر جرہم سے پہلے بیان فرماتے ہیں۔ اسی طرح علامہ طبری نے اپنی کتاب ''القری'' میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ جب کہ امام فاکہی جرہم کی تعمیر عمالقہ سے پہلے ہونے کے قائل ہیں۔ امام تقی الدین فاسی بھی اس کے موید ہیں۔ چونکہ دونوں قومیں ہم عصر تھیں اور ان کے مابین مدتوں زبردست جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہا، جس کے باعث مورخین ان کی تعمیر کے تقدیم و تاخیر میں مختلف فیہ ہیں۔

علامہ طاہر کردی ارشاد فرماتے ہیں کہ واقعات اور قرائن سے جرہم کی تعمیر عمالقہ سے پہلے ثابت ہوتی ہے۔ جرہم ہی مکہ معظمہ میں پہلے قیام پذیر ہوئے اور پھر انہیں میں سیدنا اسماعیل نے شادی کی تھی۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب بیت اللہ شریف تعمیر فرمایا تو اس وقت وہاں کی آبادی قبیلہ بنو جرہم کے چند افراد پر مشتمل تھی، مگر دعائے ابراہیمی کی تاثیر اور بیت اللہ شریف کی مقناطیسی کشش سے لوگ پروانہ وار ہر سمت اور ہر جہت

سے آنے شروع ہو گئے۔ پہلے پہل بیت اللہ شریف کے اردگرد نہ تو کوئی چاردیواری تھی اور نہ ہی مکانات، بلکہ اس کی تمام اطراف کھلی پڑی تھیں جو لوگ وہاں آباد ہوئے وہ کعبہ شریف کی تعظیم و تکریم اور ادب واحترام کی وجہ سے وہاں مکان نہیں بناتے تھے بلکہ پہاڑوں کے دامن اور نالوں کے کنارے جھونپڑیوں اور خیموں میں رہتے تھے۔ وہ لوگ بیت اللہ شریف کے جلال، عظمت اور ہیبت سے خائف تھے۔ اس کے قریب رہائش رکھنے میں ہلاکت کا خطرہ محسوس کرتے تھے۔ دن ہی دن میں اس کی زیارت کرتے اور رات حدود حرم سے باہر جا کر بسر کرتے۔ یہی طریقہ جرہم اور عمالقہ کے زمانہ میں بھی رہا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((وبشرناه باسحاق نبياً من الصالحين وباركنا عليه وعلى اسحاق ومن ذريتهما محسن وظالم لنفسه مبين)) (سورۃ الصافات: 112-113)

''اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحٰق کی، وہ نبی ہوگا صالحین میں سے ہوگا۔ اور ہم نے برکتیں نازل کی اس پر اور اسحٰق پر اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا۔''

یہ بشارت حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کو اس وقت دی گئی جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی کافر، فاسق وفاجر قوم کو تباہ کرنے کی خاطر مدائن جا رہے تھے اور کچھ وقت کے لیے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ٹھہر گئے تھے۔

ارشاد ربانی ہے:

((ولقد جاء ت رسلنا ابرهيم بالبشرى قالوا سلماً قال سلمٌ فما لبث ان جاء بعجلٍ حنيذ فلما رأ ايديهم لا تصل اليه نكرهم واوجس منهم خيفة قالوا لاتخف انا ارسلنا الى قوم لوط وامرأته قائمة فضحكت فبشرنها باسحق ومن ورآء اسحق يعقوب قالت يويلتى الد وانا عجوز وهذا بعلى شيخاً ان هذا لشىء عجيب قالوآ اتعجبين من امر الله رحمت الله وبركته عليكم اهل البيت انه حميد مجيد)) (سورۃ ھود: 69-73)

''اور بلاشبہ آئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر انہوں نے کہا: آپ پر سلام ہو۔ آپ نے فرمایا: تم پر بھی سلام ہو، پھر آپ جلدی لے آئے ایک بچھڑا بھونا ہوا۔ پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے کھانے کی طرف تو اجنبی خیال کیا انہیں اور دل ہی دل میں ان سے اندیشہ کرنے لگے۔ فرشتوں نے کہا: ڈریئے نہیں۔ ہمیں تو بھیجا گیا ہے قوم لوط کی طرف۔ اور آپ کی اہلیہ (سارہ) پاس کھڑی تھیں۔ وہ ہنس پڑیں تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحٰق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔ سارہ نے کہا: حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بلاشبہ یہ تو عجیب وغریب بات ہے۔ فرشتے کہنے لگے: کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے اہل بیت! بیشک وہ خوبیوں والا اور بڑی شان والا ہے۔''

ارشاد فرمایا:

((ونبئهم عن ضيف ابراهيم اذ دخلوا عليه فقالوا سلماً قال انا منكم وجلون ...... ومن يقنط من رحمة ربه الا الضآلون))(سورة الحجر :51-56)

''اور بتایئے انہیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: آپ پر سلام ہو۔ آپ نے کہا: (اے اجنبیو!) ہم تو تم سے خائف ہیں۔ مہمانوں نے کہا: مت ڈریئے! ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا۔ آپ نے کہا: کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے۔ پس یہ کیسی خوشخبری ہے۔؟ وہ بولے: ہم نے تو آپ کو سچی خوشخبری دی، پس نہ ہو جایئے آپ مایوس ہونے والوں سے۔ آپ نے فرمایا: کون ناامید ہوتا ہے اپنے رب کی رحمت سے، بجز گمراہوں کے۔''

سورت ذاریات میں فرمایا:

((هل اتاك حديث ضيف ابرهيم المكرمين اذ دخلوا عليه فقالوا سلماً قال سلامٌ قوم منكرون فراغ الى اهله فجاء بعجل سمين فقربه اليهم قال الا تاكلون فاوجس منهم خيفة قالو الا تخف وبشروا بغلم عليم فاقبلت امرأته فى صرة فصكت وجهها وقالت عجوز عقيم قالوا كذلك قال ربك انه هو الحكيم العليم))(سورة ذاريات :24-30)

''کیا پہنچی ہے آپ کو خبر ابراہیم کے معزز مہمانوں کی۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: تم پر بھی سلام ہو۔ بالکل انجان لوگ ہیں۔ پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک موٹا تازہ بچھڑا بھنا ہوا لے آئے۔ لاکر ان کے قریب رکھ دیا، فرمایا: کھاتے کیوں نہیں۔ پس دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے۔ وہ بولے: ڈریئے نہیں اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی۔ پس آئی آپ کی بیوی اور فرط حیرت سے ہاتھ رکھا منہ پر اور بولی: میں بوڑھی بانجھ۔ انہوں نے کہا: ایسا ہی تیرے رب نے فرمایا ہے، بے شک وہی بڑا دانا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

آنے والے فرشتے تین تھے۔ جبریل میکائیل اور اسرافیل۔ وہ خلیل علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اور آپ نے انہیں مہمان سمجھا اور ان کی خاطر مدارت کرنے لگے۔ اپنے مویشیوں سے ایک موٹا تازہ جوان بچھڑا چن کر اسے ذبح کر کے اچھی طرح بھونا، پھر مہمانوں کے لیے دستر خوان پر چن دیا، لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ تو کھانے کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھا رہے ہے تو آپ ڈر گئے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں آپ کے خوف کو بیان کرتے ہوئے واوجس منھم خیفۃ کہا گیا، لیکن جب فرشتوں نے دیکھا کہ خلیل اللہ علیہ السلام ڈر رہے ہیں تو کہنے لگے کہ ''لاتخف'' ڈریئے نہیں اور بتایا کہ ہم فرشتے ہیں اور

((انا ارسلنا الى قوم لوط))

''ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔''

ہم اللہ کے حکم سے ان کی سرکش قوم کو نیست و نابود کرنے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت سارہ ہنس دیں، کیونکہ آپ کو

خدا کے لیے کافروں سے دشمنی تھی۔ آپ مہمانوں کے سر پر کھڑی ان کی ضیافت میں مصروف تھیں جیسا کہ عربوں اور دوسری کئی قوموں میں رواج ہے تو ایسے میں فرشتوں کی زبانی اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتا ہے:

((فبشرنھا باسحق ومن ورآ اسحق یعقوب))

''اور ہم نے اسے اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی۔'' (سورۃ ھود: 71)

یعنی فرشتوں نے حضرت سارہ کو یہ خوشخبری سنائی تو:

((فاقبلت امراته فی صرة))

یعنی آپ کی بیوی چیں بچیں ہو کر آئی اور فرط حیرت سے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھا۔ جیسا کہ عورتیں عموماً تعجب کے وقت کرتی ہیں۔ اور کہنے لگیں:

((یاویلتی الدو انا عجور وھذا بعلی شیخاً))(سورۃ ھود 72)

''وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔''

یعنی میری عمر کی ایک بوڑھی اور بانجھ عورت کے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کا خاوند بھی بوڑھا ہو۔ اس بشارت کو سن کر آپ حیران ششدر رہ گئیں اور اپنی حالت پر غور و فکر کرنے لگیں۔ ایسی کیفیت میں فرمانے لگیں:

((ان ھذا لشیء عجیب قالو آ اتعجبین من امر اللہ رحمت اللہ وبرکته علیکم اھل البیت انه حمید مجید))(سورۃ ھود:69-3)

''بلاشبہ یہ تو عجیب وغریب بات ہے۔ فرشتے کہنے لگے: کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بیشک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے۔''

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حیران تھے اور اس بشارت کو سن کر خوش بھی، حضرت سارہ کی حیرانگی دور کرنے اور انہیں یقین دلانے کے لیے فرشتوں سے کہنے لگے:

((ابشرتمونی علی ان مسنی الکبر فبما تبشرون قالوا بشرناك بالحق فلا تکن من القانطین))

''کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے، پس یہ کیسی خوشخبری ہے؟ وہ بولے: ہم نے تو آپ کو سچی خوشخبری دی پس نہ ہو جائیے آپ مایوس ہونے والوں سے۔''

فرشتوں نے اس خوشخبری کے ساتھ خبر کو موکد کر دیا اور مزید کسی شک کی گنجائش نہ چھوڑی، بچے کی پیدائش کے متعلق بتاتے ہوئے فرشتوں نے یہ بھی کہا:

((بغلام علیم))(سورۃ الحجر:53)

''خوشخبری ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کی۔''

اس خوشخبری کا مصداق یقینی طور پر حضرت اسحاق ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ ''غلام علیم'' کے

الفاظ آپ کے مقام اور آپ میں موجود صبر وتحمل کے عین مطابق ہیں۔ اسی طرح رب قدوس نے انہیں صادق الوعد اور صابر بھی فرمایا ہے۔ ایک دوسری آیت میں اس خوشخبری کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((فبشرنها باسحق ومن ورآء اسحق یعقوب))(سورۃ ہود:71)

''تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔''

اسی آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے محمد بن کعب القرظی نے ثابت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور کہا کہ اس ذبح عظیم کی نسبت اسحاق علیہ السلام کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ آیت میں حضرت اسحاق اور پھر ان کی صلب سے ان کے ایک بچے یعقوب کی خوشخبری دی گئی ہے۔ یعقوب عقب سے مشتق ہے جس کا معنی پیچھے آنے والا ہے۔

اہل کتاب کے ہاں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو آپ نے ان کے لیے بچھڑا بھونا۔ (تکوین:7:18)

بائیبل میں ہے:

''تو اپنی بیوی سارائی کو سارائی نہیں بلکہ سارہ کہا کر۔'' (تکوین:17:16)

اور اس کے ساتھ مکہ سے تین پیالے گندم کی روٹی، گھی اور دودھ بھی لا کر پیش کیا۔ فرشتوں نے کھانا کھایا' لیکن یہ روایت بالکل غلط محسوس ہوتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نظر تو یہی آتا تھا کہ فرشتے کھانا کھا رہے ہیں لیکن دراصل کھانا ہوا میں خود بخود غائب ہوتا جا رہا تھا۔

ان آبائی روایات میں ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا:

''اب تیری بیوی سارا کو سارا کے نام سے نہیں بلایا جائے گا بلکہ اب اس کا نام ''سارہ'' ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر برکت فرمائے گا اور تجھے اس کے بطن سے بیٹا عطا کرے گا۔ وہ بڑا بابرکت ہوگا اور اس سے کئی قومیں اور قوموں کے سردار پیدا ہوں گے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام بشارت سن کر منہ کے بل یعنی سجدہ میں گر گئے، پھر سجدے سے اٹھ کر ہنسے اور دل میں کہنے لگے:

''کیا سو سال بعد میرے ہاں بچہ ہوگا، کیا سارہ ماں بنے گی حالانکہ اس کی عمر نوے سال ہو چکی ہے؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

''کاش اسماعیل! تیرے حضور جیتا رہے۔''

رب قدوس نے ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیا:

''ضرور تیری بیوی سارہ کے بطن سے تیرا ایک بیٹا پیدا ہوگا اور تو اس کا نام اسحاق رکھے گا جو اگلے سال اسی وقت پیدا ہوگا۔ اور میں اس سے اور اس کی اولاد سے ابدالآباد تک اپنا عہد باندھوں گا۔ میں نے اسماعیل کے بارے میں بھی تیری دعا سن لی۔ میں اسے بھی برکت دوں گا اور برومند کروں گا میں اس کی نسل کو بہت بڑھاؤں گا۔ اس کی نسل سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔''

ارشاد خداوندی فبشر نا ھا باسحاق ومن وراء اسحاق یعقوب اس بات پر دلیل ہے کہ حضرت سارہ اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام کو اور پھر ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گی، یعنی اسحاق اور یعقوب علیھما السلام کی ولادت با سعادت سارہ کی زندگی میں ہوگی۔ آپ انہیں دیکھیں گی اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں گی۔ اگر یعقوب علیہ السلام کی ولادت کو بشارت کا حصہ نہ بنائیں تو یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر بے فائدہ لگتا ہے۔ نص میں حضرت اسحاق کی بشارت کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کا خصوصیت سے ذکر کرنا اور ان کی اولاد میں سے باقی کسی کو نص میں شامل نہ کرنے میں کوئی نہ کوئی مقصد ہونا چاہیے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر خیر کی تعیین بھی کر دی گئی تو گویا بتا دیا گیا کہ حضرت اسحاق کے بعد تمہارا پوتا یعقوب بھی ہوگا اور تم میاں بیوی ان کو دیکھ کر خوش ہو گے اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرو گے۔

سورۃ ھود میں ارشاد ہے:

((ووھبنا لہ اسحاق ویعقوب کلا ھدینا))(سورۃ الانعام 85)

''اور ہم نے عطا فرمائے انہیں اسحاق اور یعقوب، ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔''

سورہ مریم میں فرمایا:

((فلما اعتزلھم وما یعبدون من دون اللہ وھبنا لہ اسحاق ویعقوب))

(سورۃ مریم:49)

''پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب۔''

اور ان شاء اللہ یہ بات ظاہر اور قوی ہے۔ اس کی تائید صحیحین کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، جسے سلیمان بن مھر الاعمش نے ابراہیم بن یزید تیمی سے انہوں نے اپنے والد گرامی سے، انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی:

''یا رسول اللہ! سب سے پہلے کس مسجد کی بنیاد پڑی؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسجد حرام۔''

میں نے عرض کی:

''پھر کونسی؟''

فرمایا:

''مسجد اقصیٰ۔''

میں نے عرض کی:

''ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''چالیس سال۔''

میں نے عرض کی:

''یارسول اللہ! پھر کونسی مسجد تعمیر ہوئی ؟''

آپ ﷺ نے بتایا:

''جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز ادا کرلیں۔ پوری زمین مسجد ہے۔''

اہل کتاب کی آبائی روایت کے مطابق مسجد اقصیٰ کی بنیاد یعقوب علیہ السلام نے رکھی۔ یہی مسجد ایلیا ہے جو بیت المقدس شرفہا اللہ تعالیٰ میں واقع ہے۔ یہی توجیہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس کی تائید مذکورہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اس طرح یعقوب یعنی اسرائیل علیہ السلام کی مسجد خلیل علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی مسجد حرام سے چالیس سال کے بعد تعمیر ہوتی ہے۔ مسجد اقصی ہو یا مسجد حرام دونوں کی تعمیر حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کے بعد ہوئی، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے عرض کیا تھا:

((واذ قال ابرهیم رب اجعل هذا لبلد امنا واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام رب انهن اضللن کثیرا من الناس فمن تبعنبی فانه منی و من عصانی فانك غفور رحیم ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند البیتك المحرم ربنا لیقیموا الصلوة فاجعل افئدة من الناس تهوی الیهم وارزقنهم من الثمرت لعلهم یشکرون ربنا انك تعلم ما نخفی وما نعلن وما یخفی علی الله من شیء فی الارض ولا فی السماء الحمد لله الذی وهب لی علی الکبر اسمعیل واسحق ان ربی لسمیع الدعآء رب اجعلنی مقیم الصلوة ومن ذریتی ربنا وتقبل دعآ ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب))(سورة ابراهیم،35:41)

''اور یاد کرو! جب عرض کی ابراہیم نے کہ اے میرے رب! بنا دے اس شہر کو امن والا اور بچالے مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی۔ اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو، پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی بیشک تو غفور رحیم ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لیے تاکہ وہ قائم کریں نماز، پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق ومحبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔ اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم چھپائے ہوئے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق (جیسے فرزند) بلاشبہ میرا رب بہت سننے والا ہے دعاؤں کا، اے میرے رب! بنا دے مجھے نماز کو قائم کرنے والا اور میری اولاد کو بھی اے ہمارے رب! میری یہ التجا ضرور قبول فرما۔ اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔''

بیت المقدس کی تعمیر کی نسبت حضرت سلیمان بن داوٗد علیہما السلام کی طرف بھی کی گئی ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی تو آپ نے بارگاہ خداوندی سے تین حاجات پوری کرنے کا سوال کیا۔

تو یہ نسبت تعمیر ثانی کے سلسلے میں ہے کیونکہ دونوں کی تعمیر میں چالیس سال کا فرق ہے۔ابن حبان کے سوا کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ حضرت ابراہیم اور سلیمان علیہ السلام کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے۔کسی شخص نے اس بات میں ابن حبان کی موافقت نہیں کی اور نہ کسی اور شخص نے ان سے پہلے یہ قول کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

((واذ ابتلی ابرهیم ربه بکلمت فاتمهن قال انی جاعلك للناس اماماً قال ومن ذریتی قال لاینال عهدی الظلمین))(سورة البقره:124)

''اور یاد کرو جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں سے تو انہیں پورے طور پر بجالایا۔اللہ نے فرمایا: بیشک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا۔عرض کی میری اولاد سے بھی؟ فرمایا: نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں کو۔''

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس عظیم حکم خداوندی کو عملی جامعہ پہنا چکے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کا امام بنا دیا۔ لوگ آپ کی اقتداء کرنے لگے اور آپ سے رہنمائی پانے لگے۔آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی:

''الٰہی! اس امامت کو میرے وسیلے سے جاری وساری فرمادے اور رشد وہدایت کا یہ سلسلہ میرے نسب میں باقی رہے اور قیامت تک آنے والے لوگ میری اولاد سے تیری طرف رہنمائی پاتے رہیں۔اللہ کریم نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کی تمناؤں کو پورا کر دیا۔امامت اب اسی گھر کو حاصل ہے بعد کے تمام انبیاء ورسل آپ کی ہی اولاد سے ہوئے، لیکن آپ نے ظالموں کو مستثنیٰ کر دیا اور صرف ان لوگوں کی امامت وسیادت کی دعا فرمائی جو عالم باعمل ہوں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

((ووهبنا له اسحاق ویعقوب وجعلنا فی ذریته النبوة والکتاب واتیناه اجره فی الدنیا وانه فی الآخرة لمن الصالحین))(سورة العنکبوت:27)

''اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحاق اور یعقوب اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب اور ہم نے دیا ان کو ان (کی جان نثاری) کا اجر دنیا میں اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین (کے زمرہ) میں ہوں گے۔''

سورۃ انعام میں فرمایا:

((ووهبنا له اسحاق و یعقوب کلاً هدینا ونوحاً هدینا من قبل ومن ذریته داوٗد وسلیمن وایوب و یوسف و موسی وهرون و کذلك نجزی المحسنین وزکریا ویحییٰ و عیسیٰ والیاس کل من الصّٰلحین واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطاً وکلاً فضلنا علی العلمین ومن اٰبائهم وذریاتهم واخوانهم واجتبینهم وهدیناهم

الی صراط مستقیم))(سورۃ الانعام:83-87)

''اور ہم نے عطا فرمائے انہیں اسحٰق اور یعقوب، ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور نوح کو ہدایت دی تھی ان سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (راہ راست دکھائی) اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو اور (ہم نے ہدایت دی) زکریا اور یحییٰ اور یونس اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب صالحین میں سے تھے اور ہدایت دی اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ان سب کو ہم نے فضیلت دی سارے جہان والوں پر اور ہدایت دی ان کے کچھ باپ دادوں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں کو اور ہم نے ان کو چن لیا، ان کو ہدایت دی راہ راست کی۔''

ومن ذریتہٖ میں ضمیر کا مرجع ابراہیم ہیں۔ لوط علیہ السلام کو بھی آپ کی ذریت میں شامل کیا گیا ہے، کیونکہ اقل پر بھی اکثر کا حکم لگایا جاتا ہے اور غالباً حضرت لوط علیہ السلام کی وجہ سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ''ہ'' ضمیر کا مرجع نوح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((ولقد ارسلنا نوحا وابراھیم وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتاب))

(سورۃ الحدید:26)

''اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جس نبی پر بھی کتاب اتری وہ آپ ہی کی اولاد اور نسل سے تھا۔ یہ عزت و توقیر کی وہ خلعت ہے جو اور کسی کے جسم پر نہیں سجی اور یہ وہ بلند مرتبہ ہے جس پر کوئی فخر نہیں کر سکتا۔ یہ خلعت زیبا صرف حضرت ابراہیم کے لیے ہے اور یہ وجہ فخر صرف ان کی اولاد کے لیے مختص ہے، کیونکہ آپ ہی کی صلب سے دو عظیم المرتبت بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہاجرہ بی بی کے پاک بطن سے اور سیدنا و مولانا اسحٰق علیہ السلام سیدہ سارہ کے بطن اقدس سے۔ اور اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے یعقوب علیہ السلام ہوئے۔ جنہیں اسرائیل (عبداللہ) کہا جاتا ہے، انہیں کی طرف بنی سرائیل کے سارے قبیلے منسوب کیے جاتے ہیں۔ جن میں عرصہ دراز تک سلسلہ نبوت و رسالت قائم رہا اور وہ اتنے کثرت سے بڑھے کہ ان کی تعداد ستاروں سے تجاوز کر گئی۔ جتنے انبیاء تشریف لاتے رہے وہ اسی مقدس قوم سے تھے۔ حتی کہ سلسلہ نبوت بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت سیدنا عیسیٰ مسیح بن مریم تشریف لائے جن کا تعلق حضرت اسرائیل علیہ السلام کے خانوادے سے تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے عرب کے مختلف قبیلے پیدا ہوئے، آپ کی نسل پاک سے سوائے خاتم الرسل مولائے کل، فخر بنی آدم فی الدنیا والآخرہ، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم قرشی مکی ثم مدنی صلوات اللہ وسلام علیہ کے علاوہ اور کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔

اس مقدس شاخ اور بلند مرتبہ نسل سے سوائے جوہر یکتا، در مکنون، واسطہ عقد فاخرہ سید و مفخر بنی آدم جن کے خوان جود و کرم سے سبھی کھاتے ہیں، جن کی شفاعت کی سبھی آس لگائے بیٹھے ہیں کے اور کوئی نہیں ہوا۔

آپ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

''میں ایسے مرتبے پر فائز ہوں گا کہ پوری خلق خدا میری خدمت میں حاضر ہوگی حتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔''

اس حدیث پاک میں حضور ﷺ نے اپنے جد مکرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔آپ کا کلام مبارک دلالت کررہا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ حضور انور ﷺ کے بعد مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔اس دنیا میں بھی اور قیامت کے روز بھی۔

امام بخاری فرماتے ہیں، ہم نے عثمان بن ابی شیبہ نے بیان فرمایا، ہم سے جریر نے بیان فرمایا، انہوں نے منصور سے، انہوں نے منہال سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا کہ حضور ﷺ سیدنا حسن اور سیدنا حسین کو دم فرماتے تو کہا کرتے تھے:

تمہارے والد ابراہیم اسماعیل اور اسحاق کو انہیں کلمات سے دم فرمایا کرتے تھے۔

((اعوذ بکلمات اللہ التامة من کل شیطان هامة ومن کل عین لامة))

''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کامل کلمات کے ذریعے ہر بہکانے والے شیطان سے اور ہر ملامت والی آنکھ سے۔''

اسے اہل سنن نے منصور کی روایت کردہ حدیث سے روایت کیا ہے۔

رب قدوس ارشاد فرماتا ہے:

((واذ قال ابراهیم رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعة من الطیر فصرهن الیك ثم اجعل علی کل جبل منهن جزا ثم ادعهن یاتینك سعیاً واعلم ان اللہ عزیز حکیم))(سورة البقرہ:260)

''اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے: اے میرے پروردگار! دکھا مجھے کہ تو کیسے زندہ فرماتا ہے مردوں کو۔ فرمایا: کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے؟ عرض کی: ایمان تو ہے لیکن دل کا اطمنان چاہتا ہوں۔فرمایا: تو پکڑ لے چار پرندے، پھر مانوس کر لے انہیں اپنے ساتھ، پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا، پھر بلا انہیں چلے آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے۔''

مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کی کئی وجوہات ذکر کی ہیں۔ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمندر کے قریب سے گزرے تو ایک مردہ جانور دیکھا، جب پانی کی موج آتی تو سمندری جانور اسے نوچتے اور جب موج پیچھے ہٹتی تو درندے اور پرندے اس سے کھاتے۔آپ کے دل میں آیا کہ یہ جانور تو ہزاروں مختلف معدوں میں گیا ہے، اللہ تعالیٰ اسے کیسے دوبارہ زندہ کرے گا۔پس آپ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ مردے کیسے زندہ ہوں گے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست کو منظور فرمالیا اور حکم دیا کہ چار پرندے پکڑو۔پرندوں کی تعیین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مور، گدھ، کوا اور مرغ پکڑے، دوسری روایت میں گدھ کی جگہ کبوتر کا ذکر ہے۔

بہر حال پرندے کوئی بھی ہوں مقصد تو حاصل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان پرندوں کے گوشت اور پروں کو ذبح کر کے الگ الگ کر دو اور سب بوٹیوں اور پروں کو آپس میں خلط ملط کر دو۔ پھر ان بوٹیوں اور پروں کو تقسیم کر و اور سامنے کے ہر پہاڑ پر ایک ایک حصہ رکھتے جاؤ۔ آپ علیہ السلام نے حکم خداوندی کے مطابق بوٹیاں مختلف پہاڑوں پر پھیلا دیں۔ پھر حکم ہوا کہ اذن باری تعالیٰ کے ساتھ انہیں بلاؤ۔ جب آپ علیہ السلام نے آواز دی تو بوٹیاں آپس میں ملنے لگیں، پر اُڑ اُڑ کر اپنے حصے سے جڑنے لگے، حتی کہ پرندوں کا جسم پہلے کی طرح بالکل ٹھیک اور مجتمع ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ذات والا صفات کی قدرتوں کا مشاہدہ کرتے رہے اور امر کن کے نتائج کو دل و دماغ او سر کی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ پرندے دوڑ کر آپ علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے، تا کہ قدرت کی وسعتیں ان پر عیاں اور واضح ہو جائیں اور وہ سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں کہ پرندے واقع امرالٰہی سے زندہ ہو گئے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں رکھنا۔ پس آپ علیہ السلام نے جب آواز دی تو پرندوں کے جسم مجتمع ہو کر آپ کے پاس آنے لگے اور سر جسموں سے جڑتے گئے جیسا کہ پہلے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ ان قدرتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی سجدہ عبودیت کا حقدار ہے۔

تمام پرندوں میں سے چار یعنی مور، گدھ، مرغ اور کوے کو منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو زینت، مرتبہ اور بلند مراتب سے محبت ہے اور یہ اوصاف مور میں بھی پائے جاتے ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے:

((زين للناس حب الشهوات))

''خواہشات کی محبت کو لوگوں کے لیے مزین کر دیا گیا۔''

انسان جس طرح زیادہ کھانے سے شغف رکھتا ہے اسی طرح گدھ کو بھی کھانے سے ہی زیادہ کام ہوتا ہے۔

اسی طرح انسان کو فرج کی خواہشات پوری کرنے سے جس طرح کام ہوتا ہے اسی طرح مرغ میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے۔

انسان مال طلب کرنے وار جمع کرنے کا زیادہ حریص ہوتا ہے اسی طرح کوا بھی حریص ہوتا ہے۔

آپ علیہ السلام نے اپنے رب کے تمام احکامات کی پیروی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

((وابراهيم الذى وفى))

''اور ابراہیم جو پوری طرح احکام بجالائے۔'' (سورۃ النجم: 37)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنالیا ''خلت'' کا مطلب انتہائی درجے کی محبت ہے۔ جیسا کہ اس شعر سے واضح ہے:

قد تخللت مسلك الروحِ منى

وبذا سمى الخليل خليلاً

''تو میری روح کی پہنائیوں میں اتر گیا ہے اور اسی انتہائی محبت و شیفتگی کی وجہ سے خلیل علیہ السلام کو خلیل کہا جاتا ہے۔''

حضور سید الاولین والاخرین النبی الخاتم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی مقام خلت پر فائز تھے۔ جیسا صحیحین اور حدیث کی دوسری کتابوں میں روایت کردہ جندب البجلی اور عبداللہ بن عمرو اور ابن مسعود کی حدیث سے ثابت ہے، جو انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے روایت فرمائی۔ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا ہے۔''

اپنے آخری خطبے میں بھی یہی ارشاد فرمایا:

''لوگو! اگر میں زمین کے باسیوں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن تمہارا یہ دوست اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے۔''

بخاری اور مسلم نے ابوسعید کے حوالے سے اسے نقل فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر' ابن عباس، ابن مسعود کی روایت کردہ حدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان فرمایا، ہم سے شعبہ نے بیان فرمایا، انہوں نے حبیب بن ابی ثابت سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے عمرو بن میمون سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن گئے تو صبح کی نماز میں آپ نے ''واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا'' آیت تلاوت کی تو یمن کے ایک شخص نے کہا:

''ابراہیم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔''

ابن مردویہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحیم بن محمد بن مسلم نے بیان کیا، ہم سے اسماعیل بن احمد بن اسید نے بیان کیا، ہم سے ابراہیم بن یعقوب جوز جانی نے مکہ میں بیان کیا، ہم سے عبداللہ حنفی نے بیان کیا، ہم سے زمعہ بن صالح نے بیان کیا۔ فرمایا: ایک دفعہ صحابہ کرام آپ ﷺ کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ دوران گفتگو ایک نے کہا:

''تعجب ہے اللہ تعالی نے اپنی مخلوق میں سے ایک شخص کو خلیل بنالیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالی کے خلیل ہیں۔''

دوسرے نے کہا:

''کتنے تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے براہ راست گفتگو کی، پس وہ کلیم اللہ ہیں۔''

ایک اور بولے:

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔''

ایک فرمانے لگے:

''آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مقام اصطفی عطا کیا۔''

آپ ﷺ ان کے پاس باہر تشریف لائے اور فرمایا:

''میں نے تمہاری باتیں سن لی ہیں۔ تمہیں تعجب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، وہ واقعی خلیل اللہ ہیں، موسی کلیم اللہ ہیں، وہ واقعی کلیم اللہ ہیں۔ عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ ہاں وہ واقعی کلمۃ اللہ اور روح اللہ

ہیں۔اللہ نے آدم کو مقام اصطفٰی عطا کیا۔ہاں وہ واقعی اس مقام کے حامل ہیں۔سنو! میں اللہ کا حبیب ہوں اور میں فخر نہیں کر رہا۔سنو میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا اور شفاعت قبول کیا جانے والا ہوں اور میں فخر نہیں کر رہا۔میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جو جنت کے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹاؤں گا تو میرے لیے اللہ کریم جنت کے دروازے کھول دے گا اور مجھے جنت میں داخل فرمائے گا۔میرے ساتھ ایماندار غریب لوگ ہوں گے، میں ہی قیامت کے روز پہلے اور پچھلے تمام لوگوں سے زیادہ عزت والا ہوں گا اور مجھے کوئی فخر نہیں۔''

یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے تو غریب ہے لیکن اس کے دوسرے شواہد موجود ہیں۔

حاکم اپنی مستدرک میں قتادہ کی حدیث روایت کرتے ہیں جو انہوں نے عکرمہ سے اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔فرماتے ہیں:

''کیا تمہیں تعجب ہے کہ خلت ابراہیم کے لیے ہے؟ کلام موسی کے لیے ہے؟ اور دیدار خداوندی محمد کے لیے ہے؟ صلوات اللہ وسلامہ علیھم اجمعین۔''

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ ہم سے میرے والد گرامی نے بیان فرمایا، ہم سے محمود بن خالد السلمی نے بیان فرمایا، ہم سے ولید نے بیان فرمایا، انہوں نے اسحاق بن یسار سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تو ان کے دل میں اس قدر خشیت پیدا فرما دی کہ ان کے دل کی دھڑکن کی آواز دور سے سنائی دیتی تھی، جس طرح کہ پرندہ ہوا میں پر پھڑپھڑا رہا۔

عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں کی میزبانی فرمایا کرتے تھے۔ایک دن آپ کسی کی تلاش میں نکلے کہ کوئی ملے تو اس کی ضیافت کریں۔بہت پھرے لیکن کوئی نہ ملا۔واپس گھر آ گئے۔دیکھتے ہیں کہ گھر میں ایک آدمی کھڑا ہے۔آپ پوچھتے ہیں:

''بندہ خدا! میری اجازت کے بغیر آپ میرے گھر میں کیسے آ گئے؟''

اس شخص نے جواب دیا:

''میں گھر میں گھر کے مالک کی اجازت سے آیا ہوں؟''

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

''تم کون ہو؟''

اس نے بتایا:

''میں موت کا فرشتہ ہوں۔مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں اسے خوشخبری دوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیل بنا لیا ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:

''وہ خوش نصیب کون ہے؟ خدا کی قسم! اگر آپ مجھے اس کا پتہ بتا دیں تو وہ کتنی ہی دور ہوا میں اسے لے آؤں گا اور ہمیشہ اسے اپنے پڑوس میں رکھوں گا حتی کہ میرے اور اس کے درمیان موت ہی جدائی ڈالے گی۔''

فرشتے نے کہا:

''ابراہیم! وہ بندے آپ خود ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''میں؟''

فرشتے نے عرض کی:

''جی ہاں!''

آپ نے پوچھا:

''مجھے میرے رب نے کس وجہ سے اپنا خلیل بنالیا ہے؟''

فرشتے نے عرض کی:

''وجہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو عطا تو کرتے ہیں لیکن ان سے لیتے کچھ نہیں۔''

اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے

ایک مرتبہ ملک الموت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں انسانی صورت میں حاضر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''اے ملک الموت مجھے اپنا وہ چہرہ دکھا جو تو کافروں کی روحیں قبض کرنے کے وقت لے کر جاتا ہے۔''

ملک الموت نے عرض کی:

''آپ اس کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے۔''

فرمایا:

''تم دکھاؤ تو سہی''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملک الموت کو حکم ہوا کہ میرے خلیل کی اطاعت کرو۔ ملک الموت نے عرض کی:

''اے خلیل اللہ! آنکھیں بند کر کے کھولیں۔''

پس ملک الموت نے اپنا وہ چہرہ ظاہر کیا جو کفار کی روحیں قبض کرنے کے وقت لے کر جاتے تھے، حضرت ابراہیم نے آنکھیں کھولیں تو اس بھیانک چہرہ کی تاب نہ لاتے ہوئے گرے اور بیہوش ہو گئے۔

جب ہوش آیا تو ملک الموت پھر انسانی صورت میں حاضر تھے۔

پھر فرمایا:

''اے ملک الموت مجھے اپنا وہ چہرہ دکھا جو تو مومنوں کی روحیں قبض کرنے کے وقت لے کر جاتا ہے۔''

ملک الموت نے عرض کی:

''آپ اس کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے۔''

فرمایا:

''تم دکھاؤ تو سہی''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملک الموت کو حکم ہوا کہ میرے خلیل کی اطاعت کرو۔ ملک الموت نے عرض کی:

''اے خلیل اللہ! آنکھیں بند کر کے کھولیں۔''

پس ملک الموت نے اپنا وہ چہرہ ظاہر کیا جو مومنین کی روحیں قبض کرنے کے وقت لے کر جاتے تھے، حضرت ابراہیم نے آنکھیں کھولیں تو اس خوبصورت چہرہ کی تاب نہ لاتے ہوئے گرے اور بیہوش ہو گئے۔

جب ہوش آیا تو ملک الموت پھر انسانی صورت میں حاضر تھے۔

فرمایا:

''اے ملک الموت! اگر کفار کے لیے جہنم نہ بھی ہوتو ان تیرے بھیانک چہرے کا عذاب ہی کافی ہے۔ اور اگر مومنین کے لیے جنت نہ بھی ہوتو ان کے لیے تیرے چہرے کی خوبصورتی کا انعام ہی کافی ہے۔''

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے گھر میں ایک آدمی کو دیکھا تو کہا:

''کون ہو۔؟''

اس نے عرض کیا:

''ملک الموت۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر تم سچے ہو تو اس کی نشانی دکھلاؤ۔''

ملک الموت نے عرض کیا:

''اپنا چہرہ ہٹائیں۔''

جب آپ نے اپنا چہرہ ہٹایا، پھر ملک الموت کی طرف نظر کی تو اسے اس صورت میں دیکھا جس میں مومنین کی روحیں قبض کرتا ہے۔ اس میں ایسا نور اور تابنا کی دیکھی کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کے بعد ملک الموت نے کہا:

''اپنا چہرہ ہٹائیے!''

انہوں نے چہرہ ہٹایا پھر دیکھا تو ایسی صورت نظر آئی جس میں کافروں اور گناہگاروں کی ارواح قبض کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایسا رعب چھایا کہ ان کا جوڑ جوڑ کانپ اٹھا اور پیٹ زمین سے جالگا قریب تھا کہ روح نکل جاتی۔'' (ابن ابی الدنیا)

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تو حضرت ملک الموت علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے درخواست کی کہ اسے اجازت ہو تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی خوشخبری سنائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اجازت دی تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور اس کی بشارت سنائی

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''الحمد للہ!

پھر فرمایا:

''اے ملک الموت! مجھے دکھا تو کفار کی روحیں کس حالت میں قبض کرتا ہے۔؟''

انہوں نے عرض کیا:

''اے ابراہیم! آپ اس کی ہمت نہیں رکھتے۔''

فرمایا:

''نہیں۔!''

عرض کیا:

''تو پھر چہرہ ادھر کریں۔''

انہوں نے اپنا چہرہ ہٹا دیا، پھر جب دیکھا تو وہ ایک سیاہ فام آدمی کی شکل میں تھے۔ان کا سر آسمان سے باتیں کر رہا تھا ،ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے اور ان کے جسم کا کوئی بال نہیں تھا مگر وہ بھی ایک ایسے آدمی کی شکل میں تھا کہ اس کے منہ سے اور کانوں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو ملک الموت پہلی صورت میں آچکے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''اے ملک الموت! کسی بھی کافر کو کوئی مصیبت اور غم نہ پہنچے بس تیری صورت ہی نظر آجائے تو اس کے گناہوں کی سزا کیلئے یہی کافی ہے۔ اب تو مجھے یہ دیکھا کہ تو مومنین کی روحیں کس حالت میں قبض کرتا ہے۔؟''

انہوں نے عرض کیا:

''اپنا چہرہ ہٹائیں۔''

انہوں نے چہرہ ہٹایا پھر جو دیکھا تو وہ ایک نوجوان آدمی کی شکل میں تھے جو سفید لباس میں انسانوں میں خوبصورت ترین اور پاکیزہ خوشبو کا مالک ہو۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''اے ملک الموت! اگر کوئی مومن اپنی موت کے وقت کوئی آنکھوں کی ٹھنڈک اور عزت نہ دیکھے بس تیری یہ صورت ہی دیکھ لے تو اس کی اطاعت شعاری کے انعام میں یہی کافی ہے۔''

(ابن ابی الدنیا فی ذکر الموت)

حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک خوبصورت آدمی آداخل ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''اے اللہ کے بندے تجھے میرے گھر میں کس نے داخل کیا۔؟''

تو اس نے عرض کیا:

''مجھے اس گھر میں اس (گھر) کے پروردگار نے داخل کیا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''اس کا پروردگار تو اس کا بڑا حقدار ہے پر تو کون ہے۔؟''

اس نے عرض کیا:

''میں موت کا فرشتہ ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''تو نے مجھے اپنی بہت سی خصوصیات کا ذکر کیا ہوا ہے جو میں نے (کبھی) نہیں دیکھیں۔''

اس نے عرض کیا:

''آپ اپنا رخ مبارک ادھر کریں۔''

انہوں نے اپنا رخ مبارک ادھر کیا پھر تو اس کی کچھ آنکھیں آگے تھیں اور کچھ پیچھے اور اس کا ایک ایک بال گویا کہ اٹھے ہوئے انسان کی مانند تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس (صورت) سے پناہ مانگی اور فرمایا:

''اپنی پہلی صورت میں لوٹ آ۔''

ملک الموت نے عرض کیا:

''اے ابراہیم! جب اللہ تعالیٰ مجھے ایسے آدمی کی طرف بھیجتا ہے جس کی ملاقات اس کو پسند ہو تو مجھے اسی صورت میں بھیجتا ہے جسے آپ نے پہلے دیکھا ہے۔'' (ذکر الموت، از امام ابن ابی الدنیا)

اشعث بن اسلم بصری ربعی فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت علیہ السلام کو طلب کیا جن کا اسم گرام عزرائیل علیہ السلام ہے۔ دو آنکھیں ان کے چہرہ میں ہیں اور دو گدی میں۔ پھر فرمایا:

''اے ملک الموت! جب ایک آدمی مشرق میں ہوتا ہے اور ایک مغرب میں یا کسی زمین میں وباء پھیل جاتی ہے یا جنگ واقع ہو جاتی ہے تو تو کیا کرتا ہے۔؟''

انہوں نے عرض کیا:

''میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی ان دونوں انگلیوں کے درمیان ارواح کو طلب کر لیتا ہوں۔''

عزرائیل علیہ السلام کے لیے زمین کو کشادہ کر کے تھال کی مانند کر دیا جاتا ہے۔ پھر یہ جہاں سے چاہتے ہیں روح نکال لیتے ہیں۔

(ابن ابی الدنیا) (کتاب العظمۃ از ابو الشیخ، حدیث نمبر ۴۴۳) (تفسیر در منثور، جلد نمبر ۵، صفحہ نمبر ۱۷۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کیا تو آپ علیہ السلام بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں آئے اور یہ اعلان فرمایا:

((قفوا علی مشاعر کم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراھیم))

''اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی وراثت ہو۔''

عرفہ میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اور انہی نے اس مقام کو اس غرضِ خاص کے لیے متعین کیا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات چوتھے آسمان پر ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں چوتھے آسمان پر ملک الموت کو چھوڑ کر تھوڑا سا آگے چلا تو میں نے روشن چہرے والے اور کامل العقل آدمی کو دیکھا۔ اس نے مجھے

دیکھ کر تبسم فرمایا۔ میں نے کہا:
''جبرائیل یہ کون ہے؟''
انہوں نے کہا:
''یہ آپ کے جد امجد ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ قریب ہو کر انہیں سلام کیجئے۔''
میں نے ان کے قریب ہو کر انہیں سلام کیا۔ انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا اور مجھے میرے رب کی طرف سے اعزاز و اکرام پر مبارک باد دی اور فرمایا:
''صالح بیٹے کو خوش آمدید ہو۔ اے محمد! تجھے بشارت ہو! اے محمد! قیامت تک تجھ میں اور تیری امت میں تمام خیر ہی خیر ہے اور بیشک تیرا بھائی جبرائیل تجھے تیرے رب کی طرف اٹھالے جائے تاکہ تیرا عمدہ اور مکرم ہونا لوگوں پر ظاہر کرے۔''
میں نے کہا:
''آپ کے یہاں تشریف فرما ہونے کا مقصد کیا؟''
فرمایا:
''میں اولاد آدم کے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہوں جو شخص لا اللہ اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے میں نے اس سے جمیل تر، کامل تر، روشن تر، تروتازہ تر حسین و پاک وصاف تر کسی کو بھی نہیں دیکھا۔''
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرا دل باغ باغ ہو گیا اور میں نے اس اعزاز پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔
اکثر روایات میں ہے کہ ساتویں آسمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔
آپ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا:

((مرحبا یا نبی الصالح و ابن الصالح))

''اے نیک نبی اور نیک بیٹے! آپ کو خوش آمدید ہو۔''
سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:
''آپ اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہئے گا اور یہ پیغام دیجئے گا کہ جنت کی زمین بہت عمدہ ہے، اس میں بے شمار درخت لگاؤ اور پھر اس کے باغات کے میوہ جات چنو اور ان درختوں کے لگانے کی تسبیح یہ ہے:

((سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر))

(المعراج، از عبد الباسط فاخوری مفتی بیروت، صفحہ نمبر ۱۱)

اس کو حدیث غراس کہتے ہیں کیونکہ غراس کے معنی درخت لگانے کے ہیں اور یہ حدیث سنن ترمذی میں بھی موجود ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

((ولمن خاف مقام ربہ جنتان))

''جو کوئی اپنے رب سے ڈر گیا اس کیلئے دو جنتیں ہوں گی۔''

مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہشت سے کافور لائے وہ زمین پر ڈالا تو نمک ہو گیا۔
مروی ہے کہ جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات مسجد اقصیٰ میں پہنچے تو وہاں تمام انبیاء کرام نے آپ کا استقبال کیا۔ پھر سیدنا آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات کا ذکر کیا اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں خطبہ دیا:

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے خلیل بنایا اور مجھ کو ملک عظیم عطا فرمایا، مجھے صاحب ملت بنایا اور مجھ کو مقتداء اور صاحب قنوت بنایا۔ یہاں تک کہ میری اقتداء کی جاتی ہے اور مجھ کو آتش نمرود سے نجات دی اور اس کو میرے لئے سلامتی اور ٹھنڈک بنا دیا۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آپ کی مدح وستائش فرمائی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا ذکر خیر قرآن میں پینتیس مقامات پر آیا ہے۔ پندرہ مقامات صرف سورۃ بقرہ میں ہیں اور باقی دوسری سورتوں میں۔
آپ علیہ لسلام ان پانچ اولی العزم رسولوں میں سے ایک ہیں جن کے اسماء گرامی خصوصیت سے سورہ احزاب اور شوری کی دو آیتوں میں ذکر کیے گئے ہیں۔ سورہ احزاب میں ہے۔

((واذ اخذنا من النبین میثاقھم ومنك ومن نوح وابراھیم و موسی وعیسی ابن مریم واخذنا منھم میثاقاً غلیظاً))(سورۃ الاحزاب:7)

''اور یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا تھا۔''

سورہ شوریٰ میں فرمایا:

((شرع لکم من الدین ما وصی به نوحاً والذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراھیم و موسی وعیسی ان اقیمو الدین ولا تتفرقوا فیه))(سورۃ الشوری 13)

''اس نے مقرر فرمایا تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے (اے محمد ﷺ!) آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا اس میں۔''

پھر ابراہیم علیہ السلام اولی العزم رسولوں میں سے بعد از محمد ﷺ افضل ترین رسول ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

((کذلك نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین))
(پارہ نمبر ۷)

''اور اس طرح ابراہیم کو ہم نے آسمان وزمین کے ملک دکھائے تا کہ وہ حق الیقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معراج ہوئی۔ آپ براق پر سوار ہو کر آسمان دنیا پر تشریف لے گئے۔ وہاں زمین وآسمان کے حجابات دور ہو گئے اور ہر ایک جگہ نظر آنے لگی حتیٰ کہ تمام مخلوق کے حالات سے مطلع ہوئے۔

آپ نے زمین کی تمام اشیاء کا مشاہدہ کیا، یہاں تک کہ چاند، سورج، پہاڑ، درخت اور دریا تمام چیزوں کے حقائق کو آپ نے دیکھا اور تمام روئے زمین اور آسمانوں کا مشاہدہ کیا۔ آپ کے لیے تمام آسمان منکشف کیے گئے یہاں تک کہ آپ کی نظر عرش الٰہی تک پہنچی اور تمام زمینیں منکشف کی گئیں حتیٰ کہ آپ نے زمینوں کی ہر چیز کو دیکھ لیا

اندریں حالات آپ نے زمین پر ایک شخص کو گناہ کرتے دیکھا۔ آپ نے اس گناہ سے نفرت کرتے ہوئے اس گنہگار کی ہلاکت کیلئے بددعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار کو وہیں فنا کر دیا۔ پھر حضرت ابراہیم نے زمین پر نظر دوڑائی تو ایک شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھا۔ آپ نے اس کے حق میں بھی بددعا کی۔ وہ بھی اللہ کے حکم سے وہیں مر گیا، پھر آپ نے اسی طرح ایک تیسرے شخص کیلئے بددعا کی، وہ بھی اسی جگہ ہلاک ہو گیا۔ حتیٰ کہ جب چوتھے شخص کیلئے ہلاکت کی دعا کرنے لگے تو حکم نازل ہوا:

''اے ابراہیم! میرے بندوں کیلئے بددعا نہ کرو۔ اس لئے کہ میرا برتاؤ میرے بندوں کے ساتھ تین طرح کا ہے۔ اول یہ کہ توبہ کرے گا تو اس کے گناہ بخش دوں گا۔ دوئم یہ کہ اس سے نیک اولاد پیدا ہوگی جو میری عبادت کرے گی اور میری زمین کو سجدوں سے معمور کرے گی۔ سوئم یہ کہ قیامت کے دن وہ بھی میرے سامنے پیش ہوگا اور اگر میں چاہوں تو اس کے گناہ معاف کر دوں گا اور میں چاہوں تو اسے عذاب میں گرفتار کرلوں۔ اے میرے خلیل! میرے بندوں کے ہلاک ہونے سے پہلے آپ زمین پر واپس اتر جائیں۔'' (تفسیر روح المعانی، جلد ۷، صفحہ نمبر ۱۷۱)

آپ علیہ السلام وہ بلند مرتبہ ہستی ہیں جنہیں سید المرسلین ﷺ نے ساتویں آسمان میں بیت المعمور سے پیٹھ لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا اور بیت المعمور فرشتوں کا قبلہ ہے جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے حاضری دیتے ہیں (اور کثرت تعداد کی وجہ سے) پھر کبھی واپس نہیں آسکتے۔ شریک بن ابی عمیر کی حدیث سے جو انہوں نے حضرت انس سے اسراء کے بارے میں روایت کی ہے، پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان میں تشریف فرما ہیں اور موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں۔

اس حدیث میں شریک نامی راوی پر تنقید ہوئی ہے، لہٰذا پہلی حدیث کا بیان ہی صحیح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان میں تشریف فرما ہیں۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن بشر نے بیان کیا، ہم سے محمد بن عمرو نے بیان کیا، ہم سے ابوسلمہ نے بیان فرمایا، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق ابن ابراہیم خلیل الرحمٰن ہیں۔''

اسے روایت کرنے میں امام احمد اکیلے ہیں۔

پھر جس حدیث سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حضور ﷺ کی فضیلت ظاہر ہوتی اس میں یہ الفاظ ہیں:

''اور میری تیسری دعا اس دن کے لیے اٹھائی گئی ہے جس دن پوری خلقت حتیٰ کہ ابراہیم بھی میری طرف رجوع کریں گے۔''

امام مسلم نے اسے حضرت ابی بن کعب کے حوالے سے روایت کیا۔

یہی وہ مقام محمود ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے روز میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا:

کس طرح لوگ شفاعت کی خاطر آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، پھر نوح، پھر ابراہیم، پھر موسیٰ، عیسیٰ علیھم الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، لیکن تمام لوگ شفاعت سے انکار کر دیں گے۔ حتی کہ خلق خدا محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوگی۔ آپ فرمائیں گے: ہاں میں اسی لیے ہوں۔ ہاں میں اس لیے ہوں۔'' آگے راوی نے پوری حدیث بیان کی ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے عبید اللہ نے بیان فرمایا، مجھ سے سعید نے بیان کیا، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

''یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے عزت والا کون ہے؟''

فرمایا:

''سب سے معزز سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔''

صحابہ نے عرض کی:

''ہم یہ نہیں پوچھ رہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں میں سب سے معزز اللہ کی نبی یوسف ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔''

صحابہ نے پھر عرض کی:

''ہم اس چیز کے بارے میں بھی نہیں پوچھ رہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم عربوں کے اصل کے بارے پوچھ رہے ہو۔؟''

کہنے لگے:

''ہاں۔!''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے جو جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی آ کر بہتر ثابت ہوئے جب انہوں نے دین کا علم حاصل کر لیا۔''

اسی طرح امام بخاری نے کئی اور مواقع پر بھی اس حدیث کو روایت فرمایا ہے۔ امام مسلم اور نسائی نے بھی اس کو کئی طرق سے اور انہوں نے یحییٰ بن سعید قطان سے اور انہوں نے عبید اللہ یعنی ابن عمر العری سے روایت کیا ہے۔

پھر امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابو اسامہ اور معتمر نے عبید اللہ سے، انہوں۔ نے سعید سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ امام بخاری نے ان دونوں کی روایت کردہ حدیث کو اور عبید بن سلیمان کی حدیث کو اور امام نسائی نے محمد بن بشر کے حوالے سے اور ان چاروں نے عبید اللہ بن عمر سے، وہ سعید سے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور ان لوگوں نے ان کے والد گرامی یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ نہیں کیا۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن بشر نے بیان فرمایا۔ ہم سے محمد بن عمر نے بیان فرمایا: ہم سے ابو سلم نے بیان فرمایا، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔''

اسے اس سند کے ساتھ صرف امام احمد نے بیان کیا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہمیں اسحاق بن منصور نے بتایا، ہمیں عبدالصمد نے خبر دی ہے، ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے اپنے والد گرامی سے، انہوں نے حضرت ابن عمر سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کریم بن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔''

امام بخاری اس حدیث کی سند عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار عن ابیہ عن ابن عمر کو بیان کرنے میں اکیلے ہیں۔

وہ حدیث جسے امام احمد نے بیان فرمایا ہے، ہم سے یحیٰی نے بیان فرمایا، انہوں نے سفیان سے روایت کیا، مجھے سے مغیرہ بن نعمان نے بیان فرمایا۔ انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ لوگ ننگے غیر مختون اٹھائے جائیں گے۔ سب سے پہلے جس شخص کو کپڑے پہنائے جائیں گے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

((کما بدانا اول خلق نعیدہ))

''جیسا کہ ہم نے پہلی مرتبہ تخلیق کیا، اسی طرح اس لوٹائیں گے بھی۔'' (سورۃ الانبیاء: 104)

بخاری اور مسلم نے اسے صحیحین میں سفیان ثوری اور شعبہ بن الحجاج کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔ یہ دونوں راوی مغیرہ بن نعمان نخعی کوفی سے، وہ سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت ابن عباس سے انہیں الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

اس معینہ فضیلت کا ہرگز یہ تقاضا نہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو صاحب مقام محمود کی نسبت بھی زیادہ فضیلت کا حامل تعین کر لیا جائے، جن پر اگلے پچھلے تمام انسان رشک کریں گے۔ رہی دوسری حدیث جسے روایت کرتے ہوئے امام احمد فرماتے ہیں: ہم سے وکیع اور ابو نعیم نے بیان فرمایا۔ ہم سے سفیان ثوری نے بیان فرمایا۔ انہوں نے مختار بن مختار بن فلفل سے، انہوں نے انس بن مالک سے روایت کیا، آپ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں عرض کی:

''اے خلق خدا سے بہتر!''

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''خیر البریۃ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔''

امام مسلم نے اسے ثوری عبداللہ بن ادریس، علی بن مشہر محمد بن فضیل کے حوالے سے روایت فرمایا ہے۔ یہ چاروں راوی مختار بن فلفل سے روایت فرماتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کا اپنے لیے خیر الخلائق کی نفی کرنا عاجزی وانکساری کی وجہ سے تھا، کیونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام آپ کے جد امجد ہیں۔ جیسا کہ آپ نے یہ بھی فرمایا:

''مجھے انبیاء پر فضیلت مت دو۔''

اسی طرح فرمایا:

''مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ قیامت کے دن تمام لوگوں پر غشی طاری ہو جائے گی۔ سب سے پہلے ہوش میں میں آؤں گا تو میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا پایہ پکڑ کر کھڑے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا یہ ہوش مندی طور کی بے ہوشی کا بدلہ ہے۔''

یہ تمام حدیثیں آپ ﷺ کی فضیلت کے منافی نہیں ہیں، کیونکہ تواتر سے ثابت ہے کہ آپ قیامت کے روز سید ولد آدم ہوں گے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں ابی بن کعب سے روایت کردہ حدیث میں ہے:

''اور میں نے تیسری دعا کو اس روز کے لیے اٹھا رکھا ہے جس روز تمام مخلوق میری طرف آئے گی حتی کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی میری خدمت میں حاضر ہوں گے۔''

چونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام محمد کریم ﷺ کے بعد تمام انبیاء اور اولوالعزم رسولوں سے افضل ہیں اس لیے نمازی کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ تشہد میں وہی درود پڑھے جو کعب بن عجرہ وغیرہ کی روایت کردہ صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کی:

''یارسول اللہ! ہم یہ تو جانتے ہیں کہ آپ کے حضور سلام کیسے پیش کیا جائے لیکن آپ پر درود بھیجنے کا طریقہ کیا ہے۔؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: یوں کہا کرو:

((اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم وبارك علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انك حمید مجید))

''اے اللہ! رحمت فرما محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی آل پر جیسے تو نے رحمت فرمائی ابراہیم پر اور ابراہیم علیہ السلام کی آل پر اور برکت فرما محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی آل پر جس طرح تو نے برکت فرمائی ابراہیم پر اور ابراہیم کی آل پر۔ بیشک تو تمام تعریفوں کا مستحق اور تمام بزرگیوں کے لائق ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((وابراھیم الذی وفی))(سورۃ النجم:37)

مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ان تمام احکامات میں جن کے بجالانے کا آپ کو حکم دیا گیا اور ایمان کے خصائل اور اس کی تمام صورتوں میں جن کو آپ بجالاتے رہے، آپ وفادار تھے۔ کسی بڑے معاملے کی ادائیگی اور دیکھ بھال کسی چھوٹے معاملے کی اصلاح سے آپ کو مشغول نہیں کرسکتی ہے۔ کہتے ہی کہ بڑے مصالح کا انتظام وانصرام کیوں نہ کرنا ہوتا آپ چھوٹے چھوٹے معاملات سے پھر بھی پہلوتہی نہ کرتے۔ جس

طرح آپ علیہ السلام بڑے امور احکام کو بخلوص بجالاتے اس طرح چھوٹی چھوٹی نیکیوں اور دینی مصلحتوں کی طرف بھی پوری توجہ مبذول فرماتے۔

عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ ہمیں معمر نے بتلایا، انہوں نے ابن طاؤس سے، انہوں نے اپنے والد گرامی سے، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے درج ذیل آیت کی تفسیر یوں روایت کرتے ہیں:

((واذ ابتلی ابراھیم ربه کلمات فاتمھن)) (سورۃ البقرہ:124)

اللہ تعالیٰ نے آپ کا طہارت کے ساتھ امتحان لیا۔ طہارت کی پانچ چیزیں سر سے تعلق رکھتی ہیں اور پانچ باقی جسم سے۔ جو چیزیں سر سے متعلق ہیں وہ ہیں:

مونچھوں کا کٹوانا۔ کلی کرنا۔
مسواک کرنا۔ ناک صاف رکھنا۔
مانگ نکالنا۔

اور جسم میں پانچ چیزیں یہ ہیں:

ناخن تراشنا۔ زیر ناف بال لینا۔
ختنہ کرنا۔ بغلوں کے بال لینا۔
پیشاب اور پاخانے سے فارغ ہونے کے بعد پانی سے صفائی کرنا۔

اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیب، مجاہد، شعبی، نخعی، ابوصالح ابی الجلد سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے جو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کی ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

''فطرت پانچ چیزوں سے موسوم ہے: ختنہ کرنا، موئے زیر ناف لینا، مونچھیں کٹوانا، ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال لینا۔''

صحیح مسلم اور کتب سنن میں وکیع کی حدیث ہے جو انہوں نے زکریاء بن ابی زائدہ سے، انہوں نے مصعب بن شیبہ عبدری مکی حجبی سے، انہوں نے زکریا بن ابی زائدہ سے، انہوں نے عبداللہ بن عمر سے، انہوں نے سیدہ عائشہ سے روایت کی ہے، آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دس چیزیں فطرت سے ہیں: مونچھوں کا کٹوانا، داڑھی کا بڑھانا، مسواک کرنا، پانی سے ناک صاف کرنا، ناخن تراشنا، انگلیوں کا خلال کرنا، بغل کے بال لینا، موئے زیر ناف کا لینا، استنجاء کرنا۔''

مقصود یہ ہے کہ اللہ سے خلوص کا جذبہ اور بڑی عبادت میں کمال شوق آپ علیہ السلام کو جسم کی اصلاح اور پاکیزگی سے غافل نہ کرتا بلکہ عبادت خداوندی اور کمال محبت خداوندی کے باوجود آپ ہر عضو کو اس کا حق عطا کرتے۔ زیبائش کا اہتمام فرماتے۔ صفائی کا خاص خیال رکھتے۔ بال بڑھ جاتے تو کٹوا لیتے۔ اسی طرح جسم کی دوسری ضروریات پوری کرتے اور میل کچیل سے جسم کو صاف رکھتے تھے۔ انہیں تمام چیزوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

((وابراھیم الذی وفی))

حافظ ابو بکر بزاز فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن سنان القطان واسطی اور محمد ابن موسی القطان دونوں نے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یزید بن ھارون نے ہم سے بیان کیا ہے۔ ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا ہے، انہوں نے سماک سے، انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جنت میں ایک محل ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ موتیوں کا بنا ہوگا۔ جس میں نہ کوئی دراڑ ہے اور نہ کوئی پھٹن۔ اس محل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے رہنے کے لیے تیار فرمایا ہے۔''

بزاز نے کہا: ہم سے احمد بن جمیل مروزی نے بیان کیا۔ ہم سے نصر بن شمیل نے بیان کیا، ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا، انہوں نے سماک سے، انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اسی طرح بیان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا: اس حدیث کے متعلق ہمیں علم نہیں کہ اسے حماد بن سلمہ سے کس نے روایت کیا ہے۔ پس اس نے اس کی سند بیان کی ہے سوائے یزید بن ہارون اور نصر بن شمیل کے۔ ان دونوں کے علاوہ باقی لوگوں نے اسے موقوفاً روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اس حدیث میں یہ علت نہ ہوتی تو یہ صحیح کی شرط پر پوری اترتی اگرچہ اسے صحاح میں بیان نہ بھی کیا جاتا۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے یونس اور حجین نے بیان کیا، کہتے ہیں کہ ہم سے لیث نے بیان کیا، انہوں نے ابی زبیر سے، انہوں نے حضور ﷺ سے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے انبیاء علیہم السلام کی زیارت کرائی گئی تو میں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام بلند قامت ہیں گویا وہ قبیلہ شنوءہ کے مرد ہیں۔ میں نے عیسیٰ ابن مریم کو دیکھا تو وہ عروہ بن مسعود سے بہت مشابہت رکھتے تھے اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ حضرت دحیہ کے بالکل ہم شکل دکھائی دیتے تھے۔''

اس حدیث کو ان الفاظ میں اور اس سند کے ساتھ روایت کرنے میں حضرت امام احمد اکیلے ہیں۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم سے اسود بن عامر نے بیان فرمایا۔ ہم سے اسرائیل نے بیان فرمایا۔ انہوں نے عثمان یعنی ابن المغیرہ سے، انہوں نے مجاہد سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے عیسیٰ ابن مریم، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ سرخ تھا، بال گھنگھریالے تھے اور سینہ چوڑا تھا۔ جبکہ موسیٰ علیہ السلام گندم گوں اور جسیم تھے۔ صحابہ نے عرض کی: اور ابراہیم؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے ساتھی (اپنی طرف اشارہ فرمایا) کو دیکھ لو۔''

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان بن عمرو نے بیان کیا، ہم سے نصر نے بیان کیا۔ ہم کو ابن عون نے خبر دی۔ انہوں نے مجاہد سے روایت کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس کی زبانی سنا۔ لوگ آپ کے سامنے دجال کا ذکر کر رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر یا ''ک۔ ف۔ ر'' لکھا ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ میں حضرت ابن عباس کی بات نہ سن سکا کہ آپ نے اس بارے کیا فرمایا؟ لیکن آپ نے یہ فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''رہے ابراہیم علیہ السلام تو بس اپنے ساتھی کو دیکھ لو (اپنی طرف اشارہ فرمایا)۔ موسیٰ علیہ السلام (کا حلیہ مبارک) تو آپ سرخ رنگ، گھنگریالے بالوں والے تھے اور ایک سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار تھے۔ جس کی نکیل کھجور کی چھال سے بٹی گئی تھی۔ گویا میں انہیں اب بھی وادی میں اترتے دیکھ رہا ہوں''۔

اسے بخاری نے بھی اور مسلم نے محمد بن المثنیٰ عن ابن ابی عدی، عن عبداللہ بن عون سے انہی الفاظ میں بیان کیا ہے۔ امام بخاری نے اسے کتاب الحج اور کتاب اللباس میں بھی بیان فرمایا ہے۔ اور امام مسلم نے ان تمام روایات کو محمد بن المثنیٰ سے، انہوں نے ابن ابی عدی سے اور انہوں نے عبداللہ بن عون کی سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

اہل کتاب کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسحاق کی منگنی بتوئیل بن ناحور بن تارخ کی بیٹی ''رفقا'' سے کی اور اس مقصد کے لیے آپ نے ایک غلام کو بھیجا جو ''رفقا'' کو، اس کی دایہ اور اس کی لونڈیوں کو اونٹوں پر سوار کر کے لیے آیا۔

حضرت اسحاق کی شادی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت یعقوب عطا فرمائے جو بنی اسرائیل میں آنے والے انبیاء کے والد ہیں۔

جب نمرود ہلاک ہو گیا تو آپ نے حران کی طرف ہجرت کی۔ پھر وہاں سے شام تشریف لائے اور ایلیا کے شہر میں اقامت گزیں ہوئے۔ اسی شہر میں آپ کے ہاں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کی ولادت ہوئی سارہ بی بی کی وفات آپ سے قبل جبرون شہر میں ہوئی۔ یہ کنعان کے علاقہ میں واقع ہے۔ اس وقت ان کی عمر مبارک ایک سو ستائیس سال تھی۔ آپ کی وفات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور آپ کے غم میں عرصہ تک روتے رہے۔ بنی ''حیث'' کے ایک شخص سے ایک ''مغارہ'' آپ علیہ السلام نے چار سو مثقال میں خریدا اور حضرت سارا کو اسی میں دفن کیا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''قنطورا'' (اہل کتاب کے نزدیک یہ لفظ ''قطورہ'' ہے، تکوین:25-1) سے نکاح کیا، جن کے بطن سے آپ کے بیٹے زمران، یقشان، مادان مدین، شیاق شوح پیدا ہوئے۔ اہل کتاب کے بیان کے مطابق یہ تمام لڑکے قنطورہ سے ہی پیدا ہوئے۔

ابن عساکر نے کئی اسلاف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملک الموت کی آمد کے واقعہ کو بیان کیا ہے۔ یہ واقعہ ان بزرگوں نے اہل کتاب کی خبروں سے روایت کیا ہے۔ ان میں کتنی صداقت ہے وہ تو اللہ جانتا ہے۔ بہر حال بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی وفات اچانک ہوئی۔ اسی طرح داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بھی اچانک ہوئی تھی، لیکن اہل کتاب اور دوسرے کئی علماء کا بیان کردہ واقعہ اس سے مختلف ہے۔

مروی ہے کہ ملک الموت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں روح قبض کرنے حاضر ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''ملک الموت! میری روح قبض کرتے ہوئے نرمی کرنا۔''

انہوں نے عرض کیا:

''اے نبی اللہ! کیا آپ نے کبھی نشہ آور چیز (شراب) پی ہے۔؟''

فرمایا: نہیں (انبیاء کرام ایسی غلاظتوں سے پاک اور معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں)

عرض کیا:

''پھر زوردار سانس لیں۔''

آپ نے سانس لی تو ملک الموت نے آپ کی سانس کے ساتھ ہی آپ کی روح کو انتہائی نرمی سے قبض کر لیا۔

اہل کتاب کے بیان کردہ واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار ہوئے اور ایک سو سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ایک روایت یہ ہے کہ آپ ایک سو پچانویں سال کی عمر میں فوت ہوئے اور جبرون میں واقعہ بنی حثی کے کھیت کے مذکورہ مغارہ میں حضرت سارہ کے ساتھ دفن ہوئے۔ان کی تجہیز و تکفین حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام نے کی۔ایک روایت میں ہے کہ وفات کے وقت آپ کی عمر دو سو سال تھی۔جیسا کہ کلبی نے ذکر کیا ہے۔

ابو حاتم ابن حبان اپنی صحیح میں بیان فرماتے ہیں کہ ہمیں مفضل بن محمد الجندی نے مکہ میں بتایا۔ہم سے علی بن زیادہ اللحمی نے بیان کیا۔ہم سے ابوقرہ نے بیان کیا۔انہوں نے ابن جریج سے،انہوں نے یحییٰ بن سعید سے،انہوں نے سعید بن المسیب سے،انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بسولے سے ختنہ کیا۔اس وقت آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی۔اور اس کے بعد آپ اسی سال زندہ رہے۔''

یعنی حضرت ابراہیم کی کل عمر دو سو برس ہوئی ہے۔اسے حافظ ابن عساکر نے عکرمہ بن ابراہیم اور جعفر بن عون العمری کے طریق سے روایت کیا ہے۔ان دونوں نے یحییٰ بن سعید سے،انہوں نے سعید سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

پھر ابن حبان نے کہا ہے:

''باطل خبر کا ذکر ایک ایسے شخص کا قول ہے جسے اس خبر کا موضوع ہونا وہم معلوم ہوتا ہے۔''

ہمیں خبر دی ہے محمد بن عبد اللہ بن الجنید نے،ہم سے بیان کیا ہے قتیبہ بن سعید نے،ہم سے بیان کیا ہے لیث نے،انہوں ابن عجلان سے،انہوں نے اپنے والد سے،انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے،انہوں نے نبی کریم ﷺ سے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

''ابراہیم علیہ السلام جب ایک سو بیس سال کے تھے تو آپ کا ختنہ ہوا،اور اس کے بعد آپ علیہ السلام اسی سال بقید حیات ظاہری رہے اور آپ کا ختنہ بسولے سے ہوا۔''

حافظ ابن عساکر نے اس حدیث کو یحییٰ بن سعید کے طریق سے،انہوں نے ابن عجلان سے،انہوں نے اپنے والد گرامی سے،انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور آپ نے نبی کریم ﷺ سے روایت فرمایا۔

پھر ابن حبان نے عبد الرزاق سے روایت کیا کہ ''القدوم'' (بسولہ نہیں) بلکہ ایک بستی کا نام ہے،یعنی آپ کا ختنہ القدوم نامی بستی میں ہوا)

میں کہتا ہوں کہ صحیح کے الفاظ:

((انہ اختتن و قد ایت علیہ ثمانون سنۃ))

دوسری روایت میں ہے:

((وھو ابن ثمانین سنة))
میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ بعد کی عمر یہی بتاتی ہے۔ (واللہ اعلم)
حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ملک الموت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا:
''آپ کے رب نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ آپ کی روح کو سب سے آسان حالت میں قبض کروں جس میں میں نے کسی مومن کی روح کو قبض کیا ہو۔''
فرمایا:
''میں تجھ سے اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تمہیں بھیجا ہے تم اس کے پاس میری وجہ سے واپس لوٹ جاؤ۔''
تو وہ چلا گیا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:
''آپ کا دوست سوال کرتا ہے کہ اس کی وجہ سے آپ کے پاس لوٹ آؤں۔''
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
''ان کے پاس جا اور کہہ تیرا رب فرماتا ہے کہ دوست اپنے دوست سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔''
وہ ان کے پاس آئے اور یہ بات بتلائی تو انہوں نے فرمایا:
''جس کا تمہیں حکم ہے اسے کر گزر۔''
اس نے عرض کیا:
''آپ نے کبھی شراب پی ہے۔؟''
فرمایا:
''نہیں تو۔''
انہوں نے ان کے منہ کی خوشبو سونگھی اور اسی حالت میں ان کی روح قبض کر لی۔''
(کتاب العظمۃ، از ابوالشیخ، حدیث نمبر ۴۴۸) (حلیۃ الاولیاء، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۲۷۹) (تاریخ طبری، جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۴۸) (تذکرۃ القرطبی، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۸۹)

محمد بن اسماعیل حسانی واسطی نے کہا ہے، وکیع نے اپنی تفسیر میں ان سے روایت کرتے ہوئے جو الفاظ زیادہ کیے ہیں اس میں یہ بھی زائد ہے کہ ہم سے ابو معاویہ نے بیان کیا، انہوں نے یحیٰی بن سعید سے، انہوں نے سعید بن مسیب سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شلوار کا استعمال فرمایا، سب سے پہلے مانگ نکالی، سب سے پہلے موئے زیر ناف لیے، بسولے سے ختنہ کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور اس کے بعد اسی سال زندہ رہے۔ سب سے پہلے آپ نے مہمان نوازی کی اور سب سے پہلے آپ ہی پر بڑھاپا طاری ہوا۔
اسی طرح اسے موقوفاً روایت کیا گیا ہے اور وہ مرفوع کے مشابہ ہے لیکن ابن حبان کے بیان سے مختلف ہے۔
دیگر محدثین نے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں:

''سب سے پہلے آپ نے مونچھیں کٹوائیں، سب سے پہلے آپ نے موئے زیر ناف لیے، سب سے پہلے آپ نے شلوار استعمال کی۔''

حضرت امام مالک یحییٰ بن سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے میزبانی کا شرف حاصل کیا، سب سے پہلے آپ کا ختنہ ہوا، تمام لوگوں سے پہلے آپ نے مونچھیں کٹوائیں۔ سب سے پہلے آپ نے بڑھاپا دیکھا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: پروردگار! یہ کیا ہے؟ رب قدوس نے فرمایا: یہ ''وقار'' ہے۔ عرض کی: پروردار! میرے وقار میں اضافہ فرما۔

شیخ ابن کثیر قصص الانبیاء میں لکھتے ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام، آپ کے بیٹے اسحاق علیہ السلام اور آپ کے پوتے یعقوب علیہ السلام کے مزارات اس چاردیواری میں ہیں جسے سلیمان ابن داؤد علیہ السلام نے جبرون شہر میں تعمیر فرمایا تھا۔ حبرون وہ معروف شہر ہے جو آج الخلیل کے نام سے مشہور ہے۔ اور حبرون کی چاردیواری میں آپ کا مدفون ہونا تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور اس میں کسی کو نہ شک ہے اور نہ اختلاف، لیکن چاردیواری میں کہاں تدفین ہوئی اس کا تعین مشکل ہے، کیونکہ کسی صحیح حدیث میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ بس ضروری ہے کہ اس خطہ پاک کی رعایت کی جائے اور اس کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح بزرگان دین اور انبیاء کی قبروں کا احترام لازم ہے۔ اس جگہ کی تعظیم وتوقیر بہت ضروری ہے۔ اس لیے اس کے آس پاس کسی قسم کی غلاظت نہیں ہونی چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خلیل اللہ علیہ السلام یا آپ کے کسی بیٹے کی قبر انور نیچے ہو اور ہم غلطی سے اس جگہ پر کوئی غلاظت ڈال کر گناہ کے مرتکب ہوں۔''

شیخ ابن عساکر ایک سند کے ذریعے جو وھب بن منبہ تک پہنچتی ہے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر انور پر ایک کتبہ ہے جس پر یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں لیکن کتابت بہت مدھم ہے:

الهی جهولا امله — یموت من جاء اجله
ومن دنا من حفه — هم تخن عنه حیله
وکیف یبقی آخرا — من مات عنه اوله
والمرء لا یصحبه — فی القبر الا عمله

''خدایا! ساری امیدیں محض جھوٹ ہیں، جس کی موت آجاتی ہے وہ اس دنیا سے چل بستا ہے، جو اس کے نشانے کے قریب پہنچ جاتا ہے تو موت سے اس کی کوشش اسے بچا نہیں سکتی اور دوسرا بچ بھی کیسے سکتا ہے، جبکہ اس سے پہلے آنے والا فوت ہو چکا ہو۔ قبر میں ان کا ساتھ کوئی نہیں دیتا، صرف اس کا عمل اس کا ساتھ دیتا ہے۔''

آپ علیہ السلام کے ہاں سب سے پہلے ہاجرہ قبطیہ مصریہ کے بطن پاک سے اسماعیل علیہ السلام کا تولد ہوا۔ پھر آپ کی چچازاد سارہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ پھر آپ نے قنطورا بنت یقطن کنعانیہ سے شادی فرمائی اور

ان کے بطن سے آپ کے چھ بچے پیدا ہوئے:

مدین۔ زمران۔

سرج۔ یقشان۔ نشق۔

باختلاف روایت بچوں کے نام یہ تھے:

زمران۔ یقشان۔ مادان۔ مدین۔

شیاق۔ شوح

پھر آپ علیہ السلام نے حجون بنت امین سے شادی فرمائی جن سے آپ کے پانچ بچے پیدا ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں:

کیسان۔ سورج۔ امیم۔ لوطان۔ ارنافس۔

المختصر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے پدر سوم اور امام الحنفاء ہیں اور اہل کتاب نے آپ کا نام عمود عالم رکھا ہے۔ آپ کی تعظیم وتولیت ومحبت پر جمیع اہل عالم متفق ہیں۔ حضرت خلیل کی اولاد میں سے بہترین نام بردار اور آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار یعنی محمد رسول اللہ ﷺ بھی حضرت خلیل علیہ السلام کی نہایت تعظیم واجلال اور عزت واحترام کیا کرتے تھے، صحیحین میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر نبی کریم ﷺ کو خیر البریہ کہا۔ فرمایا: یہ تو ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ایک جگہ نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنا شیخ فرمایا ہے اور صحیح بخاری کی حدیث حسن ابن عباس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ سروپا برہنہ غیر مختون قبروں سے اٹھیں گے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ خلقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہ تر تھے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا وہ خلقت (جسمانی بناوٹ) میں تمہارے صاحب (رسول مقبول) سے بہت مشابہ ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے کے لئے مجھے دیکھ لو اور عادت مبارکہ یہ تھی کہ جو تعویذ حضرت ابراہیم، اسمٰعیل واسحاق علیہم السلام کو دیا کرتے تھے وہی تعویذ نبی کریم ﷺ حسنین ﷺ کو دیا کرتے تھے۔ بخاری میں سعید بن جبیر، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حسنین رضی اللہ عنہ کو تعویذ دیا کرتے اور فرماتے کہ تمہارے والد بھی اسمٰعیل واسحاق علیہ السلام کو ان ہی الفاظ سے تعویذ دیا کرتے تھے۔ وہ لفظ یہ ہیں:

((أعوذ بكلمات الله التآمة من كل شيطان وهامة ومن كل عين لامة))

اولیات خلیل: حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے بزرگوار ہیں جنہوں نے مہمان نوازی شروع کی، اور وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ختنہ کیا اور وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سفید بال پائے۔

صلوٰۃ نبوی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ سے وجہ تشبیہ:

وہ مسئلہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں، پھر آپ کے لئے جو صلوٰۃ طلب کی جاتی ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی کیونکر ہے، حالانکہ مشبہ بہ کی اصلیت یہ ہے کہ وہ مشبہ سے برتر ہوتا ہے۔

"گویا دو متضاد امر ہو گئے، ان میں جمع کیوں کر ہو سکتی ہے۔"

ہم اس بارے میں لوگوں کے اقوال بھی لکھیں گے اور ان کا صحیح وفاسد ہونا بھی ظاہر کردیں گے:

1: ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ درود نبی کریم ﷺ نے امت کو اس وقت سکھلایا تھا کہ ابھی نبی کریم ﷺ کو یہ بتلایا نہیں گیا تھا کہ: ''آپ فرزندان آدم کے سردار ہیں۔''

اس قول کا قائل اگر خاموش ہی رہتا تو اس کے لئے بہتر واولیٰ تھا، کیونکہ یہ درود نبی کریم ﷺ نے جب آپ ﷺ سے (ان الله وملئكته يصلون) کی تفسیر دریافت کی گئی، تب سکھلایا ہے اور تاقیامت اپنی امت کی نمازوں کے لیے مشروع فرمایا ہے۔ نبی اکرم ﷺ تو ہمیشہ فرزندان آدم علیہ السلام سے افضل تھے۔ بتلائے جانے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ پھر یہ کہ افضلیت معلوم ہو جانے کے بعد بھی تو آپ نے ان الفاظ میں تغیر وتبدل نہیں فرمایا اور کسی نے موجودہ الفاظ درود کے خلاف روایت نہیں کی۔ اس وجہ سے معلوم ہوا کہ یہ تو بہت ہی غلط جواب ہے۔

2: ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ سوال وطلب اس لئے مشروع ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی خلیل بنالے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا۔

اس کا جواب حدیث صحیح سے دیا گیا ہے جس میں ((وان صاحبكم خليل الرحمن)) ہے۔ یعنی نبی ﷺ خلیل الرحمٰن ہیں۔ مطلب یہ کہ اس حصول منصب کے بعد الفاظ کو پلٹ دینا چاہیے تھا۔ اس لئے پہلے جواب کی طرح یہ بھی غلط ہے۔

3۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ تشبیہ درود پڑھنے والے کی طرف راجع ہوتی ہے جو کچھ درود پڑھنے سے اسے ثواب حاصل ہوتا ہے۔

مطلب یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کرتا ہے کہ اس کے ثواب میں اللہ تعالیٰ مجھ پر ایسی رحمتیں نازل کرے جیسی آل ابراہیم پر کی تھیں۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے جو صلوٰۃ مطلوب ہے وہ ایسی اجل واعظم ہے جو اہل عالم میں سے کسی کو حاصل نہیں۔

یہ جواب بھی پہلے جوابوں کا سا ہے بلکہ غلطی میں ان سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ تشبیہ مصلی (درود خواں) کے لئے نہیں بلکہ مصلی علیہ (نبی کریم ﷺ) کے لئے ہے۔ اب جو شخص اس کے یہ معنی سمجھتا ہے کہ الٰہی! میری درود خوانی کا ثواب مجھے وہ دے جو آل ابراہیم کو دیا ہے، بے شک وہ تحریف کرتا ہے اور کلام کو باطل بناتا ہے۔

مندرجہ بالا تینوں جواب تو ایسے ہیں کہ اگر ان کا ذکر بعض شارحین نے نہ کیا ہوتا اور نقل اقوام بالا میں ورق سیاہ نہ کئے ہوتے اور اس کا نام تحقیق رکھ کر لوگوں کو وہم میں نہ ڈالا ہوتا، تب ان کا ذکر نہ کرنا ہی اولیٰ تھا کیونکہ ذی علم کو ایسا لکھنے اور رد کرنے میں بھی حیا آتی ہے۔

4: ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ تشبیہہ فقط آل پر عائد ہے۔ ان کے نزدیک اللھم صل علی محمد تو ایک جداگانہ فقرہ ہے اور وعلی آل محمد کما صلیت علی آل ابراهیم جدا فقرہ۔ اس کو عمرانی نے شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ مگر یہ تو ان سے غلط روایت کی گئی ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی شان اس سے ارفع واعلیٰ ہے کہ ایسا قول کہیں۔ ان کی فصاحت و بلاغت اور ان کا علم ہی کہہ دیتا ہے کہ یہ قول ان کا نہیں۔ یہ تو بہت ہی رکیک وضعیف ہے کیونکہ اول تو بہت حدیثوں میں یہ الفاظ ہیں۔ اللھم صل علی محمد کما صلیت علی آل ابراهیم تو پھر توجیہہ بالا کے کیا معنی ہوں گے۔

دوم: عربیت کے لحاظ سے بھی یہ صحیح نہیں کیونکہ جب عامل کا معمول ذکر کر دیا جائے اور دوسرے کو اس کا معطوف بنایا جائے اور ظرف یا جار و مجرور یا مصدر یا صفت مصدر کی قید بھی ہو تو اس جگہ عامل معمول اور معطوف دونوں پر راجع ہوگا۔ یہ ایسا قاعدہ ہے کہ عربیت اس کے خلاف دوسری بات کو مان نہیں سکتی۔ جب تم یہ کہو گے:

((جاء بی زید و عمرو یوم الجمعة))

''زید اور عمرو دونوں جمعہ کے دن میرے پاس آئے۔''

جمعہ کا دن دونوں کے آنے کا ظرف ہوگا تنہا عمرو کا نہیں۔ یا جب تم کہو گے:

((ضربت زیدا و عمروا ضربا))

''میں نے زید اور عمرو کو مارا۔''

تو ضرب کا اثر دونوں پر سمجھا جائے گا یا کہو:

((ضربت زیدا و عمروا امام الامیر))

''میں نے زید اور عمرو کو امیر کے سامنے مارا۔''

تو امیر کے سامنے دونوں کا پٹنا نکلے گا۔ علی ہذا القیاس اور بہت مثالیں ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ قاعدہ تو جب ہے کہ عامل کا اعادہ نہ ہو، لیکن جب عامل کا اعادہ ہو تب ایسا کرنا بہتر ہوگا۔ مثلاً: کوئی کہے:

((سلام علی زیدو علی عمرو اذالقیته))

''زید اور عمرو پر سلام ہو جب وہ اس سے ملے۔''

تو یہاں کوئی امتناع نہیں ہے، اگر اذ القیتہ کو عمرو کے ساتھ مختص کیا جائے، چونکہ یہ بھی وعلی آل محمد کہہ کر عامل کو مکرر لایا گیا ہے اس لئے معنی بالا درست ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مثال بالا تو مسئلہ صلوٰۃ کے مطابق نہیں، یہ مطابقت تو اس وقت ہوتی جب تم

((سلام علی زید و علی عمرو کما تسلیم علی المومنین))

کہو اور پھر یہ دعویٰ کرو کہ تشبیہ صرف عمرو یا سلام کرنے میں ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ ایسا دعویٰ محض باطل ہے۔

5۔ ایک گروہ کہتا ہے یہ ضروری نہیں کہ مشبہ بہ مشبہ سے اعلیٰ ہی ہو بلکہ جائز ہے کہ دونوں متماثل ہوں یا مشبہ ہی مشبہ بہ سے اعلیٰ ہو۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ گو نبی کریم ﷺ درود میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متماثل (یکساں و برابر) ہیں مگر نبی کریم ﷺ کی افضلیت دیگر وجوہ سے ثابت ہے۔

مشبہ بہ سے مشبہ کے افضل ہونے کی دلیل یہ شعر ہے:

بنونا بنوا ابنائنا وبناتنا

بنوھن ابناء الرجال الاباعد

واضح ہو کہ یہ قول بھی چند وجوہات کی بناء پر ضعیف ہے۔

(الف): مشبہ بہ سے مشبہ کا افضل ہونا خلاف معلوم اور قاعدہ تشبیہ کے مخالف ہے، کیونکہ عرب کسی شے کو دوسری سے تشبیہ تب ہی دیتے ہیں جب وہ اس سے برتر ہو۔

شعر بالا جس سے اس دعویٰ پر دلیل پکڑی گئی ہے اس پر کچھ دلالت نہیں کرتا۔ اس کی نسبت اہل معانی کے ایک گروہ کا قول ہے کہ یا تو اس شعر میں مبتداء موخر اور خبر مقدم اور بنی ابناء کو ابناء سے تشبیہ دی ہے اور خبر کو اس لئے مقدم کیا کہ معنی ظاہر ہوتے رہیں اور التباس واقع نہ ہو۔ سو اس صورت میں تو تشبیہ اپنی اصلیت پر ہے اور یا اس جگہ عکس تشبیہ کا قاعدہ جاری کیا ہے، جیسا کہ قمر کو حسن میں روئے روشن کے ساتھ یا شیر کو مرد دلیر کے ساتھ، یا دریا کو کامل سخی کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ اس تشبیہ میں حسین و دلیر و سخی کو مشبہ کا درجہ دیا گیا ہے اور عکس تشبیہ میں ایسا جائز ہوتا ہے۔ پس اس شعر میں شاعر نے بنی ابناء کو ابناء کا (جو بہر حال بنی ابناء سے برتر ہوتے ہیں) درجہ دیا ہے اور پھر ابناء کو ان سے تشبیہ دی ہے۔ یہ قول تو اہل معانی میں سے ایک گروہ کا ہے مگر میرے نزدیک تو شاعر کا یہ ارادہ ہی پایا نہیں جاتا، اس نے تو پوتا اور نواسہ میں تفریق دکھلانے کا ارادہ کیا ہے اور بتلایا ہے کہ نواسے ہمارے بیٹے نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ اپنے آباء کے تحت ہی ہوتے ہیں، ہاں پوتے ضرورت ہمارے بیٹے ہیں کیونکہ ہمارے بیٹوں کے تحت ہیں۔ پس شعر بالا میں نہ بنی ابناء سے تشبیہ دی گئی نہ بالعکس۔

(ب): صلوٰۃ میں دوسرے شخص کا نبی کریم ﷺ سے متساوی ہونا یوں درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ نام ہے اجل و اعلیٰ مراتب کا اور محمد رسول اللہ ﷺ افضل الخلق ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ جو صلوٰۃ نبی کریم ﷺ کو حاصل ہو وہ دیگر مخلوق سے افضل و برتر ہو۔

پس کوئی شخص اس بارے میں نبی کریم ﷺ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں پھر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکم دیا اور تسلیم کے ساتھ اس کو مؤکد فرمایا۔ یہ خبر اور یہ امر کسی مخلوق کے لئے قرآن مجید میں سوا نبی کریم ﷺ کے ثابت نہیں۔ پھر خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم سے لوگ دنیا و آخرت کی برائی سے بچ کر فلاح وسعادت دارین کو پہنچ گئے اور ان مومنین کے زمرہ میں جن پر اللہ اور فرشتوں کی صلوۃ اترتی ہیں، داخل ہو گئے۔ پس جب نبی کریم ﷺ سے تعلیم یافتہ اس درجہ کے ہیں کہ اللہ اور فرشتوں کی صلوۃ ان پر ہو تو ان کے معلم خیر یعنی خود نبی کریم ﷺ پر اللہ کی اور فرشتوں کی صلوٰۃ کا ہونا کس قدر ضروری ٹھہرا۔

اب تم خیال کرو کہ جتنے معلم خیر (انبیاء) گزرے ہیں ان میں سے کوئی بھی تعلیم کی فضیلت اور کثرت میں نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر نہیں، نہ امت کو عمدہ نصیحت کرنے میں اور نہ تعلیم دینے کے مصائب پر زیادہ صبر کرنے میں۔ اسی لئے امت محمد یہ تعلیم کے اس درجہ تک پہنچ گئی جہاں تک اور امتیں نہیں پہنچیں اور اس امت کو وہ علوم نافعہ و اعمال صالحہ ملے ہیں جن کی وجہ سے یہ خیر امت کہلائی اور لوگوں کی ہدایت کے لئے ذمہ دار ٹھہری، اندریں صورت تم خود ہی خیال کرو کہ اس معلم خیر (رسول) کی صلوٰۃ کیوں کر اس بزرگوار کی صلوٰۃ کے برابر ہو سکتی ہے جو تعلیم میں نبی کریم ﷺ کا مماثل نہیں۔

6۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ یوں تو نبی کریم ﷺ کو صلوٰۃ خاصہ میں سے ایک ایسا حصہ حاصل ہے کہ کوئی اس حصہ میں آپ کے برابر نہیں ہو سکتا، لیکن اس جگہ جس صلوٰۃ کا سوال ہے، یہ اس صلوٰۃ خاصہ سے زائد ہے جو پہلے سے نبی کریم ﷺ کو عطا شدہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ بھی اسی حصہ زائد میں ہے اور اس میں کوئی انکار کی بات نہیں ہے کہ فاضل کے لئے بھی مفضول کی ایک فضیلت کا سوال کیا جائے جس سے فاضل کی خصوصیات فضل پر اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ

ہے کہ بادشاہ ایک شخص کو بہت سارو پیہ دے، اور دوسرے کو اس سے کم، جسے بہت روپیہ دیا گیا وہ پہلے سے غریب تھا اور دوسرا امیر۔ اس پر یہ درخواست کی جائے کہ دونوں کو برابر کا عطیہ عطا ہو تو دیکھو کہ جو پہلے سے امیر تھا وہ بہر حال دوسرے سے (باوجود اس عطیہ میں برابر ہونے کے بھی) بڑھ کر رہے گا۔

لیکن یہ جواب بھی ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ پھر ہم کو صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا تو کچھ شک نہیں کہ صلوٰۃ وہی طلب کی گئی ہے جس کی خبر دی گئی ہے، نہ اس سے کم درجہ کی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ نورانی کی صلوٰۃ اکمل وارجح ہے، مرجوح ومفضول نہیں لیکن بقول اس گروہ کے صلوٰۃ مرجوح طلب کی جاتی ہے نہ راجح۔ اور وہ راجح تب بنتی ہے جب صلوٰۃ خاصہ سے (جو ہم سے طلب نہیں کی گئی) جا کر ملتی ہے۔ اس صورت میں اس قول کے غلط ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہا، کیونکہ پروردگار سے امت کا سوال ہمیشہ نبی ﷺ کے لئے افضل واکمل صلوٰۃ کا ہوتا ہے۔

7۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ تشبیہ صرف اصل صلوٰۃ میں ہے نہ اس کی مقدار کیفیت میں اور سوال کا مدعا ہیئت کی جانب راجع ہے، نہ مقدار موہوب کی طرف۔

اس کی مثال یہ ہو کہ تم کسی کو یہ کہو کہ اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو جیسا فلاں شخص کے ساتھ کیا ہے تو اس سے مقدار احسان مراد نہیں ہوتی، بلکہ صرف احسان کرنا مراد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وأحسن كمأ أحسن الله اليك))

''نیکی کر جیسے اللہ نے تجھ سے نیکی کی ہے۔'' (سورۃ القصص:۲۸/۷۷)

دیکھو یہ کس کی طاقت ہے کہ اللہ کے احسانات کے برابر خود احسان کر سکے تو معلوم ہوا کہ مقدار مراد نہیں اصل احسان مراد ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

((انآ أوحينآ اليك كمآ أوحينآ الى نوح والنبين من بعده))

''ہم نے تیرے پاس وحی بھیجی، جیسے نوح کے پاس اور ان کے مابعد نبیوں کے پاس بھیجی تھی۔'' (سورۃ النساء:۴۰/۱۶۳)

یہاں بھی اصل وحی تشبیہ ہے نہ مقدار وحی میں اور نہ جن پر وحی اتری ان کی فضیلت میں۔ قرآن مجید میں ہے:

((فليأتنا باية كمآ أرسل الأولون))

''لائیے ہمارے پاس نشانی جیسے پہلوں کو نشانی دے کر بھیجا گیا تھا۔'' (سورۃ الأنبياء:۲۱/۵)

اس میں بھی جنس معجزہ مراد ہے، نہ کہ نظیر معجزہ۔ فرمایا:

((ليستخلفنهم فى الأرض كما استخلف الذين من قبلهم))

''البتہ ان کو خلیفہ بنائے گا ملکوں میں، جیسا خلیفہ بنایا ان سے پہلوں کو۔'' (سورۃ النور:۲۴/۵۵)

سب جانتے ہیں کہ دونوں میں خلیفہ بنائے جانے کی کیفیت مختلف تھی اور اس امت کے لئے اوروں کی نسبت زیادہ تکمیل کے ساتھ تھی۔ فرمایا:

((كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم))

''فرض کئے گئے تم پر روزے جیسے تم سے پہلوں پر فرض تھے۔'' (سورۃ البقرۃ:۲/۱۸۳)

یہاں بھی تشبیہ اصل صوم میں ہے، نہ کہ عین وقدر کیفیت میں۔ فرمایا:

((کما بدأ کم تعودون))

"جس طرح تم کو پیدا کیا اسی طرح لوٹا دے گا۔" (سورۃ الأعراف: ۷/ ۲۹)

حالانکہ نشاۃ اولیٰ میں جو مبداء ہے، اور نشاۃ ثانیہ میں جو معاد ہے، جس قدر تفاوت ہے وہ ظاہر ہے۔ فرمایا:

((انآ أرسلنآ الیکم رسولا شاھدًا علیکم کمآ أرسلنآ الی فرعون رسولا))

"بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجے جو تم پر گواہ ہیں، جیسا کہ ہم نے فرعون کی جانب رسول بھیجے تھے۔" (سورۃ المزمل: ۷۳/ ۱۵)

یہاں تشبیہ ارسال میں ہے نہ کہ ہر دو رسول کی مماثلت میں۔

حدیث شریف میں ہے:

((لو أنکم تتوکلون علی اللہ حق توکله لرزقکم کما یرزق الطیر تغدوا خماصاً وتروح بطاناً))

"اگر تم اللہ پر توکل کرو جو توکل کا حق ہے تو تم کو رزق دے، جیسا کہ پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو جاتے ہیں۔"

یہاں بھی تشبیہ صرف اصل رزق میں ہے نہ کہ مقدار و کیفیت میں۔ غرض اور بھی اس کی نظائر بہت ہیں۔

واضح ہو کہ یہ جواب بھی ضعیف ہے۔ چند وجوہات کی بناء پر:

(الف): جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا استعمال اعلیٰ، ادنیٰ، مساوی میں جائز ہے، مثلاً: اگر کوئی کہے کہ کنبہ والوں سے بھی تم ایسا ہی سلوک کرو جیسا اپنے گھوڑے یا غلام سے کیا کرتے ہو تو یہ جائز ہے۔ پس یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر تشبیہ صرف اصل صلوٰۃ میں ہے تو یہ کہنا بھی جائز ہوگا:

(((صل علی محمد کما صلیت علی ال أبی أوفی کما صلیت علی احاد المؤمنین کما صلیت علی ادم و نوح وغیرھم))

کیونکہ تشبیہ اصل صلوٰۃ میں تھی اور مقدار وصفت میں بالکل نہ تھی، اس لئے ایسا شخص جس پر اللہ کی صلوٰۃ ہوئی ہو، خواہ وہ کوئی ہو اسی کا نام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیم یا آل ابراہیم کے ذکر کی کوئی مزیت یا فوقیت نہیں، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس ذکر سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اگر فقط **اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد** کہہ دیا جاتا تب بھی کافی تھا۔

(ب): جو نظائر بیان کی ہیں، وہ صلوٰۃ بر نبی ﷺ کے لئے صحیح نظیر نہیں کیونکہ یہ سب نظائر دو قسم پر ہیں۔ ایک خبر و طلب جو ان میں سے بطور خبر ہے اس کی تشبیہ سے مقصود استدلال اور سمجھانے کی سہولت اور خبر کا بیان کر دینا ہے، جس سے کوئی عاقل انکار نہ کر سکے۔ جیسا کہ مشبہ بہ کا انکار نہیں کر سکتا۔ دیکھو جب اعتراف بدۃ (بار اول پیدائش کا اقرار) موجود ہے تو کہا گیا کہ اعادہ کا انکار کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کی نظیر ہے اور نظیر کا حکم نظیر کے موافق ہے:

((انا ارسلنا الیکم رسولا))

کے معنی یہ ہیں کہ انکار رسالت کیونکر ہو سکتا ہے، حالانکہ پہلے بھی اللہ کے رسول بشارت دہندہ وانذار کنندہ آ چکے ہیں

اور پھر جنہوں نے انکار کیا ان کی بدترین حالت اخذ وعذاب کو بھی تم جان چکے ہو:

((انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح))

کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ہی دنیا کے لئے پہلے رسول نہیں، بلکہ صاحبان وحی پہلے بھی گزر چکے ہیں:

((قل ما کنت بدعا من الرسل))

بھی منکر رسالت محمدیہ کے رد میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ بھی ویسے ہی آیات ومعجزات بلکہ ان سے اعظم و برتر لے کر آئے ہیں جو پہلے رسولوں کے پاس تھے اور رسول کا آنا تمہارے نزدیک بھی کوئی انوکھی بات نہیں۔ تب محمد رسول اللہ ﷺ بھی دیگر انبیاء کی طرف رسول ہیں۔

((لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف))

میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت سے جو مخلوق کے بارے میں ہے اور حکمت سے جس میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا، خبر دی ہے کہ جو ایمان لایا اور عمل صالح کئے اسے زمین میں تمکنت دی جاتی ہے اور اس کے لئے خلف چھوڑا جاتا ہے، اسے ہلاک نہیں کیا جاتا اور اس کے سلسلہ کو قطع نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ مکذبین رسول ہلاک اور ان کے سلسلے قطع کر دیئے جاتے ہیں۔ غرض اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کی خبر دی ہے اور مومنین ومصدقین کے ساتھ جو معاملہ ہوتا رہا ہے وہ بتلایا ہے کہ متبعین محمدی کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا۔

((لو انکم تتوکلون علی اللہ))

کے معنی بھی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ متوکلین کو رزق دیتا ہے جہاں سے وہ نہیں جانتے اور وہ رزق کبھی خالی نہیں رہتے جیسا کہ تم طیور کو دیکھتے ہو کہ صبح گھونسلے سے بھوکے نکلتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو رزق دیتا ہے اور وہ شام کو سیر ہو کر آشیانہ کو آتے ہیں۔ چونکہ تم (انسان) جملہ حیوانات سے اللہ تعالیٰ کے ہاں باکرام ہو۔ پس اگر تم بھی توکل کرنے لگو تو ضرور ایسی جگہ سے رزق دیئے جاؤ گے، جہاں سے نہیں جانتے اور کوئی شخص تمہارے رزق کو روک نہ سکے یہ سب نظائر تو ''اخبار'' کے قبیل سے ہیں۔

رہی قسم طلب وامر۔ اس سے مقصود علت پر آگاہ کر دینا اور جزا کا جنس عمل سے ہونا بتلا دینا ہوتا ہے۔ مثلاً: جب یہ کہیں گے:

((علم کما علمك اللہ)) یا ((احسن کما احسن اللہ الیک))

تو اس میں مامور نعمت کے شکریہ پر جو اللہ نے اسے ارزانی فرمائی آگاہ کر دینا ہوتا ہے اور یہ بتلا دینا کہ اس نعمت کی جزا اسی کی جنس سے ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وجوہ بالا میں سے کسی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف خطاب نہیں ہو سکتا اور اس ذات پاک پر کوئی وجہ بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ چونکہ

((صل علی محمد کما صلیت))

واقع ہوا ہے، اس لئے ذکر تشبیہ لغو ہوا جاتا ہے، جس کا کچھ فائدہ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ الفاظ درود کو ایسا سمجھنا جائز نہیں ہے۔

(ج): ((کما صلیت علی ال ابراھیم)) مصدر محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے:

((صلوۃ مثل صلوتك على آل ابراهيم)).

اور اس کلام کی حقیقت یہ ہے کہ مشبہ کو صلوٰۃ مشبہ بہ کی صلوٰۃ سے مماثل ہو۔ اس لئے حقیقت کلام سے روگردانی کرنا مناسب نہیں۔

8: ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ تشبیہ درود خوانوں کی ایک ایک صلوٰۃ کے ساتھ حاصل ہے۔ گویا ہر ایک درود خواں جس نے ان الفاظ کے ساتھ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ چاہا ہے کہ اپنے رسول پر اس قدر صلوٰۃ بھیجے، جس قدر آل ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے۔ جب ہر ایک درود خواں آل ابراہیم کی صلوٰۃ کے برابر کا سوال کر چکا تو رسول کریم ﷺ کو چند در چند لاتعداد اور ان گنت درود حاصل ہو جائیں گے، جن کے برابر کسی کو نصیب نہیں۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ بادشاہ نے ایک کو ہزار روپیہ دیا۔ پھر رعیت کے تمام اشخاص نے مل کر ایک دوسرے شخص کو ہزار روپیہ دیئے جانے کی جداگانہ درخواستیں کیں۔ جب ہر ایک کی درخواست پر ہزار ہزار روپیہ اس دوسرے کو ملنے لگا۔ تو ظاہر ہے کہ اس کے پاس اتنے ہزار روپیہ ہی ہو جائیں گے جس قدر سائلوں کی تعداد ہے۔

اس تقریر کے بعد انہوں نے خود یہ اعتراض وارد کیا کہ یہ تشبیہ تو صلوٰۃ کی اصل اور افراد میں سے ہر فرد پر واقع ہوئی ہے، اس لئے اشکال ویسا ہی رہا اور جب اس استحقاق سے کم ہے تو اس کے منصب کے لائق نہیں پھر اس کا جواب یہ ہے کہ اشکال تب وارد ہوتا ہے جب حکم تکرار نہ ہو۔ مطلوب امت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ کے بعد صلوٰۃ کا سوال کیا جائے، جس میں سے ہر صلوٰۃ اس صلوٰۃ کے برابر ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے اس صورت میں نبی کریم ﷺ کی صلوٰۃ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ کے مقابلہ میں بے شمار ہوں گی۔

لیکن یہ قول بھی ضعیف ہے کیونکہ یہاں تشبیہ اس درود میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ پر ہے، نہ اس درود میں جو درود خواں پڑھتا ہے۔ الفاظ درود کے معنی تو یہ ہیں کہ الٰہی! نبی ﷺ کو وہی کچھ عطا فرما جو تو نے ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیا ہے۔ گویا صلوٰۃ ابراہیم علیہ السلام کے مساوی صلوٰۃ کا سوال ہے۔ اب یہ سوال جس قدر مکرر ہوتا جائے گا۔ اسی قدر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے نبی کریم ﷺ کے لئے ایسی صلوٰۃ کا سوال کیا جو نبی کریم ﷺ کے استحقاق سے کم ہے اس صورت میں یہ سوال اور اس تکرار تو جانب اشکال کو ہی قوی کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ تشبیہ اصل صلوٰۃ اور اس کے ہر فرد میں واقع ہے اور یہاں تکرار سے اس کا کوئی جواب قائل نہیں دے سکا، کیونکہ محض تکرار مشبہ بہ کو مشبہ سے قوی نہیں بنا سکتا اور مقتضائے تشبیہ کو نہیں پلٹ سکتا۔ ہاں اگر تکرار ایسا کر سکے تب یہ جواب نافع ہو سکتا ہے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ تکرار سے مشبہ کے قوت وفضل میں اضافہ ہو جاتا ہے تو پھر مشبہ بہ اس سے کیونکر کم ہو سکتا ہے؟ نیز کم درجہ کے مشبہ بہ سے کیونکر تشبیہ درست ہو سکتی ہے؟ اس لئے جواب بالا میں جو ضعف تھا وہ ظاہر ہے۔

9: ایک گروہ کا قول ہے کہ آل ابراہیم میں انبیاء ہیں اور آل محمد میں نہیں۔ جب نبی کریم ﷺ اور ان کی آل کے لئے مثل اس صلوٰۃ کے جو ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو ملا ہے، درخواست کی گئی تو ظاہر ہے کہ آل محمد ﷺ کو تو اس میں سے اسی قدر ملے گا جس کے وہ لائق ہیں تو اس صورت میں انبیاء کے حصہ کی زیادتی نبی کریم ﷺ کو ہی ملے گی اور وہ مزیت وفوقیت حاصل ہو جائے گی جو اور کسی کو حاصل نہیں۔

تقریر اس کی یوں ہے کہ سیدنا ابراہیم اور ان کی آل (جس میں انبیاء ہیں) کے صلوٰۃ حاصلہ کو محمد ﷺ اور آل محمد پر تقسیم

کرنے لگے۔ اب اس میں کچھ شک نہیں کہ آل محمد کو آل ابراہیم کے برابر کا حصہ نہیں مل سکتا۔ ان کو تو ان کے استحقاق کے موافق ہی ملے گا۔ پھر باقی رہ جائے گا نبی کریم ﷺ کا حصہ اور وہ حصہ جو آل پر تقسیم کرنے سے بچ رہا ہے۔ اس لئے مجموعہ جو کچھ نبی کریم ﷺ کے حصہ میں رہا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حاصل شدہ سے افضل و اعظم ہے۔ یہ معنی اپنے سے پہلے تمام معانی سے پسندیدہ تر ہیں۔

10۔ اس سے بھی عمدہ یہ ہے کہ محمد ﷺ بھی آل ابراہیم سے ہیں بلکہ بہترین آل ابراہیم ہیں۔ حضرت علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ((ان الله اصطفى آدم و نوحا و ال ابراهيم و ال عمران على العلمين)) کی تفسیر میں کہا ہے کہ محمد (ﷺ) آل ابراہیم سے ہیں۔ اب جس وقت ہم ((کما صليت على آل ابراهيم)) کہیں گے تو اس صلوٰۃ میں بھی رسول اللہ ﷺ مع جملہ انبیاء ذریت ابراہیم سلام اللہ علیہم شامل ہوں گے۔ اس کے بعد ہم کو حکم ملا کہ نبی کریم ﷺ اور نبی کی آل پر خصوصیت کے ساتھ اس صلوٰۃ کا سوال کریں جس کا سوال جملہ آل ابراہیم کے لئے مع نبی ﷺ کے عمومیت کے ساتھ کر چکے ہیں۔ چونکہ آل محمد کو وہی ملے گا جو ان کا حق ہے، اس لئے باقی سب کا سب نبی کریم ﷺ کے لئے رہ جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ جو صلوٰۃ مجموعۃ آل ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے جس کے اندر نبی کریم ﷺ خود بھی ہیں۔ وہ اس صلوٰۃ سے اکمل ہے جو نبی کریم ﷺ کو (دیگر افراد آل ابراہیم علیہ السلام کا حصہ نکال کر) حاصل ہے، لیکن نبی کریم ﷺ کے لئے خصوصیت سے جو سوال کیا جاتا ہے۔ یہ اس صلوٰۃ کے برابر کا سوال ہے جو جملہ آل ابراہیم نبی کریم ﷺ کو حاصل تھا اور ظاہر ہے کہ یہ امر عظیم ہے اور قطعاً اس سے زائد ہے جو آل ابراہیم علیہ السلام کو حاصل تھا۔

اب فائدہ تشبیہ بھی ظاہر ہو گیا اور تشبیہ اپنی اصلیت پر بھی جاری ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ اس لفظ کے ساتھ جو صلوٰۃ نبی کریم ﷺ کے لئے مطلوب ہے وہ غیر نبی کے مطلوب سے عظیم تر ہے کیونکہ دعا سے مطلوب مشبہ بہ کی مثل ہے اور اس مشبہ بہ کے اندر نصیب وافر نبی کریم ﷺ کا ہے، اس لئے مشبہ مطلوب بالضرور اس حصہ سے جو صرف ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہے اکثر وافر ہو گا، کیونکہ مشبہ بہ میں جو حصہ صرف نبی کریم ﷺ کو بھی حاصل تھا وہ بھی شامل شدہ ہے۔ اس معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر جس میں انبیاء ہیں، نبی کریم ﷺ کا فضل و شرف بھی ظاہر ہو گیا اور نبی کریم ﷺ کے درجہ اور منصب علیا کے لائق بھی بات بن گئی اور یہ درود اس تمام فضیلت اور اس کے اسباب و تقاضوں پر جو تابع فضیلت ہیں، دلالت کنندہ ثابت ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب و خلیل محمد ﷺ و آل محمد پر صلوٰۃ بھیجے اور بہت بہت سلام نازل فرمائے اور ہماری جانب سے نبی کریم ﷺ کو جزا دے، اس سے بڑھ کر جو کسی نبی کو اس کی امت کی جانب سے دی جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام و آل ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ کے مثل صلوۃ بھیجنا:

تمام صحیح و حسن حدیثوں میں نبی کریم ﷺ و آل محمد کا ذکر تو صریح ہے، رہا مشبہ بہ یعنی سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل۔ سو یا تو فقط آل ابراہیم کا ذکر ہے یا صرف ابراہیم (علیہ السلام) کا۔ کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جس میں ابراہیم و آل ابراہیم ہو، جیسا کہ محمد و آل محمد ہے۔ اس جگہ ہم احادیث واردہ کا کچھ ذکر کریں گے اور پھر جو کچھ رب کریم نے ہم پر ظاہر کیا ہے وہ گزارش کیا جائے گا۔ واضح ہو کہ حدیث صحیح چار وجوہ پر ہے:

1- مشہور ترین حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی ہے، جسے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے۔ اس میں ((کما صلیت علی ابراھیم)) (کما علی ابراھیم)) اور ((بارکت علی آل ابراھیم)) ہے۔

ابوداؤد کی ایک روایت بھی اسی طرح ہے اور ایک روایت میں ((کما صلیت علی ابراھیم)) اور ((کما بارکت علی آل ابراھیم)) ہے۔

2- صحیحین میں حضرت ابوحمید ساعدی کی حدیث میں ((کما صلیت علی ابراھیم)) اور ((کما بارکت علی ال ابراھیم)) ہے اور ایک روایت میں ((کما صلیت علی ابراھیم و کما بارکت علی ابراھیم)) ہے اور دونوں جگہ ((آل ابراھیم)) کا ذکر نہیں۔

3- صحیح بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ((کما صلیت علی ابراھیم)) اور ((کما بارکت علی ال ابراھیم)) ہے۔

4- مسلم میں حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ((کما صلیت علی ابراھیم)) اور ((کما بارکت علی ال ابراھیم)) ہے۔ اسی حدیث کی ایک روایت میں ((کما صلیت علی ابراھیم و کما بارکت علی ابراھیم)) ہے۔ یعنی ((آل ابراھیم)) کا ذکر نہیں۔

غرض اس مشہور احادیث کے یہی الفاظ ہیں جس سے یہ چار صورتیں نظر آتی ہیں۔

۱- اکثر میں لفظ آل ابراہیم ہر دو جگہ ہے (یعنی صلوٰۃ و برکت میں)

۲- بعض میں لفظ ابراہیم ہر دو جگہ ہے۔ (یعنی صلوٰۃ و برکت میں)

۳- بعض میں لفظ ابراہیم اول (صلوٰۃ) میں اور لفظ آل ابراہیم دوم (برکت) میں ہے۔

۴- بعض میں اس کے برعکس ہے۔

لیکن یہ ابراہیم و آل ابراہیم کا ایک درود میں جمع ہونا اسے بیہقی نے سنن میں یحییٰ بن سباق کی حدیث سے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ دارقطنی نے ابن اسحاق کی روایت سے حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں روایت کیا ہے، اس کی سند کو حسن متصل کہا ہے۔ نسائی نے موسیٰ بن طلحہ عن ابیہ کی حدیث میں بھی جمع کے ساتھ روایت کی ہے اور پھر دونوں جگہوں میں صرف ذکر ابراہیم کے ساتھ بھی روایت کی ہے۔

ابن ماجہ نے سنن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث موقوفاً روایت کی ہے اور دونوں لفظ جمع ہیں۔

ان کے سوا عموماً احادیث جو صحاح و سنن میں ہیں، اول تو ان میں صرف آل ابراہیم پر اکتفاء ہے یا صرف ابراہیم پر۔ (دونوں جگہوں میں) یا ایک جگہ آل ابراہیم اور ایک جگہ ابراہیم پر۔ چنانچہ حدیث ابوہریرہ (جو شروع کتاب میں ہے) میں بھی ایسا ہی ہے۔

پس جن احادیث میں صرف حضرت ابراہیم کا دونوں جگہ (صلوٰۃ و برکت) کا نام آیا ہے، اس کی وجہ تو یہ ہے کہ جس درود کی تشبیہ دی گئی ہے اس میں اصل حضرت خلیل اللہ ہی ہیں اور آپ کی آل آپ کی تبعیت میں ہے اور متبوع کا ذکر تابع پر دلالت کیا کرتا ہے اور تابع اسی کے تحت میں ہوتا ہے اور جداگانہ اس کے ذکر کی حاجت نہیں ہوتی۔

اور جس جگہ صرف آل ابراہیم علیہ السلام ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خود بھی اس کے اندر داخل ہیں۔ جیسا کہ قاعدہ عربیت بیان ہو چکا۔ پس آل ابراہیم کہہ دینے سے آپ کے ذکر کی حاجت نہ رہی اسی میں خود حضرت خلیل اور آل دونوں آگئے اور جن احادیث میں ایک جگہ تو ابراہیم ہے اور دوسری جگہ آل ابراہیم۔ وہاں دونوں اصولوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ یعنی پہلے متبوع کا ذکر کر دیا جو اصل ہے (اور تابع اس کے تحت میں ہے) پھر اتباع کا لفظ آل کے ساتھ ذکر دیا جس کے اندر متبوع خود بھی شامل ہے۔

اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ لفظ محمد و آل محمد کا اکٹھے اور ابراہیم یا آل ابراہیم کا الگ الگ عموماً احادیث میں کیوں ذکر ہوا ہے۔

جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کی آل پر صلوٰۃ کا ذکر مقام طلب و دعا میں ہے اور حضرت ابراہیم کی صلوٰۃ کا ذکر بطور خبر و تذکرہ واقع ہوا ہے، کیونکہ ((اللهم صل على محمد و على ال محمد)) جملہ طلبیہ ہے اور ((كما صليت على آل ابراهيم)) جملہ خبر۔ جملہ طلبیہ جب دعا و سوال کے موقع پر واقع ہوتا ہے تو اس کا بسط و تطویل ہی زیادہ انسب ہے اور اختصار و حذف نہیں۔ اسی لئے اس کا تکرار و اعادہ مشروع ہوا۔

بے شک یہ دعا ہے اور اللہ تعالیٰ دعا میں الحاح کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ تم نبی کریم ﷺ کی ادعیہ میں دیکھو گے کہ الفاظ کو بسط کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے اور ہر معنی کا ذکر صریح لفظ کے ساتھ ہوا ہے اور اس پر اکتفا نہیں کیا گیا کہ دوسرا لفظ اس معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ مثلاً: اس دعا کو لو جسے مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے:

((اللهم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما أنت اعلم به من أنت المقدم وأنت المؤخر لااله الا أنت))

''الٰہی! مجھے بخش دے جو کچھ میں نے آگے کیا اور جو پیچھے کیا، جو کچھ میں نے چھپایا اور جو علانیہ کیا اور جو کچھ تو میری حالت جانتا ہے، تو ہی مقدم ہے، تو ہی مؤخر ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔''

ظاہر ہے کہ اگر ان الفاظ کے مقابلہ میں:

((اغفرلی كل ما صنعت))

''سب کچھ جو میں نے کیا وہ مجھے بخش دے۔''

کہا جائے تو اس میں ایجاز ہے، لیکن چونکہ حدیث دعا و تضرع اور اظہار عبودیت و فقر میں ہے اور ان جملہ انواع کا جن سے بندہ توبہ کرتا ہے، تفصیلاً پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اس لئے ایجاز و اختصار سے بھی زیادہ موزوں اور بلیغ ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے:

((اللهم اغفرلی ذنبی كله دقه وجله سره وعلانيته أوله واخره))

''الٰہی! میرے تمام ذنب بخش دے، چھوٹے ہوں یا بڑے، مخفی ہوں یا علانیہ، پہلے ہوں یا پچھلے۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

((اللهم اغفرلی لی خطیئتی وجهلی واسرافی فی امری وأنت اعلم به منی اللهم

اغفرلی جدی وھزلی وخطئی وعمدی و کل ذلك عندی))

''الٰہی! میری خطا، میری لاعلمی، اور کام میں بڑھ کر چلنا جس کو تو بخوبی جانتا ہے سب کی سب بخش دے۔ الٰہی! مجھے بخش دے برا ارادہ اور لغو حرکتیں، دانستہ و نادانستہ قصور کہ یہ سب حالتیں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔''

یہ بات ادعیہ ماثورہ میں بکثرت ہے کیونکہ دعا کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبودیت اور فقر اور تذلل کا ظاہر کرنا ہے۔

پس جس قدر زیادہ بندہ اس کو طول دے گا، بڑھائے گا، دہرائے گا، از سرنو شروع کرے گا، اسی قدر اس کی عبودیت و تذلل اور اظہار فقر کے مناسب حال ہوگا اور یہی امر پروردگار سے قریب تر ہونے اور ثواب عظیم حاصل کرنے کا باعث ہوگا۔ یہ خاص امر عادت مخلوص کے برخلاف ہے، کیونکہ مخلوق کے پاس جب سوال کی کثرت ہوتی ہے اور بار بار حاجات پیش کی جاتی ہیں، اس سے سائل کی بے عزتی ہوتی ہے اور محبت نفرت میں بدل جاتی ہے۔ اگر سوال نہ کرو تب وقار قائم رہتا اور محبت بنی رہتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے جہاں تک تم سوال کرو گے اس کا قرب بڑھتا جائے گا اور اس کے پیارے بنتے جاؤ گے اور جتنی زیادہ گڑگڑاہٹ دعا میں ہوگی اتنی ہی اللہ کی محبت تمہاری جانب بڑھ جائے گی۔ جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تو سوال نہ کرنے سے غضب ناک ہوتا ہے اور بندے سوال کرنے سے خفا ہوتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مطلوب، زیادہ طلب سے زیادہ ملتا ہے اور طلب ناقص ہو تو کم۔ رہی خبر وہ تو امر واقع شدہ کا ذکر ہے جو ہو چکا ہے اور جس میں زیادت و نقصان کا احتمال نہیں۔ اس لئے اس میں طول دہی سے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً جب کہ مخاطب کو توضیح و تفہیم کی ضرورت نہ ہو۔ اس وقت تو ایجاز و اختصار ہی احسن و اکمل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی لفظ ابراہیم واقع ہوا ہے اور کبھی آل ابراہیم، کیونکہ دونوں الفاظ میں سے ہر ایک لفظ دوسرے پر دلالت کرتا ہے۔ رہا مقام طلب پس اگر صرف ((صلی علی محمد)) کہا جاتا تو صلوٰۃ بر آل پر دال نہ ہوتا، کیونکہ یہ تو التجاء درخواست کا موقع تھا، نہ کہ کسی امر واقع شدہ کی اطلاع دہی کا اور اگر صرف ((صل علی آل محمد)) کہا جاتا، تب نبی کریم ﷺ عموم میں داخل ہوتے۔ اس لئے درود شریف میں ((صلی علی محمد وعلی آل محمد)) کہا گیا۔ اس سے بخصوصیت بھی نبی کریم ﷺ پر درود ہو گیا اور آل کی شمولیت میں بھی۔

واضح ہو کہ ایسے مقام پر لوگوں کے دو طریق ہیں۔ ایک یہ کہ گو نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک جداگانہ موجود ہے، تاہم آل محمد کے لفظ میں بھی آپ داخل ہیں۔ گویا نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر دوبارہ ہوا، اس لئے درود بھی حضور پر مکرر پہنچا۔ یہ طریق تو اس شخص کے مذہب کے موافق ہے جو خاص کے بعد عام کا ذکر ہونے سے خاص کو عام کے اندر بھی شامل سمجھا کرتا ہے۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ خاص کا ذکر خصوصیت سے ہونا دلالت کرتا ہے کہ خاص عام میں داخل نہیں۔ اس طریق کے موافق بھی الفاظ درود شریف میں چند فوائد پائے جاتے ہیں:

(الف): چونکہ نبی کریم ﷺ نوع عام سے اشرف تھے، اس لئے جداگانہ لفظ سے مخصوص کئے گئے تاکہ نوع برتر و تمیز ہونے کی وجہ سے خصوصیت لفظی میں بھی امتیاز رہے۔

(ب): اس طریق سے نبی کریم ﷺ کی اختصاص و فوقیت پر جو لفظ عام کی مندرجہ تحت انواع پر حاصل ہے آگاہی

ہوگئی۔

(ج)۔ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ صلوۃ نبی کریم ﷺ پر تو فی الاصل ہے اور آل پر جمعیت میں۔

(د)۔ ذکر مبارک کے خاص کر دینے سے عدم تخصیص کا توہم جاتا رہا اور معلوم ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کا صرف لفظ عام کے اندر مذکور ہونا جائز نہیں، بلکہ نبی کریم ﷺ کا ذکر تو مراد اصلی اور مطلوب قطعی ہے۔

صلی الله علیه و آله بقدر حسنه و کمالیه

آل ابراہیم:

آل ابراہیم: وہ آپ کی اولاد ہے اسماعیل واسحاق علیہما السلام سے جیسا کہ ایک جماعت نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اگر ثابت ہو جائے کہ حضرت سارہ وہاجرہ سلام اللہ علیہما کے علاوہ بھی کسی بیوی سے آپ کی اولاد ہے تو لامحالہ وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ پھر ان میں سے وہ مراد ہیں جو مسلمان، بلکہ متقی ہیں۔ پس ان میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہی شامل ہیں، دوسرے نہیں۔ یہاں دو سوال ہیں:

سوال: اول یہ کہ تمام نبیوں میں سے صرف ابراہیم علیہ السلام سے مشابہت کیوں ہے باقی نبیوں سے کیوں نہیں۔؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو ان کی عزت افزائی کیلئے یا بدلہ اتارنے کیلئے کہ انہوں نے امت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دعا مانگی تھی:

((رب اغفرلی ولوالدی و للمومنین یوم یقوم الحساب))

''پروردگار! مجھے، میرے ماں باپ اور ایمان والوں کو بخش دینا اس دن جب حساب قائم ہوگا۔''

یا اس لئے کہ کوئی اور نبی اس بات میں ان کا شریک نہیں اور درود شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خصوصیت سے یا تو اس لیے ذکر آیا کہ وہ اللہ کے خلیل اور محمد اللہ کے حبیب ہیں، یا اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شریعت کا اعلان کرنے والے ہیں کہ اللہ نے ان کو حکم:

((واذن فی الناس بالحج یاتوك رجالا و علی کل ضامرا))

''لوگوں میں حج کا اعلان کرو لوگ تمہارے پاس پیدل اور دبلی اونٹنیوں پر آئیں گے۔''

اور محمد رسول اللہ ﷺ دین کا اعلان کرنے والے ہیں۔ فرمایا:

((ربنا اننا سمعنا منادیاً للایمان))

''اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم نے اعلان کرنے والے کو سنا، جو ایمان کا اعلان کرتا ہے۔''

اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے یہ سوال کیا تھا، جب انہوں نے خواب میں جنت دیکھی اور اس کے درختوں پر **لا اله الا الله محمد رسول الله** لکھا دیکھا، جبریل علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے سرکار دو عالم علیہ السلام کی شان بتائی۔ آپ نے دعا مانگی:

''الٰہی! امت محمد کی زبانوں پر میرا ذکر جاری کر رکھنا۔''

یا اس وجہ سے کہ فرماتے ہیں:

((واجعل لی لسان صدق))

''پچھلوں میں میرے لیے سچی زبان رکھنا۔''

یا اس لئے کہ باقی انبیائے کرام میں آپ ہی سب سے افضل ہیں۔

دوسرا سوال: کما صلیت علی ابراهیم و علی آل ابراهیم میں حضور علیہ السلام پر اور آپ کی آل پر بھیجا جانیوالا درود شریف مشبہ ہے اور ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد پر بھیجا جانے والا درود مشبہ بہ ہے، حالانکہ معاملہ درحقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ محمد، ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم سے افضل ہیں، خصوصاً جب کہ آل محمد حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور افضل ہونے کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس درود و رحمت کو طلب کیا جا رہا ہے وہ ہر دوسرے درود و رحمت سے افضل ہو جو کسی اور کو حاصل ہو گئی یا ہو گی؟

جواب: اس سوال کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں جن میں سے امام نووی نے امام شافعی کا جواب بہت پسند کیا ہے۔ تشبیہ کا تعلق آل سے (اور آل ابراہیم میں خود محمد بھی شامل ہیں جب کہ آل محمد میں کوئی آپ کا ثانی یا آپ سے افضل نہیں، لہٰذا تشبیہ صحیح ہے) یا تشبیہ کا تعلق جماعت کا جماعت سے ہے۔ حاصل وہی ہو گا یا تشبیہ اصل صلاۃ کو اصل صلاۃ سے دی گئی ہے۔ درجہ و مرتبہ میں تشبیہ نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے:

((انا اوحينا اليك كما اوحينا الى نوح))

''بے شک ہم نے تمہاری طرف ایسے وحی کی، جیسے نوح علیہ السلام کی طرف۔''

اور فرمان باری تعالیٰ:

((كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم))

''تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کئے گئے۔''

قول مختار یہ ہے کہ مراد اصل روزوں میں تشبیہ ہے، نہ کہ وقت میں یا معین روزوں میں۔ یہ ایسا ہی ہے، جیسے کوئی کہے: اپنے بیٹے سے بھی اسی طرح احسان کر، جیسے تو نے فلاں سے احسان کیا ہے اور مراد اصل احسان ہو نہ کہ مقدار۔ اسی قبیل سے اللہ کا یہ فرمان ہے:

((احسن كما احسن الله اليك))

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے فرمایا احسان کر جیسے تیرے ساتھ اللہ نے احسان فرمایا۔''

القرطبی نے المفہم میں اس جواب کو ترجیح دی ہے۔

عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المنن الکبریٰ کے چودھویں باب میں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان اور رازِ القان سے میرے مشاہدے پر جو احسان کیے ان میں سے یہ بھی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے علی الاطلاق افضل ہیں۔ پس اہل زمین و آسمان میں سے کوئی بھی آپ کے کسی مقام و مرتبہ میں آپ کا شریک نہیں، پھر یہ حقیقت کسی دلیل پر موقوف نہیں۔ جس کی بصیرت اللہ نے ختم کر دی اور جس کی نگاہ چمگادڑ کی سی ہو گئی (اسے یہ حقیقت نظر نہیں آ سکتی) کیونکہ حضور علیہ السلام کی شریعت کا نور، دوپہر کے وقت سورج کے نور سے زیادہ روشن ہے، اس سلسلہ میں یہی دلیل کافی ہے کہ شرق و

غرب میں تمام مخلوق پر آپ کی فضیلت پر امت کا اتفاق ہے اور یہ واضح تر ہے کسی دلیل پر موقوف نہیں، حالانکہ ان تمام لوگوں نے ان کو دیکھا نہیں صرف آپ کی شریعت کو دیکھا اور سنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((لا تجتمع امتی علی الضلالة))

"میری امت گمراہی پر اتفاق نہیں کرے گی۔"

ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سیدنا محمد سے افضل ہیں، دلیل یہ پیش کی کہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو نماز میں درود شریف پڑھنے کی جو تعلیم دی اور حدیث تشہد میں جو فرمایا:

((کما صلیت علی ابراهیم و علی آل ابراهیم))

تو علمائے معانی کا یہ قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے افضل ہوتا ہے۔ اس شخص سے یہ نکتہ پوشیدہ رہا کہ یہ مسئلہ ایک سبب سے پیش آیا وہ یہ کہ صحابہ کرام نے جب کہا:

"یا رسول اللہ! آپ پر سلام پڑھنا تو ہمیں معلوم ہے درود (صلاۃ) کس طرح پڑھیں۔؟ جب نماز ادا کریں۔"

فرمایا:

"کہو: **اللهم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم و علیٰ آل ابراهیم انك حمید مجید اللهم بارك علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کمابارکت علی ابراهیم و علیٰ آل ابراهیم انك حمید مجید))**

پس آپ کا فرمان: **کما صلیت علی ابراهیم** کہ یہ ہے کہ آپ سے درود شریف کی صورت و کیفیت کا سوال کیا گیا تھا۔ پس تشبیہ صرف کیفیت میں ہے۔ غور کیجئے جب آپ کسی ولی یا عالم کو کہتے ہیں کہ مجھے آپ ادب سے سلام کرنا سکھائیں تاکہ ہم آپ کو ادب سے سلام کریں آپ کی تعظیم، مدح اور لوگوں میں آپ کی فضیلت بیان کریں تو اس کیلئے سوائے خاموشی کے اور چارۂ کار کیا ہوگا؟ یا پھر بولیں تو عاجزی و انکساری کے الفاظ بولیں۔ اسی لئے حضرت کعب بن عجزہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ جب ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"آپ پر کس طرح درود بھیجا کریں۔؟"

آپ خاموش ہو گئے اور چہرہ اقدس کی رنگت سرخ ہو گئی۔ یہاں تک کہ ہم نے اظہار افسوس کیا کہ ہم یہ سوال نہ پوچھتے تو بہتر ہوتا، یہ سب کچھ شدت حیاء کی بنا پر تھا اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((انا سید ولد آدم یوم القیامة ولا فخرو اول من تنشق عنه الارض و اول شافع واول مشفع))

"میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا کوئی فخر نہیں اور پہلا شخص جس کی زمین شق ہو گی اور (باہر آؤں گا) اور پہلا شفاعت کرنے والا اور پہلا مقبول شفاعت ہوں۔"

یہ فرمان واضح طور پر آپ کی فضیلت ثابت کر رہا ہے، یہاں تک کہ خود آدم علیہ السلام پر بھی۔

اور فرمان باری تعالیٰ:

((وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ))

''محبوب! اپنی خواہش سے نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔''

یہ محض آدم علیہ السلام کے ساتھ اظہار ادب ہے، کیونکہ بیٹے کیلئے مناسب نہیں کہ کہے میں اپنے باپ سے افضل ہوں۔ (اگر چہ افضل ہو) ہاں جہاں اذنِ الٰہی آ گیا تو بیان واقعہ کر دیا جیسے اس حدیث میں

((آدم فمن دونہ تحت لوائی))

''آدم اور دوسری مخلوق میرے پرچم کے نیچے ہوں گے۔''

علمائے مصر نے اس شخص پر بشرطیکہ اس کا یہ قول ثابت ہو جائے، احتجاج کیا ہے۔ مثلاً: سیدی محمد البکری، سیدی محمد الرملی، شیخ ناصر الدین طبلاوی، شیخ نور الدین طند تائی نے اور یہ کتابیں عالم مجمعوں میں پڑھی گئی جہاں بے شمار لوگ تھے، اس کو سمجھ لیجئے سب تعریف اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔

امام شعرانی کی یہ حکایت اس منکر، ذلیل شخص کی حکایت سے ملتی جلتی ہے جسے انہوں نے اپنی کتاب ''طبقات کبریٰ'' میں عارف باللہ سیدی ابو المواہب شاذلی کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ابو المواہب فرمایا کرتے تھے: جامعہ الازہر میں میرے اور ایک دوسرے شخص میں صاحب قصیدہ بردہ کے اس قول میں جھگڑا ہو گیا:

((فمبلغ العلم فیہ انہ بشر وانہ خیر خلق اللہ کلھم))

''حضور علیہ السلام کے متعلق ہمارے علم کی پہچان یہاں تک ہے کہ آپ انسان ہیں اور بے شک آپ اللہ کی تمام مخلوق سے افضل ہیں۔''

اس شخص نے کہا:

''امام بوصیری علیہ الرحمہ کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔''

میں نے اس سے کہا:

''اس پر امت کا اجماع ہے۔''

لیکن اس نے اپنی بات سے رجوع نہ کیا تو میں نے حضور علیہ السلام کو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ہمراہ (خواب میں) جامعہ ازہر کے منبر کے پاس بیٹھے دیکھا۔ مجھے فرما رہے ہیں: مرحبا حبیبنا ''ہمارے دوست! خوش آمدید'' پھر اپنے صحابہ سے فرمایا: جانتے ہو آج کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: فلاں نامراد کا عقیدہ ہے کہ فرشتے مجھ سے افضل ہیں۔ ان سب نے کہا: یا رسول اللہ! روئے زمین پر آپ سے افضل کوئی نہیں۔ فرمایا: تو اس نامراد کو کیا ہو گیا جو زندہ نہ رہے گا، اگر زندہ رہا بھی تو ذلیل و خوار ہو گا، تنگ دست ہو گا، کمزور ذریعنی حقیر، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ میری فضیلت پر اجماع امت نہیں۔''

اسے معلوم نہیں کہ معتزلہ کی اس مسئلہ میں اہل سنت سے مخالفت اجتماع میں رخنہ نہیں ڈال سکتی۔

علامہ قسطلانی نے اپنی شرح بخاری اور مواہب اللدنیہ میں عارف ربانی ابو محمد مرجانی کا یہ قول نقل کیا ہے:

''حضور علیہ السلام نے جو یہ فرمایا: کما صلیت علی ابراھیم یا کما بارکت علی ابراھیم اور یہ نہیں فرمایا: کما صلیت علی موسیٰ اس میں راز یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جلالی تجلی پڑی تھی، اس لیے موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے اور حضرت خلیل علیہ السلام پر جمالی تجلی پڑی تھی کیونکہ محبت و خلت تجلی و جمال کی علامت ہیں، اس لیے آپ نے مسلمانوں کو اس طرح درود بھیجنے کی دعا کا حکم دیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا تاکہ وہ سرکار دو عالم ﷺ کیلئے اللہ سے تجلی جمال کی دعا مانگیں۔ یہ بات حضور السلام اور خلیل علیہ السلام کی برابری کا تقاضا نہیں کرتی، کیونکہ آپ نے مسلمانوں کو صرف یہ حکم دیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کیلئے ایسی تجلی مانگیں جیسی ابراہیم علیہ السلام کو ملی تھی۔ اس حدیث کا مقتضی صرف یہ ہے کہ وصف جمالی کی تجلی کے حصول کی دعا کی جائے۔ اس کا مقتضی ہرگز یہ نہیں کہ دونوں مقامات کی تجلیات برابر ہیں اور دونوں کا مرتبہ برابر ہے۔ بے شک اللہ سبحانہ، دونوں حضرات پر ان کے مرتبہ و مقام کے مطابق تجلی فرمائے گا۔ اگرچہ دونوں وصف جمالی کی تجلی میں شریک ہیں۔ پس خلیل علیہ السلام پر ان کے مرتبہ کے مطابق تجلی جمال کا نزول ہوا اور ہمارے آقا محمد پر تجلی جمال کا نزول ان کی شایانِ شان ہے۔ اسی طرح حدیث کو سمجھا جاسکتا ہے، یعنی محمد کا مقام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مقام سے بلند تر ہے۔ پس جس درود کا حضور علیہ السلام کیلئے مطالبہ کیا جاتا ہے وہ اس درود سے افضل ہے جو اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ یہ تفصیل امام نووی کے اس قول کی تائید کرتی ہے، امام نووی کا قول ہے کہ ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درود سے تشبیہ دینے سے اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور علیہ السلام سے افضل ہیں۔ اس کا بہترین جواب وہ ہے جو امام شافعی کی طرف منسوب ہے:

((التشبیه لاصل الصلاة باصل الصلاة))

''تشبیہ نفس صلاۃ کو نفس صلاۃ سے ہے۔''

علامہ احمد بن حجر مکی نے اپنی کتاب ''الجوهر المنظم فی زیادة القبر الشریف النبوی المکرم'' میں فرمایا: سیدنا ابراہیم خلیل اور آپ کی آل اہل ایمان کو درود شریف میں ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے رحمت و برکت صرف ان کیلئے جمع کی ہے۔

سورۃ ہود میں فرمایا:

((رحمة الله وبركاته علیكم اهل البیت انه حمید مجید))

''اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تم پر ہوں اے نبی کے گھر والو! بے شک وہ خوبیوں والا اور بزرگی والا ہے۔''

اور بے شک ہمارے نبی محمد ﷺ کے بعد وہی تمام نبیوں میں افضل ہیں۔

لفظ عالمین کی تحقیق:

حدیث میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت میں آتا ہے کہ عالمین سے مراد دنیا کی اقسام ہیں۔ اس میں اور اقوال بھی ہیں۔ کہا گیا ہے: فلک الافلاک کے پیٹ میں جو کچھ ہے اور کہا گیا ہے: جس میں روح ہے اور کہا گیا ہے: ہر حادث اور کہا گیا ہے: عقلمندوں کی قید کے ساتھ (عقلمند حادث) اور یہ کہا گیا ہے: صرف انسان اور جن، اور کہا گیا ہے: یہ

دونوں اور فرشتے اور شیاطین۔

صحاح (جوہری) میں فرمایا:

''عالم خلق (مخلوق) اس کی جمع عوالم۔ عالمون مختلف اقسام کی مخلوق۔''

محکم میں کہا:

''عالم تمام مخلوق۔ اس کا واحد نہیں کیونکہ یہ مختلف چیزوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی جمع ہے عالمون۔''

فی العالمین کہہ کر یہ اشارہ کر دیا کہ ابراہیم علیہ السلام پر رحمت و برکت کا ہونا ساری دنیا میں مشہور ہے، ان کا مرتبہ و مقام ہر طرف پھیلا ہوا ہے اور یہ کہ نبی کریم علیہ السلام کیلئے وہ درود اور برکت مطلوب ہے جو مخلوق میں مشہور و معروف ہونے میں اس رحمت و برکت سے مشابہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وتركنا عليه في الاخرين سلام على ابراهيم))

''ہم نے اسی عزت وتکریم کے ساتھ ان کا ذکر پیچھے آنے والوں میں باقی رکھا۔ ابراہیم پر سلام ہو۔''

حمید و مجید کے معنی:

واضح ہو کہ حمید فعیل کے وزن پر حمد سے ہے اس کے معنی محمود ہیں، مگر محمود سے بلیغ تر ہے، کیونکہ جب مفعول سے عدول کر کے فعیل کا وزن لیا جاتا ہے تو وہ یہ دلالت کرتا ہے کہ یہ صفت بمنزلہ حرارت اصلی، خلق جبلی اور طبیعت کے بن گئی ہے۔ کسی کو ظریف و شریف یا کریم کہنے سے یہی غرض ہوتی ہے اور اسی لئے یہ بناء غالباً فعل بروزن شرف سے آتی ہے، کیونکہ یہ بناء لازمی صفتوں اور اصلی حالتوں کے لئے ہے۔ مثل کبر و حسن ولطف وغیرہ یہی وجہ ہے کہ حبیب، محبوب سے زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ حبیب وہ ہے جس کے اندر صفات وافعال ایسے پائے جاتے ہوں جن کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت کی جائے۔ پس وہ فی نفسہ حبیب ہے گو کوئی شخص عدم شعور سے اس کے ساتھ محبت نہ کرے یا کسی مانع سے اس کی محبت پر مطلع نہ ہو اور محبوب وہ ہے، جس سے کوئی محبّ محبت کرنے لگے اور یہ اس کی محبت کرنے سے محبوب کہلائے۔ غرض حبیب اپنی ذات وصفات کی وجہ سے حبیب ہوتا ہے۔ گو محبت غیر اس سے متعلق ہو یا نہ ہو۔ یہی فرق حمید ومحمود میں ہے۔ جس کو وہ صفات و اسباب حمد حاصل ہوں جو اس کے محمود ہونے کا تقاضا کرتے ہوں، گو کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے، کیونکہ وہ فی نفسہ حمید ہے اور محمود وہ ہے۔ جس کی حمد کسی نے کی ہو۔ یہی فرق مجید اور مجید، کبیر اور مکبر، عظیم اور معظم میں ہے۔

واضح ہو کہ حمد اور مجد ایسے دو لفظ ہیں جن کی طرف تمام کمال راجع ہے، کیونکہ حمد محمود کی ثناء اور محبت پر مستلزم ہے۔

اب اگر کوئی محمود سے محبت رکھتا ہے مگر اس کی ثناء نہیں کرتا تب بھی اس کا حامد نہیں اور اگر ثناء کرتا ہے، مگر اس سے محبت نہیں رکھتا، تب بھی اس کا حامد نہیں۔ اب تم یہ سمجھو کہ ثناء و محبت بھی اسباب کے تابع ہیں۔ مثلاً: محمود میں صفات کمالیہ اور صفات جلالیہ اور غیر پر احسان کرنے کی فضیلتوں کا ہونا، کیونکہ یہی اسباب محبت کے ہیں اور جس قدر زیادہ ان کا اجتماع و کمال ہوگا، اسی قدر حمد اور محبت اتم واعظم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ چونکہ کمال مطلق ہے۔ جس میں کسی وجہ سے کوئی نقص نہیں اور جملہ احسان اسی کی جانب سے ہے۔ اس لئے وہ محبت تامہ کے ساتھ تمام حمد کا جمیع جانب سے مستحق ہے اور اسی کی یہ شان ہے کہ ذات وصفات اور احسان وجود کے افعال واسماء بلکہ جملہ افعال واحکام کی وجہ سے اس سے محبت کی جائے۔

رہا مجد تو اس کے لئے عظمت و وسعت اور جلال کا ہونا لازم ہے۔ جیسا کہ موضوع لغوی اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ لفظ

عظمت وجلال اور حمد پر دلالت کرتا ہے اور صفات اکرام پر راجع۔ اللہ تعالیٰ ہی ذوالجلال والاکرام ہے اور ((لا اله الا الله والله اکبر)) کے بھی یہی معنی ہیں کہ لا اله الا الله تو الوہیت و وحدانیت پر جو محبت تامہ کی حق دار ہیں، دلالت کرتا ہے اور اللہ اکبر کے لئے اس کی مجد و عظمت و کبریائی لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دو نوع کو قرآن مجید میں اکثر مقام پر جمع کیا ہے۔ فرمایا:

((رحمت الله وبر كته عليكم أهل البيت انه حميد مجيد))

(سورۃ ھود:۱۱/۷۳)

''تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں اے نبی کے گھر والو! اور یقیناً اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے۔''

فرمایا:

((الحمد لله الذى لم يتخذ ولدا ولم يكن له شريك فى الملك ولم يكن له ولى من الذل وكبره تكبيراً))

(سورۃ بنی اسرائیل:۱۷/۱۱۱)

''حمد ہے اللہ کو جس نے نہیں رکھی اولاد اور نہ کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگاروں میں اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر۔''

دیکھو اس میں حمد و تکبیر کا حکم ہے۔ فرمایا:

((تبرك اسم ربك ذى الجلال والاكرام))

''بڑی برکت والا ہے تیرے رب جلیل و کریم کا نام۔'' (سورۃ الرحمٰن:۵۵/۷۸)

مسند و صحیح ابوحاتم وغیرہ میں حدیث نبوی موجود ہے:

((الظوابيا ذالجلال والاكرام))

''یاذالجلال والاکرام کو اپنا ورد زبان بنالو۔''

جلال و اکرام کے وہی معنی ہیں جو حمد و مجد کے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر بہت ملے گی کہ قریب المعنی دو اسماء حسنیٰ ایک جگہ بیان کئے گئے ہوں۔ مثلاً:

((ان ربى غنى كريم))

دعا کرب کے الفاظ ہیں:

((لا اله الا الله العظيم لا اله الا رب العرش العظيم لا اله الا الله رب السموات ورب الارض ورب العرش الكريم))

پس نبی کریم ﷺ کی صلوٰۃ کے بعد بھی یہی دونوں اسماء ذکر کئے گئے تاکہ قرآن مجید کی آیت کے مطابق ہو جائے:

((رحمة الله و بركاته عليكم اهل البيت انه حميد مجيد))

''تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں اے نبی کے گھر والو! اور یقیناً اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی

شان والا ہے۔"

اور چونکہ صلوٰۃ کے معنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی کریم ﷺ کی ثناء، تکریم، رفعت شان، ذکر اور کثرت محبت وقرب ہیں اور یہ سب معانی حمد ومجد پر مشتمل ہیں۔ تو گویا درود خواں کی درخواست یہ ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حمد ومجد میں ترقی کی جائے۔ پس اسی مطلوب کی مناسبت اور مدعا کی مطابقت سے اللہ تعالیٰ کے یہ دو نام حمید ومجید مذکور ہوئے۔

اور چونکہ حمد ومجد جس کی نبی کریم ﷺ کے لئے اس سوال میں درخواست کی گئی ہے، پہلے سے نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے، اس لئے یہی بات بتلانے کے واسطے کلام کا خاتمہ اللہ کے لئے ہر دو اوصاف کے ثبوت پر کیا گیا، کیونکہ بندہ میں جو کمال نقص سے مبرا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کمال کا زیادہ تر مستحق ہے۔ نیز یہ کہ نبی کریم ﷺ کے لئے حمد ومجد کی طلب اللہ تعالیٰ کی صفت حمد ومجد کی مستلزم ہے۔ پس دعا میں نبی کریم ﷺ کے لئے طلب بھی پائی گئی اور اللہ تعالیٰ کے لئے اس صفت کا ثبوت بھی۔



درود شریف کن الفاظ سے پڑھنا چاہئے؟

کوئی بھی درود پڑھا جا سکتا ہے:

نبی کریم علیہ السلام پر درود شریف پڑھنے کی کیفیات میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ صحابہ کرام اور بعد کے سلف صالحین کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ درود وسلام کے الفاظ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ منصوص ہی ہوں یعنی قرآن وسنت میں مذکور ہوں، بلکہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی ہے کہ ایسے فصیح وبلیغ الفاظ استعمال کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام اور عظمت وکمال کے مظہر ہوں، کر سکتا ہے۔

ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے:

((احسنوا الصلوٰة علی نبیکم فانکم لاتدرون لعل ذلك بعرص علیه))

''اپنے نبی پر خوبصورت انداز سے درود بھیجا کرو۔ تمہیں کیا معلوم کہ وہ آپ پر پیش کئے جاتے ہیں۔''

اس طریق سے یہ کیفیت دلیل ہے اس بات کی کہ یہ کیفیت توقیفی ہے، محض راویوں کا اختلاف نہیں کیونکہ طرق متواترہ سے مختلف انواع وکیفیات کا ثبوت ملتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص ان میں سے کسی بھی صحیح ثابت شدہ کیفیت وطریق سے درود شریف پڑھے، وہ اس فرض کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہو جائے گا اور یہ اجماع واتفاق اس بات کی واضح دلیل وشہادت ہے کہ پڑھنے والے کو کسی بھی طریق کا انتخاب کرنے کا اختیار ہے اور اہل نظر کے نزدیک ایسے الفاظ کو اختیار کرنا واجب ہے جن کی سند صحیح تر اور معنی مکمل تر ہو اور بلا خلاف جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل درود بھیجنا چاہے اور سلسلہ میں سعی بلیغ کرے، وہی بہتر طور پر ادائے واجب بھی کر سکے گا۔

شیخ جمل نے شرح دلائل الخیرات میں مصنف کے قول **اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد وعلی جمع اصحاب محمد** کے ہمراہ اتنا اضافہ کیا ہے:

((من المهاجرین والانصار وغیرهم ومن اسلم قبل الفتح او بعده ومن طالت صحبته له وغیره ومن کان من ذی قرابته وغیره ومن صحبه صحبة خاصة او عامة ومن الرجال والنساء ومن الاحرار والموالی والعبید ومن البالغین والصبیان والانس والجن))

''الٰہی! درود بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ پر یعنی مہاجرین، انصار اور دوسروں پر اور جو فتح مکہ سے پہلے یا اس کے بعد اسلام لائے اور جن کو نبی کریم ﷺ کی طویل صحبت میسر ہوئی ان پر اور دوسروں پر اور جو سرکار کے رشتہ دار تھے ان اور دوسروں پر اور ان پر جن کو نبی کریم ﷺ کی خصوصی یا عمومی صحبت میسر ہوئی خواہ مرد ہوں یا عورتیں، آزاد ہوں یا غلام یا موالی، بالغ ہوں یا بچے، انسان ہوں یا جن۔''

تمام صحابہ کرام کا بھی شمار کیا (اجمالی) اور اسی طرح تمام ''مخضرمون'' کا بھی (جو نبی کریم ﷺ کی حیات ظاہری میں مسلمان ہوئے لیکن ملاقات نہ کر سکے) مثلاً: نجاشی اور اویس قرنی رضی اللہ عنہم، حالانکہ صحابہ کرام پر درود کسی نص میں وادر نہیں ہوا۔ آپ سے صرف آل پر درود ثابت ہے، پھر آئمہ کرام نے آل پر قیاس کرتے ہوئے صحابہ پر درود بھیجنے کو مستحب

قرار دیا۔ عارف صاوی نے تفسیر جلالین کے حاشیہ میں آیہ کریمہ:

((ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی))

کی تفسیر میں شارح کے قول: قولوا اللھم صلی علی محمد وسلم کی تشریح میں فرمایا:

''نبی کریم علیہ السلام پر درود پڑھنے کے صیغے اتنے ہیں کہ شمار سے باہر ہیں اور ان میں سب سے افضل وہ الفاظ ہیں جن میں آل اور صحابہ کرام کا ذکر ہو۔ پس جو شخص ان میں سے کسی صیغہ کو اختیار کر لے اسے خیر عظیم حاصل ہو جائے گی۔''

ان دعوات واذکار کے قاعدہ کے بیان میں جو مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہیں:

واضح ہو کہ جس طرح دعائے استفتاح اور تشہد نماز وقومہ وجلسہ کے اذکار اور دعاؤں کے مختلف الفاظ روایت ہوئے ہیں، اسی طرح درود میں بھی مختلف الفاظ آئے ہیں۔ بعض متاخرین نے اس بارے میں ایک درمیانی راہ نکالی ہے، یعنی وہ مختلف لفظوں کو ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں اور اس امر کو افضل جانتے ہیں، مثلاً:

((ظلمت نفسی ظلماً کثیراً)) کے ساتھ ((کبیراً)) بھی پڑھتے ہیں اور ((علی آل محمد)) کے ساتھ ((علی ازواجہ و ذریتہ)) بھی کہا کرتے ہیں، حالانکہ ایک لفظ ایک روایت میں ہے اور دوسرا لفظ دوسری روایت میں۔ اس کی وجہ لوگ یہ بتلایا کرتے ہیں کہ جمع کر لینے سے پڑھنے والا راوی کے شک سے نکل کر الفاظ نبوی ﷺ کو یقیناً پا لیتا ہے اور دعا میں سب روایتوں کے الفاظ جن پر اختلاف ہے یا ایک کی جگہ دوسرا بولا گیا ہے، جمع ہو جاتے ہیں۔

دوسرے گروہ کو اس بارے میں نزاع ہے کہ یہ خیال چند وجوہات کی بناء پر ضعیف ہے:

1۔ یہ طریق نیا نکلا ہے۔ معروف اماموں میں سے کسی نے اس کی طرف سبقت نہیں کی۔

2۔ اس سے لازم آتا ہے کہ استفتاح کی جتنی دعائیں مروی ہیں، سب کو الحمد سے پہلے نماز میں پڑھا کرے۔ اسی طرح سب تشہدات کو تشہد میں اور سب ذکروں کو رکوع وسجود میں پڑھا کرے، لیکن یہ قطعی باطل ہے، کیونکہ امت کے عمل کے بھی خلاف ہے اور کسی اہل علم نے بھی اس کو مستحب نہیں کہا، بلکہ یہ بدعت ہے۔ اگر اس مذہب والا اپنے مذہب کو (نماز یا درود کے بعض الفاظ جمع کرنے سے) محدود کرے گا۔ تب گویا وہ خود تضاد کا شکار ہو گا اور وہ متماثل (یکساں) چیزوں میں فرق کرے گا۔

3۔ اس مذہب والے کو چاہیے کہ وہ نمازی اور قاری کے لئے مستحب قرار دے کہ جس قدر مختلف قراءتیں ہیں ان سب کو نماز کے اندر بھی اور باہر بھی جمع کیا کرے۔

لیکن یہ مسلمہ ہے کہ مسلمانوں کا اس کے مستحب نہ ہونے پر (جب قرآن بطور عبادت اور تدبر پڑھا جاتا ہو) اتفاق ہے۔ ہاں بعض اوقات قاری لوگ ایسا ضرور کیا کرتے ہیں، سوا اس امتحان کے لئے کہ قاری کو مختلف قراءتیں حفظ ہیں یا نہیں اور جب اس کو پڑھنے کے لئے کہا جائے اسی وقت سنا سکتا ہے یا نہیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ تو سدھانے اور سکھانے کی باتیں ہیں، نہ عبادت جسے ہر ایک کے لئے مستحب بھی قرار دیا جائے (اور اس قاری کے بارے میں بھی اختلاف ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) بے شک تلاوت کرنے والے کے حق میں مشروع تو یہی ہے کہ جس طرف سے چاہے پڑھ لے۔

مثلاً: دعا سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ میں کبھی ((ظلماً کثیراً)) پڑھ لے کبھی ((ظلماً کبیراً)) درود کبھی اس حدیث

کے الفاظ میں پڑھ لے، کبھی دوسری حدیث کے الفاظ میں۔ تشہد کبھی حضرت ابن مسعود، کبھی حضرت ابن عباس، کبھی حضرت ابن عمر، کبھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے الفاظ میں پڑھ لے۔ علیٰ ہذا القیاس دعائے استفتاح خواہ حدیث حضرت علی مرتضیٰ، خواہ حدیث حضرت ابوہریرہ خواہ استفتاح حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے موافق پڑھا کرے۔ خواہ کبھی یہ اور کبھی وہ۔ علیٰ ہذا القیاس رکوع سے سر اٹھاتے وقت خواہ ((اللھم ربنا لك الحمد)) کہے، خواہ ((ربنا لك الحمد)) اور خواہ ((ربنا ولك الحمد)) پڑھے، لیکن یہ کسی نے مستحب نہیں بتلایا کہ ان سب کو جمع کر لیا کرے۔

واضح ہو کہ روایت شدہ تشہدات وغیرہ میں ہر ایک کے جائز ہونے کی دلیل آئمہ نے جن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، صحاح وسنن کی اس حدیث سے لی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے قرآن کا سات حرف پر اترنا اور ہر ایک کے ساتھ قرأت جائز ہونا بتلایا ہے اور ہر ایک حرف کو کافی شافی فرمایا اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ مشروع اس بارے میں قرأت حروف بطور بدل ہے نہ کہ بطور جمع اور یہی عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا۔

4۔ نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ کو ایک وقت میں کبھی جمع نہیں فرمایا تھا۔

(الف): یا تو کبھی یہ لفظ فرمایا اور کبھی وہ۔ جیسے دعائے استفتاح اور تشہد، اور اذکار رکوع وسجود کے الفاظ ہیں۔ پس اتباع سنت یہ ہے کہ کبھی یہ لفظ اور کبھی وہ پڑھا جائے اور دونوں جمع نہ کئے جائیں۔

(ب): یا یہ ہوا ہے کہ راوی کو اصل لفظ میں شک ہو گیا ہے، پس اگر دعا خواں کے نزدیک کسی لفظ کو ترجیح ہو تب تو اسی لفظ کو اختیار کر لے، ورنہ جسے چاہے۔ مگر جمع کرنا مشروع نہیں، کیونکہ یہ تیسری صورت ہے جو نبی اکرم ﷺ سے مروی نہیں۔ پس ایک ہی وقت میں ان الفاظ کا جمع کرنا دعا خواں کے مقصود کو باطل کرتا ہے، کیونکہ اس کا قصد تو سنت کا اتباع تھا، مگر جو وہ کرتا ہے اسے قطعاً نبی کریم ﷺ نے نہیں کیا۔

5۔ مقصود تو یہ ہے کہ یہ مطلب ادا ہو سکے۔ جب دو میں سے ایک لفظ کے ساتھ مطلب ادا ہو گیا تو مقصد حاصل ہو گیا اور جمع کی ضرورت نہ رہی۔

6۔ یہ ہر دو الفاظ ایک دوسرے کا بدل ہوتے ہیں اور بدل ومبدل منہ معاً جمع کرنا پسندیدہ نہیں۔

اب ہم مختلف صحابہ کرام وسلف صالحین سے منقول درود شریف درج کرتے ہیں:

درود نمبر 1:

((اللھم صلی علی محمد وعلی ازواجه وذریته کما صلیت علی آل ابراهیم وبارك علی محمد وازواجه وذریته کما بارکت علی آل ابراهیم انك حمید مجید))

اس کو امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابوحمید سے روایت کیا۔

درود نمبر 2:

((اللھم صلی علی محمد وعلی ازواجه وذریته کما صلیت علی آل ابراهیم وبارك علی محمد وازواجه وذریته کما بارکت علی آل ابراهیم فی العالمین انك حمید مجید))

اس کو ابن ماجہ نے حضرت ابوحمید ہی سے روایت کیا۔

درود نمبر 3:

((اللهم صلى على محمد وعلى ال محمد وبارك على محمد وال محمد وارحم محمد وال محمد كماصليت وباركت وترحمت على ابراهيم وعلى ابراهيم انك حميد مجيد))

اس کو حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود نمبر 4:

((اللهم صلى على ال بيته كما صليت على ال ابراهيم انك حميد مجيد اللهم صلى علينا معهم اللهم بارك على محمد وعلى ال محمد وعلى اهل بيته كما باركت على ال ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك علينا معهم صلوة اللهو صلوٰة المومنين على محمد النبى الامى))

اس کو دارقطنی اور ابن شاہین نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود نمبر 5:

((اللهم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك على سيدالمرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين محمد عبدك ورسولك امام الخير ورسول الرحمة اللهم ابعثه مقاما محمودا يغبطه به الاولون والاخرون اللهم صلى على محمد وابلغه الوسيلة والدرجة الرفيعة من الجنة اللهم اجعل فى المصطفين محبته وفى المقربين مودته وفى الاعلين ذكره وداره والسلام عليه ورحمة اللهوبركاته اللهم صلى على محمد وعلى ال محمد كما صليت على ابراهيم وال ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك على محمد وعلى ال محمد كمابار كت على ابراهيم وال ابراهيم انك حميد مجيد))

اس کو ابن ابی عاصم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود نمبر 6:

((اللهم صلى على محمد وعلى ال محمد كما صليت على ابراهيم وال ابراهيم وبارك على محمد وعلى ال محمد كما باركت على ابراهيم وال ابراهيم وترحم على محمدوعلى ال محمد كما ترحمت على ابراهيم وال ابراهيم))

اس کو امام بخاری نے الادب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے اللھم صلی علی محمد کہا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔"

درود نمبر 7:

((اللھم صلی علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم و ال ابراھیم وارحم محمدا وال محمد کما رحمت ابراھیم وال ابراھیم))

اس کو ابن ابی عاصم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود نمبر 8:

((اللھم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك على محمد وعلى ال محمد كما جعلتها على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد))

اس کو امام احمد وغیرہ نے بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود نمبر 9:

((اللھم اجعل صلواتك وبركاتك ورحمتك على سيدالمرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين محمد عبدك ورسولك امام الخير وقائد الخير اللهم ابعثه يوم القيامة مقاماً محموداً يغبطه الاولون والاخرون وصلى على محمد وعلى ال محمد كما صليت على ابراهيم وال ابراهيم انك حميد مجيد))

اس کو احمد بن منیع نے اپنی مسند میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

درود نمبر 10:

((اللھم صلی علی محمد وعلى اهل بيته وعلى ازواجه وذريته كما صليت على ابراهيم وال ابراهيم انك حميد مجيد وبارك على محمد وعلى اهل بيته وعلى ازواجه وذريته كما باركت على ابراهيم وال ابراهيم انك حميد مجيد))

اس کو عبدالرزاق نے ایک صحابی سے روایت کیا۔ ابن طاؤس نے کہا:

"میرے والد بھی یونہی فرمایا کرتے تھے۔"

درود نمبر 11:

((اللھم صلی علی محمد النبی وازواجه امهات المومنين وذريته واهل بيته كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد))

اس کو ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو پورا پورا ناپ لینا چاہئے ہم اہلبیت پر اس طرح درود بھیجے: اللھم صل علی محمد۔"

درود نمبر 12:

((اللھم اجعل صلواتك وبر كاتك على محمد النبى وازواجه امهات المومنين وذريته واهل بيته كما صليت على ال ابراهيم انك حميد مجيد))

اس کو ابن عدی وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کو یہ بات پسند ہو کہ اسے پورا پورا ناپ ملے تو ہم اہل بیت پر اس طرح درود بھیجے: اللھم اجعل صلواتك''۔

درود نمبر 13:

((اللھم صلى على محمد كما امرتنا ان يصلى عليه وصل كما ينبغي ان يصلى عليه))

اس کو ابوسعید نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود نمبر 14:

((اللھم صلى على محمد عبدك ورسولك كما صليت على ابراهيم وبارك على محمد وعلى ال محمد كمابار كت على ابراهيم وال ابراهيم))

اس کو امام بخاری نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

درود نمبر 15:

((اللھم صلى على محمد وعلى ازواجه وذريته كما صليت على ابراهيم وبارك على محمد وازواجه وذريته كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد))

اس کو بخاری ومسلم وغیرہ نے ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

یہ وہ درود شریف ہیں جو حدیثوں میں آئے ہیں۔ اب جو کوئی اس نیت سے کہ جو درود شریف حضور علیہ السلام سے منقول ہے اس میں فضیلت وثواب زیادہ ہے' منقول ومسنون پر کار بند ہونا چاہئے، وہ ان پر کار بند ہو جائے۔

درود نمبر 16:

((اللھم صلى وسلم و بارك على سيدنا محمد وهب لنا قلباً شكورًا وصلى وسلم و بارك على سيدنا محمد و اجعل سعيدًا مشكورًا و صلى و سلم و بارك على سيدنا محمد و لقنا نضرة و سرورًا وصلى وسلم و بارك على سيدنا محمد والق علينا منك لجة ونورًا وصلى وسلم وبارك على سيدنا محمد وهب لنا سرًا بالا سرار مسرورًا))

''اے اللہ! درود و سلام و برکت نازل فرما ہمارے آقا محمد پر اور ہم کو شکر گزار دل عطا فرما اور درود و سلام و برکت نازل فرما ہمارے آقا محمد پر اور ہماری کوشش بار آور فرما اور درود و سلام و برکت نازل فرما ہمارے آقا محمد پر اور ہمیں ترو تازگی کے ساتھ شرف ملاقات بخشش اور درود و سلام و برکت نازل فرما ہمارے آقا محمد پر اور ہم پر اپنی طرف سے محبت و نور ڈال دے اور درور و سلام برکت نازل فرما ہمارے آقا محمد پر اور ہمیں خوشی خوشی پوشیدہ راز بخش دے۔''

درود نمبر 17:

((اللهم صلی علی سیدنا محمد الصادق الامین وصلی وسلم علی سیدنا محمد الذی جاء بالحق المبین وصلی وسلم علی سیدنا محمد الذی ارسلته رحمة للعالمین۔ وصلی وسلم علی سیدنا محمد وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی اللهم وصحبهم اجمعین کلما ذکرك الذاکرون غفل عن ذکرهم الغافلون))

''اے اللہ! درود و سلام نازل فرما، ہمارے آقا محمد پر جو صادق وامین (سچے اور امانت دار) ہیں اور درود و سلام بھیج ہمارے آقا محمد پر، جو واضح حق لے کر آئے اور درود و سلام نازل فرما ہمارے آقا محمد پر، جن کو تو نے تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا اور درود و سلام بھیج ہمارے آقا محمد پر اور تمام نبیوں، رسولوں پر اور ان کی تمام آل واصحاب پر۔ جب ذکر کرنے والے تیرا ذکر کریں اور جب غافل ان کے ذکر سے غفلت برتیں۔''

درود نمبر 18:

((اللهم صلی و سلم و بارك علی سیدنا محمد وعلی سائر انبیائك وصلی وسلم و بارك و علی سیدنا محمد و علی ملائکتك و اولیاء ك من اهل ارضیك وسماء ك عدد ما کان وعدد مایکون وعدد ماهو کائن فی علم الله ابد الابدین و دهر الداهرین واجعلنا بالصلاة علیهم من الصدیقین الامنین یا رب العالمین))

''اے اللہ! درود و سلام و برکت بھیج ہمارے آقا محمد پر اور اپنے باقی انبیاء پر اور درود و سلام و برکت بھیج ہمارے آقا محمد پر اور اپنے فرشتوں اور اپنے اولیاء پر جو تیری زمین اور تیرے آسمانوں میں رہنے والے ہیں جو ہوا اس کے برابر، جو ہوگا اور جو تیرے علم میں ہونے والا ہے اس کے برابر۔ ہمیشہ ہمیشہ، جب تک زمانہ ہے۔ ان پر درود بھیجنے کے صدقے ہم کو ان امن والوں سے ملا دے۔ اے پروردگار عالمیان۔!''

درود نمبر 19:

((صلی الله علی سیدنا محمد وعلی آله واصحابه و ازوجه منتهی مرضاة الله

تعالیٰ ومرضاته))

''اللہ درود بھیجے ہمارے آقا محمد اور آپ کی آل واصحاب پر اور بیویوں پر، جتنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا ہے۔''

درود نمبر 20:

((الحمد لله الذى اذهب عنا الحزن ان ربنا لغفور شكور اللهم صلى وسلم و بارك و كرم على سيدنا و مولانا محمد عبدك ونبيك و رسولك النبى الامى و على اله واصحابه وازواجه و ذرياته افضل صلاة وازكى سلام وانمى بركات عدد سور القرآن العظيم واياته و كلماته وحروفه و ونقطه و تفصيله و جمله و جزئياته و كلياته و شكله وهمزه و حركاته و سكناته و معجمه ومهمله و مفصله و مجمله و منطوقه و مفهومه و محكمه و متشابهه و خاصه و عامه و تاسخه و منسوخه واشاراته و امره و نهيه و عبره ووعده و عبده و قصصه وامثاله وعد و ما احصى و مل ما احصى وعدد الاحاديث الواردة ومن رواحا والاثار۔ اللهم صلى وسلم و بارك و كرم على سيدنا و مولانا محمد عبدك و نبيك و رسولك النبى الامى وعلى آله واصحابه وازواجه وذرياته افضل صلاة وازكى سلام دائمى بركات عدد الدقائق والدرج والساعات والليالى والايام والجمع والشهور والنبيين والازمان والدهور والا عصار۔ اللهم صلى وسلم و بارك وكرم على سيدنا ومولانا محمد عبدك و رسولك النبى الامى و على آله واصحابه وازواجه وذرياته افضل صلاة وازكى سلام وانمى بركات عدد الحكات والسكنات والحسنات والسيات وتخلل المنسوخات ومضع الافواه ورمش الابصار۔ اللهم صلى وسلم و بارك و كرم على سيدنا و مولانا وحبيبنا وقرة عيننا محمد عبدك و رسولك النبى الامى والرسول العربى و على آله واصحابه وازواجه وذرياته واهل بيته افضل صلاة وازكى سلام وايمن بركة عدد الانفاق والخواطر والحروف۔ والنقط والكليمات وحركاته وعدد الهوجس والسيات وتعاقب الو ساوس واوهام والشكوك والظنون وترادف الافكار۔ اللهم صلى وسلم و بارك و كرم على سيدنا و مولانا وحبيبنا و قرة اعيننا محمد عبدك و رسولك النبى الامى والرسول العربى وعلى آله واصحابه وازواجه و ذرياته واهل بيته افضل صلاة وازكى سلام وانمى بركة عدد الاشباح والاجسام

والجواهر والعقول والعلوم وعدد مايقع فی رویا المنامات والخيال من اول الخلق الى آخرهم و تعاقب الدلائل و الاخبار۔ اللهم صلی وسلم و بارك و كرم على سيدنا و مولانا محمد عبدك و نبيك و رسولك النبی الامی وعلى آله واصحابه و ازواجه و ذرياته افضل صلاة وازكی سلام وانمی بركات عدد الملائكة والحور العين والولدان والانس والجان وخلق البحرو الانعام والدواب والوحوش والاطيار۔ اللهم صلی وسلم و بارك و كرم على سيدنا و مولانا محمد عبدك ونبيك و رسولك النبی الامی وعلى آله واصحابه وازواجه وذرياته افضل صلاة وازكی سلام وانمی بركات عدد الرءوس والوجوه والاذان والعيون والانوف والشفاه والافواه و الصدور والايدی والارجل والاصابع والاظفار۔ اللهم صلی وسلم و بارك و كرم على سيدنا و مولانا محمد عبدك و نبيك و رسولك النبی الامی وعلى آله واصحابه وازواجه و ذرياته افضل صلاة وازكی سلام وانمی بركات عدد القلوب والاضلاع والعظام والاطلاف والاصواف والارياس والشعور والادبار۔ اللهم صلی وسلم و بارك على سيدنا ومولانا محمد عبدك ونبيك ورسولك النبی الامی وعلى آله واصحابه وازواجه و ذرياته افضل صلاة وازكی سلام وانمی بركات عدد الجسوم والاعضاء والبطون وما حوت و عدد العروق والمسام والالسن والاسنان والاسماع والابصار۔ اللهم صلی وسلم و بارك و كرم على سيدنا و مولانا محمد عبدك و نبيك و رسولك النبی الامی و على آله واصحابه وازواجه و ذرياته افضل صلاة وازكی سلام وانمی بركات عدد الزروع والنبات والاوارق والاغصان والاشجار۔ اللهم صلی وسلم و بارك و كرم على سيدنا و مولانا محمد عبدك و نبيك و رسولك النبی الامی و على آله واصحابه وازواجه و ذرياته افضل صلاة وازكی سلام وانمی بركات عدد الحب والنوی والبرور والزهور والفواله والشمار۔ اللهم صلی وسلم و بارك على سيدنا و مولانا محمد عبدك و نبيك و رسولك النبی الامی وعلى آله واصحابه وازواجه و ذرياته افضل صلاة وازكی سلام وانمی بركات عدد الرمل والحصی والتراب والزلف والمعادن والاحجار اللهم صلی وسلم و بارك و كرم على سيدنا و مولانا محمد عبدك و نبيك و رسولك النبی الامی وعلى آله واصحابه وازواجه و ذرياته افضل صلاة وازكی

سلام وانمی برکات عدد السماء ودوران الفلك و ممر السحاب وهبوب الرياح ولمع البرق واصوات الرعد و قطر الامطار اللهم صلی وسلم و بارك و كرم على سيدنا و مولانا محمد عبدك و نبيك و رسولك النبی الامی وعلی آله واصحابه وازواجه وذرياته افضل صلاة وازكى سلام وانمی بركات عدد مكائيل المياه ومثاقيل الجبال والا جساد وعدد امواج البحار۔ اللهم صلی وسلم و بارك و كرم على سيدنا محمد عبدك و نبيك و رسولك النبی الامی وعلى آله واصحابه وازواجه وذرياته افضل صلاة وازكى سلام و انمی بركات عدد ماخلقت وما انت خالق ومل ما خلقت وما انت خالق وعدد ماكان وما هو كائن وعدد ما جرى به كلمك و نغذبه حكمك واحاط به علمك وما لا تدركه الافهام والافكار۔ اللهم صلی وسلم و بارك وكرم على سيدنا محمد عبدك و نبيك و رسولك النبی الامی و علی آله واصحابه و ازواجه وذرياته افضل صلاة وازكى سلام وانمی بركات عدد ما صلى عليه المصلون من اهل الملة ونبی الرحمة وشفيع الا مة يوم القيامة اللهم صلی علی سيدنا و مولانا محمد عبدك و نبيك و رسولك النبی الامی و على آله واصحابه وازواجه و ذرياته افضل صلاة وازكى سلام وانمی بركات عدد هذا كله اضعافاً مضاعفةً مضروباً فی امثاله وامثال وامثاله لا ينقص عدد ها ولا ينقطع مدد ها حتى تستغرق العدد و تحيط بالحدابدًا لابدين و دهر الداهرين ما دامت السموات والارضون والعرش والكرسی والجنة والنار و مادام ملك الله لواحد القهار۔ اللهم صلی وسلم و بارك وكرم على سيدنا و مولانا محمد عبدك و نبيك و رسوله النبی الامی و على آله واصحابه وازواجه وذرياته افضل صلاة وازكى سلام وانمی بركات واجزه عنا يارب ماهو اهله واجزه افضل ماجزيت نبيا عن قومه و رسوله عن امته و آته الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وانزله المنزل المقرب عندك يوم القيامة وصل يا رب وسلم كذلك كلة على جميع اخوانه الا كرمين من الانبياء والمرسلين وعلى ابی بكرو عمر و عثمان و علی و علی آل كل وعلى القرابة والتابعين البر۔ة۔ الاخيار۔ وسبحان الله وبحمد تسبيحًا يليق بمجده وجلاله۔ والحمد لله كثيراً طيباً مبار كاً كافيًا على جميع نعمه وافضاله۔ والا اله الا الله وحده لا شريك له المنفرد علوة و كماله والله اكبر المتعاظم فی كبريائه وجلاله

۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم عند کل ھم وغم و کرب وضیق وعند کل حادث یحدث للعبد فی جمیع احوالہ واستغفر اللہ العظیم من کل ذنب اذنبتہ فی سواد اللیل وضیاء النھار وفی اقبال منھما وادبار ہ عدد ذلک و مثل ذلک و اضعاف اضعاف ذلک ما طلعت شمس او بزغ بدر اوھب ریح اوسح غمام اوسبع طیر او اقیل لیل اواشرق نھار۔ وصلی اللہ علی سید الابرار۔ وزین المرسلین الاخیار ، واکرم من اظلم علیہ اللیل واشرق علیہ النھار و آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً))

''سب تعریف اللہ کیلئے جس نے ہم سے غم دور فرمایا، بے شک ہمارا پروردگار بخشنے والا قدر دان ہے۔ الٰہی! درود وسلام و برکت کرم نازل فرما ہمارے آقا و مولا محمد پر جو تیرے بندے نبی اور رسول ہیں، نبی امی اور آپ کی آل اصحاب پر اور بیویوں اور اولاد پر، فاضل تر درود اور صاف تر سلام اور کثیر برکتیں، قرآن کریم کی سورتوں کے برابر، اس کی آیتوں، کلمات، حروف اور نقطوں کے برابر۔ اس کی تفصیل اور اجمال کے برابر۔ اس کی جزئیات وکلمات کے برابر۔ اس کی شکل، ہمزوں اور حرکات وسکنات کے برابر۔ اس کے منقوط وغیر منقوط حروف کے برابر۔ اس کے مفصل ومجمل کے برابر۔ اس کے بول اور مفہوم کے برابر۔ محکم ومتشابہ کے برابر، اس کے خاص وعام، ناسخ ومنسوخ اور اشارات کے برابر، اس کے امر ونہی اور غیر کے برابر، اس کے وعد، وعید، قصص (واقعات) اور مثالوں کے برابر، اعداد وشمار کے برابر اور جو حدیثیں بیان ہوئیں ان کے برابر۔ الٰہی! درود وسلام، برکت اور کرم فرما ہمارے آقا و مولا محمد پر جو تیرے بندے نبی اور رسول ہیں، نبی امی ہیں اور ان کی آل اور صحابہ کرام، بیویوں پر افضل درود اور پاکیزہ تر سلام، پے در پے برکتیں، حرکتوں، سکونوں، نیکیوں اور برائیوں کے برابر اور بنی ہوئی چیزوں کے سوراخوں کے برابر، مونہوں کے چبانے کے برابر، آنکھوں کے جھپکنے کے برابر۔ الٰہی! درود وسلام و برکت اور کرم نازل فرما ہمارے آقا و مولا، ہمارے حبیب اور ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک محمد پر جو تیرے بندے رسول اور نبی امی اور عربی رسول ہیں اور ان کی آل واصحاب پر، ان کی بیویوں اور اولاد پر، اور ان کے اہل خانہ پر افضل درود اور پاکیزہ تر سلام اور گراں قدر برکتیں، سانسوں، دلوں، حروف، نقطوں، کلمات اور حرکات کے برابر اور نیتوں اور پے در پے آنے والے وسوسوں، وہموں، شکوک وظنون اور افکار کے برابر۔ الٰہی! درود وسلام برکت اور کرم نازل فرما ہمارے آقا و مولیٰ، حبیب، آنکھوں کی ٹھنڈک محمد پر، جو تیرے بندے، رسول، نبی امی، رسول عربی ہیں۔ اور آپ کی آل واصحاب پر، بیویوں اور اولاد اور گھر والوں پر۔ افضل درود، پاکیزہ تر سلام، فزوں تر برکتیں، اجسام وارواح کے برابر جواہر، عقول اور علوم کے برابر، ابتداء سے آخر تک مخلوق کے خواب وخیال میں جو آتا ہے اس کے برابر۔ پے در پے ملنے والے دلائل اور ان کی خبروں کے برابر، الٰہی! درود وسلام، برکت اور کرم نازل فرما ہمارے آقا و مولا، اپنے بندے، نبی اور رسول پر جو امی نبی ہیں اور آپ کی آل اور صحابہ کرام پر، بیویوں اور اولاد پر، افضل درود اور پاکیزہ تر سلام اور روز افزوں برکتیں، فرشتوں کے برابر اور موٹی آنکھوں والی حوروں کے برابر، غلمان کے

برابر، انسانوں، جنوں، سمندری مخلوق، جانوروں، چوپائیوں، وحشیوں اور پرندوں کے برابر۔ الٰہی! درودو سلام اور برکت وکرم نازل فرما ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر جو تیرے بندے نبی اور رسول ہیں، امی نبی پر اور حضور کی آل واصحاب، بیویوں اور اولاد پر، افضل درود اور پاکیزہ تر سلام اور فزوں تر برکتیں۔ سروں چہروں، کانوں، آنکھوں، ناکوں، ہونٹوں، موہنوں، سینوں، ہاتھ، پاؤں، انگلیوں اور ناخنوں کے برابر۔ الٰہی! درودو سلام اور برکت وکرم فرما ہمارے آقا و مولا محمد پر، جو تیرے بندے نبی، رسول اور نبی امی ہیں اور حضور کی آل و اصحاب پر، بیویوں اور اولاد پر افضل درود پاکیزہ تر سلام اور فزوں تر برکتیں، دلوں، پسلیوں، ہڈیوں، کھروں، اون، گھاس، پات، بالوں اور پشم کے برابر۔ الٰہی! درودو سلام اور برکت نازل فرما ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر، جو تیرے بندے نبی، رسول، نبی امی ہیں اور آپ کی آل واصحاب پر بیویوں اور اولاد پر افضل درود، پاکیزہ تر سلام اور افزوں برکتیں، جسموں، اعضاء، پٹھوں اور جو ان میں ہے ان سب کے برابر، اور رگوں، مساموں زبانوں دانتوں، کانوں اور آنکھوں کے برابر۔ الٰہی! درودو سلام وکرم نازل فرما ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر، جو تیرے بندے نبی، رسول اور نبی امی ہیں اور حضور کی آل واصحاب پر، بیویوں اور اولاد پر، افضل دردود، پاکیزہ تر سلام، فزوں تر برکتیں کھیتی، گھاس، پتوں، ٹہنیوں اور درختوں کے برابر۔ الٰہی! درودو سلام اور برکت وکرم نازل فرما ہمارے آقا و مولا محمد پر جو تیرے بندے، نبی، رسول اور نبی امی ہیں اور حضور کی آل واصحاب پر اور حضور کی بیویوں اور اولاد پر افضل درود اور پاکیزہ تر سلام اور فزوں تر برکتیں، دانوں، گھٹلیوں، بیجوں، کلیوں اور پھلوں کے برابو۔ الٰہی! درودو سلام اور برکت نازل فرما ہمارے آقا و مولا محمد پر، جو تیرے بندے، نبی، رسول اور نبی امی ہیں اور آپ کے آل واصحاب بیویوں اور اولاد پر، افضل درود، پاکیزہ تر سلام اور فزوں تر برکتیں، ریت اور کنکریوں کے برابر، مٹی، معدنیات اور پتھروں کے برابر۔ الٰہی! درودو سلام، برکت وکرم نازل فرما! ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر، جو تیرے بندے، نبی اور رسول اور نبی امی ہیں، اور آپ کے آل واصحاب پر، بیویوں اور اولاد پر افضل درود اور پاکیزہ تر سلام، فزوں تر برکتیں، آسمانوں کے برابر، گردش افلاک کے برابر، بادلوں اور ہواؤں کے چلنے، بجلی کے چمکنے، گرج کی آواز اور بارش کے قطروں کے برابر۔ الٰہی! درودو سلام و برکت وکرم نازل فرما ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر جو تیرے بندے نبی، رسول اور نبی امی ہیں اور آپ کی آل واصحاب بیویوں اور اولاد پر افضل درود، پاکیزہ تر سلام اور فزوں تر برکتیں نازل فرما پانیوں کے قطروں، پہاڑوں اور جسموں کے ذروں کے برابر اور سمندروں کی لہروں اور موجوں کے برابر۔ الٰہی! درودو سلام برکت وکرم نازل فرما ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر جو تیرے بندے، نبی، رسول اور نبی امی ہیں اور حضور کی آل و اصحاب ازواج واولاد پر افضل درود پاکیزہ تر سلام، فزوں تر برکتیں، جو کچھ تو نے پیدا کیا یا جو کچھ پیدا کرے گا اس کے برابر برابر اور جو ہوا یا ہوگا، اس کے برابر اور تیرے قلم کے چلنے کے برابر، جو تیرے حکم نافذ ہوئے اور جن کو تیرا علم محیط ہے اور جن کو علم وشعور سمجھنے سے قاصر ہے اس کے برابر۔ الٰہی! درودو سلام برکت وکرم نازل فرما ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر جو تیرے بندے نبی رسول اور نبی امی ہیں۔ اور حضور کے آل واصحاب ازواج و اولاد پر افضل درود پاکیزہ تر سلام، فزوں تر برکتیں نازل فرما، زمینوں و آسمانوں والوں نے جو ابتدائے

آفرینش سے آخر تک، ہر زمانہ و آن میں وقت و مہینہ میں، ہر جمعہ میں، رات و دن میں، ساعت و لمحہ، ہر سانس و چشم زدن، ہر گھڑی درود و سلام تیرے محبوب پر بھیجا اس کے برابر اور حضور پر صبح و شام، سوتے وقت اور اُٹھتے وقت درود شریف پڑھنے والوں کے برابر۔ الٰہی! درود و سلام، برکت و کرم نازل فرما ہمارے آقا و مولیٰ، اپنے بندے، نبی اور رسول نبی امی پر اور آپ کی آل و اصحاب پر، ازواج و اولاد پر، افضل درود، پاکیزہ تر سلام اور فزوں تر برکتیں، عرش و کرسی، آسمانوں اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے اور پہاڑوں، ٹیلوں، ریت کے ذروں، مٹکوں، جسموں، سمندروں اور نہروں کے برابر۔ الٰہی! درود و سلام برکت اور کرم نازل فرما ہمارے آقا و مولیٰ محمد جو تیرے بندے، نبی، رسول اور نبی امی ہیں اور آپ کی آل و اصحاب پر، بیویوں اور بچوں پر، افضل درود اور پاکیزہ تر سلام اور فزوں تر برکتیں، عرش، کرسی، آسمانوں زمین اور جو ان کے درمیان ہے ان سب کے برابر۔ خلا (جو خالی نظر آتی ہے) ملا (جو پر نظر آتی ہے) کائنات، آفاق و اقطار کے برابر۔ الٰہی! درود و سلام، برکت اور کرم نازل فرما ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر، جو تیرے بندے نبی، رسول اور نبی امی ہیں اور آپ کی آل و اصحاب پر بیویوں اور اولاد پر، افضل تر درود، پاکیزہ تر سلام اور فزوں تر برکتیں، جو تیرے علم میں ہے اس کے برابر اور تیرے علم بھر اور تیرے علم کے وزن بھر، تیرے کلموں کی سیاہی کے برابر، تیری رحمت کی حد کے برابر، تیری رضا کی رسائی کے برابر، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور جب تو راضی ہو جائے اور تیری مخلوق نے تیرا جو ذکر کیا اس کے برابر اور جتنا ذکر کریں گے اس کے برابر اور جو انہوں نے تیری تسبیح، تحمید اور تکبیر کی اور جس قدر انہوں نے تیری توحید کا اعلان و قرار کیا اور جتنی مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا اور جتنی مرتبہ انہوں نے تجھ سے مغفرت طلب کی اور جتنی تیری تسبیح کریں گے اور تیری حمد کریں اور تیری تکبیر کریں گے اور تیری توحید کا اقرار کریں گے اور جس قدر تیری تہلیل (لا الہ الا اللہ) کریں گے اور جتنے زمانے وہ تجھ سے مغفرت کریں گے اس سب کے برابر۔ الٰہی! درود سلام، برکت اور کرم نازل فرما ہمارے آقا و مولا محمد پر، جو تیرے بندے، نبی، رسول اور نبی امی ہیں اور آپ کی آل و اصحاب پر، بیویوں اور اولاد پر، افضل درود، پاکیزہ تر سلام اور فزوں تر برکتیں، جو تو نے پرندے، حیوانات، وحشی جانور، چوپائے اور گائیں پیدا کیں ان کے برابر۔ الٰہی! درود و سلام برکت و کرم نازل فرما سردار کامل، فاتح، خاتم، رحمت کی حا، ملک کی میم، دوام کی دال پر، جو تیرے انوار کا سمندر، تیرے اسرار کی کان، تیری حکومت کا دولہا اور تیری حجت کی زبان ہے۔ تیری بارگاہ کے امام، تیرے ملک کی شان، تیری مخلوق کے خاصوں کا خاص اور تیرا وہ برگزیدہ رسول، جس کا نور تمام مخلوق سے پہلے پیدا کیا جن کا ظہور تمام کائنات کیلئے رحمت ہے۔ مصطفےٰ مجتبیٰ (برگزیدہ) پاکیزہ، پسندیدہ چنے ہوئے، عین عنایت، قیامت کی رونق، امام بارگاہ، امین سلطنت، حقیقت کا خزانہ، شریعت کا سورج، تاریکیوں کو دور کرنیوالا، اندھیروں کو روشنی بخشنے والا، ملت کے مددگار، نبی رحمت، شفیع امت، ہمارے آقا و مولا محمد جو تیرے بندے نبی اور رسول ہیں، نبی امی ہیں اور آپ کی آل و اصحاب پر، بیویوں اور اولاد پر افضل درود، پاکیزہ تر سلام اور فزوں تر برکتیں ان سب کی تعداد کے برابر۔ ان کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر اور ان سب کے مجموعہ کو اتنے اور سے ضرب دے کر تمام مجموعہ کے برابر ایک بھی کم نہ ہو۔ سیاہی ختم نہ ہو، یہاں تک کہ تمام اعداد و شمار اس میں سما جائیں اور

تمام حدوں کا احاطہ ہو جائے۔ ہمیشہ ہمیشہ، زمانہ بھر جب تک زمینیں اور آسمان رہیں، عرش و کرسی، جنت و دوزخ اور اللہ واحد و قہار کی حکومت رہے۔ الٰہی! درود و سلام برکت و کرم نازل فرما ہمارے آقا و مولا محمد پر، جو تیرے بندے، نبی، رسول اور نبی امی ہیں اور آپ کی آل و اصحاب اور بیویوں اور اولاد پر، افضل درود اور پاکیزہ تر سلام اور فزوں تر برکتیں اور اے اللہ! حضور کو ہماری طرف سے وہ جزائے خیر عطا فرما جس کے آپ مستحق ہیں اور اس سے افضل جزا جو تو نے کسی قوم کی طرف سے اس کے نبی کو عطا فرمائی ہے۔ اور کسی رسول کو اس کی امت کی طرف سے عطا فرمائی اور حضور کو کسی وسیلہ، فضیلت اور بلند درجہ عطا فرما اور قیامت کے دن حضور کو اپنے قریب تر مقام پر فائز فرما، اور اے پروردگار! اسی طرح درود و سلام نازل فرما حضور کے تمام معزز بھائیوں یعنی نبیوں اور رسولوں پر اور ابو بکر، عمر و عثمان و علی پر اور سب کی آل اور سب کے صحابہ اور سب کے قرابتداروں پر، اور نیکوکار، بہترین تابعین پر اور حمد و پاکی اللہ کیلئے جو اس کی بزرگی و عظمت کے شایانِ شان ہے اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہے ایسی تعریفیں جو کثیر ہوں، پاکیزہ ہوں بابرکت ہوں، کافی ہوں اس کی تمام نعمتوں اور فضلوں پر عبادت کے لائق کوئی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے، جو ایک ہے، کوئی اس کے برابر نہیں، جو اپنی بلندی اور کمال میں یکتا ہے اور اللہ بہت بڑا ہے۔ جو اپنی برائی اور دبدبے میں بڑھ کر ہے۔ نیکی کی طاقت اور برائی سے بچاؤ اللہ ہی کی توفیق سے ہے جو بلند تر عظیم تر ہے۔ ہر پریشانی، غم اور تکلیف اور تنگی کے وقت اور بندے کو تمام حالات میں نت نئے حادثے پیش آتے وقت، اور میں خدائے برتر سے معافی چاہتا ہوں، ہر ایسے گناہ سے، جسے میں نے رات کی تاریکی، دن کے اجالے اور دونوں کے آتے جاتے وقت میں کیا ہے۔ اسی تعداد کے برابر، اور اس جتنی اور تعداد کے برابر، اور اس سے دوگنی چوگنی تعداد کے برابر جب تک سورج طلوع ہوتا رہے اور چاند چمکتا رہے، ہوا چلتی رہے اور بادل چھاتا رہے، پرندے چہچہاتے رہیں، رات آتی رہے، دن چمکتا رہے اور اللہ تعالیٰ درود بھیجے نیکوں کے سردار، برگزیدہ رسولوں کی زینت پر اور ان تمام میں معزز ترین پر جن پر رات اندھیرا کرے اور دن روشنی، اور آپ کی آل و اصحاب پر اور بہت بہت سلام۔''

یہ درود شریف سیدی شیخ یحییٰ بن عبدالرحمٰن رملی شافعی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور یہ کامل تر اور فاضل تر جامع تر اور شامل تر درودوں میں سے ہے حالانکہ یہ نادر الوجود ہے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے تین نسخے مہیا کیے اس کے مقدمہ میں مصنف نے اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ کے نام سے شروع جو رحم فرمانے والا، نہایت مہربان ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ افضل درود اور مکمل سلام ہمارے آقا و مولیٰ محمد پر، جو تمام نبیوں میں برگزیدہ اور آخری نبی ہیں اور آپ کی آل و اصحاب سب پر۔ حمد و درود و سلام کے بعد، بندہ فقیر یحییٰ بن عبدالرحمٰن رملی شافعی قادری اللہ اس کو اس کے والدین کو، اس کے مشائخ اور تمام مسلمانوں کو بخش دے، عرض گزار ہے کہ یہ بابرکت درود عربی نبی پر، جو بطحا کے باسی ہیں، ہاشمی، قرشی، امی ہیں۔ سردار کامل، فاتح (جن سے سلسلہ نبوت شروع ہوا) خاتم (جن پر سلسلہ نبوت ختم ہوا) پروردگار عالم کے حبیب، گنہگاروں کی شفاعت فرمانے والے، اس امت کے

قائد ہیں جن کے چہرے اور ہاتھ پاؤں (اعضائے وضو) قیامت کو چمکتے ہوں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اللہ آپ پر اور آپ کی آل واصحاب پر اولاد وازواج سب پر درود وسلام نازل فرمائے اور ان پر بھی جو نیکی کے ساتھ قیامت تک ان کی پیروی کرتے رہیں گے۔ میں نے اس کو جمع کیا چہرۂ انور کے انوار کو چمک و تروتازگی کی محبت میں اور سرکار کی رضا کیلئے اور حضور کی عظمت بارگاہ پناہ میں دنیا وآخرت میں قرب کا وسیلہ بنانے کیلئے اور میں نے اس کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ میرے علم میں اس سے پہلے ایسا نہیں کیا گیا، نہ کسی نے پہلے کیا نہ بعد میں اور یہ سب اس کی عام مدد اور بڑے فضل سے ہوا کہ حضور ہی کے پاس ہر پیاسے کی پیاس بجھتی ہے، خواص وعام اور جن وانسان کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تم میں سے میرے قریب تر وہ ہوگا جو تم میں سے سب سے بڑھ کر مجھ پر درود بھیجے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں مختصر لفظوں میں بڑی تعداد کی طرف اشارہ کیا ہے: سبحان الله وبحمده عدد خلقه و رضانفسه وزنة عرشه ومداد کلماته اور اس کے علاوہ مفہوم میں ملتی جلتی حدیثیں اور بہت سے پہلے پچھلوں بزرگوں سے، یہ اور اس کی ہم معنی تسبیحات وغیرہ منقول ہیں۔ جب اللہ نے محمد پر اپنے فضل وکرم سے اس درود شریف سے احسان فرمایا تو ایک نیک آدمی نے یہ درود شریف پڑھا اور سو گیا۔ خواب میں دیکھا گیا ہے کہ گویا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اس درود شریف کا ثواب اللہ ہی شمار کرسکتا ہے ہمیں تو اس نے تھکا دیا ہے۔ یہ واقعہ بیت المقدس کے مضافات میں موضع جلجولیہ میں پیش آیا۔ اور اسے روایت کیا ہے سیدی شیخ استاذ، امام، عارف باللہ تعالیٰ سالکوں کے مربی، مریدوں کے مسلک، اپنے دور کے یکتا، اپنے زمانے کے چیدہ، قطب، ولی شیخ محمد مغربی اللہ ان کو معاف فرمائے اور ان پر رحم فرمائے اور ان سے محبت فرمائے اور ان کی برکتیں ہم پر اور تمام مسلمانوں پر لوٹائے حالانکہ اس وقت تک یہ درود شریف مکمل نہیں ہوا تھا جب میں نے اللہ کے فضل سے اس کو مکمل کر لیا تو اس کا نام رکھا۔

یہ درود شریف دنیا وآخرت کی غریبی سے نجات دیتا ہے۔ دیکھو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی حقیقت کو کہ جس نے (باقی فرائض ادا کرنے کے بعد) اپنی تمام عبادت مجھ پر درود وسلام پڑھنا ٹھہرا لی تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام دنیوی واخروی حاجات خود پوری فرمائے گا۔ یا جیسا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یونہی وہ حدیث جو حضرت ابی نے کعب سے روایت کی ہے، جس کا ذکر آرہا ہے، پھر مجھے مصر کی طرف سفر کرنا پڑا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کثرت سے مسکراتے دیکھا اور کافی وقت میں حضور کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر میں نے اسی سال حج کیا اور سرکار کی برکت سے میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ اور حضور کے زیر سایہ وہیں میں نے یہ درود شریف لکھا اور ایک عرصے تک میں نے اسے چھپائے رکھا۔ پھر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تو حضور فرماتے ہیں: تو نے ہم پر درود پڑھنا چھوڑ دیا ہے؟ یا بھول گیا ہے؟ یا اس سے ملتی جلتی بات فرمائی۔ میں نے عرض کیا: حضور! کیا آپ کو درود پہنچتا ہے؟ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ میں کہے۔ فرمایا: ہاں! پھر فرمایا: میں عنقریب اسم اعظم کے ذریعے تیرے لئے دعا کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ جس درود شریف کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے وہ یہی درود شریف ہے جو کوئی اس کا اہتمام کرے گا اس کی برکت سے

بہت بھلائی دیکھے گا۔ پھر یہ سب کچھ ظاہر ہوا، الحمد للہ! یہ اس کا احسان ہے اور لوگوں میں بہت مقبول ہوا اور مجھے امید ہے کہ اللہ اس کو اس طرح شہرت بخشے گا جیسے زمین کے کونے کونے میں سورج مشہور ہے۔ دعا ہے کہ اسے اپنی رضا کا ذریعہ بنائے، ان کی برکت سے جن کیلئے میں نے اسے جمع کیا ہے اور جو اسے ہمیشہ پڑھے اس پر بند دروازے کھول دے اور اسے جنت میں بلند ترین محلات میں جگہ دے اور خواب میں آقاؤں کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بکثرت زیارت ہوتی رہے۔ کیوں نہیں جب ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں تمام وقت (نوافل کا) آپ پر درود پڑھنے کیلئے صرف کردوں گا تو حضور نے فرمایا: ''اذا تکفی همك ویغفر لك ذنبك تیری تمام پریشانیوں کے لئے یہی کافی ہوگا اور تیرے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام جو بڑے بڑے اجر برکتیں اور قبولیت ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ اور یہ ہر حال میں ہے اور جب تک زمانہ باقی ہے ہر وقت ہے۔ پھر کسی ایسے شخص پر جسے عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا ہوا ہے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ یہ درود شریف کائنات ارضی وسماوی کی تمام کلیات و جزئیات پر مشتمل ہے اور تمام گزشتہ درودوں کی تفصیلات و مجملات پر حاوی ہے خصوصاً میرا یہ قول کہ دوگنا چوگنا، جب کہ اسے اسی جیسے سے ضرب دی جائے تاکہ اس قول کی حقیقت واضح ہو جائے کہ اس کے اجرو ثواب کا شمار اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا اور علم حساب کے ماہر پر یہ راز کھل جائے گا اور اللہ کی قدرت وعظمت کے آگے سر تسلیم خم کیے بغیر اور اپنی عاجزی کا اعتراف کئے بغیر چارہ ہی کیا ہے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ میں ایسی چیز لایا ہوں جس کی مثل باقی نہیں لا سکے یا ان کے علم میں یہ وسعت نہیں، بلکہ میں تو ان کے غالب فائق اور مکمل نور امداد سے روشنی حاصل کرنے والا ہوں اور ان کے ٹھنڈے میٹھے صاف چشمہ فیض سے چند قطرے حاصل کرنے والا ہوں۔ میں نے ان کے عمدہ جڑھے ہوئے اور بکھرے ہوئے موتی جمع کر لیے ہیں۔ امید ہے کہ ان کے لکھے ہوئے اسمائے گرامی اللہ ان کی برکتوں سے ہم کو دنیا و آخرت میں نفع دے بے شک وہ بڑا سخی کرم فرمانے والا اور کثیر نعمت والا ہے اور میں نے اس درود شریف کو ''الباقیات الصلحت'' ختم کیا۔ دو فائدوں کیلئے ایک یہ کہ اس میں پہلے اعداد وشمار بھی خواہ مفصل ہوں خواہ مجمل جمع ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا اور جو شخص اس کو بہتر طریقہ سے پڑھے گا ان کا بھی خاتمہ بالخیر فرمائے گا، بے شک وہ قریب ہے اور دعائیں سننے والا ہے اور مدینہ منورہ اللہ اس کے مقیم پر افضل درود وسلام بھیجے۔

درود نمبر 21:

((اللهم صلی علی محمد و علی ال محمد صلوٰة تکون لك رضی ولحقه اداء واعطه الوسیلة والمقام الذی وعدته واجزه عنا ما هو اهله واجزه عنا من افضل ما جزیت نبیًا عن امته وصل علی جمیع اخوانه من النبیین والصالحین یا ارحم الراحمین))

اس حدیث کو ابن ابی عاصم نے اپنی بعض تصانیف میں مرفوعاً روایت کیا۔

درود نمبر 22:

((اللھم صلی علی محمد وانزله المقعد المقرب عندك یوم القیمة))

اس کو امام احمد وغیرہ نے حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص کہے: اللھم صلی علی محمد اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

درود نمبر 23:

((اللھم صلی علی روح محمد فی الارواح وعلی جسده فی الاجساد وعلی قبره فی القبور))

اس کو ابوالقاسم التیمی نے الدر المنظم فی المولد المعظم میں ذکر کیا ہے کہا کہ حضور علیہ السلام سے روایت نقل کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''جو ارواح میں روح محمد پر درود بھیجے خواب میں مجھے دیکھے گا۔ اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا' قیامت کے دن مجھے دیکھے گا اور جس نے مجھے قیامت کو دیکھ لیا' میں اس کی شفاعت کروں گا اور جس کی میں شفاعت کردی وہ میرے حوض (کوثر) سے پیئے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو آگ پر حرام کردے گا۔''

درود نمبر 24:

(اللھم اجعل صلواتك وبركاتك علی محمد كما جعلتها علی ابراهیم انك حمید مجید))

اس کو اسمعیل قاضی نے حسن سے مرسلاً روایت کیا۔

درود نمبر 25:

((اللھم اجعل صلواتك وبركاتك علی محمد وعلی ال محمد كما جعلتها علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم انك حمید مجید))

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور نے حسن سے مرسلاً روایت کیا۔

درود نمبر 26:

((اللھم صلی علی محمد عبدك ورسولك واهل بیته كما صلیت علی ابراهیم انك حمید مجید))

اس حدیث کو اسماعیل قاضی نے ابراہیم نخعی سے مرسلاً روایت کیا۔

درود نمبر 27:

((اللھم صلی علی الذات العظمی ، مكملة اهل النور الاسنی قطب دائره

العالمين، واسطة عقد الانبياء والمرسلين صفوة الدنيا والآخرة والدين، برهانك القاطع و نورك الساطع، وارث الخلافة الكبرى ، وامام الدنيا والاخرى ، المعقود والسر المشهود دام المحمود، والصراط المستقيم المدود والحو المورود ، والكوثر جارى، والنور السارى، ملك الكمالات وسلطان البدايات والنهايات، كل عالم و محمد كل مقام من خلق آدم ، جامع القرآن المتصف بصفات الكمال فى كل آن واوان ، البر الرحيم، المهيمن، الجبار ، العزيز، الرء وف، السيد البدر ، من اقمت به الدائمة، وعزبه القائمة، الفاتح، الخاتم، الشافع الامين على اسرارك الجوامع، الحاشر لاهل الخير للجنان، ولا هل الشر للنيران، الذى تم فيه مظهرك بكل زمان ، والقائم مقام لكمال الا مينان الخاتم لرسلك الكرام المحيط بمواد الانعام، الرسول للظوا هر بالجمال البشرى والا شراق الظهورى وللبواطن بالنور السنى وايعش الهنى الشاهد على كل رسول والمبلغ لنهاية السوال، الذين هدك بعين رأسه وخصصته بذالك تميزًا له فى حضرة قدسه الضحوك للطفه ومظهر امينايه ، العالى باشراق نورك على صفحات وجه وثنا ياه ولسانه ، العاقب للرسل الكرام فى الصور، المتقدم عليهم باكانه والمكان والمفصل وفواتح وخواتم السور، الفاتح للمفلات، القائم بحل المعضلاب، القتال لكل غوى والمزيل لكل رتى ، القيم الذى ثم به كل ظهور وجمع كل نور، الماحى يظلام الشراك والشكوك ولا وهام المؤصل لدار السلام المصطفىٰ على كل الانام المبشر بلقا الملك العلام و فواتح الانعام وخواتم الاسلام من السلام بدار السلام المتوكل بحاله، المظهر لذلك فى مقاله لئلايالف الخلق سواك ، فلا يكتفتون الااليك ، ولا يعتمدون الا عليك ولا يومنون الا اياك المقنع بقناع بهاء نورك فى معالى معالم ظهورك النبى الذى انباته بك فاناعت ، النذير لمن عصاك بخويفه بك منك نبى التوبة التى قبلتها من اميه بلا قتل ظاهر للنفوس ، من غير مقة ولا بوس، نبى الرحمة الذى ارسلته رحمة للعالمين وانقاد الهالكين نبى الملاحم العظمى، ومواقع الخيراك همى الذى هديت به من كان عنه اعمى وفتحت به اذانا ثما و اعينا عميا و قلوبا غلفا، سيدنا محمد صلى الله عليك وسلم ، اللهم صلى على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على ابراهيم

وعلی آل ابراهیم انك حمید مجید ، سبحان ربك رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العالمین، سبحانك اللهم وبحمد ، لا اله الا انت استغفرك واتوب الیك دعواهم فیها سبحانك اللهم وتحیتهم فیها سلام وآخردوعواهم ان الحمد لله رب العالمین))

''الٰہی! اس ذات بزرگ پر درود بھیج ، جو برتر نور والوں کو مکمل کرنیوالی ہے، دائرہ عالمین کی قطب اور سلسلہ انبیا ورسل کی لڑی کا واسطہ ہے۔ دنیا، آخرت اور دین کی برگزیدہ ترین ہستی، جو تیری قطعی دلیل اور روشن ترین نور ہے۔ جو خلافت کبریٰ کے وارث اور دنیا و آخرت کے امام ہیں۔ جو لوائے حمد کے حامل اور اس راز کے محرم ہیں، جس کا مشاہدہ کیا جائے گا۔ جو مقام محمود پر فائز اور سیدھی راہ، دراز اور اس حوض کے رہبر ہیں، جس پر پیاسے پہنچیں گے۔ جو بہنے والے کوثر اور کائنات کے ذرے ذرے میں چمکتے و دمکتے نور والے ہیں، جو کمالات کے بادشاہ اور ابتداء وانتہا کے شہنشاہ ہیں۔ تمام جہانوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے والے اور تخلیق آدم سے ہر جگہ جن کی تعریف کی جاتی ہے۔ قرآن کو جمع کرنیوالے، ہر گھڑی اور ہر وقت صفات کمال سے موصوف، بہت نیک، بڑے مہربان، امت کے نگہبان، سب پر قابو پانے والے، غالب، شفقت ورحمت فرمانے والے، جو سردار، روشن ضمیر ہیں، جن کی دائمی زندگی اور قائم عزت کی تو نے قسم ارشاد فرمائی، جو باب نبوت کے کھولنے والے بھی ہیں اور سلسلہ نبوت کو ختم فرمانے والے بھی، شفاعت فرمانے اور تیرے تمام رازوں کے امین ہیں۔ وہ جو نیکوکاروں کو جنت کے لئے اور شریروں کو جہنم کیلئے جمع فرمانے والے ہیں، وہ جن کی ذات میں ہر وقت تیرے ذات کامل کے انوار ظاہر ہوتے ہیں، اور وہ جنہوں نے ہر مقام پر کمال احسان فرمایا۔ جو تیرے معزز رسولوں کا سلسلہ ختم فرمانے والے اور تمام نعمتوں کا احاطہ کرنے والے ہیں، جو ظاہر کیلئے انسانی حسن و جمال اور ظاہری چمک دمک والے رسول ہیں اور باطن کے لئے اعلیٰ ترین نور اور اعلیٰ مرتبت زندگی کا نمونہ ہیں، جو ہر رسول پر گواہ اور ہر سوال کا مسکت جواب دینے والے ہیں، وہ جنہوں نے اپنی سر کی آنکھوں سے تیرا مشاہدہ کیا اور جن کو تو نے اپنی بارگاہ میں ایسی خصوصیات کے ساتھ نوازا، جو رب تعالیٰ کے لطف واحسان کا مظہر ہیں۔ جن کے چہرہ انور پر دانتوں اور زبان پر تیرے انوار رقص کرتے ہیں، جو صورت کے لحاظ سے تمام انبیائے کرام کے آخر میں اور مرتبہ و مقام کے لحاظ سے سب سے اول ہیں، جو سورتوں کے مفصل حروف ابتدائیہ، کلمات اختتامیہ، بندشوں کو کھولنے والے، مشکلات کو حل کرنے والے، ہر سرکش سے بہت لڑنیوالے اور ہر کمینہ کو مٹانے والے، جو تقسیم فرمانے والے ہیں، جن سے ہر کمال کا ظہور تام ہوا۔ جنہوں نے ہر نور کو جمع فرمایا۔ وہ جو شرک وشکوک واوہام کو مٹانے والے اور دارالسلام (سلامتی کے گھر، جنت) تک پہنچانے والے ہیں۔ جو تمام انسانوں میں برگزیدہ ہے۔ بہت علم والے بادشاہ کی ملاقات، ابتدائی انعام و اکرام اور اسلام کے آخری جامع نظام کی سلامتی کے ساتھ، حصول جنت کی بشارت دینے والے ہیں، وہ جو اپنے ہر حال میں توکل کرنے والے اور اپنی گفتگو میں اس حقیقت کو برملا ظاہر فرمانے والے ہیں، تاکہ مخلوق تجھے چھوڑ کر کسی سے رشتہ الفت استوار نہ کرے، پس اب وہ (مسلمان) صرف تیری طرف توجہ کرتے ہیں،

اور تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے ہیں اور اس کی آس تیرے سوا اور کچھ نہیں، وہ جو تیرے نور کی چمک کا نقاب اوڑھے ہوئے ہیں، تیرے ظہور کے بلند ترین مقام پر، وہ جو تیرے بتانے سے غیب کی خبریں دینے والے ہیں، سوانہوں نے لوگوں کو تیری ذات وصفات کی خبریں دیں۔ وہ جو تیرے نافرمانوں کو تیرا نام لے کر برے انجام سے خبر دار کرنیوالے ہیں، جو توبہ کے نبی ہیں۔ وہ جن کی امت کی توبہ تو نے جانوں کے قتل کئے بغیر قبول فرمائی۔ بلا مشقت وتکلیف، جو رحمت کے نبی ہیں، جن کو آپ نے تمام جہانوں کیلئے رحمت اور ہلاک ہونے والوں کیلئے ذریعہ نجات بنا کر بھیجا۔ بڑی بڑی معرکہ آرائیوں اور عظیم بھلائیوں والے نبی، وہ جن کے سبب تو نے اندھوں کو راستہ دکھایا، بہروں کو قوت سماعت عطا فرمائی، اندھوں کو بینائی اور دلوں کو بصرت عطا فرمائی، ہمارے آقا محمد۔ الٰہی! محمد اور آل محمد پر درود بھیج، جیسے تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر درود بھیجا اور محمد و آل محمد پر اسی طرح برکت نازل فرما، جیسے تو نے ابراہیم وآل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی۔ بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ تمہارا رب عزت والا رب اس سے پاک ہے جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اور تمام رسولوں پر سلام، اور سب تعریفیں اللہ پروردگار جہاں کے لئے۔ الٰہی! تو پاک ہے اور تیری ہی تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے معافی کا خواہستگار ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ ان کی دعا جنت میں یہ ہوگی کہ الٰہی تو پاک ہے اور ہدیہ ان کا جنت میں سلام ہوگا اور ان کی آخری دعا یہی ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ پروردگار جہاں کیلئے ہیں۔"

درود نمبر 28:

((بسم الله الرحمن الرحيم، لا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم، لا اله الا الله الملك الحق المبين ، محمد رُسول الله صادق الوعد الامين ، ربنا امنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين، اللهم صلى و سلم وابرو اكرم وانعم على العز الشمخ، والمجد الباذخ والنور الطامح والحق الواضح، جيم الملكة رحاء الرحمة و ميم العلم ودال الد لا لة والف الذات وحاء الرحموت وميم الملكوت ودال الهداية رجيم الجبروت ولام الالطاف الحنفية وراء الرانة الحقيقة و نون السنن وعين ايعناية و كاف الكفاية وياء السيادة وسين السعادة وقاف القربة وطاء السلطنة وهاء العروة وواو الوثقىٰ وصاد العصمة وعلى آله جواهر علمه العزيز واصحاب من اصبح بهم الذين فى حرز حريز ، صلاتك المهمتة بعظمة جلالك المشرفة بجلال جلالك المكرمة بعظيم نو ايك دائمة بدوام ملك لا انتهاء لها، سامية بسمور فعتك لا انقضاء لها، صلاة تفوق وتفضل وتليق بمجد كرمك وعظيم فضلك انت لها اهل لا يبلغ كنهها ولا يقدر قدر ها كما ينبغى لشرف نبويه وعظيم قدره وكما هو لها اهل صلاة تفرج عنا بها هموم حوادث

الاختیار و تمحوبها عنا ذنوب وجود نابماء سماء القربة حیث لا حیث ولا بین ولا این ولا کیف ولا جهة ولا قرار وتغینابها فی غیاهب غیوب انوار احدیتك فلا نشعر بتعاقب اللیل والنهار و نخولنا بها سماح یاح فتوح حقائق بدیع جمال نبیك محمد المختار و تتحفنا بها اسرار انوار زیتو نیتك فی مشكاة الزجاجة المحمدیة فتضاعف انوارنا بلا امیره ولاحدولا اتحصار یا رب یا الله یا حی یا قیوم یا ذوالجلال والا كرام یا ارحم الرحمین نسالك بدقائق معانی القران العظیم المتلا طمة امواجها فی تجرباطن خزائن علمك المخزون با یاته البینات الزاهرات الباهرات علی مظهر انسان عین سرك المصون ان تذهب عنا ظلام الفقد بنور انس المجدو ان تكسونا من حلل صفات كمال سیدنا محمد صلی الله علیه وسلم نور الجلالة وان تسقینا من كوثر معرفته رحیق تسلیم تسنیم شراب الوسالة اللهم صلی علیه الجود الاكرم والنور الا فخم والعزالا عظم المبعوث یا تقیل الا قوم ومنه الله علی كل فصیح واعجم ، سیدنا و نبینا وحبیبنا محمد صلی الله علیه وسلم قطب وحی النبیین ونقطة دائرة المرسلین المخاطب فی الكتاب المكنون بقولك ما انت بنعمة ربك بمجنون وان لك لا جرا غیر ممنون الموصوف بقولك الكریم وانك لعلی خلق عظیم ، وارض عن اصحابه ائمة الهدی لمن اهتدی ونجوم الا قیداءِ لمن افتدی ماتعاقبت ادوار الانوار واشرقت انوار الاسرار بالا سرار والحمد لله رب العالمین))

''شروع اللہ کے نام سے جو رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے۔ برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ بزرگ و برتر سے ہی مل سکتی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، جو واضح طور پر سچا بادشاہ ہے۔ محمد اللہ کے رسول، وعدے کے سچے اور امانتدار ہیں۔ الٰہی! ہم پر ایمان لائے جو تو نے نازل فرمایا اور ہم نے اس رسول کی پیروی کی۔ سو ہم کو گواہوں کے ہمراہ لکھ لے۔ الٰہی! درود سلام بھیج اور نیکی وعزت عطا فرما اور انعام فرما، بلند تر عزت، برتر عظمت اور عظیم تر نور پر جو واضح حق ہیں۔ جو مملکت کی میم، رحمت کی حاء، علم کی میم، دلالت کی دال، ذات باری تعالیٰ کا الف، بہت رحمتوں (رحموت) کی حاء، بہت بڑے ملک (ملکوت) کی میم، ہدایت کی دال، جبروت (قابو پانا) کی جیم، الطاف خفیہ (پوشیدہ مہربانیوں) کا لام، حقیقی رافت (چین) کی را، منن (احسانات) کا میم، عنایت کا عین، کفایت کا کاف، سیادت کی یا، سعادت کی سین، قربت کی قاف، سلطنت کی طا، عروہ کی ہا، وثقی کی واؤ (عروہ وثقی، مضبوط سہارا) عصمت کی صاد ہیں۔ اور ان کی آل پر جو سرکار کے قابل صد تکریم علم کے موتی ہیں اور آپ کے صحابہ کرام پر جنکی وجہ سے دین مضبوط حفاظت میں آ گیا۔ وہ درود جو تیری عظمت جلال سے بابرکت ہو، جو تیری جلالت جمال سے مشرف ہو۔ جو تیری عظیم عطا سے

قابل تکریم ہو، جو تیری دائمی حکومت سے دائمی ہو، جس کی کوئی انتہا نہ ہو، جو تیری برتری کے صدقہ، ایسا بلند مرتبت ہو، جو کبھی ختم نہ ہو، ایسا درود جو بلند تر، فاضل تر اور تیری بزرگی اور فضیلت عظمیٰ کے شرف نبوت اور علو مرتبت کے مناسب ہو اور جیسے حضور اس کے مستحق ہیں، ایسا درود جس سے حوادث اختیار کے رنج و غم جاتے رہیں اور جس کے ذریعے تو ہمارے وجود کے گناہوں کو آسمان قرب کے پانی سے دھو ڈالے، جہاں نہ جگہ ہے، نہ درمیان ہے، نہ گمان ہے، نہ کیسے، نہ جہت، نہ ٹھہراؤ اور جس سے تو ہم کو اپنے انوار توحید کے گہرے انوار میں چھپا لے، پس ہم کو گردش شب و روز کی کوئی خبر نہ رہے اور جس کے ذریعے تو ہم کو اپنے نبی مختار محمد کے بے مثال جمال کی حقیقتوں کو بے نقاب دیکھنے کی قوت ارزانی فرمائے اور جس کے صدقے تو ہم کو ان زیتونی انوار کے رازوں کا تحفہ عطا فرمائے، جو آئینہ محمدیہ کے طاق میں محفوظ ہیں، جس سے ہمارے انوار، بغیر ختم ہوئے بے حد و حساب بڑھتے چلے جائیں۔ اے پروردگار! اے اللہ! اے سدا زندہ رہنے والے! اے قائم رہنے والے! اے ہیبت و بزرگی کے مالک! اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! ہم تجھ سے قرآن عظیم کی ان معنوں باریکیوں کا سوال کرتے ہیں، جن کی موجیں تیرے محفوظ خزانہ علم میں موجزن ہیں۔ ان کی واضح نشانیوں کے ساتھ، جو چمک رہی ہیں۔ روشن ہیں اس ذات پاک پر جو تیرے محفوظ راز کی آنکھ کی پتلی کی مظہر ہے کہ ہم سے الفت عظمت کے نور کے صدقہ گمشدگی کے اندھیروں کو دور فرما دے۔ اور ہم کو سیدنا محمد کی صفات کمال کے جوڑوں سے نور جلالت کا لباس پہنا دے اور ہم کو ان کے نور معرفت سے سرخ رنگ کی تسلیم رسالت کی شربت پلا دے۔ الٰہی! ان پر درود بھیج جو سراپا بخشش و سخاوت ہیں عظیم الشان نور اور بہت بڑی عظمت ہیں۔ جن کو صاف سیدھی بات دے کر مبعوث فرمایا گیا اور جو ہر زبان دان اور گونگے کیلئے اللہ کا احسان ہیں۔ ہمارے آقا، ہمارے نبی اور ہمارے محبوب محمد جو نبیوں کی چکی کی مرکزی کیل اور دائرہ رسولوں کے نقطہ ہیں۔ جن کو لوح محفوظ میں لکھی گئی کتاب (قرآن کریم) میں ان الفاظ میں مخاطب بنایا گیا ہے: ما انت بنعمته ربك بمجنون (اے محبوب! تم اپنے رب کے فضل و کرم سے مجنون نہیں) وان لك لا جرا غیر ممنون (اور بے شک تمہارے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے) جو تیرے اس قابل صد تکریم فرمان کے ساتھ موصوف ہیں: وانك لعلی خلق عظیم (اور بے شک تم اخلاق کے بلند ترین درجہ پر فائز ہو) اور حضور کے ان صحابہ کرام سے راضی ہو، جو متلاشیانِ ہدایت کیلئے ہدایت کے امام ہیں اور پیروی کرنے والوں کیلئے اس وقت تک لائق اقتدار ستارے ہیں، جب تک نور کا دور جاری ہے اور چھپے رازوں کے انوار چمکتے رہیں گے اور تمام تر حمد و ثناء اللہ پروردگار عالمیان کے لیے ہیں۔"

درود نمبر 29:

((اللهم صلی وسلم و بارك على الطلعة الذات المطلسم والغيث المطمظم والكمال المكتم لا هوت الجمال و ناسوت الوصال و طلعة الحق، هوية انسان الازل فی نشر من لم یزل، من نافمت به نواسیت الفرق ای طرق الحق فصل اللهم به منه فيه عليه وسلم تسليمًا كثيرًا والحمد لله رب العالمين))

''الٰہی! درود وسلام اور برکت نازل فرما اس ذات پاک کی نورانیت پر جو کمالات عجیبہ کی جامع ہے، رحمتوں کی موسلا دھار بارش اور بہت پوشیدہ رکھا کمال ہیں، جو حسن ازل کا جمال اور انسانیت کو اپنے خالق سے ملانے کا واسطہ ہیں، جو حق کی چمکتی کرن ہیں۔ وہ جو ایسے انسان کیلئے (بھی) حقیقت ہیں، جو خدائے لم یزل کے خالق ہونے (کے عقیدے) میں پھسلنے والا ہے۔ جن کی بدولت تو نے حق کی طرف جانے والے مختلف راستوں کو سیدھا کیا۔ پس الٰہی! ان کے ذریعے ان کی طرف سے، ان کی ذات میں، ان پر درود اور بکثرت سلام نازل فرما۔ اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔''

درود نمبر 30:

((صلى الله على الاول فى الايجاد والجود الفاتح لكل شاهد حضر لى الشاهد والمشهود، السر الباطن والنور الظاهر الذى هو عين المفقود جائز قصب السبق فى عالم الخلق، المخصوص بالا ولية ، الروح الاقدس العلى والنور الا كمل البهى، القائم بكمال العبودية فى حضرة المعبود الذى افيض على روحى من حضرة روحانية، واتصلت بمشكاة قلبى اشعة نورانيته ، فهو الرسول الا عظم والنبى الا كرم والولى المقرب المسعود، وعلى آله واصحابه خزائن اسراره و معارف انواره ، ومطالع اقماره ، كنوز الحقائق وهداة الخلاق ، نجوم الهدى لمن اهتدى وسلم تسليمًا كثيرًا و سبحان الله و ما انا من المشركين وحسبنا الله ونعم الوكيل، ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم، وصلى الله على سيدنا محمد و آله وصحبه اجمعين سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين))

''اللہ تعالیٰ درود بھیجے ان پر جو وجود اور جود وعطا میں اول ہیں، جو شاہد و مشہود دونوں کے حضور حاضر ہونے والوں میں پہلے ہیں۔ جو باطنی راز اور ظاہری نور ہیں، جو عین مقصود ہیں، وہ جو تمام دنیا میں ہر کمال کے لحاظ سے سب پر سبقت لے جانے والے ہیں۔ جو اول ہونے کے ساتھ مخصوص ہیں، جو پاک روح، بلند مرتبت اور کامل ترین چمکتا نور ہیں۔ جو اپنے اس معبود کی بارگاہ میں عبودیت کاملہ کے مرتبہ پر فائز ہیں، جس کی بارگاہ کی روحانیت سے میں روحانی طور پر فیضیاب ہو رہا ہوں اور جن کی نورانی شعاعیں میرے طاق قلب میں پیوست ہو چکی ہیں، پس وہی رسول اعظم اور نبی اکرم ہیں جو قریبی مددگار، اور باعث سعادت ہیں اور ان کی آل اور ان کے صحابہ کرام پر جو سرکار کے اسرار کے خزانے، حضور کے انوار کے معارف اور چاندوں کے مطلع ہیں۔ حقیقتوں کے خزانے مخلوق کے ہادی اور طالبان ہدایت کیلئے ہدایات کے ستارے ہیں۔ اور الٰہی! ان پر بہت بہت سلام بھیجو! اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں، اور ہم کو اللہ کافی ہے اور بہترین کارساز ہے اور ہم برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت بس خدا بزرگ و برتر سے مل سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمارے

آقا محمد اور آپ کی آل اور صحابہ کرام، سب پر درود بھیجے، تمہارا پروردگار جو عزت وعظمت کا مالک ہے، ان خرافات سے پاک ہے جو یہ منکرین بیان کرتے ہیں اور رسولوں پر سلام ہو، اور تمام تر حمد وثنا کا سزاوار اللہ تعالیٰ پروردگار عالمیاں ہے۔"

درود نمبر 31:

((اسالك اللهم فيما سالتك وانو سل اليك فى قبوله بمقدمة الوجود الاول وروح الحياة الا فضل ونور العلم الا كمل و بساط الرحمة فى الازل وسماء الخلق الاجل السابق بالروح و الفضل والخاتم بالصورة والبعث والنور بالهداية والبيان محمد المصطفىٰ والرسول المجتبى صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم تسليمًا كثيرًا الى يوم الدين والحمد لله رب العالمين))

"الٰہی! میں نے جو کچھ تجھ سے مانگا ہے اس میں یہ سوال بھی ہے اور اس کی قبولیت میں تیرے حضور ذات اقدس کا وسیلہ پکڑتا ہوں جو وجود اول کا مقدمہ اور حیات افضل کی روح ہیں۔ جو کامل تر علم کا نور اور ازل میں بساط رحمت ہیں اور بزرگ ترین اخلاق کے آسمان ہیں، جو روح اور فضل وشرف میں سب سے اول اور صورت وظہور میں سب سے آخر ہیں، جو ہدایت وبیان کے نور ہیں۔ محمد مصطفےٰ، رسول برگزیدہ، اللہ تعالیٰ تا قیامت حضور پر، ان کی آل پر اور ان کے صحابہ کرام پر بہت بہت درود وسلام بھیجے اور سب تعریف اللہ پروردگار جہاں کیلئے ہے۔"

درود نمبر 32:

((اللهم بك توسلت واليك توجهت ومنك سالت وفيك لا فى احد سواك رغبت، لا اسال سواك ولا اطلب منك الاياك، اللهم واتوسل اليك فى قبول ذل بالوسيلة العظمىٰ والفضيلة الكبرىٰ والحبيب الا دنى، والو لى المولى، واصفى المصطفى والنبى المجتبى محمد صلى الله عليه وسلم وبه اسالك ان تصلى عليه صلاة ابدية سرمدية ازلية الا هية قيومية دائمة ديمومية ربانية بحيث اشهد نى فى ذلك كله عين الا غيار كما تستهلكنى فى معارف ذاته انت ولى ذلك ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم))

"الٰہی! تیرا ہی وسیلہ پکڑتا ہوں، تیری ہی طرف متوجہ ہوتا ہوں، تجھی سے مانگتا ہوں اور تیری ذات میں تیرے سوا کسی میں نہیں، میں رغبت رکھتا ہوں، میں تیرے سوا کسی سے نہیں مانگتا، اور تجھ سے بس تجھی کو مانگتا ہوں اور اس دعا کی قبولیت میں تیری طرف بہت بڑا وسیلہ پکڑتا ہوں۔ جو بڑی فضیلت ہے، جو تیرا اقریب تر حبیب اور سچا دوست ہے۔ جو پاکیزہ تر، برگزیدہ تر، غیب کی خبریں رکھنے اور دینے والا (نبی) منتخب محمد ہیں اور میں انہی کے وسیلہ سے تیرے حضور یہ عرض کرتا ہوں کہ ان پر ایسا درود بھیج جو دائمی ہو یعنی ازلی، ابدی اور سرمدی ہو،

الٰہی، قیومی، ربانی، بغیر اختتام وانقطاع کے ہو، بایں طور کہ میں ان سب میں اپنے آپ کو اس طرح حاضر کر سکوں جیسے غیر کی آنکھ، جیسے تو مجھے ان کے معارف ذات میں فناہ ہی کر دے۔ تو ہی اس کا مالک ہے۔ بدی سے پھرنے اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ بزرگ و برتر کے بغیر کسی کو نہیں۔''

درود نمبر 33:

((اللھم صلی علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد عرش استوا تجلیاتک ولنه هویة تنزلاتك النور الازهرو السرالا بهر والفرد الجامع والوترالواسع، صلاة شاهد بها عجائب الملكوت واستجلى بها عرانس الجبروت واسمطر بها غيوث الرحموت وارتا ضن بها عن علاقه نا سوت البهموت يا لاهوت كل ناسوت يا الله))

''الٰہی! ہمارے آقا محمد اور ہمارے آقا محمد کی آل پر درود بھیج، جو تیرے تسلط تجلیات کے عرش اور تیرے نزول حقیقت کی اصل ہیں، چمکتا نور اور راز برتر ہیں۔ جو یکتائے جامع صفات اور یگانہ واسع ہیں۔ ایسا درود جس سے میں تمام کائنات کے عجائبات کا مشاہدہ کروں اور جس سے تیرے عظیم الشان مناظر کا نظارہ کروں اور جس سے میں جلیل القدر رحمتوں کے مینہ سے سیرابی حاصل کروں اور جس کے ذریعہ میں اس دنیا کے شور و غل سے چھٹکارا حاصل کروں۔ اے ہر فرد بر کے اللہ۔ اے اللہ!''

درود نمبر 34:

((اشهد ان لا اله الا اللّٰه واشهد ان محمد رسول الله، مرات اشهد ان لا اله الا الله توحيد اذانيا صمدانيا مهيمنا على البواطن والظواهر ازلياً ابدياً مستولياً على الاوائل والاواخر، اشهد ان لا اله الا اللّٰه توحيد وصفياً كشفياً سارياً بمشارق الكمال الباهر، غيبيًا عينيًا جاريًا بمنا فذ النور اسافر، اشهد ان لا اله الا الله توحيد اسمياً حالية ادوار الا وتار والمائر، اليه طوالع الاسرار فى الدواير۔ اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله توحيدًا ذاتياً تنزل بالا وتار فى الاشفاع، وتنقل فى افراد الاعداد فى الفرقان والا جماع، سلطان لا هوتيية قهار، ناموس ناسوتية يسلب العقول والابصار۔ تنطوى تحت براز خ احديته اسرار التفصيل والا جمال، وتنزوى فى ظلى واحديه ادوار الانفصال والا تصال استوت به عروش الصفات على قوائم الا سماء وحيث فر القوابل بسور الظهور الاحى۔ واستدار على حقائق الملكوت، وآستنار ببواهر اصواء الجبروت، من نقطيه استمد كل عال۔ ومن طلعته ازهرت كواكب آدم امد بلطائف الجمعات

طوائف الا کوان ، واستضاء فی اصداف الاؤصاف بلوا مع الرحمن، رجعت الیه اومر الرغبوت، غیسا وطهورا، وهمعت منه مواطر الرحموت۔ مطوتاً ومنشوراً اللهم بحق سورئه المتلوه بلسان البیان عن حصرة القدم،ویستره الجلوه فیها عرائس الحقائق والحکم ، نزل صلاة وصلیك اسبوحیة من عرش اسمك الاعظم، علی واحد عوالم تجلیاتك القدوسیه الاکرم نورانی المشارق والمغارب ، صمدانی الوجهة بك الیك فی المارب والمطالب، لوح نقوش سرك المحیط الجامع روح یا کل امرك اللدنی الواسع، لسان احسانك فی الات ل المفیض لکل ما شئت ۔ خزانة رتبة الابد الممدة لکل ما اردت، الاول القابل النواع تعیتناتك اعلتة علی اختلاف شرونها۔ الاخر الخاتم علی کنوز امداد اتك الزنیة فی ظهورها وبطونها۔ العبد القائم بسرا لغب والا حاطة لغایات الوصل الناظر بعین الذات الی عین الذات ولا کیف ولا مثل فاتحه کتب الهبات والصفات والایات البینات۔ سر الباقیات الصالحات الدائمات، اللهم صلی علی هذا الحبیب المحبوب، الذی عنده المطلوب، عبدك ونبیك ورسولك سیدنا ومولانا محمد وعلی آله وصحبه رو یکر رها من قوله اللهم صل عشر مرات ثم یقول:وسلم باسمك الممد القوی علیه منك معك۔ واجعلنا به فی حضرة القدس الربانی ممن تبعه فاتبعك۔ اللهم کذلك، فی کل ذالك، مادام لك کل ما کان وکل مایکون، وبقی تعبین احدیتك فی الظهور والبطون، واشرق جمال شهودك علی عوالم امرك فی الحرکة والسکون۔ وانفقت من خزائن مواهب ما شئت من سرك المصون۔ وبطن عن ادراك کل احد من خلفك ما کتمتم امرك المکنون۔ آمین آمین آمین آمین آمین آمین آمین دعواهم فیها سبحانك اللهم وتحیتهم فیها سلام وآخر دعوا هم ان الحمد لله رب العالمین))

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، دس مرتبہ، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔اس کی ذات یکتا ہے، بے نیاز ہے، ظاہر و باطن پر نگران ہے۔ ازلی ہے (جس کی ابتداء نہیں) ابدی ہے (جس کی انتہا نہیں) پہلوں پچھلوں پر غالب رہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کوئی معبود نہیں۔ وہ صفات میں یکتا ہے۔ اس کی صفات واضح اور روشن کمال کی تجلی گاہوں میں جاری ہیں۔ اس کی توحید ذاتی وعینی ہے جو چلتی روشنی کے سوراخوں میں ساری ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، جس کا نام بھی یکتا ہے۔ جو وتر کے نشانات اور

دائروں میں امل ہے۔ دائروں میں رازوں کے چمکنے کے مقامات پر چمکنے والا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس کی ذات یکتا ہے، اس کی یکتائی اثار وعلامات کے ذریعہ جوڑوں میں ظاہر ہوئی اور اجتماعی وانفرادی، اعداد وشمار کے افراد میں منتقل ہوئی۔ اس کی ہویت کا اقتدار مضبوط ہے۔ اس کا نظام قدرت فکر ونظر کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ اجمال وتفصیل کے راز اس کی یکتائی کے پردوں میں لپٹے ہوئے ہیں اور وصل وفصل کے دائرے اس کی وحدانیت کے سائے میں گوشہ نشین ہیں۔ اس کے اوصاف حمیدہ کے عرش آسمان کے پائے پر قائم ہیں، اس کے سامنے کے فرش اس کے ظہور کی مضبوط دیواروں سے گھیرے ہوئے ہیں، اور حقائق کائنات کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اس کی صفات قاہرہ کے چمکتے ہوئے انوار سے جگمگا رہے ہیں۔ اسی کے نقطہ (مرکز) سے تمام جہاں پھیلے۔ اسی کی چمک سے آدم کا ستارہ چمکا۔ اسی نے خوبصورت ہریالیوں سے دنیا کا کونہ کونہ بھر دیا۔ صفات کی سیپیوں میں رحمٰن کی کرنیں چمکنے لگیں۔ رغبت کے حکم پاکیزہ بارش بن کر اس کی طرف لوٹتے ہیں، جن سے تیز اور چار سو پھیلنے والی بارش برستی ہے۔ الٰہی! بارگاہ قدیمی سے، بیان کی زبان سے پڑھی جانے والی اس کی سورت کے حق ہونے کا صدقہ اور اس کے ان پردوں کے طفیل جن میں حقیقتوں اور حکمتوں کی دلہنیں آراستہ ہیں، اپنے وصل کا پاکیزہ درود، اپنے اسم اعظم کے عرش سے، اس (محبوب) پر نازل فرما، جو تیری پاکیزہ تجلیات کی ایک معزز دنیا ہے۔ جو مشرقوں اور مغربوں کو روشنی بخشنے والے ہیں۔ جو مطالب ومقاصد میں تیری عطا سے بے نیاز ذات والے ہیں، تیرے جامع اور ہر سو پھیلے ہوئے راز کے نقوش کی تختی ہیں، تیرے وسیع امر لدنی کی صورتوں کی روح ہیں، ازل میں تیرے احسان کی زبان، جو تیری مشیت کے مطابق فیضان کرنے والی ہے تو جس کیلئے چاہے۔ دائمی طویل خزانہ، تیری گوناگوں شانوں والے تعینات عالیہ کی اقسام کا پہلا مقابل، تیری ظاہری اور باطنی پاکیزہ امدادوں کے خزانوں پر آخری مہر۔ ایسے بندے ہیں جو غیب کی سیر کرنے اور وصل کی آخری سرحدوں ک احاطہ کرنے والے ہیں۔ جو بغیر مثال وکیفیت کے اپنی ذاتی آنکھ سے ذات باری تعالیٰ کو دیکھنے والے ہیں، ذات وصفات اور واضح دلائل کی کتابوں کا دیباچہ ہیں۔ ہمیشہ رہنے والی نیکیوں کا راز ہیں۔ الٰہی! اس پیارے محبوب پر درود بھیج، جن کے پاس مطلوب ومقصود ہے۔ جو تیرے بندے، نبی اور رسول ہیں، ہمارے آقا و مولیٰ محمد اور آپ کی آل اور اصحاب پر، **اللھم صلی علی ھذا الحبیب المحبوب الذی عندہ المطلوب عبدك و نبیك و رسولك سدنا و مولانا محمد و علی آلہ و صحبہ** دس مرتبہ پڑھے اور پھر کہے اور حضور پر سلام نازل فرما اپنے مدد کرنے والے، قوت والے نام سے، تیری طرف سے، تیرے ساتھ اور اس کے صدقہ سے ہمیں بھی اپنی پاک زبانی بارگاہ میں ان لوگوں کے ساتھ شامل فرمائے، جو حضور کے پیروکار ہو کر تیرے اطاعت شعار ہوئے۔ الٰہی! ایسا ہی ہو، ہر ایسے کام میں جو ہو چکا اور جو ہوگا، اور جب تک تیری یکتائی کا تعین ظاہر و باطن میں باقی ہے اور جب تک تیرے ظہور کا جمال حرکت وسکون میں، تیری کائنات امر پر چمکتا رہے اور جب تک تو اپنے محفوظ رازوں کی بخشش کے خزانوں سے اپنی مرضی سے خرچ فرماتا رہے اور جب تک تیری ہر مخلوق سے پوشیدہ ہیں وہ بھید جو تو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔" آمین آمین

آمین آمین آمین آمین آمین (الٰہی! یہ دعا قبول فرما) دعواهم فيها سبحانك اللهم وتحيتهم فيها سلام وآخر دعواهم ان الحمد لله رب العالمين اہل جنت کی جنت میں پکار اہوگی: ''یا اللہ! تو پاک ہے اور مجرا ہوا گا: ''سلام'' اور ان کی آخری پکار ہوگی کہ سب تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔''

درود نمبر 35:

((اسألك اللهم ان تصلى على ملك الكمالات ، وقطب البدايات والنهايات، وسيد اهل الارض والسموات الف الامامة وباء البركة، واء التمارم، وثاء ثمرة العز وجيم الجمال وحاء الحق وخاء الخلود الدائم ودال الديمومة الابدية وذال ذم الاغيار السينطانية وراء الرفعة القطبية وزاى الزينة الجمالية ، وسين اسموالى المعارف العليته وشين الشرف الاكبر وصاد الصدق الانار وضاد الضوء الامع الازهر، وطاء طلوع شمس العز والمعرفة، وظاء الظهور فى مراتبه العزالمشرفة، وعين عنايتك الازيية ، الابديه وعين الغفران الوار ذمن فضلك ورتب كمالك وفآء وقاف قر المخالف الغالى، وميم مبدا الاشياء ظاهرًا وبا طنًا و نون نها ياتها سرًا و علنا وهاءْ الهوية العظمى، واواو ورود المشرب الا سنى، لا نظير له فى خليقك ولا مساوى له فى حضرة عزك وياء يسر الذكر ببركتك ثم ببركة عين افلاك العز وسلطان سرادقات الحفظ ورئيس الجنان، الشافع من النيران، الفارتح الخاتم الاول الاخر الظاهر، الباطن، الجبار، الروف الرحيم ، المهمين، سيد اوليائك العارفين، و ملائكتك المقربين والانبياء والمرسلين ، من لا ح جماله فى القدم واشرق نوره الى الوجود بلا عدم، سيد الاسرار الملكوت، والعالم بنهاية الرغبوت والجبروت، من اقام الحق واذل الطاغوت، نورك الا تم ،، وفضلك الاعم ، قطب الا قطاب، وملا ذالاخباب ، الداخل عليك من الباب، باب الخيرات، وينفتاح البركات، مس المعانى الزهرة، وسيد الدنيا والاخرة، من لم يغب عن حضرتك طرفة عين، ولم يعرف غيرك من الزمان والاين، سيد الدالين عليك الموصلين اليك ، نور بهجة الاسرار، العالم بكشف الاستار ، السائر من وصفك الغفور الستار ، مظهرك التام، وعين جودك العام، سيدنا الاكمل، ونورنا الافضل، خير من سبق ولحق دائم النور، وامنح الظهور، الحجة القاطعه، ذى البرهين الساطعة، شمس العلوم، وقمر جلاء الغموم، سيد الطفال

والكهول، وقطب دوائر العز المقبول، من خضعت له الرقاب، وذلت له الاقطاب ، ودرج الرسل تحت لوآئه وتالواشرف كماله وايو آئه ، فرد الافراد، وقطيب الاقطاب ووتد الاوتاد، العروة الوثقٰى خير من اتقى، من قرب قاب قوسن اوادنى، ولا من مطهر النور الاسنى، امام حضرات الكاملة وسيد اهل الرتب الفاضلة ، سراج الملة، و كنزان خير الكاشف لكل علة، نهاية اعمال او اصلين وغاية رغبة الرغبين، من سألك به آدم فنجا، و كل رسلك اليه قد النجاء احبل الممتدبينك وبين خلقك، سعيد العداء سيد السادات ، فرد الاحاظابت والكلمالات والنهايات ، روض العلم الخطيب، ومظهر سر القول المصيب، من لاح فيه وعليه كلامك القديم وظهرفيه نور سرك العظيم ، من فضلت تربته، على العر ، وقربته ، من عزك وقدسك وهو نورك الاعظم، وجمالك الاكرم ، و كمالك الاقدم، وصراطك الاقوم من اقمت به لعظمته، و شرفته فى ذلك يساديه، من افردته، فانفزد، ووحدته بك فتوحد، خير الاوا حمل والا واخر ، مشرق البواطن والظواهر المفيض على الواردين اليك، الممدللواصيلين الى حضرتك ، من ملا نوره السموات والارض وما بينهما واحطه بعلم الاولين والاخرين، تحقق بحقائق العرفان واليقين، و تم قبل مظاهر التكوين، وكتبت اسمه على عرشك قبل ظهور الاولين والاخرين نهاية الامداد والامدا و كفاية الاسعاد من اهتدت به السائرون ، واستر دت به المستر شدون من رحمت به العالم بسبسه ، واعلت الاواخرو الاوائل، احمد هذا العالم الكبير والصغير، واشرفه واجله فى سائر التقادير، سيدنا محمد و على آل محمد سيد كل محمود من خلقك وحامد، واجل من حمد وحمد وجمع المحامد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد مادام ذكرك وما اشرق عزك وما عرفك عارف، وما وقف ببابك واقف، ما نطق فهم ، وخط قلم، اللهم تقبل منا واعف عنا، واستجب لنا، اللهم اغفرلنا ولوالدينا ولمن اجتنافيك ، ولمن اجبئناه من اجلك ولا مة محمد صلى الله عليه وسلم، اللهم اغفرلهم وارحمهم و لهم ولنا ولسائر المسلمين ، اللهم صلى على سيدنا محمد و على آله وصحبه اجمعين، سبحان ربك رب العزة عما يصفون، وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين فسجان الذى بيده ملكوت كل شى واليه ترجعون، وهو اهم فيها سبحانك اللهم

وتحیتھم فیھا سلام واخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین))

''الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ کمالات کے بادشاہ پر درود بھیج! جو ابتداؤں اور انتہاؤں کے مدار ہیں، اہل زمین اور اہل آسمان کے سردار ہیں جو امامت کے الف، برکت کی بار، تمام (کمال) کی تاء، ثمرہ عزت کی ثاء، جمال کی جیم، حق کی حاء، خلود دوام کی خا اور دوام کی دال ہیں، جو شیطانی اغیار کی مذمت کی ذال، رفعت قطبیہ کی راء، اور زینت جما کی زاء، بلند ترین معرفتوں کے آسمان (سما) کی سین، بڑے شرف کی شین، صدق منور کی صاد، چمکتی دھمکتی روشنی (ضو) کی ضاد، عزت و معرفت کے سورج کے طلوع کی طا اور بلند ترین مراتب ظہور کی ظا ہیں۔ وہ جو ازلی، ابدی عنایت کی عین اور تیرے فضل و کرم اور مراتب کمال سے آنے والی مغفرت کی غین ہیں، اور اس قہر مخالف کی فاء اور قاف ہیں جو شدید ترین خطاؤں پر نازل ہوتا ہے۔ جو تیرے بلند ترین کمال کے کاف اور تیری دشوار تر ملاقات (لقا) کے لام ہیں۔ جو اشیاء کی ظاہری و باطنی ابتداء (مبدا) کی میم اور ان کی ظاہری و باطنی انتہا (نہایۃ) کا نون ہیں۔ اور ہویت عظمیٰ (حقیقت کبری ذات باری تعالیٰ) کی ہا ہیں، جو بلند ترین مذہب و مشرب کے وارد ہونے کی واؤ ہیں جن کی مثال تیری مخلوق میں کہیں نہیں اور جن کے برابر تیری بارگاہ عزت میں کسی کی رسائی نہیں، جو تیری برکت سے ''یسر ذکر'' (یاد الٰہی کی آسانی) کی یاء ہیں۔ پھر آسمان عز و افتخار کی برکت اور حفظ و امان کے مضبوط اصحاب اور رئیس جنت ہونے اور آتش دوزخ سے بچانے والے صاحب شفاعت ہیں، جو باب وجود کو کھولنے والے بھی ہیں اور بند کرنے والے بھی، شفقت فرمانے والے، رحم فرمانے والے اور نگرانی فرمانے والے ہیں۔ جو تیرے اولیائے عارفین، تیرے ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین کے سردار ہیں۔ وہ جن کا جمال ظہور کائنات سے پہلے چمکا اور جن کا نور ایسے وجود کی طرف چمکا جس کا عدم نہیں۔ رازہائے کائنات کے سردار، ترغیب و ترہیب کی انتہا (رب العزت) کو جاننے والے، جنہوں نے حق کو قائم فرمایا اور شیطانیت کو دبایا، وہ جو تیرے نور کامل، اور فضل عام ہیں، وہ جو مراکز دین کے مرکز ہیں۔ دوستوں کی پناہ گاہ، جو تیری بارگاہ میں دروازے سے ہو کر اندر آنے والے ہیں، جو تمام بھلائیوں کا دروازہ اور برکتوں کی چابی ہیں۔ چمکتے معانی کے سورج اور دنیا و آخرت کے سردار ہیں، وہ جو تیری بارگاہ سے پل بر جدا ن ہوئے اور زمان و مکان میں کہیں بھی کبھی تیرے غیر کو نہ جانا۔ تیری ذات پر رہنمائی کرنے والوں اور تیری بارگاہ تک پہنچنے والوں کی رہنمائی کرنے والوں کے آقا وہ جو حقائق سے پردے اٹھانا جانتے ہیں۔ جو تیری صفات مغفرت و پردہ داری کے مظہر، بخشنے والے اور عیب پوش ہیں۔ جو تیرے مظہر کامل اور تیری عام جود و عطا کا منبع ہیں۔ ہمارے کامل ترین آقا اور ہمارے افضل ترین نور ہیں۔ وہ جو پہلے پچھلوں سب میں بہتر ہیں۔ دائمی نور ہیں، جن کا ظہور واضح اور دلیل قطعی ہے۔ چمکتے دلائل والے، علوم کے سورج، غموں کے اندھیروں کی روشنی بخشنے والے چاند، بچوں اور بڑوں کے آقا، عزت مقبول کے دائروں کے مرکز، جن کے آگے گردنیں خم ہوئیں، جن کے آگے اقطاب دبے، جن کے جھنڈے تلے تمام نبیوں کو اکٹھا کیا گیا اور انہوں نے آپ کے شرف کمال و پناہ کو حاصل کیا۔ یکتاؤں میں یکتا۔ قطبوں میں قطب، اوتادوں کے وتد اور مضبوط سلسلہ ربط۔ سب سے بہتر متقی جن کو مقام قاب قوسین کا قرب عطا ہوا۔ وہ جو نور اعلیٰ کے

مظہر سے فروزاں ہوئے۔ بارگاہ کاملہ کے پیشوا، بلند و بالا مقام والوں کے آقا، ملت کے چراغ، ذخیرہ شدہ خزانہ، ہر بیماری کو دور فرمانے والے، واصلین کے اعمال کی انتہاء اور اہل ترغیب کی آخری رغبت، وہ جن کا واسطہ دے کر آدم علیہ السلام نے تجھ سے دعا کی اور نجات پائی اور جن کی آرزو تیرے تمام رسولوں نے کی۔ وہ جو تیرے اور تیری مخلوق کے درمیان دراز رسی ہیں۔ نیک بختوں کے نیک بخت، آقاؤں کے آقا۔ احاطہ کرنے میں، کمالات ونہایات میں یکتا۔ جو علم کا سرسبز باغ اور صحیح سچی بات کے مظہر ہیں۔ وہ جن کے باطن میں بھی اور ظاہر پر بھی تیرا کلام قدیم چمکا اور جن کے وجود اقدس میں تیری ذات عظیم الصفات کا نور ظاہر ہوا۔ جن کی تربت انور کو تو نے عرش پر فضیلت بخشی اور جن کو تو نے اپنی عزت وقدرت کے قریب کیا۔ وہی تیرے بڑے نور اور معزز جمال اور کمال قدیم اور راہِ مستقیم ہیں، جن کی عظمت کی بناء پر تو نے ان کی قسم کھائی (ولعمرك) اور اس سلسلہ میں جن کی بزرگی کے پیش نظر ان کو شرف عطا فرمایا جن کو تو نے یکتا بنایا پس وہ یکتا ہوگئے۔ وہ تو نے ان کو ایک کیا تو وہ ایک ہو گئے، پہلے پچھلوں سب سے بہتر، ظاہر و باطن کو چمکا دینے والے، تیری طرف آنے والوں کو فیضیاب فرمانے والے، پہنچنے کی تڑپ رکھنے والوں کو تیری بارگاہ تک کھینچ کر لانے والے، جن کو نور نے زمین آسمان اور ان کے درمیان ہر جگہ کو بھر دیا اور اولین وآخرین کے علم کا احاطہ کر لیا اور حقائق عرفان ویقین سے متصف ہوئے اور مظاہر کائنات سے پہلے تکمیل کے مراحل طے کئے۔ اور جن کا نام اقدس تو نے اولین وآخرین کے ظہور سے پہلے اپنے عرش پر لکھا۔ روشنائیوں اور مدتوں کی انتہاء جو سعادت مندی کیلئے کافی ہیں، جن کے ذریعے بھٹکے ہوؤں نے راہ پائی اور راہنمائی حاصل کرنے والوں نے راہنمائی حاصل کی۔ جن کے سبب سے تو نے کائنات پر رحمت فرمائی، اور جن کے صدقے تو نے سچوں کی شان بلند فرمائی، ان کے مرتبہ بلند کے موجود ہونے کی وجہ سے، وہ جنہوں نے حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھایا۔ اور جن کا نام نامی تو نے اپنے اسم گرامی سے مشتق فرمایا، تاکہ وہ پہلے پچھلے سب میں یکتا رہیں۔ اس بڑی اور چھوٹی کائنات میں سب سے بڑھ کر اللہ کی حمد وثناء کرنے والے، اور ہر حیثیت سے، ہر ایک سے بڑھ کر بزرگ وبرتر ہمارے آقا محمد اور محمد کی آل پر، جو تیری مخلوق میں ہر قابل تعریف وتوصیف ہستی کے سردار ہیں اور ہر تعریف وتوصیف کرنے والے کے بھی، جو تعریف کرنیوالے ہیں اور جن کی تعریف کی جاتی ہے اور جنہوں نے تمام خوبیاں سمیٹ لی ہیں، جیسے تو نے رحمت نہ بھیجی، حضرت ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر، بے شک تو ہی ستودہ صفات بزرگ ہے۔ جب تک تیرا ذکر رہے اور تیری عزت چمکے، اور جب تک کوئی پہنچاننے والا تجھے پہنچاننے، اور جب تک کوئی کھڑا ہونے والا تیرے دروازے پر کھڑا ہے۔ جب تک منہ بولے اور قلم لکھے۔ الٰہی! ہماری طرف سے قبول فرما، ہم کو معاف فرما اور ہماری دعا قبول فرما۔ الٰہی! ہماری اور ہمارے والدین کی مغفرت فرما اور جس نے تیری رضا کیلئے ہم سے محبت کی اور جس سے ہم نے تیری رضا کی خاطر محبت کی اور محمد کی امت کی۔ الٰہی! ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما، اور ان کا، ہمارا اور تمام مسلمانوں کا ہو جا۔ الٰہی! ہمارے آقا محمد پر درود بھیج اور ان کی تمام آل اور ان کے تمام صحابہ کرام پر، تمہارا رب العزت تمام خامیوں سے پاک ہے جو وہ منکرین بیان کر رہے ہیں۔ تمام رسولوں پر سلام ہو اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ

پروردگار عالمیان کے لئے، پاکی ہے اس کو جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے، جنتیوں کی پکار جنت میں یہ ہوگی کہ الٰہی! تجھے پاکی اور ان 3 کا ہدیہ وتحفہ وہاں ایک دوسرے کو سلام کرنا ہوگا اور ان کی آخری صدا یہی ہوگی کہ سب تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔''

درود نمبر 36:

((اللهم صلى على محمد عبدك ورسولك النبى الامى وعلى ال محمد وازواجه امهات المؤمنين وذريته واهل بيته كما صليت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم فى العلمين انك حميد مجيد' اللهم بارك على محمد عبدك ورسولك النبى الامى وعلى ال محمد وازواجه امهات المؤمنين وذريته واهل بيته كما باركت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم فى العلمين انك حميد مجيد))

''الٰہی! رحمت بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تیرے بندے اور رسول نبی امی ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اور آپ کی بیویوں پر جو اہل ایمان کی مائیں ہیں اور آپ کی اولاد پر اور آپ کے گھر والوں پر جیسے تو نے رحمت بھیجی ابراہیم علیہ السلام پر اور ابراہیم علیہ السلام کی آل پر جہانوں میں بیشک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔
الٰہی! برکت بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تیرے بندے اور رسول نبی امی ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ کی بیویوں پر جو اہل ایمان کی مائیں ہیں اور آپ کی اولاد اور اہل بیت پر جیسا تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام پر اور ابراہیم علیہ السلام کی آل پر جہانوں میں۔ بے شک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔''

اس درود کو حافظ عراقی نے احادیث صحیحہ سے نقل کر کے جمع کیا ہے۔ یہ مقدار اس سے زائد ہے جس کو امام نووی نے چند الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

درود نمبر 37:

((اللهم انى اسئلك بافضل مسئلك وباحب اسمائك اليك واكرمها عليك وبما مننت به علينا بمحمد نبينا صلى الله عليه وسلم واستنقذتنا به من الضلالة وامرتنا بالصلوٰة وجعلت صلوتنا عليه درجةً وكفارةً ولطفًا ومنًا من اعطائك فادعوك تعظيمًا لامرك واتباعًا من اعطائك فادعوك تعظيمًا لامرك واتباعًا لوصيتك وتنجيرًا لوعدك بما يحب لنبينا صلى الله عليه وسلم علينا فى اداء حقه قبلنا وامرت العباد بالصلوٰة عليه فريضة افترضتها فبسئلك بجلال وجهك ونور عظمتك ان تصلى انت وملئكتك على محمد عبدك ورسولك ونبيك وصفيك افضل ماصليت على احد من خلقك انك حميد مجيد اللهم ارفع درجته واكرم مقامه وثقل ميزانه واجزل ثوابه وافلج حجته واظهر ملته واضى

نوره وادم کرامته والحق به من ذریته واهل بیته مما نقربه عینه وعظمه فی النبیین
الذین خلوا قبله اللهم اجعل محمد اکثر النبیین تبعًا واکثرهم ازرآء وافضلهم
کرامة ونورا واعلاهم درجة وافسحهم فی الجنة سنزلًا وافضلهم لدیك نصیبا
واعظمهم فیما عندك رغبة وانزله فی غرف الفردوس من الدرجات العلی التی
لادرجة فوقها اللهم اجعل محمدا اصدق قائل وانجح سائل واول شافع افضل
مشفع وشفعه فی اُمته شفاعة یغبطه بما الاولون والاخرون واذا میزت بین عبادك
بفصل القضاء فاجعل محمدا فی الاصدقین قبلا والاحسنین عملا وفی المهتدین
قبلا والاحسنین عملا وفی المهدیین سبیلا اللهم اجعل نبیًا لنا قرطًا وحوضه لنا
موردًا اللهم احشرنا فی زمرته واستعملنا بسنته وتوفنا علی ملته واجعلنا فی
حزبه وزمرته اللهم واجمع بیننا وبینه کما أمنا به ولم نره ولا تفرق بیننا وبینه
حتی تدخلنا مدخله وتجعلنا من رفقائه مع المنعم علیهم من النبیین والصدیقین
والشهدآء والصالحین وحسن اولئك رفیقًا اللهم صل علی محمد نور الهدی
والقائد الی الخیر والداعی الی الرشد نبی الرحمة وامام المتقین ورسول رب
العالمین کما بلغ رسالتك وتلا أیتك ونصح لعبادك واقام حدودك ووفی بعهدك
وانفذ حکمك وامر بطاعتك ونهی عن معصیتك ووالی ولیك الذی تحب ان
توالیه وعادی عدقك الذی تحب ان تعادیه وصلی اللّٰہعلی محمد اللهم صل علی
جسده فی الاجساد وعلی روحه فی الارواح وعلی موقفه فی المواقف وعلی
مشهده فی المشاهد وعلی ذکره اذا ذکرصلاة منا علی نبیًا اللهم ابلغه عنا
السلام کلما ذکرالسلام والسلام علی النبی ورحمة اللّٰہ وبرکاته اللهم صل علی
ملئکتك المقربین وعلی انبیائك المطهرین وعلی رسلك المرسلین وعلی حملة
عرشك اجمعین وعلی جبریل ومیکائیل واسرافیل وملك الموت ورضوان
ومالك وصل علی الکرامکاتبین وعلی اهل طاعتك اجمعین من اهل السموات
واهل الارضین، اللهم ات اهل بیت نبیك صلی اللّٰہ علیه وسلم افضل ماتیت
احدا من اهل بیوت المرسلین واجزاصحاب نبیك صلی اللّٰہعلیه وسلم افضل
ماجزیت احدا من اصحاب المرسلین، اللهم اغفرللمسلمین والمسلمات
والمؤمنین والمؤمنت الاحیاء منهم والاموات واغفرلنا وللاخواننا الذین سبقونا
بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلًا للذین أمنوا ربنا انك رء وف رحیم))

''الٰہی! میں تجھ سے افضل ترین سوال کرتا ہوں اور اس نام کے طفیل سوال کرتا ہوں جو تجھے سب سے بڑھ کر محبوب اور معزز ہے اور اس احسان کے طفیل جو تو نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم پر کیا ہے اور جن کے ذریعے تو نے ہم کو گمراہی سے بچایا اور جن پر درود بھیجنے کا تو نے ہمیں حکم دیا اور تو نے ان پر ہمارے درود کو باعث درجہ اور کفارہ اور اپنی مہربانی سے لطف کیا۔ الٰہی! میں تیرے حکم کی عزت وحرمت کے پیش نظر تیری تاکید کی پیروی کرنے اور تیرے وعدہ کو ایفاء کرنے کی خاطر تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارے نبی کے حقوق کی ادائیگی جو ہم پر واجب ہے اور جو تو نے بندوں کو فریضہ درود ادا کرنے کا حکم دیا ہے جسے تو نے فرض فرمایا، ہم تجھ سے تیری پاک ذات وبزرگ اور تیرے نور عظمت کا واسطہ دے کر یہ درخواست گزار ہیں کہ تو اور تیرے فرشتے محمد پر درود بھیجیں جو تیرے بندے، رسول، نبی اور صفی ہیں۔ اس سے افضل ترین درود جو تو نے اپنی کسی مخلوق پر بھیجا ہو۔ بیشک تو قابل ستائش بزرگ ہے۔ الٰہی! سرکار کا درجہ بلند فرما ان کو مقام تکریم پر فائز فرما، ان کا ترازو بھاری فرما، ان کا اجر وصلہ زیادہ فرما، ان کی حجت مکمل طور پر کامیاب فرما، ان کی ملت کو غالب فرما، ان کا نور ضیاء بار فرما، ان کی عزت دائمی فرما، سرکار کو آپ کی اولاد اور اہل بیت سے وہ نیک اعمال پہنچا جو آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کریں اور حضور کو پہلے انبیاء پر عظمت عطا فرما۔ الٰہی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو تمام انبیائے کرام کے پیروکاروں سے زیادہ کردے۔ الٰہی! آپ کے (دین کے) حامی زیادہ فرما اور کرامت ونورانیت میں آپ کو سب سے افضل فرما اور آپ کا درجہ سب سے بلند فرما اور جنت میں آپ کو سب سے وسیع منزل عطا فرما اور اپنے پاس سے آپ کو افضل تر حصہ عطا فرما اور جو نعمتیں تیری بارگاہ میں ہیں ان کی سب سے زیادہ رغبت حضور کو عطا فرما اور آپ کو جنت الفردوس میں وہ بلند مقام عطا فرما جس سے اوپر کوئی مقام نہ ہو۔ الٰہی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑھ کر سچی بات فرمانے والا بنادے اور آپ کو کامیاب ترین مانگنے والا بنا اور آپ کی سب سے پہلے شفاعت مقبول ہو اور امت کے متعلق آپ کی شفاعت اس طرح قبول فرما کہ پہلے پچھلے رشک کریں اور جب تو اپنے بندوں میں دوٹوک فیصلہ فرما کر سچے جھوٹے میں امتیاز فرمائے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑھ کر سچی بات فرمانے والا اور سب سے اچھا عمل کرنے والا اور سب سے بڑھ کر سیدھی راہ چلنے والا قرار دے! الٰہی! ہمارے نبی کو ہمارے لئے آگے جانے والا بنانا اور آپ کے حوض کو ہمارا گھاٹ بنانا۔ الٰہی! ہمیں آپ کے گروہ میں اٹھانا، حضور کی سنت پر عمل کرنا، آپ کے دین پر مارنا اور ہم کو آپ ہی کے گروہ ولڑی میں رکھنا۔ الٰہی! جیسے ہم حضور پر بے دیکھے ایمان لائے ایسے ہی تو ہمیں اور سرکار کو یکجا جمع فرمانا اور جب تک ہمیں ان کو جلوہ گاہ میں داخل نہ فرمائے، ان سے جدا نہ فرمانا اور ہم کو سرکار کے ان رفقاء کی معیت عطا فرمانا جن پر انعام واکرام کی بارش ہوگی یعنی انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی۔ انہی لوگوں کا بہترین ساتھ ہے۔ الٰہی! محمد پر درود بھیج جو نور ہدایت، بھلائی کے رہنما اور نیکی کے داعی ہیں جیسے آپ نے تیرا پیغام پہنچایا، تیری آیتوں کی تلاوت کی، تیرے بندوں کی خیر خواہی فرمائی، تیری حدیں قائم فرمائیں، تیرا وعدہ پورا فرمایا، تیرا حکم نافذ فرمایا اور تیری اطاعت کا حکم دیا اور تیری نافرمانی سے منع فرمایا اور تیرے اس دوست سے محبت کی جس سے تو محبت چاہتا ہے اور تیرے اس دشمن سے دشمنی کی جس سے دشمنی

چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ درود بھیجے محمد پر۔ الٰہی! جسموں میں سرکار کے جسم پر اور روحوں میں جناب کی روح پر اور مقامات سے اس مقام پر جہاں آپ ٹھہرے اور مقامات شہادت میں اس مقام پر جہاں آپ نے دین کی گواہی دی اور جہاں آپ کا ذکر ہو' ہماری طرف سے ہمارے نبی پر درود بھیج۔ الٰہی! جب بھی سلام کا ذکر ہو' ہماری طرف سے سرکار پر سلام بھیج۔ سلام ہو نبی کریم پر اور اللہ کی رحمت اور برکتیں۔ الٰہی! درود بھیج اپنے مقرب فرشتوں پر اور اپنے پاک نبیوں اور رسولوں پر اور ان پر جو تیرے عرش کو اٹھانے والے ہیں' سب پر اور جبریل' میکائیل' اسرافیل' ملک الموت رضوان اور مالک پر اور درود بھیج کراماً کاتبین پر اور اپنے تمام فرمانبرداروں پر آسمان والے ہوں یا زمین والے۔ الٰہی! اپنے نبی کے گھر والوں کو اس سے بہتر عطا فرما۔ الٰہی! مسلمان مردوں اور عورتوں' مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔ زندوں کو بھی اور مرنے والوں کو بھی اور ہم کو بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ چلے گئے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے متعلق میل ملال نہ ڈالنا۔ اے ہمارے پروردگار! بے شک تو شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔"

درود نمبر 38:

((صلی اللہ علی محمد کلما ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغفلون وصلی علیہ فی الاولین والاخرین افضل واکثر وازکی ماصلی علی احد من خلقہ وزکانا بالصلوٰۃ افضل مازکی احدا من امتہ بصلوٰتہ علیہ والسلام علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وجزاہ اللہ عنا افضل ماجزی مرسلاً عمن ارسل الیہ فانہ انقذنا بہ من الھلکۃ وجعلنا فی خیر اُمۃ اخرجت للناس دائنین بدینہ الذی ارتضیٰ واصطفی بہ ملئکتہ ومن انعم علیہ من خلقہ فلم تمس بنا نعمۃ ظھرت ولا بطنت بھا حظًا فی دین ودنیا ورفع عنا بھا مکروہ فیھما وفی واحد منھما الا ومحمدصلی اللہ علیہ وسلم القائد الی خیرھا الھادی الی رشدھا الزآئد عن الھلکۃ وموارد السوء فی خلاف الرشد المنبہ للاسباب التی توردالھلکۃ القائم بالنصیحۃ فی الارشاد والانذار منھا وصل اللہ علی سیدنا محمد والہ وسلم کما صلی علی ابراھیم واٰل ابراھیم انک حمید مجید))

"اللہ درود بھیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی ذکر کرنے والے ان کا ذکر کریں اور غافل ان کے ذکر سے غفلت برتیں' اور اللہ تعالیٰ ان پر پہلوں' پچھلوں میں درود بھیجے اس سے افضل' اکثر اور پاکیزہ تر' جو اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھیجا ہو اور سرکار پر درود بھیجنے کے صدقے ہمیں ہر اس امتی سے بڑھ کر پاک فرمائے جسے سرکار پر درود بھیجنے کے صدقے اس نے پاک فرمایا۔ سرکار پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں اور اللہ تعالیٰ سرکار کو ہماری طرف سے ہر جزائے خیر عطا فرمائے جو کسی امت کی طرف سے اس کے رسول کو

عطا فرمائی کیونکہ اس نے حضور ہی کے وسیلہ سے ہم کو ہلاکت سے بچایا اور ہم کو لوگوں کی رہنمائی کے لئے بہترین امت کی صورت میں پیدا فرمایا اپنے پسندیدہ دین کے ساتھ اور حضور ہی کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں اور انعام یافتہ مخلوق کو منتخب فرمایا۔ پس ہم جو بھی ظاہری، باطنی، دینی اور دنیوی نعمت حاصل کرتے ہیں یا دنیا و دین دونوں یا ایک کی جو بھی مشکل ہم سے ٹلتی ہے اس میں سبب حقیقی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات پاک ہوتی ہے۔ وہ پیارے رسول جو خیر و بھلائی کی طرح قیادت فرمانے والے، نیکی کی طرف رہنمائی فرمانے والے اور سیدھی راہ کے ماسوا جو بھی برائی کے مقام اور ہلاکت کے اسباب سے متنبہ فرمانے والے اور نیکی کی ہدایت اور برائی سے خبردار فرمانے والے ہیں۔ اللہ درود بھیجے ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسے اس نے درود بھیجا ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر، بلاشبہ وہ ستودہ صفات بزرگ ہے۔''

خبردار! کہیں ان الفاظ کو بھی درود شریف کا جز نہ مان لینا وزکانا وایا کم بالصلوٰۃ علیہ کیونکہ یہ الفاظ امام شافعی کے اپنے دعائیہ کلمات ہیں جو انہوں نے اپنے ساتھیوں اور کتاب مذکور کے قارئین سے مخاطب ہو کر فرمائے ہیں۔ یہ مشہور درود شریف ہے۔

امام شافعی اپنی دعا ان الفاظ سے شروع فرمایا کرتے تھے:

((اللهم صل علی سیدنا محمد بحر انوارك ومعدن اسرارك ولسان حجتك وعروس مملكتك وامام حضرتك وعلى آل سيدنا محمد وسلم))

اور یہ درود شریف ''درود نور القیامۃ'' کا جز ہے۔

درود نمبر 39:

((اللهم لك الحمد بعدد من حمدك ولك الحمد بعدد من لم يحمدك ولك الحمد كما تحب ان تحمد اللهم صلى على محمد بعدد من صلى عليه وصل على محمد بعدد من لم يصل عليه وصل على محمد كما تحب ان يصلى عليه))

''الٰہی! تیرے لئے حمد و ثناء اس مخلوق کے برابر جس نے تیری حمد و ثناء کی اور تیرے لئے حمد و ثناء اس مخلوق کے برابر جس نے تیری حمد و ثناء نہ کی اور تیرے لئے ایسی حمد و ثناء جیسی تو چاہئے۔ الٰہی! محمد پر درود بھیج اس مخلوق کے برابر جس نے آپ پر درود بھیجا اور محمد پر درود بھیج اس مخلوق کے برابر جس نے آپ پر درود شریف نہیں بھیجا اور محمد پر اپنا درود پسندیدہ بھیج۔''

ہم سے امام طبرانی کی ایک دعا کے متعلق روایت بیان کی گئی کہ انہوں نے خواب میں نبی علیہ السلام کو اس شکل نورانی میں دیکھا جو صحیح روایات کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے تو امام طبرانی نے عرض کیا:

((السلام عليك ايها النبی ورحمة الله وبركاته يارسول الله))

اللہ تعالیٰ نے مجھے چند کلمات القاء کئے ہیں جن کو میں پڑھا کرتا ہوں۔

فرمایا:

''وہ کون سے ہیں؟''

عرض کیا:

((اللھم لك الحمد))

آخر تک۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے اور دانتوں کے درمیانی خلاء سے نور نکلتا نظر آیا۔

درود نمبر 40:

((اللھم صل وسلم علی سیدنا ومولانا محمد بحر انوارك ومعدن اسرارك ولسان حجتك وعروس مملكتك وامام حضرتك وطرار ملكات وخزائن رحمتك وطريق شريعتك المتلدد بمشاهدتك انسان عين الوجود والسبب فی كل موجود عين اعيان خلقك المتقدم من نور ضياءك صلوٰة تحل بها عقدتی وتفرج بها كرستی صلوٰة ترضيك وترضيه وترضیٰ بها عنا يارب العلمين عدد ما احاط به علمك واحصاه كما لك وجری به قلمك وعدد الامطار والاحجار والاشجار وملائكة البحار وجميع ماخلق مولٰنا من اول الزمان الی اٰخره والحمدللّٰہ وحده))

''الٰہی! درود وسلام بھیج ہمارے آقا ومولا محمد پر جو تیرے انوار کا سمندر، تیرے رازوں کی کان، تیری حجت کی زبان، تیری مملکت کے دولہا، تیرے دربار کے امام اور تیرے ملک کی زینت ہیں، تیری رحمت والے ہیں، چشم وجود گی پتلی اور ہر موجود کا سبب ہیں، تیری مخلوق میں جتنے ذی شان ہیں ان میں افضل ترین ہیں اور تیرے نور ضیاء سے مقدم ہیں، ایسا درود وسلام جس سے میری گرہ کھل جائے اور میری مصیبت دور ہو جائے، ایسا درود جو تجھے بھی راضی کرے اور ان کو بھی، جس کے صدقہ سے، اے پروردگار عالم! تو ہم سے راضی ہو جائے، جو تیری معلومات کے برابر ہو اور جس کو تیرا نوشتہ شمار کرے اور جس پر تیرا قلم چلے اور بارش، پتھروں، درختوں اور بحر اور ملائکہ اور جو کچھ ہمارے مالک نے اول سے آخر تک پیدا فرمایا سب کی تعداد کے برابر اور سب تعریف اللہ یکتا کے لئے ہے۔''

درود نمبر 41:

((اللھم صل بافضل ماتحب واكمل ماتريد علی امام اهل التوحيد ولسان اهل التفريد والتمجيد سيدنا ومولانا وسندنا واولانا محمد سيد السادات والعبيد وعلی اٰله الكرام البررة وصحبه وورثيه وحزبه وكل منسوب الی جنابه المجيد من غير نهاية ولا تحديد وسلم تسليما كثيرا الی يوم الدين))

''الٰہی! جو تجھے پسند ہے اور جس کا تو ارادہ فرماتا ہے وہ افضل ترین اور اکمل ترین بکثرت درود وسلام بھیج ان پر جو اہل توحید کے امام اور دنیا کی آلودگیوں سے الگ تھلگ رہنے والے، بزرگوں کی زبان ہیں یعنی ان پر جو

ہمارے سردار ہمارے آقا' ہماری سند اور ہم سب سے قریب تر ہیں یعنی محمد پر جو سرداروں اور غلاموں کے سردار ہیں اور ان کی قابل تکریم نیک آل پر اور ان کے صحابہ کرام پر اور ان کے ورثاء پر اور ان کے گروہ پر اور ہر اس پر جو ان کی جناب بزرگوار کی طرف منسوب ہے' ایسا درود جس کی نہ کوئی ابتداء ہو' نہ انتہا' نہ حد و حساب' قیامت تک۔''

درود نمبر 42:

((اللھم صل علی افضل عبادك من خلقك وصفوتك من انبیائك الذات الملئكة والرحمة المرسلة المفضلة سیدنا ونبینا محمد وعلی اله وصحبه ووارثیه وحزبه اجمعین مثل السموات ومثل الارضین كلما ذكرت الذاكرون و كلما غفل عن ذكره الغفلون))

''الٰہی! اپنی مخلوق میں اپنے افضل ترین بندے اور نبیوں کے برگزیدہ ترین نبی جن کی ذات مکمل اور جن کی رحمت کاملہ ہر وقت بٹتی ہے یعنی ہمارے آقا اور ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل اور اصحاب اور ان کے وارثوں اور گروہ سب پر درود و سلام بھیج جو اپنی وسعت میں زمین و آسمان کے برابر ہو' جب تک ذکر کرنے والے تیرا ذکر کریں اور جب تک غافل ان کے ذکر سے غفلت برتیں۔''

درود و سلام کے جلیل القدر صیغوں میں سے وہ بھی ہے جس کے متعلق سیدی عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اس کو اپنے زمانہ سیاحت میں ایک غار کے دروازے پر پتھر کے اوپر لکھا پایا اور یہ بھی فرمایا:

''یہ پچاس ہزار یہ درود'' ہے۔''

اس کے بعد شیخ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس درود شریف کے متعلق سوال کیا تو سرکار ابد قرار علیہ السلام نے فرمایا:

''ستر ہزار یہ'' درود ہے۔''

درود نمبر 43:

((اللھم اسئلك ان تصلی وتسلم علی سیدالمرسلین وامام المتقین الذی خلقته من جلالك وزینته بجمالك وتوجته بكمالك واهلته لرءویة ذاتك وجعلته محلا لاسمائك وصفاتك وقریب اسمه باسمك وطاعته بطاعتك محمد بن عبداللهٖ واله وصحبه الداعین الی الله اللھم صل علی سیدنا نائب حضرة ذاتك المتحقق باسمائك وصفاتك الجامع بین الوجود والعدم والبرزخ القاصل بین الحدوث والقدم عین الاحدیة الذی انفتح به كل مقفول وانجبر به كل مكسور وانعتق بی كل مقهور))

''الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ درود و سلام بھیج ان پر جو رسولوں کے آقا اور پرہیزگاروں کے امام ہیں۔

جن کو تو نے اپنے جلال سے پیدا فرمایا اور اپنے جمال سے زینت بخشی اور اپنے کمال سے مشرف فرمایا اور اپنی ذات کے مشاہدہ کے قابل بنایا اور اپنے اسمائے حسنہ اور صفات حمیدہ کا محل بنایا۔ ان کے نام کو اپنے نام اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت سے ملایا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو عبداللہ کے نور نظر ہیں اور ان کی آل واصحاب پر جو اللہ کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ الٰہی! درود بھیج ہمارے آقا پر جو تیری بارگاہ ذاتی کے نائب ہیں' جو تیرے اسمائے حسنہ وصفات حمیدہ کا مظہر ہیں۔ وجود وعدم اور برزخ کے جامع ہیں۔ حدوث وقدم کے فاصل ہیں۔

درود نمبر 44:

((افضل صلوات اللہ واحسن صلوات اللہ واهل صلوات اللہ واجعل صلوات اللہ واکمل صلوات اللہ واسبغ صلوات اللہ واتم صلوات اللہ اظهر صلوات اللہ واعظم صلوات اللہ وازكى صلوات اللہ واطيب صلوات اللہ و ابرك صلوات اللہ واوفى صلوات اللہ واسنى صلوات اللہ واعلىٰ صلوات اللہ و اكثر صلوات اللہ واجمع صلوت اللہ واعم صلوات اللہ وأدوم صلوات اللہ وابقى صلوات اللہ واعز صلوات اللہ وارفع صلوات اللہ واعظم صلوات اللہ على افضل خلق اللہ واحسن خلق اللہ واجل خلق اللہ واكرم خلق اللہ واجمل خلق اللہ واكمل خلق اللہ واتم خلق اللہ واعظم خلق اللہ عند اللہ رسول اللہ ونبى اللہ وحبيب اللہ وصفى اللہ ونجى اللہ و خليل اللہ وولى اللہ وامين اللہ وخيرة اللہ من خلق اللہ ونخبة اللہ من برية اللہ وصفوة اللہ من انبياء اللہ وعروة اللہ وعصمة اللہ ونعمة اللہ ومفتاح رحمة اللہ المختار من رسل اللہ المنتخب من خلق اللہ الفائز باالمطلب فى المرهب والمرغب المخلص فيما رهب اكرم مبعوث اصدق قائل انجح شافع افضل مشفع الامين فيما استودع الصادق فيما بلغ الصادع بامر ربه المضطلع بما حمل اقرب رسل اللہ الى اللہ وسيلة واعظمهم غدا عند اللہ منزلة وفضيلة واكرم انبياء اللہ الكرام الصفوة على اللہ واحبهم الى اللہ واقربهم زلفى لدى اللہ واكرم الخلق على اللہ واحظاهم وارضاهم لدى اللہ واعلى الناس قدرا واعظمهم محلا واكملهم محاسنا وفضلا وافضل الانبياء درجة واكملهم شريعة واشرف الانبياء نصابا وابينهم بيانا وخطابا وافضلهم مولدا ومهاجرا وغيره واصحابا واكرم الناس ارومة واشرفهم جرنومة وخيرهم نفسا واطهرم قلبا واصدقهم قولا وازكاهم فعلا وابستهم اصلا واوقهم عهدا وامكنهم مجد

واکرمھم طبعا واحسنھم صنعا واطیبھم فرعا واکثرھم طاعۃ وسمعا واعلاھم مقاما واحلاھم کلاما وازکھم سلاما واجلھم قدرا واعظمھم فخرا واسناھم نورا وارفعھم فی الملا الاعلی ذکرا واوفاھم عھدا واصدقھم وعدا واکثرھم شکرا واعزھم امرا واجملھم صبرا واحسنھم خیرا واقربھم یسرا وابعدھم مکانا واعظمھم شانا وابسھم برھانا وارجحھم میزانا واولھم ایمانا واوضحھم بیانا وافصحھم لسانا واطھرھم سلطانا))

''اللہ کا بزرگ ترین اور اللہ کا بہترین اور اللہ کا عظیم انسان اور اللہ کا خوبصورت ترین' کامل ترین' رنگین ترین' مکمل ترین اور پاکیزہ ترین اور عظیم ترین اور صاف ترین' بہت ستھرا' بہت بابرکت، مکمل تر' برتر' اعلیٰ تر' کثیر تر' جامع تر' عام تر' دائم تر' باقی تر' معزز تر بلند تر' درود شریف اُن پر جو اللہ کی مخلوق میں افضل تر، حسین ترین' بزرگ تر' معزز تر' جمیل تر' کامل تر' مکمل تر، عظیم تر ہیں۔ اللہ کے بندے' اللہ کے رسول' اللہ کے نبی' اللہ کے حبیب' اللہ کے برگزیدہ' اللہ کے خلیل' اللہ کے ولی' اللہ کے امین' اللہ کی مخلوق میں سے پسندیدہ، اللہ کا انتخاب اللہ کی مخلوق میں سے' نبیوں میں سے پسندیدہ' اللہ کا انتخاب اللہ کی مخلوق میں سے' نبیوں میں سے' اللہ کے صبرۃ اللہ کی رسی' اللہ کی عصمت' اللہ کی نعمت' اللہ کی رحمت کی کنجی' اللہ کے رسولوں کی منزل مقصود' جو کچھ اللہ کی طرف سے ملا اس میں مخلص کریم تر بھیجے گئے' سب سے بڑھ کر سچ بولنے، والے کامیاب تر شفاعت فرمانے والے' افضل تر، مقبول شفاعت، امانت کے امین' دین پہنچانے میں سچے، حکم پروردگار کو علی الاعلان پھیلانے والے جو ذمہ ڈالا جائے اسے اُٹھانے والے' اللہ کے رسولوں میں سے اللہ کے قریب تر، وسیلہ کل، اللہ کے ہاں سب سے بڑے مرتبہ وفضیلت والے، اللہ کے گرامی قدر رسولوں میں گرامی قدر، اللہ کے برگزیدہ' اللہ کے محبوب تر اور سب سے بڑھ کر اللہ کے حضور مقام قرب پر فائز' اللہ کے ہاں معزز تر' عظیم تر' پسندیدہ تر' سب لوگوں میں اونچے مرتبہ والے، بلند تر مقام والے' کامل تر خوبیوں اور فضیلت والے' تمام نبیوں میں بزرگ تر نصاب والے، واضح تر بیان وخطاب والے۔ سب سے افضل جائے پیدائش ومعزز تر وبزرگ تر روح، واصل کے لحاظ سے سب سے بہتر ذات اور صفات کے لحاظ سے سب سے سچی بات والے' سب سے ستھرے عمل والے اور مضبوط تر اصل والے، سب سے بڑھ کر وعدہ پورا فرمانے والے، مضبوط تر بزرگی والے' کریم تر طبیعت' حسین تر عمل اور صاف ترین اولاد والے' سب سے بڑھ کر اطاعت گزار اور (اللہ کی بات) سننے والے' بلند ترین مقام' شیریں ترین کلام' صاف تر سلام' بلند تر درجہ' فخر ومباہات میں عظیم تر۔ سب سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والے، سچے وعدے والے، سب سے زیادہ شکر گزار۔ بلند تر اجر وصلہ والے، سب سے زیادہ صبر وجمیل والے، سب سے اچھے خیر خواہ، نرمی میں قریب تر' مرتبہ ومقام میں بعید تر' عظیم الشان' مضبوط تر دلیل والے' نیکیوں کے پلڑے کو بہت بھاری کرنے والے۔ سب سے پہلے ایمان والے' واضح ترین بیان والے' فصیح تر زبان والے اور پاکیزہ دلیل والے۔''

یہ درود شریف امام جزولی صاحب دلائل الخیرات کا ہے۔ یہ افضل تر درودوں میں سے ہے۔ دلائل الخیرات

کے شارحین نے یہ بات ذکر کی ہے کہ مصنف کا سینہ اس درود شریف سے کھول دیا گیا تھا اس میں کچھ شک نہیں۔ اس کی ترتیب خوبصورت اور اسلوب نرالا ہے جیسے خود پاکیزہ ہے اسی طرح پاکیزہ ذات سے نکلا ہے۔

درود نمبر 45:

((اللهم صل وبارك ورحم على محمد عبدك ونبيك ورسولك النبي الامي سيد المرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين وامام الخير وقائد الخير ورسول الرحمة وعلى ازواجه وامهات المؤمنين وذريته واهل بيته واله واصحابه وانصاره واتباعه ومحبيه كما صليت وباركت وترحمت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم في العالمين انك حميد مجيد وصل وبارك وترحم علينا معهم افضل صلواتك و ازكى بركاتك كلما ذكرك الذاكرون وغفل عن ذكرك الغفلون عدد الشفع والوتر وعدد كلماتك التامات المباركات وعدد خلقك ورضا نفسك وزنة عرشك ومداد كلماتك صلاة دائمة بدوامك اللهم ابعث يوم القيمة مقاماً محموداً يغبطه به الاولون والاخرون وانزله المقعد المقرب عندك يوم القيمة وتقبل شفاعته الكبرىٰ وارفع درجته العليا واعطه سوله في الاخرة والاولى كما آتيت ابراهيم وموسىٰ اللهم اجعل في المصطفين محبته وفي المقربين مودته وفي الاعلين ذكره واجزه عنا ما هو اهله خير ماجزيت نبياً عن امته واجز الانبياء كلهم خيراً صلوات الله وصلوات المومنين ورحمته الله وبركاته ومغفرته ورضوانه اللهم ابلغه منا السلام واردد علينا منه السلام وابتعه من امته و ذريته ما تقرب عينه يارب العلمين))

"الٰہی! درود، برکت اور رحمت بھیج محمد پر جو تیرے بندے، نبی اور امی رسول ہیں، رسولوں کے سردار، پرہیزگاروں کے پیشوا، نبیوں میں آخری، نیکی کے پیشوا، نیکی کے رہنما، رحمت والے نبی، ان کی بیویوں پر جو اہل ایمان کی مائیں ہیں اور ان کی اولاد اور گھر والوں پر اور ان کے آل واصحاب پر اور ان کے مددگاروں پر اور ان کے پیروکاروں پر اور ان سے محبت کرنے والوں پر جیسے تو نے درود، برکت اور رحم فرمایا ابراہیم اور ابراہیم کی آل پر جہانوں میں بیشک تو ستودہ صفات بزرگی والا ہے اور درود، برکت اور رحم فرما ان کے ہمراہ ہم پر اپنا افضل ترین درود اور اپنی پاکیزہ تر برکتیں، جب تک ذکر کرنے والے تیرا ذکر کریں اور غافل تیرے ذکر سے غفلت کریں، جفت وطاق کی گنتی کے برابر اور تیرے مکمل بابرکت کلمات کے برابر اور تیری مخلوق کی تعداد کے برابر اور تیری رضا کے برابر اور تیرے عرش کی زینت کے برابر اور تیرے کلمات کی سیاہی کے برابر ایسا درود جو تیرے دوام کے ساتھ ساتھ دائمی ہو۔ الٰہی! قیامت کے دن ان کو مقام محمود پر فائز فرمانا جس سے پہلے پچھلے ان پر رشک کریں اور بروز قیامت ان کو اپنے قرب میں جگہ بخشا اور ان کی شفاعت کبریٰ قبول فرمانا اور ان کا

درجہ اور بلند فرمانا اور وہ دنیا و آخرت میں جو مانگیں عطا فرمانا جیسے تو نے ابراہیم و موسیٰ کو عطا فرمایا۔ الٰہی! اپنی برگزیدہ ہستیوں میں ان کی محبت پیدا فرما اور مقربین کے دلوں میں ان کی الفت پیدا فرما اور بلند مرتبہ بندوں میں ان کا ذکر بلند فرما اور ہماری طرف سے ان کو وہ بہترین جزا عطا فرما جو تو نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے عطا فرمائی ہو اور تمام نبیوں کو جزائے خیر عطا فرما۔ اللہ اور اہل ایمان کی درودیں محمد پر نازل ہوں جو نبی امی ہیں۔ اے غیب کی خبریں دینے والے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں اور بخشش و رضا۔ الٰہی! ہماری طرف سے ان تک سلام پہنچا دے! اور ان کی طرف سے سلام کا جواب ہم تک لا دے! اور ان کی امت و اولاد کی طرف سے ان کے پیچھے وہ کچھ بھیج جس سے ان کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ اے پروردگار عالم!''

درود نمبر 46:

((اللھم صلی علی سیدنا محمد خاتم الانبیاء ومعدن الاسوار ومنبع الانوار وجمال الکونین وشرف الدارین وسیدالثقلین المخصوص بقاب قوسین))

''الٰہی! ہمارے آقا محمد پر درود بھیج جو سب نبیوں میں آخری ہیں' اسرار کی کان اور انوار کا منبع ہیں۔ دو جہاں کا حسن اور دونوں جہان کی بزرگی ہیں۔ جنوں اور انسانوں کے سردار اور قاب قوسین (مقدار دو کمانوں کی) کے مقام قرب کے سردار۔''

شیخ عبداللہ الہاروشنی نے اپنی کتاب ''کنور الاسرار'' میں ان الفاظ کی فضیلت کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب وہ فضل و کرم دیکھا جو اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے بھی ان میں شامل فرما دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں سو انہوں نے بایں الفاظ مذکورہ درود شریف بھیجا۔ پس بلاشبہ یہ کامل درودوں میں سے ہے۔

درود نمبر 47:

((اللھم صلی علی محمد وعلی اٰل محمد صلوٰۃً تکون لك رضی وله جزآء و لحقه ادآء واعطه والوسیلة والفضیلة والمقام المحمود الذی وعدته و اجزه عنا ماھو اھله واجزه عنا افضل ماجازیت نبیاً عن قومه ورسولاً عن امته وصل علی جمیع اخوانه من النبیین والصدیقین یاارحم الراحمین))

''الٰہی! محمد اور آل محمد پر ایسا درود بھیج جو تیری رضا کا سبب اور ان کے لئے جزاء ہو جس سے ان کا حق ادا ہو اور ان کو مقام وسیلہ' فضیلت اور وہ مقام محمود عطا فرما جس کا ان سے تو نے وعدہ فرما رکھا ہے۔ اور ہماری طرف سے ان کو وہ جزاء عطا فرما جس کے وہ حقدار ہیں اور ہماری طرف سے آپ کو اس سے افضل جزاء عطا فرما جو کسی قوم کی طرف سے تو نے اس کے نبی کو اور کسی امت کی طرف سے اس کے رسول کو عطا فرمائی۔ اور سرکار کے تمام بھائی بندوں نبیوں اور صدیقوں پر درود بھیج! اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے۔''

جو کوئی بروز جمعہ سات مرتبہ یہ درود شریف پڑھے اور سات جمعوں تک یہ عمل کرے، اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

درود نمبر 48:

((اللهم صلى على محمد وانزله المنزل المقرب منك يوم القيمة))

''الٰہی! محمد پر درود بھیج اور قیامت کو انہیں اپنے مقام قرب پر فائز فرمانا۔''

اس روایت کو طبرانی نے کبیر میں اور احمد بزار اور ابن ابی عاصم نے رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو کوئی کہے: ''اللهم صل على محمد وانزله المنزل المقرب منك ''(اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: المقعد المقرب منك يوم القيمة) اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

درود نمبر 49:

((اللهم صل على روح سيدنا محمد فى الارواح وصل على جسد سيدنا محمد فى الاجساد وصل على قبر سيدنا محمد فى القبور اللهم ابلغ روح سيدنا محمد منى تحيةً وسلاماً))

''الٰہی! ارواح میں ہمارے آقا محمد کی روح پر درود بھیج اور اجسام میں ہمارے آقا محمد کے جسم اطہر پر درود بھیج اور قبروں میں ہمارے آقا محمد کی قبر انور پر درود بھیج! الٰہی! میری طرف سے محمد مصطفےٰ کی روح پر ہدیہ سلام پہنچا دے!''

اس سلسلہ میں نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے:

''جو شخص کہے: اللهم صل على روح سيدنا محمد فى الارواح الصيغة وہ مجھے خواب میں دیکھے گا۔''

اس کو حافظ دمیاطی نے عمل الیوم واللیلۃ میں ذکر کیا ہے۔

درود نمبر 50:

((اللهم صل وسلم وبارك على سيدنا محمد صلوٰة تكون لك رضى ولحقه ادآء))

''الٰہی! ہمارے آقا محمد پر ایسا درود و سلام اور برکت نازل فرما جو تیری رضا اور ان کے ادائے حق کا ذریعہ ہو۔''

جو کوئی دن میں تینتیس مرتبہ درود شریف پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور قبر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سے حجاب دور فرما دے گا۔

درود نمبر 51:

((اللهم صل على سيدنا محمد السابق للخلق نوره ورحمة للعلمين ظهوره عدد

من مضى من خلقك ومن بقى ومن سعد منهم ومن شقى صلاة تستغرق العدد و تحيط بالحد صلوٰة لاغاية لها ولاانيهاء ولا امدالها ولاانقضاء صلوٰة دآئمة به وامك باقية ببقائك لا منتهى لها دو د علمك وعلى اله وصحبه وسلم تسليماً مثل ذلك))

''الٰہی! ہمارے محمد پر درود وسلام بھیج! ایسے محمد جن کا نور مخلوق سے پہلے اور جن کا ظہور کائنات کے لئے رحمت ہے، جو تیری مخلوق گزر چکی ہے اس کے اور جو باقی ہے اس کے برابر' جو نیک ہوئے ان کے اور جو بد بخت ہوئے ان کے برابر' ایسا درود جو اعداد وشمار پر حاوی اور حد وانتہا کا احاطہ کرلے۔ ایسا درود جس کی نہ غایت ہو نہ انتہا۔ جس کی نہ کوئی مدت ہو نہ خاتمہ۔ ایسا درود جو تیرے دوام سے دائمی اور تیری بقا سے باقی ہو۔ جس کی تیرے علم میں کوئی حد نہ ہو یا تیرے علم کے بغیر کوئی حد نہ ہو اور ان کے آل واصحاب پر بھی ایسا ہی درود و سلام۔''

جو آدمی صبح وشام دس دس مرتبہ ان کا ورد کرے اس کے لئے اللہ کی بڑی رضامندی اور اس کی ناراضگی سے امان واجب ہوگئی۔ اور اس پر مسلسل ومتواتر اللہ کی رحمت اور ہر برائی سے حفاظت رہے گی اور اس کے کام آسان ہوں گے۔

میں نے اپنے شیوخ سے یہ بات نقل کی ہے کہ یہ ایک بار پڑھنا دس ہزار کے برابر ہے۔

درود نمبر 52:

((اللهم صلى على محمد عبدك ورسولك وصل على المؤمنين والمؤمنت والمسلمين والمسلمات))

''الٰہی! محمد پر درود وسلام بھیج جو تیرے بندے اور رسول ہیں اور تمام اہل ایمان واہل اسلام مرد وزن پر بھی درود بھیج۔''

اس کے متعلق حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس مسلمان کے پاس صدقہ کرنے کو کچھ نہ ہو وہ اپنی دعا میں یوں کہے:

((اللهم صل على سيدنا محمد))

درود نمبر 53:

((اللهم صلى على سيدنا ومولانا محمد صلوٰة تحل بها عقدتى وتفرج بها كربتى وتنقنى بها من وحلتى وتقيل بها عثرتى وتقضى بها حاجتى وعلى اله وصحبه وسلم))

''الٰہی! ہمارے آقا ومولیٰ محمد اور ان کے آل واصحاب پر ایسا درود وسلام جس سے میری گرہ (مشکل) کھل جائے اور میری مصیبت دور ہو جائے اور جس سے تو مجھے خوف سے بچالے اور جس سے تو میری لغزش کو

معاف فرمادے اور جس سے تو میری حاجت پوری فرمائے دے۔"

جس کی اللہ تعالیٰ کی جناب میں کوئی حاجت ہو اور کسی تکلیف ورنج میں ہو۔ وہ آدھی رات کو اٹھ کر اچھی طرح وضو کرے اور آرام سے دو رکعت نفل پڑھے، جب سلام پھیرے تو اسی طرح قبلہ رخ ہو کر ایک ہزار مرتبہ یہ درود شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکل حل فرمائے گا۔ پس اس ذخیرہ کو حاصل کیجئے کہ اس کے بہت فوائد ہیں۔



درود شریف پڑھنا واجب ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے وقت درود شریف پڑھنے میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ ایک مجلس میں ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے اور ہر مرتبہ پڑھنا مستحب۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے ہر مرتبہ پڑھنا واجب ہے، چاہے مجلس ایک ہو یا الگ الگ۔

بارہ دلائل...... رسول اللہ ﷺ کے ذکر کے وقت ایک مجلس میں ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے اور پھر مستحب:

پہلا گروہ جو وجوب درود کی نفی کرنے والا ہے، کہتا ہے کہ ہمارے قول کی دلیل چند وجوہ سے یہ ہے:

دلیل نمبر 1: اگر ہر دفعہ ذکر مبارک پر درود واجب ہوتا تو یہ بھی واجب ہوتا کہ اسم اللہ کے ساتھ ہمیشہ سبحانہ وتعالیٰ یا عزوجل یا تبارک وتعالیٰ یا جلت عظمتہ یا تعالیٰ جدہ وغیرہ الفاظ شامل کیا کرتے۔ ہاں ایسا ہونا زیادہ موزوں اور اولیٰ تھا، کیونکہ رسول ﷺ کی تعظیم واجلال اور محبت واطاعت مرسل (اللہ تعالیٰ) کی تعظیم و اجلال اور محبت وطاعت کے تابع ہوتی ہے اور یہ محال ہے کہ رسول کے لئے محبت وطاعت یا تعظیم واجلال تو حاصل ہو اور مرسل کو نہ ہو، بلکہ یہ تو سب کچھ مرسل کی تبعیت سے ہی حاصل ہوا کرتا ہے اور اسی لئے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت، اور رسول کی بیعت اللہ کی بیعت، اور رسول کی محبت اللہ کی محبت، رسول کی تعظیم اللہ کی تعظیم اور رسول کی نصرت اللہ کی نصرت ہوتی ہے، کیونکہ وہ اس کا رسول و بندہ ہے، لوگوں کو اسی جانب بلاتا اور اسی کی اطاعت ومحبت اور اجلال وتعظیم سکھلاتا اور عبادت ووحدانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ سو ایسی حالت میں کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ ذکر مبارک نبوی تو جتنی دفعہ ہو اتنی مرتبہ درود واجب ہو تو اللہ تعالیٰ کا جتنی دفعہ نام لیا جائے اس کی ثناء وتعظیم واجب نہیں، یہ تو محال ہے۔

دلیل نمبر 2: خطیب جمعہ وعید وغیرہ میں نفس تشہد کے وقت درود کی جانب نہیں جاتے، اگر ہر دفعہ ذکر مبارک پر درود واجب ہوتا تو شہادت کے ساتھ ضرور درود شامل کیا کرتے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ خطبہ میں درود آتو جاتا ہے، کیونکہ اس درود کا تشہد کے وقت اسم مبارک کے لئے جانے پر عطف نہیں ہوسکتا اور اس قدر فاصلہ طویل کے بعد وہ اس کا معطوف نہیں بن سکتا۔ حالانکہ قائلین وجوب ہر دفعہ کے ذکر پر درود کا ہونا واجب کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دوسری دفعہ کا ذکر پہلے ذکر سے (شمار میں) جدا ہوتا ہے۔

دلیل نمبر 3: یہ ثابت شدہ ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ سلف صالح جو قدوۂ امت ہیں، نبی اکرم ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے ہر دفعہ نام مبارک کے ساتھ درود کو شامل نہ کرتے تھے اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے خطاب میں اس قدر پائی جاتی ہے کہ شمار سے باہر ہے وہ صرف یا رسول اللہ ہی کہتے تھے اور بسا اوقات صلی اللہ علیک ہی کہہ دیا کرتے۔ چنانچہ یہ احادیث سے بکثرت ظاہر ہے۔ پس اگر درود واجب ہوتا تب ترک کرنے والے پر انکار ہونا ضروری تھا۔

دلیل نمبر 4: اگر ہر دفعہ کے ذکر پر درود واجب ہوتا ہے تو ضروری تھا کہ قاری جہاں اسم مبارک پر پہنچے، صلی اللہ علیہ وسلم کہے اور قرأت کو ادائے واجب کے لئے قطع کر دے۔ خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر، کیونکہ درود سے نماز باطل نہیں ہوتی اور اس کا واجب ہونا متعین ہو چکا۔ اس لئے ادا کرنا لازم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ اگر درود واجب ہوتا تو صحابہ و تابعین اس پر بہت پکے ہوتے۔ اس کے ادا کرنے کے کمال شائق اور نہ چھوڑنے کے پورے پابند، حالانکہ ایسا نہیں۔

دلیل نمبر 5: اگر ذکر مبارک کے وقت درود واجب ہوتا تو یہ مسئلہ تمام واجبات سے زیادہ روشن ہوتا اور نبی اکرم ﷺ بھی امت کے لئے ایسا بیان فرما دیتے، جس سے عذر قطع ہو جاتے اور حجت قائم ہو جاتی۔

دلیل نمبر 6: مثلاً ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے اور اس کی زبان پر معمولی طور پر صرف ((**محمد رسول الله**)) یا ((**اللهم صل علی محمد**)) ہے اور بہت سے لوگ اس کی آواز سن رہے ہیں۔ اگر تم یہ کہو گے کہ ان سب سامعین پر درود واجب ہے تو لازم آئے گا کہ ان سب کی آواز درود ہی ہو خواہ کتنا ہی بیٹھنا پڑے اور یہ امر حرج و مشقت کا باعث اور قاری کی ترک قرأت اور مدرس کے ترک درس کا سبب ہوگا، بلکہ کوئی صاحب ضرورت کلام بھی نہ کر سکے گا اور مذاکرہ علمی و تعلیم قرآن میں بھی حرج پیدا ہوگا، لیکن اگر تم اس وقت یہ کہو گے کہ ایسی حالتوں میں درود واجب نہیں رہتا تب اپنے مذہب کے خلاف خود کرو گے اور اگر جواب دو گے کہ ایک دفعہ یا چند دفعہ کہنا واجب ہے۔ اول تو یہ صرف تحکم بلا دلیل ہے۔ دوم تمہارے قول کو باطل کرنے والا ہے۔

دلیل نمبر 7: یہ قول نہ صحابہ میں سے، نہ تابعین میں سے، نہ تبع تابعین میں سے کسی کا معروف ہے اور نہ کسی کا نام معروف ہے جس نے ایسا کیا ہو، بلکہ اکثر فقہاء کا مذہب یا یہ کہو کہ اجماع تو یہ ہے کہ درود فرائض میں سے نہیں اور جو واجب کہتا ہے اس کے قول کو شذوذ اور مخالفت اجماع سابق سے منسوب کیا گیا ہے۔ پھر نماز کے علاوہ تو درود فرض کیوں کر ہو سکتا ہے۔؟

دلیل نمبر 8: کچھ شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی شہادت رسالت بڑا فرض اور واجب عظیم ہے۔ بہ نسبت درود کے اور معلوم ہے کہ انسان اسلام میں اس کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا، لیکن جب ہر دفعہ کے ذکر مبارک پر شہادت رسالت بھی فرض نہیں تو ہر دفعہ کے ذکر مبارک پر درود کیوں فرض ہو سکتا ہے۔ دیکھو کلمہ اخلاص (**لا اله الا الله**) کے بعد تمام واجبات میں سب سے اعلیٰ فرض آپ کی رسالت کی شہادت ہے اور ذکر مبارک کے وقت اس کے وجوب کا اقرار کر لینا گویا ایمان اور جملہ موجبات شہادت کا تذکرہ کر لینا ہے۔

اس لئے اسم مبارک کے لینے والے پر ((محمد رسول الله)) کہنا واجب ہے اور اس کا وجوب درود کے وجوب سے جو ہر دفعہ کے اسم مبارک پر کہا جاتا ہے، زیادہ تر واضح ہے۔ غرض ہر دو فریق کے پاس ایسے ہی دلائل ہیں۔ جن میں سے بعض تو بہت ضعیف ہیں۔ بعض میں غلطی کا احتمال ہے اور بعض قوی۔ چنانچہ ہر ایک کے دلائل میں تامل کرنے سے سب کچھ بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔

دلیل نمبر 9: اگر نبی کریم ﷺ کے ہر دفعہ کے ذکر کے بعد ہمیشہ درود پڑھنا واجب ہے تو مؤذن پر ضروری ہوتا کہ **اشهد ان محمدًا رسول الله** کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہا کرتا، حالانکہ اذان میں یہ کہنا مشروع بھی نہیں، واجب تو کیا ہونا تھا۔؟

دلیل نمبر 10: جب کوئی مسلمان ہو کر اسلام میں داخل ہوتا ہے تو شہادتین پڑھتا ہے، مگر ((**اشهد ان محمدًا رسول الله**)) کے ساتھ اس سے صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہلایا جاتا۔

دلیل نمبر 11: تشہد اول بالاتفاق ((**اشهد ان محمدا عبده ورسوله**)) پر ختم ہو جاتا ہے اور درود کی مشروعیت میں جو اختلاف ہے، وہ تین قول ہیں:

1۔ صرف تشہد آخر میں مشروع ہے۔
2۔ تشہد اول میں بھی مشروع ہے۔
3۔ خاص نبی کریم ﷺ پر مشروع ہے، آل کا ذکر نہ ہو، لیکن ہر سہ اقوال میں سے کسی نے پہلے تشہد میں وجوب کا اظہار نہیں کیا۔

دلیل نمبر 12: اذان کے سننے والے پر بھی درود پڑھنا واجب ہوتا، حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے صرف یہی حکم دیا ہے کہ جو مؤذن کہے وہی سامع بھی کہے۔

والله سبحانه وتعالى اعلم بالصواب!

چار دلائل......رسول اللہ ﷺ کے نام کے وقت ہر مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے:

دوسرا گروہ جو ہر دفعہ ذکر مبارک پر درود کو فرض و واجب بتلاتے ہیں۔ ان کے دلائل یہ ہیں:

دلیل نمبر 1: صحیح ابن حبان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

اس کو حاکم نے صحیح میں اور نسائی و ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سب لوگوں سے زیادہ بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

قاسم بن اصبغ نے حضرت حسن بصری سے فرمان رسول ﷺ روایت کیا ہے:

''بخل کا مومن کو یہی حصہ بہت ہے کہ میرا ذکر اس کے سامنے ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

سعید بن منصور نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے:

''بخل کے لئے یہی کافی ہے کہ میرا ذکر کسی کے سامنے ہو اور وہ درود نہ پڑھے۔''

یہ کہتے ہیں کہ جب روایات بالا سے بخیل ہونا اس کا ثابت ہو گیا تو وجہ دلالت دو طرح پر ہے:

1۔ بخل مذمت کا نام ہے اور تارک مستحب اسم مذمت کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((واللہ لا یحب کل مختال فخور الذین یبخلون ویأمرون الناس بالبخل))

(سورۃ الحدید: ۵۷/۲۳-۲۴)

"اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں فرماتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں، جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کرنے پر اکساتے ہیں۔"

دیکھو! یہاں فخر اور تکبر و غرور کے ساتھ بخل اور امر بخل کو شامل کیا ہے، اور پھر سب کی مذمت فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بخل بری صفت ہے۔ حدیث میں ہے:

((وای داء ادوأ من البخل))

"بخل سے بڑھ کر کون سا سخت مرض ہے۔"

2۔ بخیل اسے کہتے ہیں جو حق واجب کو ادا نہ کرے، لیکن جو شخص بقدر واجب اس چیز کو ادا کر دے اس کا نام بخیل نہیں ہوتا۔ غرض بخیل وہ ہے کہ جس چیز کا دینا اور خرچ کرنا اس پر ضروری ہے۔ اسے روک رکھے۔

دلیل نمبر 2: سنن نسائی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے، کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھتا ہے۔"

اس کی سند صحیح ہے اور وجوب کا حکم اس میں ظاہر ہے۔

دلیل نمبر 3: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اس شخص کی پیشانی خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

اس کو حاکم نے صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ "خاک آلود ہو پیشانی ہو۔" بددعا ہے اور مذمت ہے اور تارک مستحب کی مذمت کی جاتی ہے نہ اسے بددعا دی جاتی ہے۔

دلیل نمبر 4: حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے جس میں منبر پر چڑھنے کا باقاعدہ اور مسلسل ذکر ہے۔ اس میں جبریل علیہ السلام نے کہا:

"جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے پس جہنم میں جائے اور خدا سے دور کرے، کہیے "آمین"، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آمین۔"

اس کو ابن حبان نے صحیح میں روایت کیا ہے اور اس معنی کی احادیث جو حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت کعب بن عجرہ، حضرت مالک بن حویرث اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ان میں سے ہر ایک حجت مستقل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حدیث جو ان مختلف طریقوں سے مروی ہیں، مفید صحت ہے۔

نتیجہ گفتگو:

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی صلوٰۃ وتسلیم کا امر (آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا حکم) فرمایا ہے اور امر مطلق تکرار کے لئے ہوتا ہے اور یہ کہنا ممکن نہیں کہ تکرار سب وقتوں میں ہوتا ہے، کیونکہ اوامر مکررہ اوقات خاصہ میں ان شروط واسباب سے جو مقتضی تکرار ہوں متکرر ہو جاتے ہیں اور ایک وقت دوسرے وقت سے اولیٰ نہیں ہوتا۔ پس نبی اکرم ﷺ کے تکرار ذکر پر تکرار مامور (درود) کا ہونا بوجہ نصوص متقدم کے اولیٰ ہے۔ یہ حجت تین مقدمات پر مشتمل ہے:

مقدمہ اولیٰ: صلوٰۃ جس کا حکم ہوا وہ امر مطلق ہے، یہ معلوم وثابت ہے۔

مقدمہ ثانیہ: امر مطلق مقتضی تکرار ہوتا ہے۔ یہ مختلف فیہ ہے۔ فقہاء واصولیین کے ایک گروہ نے اس کی نفی کی ہے اور ایک نے اثبات کیا ہے اور ایک نے امر مطلق میں اور امر معلق میں جو شرط یا وقت سے علاقہ رکھتا ہو تفریق کی ہے۔ پھر معلق میں تو تکرار کو ثابت کیا ہے اور مطلق میں نہیں۔ ہر سہ اقوال امام احمد وشافعی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کے مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ موجبین درود شریف کے گروہ نے تکرار کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ تمام اوامر شرعی تکرار پر ہوتے ہیں۔ اس کی درج ذیل دلیلیں ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((امنوا بالله ورسوله))

''ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔'' (سورۃ الحدید: ۵۷/۷)

دوسری جگہ فرمایا:

((ادخلوا فی السلم کآفة))

''اور سب کے سب اسلام کے اندر داخل ہو جاؤ۔'' (سورۃ البقرۃ: ۲/۲۰۸)

فرمایا:

((وأطیعوا الله وأطیعوا الرسول))

''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔''

ایک جگہ فرمایا:

((واتقوا الله))

اور ڈرو اللہ سے۔''

فرمایا:

((وأقیموا الصلوة وأتوا الزکوة))

''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔'' (سورۃ البقرۃ: ۲/۴۳)

فرمایا:

((یایھا الذین اٰمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ))

''اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر پر قائم رہو۔ آپس میں ربط رکھو اور اللہ سے ڈرو۔'' (سورۃ آل عمران:۳/۲۰۰)

فرمایا:

((وخافون))

''میرا خوف رکھو۔'' (سورۃ آل عمران:۳/۱۷۵)

((واخشونی))

''مجھ سے ڈرو۔'' (سورۃ البقرۃ:۲/۱۵۰)

((واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً))

''اور سب کے سب اللہ کی رسی کو پکڑو۔'' (سورۃ آل عمران:۳/۱۰۳)

فرمایا:

((وأوفوا بعھد اللہ))

''اللہ کے عہد کو پورا کرو۔'' (سورۃ النحل:۱۶/۹۱)

فرمایا:

((أوفوا بالعقود))

''باہمی عقدوں کو پورا کرو۔'' (سورۃ المائدۃ:۵/۱)

فرمایا:

((وأوفوا بالعھد))

''عہد کو پورا کرو۔'' (سورۃ بنی اسرائیل:۱۷/۳۴)

یتامیٰ کے بارے میں ہے:

((وارزقوا ھم فیھا واکسواھم))

''اس مال میں سے ان کو کھلاؤ اور پہناؤ۔'' (سورۃ النساء:۴/۵)

فرمایا:

((اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع))

(سورۃ الجمعۃ:۶۲/۹)

''جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور معاملات اور تجارت وغیرہ کو چھوڑ دو۔''

فرمایا:

((اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم))

''جب نماز کے لئے کھڑے ہوتو اپنے منہ دھولو...... (پھر بقیہ وضو کرنے کا حکم ہے۔)''

فرمایا:

((وان كنتم جنبا فاطهروا))

''اگر پلید ہوتو پاک ہو جاؤ۔''

فرمایا:

((فلم تجدوا ماء فتيمموا))

''اگر پانی نہ ہوتو تیمّم کرلو۔'' (سورۃ المائدۃ: ۶/۵)

فرمایا:

((واستعينوا بالصبر والصلوة))

''مدد چاہو ساتھ صبر کے اور نماز کے۔'' (سورۃ البقرۃ: ۲/۴۵)

فرمایا:

((وأن هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه))

''یہ ہے میرا سیدھا راستہ اسی پر چلو۔'' (سورۃ الأنعام: ۶/۱۵۳)

یہ نظائر قرآن مجید میں بکثرت ہیں، پس جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام (شاذ و نادر کے سوا) جہاں کہیں ہیں (معنی) تکرار پر ہیں تو معلوم ہوا کہ امت کے خطاب میں اللہ اور رسول کا محاورہ یہی ہے اور امر میں گو لفظی طور پر تکرار اور فوری طور پر نہ کرنا پایا جاتا ہو، مگر اس میں شک نہیں کہ خطاب شارع کے عرف و محاورہ میں وہ بمعنی تکرار ہی ہے۔ پس شارح علیہ السلام کے کلام کو تو انہی کے عرف اور انہی کے خطاب کی پاک روش پر محمول کرنا چاہیے۔ گو اس لفظ سے لغوی طور پر وہ مفہوم نہ ہوتا ہو۔ یہ بات جو میں نے لکھی ہے کہ امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے اور نہی فساد کا۔ یہ خطاب شارع سے معلوم ہے۔ گو اصل موضوع لغت میں منہی کی صحت یا فساد پر تعرض نہ کیا گیا ہو۔ علیٰ ہذا شارع کا امت میں سے ایک کو معرفت خاص کا خطاب مقتضی ہے کہ وہ لفظ اس پر اور اس کی امثال پر حاوی ہو۔ گو لغت کی رو سے موضوع لفظ اس کا مقتضی نہ ہو، کیونکہ لغت اور مصادر و موارد کلام میں نبی کریم ﷺ کا محاورہ ہی یہ ہے اور یہ بات آپ کے دین سے بالاضطرار معلوم ہے۔ قبل اس سے کہ قیاس کی صحت و اعتبار و شروط وغیرہ معلوم کی جائیں۔ پس کسی لفظ کے اقتضاء و عدم اقتضاء لفظی میں فرق لغت کرتا ہے اور عرف شارع کے اقتضاء میں شارح علیہ السلام کی عادت خطاب۔

مقدمہ ثالث: جب مامور بہ کا تکرار ہوتا ہے تو کسی سبب یا وقت سے ہوتا ہے اور اس جگہ اسباب مقتضی تکرار میں سے اولیٰ سبب نبی کریم ﷺ کے نام مبارک کا لیا جاتا ہے، کیونکہ آپ نے خبر دی کہ جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور وہ درود نہ پڑھے اس کی پیشانی خاک آلود ہو اور اس لئے کہ ایسے شخص کے بغل پر آپ نے فرمان جاری کر دیا ہے اور اسی کے مؤید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن بندے کو درود کا حکم اس خبر کے بعد دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتے ہیں، لیکن یہ ایک دفعہ کا درود پڑھنا نہیں جو

منقطع ہو چکا ہے، بلکہ یہ درود مستقل اور مسلسل ہے۔ اسی لئے اس کا اظہار تذکرہ نبی کریم ﷺ کے فضل و شرف وعلو منزلت کا مبین ہے۔ پس بندوں کے حق میں اس کا تکرار بہت ہی ضروری اور لازمی ہوا، کیونکہ ان کے لئے حکم ہوا ہے۔ دیکھو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے سلام کو مصدر (لفظ تسلیم) کے ساتھ مؤکد فرمایا ہے اور یہ امر مقتضی مبالغہ اور کمیت میں زیادت کا ہے اور یہ بات تکرار سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ پھر یہ دیکھو کہ فعل مامور بہ کا لفظ تکثیر پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی صلی وسلم کیونکہ فعل مشدد ہے جو تکرار فعل پر دال ہوتا ہے۔ جیسے کہا کرتے ہیں:

((کسر الخبز وقطع اللحم وعلم الخیر وشدد فی کذا))

پھر یہ دیکھو کہ درود پڑھنے کا حکم بمقابلہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم وارشاد وہدایت اور احسان کے ہے، جو امت پر نبی کریم ﷺ کے ہیں اور بمقابلہ ان نعمتوں کے جو نبی کریم ﷺ کی برکت سے دنیا و آخرت کی سعادت لوگوں کو ملی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے فعل عظیم کا مقابلہ عمر بھر میں ایک دفعہ درود پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اگر کوئی شخص اپنے سانس کی گنتی کے موافق بھی درود شریف پڑھتا رہے تب بھی نبی کریم ﷺ کے حق اور عطا کردہ نعمت کے مقابلہ میں کافی نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے اس نعمت کے شکر کا ضابطہ یہی بنایا گیا ہے کہ جب آپ کا نام مبارک لیا جائے تو درود پڑھا جائے (صلی اللہ علیہ وسلم) چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے درود نہ پڑھنے والے کا نام بخیل رکھ کر اسی جانب اشارہ فرمایا ہے، کیونکہ عام دستور یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی پر احسان عظیم کیا ہو جس کی وجہ سے اس کو خیر عظیم ملی ہو، پھر اس کا ذکر اس شخص کے سامنے آئے اور وہ اس کی ثناء وتعریف نہ کرے، اور مدح و تعظیم میں مبالغہ نہ کرے اور ادائے شکر وحق کے قیام میں ہمیشہ کوتاہی کرتا رہے۔ اور بار بار ایسا ہی کرے تو ضروری ہے کہ لوگ اسے بخیل ولئیم وکفور سمجھیں گے۔ اس کے مقابلہ میں اس محسن کے احسانات کا اندازہ کرو! جس کے احسانات تمام مخلوقات کے باہمی احسان ومروت سے کہیں بڑھ کر ہیں اور جس کے احسان سے بندہ کو دنیا وآخرت کی خیر حاصل ہوئی ہے اور دنیا وآخرت کے شر سے نجات ملی ہے۔ جس کے احسان و نعمت کی حقیقت کا اندازہ اور تصور بھی دل نہیں کر سکتے۔ قیام شکر کا تو کیا ذکر ہے، تو بتلاؤ کہ کیا ایسے محسن ایسے منعم کا سب سے بڑھ کر یہ استحقاق نہیں ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے، زبان کو وقف ثناء بنایا جائے اور اپنی طاقت ومقدور اور وسعت وزور کو اس کی حمد ومدح کے لئے جبکہ مجلس میں اس کا ذکر مبارک ہونے لگے خاص کر دیا جائے۔؟ پس ایسی حالت میں اس سے بھی کم کیا ہوگا کہ نام مبارک ذکر ہونے پر ایک دفعہ تو درود خوانی کی جائے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص پر "رغم انف" کے لفظوں میں بدعا کی ہے۔ جس کے معنی: ناک کا مٹی کو لگ کر رگڑے جانا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نام مبارک سن کر درود نہ پڑھنے والا ذلت و خواری کا مستحق ٹھہر جاتا ہے۔ خیال کرو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((لاتجعلوا دعآء الرسول بینکم کدعآء بعضکم بعضاً)) (سورۃ النور: ۶۳/۲۴)

"مسلمانو! اپنے درمیان رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بلانا نہ سمجھ بیٹھو۔"

اس جگہ امت کو منع کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو عام طریق پر بلایا اور پکارا جائے۔ مطلب یہ کہ خطاب کے

وقت نام مبارک لے کر نہ پکارا جائے، جیسا کہ ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے، بلکہ رسول اللہ و نبی اللہ کہہ کر پکارا جائے، کیونکہ توقیر و تعظیم و اعزاز کمال کی یہی صورت ہے۔ اسی طرح شایان ہے کہ اسم مبارک کے ساتھ درود کو ملا کر آپ ﷺ کی خصوصیت رکھی جائے تاکہ ذکر مبارک اور ذکر غیر میں فرق ہو جائے، جیسا کہ پکارنے میں رسول و نبی کہہ کر فرق کیا گیا ہے، لیکن اگر ذکر مبارک کے وقت درود واجب نہ ہو تب اس ذکر میں اور ذکر غیر میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ یہ معنی تو آیت کی دو تفسیروں سے ایک تفسیر کی صورت میں ہے، لیکن دوسری تفسیر کی صورت میں یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے طلب کو دوسرے کے طلب کا سا نہ سمجھو کہ عذر کر دو اور حاضر نہ ہو یا مشکلات کا خیال کرو اور دیر رسی جائز رکھو، بلکہ رسول اللہ ﷺ جس وقت طلب فرمائیں فوراً ہی اطاعت کے ساتھ حاضر ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ اگر نماز بھی پڑھ رہے ہو تو یہ بھی دیر رسی کے لئے عذر نہ سمجھو۔ پس جب نماز کی مشغولیت بھی تاخیر کے لئے عذر مباح نہیں ہو سکتی تو دیگر اسباب یا عذروں کا تو کیا ذکر ہے۔

واضح ہو کہ ان معنی میں تو مصدر فاعل کی طرف مضاف ہوگا اور پہلے معنی میں مفعول کی طرف اور یہ معنی بھی اس آیت کے کئے گئے ہیں، جو ہر دو اقوال سے احسن ہیں کہ اس جگہ مصدر کی اضافت نہ فاعل کی طرف ہے نہ مفعول کی طرف، بلکہ محض اسماء کی طرف اضافت ہے اور اس صورت میں ہر دو معانی بیک بارگی ظاہر رہیں گے، یعنی نام لے کر پکارنے کی ممانعت نیز طلب رسول ﷺ کے وقت تاخیر کی ممانعت۔

غرض ہر ایک معنی کی صورت میں جس طرح پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا خطاب میں بہ نسبت کسی دوسرے کے خاص امتیاز رکھا جائے اور تعمیل طلب میں نمایاں مستعدی ظاہر کی جائے تاکہ امت اس تعظیم و اجلال پر جو ہم پر واجب ہے قائم رہے۔ اسی طرح اسم مبارک کا ذکر آنے پر درود کے ساتھ امتیاز کا قائم رکھنا اعلیٰ مقصود ہے۔ دیکھو! نبی اکرم ﷺ نے خبر دی ہے کہ جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہوا اور اس نے درود نہ پڑھا وہ طریق جنت بھول گیا۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور گو یہ حدیث مراسیل محمد بن حنفیہ میں سے ہے، مگر اس کے اور شواہد بھی ہیں۔

پس اگر ذکر مبارک کے وقت درود واجب نہ ہوتا تو تارک درود کو راہ جنت سے بھٹکا ہوا نہ کہا جاتا اور یہ بھی مروی ہوا ہے کہ جس نے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا یا اس کے سامنے ذکر ہوا اور اس نے درود نہ پڑھا تو اس نے نبی ﷺ پر جفا کی اور ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جفا کرنا کسی مسلمان کو جائز نہیں۔

پس مقدمہ اولیٰ کی دلیل تو وہ روایت ہے جسے سعید بن اعرابی نے سند کے ساتھ قتادہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہ جفا میں سے ہے کہ میرا ذکر کسی کے سامنے ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

اگر اس ایک مرسل کو ہم چھوڑ بھی دیں تو اور اس سے کوئی حجت نہ پکڑیں لیکن پھر بھی اس کے اصول و شواہد موجود ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ مثلاً ''بخیل و شحیح'' نام رکھا جانا۔ ''خاک آلود پیشانی۔'' کا فرمانا اور ترک صلوٰۃ کو موجبات جفا قرار دینا۔

مقدمہ ثانیہ پر دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جفا کرنا، آپ کی محبت کے کمال کے منافی ہے، حالانکہ نبی کریم

ﷺ کی محبت کو نفس پر اور اہل وعیال پر مقدم رکھنے کا حکم ہے اور اپنی جان سے بھی زیادہ نبی کریم ﷺ کا اولیٰ ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ بے شک بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کے نزدیک اس کے نفس، اولاد، والدین اور تمام مخلوق سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

''یارسول اللہ! اللہ کی قسم! آپ میرے نزدیک جملہ اشیاء سے محبوب ہیں، مگر اپنے نفس سے نہیں۔''

فرمایا:

''نہیں اے عمر (ایمان کامل نہیں ہوگا)! جب تک میں تیرے نفس سے بھی زیادہ تجھ کو محبوب نہ ہو جاؤں۔''

حضرت عمر نے کہا:

''اللہ کی قسم! اس وقت آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔''

فرمایا: اب ٹھیک ہے۔ اے عمر!''

صحیح حدیث ہے:

((لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین))

اس حدیث میں محبت کی تینوں اقسام کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ محبت کی بنیاد یا تو تعظیم واجلال پر ہے، جیسے باپ کی محبت یا لطف وشفقت وغم خواری پر جیسے اولاد کی محبت، یا صفات کمال اور احسان کی محبت جیسے ایک کی دوسرے سے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی محبت جب تک ان سب محبتوں سے زیادہ پُرقوت وپُرزور نہ ہوگی، انسان مومن نہیں ہوسکتا اور ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جفا کرنا اس محبت کی ضد ہے اور جب احبیت فرض ہوئی تو اس کے توابع جس قدر ہیں، یعنی اجلال وتعظیم، توقیر وطاعت، نبی کریم ﷺ کو نفس پر مقدم کرنا اور اپنا نفس آپ پر نثار کر دینا اور اپنی بقاء آپ کے نفس مبارک سے سمجھنا، وہ سب بھی فرض ہوں گے اور درود شریف بھی فرض ہوگا۔ کیونکہ درود بھی اسی احبیت کا لازمہ اور کمال ہے۔ پس جب ان وجوہ سے اور ان کے سوا دوسری وجوہ سے درود کا واجب ہونا اس شخص پر ثابت ہوگیا جس کے سامنے ذکر مبارک ہو تو خود ذاکر پر اس کا وجوب اولیٰ ٹھہرا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ آیت سجدہ کے سامع کو جب سجدہ کا حکم دیا گیا ہے (خواہ بطور وجوب یا بطور استحباب جیسا کہ دو اقوال ہیں) تو قاری پر اس کا وجوب بالاولیٰ ہے۔

☆☆☆

نماز میں درود شریف فرض ہے یا فقط مشروع

نہایت موکد مقام:

نہایت ضروری اور نہایت مؤکدہ مقام درود پڑھنے کا نماز کا آخری تشہد ہے۔ اس کی مشروعیت پر تو مسلمانوں کا اجماع ہے، لیکن وجوب میں اختلاف ہے۔

ایک گروہ کا قول ہے کہ نماز میں درود واجب نہیں۔ واجب کہنے والے شاذ اور مخالف اجماع ہیں۔ یہی قول طحاوی اور

قاضی عیاض کا ہے۔

درود نماز میں واجب نہیں:

خطابی کہتے ہیں:

''درود نماز میں واجب نہیں۔ یہی قول جماعت فقہاء کا ہے، بجز شافعی کے جن کا پیش رو اس مسئلہ میں کوئی نہیں جانتا۔''

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں اکیلے ہیں۔ نماز میں درود واجب نہیں۔''

اس گروہ کی جو دلیل ہے ہم اسے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں لکھتے ہیں:

''نماز میں درود کے فرض نہ ہونے کی دلیل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پیشتر سلف صالح کا عمل اور اجماع ہے اور اس مسئلہ میں لوگوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت ہی مخالفت کی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد ہی کو لو جو نبی اکرم ﷺ کا تعلیم اور امام شافعی کا اختیار کردہ ہے، اس میں درود نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی روایات تشہد میں درود نہیں۔ حضرت ابن عباس و جابر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہم کو تشہد اس طرح سکھلایا کرتے تھے، جیسے قرآن کی سورت۔ یہی حضرت ابو سعید نے کہا ہے۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر ہم کو منبر پر چڑھ کر تشہد یوں سکھایا کرتے تھے جیسے تم اپنے بچوں کو کتاب پڑھایا کرتے ہو۔ یہی حال حضرت عمر فاروق کا تھا کہ منبر پر چڑھ کر تشہد سکھلاتے تھے اور ان کی کسی روایت میں بھی درود کا ذکر نہیں۔''

حضرت علامہ ابن البر نے تمہید میں کہا ہے کہ نماز میں درود کے فرض نہ ہونے کی دلیل حدیث حسن بن حر ہے۔ وہ قاسم بن مخیمرہ سے روایت کرتا ہے کہ علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا (جیسا کہ میں نے اب تیرا ہاتھ پکڑا ہے) اور کہا کہ عبداللہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا جیسا کہ میں نے تیرا ہاتھ پکڑا ہے اور مجھ کو تشہد سکھلایا۔ پھر آخر تشہد تک پڑھ کر کہا:

''جب تو یہ کہہ چکا تو نماز پوری ہوگئی۔ کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جا اور بیٹھا رہنا چاہے تو بیٹھا رہ۔''

یہ گروہ کہتا ہے کہ نماز میں درود کے واجب یا سنت نہ ہونے کی حدیث بالا حجت ہے۔ ان کا قول ہے کہ اگر تشہد واجب یا سنت ہوتا تو نبی اکرم ﷺ بیان فرما دیتے۔ ان کا قول ہے کہ ابو داؤد و ترمذی و طحاوی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

((اذا رفع رأسه من اخر السجود فقد مضت صلاته اذا هو احدث))

''جب کسی نے آخری سجدہ سے سر اٹھایا تو اس کی نماز پوری ہوگئی خواہ اس کا وضو ٹوٹ جائے۔''

دیکھو یہ دعویٰ کہ درود کے بغیر نماز نہیں ہوتی، کہاں گیا۔ عاصم بن ابی ضمرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی مقدار تشہد بیٹھ جائے اور اس کا وضوء ٹوٹ جائے تو نماز پوری ہوگئی۔ علیٰ ہذا اعمش ابو وائل کی روایت حضرت

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد کے بارے میں ہے، جس کے آخر میں یہ ہے کہ پھر بات چیت کرلے گویا درود کا ذکر نہیں۔
حدیث فضالہ بھی دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو سنا جو نماز میں دعا مانگتا تھا نہ اللہ کی حمد کی اور نہ درود پڑھا۔
فرمایا:
''اس نے جلدی کی۔ پھر اسے اور دوسروں کو فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے حمد وثناء رب کرے۔
پھر محمد وآل محمد پر درود بھیجے۔ پھر جو چاہے دعا مانگے۔''
دیکھو نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو اعادۂ نماز کا حکم نہیں دیا، لیکن اگر درود فرض ہوتا تب اعادہ کا حکم ضرور دیتے جیسا کہ رکوع وسجود کے مکمل نہ کرنے والے کو اعادہ کا حکم دیا تھا۔ ایک دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو جو نماز خراب طور سے پڑھ رہا تھا، درود نہیں بتلایا۔ اگر یہ فرائض نماز میں سے ہوتا جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی، تب ضرور نبی کریم ﷺ اسے سکھلاتے۔ جیسا کہ قرأت، رکوع، سجود اور نماز میں طمانیت کی تعلیم دی تھی۔ ایک دلیل یہ ہے کہ فرائض دلیل صحیح سے جس کا مخالف اس کی مثل نہ ہو یا ان لوگوں کے اجماع سے جن کے اجماع پر حجت قائم ہو سکے، ثابت ہوا کرتے ہیں۔ (اور یہاں نہ دلیل صحیح ہے اور نہ اجماع)۔

درود نماز میں واجب ہے...... چھ دلائل:

مذکورہ بالا دلائل اس گروہ کے عمدہ دلائل ہیں، لیکن دوسرے گروہ نے (جو نماز میں وجوب صلوٰۃ کا قائل ہے) نقل و استدلال سے نزاع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو یا اس مذہب کے دوسرے شخص کو شذوذ یا مخالفت اجماع سے منسوب کرنا غلط ہے، کیونکہ ایک جماعت صحابہ اور ان کے بعد بھی چند بزرگوں نے مثل امام شافعی کہا ہے۔ صحابہ میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جو نماز میں درود کو واجب سمجھتے اور کہا کرتے کہ جس نے درود نہیں پڑھا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس کو تمہید میں ابن عبدالبر نے اور دیگر علماء نے روایت کیا ہے۔ ازاں جملہ حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ ہیں، ابو جعفر محمد بن علی نے ان سے روایت کی ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میری نماز پوری ہوگی جب تک میں محمد وآل محمد (ﷺ) پر درود نہ پڑھ لوں۔
ازاں جملہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ حسن بن شبیب معمری نے سند کے ساتھ ان سے روایت کی ہے کہ نماز بغیر قرأت وتشہد اور درود کے نہیں ہوتی۔ اگر اس میں سے کچھ بھول جاؤ تب سلام کے بعد دو سجدے کرو۔
قول بالا حسن نے حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے بھی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔
تابعین میں سے اس مذہب کے قائل ابو جعفر محمد بن علی، شعبی، مقاتل بن حیان ہیں اور ارباب مذاہب میں سے جن کا اتباع کیا گیا ہے جناب اسحاق بن راہویہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی درود دانستہ چھوڑے گا تو اس کی نماز صحیح نہیں اور اگر سہو سے رہ جائے تب میں امید کرتا ہوں کہ پوری سمجھی جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اسحاق سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ دونوں کو حرب نے مسائل اسحاق کو روایت کرتے ہوئے لکھا ہے، کہا: میں نے اسحاق سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص تشہد پڑھے اور درود نہ پڑھے۔ کہا:
''میں تو کہتا ہوں کہ اس کی نماز جائز ہے مگر شافعی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں جائز نہیں۔ میں حدیث حر عن قاسم کی طرف گیا ہوں۔''

اس کے بعد حدیث بیان کی۔

پھر حرب نے کہا:

''میں نے ابو یعقوب اسحاق کو کہتے سنا ہے کہ جب کوئی تشہد سے فارغ ہو، امام ہو یا مقتدی وہ نبی کریم ﷺ پر ضرور درود بھیجے۔ اس کے سوا اور اس کو کچھ کفایت نہیں کر سکتا (اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی)، کیونکہ اصحاب نبی ﷺ کا قول ہے کہ ہم آپ کو سلام پہنچانا تو جان گئے (تشہد میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ پڑھنا) لیکن صلوٰۃ کس طرح ہے۔؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اتاری اور نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر فرمائی۔ پس ادنیٰ درجہ درود کے بارے میں یہ ہے کہ اسے تشہد کے بعد پڑھنا چاہیے۔ جلسہ آخر میں تشہد اور درود مساوی دو عمل ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کو دانستہ چھوڑ دینا کسی کو جائز نہیں۔ ہاں اگر بھول گیا ہے تب میں امید کرتا ہوں کہ (نہ پڑھنا ہی) کافی ہے۔ اسی طرح بعض علماء حجاز کہتے ہیں کہ ترک درود کسی حالت میں جائز نہیں۔ ترک ہو جائے تو اعادۂ نماز چاہیے۔''

رہے امام احمد علیہ الرحمۃ، ان سے مختلف روایت ہے۔ مسائل مروزی میں ہے:

''ابو عبداللہ (امام احمد) سے کہا گیا کہ ابن راہو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز میں درود چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے، فرمایا: میں تو ایسے کہنے کی جرأت نہیں کرتا۔ ایک دفعہ کہا: یہ شذوذ (مقبول راوی کا اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت کرنا) ہے۔ مسائل ابوزرعہ دمشقی میں ہے، امام احمد نے فرمایا: میں یہ کہنے سے ڈرتا تھا مگر پھر یہ ظاہر ہو گیا کہ نماز میں درود واجب ہے۔''

اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے قول عدم وجوب سے رجوع کر لیا تھا۔ رہا تمہارا یہ قول:

''عدم وجوب کی دلیل امام شافعی سے پہلے سلف صالح کا عمل اور اجماع ہے۔''

اس کا جواب یہ ہے:

''تمہارا استدلال یا تو نماز کے اندر لوگوں کے عمل پر ہے یا اہل اجماع کے قول پر۔ پس اگر عمل سے دلیل پکڑتے ہو تب تو وہ ہمارے دلائل میں سے ہے، کیونکہ لوگوں کا استمراری عمل ہر قرن ہر زمانہ میں پچھلے تشہد میں درود پڑھنے کا ہے۔ مقتدی ہو یا امام یا تنہا۔ فرض پڑھتا ہو یا نفل۔ یہاں تک کہ جب کسی نے نماز پڑھی اگر تم اس سے پوچھو گے کہ تو نے درود پڑھا تو وہ ہاں کہے گا۔ حتیٰ کہ اگر امام درود پڑھنے کے بغیر سلام پھیر دے اور مقتدی جان لیں تب ضرور اس فعل کا انکار کریں۔ یہ ایسا درست بیان ہے جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ پس عمل تو بہت بڑی دلیل تمہارے برخلاف ہے۔ اب تم کو یہ کہنا کہاں تک زیبا ہے کہ امام شافعی سے پیشتر سلف صالح کا عمل نفی وجوب کا تھا۔ کیا تم نے سب ہی سلف صالح کو ایسا دیکھا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ہرگز نماز میں درود نہ پڑھتا تھا۔ یہ تو بالکل غلط ہے۔''

اب رہی دلیل اجماع کہ درود فرض نہیں۔ اول تو اس کا نام عمل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سب اہل اجماع اس مسئلہ کو ایسا نہیں جانتے کیوں یہ تو امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے یا غایت درجہ یہ کہ اکثر اہل علم کا قول ہے، لیکن صحابہ و تابعین اور ارباب مذاہب میں خلاف کرنے والے بھی موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود، ابن عمر، ابو مسعود

رضی اللہ عنہم اور شعبی، مقاتل بن حیان، جعفر بن محمد، اسحاق بن راہویہ اور (آخری قول میں) امام احمد علیہ الرحمۃ درود کو واجب بتلاتے ہیں۔ جب ان لوگوں کا اختلاف ہے تو اجماع مسلمین کہاں رہا اور سلف صالح کا متفقہ عمل کیوں کر ہوا، کیونکہ یہ بزرگوار بھی اپنے اپنے طبقہ کے فاضلوں میں سے ہیں۔ بات یہ ہے کہ تحقیق کرنا اس شخص کی شان ہے جو مذاہب علماء کا اتباع نہ کرے اور اجماع ونزاع کے موافق سے پورا آگاہ ہو۔

رہا یہ قول کہ: ''لوگوں نے اس مسئلہ میں امام شافعی کی مخالفت کی ہے۔''

سبحان اللہ! کیا اس مسئلہ میں ان کی مخالفت ہوسکتی ہے؟ یہ تو ان کے مذہب کے محاسن میں سے ہے۔ بتلاؤ تو سہی کہ اس مسئلہ میں کون سی کتاب یا سنت یا اجماع امام شافعی کے خلاف ہے۔؟ جب آخری تشہد میں درود کا پڑھنا بلا اختلاف نماز کا تمام کرنے والا ہے (خواہ واجبات میں سے خواہ مستحباب میں سے) اور امام شافعی نے باقتضائے دلائل جس کی صحت ان کے نزدیک ثابت ہوگئی، اس کو واجبات میں سے قرار دے دیا تو اس سے خلاف نص یا ترک اجماع کیوں کر لازم آسکتا ہے اور اگر نہیں تو پھر ان پر مخالفت کیسی اور کیا مخالفت کرنے والا خود ہی اس مخالفت کا زیادہ مستحق نہیں؟

رہا یہ قول:

''تشہد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں درود نہیں اور اسی کو شافعی نے اختیار کیا ہے۔''

سو یہ تشہد تو اسی طرح ہے۔ امام شافعی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے، مگر انہوں نے تشہد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اختیار کیا ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد نے تشہد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اور امام مالک نے تشہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اختیار کیا ہے اور اس قول کا جواب چند وجوہات کی بناء پر یہ ہے:

1۔ اس دلیل سے تشہد کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے، لیکن کسی دوسرے کلام کی نفی وجوب اس میں کہاں ہے کیونکہ اس میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ اس قعدہ میں جتنا ذکر واجب ہے وہ سب یہی تشہد ہے۔ پس درود کا دوسری دلیل سے واجب ہونا احادیث تشہد کا (جن میں ذکر درود نہیں) معارض نہیں۔

2۔ تم سلام کو واجب جانتے ہو حالانکہ احادیث تشہد میں یہ نہیں بتلایا گیا۔ اگر تم کہو گے کہ اس کا واجب ہونا حدیث ((تحریمها التکبیر و تحلیلها التسلیم)) سے ثابت ہے تو ہم نے بھی درود کو دیگر دلائل سے واجب ٹھہرایا ہے۔ پس اگر تشہد کی تعلیم درود کے واجب ہونے کی مانع ہے تو وجوب سلام کے لئے بھی مانع ہے اور اگر اس کے لئے نہیں تو درود شریف کے لئے بھی نہیں۔

(الف): محمد بن ابراہیم تیمی کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

((کیف نصلی علیك اذا نحن جلسنا فی صلاتنا))

''جب ہم اپنی نماز کے اندر بیٹھ جائیں تو آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔''

(ب): درود جس کی تعلیم کا صحابہ نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا، وہ سلام کی نظیر ہے جو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو پہلے سکھلایا تھا، کیونکہ صحابہ کے سوال کے یہ الفاظ ہیں:

((هذا السلام علیك قد عرفناه فکیف الصلوٰة علیك))

''آپ پر سلام بھیجنے کو تو ہم جان گئے، مگر درود کی کیفیت کیا ہے۔''

یہ ظاہر ہے کہ سوال میں جس سلام کا ذکر ہے، وہ نماز میں ((السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته)) کا پڑھنا ہے۔ پس ضروری ہوا کہ درود بھی جس کا سوال میں سلام کے ساتھ ہی ذکر ہے، نماز میں ہی ہو۔

4۔ اگر یہ ہوسکتا ہے کہ احادیث تشہد سے درود کا واجب ہونا ثابت ہے۔ تب بھی وجوب کے دلائل ان سے مقدم ہیں، کیونکہ اس بارے میں جو کچھ تم نے بیان کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ احادیث تشہد کسی دوسرے کلام کے وجوب سے ساکت ہیں، لیکن ایسی دلیل اس دلیل کی معارض نہیں ہوتی جو وجوب کی ناطق ہو۔ چہ جائیکہ اسے مقدم بھی رکھا جائے (اس لئے درود کے واجب ہونے کی دلیل بھی مقدم ہے) بے شک ناقل منفی پر مقدم ہوتا ہے اور ان میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ دلائل تشہد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ وجوب غیر سے ساکت ہیں۔ مگر ایسی دلیل کیونکر اس دلیل سے مختلف ہوسکتی ہے جو وجوب کی ناطق ہو۔

5۔ تشہد کی تعلیم پہلے دی گئی ہے۔ شاید اس وقت ہی جب نماز فرض ہوئی تھی، لیکن درود کی تعلیم آیت ان الله و ملئكته يصلون على النبی کے نزول کے بعد ہے (اور یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح اور واقعہ تخییر ازواج کے بعد نازل ہوئی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ اگر دلائل تشہد سے کسی اور کلام کا واجب نہ ہونا بھی نکلتا تھا تب بھی وہ منسوخ ہوگیا، کیونکہ وجوب درود کے دلائل اس سے متاخر اور ناسخ ہیں۔ تشہد سے درود کے متاخر ہونے کی دلیل اس سوال میں ہے:

''ہم لوگ آپ پر سلام تو جان گئے مگر درود کی کیا کیفیت ہے۔؟''

کیونکہ سلام جس کا ذکر الفاظ بالا میں ہے وہ تشہد میں ہی ملا ہوا ہے اور تشہد کے سوا نماز میں تنہا مشروع نہیں۔ واللہ اعلم۔!

رہا پہلے گروہ کا قول کہ نماز میں درود کے فرض نہ ہونے کی دلیل روایت حضرت ابن مسعود ہے جس کے آخر میں یہ ہے:

''جب تو یہ (تشہد) کہہ چکا تو نماز پوری ہوگئی، کھڑا ہو جانا چاہے تو کھڑا ہو جا، بیٹھا رہنا چاہے تو بیٹھا رہ۔''

اس کا جواب چند وجوہات کی بناء پر ہے:

1۔ حدیث میں یہ آخری فقرے زیادہ ہیں اور نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ نہیں۔ چنانچہ آئمہ حفاظ نے اسے ظاہر کر دیا۔ دار قطنی نے کتاب العلل میں لکھا ہے:

''اس حدیث کا راوی (اپنی سند کے ساتھ) حسن بن حر ہے اور حسن سے محمد بن عجلان، حسین جعفی، زہیر بن معاویہ اور عبدالرحمان بن ثابت بن ثوبان روایت کرتے ہیں۔ ابن عجلان اور حسین جعفی تو متفق اللفظ ہیں۔ زہیر نے یہ آخری فقرے بڑھا دیئے ہیں اور زہیر کے بعض راویوں نے ان کو حدیث نبوی میں ملا دیا ہے حالانکہ شبابہ بن سوار جو زہیر سے ہی روایت کرتا ہے، اس نے ان فقرات کو کلام حضرت ابن مسعود بتلایا ہے۔ چنانچہ ابن ثوبان نے بھی حدیث نبوی اور کلام حضرت ابن مسعود میں فرق دکھلا دیا ہے اور یہی درست ہے۔''

کتاب السنن میں ہے کہ زہیر سے روایت کرنے میں کسی نے اس اضافے کو درج کر دیا، حالانکہ شبابہ راوی زہیر نے اسے جدا رکھا اور کلام حضرت ابن مسعود بتلایا ہے۔ یہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ ابن ثوبان نے بھی شبابہ

کی طرح روایت کی ہے اور حسین بن جعفی اور ابن عجلان نے تو بالکل اسے ذکر نہیں کیا جیسا کہ تشہد ابن مسعود کو روایت کرنے والے اور راویوں نے بھی اسے روایت نہیں کیا۔ شبابہ نے اس اضافے کو بیان بھی کیا تو فاصلہ دے کر۔ دار قطنی اس روایت کو اس روایت سے جس نے اس فقرہ کو کلام نبوی کہا صحیح تر کہتے ہیں۔ غسان بن ربیع وغیرہ نے بھی شبابہ کی پیروی کی ہے۔ ابوبکر خطیب نے بھی اسی کو صحیح کہا ہے۔ اس بیان پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ابھی تو تم نے حضرت ابن مسعود سے یہ روایت کی تھی کہ نماز میں درود پڑھنا واجب ہے اور ابھی تم نے ہمارے موافق ہو کر مان لیا کہ بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ تشہد پر نماز ختم ہو جاتی ہے۔ پس حدیث بالا کا آخری فقرہ دو حال سے خالی نہیں۔

1۔ یا تو یہ نبی کریم ﷺ کے الفاظ ہیں۔ تب تو درود کے واجب نہ ہونے پر نص ہیں۔
2۔ یا حضرت ابن مسعود کا قول ہے، تب اس روایت کو بالکل باطل کرتے ہیں جو درود کے واجب ہونے کی ان سے بیان کی جاتی ہے۔

یہ اعتراض بے شک قوی ہے کہ اور اس کے چند جوابات دیئے گئے ہیں:

پہلا جواب: قاضی ابو الطیب کا قول ہے کہ:

''نماز پوری کرلی۔'' کے معنی یہ ہیں کہ اختتام کے قریب پہنچ گیا۔ اس معنی کی دلیل جمہور کا اتفاق ہے کہ اس وقت تک نماز ختم نہیں ہوئی۔ مگر یہ جواب ضعیف ہے، کیونکہ اس سے آگے یہ الفاظ ہیں کہ: ''اگر تو کھڑا ہو جانا چاہے تو کھڑا ہو جا اور بیٹھا رہنا چاہے تو بیٹھا رہ۔'' اور جو لوگ درود کو نماز میں واجب بتلاتے ہیں وہ نمازی کی مرضی پر نہیں چھوڑتے۔

دوسرا جواب: ایک جواب یہ ہے کہ حدیث کی روایت تشہد کے بارے میں بالمعنی ہوئی ہے۔ ابتداء میں لوگ کہا کرتے تھے: السلام علی اللہ۔ پھر ان کو بتلایا گیا کہ اللہ تو خود سلام ہے، لیکن تم اس طرح کہا کرو۔ پھر ان کو تشہد سکھلایا گیا۔

پس اس قول کہ: ''جب تو نے یہ پڑھ لیا تو نماز پوری ہوگئی۔'' کے معنی یہ ہیں کہ نماز میں جو کچھ رکوع وسجود، قرأت و تسلیم اور دیگر احکام ضروری ہیں ان کے ملا لینے سے نماز پوری ہوگئی۔ دلیل یہ ہے کہ اس میں سلام پھیرنے کا ذکر نہیں۔ حالانکہ وہ فرض ہے۔ وجہ یہ کہ لوگ پہلے سے جانتے تھے۔ اس قول کی نظیر نبی کریم ﷺ کا ارشاد صدقہ کے بارے میں ہے:

''وہ اغنیاء سے لیا جاتا اور فقراء پر لوٹا دیا جاتا ہے۔''

فقراء سے مراد آٹھ قسمیں ہیں، جن کا نام قرآن مجید میں ہے۔ وہ حدیث بھی اس کی نظیر ہے۔ جس میں بری طرح نماز پڑھنے والے کا ذکر ہے اور جس کو تیسری دفعہ نبی کریم ﷺ نے سمجھایا تھا، مگر اس میں تشہد اور سلام کا ذکر نہیں، حالانکہ ان کے واجب ہونے پر اور احادیث موجود ہیں۔ پس اسی طرح درود کا واجب ہونا بھی دیگر احادیث سے سوا اس حدیث کے لیا گیا ہے۔ دیکھو جس طرح یہ جائز ہے کہ حدیث حضرت ابن مسعود سے تشہد کو واجب ٹھہرانا جائز ہے اور جو شخص صرف مقدار تشہد بیٹھ جانے کو یا آخر رکعت کا پچھلا سجدہ کر لینے کو نماز کا پورا کر لینا سمجھتا ہے اس کا رد حدیث سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو شخص درود کے واجب ہونے کا قائل ہے، اسے جائز ہے کہ دیگر احادیث سے حجت پکڑے اور جو قائل نہیں اس پر دلیل قائم

کرے، بلکہ یہ استدلال سے زیادہ قوی نہیں تو کچھ اس سے کم بھی نہیں، کیونکہ اگر ایسے فقہاء موجود ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ اس مسئلہ میں تنازعہ کیا ہے تو ایسے بھی موجود ہیں جنہوں نے وجوب تشہد میں تمہارے ساتھ بھی نزاع کیا ہے۔ اب دلیل کی قوت دیکھ لینی چاہیے۔

تیسرا جواب: ایک جواب یہ ہے کہ اس قول سے جو نہ مرفوع ہے نہ موقوف، ہم پر حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ یہ الفاظ:

''جب تو نے یہ کہا تو تیری نماز پوری ہوگئی۔''

یا تو صرف تشہد کے متعلق ہیں یا جملہ واجبات کے۔ اول تو محال اور باطل ہے اور دوسری صورت حق، لیکن یہ صورت واجبات نماز میں سے کسی واجب کی جس میں فقہاء کا اختلاف ہے نفی نہیں کرتی۔ وجوب درود کی خصوصیت سے نفی تو کیا کرنی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سلام نماز کے اتمام اور واجبات میں سے ہے، علیٰ ہذا تشہد میں بیٹھنا مگر اس کا بیان نہیں ہوا۔ علیٰ ہذا جس پر سہو واجب ہو اس کی نماز بھی صرف تشہد سے ہی پوری نہیں ہوتی۔

چوتھا جواب: ایک جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تشہد فرض نہیں، بلکہ مقدار ک تشہد بیٹھ رہنا ہی نماز کو پورا کر دیتا ہے اور یہ حدیث دال ہے کہ نماز تشہد کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ پس اگر تم اس سے یہ دلیل پکڑتے ہو کہ جب تشہد پر پورا ہونا نماز کا معلق کر دیا تو اس کے بعد درود کا واجب قرار دینا صحیح نہیں تو یہ دلیل عدم وجوب تشہد کے قول میں تم پر ہی قائم ہو جائے گی، کیونکہ وہاں بھی نماز کے پورا ہونے کو صرف نشست سے متعلق کر دیا ہے اور اس سے وجوب تشہد کا قول باطل ہو جائے گا، لیکن اگر حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ استدلال صحیح نہیں۔ تب وجوب درود کے دلائل میں معارضہ کا ہونا باطل ہو گیا اور عدم وجود درود کے متعلق بھی تمہارا قول غلط ٹھہرا۔ اگر تم یہ جواب دو گے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مستحب تمام ہو جاتے ہیں تو یہ قائل وجوب اور عدم وجوب دونوں کے نزدیک فاسد ہے، کیونکہ جو کوئی وجوب درود کا قائل نہیں، اتنا تو وہ بھی مانتا ہے کہ نماز کو درود کے ساتھ پورا کرنا مستحب ہے اور جو وجوب کا قائل ہے وہ تو صاف کہتا ہے کہ واجبات درود کے ساتھ ہی پورے ہوتے ہیں۔ پس دونوں صورتوں میں اس حدیث سے استدلال تمہارے لئے اصلاً ممکن نہیں۔

باقی رہا ابوداؤد و ترمذی کا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث کو روایت کرنا جس میں یہ ہے کہ جب سجدۂ آخری سے سر اٹھایا تو نماز پوری ہوگئی۔ اس کا جواب چند وجوہات کی بناء پر:

1۔ حدیث معلول ہے اور اس کی تعلیل چند وجوہ سے ہے۔
2۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھ دیا ہے کہ اس کی اسناد قوی نہیں، بلکہ اسناد میں اضطراب ہے۔
3۔ اس میں عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی کی روایت ہے جسے ایک سے زیادہ ائمہ نے ضعیف کہا ہے۔
4۔ اس حدیث کو بکر بن سوادہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، حالانکہ وہ حضرت عبداللہ سے نہیں ملا۔ پس یہ منقطع ہے۔
5۔ مضطرب الاسناد ہے:

6۔ مضطرب المتن ہے۔ کبھی تو یوں روایت کیا ہے:

((اذا رفع رأسه من السجدة فقد مضت صلوته))

یہ ابوداؤد کے لفظ ہیں اور کبھی یوں کہا:

((اذا احدث الرجل وقد جلس فی اخر صلوته قبل ان یسلم فقد جازت صلوته))

یہ ترمذی کے لفظ ہیں اور کبھی یوں کہا کہ:

((اذا قضی الامام الصلوٰة فقعد فاحدث هو أو واحد ممن اتیتم للصلوة معه قبل ان یسلم الامام فقد تمت صلوته))

یہ طحاوی کے لفظ ہیں اور اس کے معنی ہی اور ہیں۔ طحاوی کا قول ہے کہ یہ اور لفظوں کے ساتھ بھی روایت ہوئی ہے جو یہ ہیں:

((اذا رفع المصلی رأسه من اخر صلوته وقضی تشهده ثم احدث فقد تمت صلوته))

اوران سب کا مدار افریقی پر ہے، جس سے شک ہوتا ہے کہ یہ اس کے حافظہ کی خرابی ہے۔ واللہ اعلم۔

رہا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب کوئی مقدار تشہد بیٹھ جائے تو نماز پوری ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علی بن سعید نے اپنے مسائل میں کہا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اگر کوئی تشہد چھوڑ دے۔ فرمایا: نماز پھر لوٹا دے۔ میں نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے، فرمایا: یہ صحیح نہیں، بلکہ نبی کریم ﷺ سے حضرت علی وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اقوال کے خلاف مروی ہوا ہے۔

رہا تمہارا یہ قول کہ اعمش نے ابووائل سے اس نے عبداللہ سے قصہ تشہد بیان کیا ہے۔ کہا پھر جو جو دعا چاہے پڑھے۔ اس میں درود کا ذکر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غایت درجہ یہ روایت وجوب درود سے ساکت ہے، لیکن احادیث وجوب کے معارض کسی طرح نہیں۔

رہا تمہارا یہ قول کہ حدیث فضالہ بن عبید نفی وجوب پر دلالت کرتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو ہمارے لئے حجت ہے، کیونکہ اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے تشہد میں درود کا حکم دیا ہے۔ آپ کا حکم وجوب کے لئے ہے اور ایسا بھی ہے جیسے تشہد کے لئے۔ پس حکم دونوں پر شامل ہے اور دونوں میں تفریق کرنا محض تحکم ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ ہمارے نزدیک تشہد ہی واجب نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے لئے دونوں مسئلوں میں حجت ہے اور اتباع دلیل واجب ہے۔

رہا تمہارا یہ قول کہ نبی اکرم ﷺ نے اس نمازی کو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا اور اگر درود فرض ہوتا تو اعادہ کا حکم دیتے۔ جیسا کہ بری طرح نماز پڑھنے والے کو حکم دیا تھا۔ اس کا جواب چند وجوہات کی بناء پر یہ ہے:

1۔ وہ شخص وجوب کا عالم نہ تھا، بلکہ معتقد تھا کہ واجب نہیں، اس لئے نبی اکرم ﷺ نے اعادہ کا حکم تو نہ دیا مگر آئندہ کے لئے فرمادیا۔ آئندہ کے لئے نبی کریم ﷺ کا ارشاد وجوب کی دلیل ہے اور اعادہ کے لئے حکم نہ دینا ظاہر کرتا ہے کہ جو وجوب کا علم نہ رکھتا ہو اسے معذور سمجھا جائے، چنانچہ دیکھو کہ اس بری طرح نماز پڑھنے والے کو بھی نبی کریم ﷺ نے گزشتہ نمازوں کے اعادہ کا حکم نہیں دیا، بلکہ عذر جہالت کی وجہ سے صرف یہی بتلا دیا کہ ایسی نماز (جس میں تعدیل

ارکان موجود ہو) کے سوا اور نماز ٹھیک نہیں ہوتی۔ اگر کوئی پوچھے کہ جہالت اس کے لئے عذر تھا تو اسی نماز کے لئے اعادہ کا کیوں حکم فرمایا تو وجہ یہ ہے کہ وقت نماز باقی تھا اور وہ ارکان نماز جان چکا تھا۔ اس لئے اس نماز کا ادا کرنا اس کے لئے ضروری تھا۔

اب اگر کوئی کہے کہ تارک درود کو اعادہ کا کیوں حکم نہ فرمایا جیسا کہ بری طرح نماز پڑھنے والے کو فرمایا تھا تو ہم کہتے ہیں کہ درود پڑھنے کا حکم تو اس میں محکم و ظاہر ہے اور احتمال ہے کہ اس شخص نے یہ سن کر خود ہی بلا حکم کے نماز لوٹا لی ہو اور احتمال ہے کہ نماز نفل ہو اور اعادہ اس پر واجب نہ ہو۔ اس کے سوا اور احتمال بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر امر ظاہر و دلیل محکم کو اس مختلف مفہوم اور کئی احتمالات رکھنے والی صورت کی وجہ سے ترک نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم۔

غرض اس حدیث فضالہ میں مشترک دلائل ہیں اور فریقین کے لئے برابر ہے۔ عدم وجوب والوں پر کچھ زیادہ حجت نہیں اور رہی ترجیح دلالت میں وہ ہماری طرف ہے۔ پس ان دونوں صورتوں میں یہ احتجاج ساقط ہے۔

رہا تمہارا یہ قول کہ بری طرح پر نماز پڑھنے والے کو نبی کریم ﷺ نے درود نہیں بتلایا۔ اگر فرض ہوتا تو ضرور فرما دیتے۔ اس کا جواب چند وجوہات کی بناء پر یہ ہے۔

۱۔ یہ حدیث جسے متاخرین نے ہر ایک واجب کی نفی کرنے کے لئے مستند بنایا ہے۔ فوق قوت اس کا حمل کیا ہے اور جس کسی سے وجوب میں اختلاف تھا اس کی نفیء وجوب میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ کسی نے اس کی محبت پر وجوب فاتحہ کی نفی کی۔ کسی نے وجوب سلام کی۔ کسی نے وجوب درود کی۔ کسی نے رکوع و سجود کے اذکار کے وجوب کی۔ کسی نے ہر دو رکن میں اعتدال کی اور کسی نے تکبیرات انتقالات کے وجوب کی اور ان سب استدلال میں تساہل ہے۔ ورنہ حالت یہ ہے کہ ان میں سے کسی شے کے وجوب کی نفی سے سکوت ہے، مگر جن دلائل سے ان کا وجوب ثابت ہے، یہ سکوت ان کا مخالف نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک حکم دے کر دوسرے سے نبی کریم ﷺ کا سکوت بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ واجب نہیں، کیونکہ یہ سکوت مقام بیان میں ہے اور ظاہر ہے کہ ضرورت کے وقت تاخیر بیان ناجائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وجہ پر استدلال کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی کہہ دے کہ نہ تشہد واجب ہے، نہ اس کے لئے بیٹھنا، نہ سلام، نہ نیت، نہ قراءت فاتحہ اور نہ سب چیزیں جن کا حدیث میں ذکر نہیں، بلکہ نہ استقبال قبلہ واجب ہے اور نہ وقت پر نماز کیونکہ اس حدیث میں ان کا حکم نہیں پایا جاتا، لیکن ظاہر ہے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اگر یوں کہو گے کہ اچھا جہاں جہاں اس نے خرابی کی تھی وہاں تو بتلایا اور درود کے لئے نہ فرمایا تو جواب یہ ہے کہ تم اپنے سوال کو ہی جواب سمجھو اور حدیث کے ساتھ جس جس چیز کے وجوب کی نفی کرتے ہو، ان کے لئے بھی یہی کافی جواب سمجھ لو۔

۲۔ اجزائے نماز میں سے جس کے لئے حکم موجود ہے، اس کے وجوب کی دلیل تو ظاہر ہے اور جس امر کو بیان کیا گیا ہے، اس میں چند امور کا احتمال ہے:

(الف): وہ شخص ان میں خرابی نہ کرتا تھا اور بری طرح سے ان کو ادا نہ کرتا تھا۔

(ب): باقی امور بعد میں فرض ہوئے۔

(ج): معظم اور اہم ارکان تو بتلا دیئے اور باقی تعلیم کو اپنے نماز کے مشاہدہ پر سائل کے لئے یا بعض

صحابہ کی تعلیم کے حوالہ کر دیا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کسی صحابی کو اکثر حکم دیا کرتے تھے کہ ناواقف کو سکھلا دے اور جاہل کو سکھلانا اور بھٹکے ہوئے کو راہ پر ڈالنا تو ان کی ایک معمولی عادت ہوگئی تھی۔ اور اس بارے میں کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ کچھ تو نبی کریم ﷺ نے بتلا دیا ہو اور کچھ صحابہ نے اور جب یہ احتمالات موجود ہیں تو پھر یہ مشتبہ ومحتمل (مختلف مفہوم اور کئی احتمالات رکھنے والی صورتیں) نہ ہو تو وجوب درود کے دلائل کی مخالفت کا باعث بن سکتا ہے اور نہ دیگر واجبات نماز کی دلیلوں کا، چہ جائیکہ ان دلائل پر اسے تقدم بھی دیا جائے۔ اس لئے لازم ہے کہ صریح ومحکم کو مشتبہ ومجمل پر مقدم رکھا جائے۔ واللہ اعلم۔!

درود شریف کے وجوب کے دلائل:

رہا یہ قول کے فرائض دلیل صحیح سے جس کی مخالفت ویسی ہی کوئی دلیل نہ ہو، یا اجماع سے ثابت ہوا کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ کو ہمارے دلائل وجوب بھی سن لینے چاہئیں۔

دلیل اول: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((ان الله وملئكته يصلون على النبى يأيها الذين ء امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما))(سورة الأحزاب: ٥٦/٣٣)

وجہ دلالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کا امر فرمایا اور امر مطلق وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے اس درود مامور بہا کی کیفیت کا سوال کیا تو فرمایا، کہا کرو:

((اللهم صل على محمد وعلى محمد، كما صليت على ابراهيم و على ال ابراهيم انك حميد مجيد، اللهم بارك على محمد وعلى ال محمد كما باركت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد))

اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ سلام جو آپ نے صحابہ کو سکھلایا تھا، وہ نماز میں ہے، یعنی سلام تشہد۔ پس ہر دو امر، ہر دو تعلیم اور ہر دو محل کا مخرج ایک ہے۔ جو واضح کرتا ہے کہ تشہد کی تعلیم بطور امر ہے اور سلام کا ذکر اسی میں ہے۔ پھر صحابہ نے درود کا سوال کیا تو وہ بھی سکھلایا اور اسے تسلیم کے ساتھ مشابہ کیا۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ جس صلوٰۃ وتسلیم کا ذکر حدیث میں ہے یہ دونوں وہی ہیں جو نماز میں ہیں، بے شک یہ واضح کرتا ہے کہ اگر یہ صلوٰۃ وتسلیم نماز سے خارج ہوتے اور نماز کے اندر مراد نہ ہوتی۔ تب ضرور ہر ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے وقت **((السلام عليك ايها النبى و رحمته الله و بركاته))** کہا کرتا۔ حالانکہ یہ بخوبی معلوم ہے کہ سلام کرنے میں صحابہ کو اس کیفیت کی پابندی نہ تھی، بلکہ جو آتا **((السلام عليكم))** کہا کرتا یا کبھی **السلام على رسول الله** یا کبھی **السلام عليك يا رسول الله** عرض کیا کرتا اور سلام تحیت تو اول اسلام سے ہی آپ کو عرض کیا جاتا تھا۔ پس جو کچھ (بعد میں) سکھلایا گیا، وہ اس مقدار (تحیت) سے زائد ہے، جو بالتحقیق نماز کے اندر سلام کرنا ہے۔ اس مطلب کی توضیح حدیث ابواسحاق سے ہوتی ہے، جس

میں یہ الفاظ ہیں کہ ''ہم کس طرح درود پڑھیں جب ہم نماز میں آپ پر درود پڑھیں۔؟''
اس لفظ کی حفاظ کی ایک جماعت نے تصحیح کی ہے۔ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دار قطنی اور بیہقی ان میں سے ہیں۔یہ حدیث پہلے باب میں مع اس کی علت اور اس کے جواب کے بیان ہو چکی ہے۔غرض جب ثابت ہو چکا کہ جس درود کی کیفیت کا سوال کیا گیا ہے وہ نماز کے اندر کا درود ہے۔تو گویا قرآن مجید میں جس کا حکم دیا گیا ہے، یہ اسی کا بیان ہے تو اس سے درود کا وجوب ثابت ہو گیا۔اسی کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے امر کو شامل کر لینا چاہیے۔شاید یہی وجہ ہے جس کی طرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول میں اشارہ کیا ہے کہ میں اس سے رو کتا تھا، مگر وہ تو واجب ہے۔

اس استدلال پر چند سوال:

اول: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((والسلام كما علمتم))

''اور السلام ویسا ہی ہے جیسا کہ تم جانتے ہو۔''

اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں یا تو نماز میں نبی کریم ﷺ پر سلام کرنا ہے یا نماز سے فارغ ہونے کا سلام کرنا۔یہ قول ابن عبدالبر کا ہے۔

دوم: جو کچھ بیان ہوا ہے یہ دلالت کرتا ہے کہ سلام کے ساتھ درود بھی شامل ہے اور چونکہ سلام تشہد میں واجب ہے، اسی طرح درود بھی واجب ہے لیکن ظاہر ہے کہ منسلک ہونے کی یہ دلیل ضعیف ہوتی ہے۔

سوم: ہم سلام کے وجوب کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ درود کو اور یہ استدلال جب پورا ہوتا ہے، جب نبی اکرم ﷺ پر سلام کا وجوب مان لیا جائے۔

ان سوالات کے جوابات:

سوال اول کا جواب: یہ سوال بہت ہی فاسد ہے، کیونکہ الفاظ حدیث اس کو باطل کرتے ہیں۔حدیث حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ میں بخاری کے لفظ یہ ہیں:

((هذا السلام عليك يا رسول الله فقد عرفناه فكيف الصلوة عليك))

''اے اللہ کے رسول! یہ سلام ہے جو آپ پر کیا جاتا ہے اسے تو جان گئے مگر آپ پر درود کی کیا کیفیت ہے؟''

پھر یہ سمجھو کہ صحابہ نے صلوٰۃ وسلام کا جو سوال کیا تھا، وہ اس صلوٰۃ وسلام کی بابت تھا، جس کا حکم ہوا تھا نہ کہ نماز سے فارغ ہونے کا سلام۔

دوسرے سوال کا جواب: یہ سوال اس شخص کی طرف سے ہو سکتا ہے جو تقریر وجہ دلالت کو نہیں سمجھا، کیونکہ ہماری حجت دلالت اقتران کی صورت پر نہیں۔ ہمارا استدلال تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کا حکم ادا اور اب صحابہ نے اس کے سیکھنے کی درخواست کی، تب نبی اکرم ﷺ نے فرما دیا کہ یہ درود جس کا حکم ہوا ہے نماز میں ہے۔

تیسرے سوال کا جواب: یہ سوال نہایت ہی فاسد ہے، کیونکہ کسی مخالف کا یہ حق نہیں کہ اگر کتاب و سنت کے دلائل کو اپنے خلاف پائے تو اس سے منہ پھیر لے۔سو اب تمہارا اختلاف ایسے مسئلہ میں کیونکر چل سکتا ہے جس میں تمہاری جانب سے نزاع کرنے والے کے قول پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور وہ خلاف بھی ایسا جو ایک ایسی صحیح دلیل کو باطل

ٹھہراتا ہو جس کا دوسرے مسئلہ میں بھی کوئی معارض نہیں۔ یہ طریق اہل علم کے طریقہ کے خلاف نہیں۔ صحیح طریق تو یہ ہے کہ جو دلائل اپنے سے مخالف اقوال کو باطل ٹھہراتے ہیں اور جن کے سامنے ان کے خلاف کو چھوڑ دیا جاتا ہے، وہ بہر حال ان مخالف اقوال پر متقدم ہوتے ہیں، نہ یہ کہ اقوال علماء کے ساتھ دلائل کی مخالفت کی جائے اور مقتضائے دلائل کو باطل ٹھہرایا جائے اور اقوال کو ان دلائل پر تقدم دیا جائے۔ اس صورت میں حدیث دونوں مسئلوں میں حجت قائم کرتی ہے، کیونکہ اس میں وجوب تسلیم اور وجوب درود کی دلیل موجود ہے، اس لئے اس پر رجوع کرنا ضروری ہے۔

دلیل دوم: نبی اکرم ﷺ درود شریف کو نماز میں پڑھا کرتے تھے اور ہم کو حکم ہے کہ ہم نماز رسول اللہ ﷺ جیسی پڑھیں اور یہ حکم نماز کے ہر فعل کو واجب قرار دیتا ہے۔ بجز اس کے جسے دلیل نے خاص کر دیا ہو۔ یہ دو مقدمہ ہوئے۔ نماز میں رسول اللہ ﷺ درود پڑھا کرتے تھے، اس کی حدیث مسند شافعی میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز میں پڑھا کرتے تھے:

((اللھم صل علی محمد و علی ال محمد، کما صلیت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم و بارك علی محمد وال محمد کما بارکت علی ابراھیم و ال ابراھیم انك حمید مجید))

اس سند میں ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے، جسے ایک جماعت (شافعی، ابن اصبہانی، ابن عدی اور ابن عقدہ اس میں سے ہیں) نے ثقہ کہا ہے اور باقی نے ضعیف۔

رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھنے کی حدیث صحیح بخاری میں ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اپنے گھروں کو جاؤ، وہاں کے لوگوں کو سکھلاؤ اور بتلاؤ اور ایسی نماز پڑھو جیسی مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔ جب وقت نماز ہو ایک اذان دے اور جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔''

دلیل سوم: فضالہ بن عبید کی حدیث ہے:

((ان النبی ﷺ قال له ولغیره اذا صلی احدکم فلیبدا بتحمید الله و الثناء علیه والصلوة ثم لیصل علی النبی صلی الله علیه وسلم ثم لیدع بما شاء))

''بے شک نبی کریم ﷺ نے اسے یا اس کے علاوہ کسی سے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اللہ کی حمد کے ساتھ شروع کرے اور اس کی ثناء کرے اور پھر درود و سلام پڑھے نبی ﷺ پر، پھر جو چاہے دعا مانگے۔''

اس کو امام احمد اور اہل سنن نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اس پر چند وجوہات کی بناء پر اعتراضات ہیں۔

اعتراض 1: نبی اکرم ﷺ نے اس نمازی کو اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ اس کا جواب لکھا گیا۔

اعتراض 2: یہ تو نماز ختم ہونے کے بعد کی دعا ہے، نہ نماز کے اندر کیونکہ ترمذی نے رشدین کی روایت سے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی آیا اور نماز پڑھی۔ پھر کہا:

((اللھم اغفرلی و ارحمنی))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے نماز پڑھنے والے! جب تو نے نماز پڑھی اور تو بیٹھا پس اللہ کی حمد اس کے لئے

مخصوص کر۔ مجھ پر درود پڑھ۔ پھر دعا مانگ۔ اس کا جواب چند وجوہات کی بناء پر یہ ہے:

(الف): رشدین کو ابو زرعہ وغیرہ نے ضعیف بتلایا ہے۔ جب وہ روایت میں تنہا ہو تو حجت نہیں، خصوصاً جب کہ ثقہ و ثابت راویوں کے خلاف کرے، کیونکہ سب نے یوں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو سنا جو اپنی نماز میں دعا مانگتا تھا۔

(ب): رشدین نے یہ نہیں کہا کہ اس نمازی نے نماز پورا ہو جانے پر دعا مانگی تھی اور کوئی لفظ بھی اس پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ ((فصلی)) اور ((اللهم اغفرلی)) جو الفاظ موجود ہیں یہ فراغت پر دلالت نہیں کرتے اور حدیث ہمارے مدعا کی دلیل ہے، کیونکہ اس میں ((اذا صلی احدکم فلیبدا بتحمید الله)) موجود ہے اور ظاہر ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کی حالت کو ان لفاظ سے نہیں بیان کرتے۔ خصوصاً جب کہ یہ بھی معلوم ہو کہ نبی اکرم ﷺ کی عام دعائیں نماز کے اندر ہوتی تھیں، نہ کہ یہ بھی معلوم ہو کہ نبی اکرم ﷺ کی عام دعائیں نماز کے اندر ہوتی تھیں، نہ بعد۔ جیسا کہ حضرت بوہریرہ، علی، ابوموسیٰ، عائشہ، ابن عباس، حذیفہ اور عمار وغیرہ رضی اللہ عنہم کی حدیثوں سے ثابت ہے اور ان میں سے کسی نے یہ روایت صحیح حدیث میں نہیں کی کہ نبی کریم ﷺ نماز سے باہر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جب سوال کیا کہ مجھے نماز کے اندر دعا پڑھنے کے لئے سکھلائیں تو یہ نہیں فرمایا کہ نماز سے باہر اسے پڑھا کرو اور نہ اس دعا مانگنے والے کو ہی فرمایا کہ سلام نماز کے بعد پڑھا کر۔ بے شک جب نمازی پروردگار سے مناجات کر رہا ہے اور اسی کی جانب متوجہ ہے تو اس وقت اس کا اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا زیادہ موزوں ہے۔ بجائے اس کے کہ نماز سے نکل کر اور مناجات سے فارغ ہو کر وہ دعا مانگے۔

3: ((فاحمد الله بما هو اهله)) سے مراد نبوی تشہد ہے، اسی لئے فرمایا ہے: ((اذا صلیت فقعدت)) مطلب یہ کہ جب نماز پڑھ کر تشہد میں بیٹھے اس وقت کے لئے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی کریم ﷺ پر درود ہونا چاہیے۔

اعتراض سوم: یہ حکم کہ اللہ کی حمد کے بعد درود و دعا ہونی چاہیے، غیر معین ہے۔ پھر تشہد کے بعد تم کیوں کر کہتے ہو؟

جواب: یہ ہے کہ نماز میں اور کوئی موضع مشروع نہیں، جس میں ثناء، درود و دعا ہو، بجز آخری تشہد کے کیونکر بالاتفاق ثابت ہے کہ یہ قیام و رکوع و سجود میں مشروع نہیں۔ اس لئے معلوم ہو گیا کہ نماز کے آخر میں تشہد کی نشست میں ہی مراد ہے۔

اعتراض چہارم: اس میں دعا کا درود کے بعد حکم ہے اور دعا واجب نہیں تو ایسا ہی درود بھی ہونا چاہیے۔

جواب: 1: یہ محال نہیں ہے کہ دو چیزوں کا حکم ہو اور ان میں سے ایک کے عدم وجوب پر دلیل قائم ہو جائے۔ تو دوسرا وجوب اصلیت پر باقی رہے۔

2: دعا سے پہلے جو حمد و ثناء کا ذکر ہے یعنی تشہد وہ تو واجب ہے جس کا حکم نبی اکرم ﷺ نے دیا اور صحابہ نے ظاہر کر دیا کہ وہ (تشہد) فرض ہے۔ پس جس طرح دعا کا تشہد کے حکم کے ساتھ مذکور ہونا تشہد کے وجوب کو ساقط نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی درود کا مذکور ہونا وجوب کو ساقط نہیں کرتا۔

3: یہ قول کہ دعا واجب نہیں یہ بھی باطل ہے، کیونکہ دعا کی ایک قسم واجب بھی ہے، مثلاً: دعا، توبہ اور دعا استغفار ذنوب

اور دعا ہدایت وعفو اور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ غضب ترک واجب پر ہوتا ہے یا فعل حرام پر۔

اعتراض پنجم: اگر درود فرض ہوتا تو اس شخص کے نماز پڑھنے کے وقت جس نے درود نہ پڑھا تھا، اظہار وجوب میں تاخیر نہ ہوتی بلکہ اس کے وجوب کا علم اس حدیث سے کہیں پہلے حاصل ہوتا۔

جواب: یہ ہم نے کہا ہی نہیں کہ درود اسی حدیث سے امت پر فرض ہوا ہے، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس نمازی نے درود چھوڑ دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پڑھنے کا حکم دیا، جیسا کہ پہلے سے شرع میں مستقر و معلوم تھا اور اس کی مثال بری طرح پر نماز پڑھنے والے کی سی ہے، کیونکہ رکوع و سجود کا وجوب اور ان میں طمانیت امت کو کچھ اسی حدیث سے ہی معلوم نہیں ہوئی۔ پس نبی اکرم ﷺ کے بیان کی تاخیر اس اعرابی کے لئے یہی معنی رکھتی ہے کہ آپ نے اسے وہی حکم دیا جو اس سے پہلے امت کے لئے مشروع فرما چکے تھے۔

اعتراض ششم: ابوداؤد و ترمذی نے اس حدیث فضالہ میں یہ الفاظ روایت کئے ہیں:

((فقال له أو لغيره))

''اسے فرمایا یا کسی اور کو۔''

دیکھو اگر یہ حکم ہر ایک مکلف پر واجب ہوتا تو اس جگہ صرف او رنہ ہوتا، مگر یہ اعتراض فاسد ہے، جس کی چند وجوہ ہیں:

(۱) روایت صحیح وہ ہے جسے ابن خزیمہ اور ابن حبان رحمتہ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے:

((فقال له أو لغيره))

''اسے اور دوسروں کو فرمایا۔''

امام احمد، دار قطنی اور بیہقی رحمتہ اللہ علیہم وغیرہ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

(۲) اس جگہ حرف او تخییر کے لئے نہیں، بلکہ تقسیم کے لئے ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو کوئی نمازی نماز پڑھے اسے بھی پڑھنا چاہیے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((ولا تطع منهم اثما أو كفورا))

''اور کہا نہ مانو اس کا جو ان میں سے گنہگار یا ناشکرا ہے۔'' (سورۃ الدھر: ۷۶/۲۴)

یہ مطلب نہیں کہ آثم (گنہگار) کو چھوڑ کر کفور (ناشکرے) کا کہنا مان لیں یا اس کے برعکس، بلکہ مطلب یہ ہے خواہ آثم ہو یا کفور دونوں میں سے کوئی ہو، اس کا کہنا نہ ماننا چاہیے۔

(۳) حدیث صحیح عمومیت کے لئے ہے جب کہ یہ الفاظ موجود ہیں:

((اذا صلى احدكم فليبدأ بتحميد الله))

(۴) نسائی اور ابن خزیمہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((ثم علمهم رسول الله ﷺ))

''پھر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے سکھلایا۔''

ظاہر ہے کہ یہ عام ہے۔

دلیل چھارم: اس دلیل میں تین احادیث بیان ہوں گی، ہر ایک حدیث ایسی ہے کہ اگر منفرد ہو تو اس سے محبت قائم نہیں ہوتی۔ ہاں اجتماع کے وقت ایک دوسری کی تقویت کرتی ہیں۔

(۱) دار قطنی نے عمر بن شمر کی روایت سے جابر جعفی سے، انہوں نے ابن بریدہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یا بریدة اذا صلیت فی صلاتك فلا تتر کن التشهد و الصلوة علی فانها زکوة الصلوة وسلم علی جمیع انبیاء الله ورسله وسلم علی عباد الله الصالحین))

''اے بریدہ! جب تو نماز پڑھے تو تشہد اور درود کو مت چھوڑنا، کیونکہ یہ بھی نماز کو پاک کرنے والے ہیں اور سلام بھیج تمام اللہ کے انبیاء ورسول پر، نیز اللہ کے تمام صالح بندوں پر سلام بھیج۔''

(۲) دار قطنی نے عمرو بن شمر کے طریق سے اور اس نے جابر سے روایت کی کہ شعبی نے کہا کہ میں نے مسروق بن اجدع کو کہتے سنا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((لا یقبل الله صلوة الا بطهور و بالصلوة علی))

''اللہ تعالیٰ کسی نماز کو بغیر وضو اور درود کے قبول نہیں فرماتا۔''

عمرو بن شمر اور جابر دونوں ہی ایسے ہیں کہ ان کی حدیث قابل حجت نہیں ہوتی اور جابر عمرو سے صحیح ہے۔

(۳) دار قطنی نے عبدالمھیمن بن عباس بن سہل بن سعد سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا صلوة لمن لم یصل علی نبیه))

''جو اپنے نبی پر درود نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

طبرانی نے اسی کو ابی بن عباس (عبدالمھیمن کے بھائی) سے روایت کیا ہے کہ عبدالمھیمن قابل حجت نہیں اور ابی بن عباس اس کا بھائی گو ثقہ ہے اور بخاری نے اس کی حجت پکڑی ہے، لیکن یہ حدیث عبدالمھیمن کی روایت سے ہی مشہورہ معروف ہے اور طبرانی نے دونوں طریق سے روایت کیا ہے، مگر ثابت نہیں۔

دلیل پنجم: حضرت ابن مسعود بن عمر ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہم سے وجوب درود ثابت ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور کسی ایک صحابی کا قول بھی محفوظ نہیں کہ درود واجب نہیں اور صحابی کا قول جب اس کا کوئی مخالف نہ ہو حجت ہوتا ہے۔ خصوصاً اہل مدینہ (مالکیہ) اور اہل عراق (حنفیہ) کے اصول پر۔

دلیل ششم: عہد نبوی سے لے کر آج تک لوگوں کا عمل ہے۔ بے شک اگر درود واجب نہ ہوتا تو ہر ایک زمانہ میں اور تمام شہروں میں درود کے بعد از تشہد ہونے اور تشہد آخر کو درود سے خالی نہ رکھنے پر اتفاق نہ ہوتا۔ مقاتل بن حیان نے اپنی تفسیر میں ((الذین یقیمون الصلوة)) کے تحت میں لکھا ہے کہ اقامت نماز سے مراد نماز کی محافظت اور اوقات کی نگہداشت اور قیام ورکوع وسجود اور تشہد و درود کا آخری تشہد میں ہونا ہے۔ پس جب درود بھی اقامت کے اندر داخل ہے جس کا قرآن مجید حکم دے رہا ہے تو وہ بھی واجب ٹھہرا۔ اس گروہ نے قیاسات سے بھی تمسک کیا ہے مگر ان کے ذکر کی حاجت نہیں۔ پھر یہ گروہ کہتا ہے کہ ہمارے ساتھ جو نزاع کر رہے ہیں، انہوں نے دلائل وبراہین

کے بغیر ہی بعض اشیاء کو نماز میں واجب ٹھہرادیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھو کہ وتر کو واجب کہتے ہیں، لیکن مقابلہ تو کرو، اس کے ادلہ وجوب اور درود ادلہ وجوب کا۔ وہ نماز میں قہقہہ سے ہنسنے والے پر وضو واجب بتلاتے ہیں، مگر اس مسئلہ کے دلائل کے سامنے وہ دلائل کہاں ہیں؟ علیٰ ہذا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نماز میں بہت باتوں کی نسبت فرض اور مستحب کے درمیان ہونے کے قائل ہیں۔ جو فرض نہیں اور فضیلت مستحب سے بالاتر ہیں۔ اس کا نام مالکیہ سبب رکھتے ہیں، مثلاً: قرأت فاتحہ اور تکبیرات انتقال اور جلسہ اولیٰ اور جہرو مخافت قرأت اور ان کے ترک پر سجدہ کو واجب کرتے ہیں۔ پس درود کا واجب ہونا اگر ان بہت سے مسائل کے واجب ہونے سے زیادہ قوی نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں۔

غرض اس مسئلہ میں ہر دو فریق کے پاس دلائل ہیں اور مقصود اس سے یہ ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ پر طعن و تشنیع باطل ہے، چونکہ جس مسئلہ میں اس قدر ادلہ وآثار موجود ہوں تو اس کے قائل کی تشنیع کوئی کیوں کر کرسکتا ہے۔



درود پڑھنے کے مقام، مواقع اور ان کے متعلق مسائل

جن مقامات پر درود وسلام پڑھنا چاہئے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام اُن خاص اوقات، خاص مقامات اور خاص حالات میں بھیجنا چاہئے جن کا ذکر ہم درج ذیل میں کر رہے ہیں۔ ان مواقع پر نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام پڑھنے کی تاکید ہے۔

1۔ خوشی اور تعجب کے وقت۔
2۔ وضو کے وقت۔
3۔ تیمّم اور غسل کے بعد۔
4۔ اذان سے پہلے اور بعد میں۔
5۔ اقامت کے وقت۔
6۔ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت۔
7۔ مسجد کے پاس سے گزرتے وقت۔
8۔ نماز میں ذکر رسول ﷺ اور آیت صلوۃ کی تلاوت کے وقت۔
9۔ نماز وتر میں۔
10۔ پہلے اور آخری تشہد میں۔
11۔ نمازوں کے بعد۔
12۔ نماز تہجد کے وقت۔
13۔ خطبہ میں درود وسلام۔
14۔ تکبیرات عیدین کے درمیان۔
15۔ دعا کے وقت۔
16۔ ختم قرآن مجید کے وقت۔
17۔ حدیث پڑھتے وقت۔
18۔ رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی لکھتے وقت۔
19۔ فتویٰ لکھتے وقت۔
20۔ بامقصد کام کی ابتدا کے وقت۔
21۔ اللہ کے ذکر کی مجلس میں۔
22۔ اختتام جلسہ پر۔
23۔ آپس میں ملاقات کے وقت۔
24۔ خرید وفروخت کے وقت۔
25۔ زراعت کے وقت۔
26۔ چھینک کے وقت۔
27۔ جب کان بجنے لگیں۔
28۔ جب پاؤں سو جائے۔

29۔جب کسی بھولی ہوئی شئے کو یاد کرنا چاہے۔
30۔گھر میں داخل ہوتے وقت۔
31۔سوتے وقت۔
32۔نیند نہ آنے کے وقت۔
33۔نیند سے بیدار ہوتے وقت۔
34۔بازار اور دعوت کی طرف جاتے وقت۔
35۔غریبی کے وقت جب صدقہ نہ دے سکتا ہو۔
36۔وصیت لکھواتے وقت۔
37۔سواری پر سوار ہوتے وقت اور ارادہ سفر کے وقت۔
38۔حج کی ادائیگی کے وقت۔
39۔تلبیہ کے وقت۔
40۔استلام حجر اسود کے وقت۔
41۔مدینہ منورہ پہنچنے کے وقت۔
42۔روضہ رسول ﷺ کی زیارت کے وقت۔
43۔مقام بدر کی زیارت کے وقت۔
44۔رنج والم کے موقع پر۔
45۔طاعون کے پھوٹنے کے وقت۔
46۔تہمت کے وقت۔
47۔خط لکھتے وقت۔
48۔گناہ سرزد ہونے کے فوراً بعد۔
49۔جمعہ کے دن۔
50۔پیر اور جمعرات کے دن۔
51۔منگل کی رات کے وقت۔
52۔صبح وشام درود وسلام پڑھنا۔
53۔ماہِ شعبان اور درود وسلام۔
54۔شب برأت اور درود وسلام۔
55۔اجتماع کے وقت۔
56۔نماز جنازہ میں۔
57۔میت کو قبر میں اتارتے وقت۔
58۔مصیبت کے وقت / طلب مغفرت کے وقت۔
59۔تبلیغ وتدریس کے وقت۔
60۔تنگی وحاجت کے وقت۔
61۔ضرورت کے وقت۔

خوشی اور تعجب کے وقت درود وسلام پڑھنا:

ایک مقام یہ ہے کہ جب کوئی چیز پیاری لگے اور تعجب ہو تو درود وسلام پڑھے۔ بعض لوگوں نے یہ مسئلہ امام شافعی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے نکالا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ہر حال میں درود وسلام کی کثرت کرنا واجب ہے۔''

علامہ قطب الدین الخیضری نے اللواء میں لکھا ہے:

''جس شخص کو کسی شے سے تعجب لاحق ہو اس کے لئے مستحب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجے۔ یہ بات ہمارے شیخ علاؤالدین الصیرنی نے ذکر فرمائی ہے اور فرمایا کہ میں نے یہ مسئلہ امام شافعی علیہ الرحمہ کی اس عبارت سے لیا ہے: ''میں چاہتا ہوں کہ حضور علیہ السلام پر ہر حال میں بکثرت درود وسلام بھیجا جائے۔''

لہٰذا اس عموم میں حالت تعجب بھی داخل ہے اور امام سحنون سے تعجب کے وقت درود وسلام پڑھنے کی کراہت نقل کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سرکار دو عالم ﷺ پر درود وسلام صرف اجر وثواب کی نیت سے پڑھا جائے۔ سحنون کے ساتھ اس مسئلہ میں ہمارے شیخ نے مباحثہ کیا اور کہا کہ تعجب کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر مستحب ہے اور امام بخاری نے تو اس پر باب باندھا

ہے:

((باب التکبیر و التسبیح عند التعجب))

''باب اس بیان میں کہ تعجب کے وقت تکبیر اور تسبیح پڑھی جائے۔''

اس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام سے عرض کیا:

''حضور آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔؟''

فرمایا:

''نہیں۔''

میں نے کہا:

''اللہ اکبر۔''

اسی طرح امام بخاری سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے آئیں، جب آپ (مسجد میں اعتکاف بیٹھے تھے) جب رخصت ہونے کے لئے اٹھیں تو نبی کریم علیہ السلام بھی ان کے ہمراہ کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ جب مسجد کے دروازہ پر پہنچیں تو دو انصاری ان کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا اور جلد جلد چلنے لگے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ٹھہر جاؤ! یہ صفیہ بنت حی یعنی میری بیوی ہے۔''

وہ بولے:

''سبحان اللہ! یا رسول اللہ!''

اور یہ بات ان پر بہت ناگوار گزری۔

ہمارے شیخ کے طرز عمل اور امام شافعی کے قول کے مطابق درود شریف کا ہر وقت اور ہر حال میں پڑھنا خصوصاً اس وقت جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے قطعاً جائز ہونا چاہیے۔

الدار المنضود میں ہے:

''کتاب الشفاء کے بعض شارحین نے امام سحنون کے تعجب کے وقت درود و سلام پڑھنے کو مکروہ بتانے اور بصورت وظیفہ و ثواب پڑھنے کی تلقین کرنے پر تبصرہ کیا ہے کہ میرے نزدیک جس چیز سے تعجب لاحق ہوا ہے اس کے شر سے بچنے کے لئے درود و سلام پڑھنا اسی طرح بہتر ہے جیسے نظر بد سے بچنے کے لئے اعوذ باللہ پڑھا جاتا ہے۔''

بعض علماء نے کہا ہے:

''درود و سلام پڑھتے وقت اگر نیت دعا کی ہو تو وہ عین عبادت ہے لیکن اگر عادتاً ہو جیسے سودا بیچتے وقت تاجر پڑھتے ہیں تو اس پر کوئی ثواب نہیں ملتا، کیونکہ وہ اپنے مال کی عمدگی پر تعجب کرتے ہوئے پڑھتے ہیں تاکہ اس طرح سودا بکے۔''

الحلیمی نے کہا:

''جب کسی شے پر تعجب کرے اور نبی کریم علیہ السلام پر درود و سلام پڑھے جیسے پڑھتے ہیں: سبحن اللہ لا الہ الا اللہ تو اس میں کوئی کراہت نہیں، لیکن اگر قابل نفرت بات پر ہنسی مخول کی بات پر درود و سلام پڑھتا ہے تو ایسے شخص کے متعلق اندیشہ کفر ہے۔''

عارف باللہ الشیخ محمد الخلیلی الشافعی المدفون بیت المقدس رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ یہ جو عوام اپنے محاورات میں کہتے ہیں: صلوا علی النبی (نبی پر درود بھیجو) اسی طرح نانبائی جب کسی کو آٹے کی روٹی پکا کر دیتا ہے تو کہتا ہے: صل علی النبی (نبی پر درود بھیج!) جس سے آٹے والا سمجھ جاتا ہے کہ میرا آٹا ختم ہو گیا ہے۔ اسی طرح جب بیچنے کے لئے سودا پیش کیا جائے اور یونہی جب کوئی حمام سے نہا کر نکلتا ہے تو حمام کا مالک کہتا ہے: صلوا علی النبی ۔ یونہی شعراء اپنے اشعار کی ابتداء، درمیان اور آخر میں کہتے ہیں: صلوا علی النبی۔ اسی طرح جب کسی کو غصہ آ جائے تو اس کا ساتھی اس سے کہتا ہے: صلی علی النبی۔ یونہی جب کسی خوبصورت آدمی، اونٹ، گھوڑے یا دوسرے حیوانات کو دیکھ کر متعجب ہوتا ہے تو کہتا ہے: صلوا علی النبی ۔ بلکہ لوگوں کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ درود شریف نظر بد سے محفوظ رکھتا ہے۔ یونہی سائل نے یہ بھی پوچھا کہ گندے غلیظ مقامات پر درود و سلام پڑھنا اور مذکورہ بالا اعمال کرنا جائز ہیں۔؟''

آپ نے جواب دیا:

''اللہ توفیق دے! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ نبی کریم علیہ السلام پر درود و سلام پڑھنے کے وجوب و استحباب پر کتاب و سنت کی رو سے تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جو شخص سرکار دو عالم علیہ السلام پر درود و سلام پڑھتا ہے جب کہ اس کی نیت تعظیم، برکت حاصل کرنا یا کسی کا غصہ اتارنا، منافق و کافر کو جلانا، یا کسی کو نظر بد کی تکلیف سے بچانا وغیرہ ہو، یہ سب مستحب ہے۔ ہم کو معلوم نہیں کہ کسی نے اس میں اختلاف کیا ہو۔ رہا کسی شے پر تعجب کے وقت مثلاً: گھوڑا، اونٹ یا ساز و سامان، تو یہاں بھی عمل کرنے میں کوئی نقصان نہیں جیسے ہمارے آئمہ میں سے الحلیمی نے ذکر کیا، بلکہ اگر اس کو سبحان اللہ پر جو مقامات تعجب ہیں احادیث میں بکثرت آیا ہے، قیاس کرتے ہوئے مستحب کہہ لیا جائے تو بھی بجا ہے جیسا کہ امام نووی نے کتاب الاذکار میں بیان کیا۔ یونہی لا الہ الا اللہ وغیرہ کبھی کبھی تعجب کے لئے بولا جاتا ہے اور تعجب کے وقت درود و سلام کے مستحب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کتاب و سنت میں اشیاء کی حقیقت بتائی ہے۔ مثلاً: فرمان باری تعالیٰ ہے:

((افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت))

''اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے؟'' (سورۃ الغاشیۃ)

سو جب انسان کسی شے پر تعجب کرتے ہوئے یہ کلمات بولتا ہے تو گویا وہ یہ کہتا ہے:

((صلی اللہ علی الذی عرفنا حقائق ھذہ الاشیاء))

''اللہ رحمتیں نازل فرمائے اس ذات اقدس ﷺ پر جس نے ہم کو ان اشیاء کی حقیقتیں بتائیں۔''

الحلیمی نے کہا:

''کسی قابل نفرت اور ہنسی کی بات پر نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام بھیجنے والے پر مجھے کفر کا ڈر ہے۔اگر سمجھتا ہے اور پھر بھی اجتناب نہیں کرتا تو کافر ہے۔''

قونوی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ہمارے بعض متاخرین آئمہ نے فرمایا کہ کفر قرار دینے کے لئے ایک اور قید کا اضافہ ضروری ہے کہ اس شخص کے کلام میں کوئی واضح اشارہ ہونا چاہئے جس سے معلوم ہو کہ وہ اس سے نفرت و مذاق والا مفہوم مراد لے رہا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اہل اسلام میں سے کوئی ایسا شخص جو حضور کی قدر و منزلت سے آگاہ ہو اس نیت سے یہ الفاظ زبان پر لا سکے لیکن احناف میں سے علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے اس کو قطعی حرام قرار دیا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کسی حرام کام کے ارتکاب کے وقت یا سودا پیش کرتے وقت یا کھولتے وقت سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہنا۔ کسی حرام کام پر مثلاً: زنا' چوری۔ تو ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ رہا سودا پیش کرتے یا کھولتے وقت تو ان کلمات کے کہنے میں یہاں کوئی مانع نہیں کیونکہ تمہیں معلوم ہے یا تو یہ کلمات (سبحان اللہ' اللہ اکبر) تعجب سے کہتا ہے' سو اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ برکت حاصل کرنے کے لئے کہتا ہے، پھر بھی یہی حکم ہے اور یہی صورت نانبائی' حمام والے اور شاعر اپنے کلام کے شروع اور آخر میں درود وسلام کا استعمال کرتے ہیں' اسی طرح جب کوئی اپنے ساتھی سے کہتا ہے: صلی علی محمد اور ایسا ہی جو محاورات میں آتا ہے (یہ سب جائز ہے) اسی طرح نظر بد سے بچاؤ اور جب کسی کو غصہ آجائے کیونکہ یہ سب ایسے مقامات ہیں جہاں نیک مقاصد کے لئے درود وسلام پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً تبرک' نظر بد کے ضرر سے محفوظ ہونا' غصہ اتارنا' صلح حاصل کرنا' نرم دلی' مخاطب سے رحم طلب کرنا' ان تمام مقامات پر درود وسلام پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں البتہ ایسے مواقع سے بچنا چاہئے جو ناپاک ہوں کیونکہ درود شریف قرآن مجید کی طرح ہے۔ امام نووی نے فرمایا: غصے کے وقت کسی کو درود وسلام کا حکم نہ دیا جائے کیونکہ ڈر ہے اس موقع پر کوئی کفری بات نہ بک دے۔ یہ بھی مناسب ہے کہ یہاں جاہل اور احمق آدمی کی قید لگا دی جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و مقام سے نابلد ہے۔ رہا عارف و کامل' سو وہ غصے کی حالت میں بھی درود شریف پڑھے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ درود شریف اس کے غصہ کو ٹھنڈا کرے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔!''

تیمم اور غسل کے بعد درود:

ان میں سے ایک یہ کہ تیمم' غسل جنابت وحیض کے بعد درود وسلام پڑھے' جیسا کہ اس کی طرف امام نووی نے کتاب الاذکار میں اشارہ فرمایا ہے۔

وضو کے وقت درود وسلام:

ان مقامات میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وضو کرتے اور اس سے فارغ ہوتے وقت بھی درود وسلام بھیجے' کیونکہ ابن ابی عاصم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص مجھ پر درود نہ بھیجے اس کا وضو نہیں ہوتا۔

ابو الشیخ نے اپنی کتاب میں سند کے ساتھ ابو وائل سے حضرت عبد اللہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی وضو سے فارغ ہو تو

((اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله))

پڑھے۔ پھر اس کے بعد مجھ پر درود۔ جب ایسا کیا تو اس کے لئے دروازہ ہائے رحمت کھولے جاتے ہیں۔
یہ حدیث مشہور ہے اور اس کے طرق حضرت عمر بن خطاب، عقبہ بن عامر، ثوبان اور انس رضی اللہ عنہم سے ہیں، لیکن ان میں سے کسی میں درود کا ذکر نہیں ہاں صرف اسی روایت میں ہے۔ ابن ابی عاصم نے اپنی کتاب میں مرفوعا بیان کیا ہے:

''جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں پڑھتا اس کا وضو صحیح نہیں۔''

اس روایت میں عبدالمہیمن جو راوی ہے، اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی ہے۔

اذان سے پہلے اور بعد میں درود وسلام پڑھنا:

ان میں سے ایک ہے یہ کہ ہر اذان سے پہلے اور بعد میں موذن اور سننے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''جب موذن کی آواز سنو تو تم بھی اسی کی طرح کہو! اور میرے اوپر درود بھیجو! کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ مانگو! بیشک وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے اور وہ صرف اللہ کے کسی خاص بندے کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ (خاص بندہ) میں ہی ہوں۔ پس جو کوئی میرے لیے اللہ سے وسیلہ مانگے اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہوگئی۔''

اس کو مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ اس سلسلہ میں اور بھی حدیثیں ہیں۔
اذان کے بعد موذنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنا شروع کر دیا ہے، ہاں! صبح اور جمعہ کی اذان سے پہلے پڑھتے ہیں اور مغرب کی اذان میں وقت کی تنگی کی بناء پر عام طور پر نہیں پڑھتے اور اس کی ابتداء سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب کے دور حکومت میں اس کے حکم پر ہوئی تھی۔ رہی اس سے پہلے کہ بات تو وہ یہ ہے کہ جب حاکم بن عبدالعزیز کو قتل کیا گیا تو اس کی بہن نے حکم دیا کہ اس (حاکم بن عبدالعزیز) کے بیٹے الظاہر پر سلام بھیجا جائے تو اس پر ان الفاظ کے ساتھ سلام کہا جانے لگا:

((السلام على الامام الظاهر))

پھر اس کے بعد آنے والے خلفاء میں سلام کی رسم چل نکلی، یہاں تک کہ سلطان صلاح الدین مذکور نے اسے ختم کیا اور اس کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کا طریقہ جاری کیا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا کرے۔
پھر میں نے بعض تواریخ میں دیکھا کہ اوائل شعبان 791 ہجری میں قاہرہ ومصر کے موذنوں کو یہ حکم دیا گیا کہ ہر اذان کے بعد الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ چند مرتبہ پڑھا کریں کیونکہ ایک عقیدت مند فقیر نے جمعرات کو عشاء کی اذان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کی آواز سنی' اسے یہ بات پسند آگئی اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''کیا تم چاہتے ہو کہ ہر اذان میں ایسا ہی کیا جائے؟''

انہوں نے کہا:

''ہاں!''

وہ رات کو سو گیا' صبح اٹھ کر اس نے یہ کہا:

''اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے جنہوں نے اس سے فرمایا کہ انجم الطنبدی محتسب سے کہہ موذن کو ہر اذان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دے۔''

اس کی طرف چلا، اس نے خواب سن کر اظہار مسرت کیا! وراس کا حکم دے دیا۔ اس دن سے آج تک یہ سلسلہ یونہی چلا آ رہا ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ مستحب ہے، مکروہ ہے یا بدعت یا جائز۔ پہلے قول (مستحب ہونے) پر یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

((وافعلوا الخير))

''نیکی کے کام کیا کرو!''

اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام عظیم الشان نیکی ہے خصوصاً جب کہ اس پر ترغیب کے سلسلہ میں احادیث بھی وارد ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اذان کے بعد کی دعا اور رات کے آخری تہائی حصہ اور فجر کے قریب دعا کرنے کی جو فضیلت آئی ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ امور حسنہ (اچھے کاموں) میں سے ہے۔ عمل کرنے والے کو حسن نیت کے مطابق اجر وثواب ملے گا۔

بوقت اقامت درود وسلام پڑھنا:

ان مقامات میں سے (جہاں درود وسلام پڑھنا افضل ہے) ایک یہ ہے کہ حضور علیہ السلام پر جس طرح اذان کے موقع پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے، اقامت کے وقت بھی پڑھا جائے، اس سلسلہ میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

مقامات درود میں سے ایک جگہ موذن کا جواب دینے کے بعد اور اقامت کے وقت ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

''جب تم موذن کو سنو تب جو وہ کہتا ہے تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو۔ وسیلہ نام ہے، بہشت میں ایک منزلت کا جسے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہی پائے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ کا سوال کیا اس پر میری شفاعت حلال ہوگئی۔''

حسن بن عرفہ نے سند کے ساتھ امام حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ جس نے موذن کے ساتھ اسی کے موافق کہا اور ((قد قامت الصلوٰۃ)) کے وقت یوں پڑھے:

((اللهم رب هذه الدعوة الصادقة والصلوٰة القائمة صل على محمد عبدك ورسولك ابلغه درجة الوسيلة فی الجنة))

''اے اللہ! اس سچی پکار اور قائم شدہ نماز کے مالک اپنے بندہ اور رسول محمد (ﷺ) پر صلوٰۃ بھیج اور جنت میں ان کو درجہ وسیلہ پر فائز فرما۔''

وہ شخص محمد ﷺ کی شفاعت میں داخل ہوگا۔

یوسف بن اسباط کہتے ہیں کہ جب ((قد قامت الصلوة)) کہا جائے کوئی شخص ((اللهم رب هذه الدعوة

المستمعة المستجاب لها صل علی محمد وزوجنا من الحور العین)) نہ پڑھے تو حوران عین کہتی ہیں کہ تجھ کو ہم سے بے رغبتی کیوں ہوگئی۔

پانچ سنتیں: واضح ہو کہ مؤذن کی اذان سن کر پانچ سنتیں ہیں۔ تین کا ذکر حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ 1: جو مؤذن کہے ساتھ ساتھ خود کہنا، 2: درود پڑھنا اور 3: وسیلہ کا سوال۔

اور چوتھے یہ دعا پڑھنا:

((اشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمداً عبده ورسوله رضيت بالله رباً وبمحمد رسولاً وبالاسلام ديناً))

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور تحقیق محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ کے رب ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔''

مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اذان سن کر جو کوئی یہ دعا پڑھے گا، اس کے گناہ بخشے دیئے جائیں گے۔

پانچویں: دعا مانگنا۔

سب سے آخر میں ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! مؤذن لوگ تو ہم پر فضیلت لے جائیں گے۔''

فرمایا:

''جو وہ کہتے ہیں تو بھی کہا کر۔ جب وہ چپ ہو جائیں تو سوال کر عطا کیا جائے گا۔''

مسند احمد بن حنبل میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص مؤذن کے اذان کے وقت یہ دعا پڑھتا ہے اس کی دعا قبول کی جاتی ہے:

((اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة النافعة صل علی محمد وارض عنه رضی لا سخط بعده))

''اس مکمل دعوت (اذان) کے اور نفع دینے والی نماز کے رب محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما اور ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راضی ہوجا۔''

مستدرک حاکم میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اذان سنتے تو پڑھا کرتے:

((اللهم رب هذه الدعوة المستجابة المستجاب لها دعوة الحق و كلمة التقوى توفنی عليها واحينی عليها واجعلنی من صالح اهلها عملا يوم القيامة))

مسجد میں داخل ہوتے، نکلتے اور بیٹھتے وقت درود وسلام پڑھنا:

ان مقامات میں سے (جہاں درود وسلام پڑھنا افضل ہے) ایک یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت

حضور علیہ السلام پر درود وسلام پڑھے۔ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اذادخل احدکم المسجد صل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك فاذاخرج صل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلك))

''تم میں سے کوئی جب مسجد میں آئے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، پھر یہ کہے: الٰہی! میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب نکلے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ پھر کہے: الٰہی! میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔''

اس کو امام احمد وغیر نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔اس سلسلہ میں اور بھی احادیث ہیں۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

ان مقامات درود میں سے ایک مقام مسجد کے اندر داخل ہونے اور باہر نکلنے کا ہے۔ابن حبان اور ابو خذیمہ رحمۃ اللہ علیہما نے صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب کوئی مسجد میں آئے تو مجھ پر سلام بھیجے اور

((اللھم افتح لی ابواب رحمتك))

کہے اور جب نکلے مجھ پر سلام بھیجے اور

((اللھم اجرنی من الشیطان الرجیم))

کہے۔

مسند احمد بن حنبل، ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھتے:

((اللھم صل علی محمد وسلم اللھم اغفرلی ذنوبی و افتح لی ابواب رحمتك))

ایسا ہی مسجد سے نکلتے وقت صرف رحمتك کی جگہ فضلك بدل دیتے۔

ابن بشکوال نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ مساجد میں کچھ اقامت گاہیں ہیں جہاں فرشتے بیٹھتے ہیں۔

مسجد کو دیکھتے وقت اور اس کے پاس سے گزرتے وقت درود وسلام پڑھنا:

ان میں سے ایک مقام یہ ہے جب مسجد کے پاس سے گزرے یا اس پر نظر پڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب مساجد پر تمہارا گزر ہو تو کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو۔''

اس کو قاضی اسمٰعیل نے روایت کیا۔

نماز میں ذکر رسول اور آیت صلوۃ کی تلاوت کے وقت درود وسلام:

ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ نماز میں جب قرآن پڑھتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آجائے یا یہ آیت آجائے تو درود وسلام پڑھے:

((ان اللہ وملئکۃ یصلون علی النبی یاایھا الذین امنو صلوا علیہ وسلموا تسلیما))

اس کی تصریح امام احمد اور امام حسن بصری رضی اللہ عنہما نے نفل نماز کے ضمن میں کی ہے۔ الشعمی نے مطلقاً کہا ہے جس کا مطلب ہے کہ نماز فرض ہو یا نفل درود وسلام بھیجنا مستحب ہے۔ اسی طرح العجلی نے بھی مطلق کہا ہے جیسا کہ شافعیہ میں سے مصنف الانوار نے اس کو بیان کیا ہے۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

درود خوانی کا ایک مقام تشہد آخر کے سوا قرأت نماز کے اندر وہ جگہ ہے جہاں نبی اکرم ﷺ کا اسم مبارک آئے یا یہ آیت پڑھی جائے:

((ان الله و ملئكته يصلون على النبى يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما))

اس کو ہمارے اصحاب (حنبلیہ) وغیرہم نے ذکر کیا ہے کہ جب قرأت میں نبی اکرم ﷺ کے مبارک نام تک انسان پہنچے تو ٹھہر جائے اور درود پڑھے۔

اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ کا حکم ملے (یعنی آیت **یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ** پر قاری پہنچے) تو چاہیے کہ ٹھہر جائے اور نوافل میں نبی کریم ﷺ پر درود پڑھ کر آگے چلے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص کر دیا ہے کہ جب نماز پڑھنے والا ایسی آیت پر پہنچے جس میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہو، اگر وہ نماز نوافل میں ہے تو نبی اکرم ﷺ پر ضرور درود پڑھے۔

نماز وتر میں درود وسلام پڑھنا:

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

درود کے مختلف مقامات میں سے ایک مقام آخر قنوت ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اور جنہوں نے ان سے موافقت کی اس کو مستحب کہا ہے، ان کی حجت امام نسائی کی روایت ہے۔ محمد بن سلمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو یہ کلمات وتر میں سکھلائے ہیں:

((اللهم اهدنى فيمن هديت، وعافنى فيمن عافيت، وتولنى فيمن توليت، وبارك لى فيما اعطيت، وقنى شر ما قضيت، انك تقضى ولا يقضى عليك، وانه لا يذل من واليت تباركت ربنا وتعاليت و صلى الله على النبى))

''اے اللہ! مجھے ہدایت دے کہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل فرما جنہیں تو نے رشد وہدایت سے نوازا ہے اور

مجھے عافیت دے کر ان لوگوں میں شامل فرما جنہیں تو نے عافیت بخشی ہے، اور جن لوگوں کو تو نے اپنا دوست بنایا ہے ان میں مجھے بھی شامل کر کے اپنا دوست بنا لے۔ جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس میں میرے لئے برکت ڈال دے اور جس شر و برائی کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے اس سے مجھے محفوظ رکھ اور بچا لے۔ یقیناً تو ہی فیصلہ صادر فرماتا ہے، تیرے خلاف فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا اور جس کا تو والی بنا وہ کبھی ذلیل و خوار اور رسوا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے پروردگار آقا! تو (بڑا) ہی برکت والا اور بلند و بالا ہے اور نبی (ﷺ) پر رحمت بھیج۔"

پس یہ دعائے قنوت وتر کی ہے اور قنوت فجر میں اس کو قیاساً منتقل کر لیا ہے۔ ابو اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کلمات سکھائے میں ان کو وتر میں پڑھتا ہوں۔ پھر دعا پڑھی اور اس میں درود کا ذکر نہیں کیا اور یہ قنوت رمضان میں مستحب ہے۔

ابن وہب نے سند کے ساتھ عبدالرحمان بن عبدالقاری سے (جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت عبداللہ بن ارقم کے ساتھ منصرم بیت المال تھے) روایت کی ہے کہ رمضان المبارک کی ایک رات کو حضرت عمر فاروق، حضرت عبدالرحمان بن عبد کے ساتھ مسجد میں آئے۔ لوگوں کو دیکھا مسجد میں جدا جدا نماز پڑھ رہے ہیں۔ ادھر کوئی جدا پڑھ رہا ہے اور ادھر کوئی جدا پڑھ رہا ہے۔ غرض اسی طرح ایک بڑی تعداد جدا جدا پڑھتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اللہ کی قسم! میں خیال کرتا ہوں کہ اگر ان کو ایک قاری پر جمع کر دوں تب بہتر ہو۔"

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ارادہ پختہ کیا اور حضرت ابی بن کعب کو حکم دیا کہ رمضان میں امامت کرایا کریں۔ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر آئے، لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا: نئی تجویز اچھی ہے۔ مگر جو سو رہے ہیں وہ ان سے اچھے ہیں جو قیام کر رہے ہیں۔"

اس سے ان کی مراد آخری شب کا اٹھنا تھا، کیونکہ لوگ اول شب تراویح پڑھتے تھے اور بعد میں سوئے رہتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: یہ لوگ نصف ماہ میں کفار پر لعنت کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے:

((اللهم قاتل الكفرة الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ولا يؤمنون بوعدك وخالف بين كلمتهم والق فى قلوبهم الرعب والق عليهم رجزك وعذابك اله الحق))

"الٰہی! ان کفار پر لعنت بھیج جو لوگوں کو تیری راہ سے روکتے اور تیرے انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں اور تیرے وعدوں پر ایمان نہیں لاتے۔ الٰہی! ان کے اتفاق میں پھوٹ، اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں) کا رعب ڈال دے اور ان پر پلیدی و عذاب نازل فرما۔"

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتے، پھر مسلمانوں کے لئے جہاں تک استطاعت ہوتی ہے، دعائے خیر کرتے۔ پھر دوسروں کے لئے استغفار کرتے اور جب اس سے فارغ ہوتے تو کہتے:

((اللهم اياك نعبد ولك نصلى ونسجد واليك نسعى ونحفد ونرجوا رحمتك ونخاف عذابك ان عذابك الجد لمن عاديت ملحق))

"الٰہی ہماری عبادت، ہماری نماز، ہمارا سجدہ خاص تیرے لئے ہے اور ہماری سعی و خدمت گزاری خاص تیرے لئے ہے۔ ہم تیری رحمت کے امیدوار اور عذابِ سخت سے خوف زدہ ہیں۔ بے شک تیرا عذاب تو تیرے اعداء پر گرنے والا ہے۔"

پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کو چلے جاتے۔

اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ عبداللہ بن حارث سے روایت کی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ قنوت میں درود پڑھا کرتے تھے۔

امام قسطلانی نے مسالک الحنفاء میں فرمایا:

"ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ قنوت صبح کے آخر میں نبی کریم علیہ السلام پر درود بھیجے۔ امام ابن حجر نے فرمایا: قنوت کے آخر میں درود وسلام سنت ہے، کیونکہ قنوت وتر میں اس کا حکم آیا ہے اور قنوت صبح کو اس پر قیاس کیا گیا ہے۔ ابن حجر کی عبارت یہ ہے: **وصلی اللہ علی النبی** ۔ بس اس میں کوئی زیاتی نہیں اور جس کسی نے اس پر لفظ **محمد وسلم** کا اضافہ کیا اور اس کو سنن نسائی کی طرف منسوب کر دیا اس کو وہم ہوا ہے کیونکہ اس کی روایت جمع کرنے کے بعد بھی یہ الفاظ موجود نہیں۔ امام نووی نے فرمایا: "یہ حدیث صحیح یا حسن ہے اور بعض صحابہ سے یہ موقوف حدیث مروی ہے کہ وہ قنوت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے تھے اور امام زہری سے یہ صحیح حدیث مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رمضان المبارک میں قنوت وتر میں درود شریف پڑھتے تھے:

((اللھم صل علی محمد کما صلیت علی ابراھیم اللھم بارك علی محمد کما بارکت علی ابراھیم انك حمید مجید اللھم صل علیٰ محمد عبدك ورسولك والسلام علیه ورحمة الله وبرکاته))

پہلے اور آخری تشہد میں درود وسلام پڑھنا:

ان مقامات میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے اور آخری تشہد میں درود بھیجے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ نماز کا رکن ہے کہ اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

جن جگہوں میں درود شریف پڑھنا چاہیے ان میں سے دوسری جگہ تشہد اول ہے اور اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الام میں کہا ہے کہ تشہد اول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا چاہیے۔ ان کے مذہب میں یہی مشہور ہے، مگر یہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا آخری مذہب ہے، مگر ان کے نزدیک بھی مستحب ہے واجب نہیں اور قدیم مذہب (ابتدائی) یہی تھا کہ تشہد سے آگے نہ بڑھائے۔ یہ مزنی نے امام شافعی سے روایت کیا ہے اور یہی مذہب امام احمد، امام ابو حنیفہ اور امام مالک وغیرہ رحمتہ اللہ علیہم کا ہے۔ قول شافعی کی حجت دار قطنی کی حدیث ہے، جسے سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تشہد سکھایا کرتے تھے:

((التحیات الطیبات الزاکیات للہ السلام ایھا النبی و رحمة اللہ و برکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد أن محمداً عبدہ و رسولہ))

''(میری تمام) قولی، بدنی، اور مالی عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں، اے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت، سلامتی اور برکت ہوں اور ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں اور اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔''

پھر نبی کریم ﷺ پر درود ہے۔

دار قطنی کی حدیث بریدہ سے ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے بریدہ! جب نماز پڑھے تو اس میں درود ترک نہ کرنا، کیونکہ درود نماز کو پاک کردینے والا ہے۔''

اس میں دلالت عام ہے اور اول وثانی جلسہ کی تخصیص نہیں۔ نیز ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درود و سلام کا حکم دیا ہے۔ پس جہاں سلام مشروع ہے وہیں درود بھی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ نے سوال کیا تھا کہ سلام کی کیفیت تو ہم جان گئے، مگر کیفیت درود کیا ہے۔؟ یہ سوال بھی دلالت کرتا ہے کہ درود سلام کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ پس چونکہ نمازی پہلے تشہد میں سلام نبی اکرم ﷺ پر بھیجتا ہے، اس لئے درود بھی مشروع ہے، کیونکہ جس مکان میں تشہد وسلام مشروع ہے، اسی جگہ درود بھی ہے اور یہ تشہد آخری کے مانند ہے اور اس لئے بھی کہ نماز میں پہلی جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ کا ذکر پسندیدہ ہے، تشہد ہے۔ اس لئے شایان ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ذکر اکمل صورت میں ہو اور اس لئے بھی کہ حدیث محمد بن اسحاق میں یہ الفاظ ہیں:

''ہم آپ پر درود کس طرح بھیجیں، جب ہم اپنی نماز میں جلسہ کریں۔؟''

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ پہلا تشہد درود کا محل نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم بھی ہے اور اسی کی اکثر اصحاب شافعی نے تصحیح کی ہے، کیونکہ تشہد اول میں تخفیف مشروع ہے اور نبی کریم ﷺ جب اس میں بیٹھا کرتے تھے، گویا سنگ گرم پر بیٹھا کرتے ہیں اور ثابت نہیں ہوا کہ آپ یہاں درود پڑھتے ہوں یا آپ نے امت کو بتلایا ہو اور نہ یہ معلوم ہے کہ کسی صحابی نے اس کو مستحب کہا ہو۔ اور اگر جیسا کہ گروہ اول کہتا ہے اس جگہ بھی درود مشروع ہوتا تو واجب ہی ہوتا جیسا کہ تشہد آخر میں ہے، کیونکہ دونوں پر ایک حکم ہے اور اگر اس جگہ درود آپ پر مستحب ہوتا تو آل پر بھی ہوتا، کیونکہ درود میں آپ کو منفرد نہیں کیا گیا، کیونکہ آپ نے یہی حکم دیا ہے کہ آپ اور آل دونوں کا درود میں ذکر کیا جائے۔ پھر اگر یہاں مشروع ہوتا تب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، کیونکہ درود مامور بہا کی صفت یہی ہے۔ پس جب یہ بھی مشروع ہوتا، تب اس کے بعد دعا بھی مشروع ہوتی، جیسا کہ حدیث فضالہ کا مطلب ہے۔ پس ایسی حالت میں تشہد اول ودوم میں کچھ فرق نہ رہا اور جن احادیث سے تم نے استدلال کیا ہے، اول تو ان میں موسیٰ اور عمرو بن شمر اور جابر جعفی جیسے راوی ہیں جو کہ ضعف ہیں۔ پھر اس مدعا پر دلالت ہی نہیں کرتی ہیں، کیونکہ اس سے

مراد تشہد اخیر ہے نہ کہ اول، جیسا کہ دلائل سے واضح ہے۔ دیگر دلائل جو تم نے بیان کئے ہیں ان کا بھی یہی جواب ہے۔

نمازوں کے بعد درود سلام:

ان مقامات درود سلام میں سے ایک یہ کہ پانچوں نمازوں کے بعد درود وسلام پڑھا جائے۔ اس کی فضیلت میں شیخ شبلی رحمہ اللہ کی ایک حکایت ہے۔

اس حکایت کو ابو موسیٰ مدینی نے عبد الغنی بن سعید کے طریق سے سند کے ساتھ ابوبکر محمد بن عمر سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ابوبکر بن مجاہد کے پاس بیٹھا تھا۔ شبلی آئے ابوبکر کھڑے ہو گئے۔ معانقہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے کہا:

''اے میرے سردار! آپ شبلی کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں، حالانکہ آپ اور تمام بغداد کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ وہ دیوانہ ہے۔ کہا: میں نے اس کے ساتھ وہ کیا جو نبی اکرم ﷺ کو کرتے دیکھا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ شبلی سامنے آئے۔ آپ کھڑے ہو گئے اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ شبلی کے ساتھ ایسی عنایت فرماتے ہیں۔ فرمایا: ''یہ نماز کے بعد ((لقد جاء کم رسول من انفسکم)) آخر تک پڑھا کرتا ہے اور پھر درود مجھ پر پڑھتا ہے۔''

دوسری روایت میں یہ ہے کہ:

''اس نے کوئی فرض نماز نہیں پڑھی لیکن اس کے آخر میں ((لقد جاء کم رسول من انفسکم)) آخر تک پڑھا اور تین دفعہ ((صلی اللہ علیك یا محمد)) (صلی اللہ علیه وسلم) پڑھا۔''

ابوبکر محمد بن عمر کہتے ہیں کہ پھر میں شبلی کے پاس گیا اور پوچھا کہ نماز کے بعد کیا ذکر کرتے ہو تو انہوں نے ایسا ہی بیان کیا۔

نماز تہجد کے وقت درود وسلام پڑھنا:

ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب نماز تہجد کے لئے بیدار ہو تو درود وسلام پڑھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ دو آدمیوں پر ہنستا ہے (جیسے اس کی شان کے لائق ہے) ایک وہ جو گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ہمراہی سواروں کے ساتھ دشمن کے مقابل آیا، وہ سب شکست کھا کر بھاگ نکلے اور وہ ثابت قدم رہا۔ پھر اگر قتل ہو گیا تو شہید ہوا اور اگر بچ گیا تو یہی وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ ہنستا ہے (جیسے اس کی شان کے لائق ہے) دوسرا وہ جو آدھی رات جب کسی کو معلوم تک نہیں ہوتا، اٹھا، اس نے اچھی طرح وضو کیا، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی، نماز پڑھی اور نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام بھیجا اور قرآن مجید کھولا (پڑھا) یہ ہے سبب اللہ تعالیٰ کے ہنسنے کا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: دیکھو! میرا بندہ کھڑا ہے میرے سوا اسے کوئی نہیں دیکھتا۔

اس کو نسائی نے سنن کبریٰ میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

تہجد کی نماز پڑھنے والا ہر دو رکعت کے بعد تھوڑا سا بیٹھ کر تسبیح واستغفار پڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے، اس سے آرام اور قیام کی طاقت حاصل ہوگی۔

حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اپنی رات کی نماز تہجد سے جب فارغ ہوتے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے اور نبی کریم علیہ السلام پر اس طرح درود بھیجتے۔

''الٰہی! میں تجھ سے اس وسیلہ کے ذریعے سوال کرتا ہوں جو تیری بارگاہ میں سب سے افضل ہے اور اس نام سے جو تیرے نزدیک محبوب تر اور معزز تر ہے۔''

اور سعید بن ہشام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ رات کے جس حصے میں چاہتا آپ کو بیدار کر دیتا۔ آپ مسواک کرتے اور نو رکعت نماز پڑھتے۔ ان میں آٹھویں رکعت پر بیٹھتے' پھر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے اور ان کے درمیان دعا فرماتے اور سلام نہ پھیرتے، پھر نویں رکعت پڑھ کر بیٹھتے۔''

یہ اور اس سے ملتے جلتے الفاظ بیان کئے گئے ہیں۔

''پھر اللہ کی حمد اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے اور دعا فرماتے۔ پھر خوب خوب سلام پڑھتے کہ ہم لوگ بھی سنتے' پھر بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے۔

جمعہ، عیدین، چاند اور سورج گرہن اور نماز استسقاء کے خطبہ میں درود وسلام پڑھنا:

ان مقامات میں سے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا چاہئے ایک خطبہ ہے۔ مثلاً: خطبہ جمعہ، خطبہ عیدین، چاند گرہن اور سورج گرہن کے خطبے اور نماز استسقاء وغیرہ کے خطبے، یونہی خطبہ نکاح وغیرہ۔ ان کے متعلق صحابہ کرام' تابعین عظام اور بعد کے بزرگان دین رضی اللہ عنہم اجمعین کے آثار موجود ہیں اور اسی پر پہلے پچھلے تمام لوگوں کا عمل ہے۔ مجملہ ان میں سے ایک وہ روایت ہے جس کو امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے عون بن ابی جحیفہ سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میرے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپاہیوں میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مجھے بتایا کہ آنجناب منبر پر تشریف فرما ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام کے بعد فرمایا:

((خير هذه الامة بعد نبيها ابوبكر والثاني عمر))

''اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل ترین ابوبکر اور دوسرے عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔'' اللہ تعالیٰ جہاں چاہے خیر وبرکت رکھ دے۔

ابن بشکوال نے محمد بن عبداللہ بن الحکم سے روایت نقل کی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں بروز جمعہ ہمیں خطبہ دیا۔ پس آپ نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام بھیجنا بھول گئے۔ جب خطبہ ختم ہوا تو لوگوں نے ہر طرف سے چلانا شروع کر دیا۔ آپ نماز کے مصلیٰ پر کھڑے ہو گئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو منبر پر دوبارہ رونق افروز ہوئے اور فرمانے لگے:

''لوگو! شیطان کسی وقت بھی اولاد آدم کو دھوکا دینے سے گریز نہیں کرتا' قریب تھا کہ آج ہم کو بھی اس کا شکار کر لیتا' اس نے ہمارے نبی علیہ السلام پر درود بھیجنے سے ہم کو بھلایا تھا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

درود وسلام بھیج کر اس کی ناک گرد آلود کردو!

((اللهم صل علی محمد کثیراً کما تحب ان یصلی علیه))

''الٰہی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بہت درود بھیج جیسے تو ان پر درود بھیجنا چاہتا ہے۔''

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک صحت خطبہ کے لئے درود وسلام شرط ہے۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے فرمایا:

''امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس سلسلہ میں خلفائے راشدین اور ان کے بعد والے بزرگوں کے فعل پر عمل کیا ہے کیونکہ صحابہ کرام اور بعد کے بزرگوں سے خطبہ جمعہ تو بڑی بات ہے، کسی بھی اہم موقع پر کوئی خطبہ ایسا منقول نہیں جس کی ابتداء حمد وثناء اور نبی علیہ السلام پر درود وسلام سے نہ کی گئی ہو اور جس خطبہ میں درود وسلام نہ ہو سلف صالحین اس کو ابتر (خیر وبرکت سے خالی) قرار دیتے تھے۔''

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

مقامات درود میں سے ایک جگہ خطبے ہیں، مثلاً خطبہ جمعہ، عیدین اور استغفار وغیرہ۔ اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ خطبہ صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے یا نہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا مشہور مذہب یہ ہے کہ درود کے بغیر خطبہ صحیح نہیں ہوتا اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا یہ مذہب ہے کہ صحیح ہو جاتا ہے اور مذہب امام احمد میں ایک یہ صورت بھی ہے۔ خطبہ میں وجوب کی حجت اس آیت سے لی گئی ہے:

((ألم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذی أنقض ظهرك ورفعنا لك ذكرك))

(سورۃ الم نشرح: ۹۴/۱۔۴)

''(اے نبی!) کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لئے نہیں کھول دیا؟ اور تم پر سے بھاری بوجھ اتار دیا جو تمہاری کمر توڑے ڈال رہا تھا اور تمہاری خاطر تمہارا ذکر بلند کر دیا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذکر کو رفعت دی ہے، اس لئے جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا وہاں آپ ﷺ کا بھی ضرور ہوگا، مگر اس دلیل میں تامل ہے، کیونکہ ذکر پروردگار کے ساتھ آپ کا ذکر یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ کی رسالت پر شہادت دی جائے۔ آپ کے مرسل (اللہ تعالیٰ) کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے۔ پس یہ خطبہ میں قطعاً واجب ہے بلکہ خطبہ کا رکن اعظم ہے۔

چنانچہ ابوداؤد اور احمد وغیرہ نے بروایت حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم ﷺ سے حدیث بیان کی ہے کہ جس خطبہ میں تشہد نہیں وہ ((ید جذماء)) یعنی ''ٹنڈا ہاتھ'' ہے۔ مگر جو شخص درود کو خطبہ میں واجب ٹھہراتا ہے، علاوہ ذکر تشہد کے اس کا قول نہایت ضعیف ہے۔

یونس نے شیبان سے، اس نے قتادہ سے آیت:

((ورفعنا لك ذكرك))

کی تفسیر بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا ذکر دنیا و آخرت میں بلند فرمایا۔ کوئی خطیب، کوئی متشہد، کوئی صاحب صلوٰۃ نہیں مگر وہ ابتداء ((اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله)) سے کرے گا۔

عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ ضحاک سے آیت:

((ورفعنا لك ذكرك))

کے معنی بیان کئے ہیں کہ جہاں میرا ذکر ہوگا تیرا بھی ہوگا اور خطبہ و نکاح تیرے ذکر کے بغیر جائز نہیں۔

شیخ عبدالرزاق نے سند کے ساتھ مجاہد سے آیت:

((ورفعنا لك ذكرك))

کے معنی بیان کئے ہیں کہ جب اذان میں میرا ذکر ہوگا آپ کا بھی ساتھ ہوگا:

((اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله))

اور یہی آیت سے مراد ہے۔

پس یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خطبہ میں تشہد ضروری نہ ہو، حالانکہ یہ افضل کلمات ہیں اور درود بھی اس میں ضروری ہے اور اس کی مشروعیت کی دلیل عبداللہ بن احمد کی روایت سند کے ساتھ عون بن ابی جحیفہ سے ہے کہ میرا باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خدام میں سے تھا اور منبر کے نیچے بیٹھتا تھا، اس نے مجھے بتلایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے، اللہ کی حمد وثناء کی اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا اور فرمایا:

"اس امت میں نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر تھے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ اور اللہ تعالیٰ خیر عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔"

محمد بن حسن نے سند کے ساتھ حضرت عبداللہ سے روایت کی ہے کہ وہ خطبہ نماز سے فارغ ہو کر اور درود پڑھ کر پھر دعا پڑھا کرتے تھے:

((اللهم حبب الينا الايمان وزينه فى قلوبنا وكره الينا الكفر والفسوق والعصيان اللهم بارك لنا فى اسماعنا وابصارنا وازواجنا وقلوبنا وذريتنا))

"الٰہی! ایمان کو ہمارا محبوب بنا دے اور ہمارے دلوں کو اس سے زینت دے اور کفر و فسوق اور عصیان سے بیزاری ہمارے دل میں ڈال دے۔ الٰہی! ہماری شنوائی و بینائی و ازواج و قلوب اور ذریت میں برکت دے۔"

دار قطنی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بروز جمعہ منبر پر چڑھے، اللہ کی حمد وثناء کم مگر پُر معانی الفاظ میں کی، پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا، پھر لوگوں کو وعظ کیا اور امر و نہی کی۔

اس باب میں ضبہ بن محصن کی حدیث بھی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جب خطبہ پڑھتے حمد وثناء پروردگار کرتے اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتے۔

ضبہ بن محصن نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے دعا کئے جانے پر انکار کیا اور معاملہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضبہ بن محصن کو فرمایا کہ تو حق کے موافق اور ہدایت یافتہ ہے۔ (واقعی مجھ عمر سے پہلے ابوبکر کے لیے دعا کی جانی چاہیئے۔)

غرض یہ حدیث دلیل ہے کہ خطبات میں درود بر نبی اکرم ﷺ صحابہ کے نزدیک ایک مشہور و معروف امر تھا۔

نکاح کے خطبہ میں:

مقامات درود میں سے ایک مقام نکاح کا خطبہ ہے۔ اسمٰعیل بن ابی زیاد نے سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت:

((ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی))

کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی ثناء و مغفرت فرماتا اور فرشتوں کو نبی اکرم ﷺ کے لئے استغفار مانگنے کا حکم دیتا ہے۔

((یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما))

مومنین کو بھی لازم ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ثناء نمازوں اور مسجدوں میں نیز دیگر مقامات پر اور خطبہ نکاح میں کیا کریں، اس کو بھولیں نہیں۔

تکبیرات عیدین کے درمیان درود و سلام پڑھنا:

ان میں سے درود و سلام پڑھنے کا ایک موقع ہے تکبیرات عیدین کا درمیانی وقت۔ بے شک یہ مستحب ہے کہ نماز کے اندر اللہ کی حمد و ثناء کی جائے اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا جائے۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے:

"ولید عید سے ایک روز پہلے حضرت ابن مسعود، حذیفہ، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم کے پاس آیا کہ عید قریب آ گئی ہے اس میں تکبیریں کیوں کر کہی جاتی ہیں۔؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز کو یوں شروع کر کہ پہلے تو تکبیر کہہ جس سے نماز شروع کی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھ اور دعا۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر قرأت پڑھ اور تکبیر کہہ کر رکوع کر۔ پھر (جب دوسری رکعت کے لئے) کھڑا ہو تو قرأت پڑھ اور حمد رب اور صلوٰۃ بر نبی ﷺ پڑھ اور دعا کر۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر رکوع کر۔ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما بولے کہ ابو عبد الرحمن یعنی ابن مسعود نے ٹھیک بیان کیا۔"

واضح ہو کہ اس حدیث میں ہر دو قرأت میں موالات (اتحاد عمل) ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور اسی بارے میں ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے اور اس میں عید کی تکبیرات زائد و تین تین ہیں جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور اس میں تکبیرات کے اندر حمد و صلوٰۃ کرنے کا ذکر ہے جو امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے۔ پس امام ابو حنیفہ نے تو اس حدیث کو عدد تکبیرات اور ہر دو تکبیرات میں موالات کے لئے بیان کیا ہے اور امام احمد و شافعی نے تکبیرات میں ذکر کے مستحب ہونے کے بارے میں بیان کیا۔ اور واضح رہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک مستحب سمجھتے ہیں کہ صرف تکبیرات بغیر کسی ذکر کے کی جائیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نہ موالات و عدد میں لیتے ہیں نہ ذکر بین تکبیرات میں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔!

دعا کے وقت:

ان مقامات درود میں سے ایک جگہ دعا کے وقت نبی کریم ﷺ پر درود شریف کا پڑھنا ہے۔ ان کے تین مراتب ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کے بعد اور دعا سے پہلے۔

2۔ دعا کے اول، وسط اور آخر میں۔

3۔ دعا کے اول و آخر میں۔

پہلی صورت کی دلیل حدیث حضرت فضالہ بن عبید ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی دعا مانگنے لگے وہ ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے کرے، پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھے، پھر جو چاہے دعا مانگے۔

ترمذی نے حضرت عبداللہ سے روایت کی ہے کہ میں نماز پڑھتا تھا اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تھے۔ جب میں بیٹھ گیا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء کی۔ پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا۔ پھر اپنے لئے دعا مانگی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''سوال کر عطا کیا جائے گا۔''

عبدالرزاق نے سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے کچھ سوال کرنا چاہے اسے چاہیے کہ ابتدا حمد وثناء سے کرے، پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھے، پھر سوال کرے۔ ایسا سوال اجابت کے قریب ہوتا ہے۔ شریک نے اپنی سند سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

دوسری صورت کی دلیل حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے سند کے ساتھ عبدالرزاق نے بیان کیا ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے سوار کے پیالہ کی طرح مت بناؤ۔''

فرمایا:

''وسط دعا کے بعد اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب ہوتا ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھا جائے۔ جب درود پڑھا گیا پردہ اٹھ جاتا ہے اور دعا قبول کی جاتی ہے اور جب درود نہ پڑھا جائے تو دعا قبول نہیں کی جاتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی لکھا جا چکا ہے کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان ٹھہرالی جاتی ہے اور اس میں سے کچھ بھی اوپر نہیں چڑھ سکتا، جب تک نبی اکرم ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے۔

احمد بن علی نے سند کے ساتھ عمرو بن عمرو سے روایت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن بشر سے سنا، کہتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ہر ایک دعا محبوب ہے جب تک اس کے اول اللہ عزوجل کی ثناء اور درود بر نبی اکرم ﷺ نہ ہو۔ (ہاں) پھر دعا کرے، اس کی دعا قبول ہوگی۔''

عمرو بن عمرو جو اس حدیث کو صحابی سے روایت کرتے ہیں، یہ احموسی ہیں، انہوں نے حضرت عبداللہ بن بشر سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ ایک تو یہی اور دوسری وہ جسے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے دن خیر سے شروع کیا اور خیر پر ختم کیا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: درمیانی گناہوں کو بندہ پر مت لکھو۔''

غرض درود بر نبی ﷺ دعا کے لئے ایسا ہے جیسے نماز کے لئے سورۂ فاتحہ اور یہ جملہ مقامات جن کا شمار ہوا ان سے دعا میں درود کی مشروعیت نکلتی ہے جس سے واضح ہے کہ مفتاح دعا درود شریف ہے۔ جیسا کہ مفتاح نماز وضو ہے۔''

((وصلی اللہ علیه وعلی اله وسلم تسلیما))

تیسری صورت کے متعلق احمد بن ابی حوراء کہتے ہیں کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرنا چاہے اسے چاہیے کہ پہلے درود پڑھے۔ پھر حاجت کا سوال کرے اور پھر درود پر ختم کرے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ پر درود تو مقبول ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا جود و کرم اس سے برتر ہے کہ درود کی درمیانی شے کو رد فرمادے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میرے سامنے یہ بات ذکر کی گئی کہ دعا زمین آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے، ذرا بھی اوپر نہیں جاسکتی تاوقتیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھا جائے۔''

اس کو اسحٰق بن راہویہ نے روایت کیا۔ نیز اس کو ترمذی، الواحدی، دیلمی اور قاضی عیاض نے شفاء میں بھی ان سے ملتے جلتے الفاظ سے روایت کیا۔

ظاہر یہی ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے کیونکہ اس قسم کی باتیں رائے سے نہیں کہی جاسکتیں جیسا کہ آئمہ حدیث و اصول کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تصریح کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اپنی دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شامل کرلو کیونکہ آپ پر درود بھیجنا مقبول ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ کچھ حصہ قبول فرمائے اور کچھ رد کردے۔''

اس کو بباجی نے روایت کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''جب تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنا چاہے تو شروع میں اللہ تعالیٰ کی شایان شان حمد وثناء کرے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے' پھر دعا مانگے کہ یہ کامیابی وقبولیت کے قریب تر ہے۔''

اس کو طبرانی وغیرہ نے روایت کیا۔ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جس دعا میں نبی کریم علیہ السلام پر درود نہ بھیجا جائے وہ زمین وآسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔''

اس کو اسمٰعیل قاضی نے روایت کیا۔

دعا کے کچھ ارکان ہیں، کچھ پر ہیں اور کچھ اسباب اور اوقات ہیں۔ اگر ارکان موافق ہوں تو دعا قوی ہوجاتی ہے۔ اگر پر قوی ہوں تو آسمان میں اڑ جاتی ہے اور اگر اس کے اوقات موافق ہوں تو کامیاب ہوتی ہے' اگر اسباب موافق ہوں تو

مقبول ہوتی ہے۔ دعا کے ارکان، حضور قلب، رقت، توجہ، خشوع اور اللہ تعالیٰ سے قلبی لگاؤ ہیں۔ اس کا پر سچ ہے اور وقت دعا ہے سحری کا وقت اور اس کا سبب قبولیت نبی کریم علیہ السلام پر درود و سلام بھیجنا ہے یعنی اول و آخر درود شریف پڑھنا۔

ابو سلیمان دارانی نے کہا:

''جو کوئی اللہ تعالیٰ سے حاجت براری چاہے تو پہلے نبی کریم علیہ السلام پر درود و سلام بھیجے پھر اپنی حاجت مانگے اور درود و سلام پر ہی دعا ختم کرے کہ اللہ تعالیٰ دونوں درود و سلام قبول فرماتا ہے اور اس کریم سے بعید ہے کہ درمیانی دعا کو رد فرما دے۔''

اس روایت کو النمیری نے بیان کیا اور اقلیشی نے کہا:

''جب بھی اپنے معبود سے دعا کرو پہلے اس کی حمد و ثناء اور پھر اپنے برگزیدہ نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجو! اپنی دعا کے شروع میں، درمیان میں اور آخر میں سرکار ﷺ پر درود و سلام پڑھو اور نبی کریم علیہ السلام کے نفیس ترین فضائل و مفاخر جابجا بیان کرتے چلو، اسی سے تمہاری دعا مقبول ہوگی اور تمہارے اور حضور کے درمیان جو حجاب ہے اٹھے گا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔''

قاضی بیضاوی نے فرمایا:

''سائل کے لئے یہ شرط ہے کہ جس سے مانگ رہا ہے پہلے کسی ایسے فعل سے جو اس کی نگاہ میں محبوب ہو، تقرب حاصل کرے اور اس کے حضور کسی سفارشی کا وسیلہ اختیار کرے تاکہ حصول مقصد میں کامیابی اور قبولیت کا استحقاق حاصل ہو، سو جس شخص نے وسیلہ سے پہلے ہی سوال پیش کر دیا اس نے یقیناً جلد بازی سے کام لیا۔''

دعا سے پہلے نبی کریم علیہ السلام پر درود اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ جو کوئی بادشاہ کے دروازہ پر آئے اسے لازمی طور پر بادشاہ کے خاص مقربین کے لئے کوئی تحفہ ساتھ لانا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اخص الخواص بندے حضور علیہ السلام ہیں اور سرکار کا تحفہ درود و سلام ہے اور اس لئے بھی کہ دعا سے پہلے درود شریف پڑھنا قبولیت سے قریب تر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ درود شریف اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے اور مقبول شے کے بعد جو دعا مانگی جائے امید کامل ہے کہ مستجاب ہوگی کیونکہ کریم جب پہلا سوال پورا کر دے تو باقی رد نہیں کرے گا۔

شیخ ابو بکر کتامی نے اپنی کتاب المنہج الحسیف میں کہا:

''اللہ تعالیٰ توفیق دے تو تمہیں جان لینا چاہئے کہ دعا مانگنے والے کے لئے چند آداب ہیں۔ اول یہ کہ لوگوں سے الگ ہو کر یکسوئی کے ساتھ بیٹھے تاکہ حواس جمع ہوں اور مکمل طور پر دعا کی طرف متوجہ ہوں۔ قبلہ کی طرف رخ کرے، اپنے اور زمین کے درمیان کسی شے کو حائل نہ ہونے دے، سر جھکائے کہ اس میں انکساری اور مسکینی کا اظہار ہے اور نگاہ کو پست رکھے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

((لینتهین اقوام عن رفع بصرهم الی السماء عند الدعاء او لنخطفن ابصارهم))

''یا تو لوگ آسمان کی طرف بوقت دعا نگاہیں اٹھانے سے باز آئیں گے یا ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔''

اور ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی کریم علیہ السلام پر درود و سلام بھیجے، یونہی دعا کا خاتمہ بھی درود پر کرے۔ جب حقیقت یہ ہے تو جو افضل صورت ہے اسی پر عمل کرنا چاہئے کہ اس سے قبولیت جلد حاصل ہوتی

ہے۔"

امام نووی نے فرمایا:

"علماء کا اس پر اجماع ہے کہ دعا کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام سے کرنا مستحب ہے یونہی دعا کا خاتمہ بھی انہی دو پر کرنا چاہئے۔ جب یہ بات حق ہے تو افضل صورت پر عمل کرے کہ قبولیت کا اطمینان ہو۔ ہمارے پچھلے اصحاب نے کہا: اگر کوئی آدمی یہ قسم اٹھائے کہ ضرور اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کرے گا جو سب سے جامع ہو یا سب سے خوبصورت تو اس کی قسم اس طرح پوری ہو سکتی ہے کہ کہے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہے ایسی تعریف جو اس کی نعمتوں کے برابر ہو اور اس کے فضل وکرم کے مساوی ہو:

(("الحمدللہ حمداً یوافی نعمه ویکافی مزیده"))

جس کا مطلب ہے: ایسا شکر جو نعمت واحسان سے بڑھ کر ہو۔ اور اگر یہ قسم اٹھائی کہ ضرور اللہ تعالیٰ کی بہترین حمد وثناء کرے گا تو اس قسم کو پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کہے:

((لااحصی ثناء علیك انت كما اثنیت علی نفسك))

"میں تیرے ایسی تعریف نہیں کر سکتا جیسی تو نے خود اپنی کی ہے۔"

بعض لوگوں نے اس پر اتنا اضافہ کیا ہے:

((فلك الحمد حتی ترضی))

"تعریف تیری ہی ذات کے لئے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔"

اور ابوسعید متولی نے صورت مسئلہ یوں بیان کی ہے: جس نے یہ قسم اٹھائی کہ ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ کی جلیل المرتبت عظیم الشان تعریف کرے گا (تو مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ) شروع میں یہ اضافہ بھی کرے:

"سبحنك"

ابونصر تمار نے محمد بن نصر سے روایت کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

"میرے رب! تو نے مجھے دستکاری میں مشغول کر دیا سو اب مجھے کوئی ایسے جامع کلمات سکھا دے جن میں تمام تعریف وتسبیح آ جائے' اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے آدم! صبح وشام تین تین مرتبہ یہ پڑھا کرو:

((الحمد للہ رب العلمین حمد ایوافی نعمه ویكافی مزیده))

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ پروردگار عالمین کے لئے' ایسی تعریف جو اس کی نعمتوں کے برابر اور فضل کے مساوی ہو۔"

یہ تمام تسبیحات کا مجموعہ ہے۔

اس کے بعد الکتامی نے کہا:

"رہا نبی کریم علیہ السلام پر درود پڑھنا تو کچھ علماء نے دعا کے شروع، درمیان اور آخر میں درود وسلام پڑھنا واجب بتایا ہے۔ طبرانی کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((لاتجعلونی کقدح الراکب اجعلونی فی اول الدعآء ووسطہ واخرہ))

”مجھے ایسے مت بناؤ جیسے سوار کی خراش۔ مجھے دعا کے شروع میں بھی رکھو درمیان میں بھی اور آخر میں بھی۔“

ختم قرآن پر درود وسلام:

درود وسلام کے مواقع میں سے ایک یہ کہ ختم قرآن کے وقت درود وسلام پڑھا جائے۔ بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے قرآن مجید پڑھا، رب تعالیٰ کی حمد کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجا اور اپنے رب سے بخشش مانگی یقیناً اس نے بھلائی مانگی۔“

ابوداؤد نے فضائل القرآن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جو کوئی قرآن مجید پڑھ کر ختم کرے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

اس بارے میں متعدد آثار ملتے ہیں کہ یہ دعا کا موقع ہے اور یہ کہ ختم قرآن کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے اور دعا قبول ہوتی ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ ختم قرآن کا موقع زیادہ قبولیت کا موقع ہے تو یہ نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام کا بھی اہم موقع ہوا۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

ختم قرآن کے بعد دعا کرنے کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نص سے ثابت کیا ہے۔ ابوالحارث کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اہل واولاد کو جمع کر لیتے۔

یوسف بن موسیٰ کی روایت میں ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی قرآن مجید ختم کرتا ہے اور لوگ اس کے پاس اکٹھے ہوکر دعا مانگتے ہیں۔ کہا: ہاں میں نے معمر کو دیکھا ہے کہ جب ختم قرآن مجید ہوتا تو ایسا ہی کرتے۔

حرب کی روایت میں ہے کہ ختم قرآن مجید کے وقت اہل واولاد کو جمع کر کے دعا کرنا مستحب ہے۔

ابن ابی داؤد کی کتاب فضائل القرآن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس نے قرآن مجید ختم کیا، اس کی دعائیں مستجاب ہیں۔

مجاہد سے مروی ہے کہ ختم قرآن کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے۔

ابوعبیدہ نے کتاب فضائل القرآن میں قتادہ سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں ایک شخص تھا جو اول سے آخر تک اپنے دوستوں کے سامنے قرآن مجید ختم کیا کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس وہاں آدمی بٹھلا دیتے اور جب ختم کا وقت ہوتا تو خود آجاتے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نماز تراویح میں اس کے مستحب ہونے پر نص کی ہے۔

عبداللہ بن احمد حنبل کہتے ہیں میں نے امام احمد کو کہتے سنا ہے کہ جب تو ((قل اعوذ برب الناس)) پڑھ کر فارغ ہو تب رکوع سے پہلے دعا کے لئے دونوں ہاتھوں کو اٹھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ اس مسئلہ میں (کس دلیل پر) چلتے ہیں۔؟

فرمایا:

میں نے اہل مکہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔
اور سفیان بن عیینہ بھی ان کے ساتھ مکہ میں ایسا کرتے تھے۔
عباس بن عبدالعظیم کہتے ہیں کہ میں نے بھی لوگوں کو بصرہ اور مکہ میں ایسا ہی کرتے پایا ہے اور اہل مدینہ سے اس بارے میں چند امور مروی ہیں جو حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے ذکر کئے جاتے ہیں۔
فضل بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ (امام احمد رحمتہ اللہ علیہ) سے پوچھا:
''میں قرآن ختم کرتا ہوں، کیا تراویح اور وتر میں کروں؟''
فرمایا:
''ہاں تراویح میں کرتا کہ ہماری دعا دونوں (تراویح، وتر) کے درمیان ہو۔''
عرض کیا: میں کس طرح کیا کروں۔؟ کہا:
''جب تو آخر قرآن سے فارغ ہو تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا، رکوع سے پہلے ہمارے لئے دعا کر۔ اس طرح کہ ہم نماز میں ہوں گے اور قیام کو طول دیا کر۔''
میں نے پوچھا کہ دعا کیا کروں؟ فرمایا: جو تو چاہے۔ میں نے ایسا ہی کیا جو انہوں نے بتلایا تھا اور وہ دونوں ہاتھ اٹھائے، میرے پیچھے کھڑے ہوئے دعا مانگتے تھے۔ پس یہ مقام مواطن دعا میں سے زیادہ ضروری اور اجابت کے لئے حق ہے تو مواطن صلوٰۃ میں بھی نہایت مؤکدہ جگہ ہے۔

حدیث پڑھتے وقت درود وسلام:

درود شریف کے مقامات میں سے ایک یہ ہے کہ حدیث پڑھتے وقت درود وسلام پڑھا جائے۔ ابن حبان نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد:

((ان اولی الناس بی یوم القیمة اکثرھم علی صلوة))

''قیامت کے دن میرے سب سے قریب وہ ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے۔''
فرمایا:
''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر محدثین ہوں گے کیونکہ امت میں کوئی بھی ان سے بڑھ کر حضور علیہ السلام پر درود وسلام پڑھنے والا نہیں۔''
خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ ہم سے ابونعیم (محدث کبیر) نے فرمایا:
''یہ وہ عظیم شرف ہے جو صرف حدیث کے راویوں کو حاصل ہے کیونکہ حدیث لکھتے اور ذکر کرتے وقت جتنا درود وسلام اس گروہ کو پڑھنے کا موقع ملتا ہے کسی دوسرے کو نہیں ملتا۔''
سفیان ثوری نے فرمایا:
''محدث کو درود وسلام کے بغیر بالفرض کوئی اور فائدہ نہ بھی ہو تو یہ ہی اس کو کافی ہے کیونکہ وہ کتاب میں جب بھی اسم اقدس کا ذکر کرتا ہے ساتھ درود وسلام لکھتا ہے۔''
ایک اور صاحب نے کہا:

''اس حدیث میں محدثین کے لئے عظیم بشارت ہے کیونکہ وہ سرکار دو عالم علیہ السلام پر قولاً و فعلاً رات دن پڑھتے اور لکھتے وقت درود و سلام بھیجتے ہیں۔ پس یہ حضرات سب لوگوں سے بڑھ کر نبی کریم علیہ السلام پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ پس یہ حضرات سب لوگوں سے بڑھ کر درود و سلام بھیجنے والے ہوئے اسی لئے تمام علماء میں سے صرف ان حضرات کو اس مدح و منقبت کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔ پس اس احسان پر اللہ کا شکر ہے۔''

ابوالیمن ابن عساکر نے فرمایا:

''محدثین، اللہ ان کو زیادہ کرے، اس بشارت پر لائق تہذیب و تبریک ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ عظیم احسان فرما کر اپنی نعمت تمام فرما دی کہ یہی لوگ بروز قیامت انشاء اللہ رسول پاک علیہ السلام کے قریب تر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و وسیلہ کے مستحق تر ہوں گے، کیونکہ یہی لوگ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر لکھتے ہیں اور اہم اوقات میں اپنی مجالس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرتے رہتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو اپنی درس و تدریس کی محفلوں میں درود و سلام کا غلغلہ بلند رکھتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء ان لوگوں کا شعار و آئین ہے اور آپ کے باعظمت آثار حسنہ کو خوبصورت پیرائے میں شائع کرنا ہی ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ مزید برآں احادیث، نصوص اور آثار جو عقل و خرد کی شب تاریک میں سورج بن کر چمکتے ہیں، کے حقیقی واقف کار بھی یہی لوگ ہوتے ہیں اور انشاء اللہ! یہ لوگ فرقہ ناجیہ میں سے ہوں گے۔ اللہ ہم کو ان میں سے اور ان کے ساتھ کر دے اور جو شخص ہماری اس دعا پر آمین کہے اللہ اس پر رحم فرمائے۔''

ابوعروبہ الحرانی کے سامنے جب کوئی احادیث پڑھتا وہ درود و سلام پڑھے بغیر نہ رہتے اور خوب ظاہر کر کے پڑھتے اور کہا کرتے:

''حدیث شریف پڑھنے کی ایک برکت یہ ہے کہ دنیا میں کثرت سے درود و سلام پڑھنے کی سعادت اور آخرت میں انشاء اللہ جنت کی نعمتیں ملیں گی۔''

وکیع بن جراح نے فرمایا:

''اگر نبی کریم علیہ السلام پر درود و سلام بھیجنا مقصود نہ ہوتا تو میں حدیث کبھی بیان نہ کرتا۔''

ابوالحسن نہاوندی الزاہد سے منقول ہے:

''ایک شخص کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس نے خضر علیہ السلام سے کہا: سب سے افضل عمل اطاعت رسول ہے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا: ٹھیک ہے! اور افضل درود و سلام وہ ہے جو حدیث رسول پڑھتے، لکھتے اور لکھاتے وقت پڑھا جائے۔ زبان پر ذکر ہو، کتاب میں لکھا جا رہا ہو، اعلیٰ درجہ کی رغبت اور افزوں تر فرحت ہو۔''

ابواحمد زاہد نے فرمایا:

''تمام علوم میں بابرکت، افضل اور دین و دنیا میں کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ نفع بخش علم علمِ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، کیونکہ اس میں درود و سلام کی کثرت ہے۔ یہ علم باغات کی طرح ہے جس میں

تمہیں ہر نیکی و فضیلت مل سکتی ہے۔"
اس کو التیمی نے بیان کیا۔

اسم گرامی لکھتے وقت درود شریف کو تحریر کرنا:

ایک مقام یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھے تو درود و سلام بھیجے۔
ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جس نے تحریر میں مجھ پر درود بھیجا اس تحریر میں جب تک میرا نام باقی رہے گا فرشتے لکھنے والے کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔"

حضرت جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے:
"جو شخص کسی تحریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجے (لکھے) جب تک اس کتاب میں اسم گرامی موجود رہے گا، فرشتے صبح و شام اس شخص کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔"

حافظ ابن الصلاح نے کہا:
"جب بھی اسم گرامی لکھے درود و سلام لازماً لکھے۔ اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بار بار آتا ہو تو بھی درود و سلام لکھنے میں کوتاہی نہ کرے، یہی عظیم الشان فائدہ ہے جو علم حدیث کے طلباء اور لکھنے والوں کو فوری حاصل ہوتا ہے۔ جس نے اس سے غفلت برتی وہ یقیناً ایک بڑے اجر و ثواب سے محروم رہا۔ اب جو جتنا تحریر کرے گا وہ کوئی ایسا کلام تو ہے نہیں جسے روایت کیا جا رہا ہے، بلکہ وہ ایک دعا ہے جسے کتاب میں لکھا جا رہا ہے۔ پس یہاں کسی روایت و اصل کی کوئی قید نہیں یہی حال اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے ساتھ حمد و ثناء کا ہے۔
مثلاً:

((جل جلاله تبارك وتعالى))

درود شریف لکھنے میں دو کوتاہیوں سے بچنا چاہئے۔ پہلی یہ کہ درود شریف کے الفاظ کو کم کر کے لکھنا جیسا کہ سست جاہل اور عوام کرتے ہیں کہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ "صلعم" وغیرہ لکھ دیتے ہیں۔ دوسری یہ کہ معنی میں کمی کر دینا۔ مثلاً: وسلم کا لفظ نہ لکھنا۔ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ نبی کریم علیہ السلام کے اسم گرامی، آپ کے کلام اور آپ کے افعال شریفہ کے لکھتے اور نقل کرتے وقت آپ پر درود و سلام لکھنا مستحب ہے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اگر درود و سلام کے الفاظ اصل روایت میں ہیں یا شیخ سے سنے ہیں تو ان کا تلفظ واضح کرو اور اگر اصل روایت میں یہ الفاظ لکھے نہ تھے تو یہ کوئی قید نہیں (کہ ہم تصرف نہ کر سکیں) بلکہ ان کا تلفظ بھی کرے اور تحریر بھی کرے، کیونکہ یہ ایک ثناء و دعا ہے جس کو لکھ رہا ہے، کوئی کلام نہیں جسے روایت کر رہا ہو۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے خط تحریر میں درود و سلام لکھنے میں جو کوتاہی پائی جاتی ہے اس کے متعلق خطیب بغدادی نے کہا کہ اس سلسلہ میں آئمہ متقدمین نے ان کی مخالفت کی ہے۔ علامہ ابن الصلاح نے فرمایا:
"شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ امام درود و سلام لکھنے میں کسی روایت سے ثبوت ضروری سمجھتے ہوں جو ان کو نہ ملی ہو۔"
خطیب نے کہا:

''مجھے پتہ چلا ہے کہ امام اگرچہ لکھتے نہ تھے مگر اسم گرامی کے ساتھ درود وسلام زبانی بھیجتے تھے۔''

ابن دقیق العید امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے ہم نوا ہیں' انہوں نے کتاب الاقتراح میں کہا:

''ہم اس خیال کے حامی ہیں کہ اصول وروایات کی چھان پھٹک کی جائے۔ اگر کسی مقام پر اصل روایت میں درود وسلام لکھا ہوا نہیں حالانکہ موقع اس کا مقتضی ہے تو وہاں درود شریف اس طرح پڑھے کہ دوسروں کو بھی پتہ چلے کہ کسی کی حکایت نہیں کر رہا بلکہ اپنی طرف سے قصداً درود شریف پڑھ رہا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ درود وسلام پڑھتے وقت کتاب سے اپنی نظر اوپر کو اٹھائے اور دل میں اپنی طرف سے درود شریف پڑھنے کی نیت کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ میں کسی کی حکایت کر رہا ہوں۔''

صاحب اللوا المعلم نے فرمایا:

''میں نے درود وسلام لکھنے والے کاتبوں کے بارے میں ایک بہترین خواب بھی دیکھا ہے۔''

رہا حضور علیہ السلام کا اسم گرامی لکھتے وقت درود وسلام پڑھنا اور اس کا ثواب اور غفلت برتنے والے کی مذمت! تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جیسے زبان نے درود وسلام پڑھتے ہوئے یونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے ہاتھوں سے بھی درود شریف لکھا کرو کیونکہ جتنی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھو گے ثواب پاؤ گے اور یہ فضیلت آثار کے پیروکار' حدیثوں کے راوی اور سنت کو اپنانے والے حاصل کرتے ہیں۔ سو یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ اہل علم نے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ جب بھی کاتب حضور علیہ السلام کا نام نامی لکھے ساتھ ہی درود وسلام بھی لکھے۔

النمیری نے عبداللہ بن سنان سے روایت کیا کہ میں نے عباس عنبری اور علی مدینی کو فرماتے سنا:

''ہم نے جو بھی حدیث سنی رسول اکرم علیہ السلام پر درود وسلام پڑھنا ترک نہیں کیا۔ بسا اوقات جلد بازی کی وجہ سے کہیں درود وسلام لکھنے میں کوتاہی ہوگئی تو ہم نے نظر ثانی کے وقت اس کا ازالہ کر دیا۔''

فتویٰ لکھتے وقت درود وسلام:

ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ فتویٰ لکھتے وقت درود وسلام لکھا یا پڑھا جائے۔ امام نووی نے زوائد الروضہ میں فرمایا:

''فتویٰ دیتے وقت مستحب ہے کہ اعوذ باللہ' بسم اللہ' حمد وثناء اور درود وسلام سے ابتداء کرے اور کہے:

((لاحول ولاقوۃ الا باللہ' رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی))

''بدی سے پھرنا اور نیکی کی طاقت صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔''

پھر امام نووی نے فرمایا:

''اگر سائل سوال کے آخر میں دعا' حمد وثناء یا درود وسلام لکھنے میں غفلت برتے تو مفتی اپنے ہاتھ سے لکھ دے کیونکہ عادت اسی طرح جاری ہے۔''

بامقصد کام کی ابتداء درود وسلام سے:

ایک موقع یہ ہے کہ ہر بامقصد صحیح کام کی ابتداء میں درود وسلام کا ذکر کرے۔ ابوموسیٰ مدینی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((کل کلام لایذکر اللّٰہ تعالیٰ فیہ فیبدأبہ وبالصلوٰۃ علی فھو اقطع ممحوق من کل برکۃ))

''جس کلام میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے (جس کی صورت یہ ہے کہ) مجھ پر درود نہ بھیجا جائے تو وہ ہر خیر وبرکت سے منقطع ہے۔''

ہر نیک کام کے وقت: علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں کہ ہر ایک کلام خیر ذی بال کے وقت درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے، یعنی پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود سے ابتداء کرے اور اس کے بعد اپنا کلام ذکر کرے۔ حمد سے ابتداء کرنے کے بارے میں تو مسند امام احمد اور سنن ابی داؤد میں حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

''ہر ایک کلام جس کی ابتداء حمد اللہ سے نہیں وہ بنی بریدہ ہے۔''

اور نبی اکرم ﷺ کے درود کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ مدینی نے سند کے ساتھ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے ذکر اور میرے درود کے ساتھ نہیں وہ کلام اقطع اور ہر ایک برکت سے خالی ہے۔''

اللہ کے ذکر کی مجلس میں درود وسلام پڑھنا:

ان میں سے درود وسلام کا ایک یہ موقع ہے کہ جب کسی جگہ اللہ کے ذکر کے لئے اجتماع ہو وہاں بھی درود وسلام پڑھا جائے۔

الثیمی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ سیر وسیاحت کرنے والے فرشتے ہیں۔ جب کسی حلقہ ذکر پر ان کا گزر ہوتا ہے تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں:

''بیٹھ جاؤ!''

جب حاضرین دعا کرتے ہیں تو وہ آمین کہتے ہیں۔ جب وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں تو یہ بھی ان کے ہمراہ درود وسلام بھیجتے ہیں، یہاں تک کہ فارغ ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے سے کہتے ہیں:

''یہ لوگ مبارک ہیں کہ جب گھروں کو لوٹیں گے تو گناہ بخشوا چکے ہوں گے۔''

اختتام جلسہ پر صلوٰۃ وسلام:

ایک موقع یہ ہے کہ جلسہ کے بعد جب لوگ اٹھ کر جانا چاہیں تو درود وسلام پڑھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جہاں لوگ بیٹھیں، نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں نہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجیں قیامت کے دن چاہے جنت میں داخل ہو جائیں، درود نہ پڑھنے کی حسرت ان پر برقرار رہے گی۔''

اس کو امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں

مقامات درود میں سے ایک مقام مجلس سے اٹھنے کا وقت ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بیان کیا ہے کہ میں نے سفیان بن سعید کو اتنی دفعہ کہتے سنا ہے جس کا شمار نہیں کر سکتا کہ جب اٹھنے کا ارادہ کرتے تو کہا کرتے:

((صلی اللہ و ملائکتہ علی محمد و علی انبیاء اللہ و ملائکتہ))

اس موطن میں یہی اثر ملا ہے۔

آپس میں ملاقات کے وقت درود وسلام پڑھنا:

ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ جب دو بھائی (خواہ نسبی خواہ ایمانی) آپس میں ملاقات کریں اور مصافحہ کریں تو رسول اللہ علیہ السلام پر درود بھیجیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''اللہ کے جو دو بندے اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبت کریں، بوقت ملاقات مصافحہ کریں اور نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام بھیجیں تو جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت ہو جاتی ہے اور ان کے پہلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''

اس کو حسن بن سفیان نے اور یعلیٰ موصلی نے اپنی اپنی مسند میں روایت کیا۔

خرید و فروخت کے وقت درود وسلام:

ان میں سے ایک موقع یہ ہے کہ خرید و فروخت کے وقت درود وسلام پڑھا جائے۔ جو اس بات کا قائل ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس با مقصد کام کی ابتداء اللہ کے ذکر اور مجھ پر درود وسلام سے نہ کی جائے وہ بے برکت ہے۔

زراعت کے وقت درود وسلام:

ان میں سے ایک موقع یہ ہے کہ زراعت کے وقت درود وسلام پڑھا جائے۔ امام القرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا:

''جو زمین میں بیج ڈالے اس کے لئے مستحب ہے کہ آیہ کریمہ: افرأیتم ماتحرثون کے بعد یوں کہے کہ کھیتی اگانے والا اور فصل پیدا کرنے اور اسے پروان چڑھانے والا اللہ ہی ہے۔

((اللھم صل علی محمد و علی ال محمد وارزقنا ثمرہ وجنبنا ضررہ واجعلنا لانعمك من الشاکرین))

''الٰہی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر درود بھیج اور ہمیں اس کھیتی کا پھل نصیب فرما اور اس کے نقصان

سے ہمیں بچا اور ہمیں ان لوگوں میں سے کرنا جو تیری نعمتوں کا شکر کرنے والے ہیں۔''
میں نے قابل وثوق لوگوں سے سنا ہے کہ یہ درود کھیتی کے لئے ہر طرح کی آفات مثلاً: کیڑے مکوڑے، ٹڈی دل وغیرہ سے امان ہے۔ اس کا تجربہ کیا گیا تو یونہی پایا گیا۔

جب کان بجنے لگے تو درود شریف پڑھے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جب تم میں کسی کا کان بجنے لگے تو چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے۔''
اس کو ابو عاصم نے روایت کیا۔
علامہ ابن قیم الجوزیہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:
درود خوانی کے اوقات میں سے ایک وقت وہ ہے جب کان بولنے لگیں۔ اس کو ابو موسیٰ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ ابن ابی عاصم نے سند کے ساتھ حدیث کو روایت کیا ہے کہ:
''جب کسی کا کان بولنے لگے تو وہ مجھ پر درود پڑھے اور کہے ((ذکر الله بخير من ذكرني))۔''
معمر نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ مگر اس کی روایت میں عبداللہ نہیں یعنی پہلی روایت میں ابو رافع اپنے بھائی عبداللہ سے روایت کرتا تھا اور وہ اپنے باپ سے اور اس روایت میں ابو رافع خود اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ ایک اور روایت میں ذكر الله من ذكر نبي بخير ہے۔

جب پاؤں سو جائے تو درود وسلام پڑھے:

ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ جب کسی کا پاؤں سو جائے تو درود وسلام بھیجے۔ ابن السنی نے ہیثم بن حنش سے روایت کیا کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھے، پس ان کا پاؤں سو گیا۔ کسی نے کہا:
''جو تم کو سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب ہو اس کا ذکر کرو!''
انہوں نے کہا:
''یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔''
انہیں ایسے لگا جیسے رسی کی گرہ کھول دی گئی ہو۔
اسی محدث نے حضرت مجاہد سے نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس کسی شخص کا پاؤں سو گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''تمام لوگوں میں جو تمہارے نزدیک محبوب تر ہے اس کا ذکر کرو۔''
اس نے کہا:
''محمد صلی اللہ علیہ وسلم''
چنانچہ اس کا پاؤں ٹھیک ہو گیا۔

جب کسی بھولی ہوئی شئے کو یاد کرنا چاہے تو درود وسلام پڑھے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم کوئی چیز بھول جاؤ تو مجھ پر درود وسلام بھیجو! انشاء اللہ یاد آجائے گی۔''

اس کو ابو موسیٰ المدینی نے روایت کیا۔

ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص کسی چیز کو بھول جائے اور یاد کرنا چاہے تو اس وقت درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ اس کو ابو موسیٰ مدینی نے ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں محمد بن عتاب المروزی کے طریق سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود پڑھو۔ انشاء اللہ وہ یاد آجائے گی۔''

حافظ موسیٰ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو کتاب الحفظ والنسیان میں ہم نے دوسرے طریق سے روایت کیا ہے۔

گھر میں داخل ہوتے وقت درود وسلام پڑھنا:

ایک مقام یہ ہے کہ جب کوئی اپنے گھر میں داخل ہو تو درود وسلام بھیجے۔ اس کو حافظ ابو موسیٰ مدینی نے بیان کیا ہے اور اس بارے میں ابو صالح کی روایت سے سند کے ساتھ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے:

''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور فقر وتنگدستی کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کہہ۔ خواہ اس میں کوئی ہو یا نہ ہو۔ پھر مجھ پر سلام پڑھ۔ پھر ایک دفعہ قل هو الله احد پڑھ۔''

اس شخص نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالیٰ نے اس پر رزق کی ریل پیل کردی۔ یہاں تک کہ وہ ہمسائیوں اور قرابتیوں کو بھی دینے لگا۔

سوتے وقت درود وسلام پڑھنا:

ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ سوتے وقت درود شریف پڑھے۔

سونے کے وقت درود شریف پڑھنا بھی اوقات درود خوانی میں سے ہے۔ ابوالشیخ نے سند کے ساتھ حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ: ''جو شخص بستر پر لیٹ کر ((تبارك الذى بيده الملك)) پڑھے اور پھر کہے:

((اللهم رب الحل والحرام و رب البلد الحرام و رب الركن والمقام و رب الشعر الحرام بحق كل آية انزلتها فى شهر رمضان بلغ روح محمد صلى الله عليه وسلم منى تحية وسلما))

''یا اللہ! مالک حلال وحرام کے اور مالک شہر حرمت والے اور مالک رکن اور مقام کے اور مالک مشعر الحرام کے بحق آیات قرآن مجید جن کو تو نے ماہ رمضان میں اتارا، روح مبارک محمد ﷺ پر میری جانب سے تحیت اور

سلام بھیج۔''

''چار دفعہ اس کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو مقرر فرماتا ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں اور کہتے ہیں یا محمد! فلان ابن فلان آپ کو ((السلام و رحمة الله)) عرض کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ((وعلی فلان منی السلام و رحمة و بر كاته))۔''

حافظ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ اسناد میں جو محمد بن نشر راوی کا نام ہے۔ یہ نشر فتح نون کے ساتھ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابو قرصافہ کا ذکر ابن عبدالبر نے کتاب الصحابہ میں کیا ہے۔ ان کا نام جندرہ ہے۔ بنی کنانہ میں سے فلسطین میں آباد ہوئے تھے اور کہتے ہیں کہ تہامہ میں رہتے تھے اور محمد بن نشر مدنی ہے اور ازدی نے اس کو متروک الحدیث اور مجہول کہا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ علت حدیث یہ ہے کہ یہ مشہور امام ابو جعفر باقر رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

نیند نہ آنے کے وقت درود وسلام پڑھنا:

ایک مقام یہ کہ جس شخص کو کم نیند آئے وہ درود وسلام پڑھے۔

ابن بشکوال نے عبدالقدوس رازی کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو جسے کم نیند آتی تھی، فرمایا:

''جب سونا چاہو تو آیہ کریمہ: **ان اللہ وملئکته یصلون علی النبی یاایھاالذین اٰمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما** پڑھ لو۔''

نیند سے بیدار ہوتے وقت:

رات کی نیند سے سو کر اٹھنے کے وقت درود شریف کا پڑھنا مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ امام نسائی نے سنن کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ دو شخصوں کو دیکھ کر ہنستا اور خوش ہوتا ہے۔ ایک وہ جو دشمن سے عمدہ گھوڑے پر سوار ہو کر ملے۔ پھر دشمنوں کو بھگا دے اور یہ ثابت رہے۔ اگر یہ بندہ مارا گیا تو شہادت پائی اور زندہ رہا تو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ کر ہنستا ہے۔ ایک وہ جو رات کو ایسے وقت اٹھتا ہے کہ کوئی نہ جانے۔ پھر اچھی طرح وضو کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تمجید بجالاتا ہے اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتا ہے اور قرآن مجید کھول لیتا ہے اسے دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ ہنستا ہے۔ فرماتا ہے: میرے بندے کو دیکھو عبادت میں مشغول ہے اور میرے سوا اسے کوئی نہیں دیکھتا۔ عبدالرزاق نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

بازار اور دعوت کی طرف جاتے وقت:

ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ جب بازار جائے اور دعوت سے واپس ہو تو درود وسلام پڑھے۔

حضرت ابووائل فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ کسی مجلس یا دعوت میں بیٹھے ہوں اور کھڑے ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام اور بہت سی دعائیں نہ کرتے ہوں۔ اگر بازار جاتے تو کسی بلند جگہ پر آ کر بیٹھ جاتے' اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے' نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام پڑھتے اور مختلف دعائیں مانگتے۔''

اس کو ابن ابی حاتم وغیرہ نے روایت کیا۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

بازار یا دعوت کو جاتے یا کسی جانب نکلتے وقت ، درود پڑھنا بھی درود خوانی کے مقامات میں سے ہے۔ ابن ابی حازم نے سند کے ساتھ ابی وائل سے روایت کی ہے کہ میں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب گھوڑے پر سوار ہوتے یا جنازوں کے ساتھ جاتے یا کسی کام کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے اللہ کی حمد وثناء کرتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے اور دعائیں مانگتے۔ جب بازار جاتے اور اس کی ایسی جگہ پر پہنچتے تھے جو بہت غافل کر دینے والی ہو۔ (رونق اور بھیڑ کی جگہ) تو وہیں بیٹھ کر حمد وثناء اللہ کی کرتے، درود پڑھتے اور چند دعائیں بھی۔

غریبی کے وقت جب صدقہ نہ کر سکتا ہو:

ان میں سے ایک موقع یہ ہے کہ جب انسان صدقہ وخیرات دینے سے معذور ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے۔

ابن وہب نے ابوسعید خذری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کے پاس صدقہ کرنے کو کچھ نہ ہو تو وہ اپنی دعا میں اس طرح درود وسلام پڑھ لے:

((اللھم صل علی محمد عبدك ورسولك وصلی علی المؤمنین والمؤمنت والمسلمین والمسلمٰت))

''الٰہی! اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام نازل فرما اور ایمان والے مردوں اور عورتوں پر اور مسلمان مردوں اور عورتوں پر۔ یہی اس کا صدقہ وزکوٰۃ ہے۔''

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

مقامات درود خوانی میں سے ایک مقام یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس مال نہ ہو تو وہ صدقہ کے بدلے درود شریف پڑھے۔ تنگ دست سے یہ درود پڑھنا عوض صدقہ کے کفایت کرے گا۔ ابن وہب نے سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس صدقہ نہ ہو وہ اپنی دعا میں پڑھے:

((اللھم صل علی محمد عبدك ورسولك وصل علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات))

یہی اس کے لئے زکوٰۃ ہے۔

وصیت لکھواتے وقت درود وسلام پڑھنا:

ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ وصیت لکھواتے وقت درود شریف پڑھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب صحابی رسول ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آیا تو انہوں نے کہا:

''میری وصیت لکھو!''

پس کاتب نے لکھا:

''یہ وصیت صحابی رسول ابو بکرہ نے کی۔''

حضرت ابو بکرہ نے فرمایا:

''کیا موت کے وقت میں کنیت استعمال کروں؟ اس کو مٹا دو اور یوں لکھو: یہ وہ وصیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمترین حبشی غلام نے کی۔ وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نبی ہیں، اسلام اس کا دین اور کعبہ اس کا قبلہ ہے اور اسے اللہ تعالیٰ سے وہی کچھ امید ہے جو اس کی توحید پر ایمان اور اس کی ربوبیت کا اقرار کرنے والوں کو ہے (پھر وصیت لکھوائی)۔''

سواری پر سوار ہوتے وقت اور ارادہ سفر کے وقت:

ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ جب کسی جانور پر سوار ہونا ہو تو نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام بھیجے۔ امام طبرانی نے باب الدعا میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

''جو شخص جانور پر سوار ہوتے وقت کہے:

((بسم اللہ الذی لایضر مع اسمه شیء سبحنه لیس له سمی سبحن الذی سخر لنا هذا وما کنا له مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون الحمدللہ رب العلمین وصلی اللہ علی محمد علیه السلام))

''اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز ضرر نہیں دے سکتی۔ وہ پاک ہے اس کی کوئی نشانی نہیں؛ پاک ہے وہ جس نے اس (جانور) کو ہمارے تابع کیا حالانکہ ہم اس کو قابو میں نہیں لا سکتے تھے اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سب جہان کو پالنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و رحمت نازل فرمائے۔''

سواری کہتی ہے: ''اے مومن! اللہ تعالیٰ تجھ پر برکت نازل فرمائے! تو نے میری کمر سے بوجھ ہلکا کر دیا، اپنے رب کی اطاعت کی اور اپنے ساتھ احسان کیا، اللہ تعالیٰ تیرے سفر میں برکت دے اور تیری حاجت پوری فرمائے۔''

ارادہ سفر کے وقت درود: ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ جب ارادہ سفر کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے۔ امام نووی علیہ الرحمہ نے مسافر کے اذکار میں فرمایا:

''اپنی دعا کی ابتداء بھی حمد الٰہی اور درود مصطفوی سے کرے اور اختتام بھی۔''

حج کے دوران درود وسلام:

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اعمال حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے۔ وہ چند مقامات یہ ہیں:

1۔ تلبیہ سے فراغت کے وقت۔

2۔ صفاء ومروہ کے درمیان دوڑتے وقت۔
3۔ مسجد خیف کے پاس۔
4۔ جب طواف وداع سے فارغ ہو۔

ان تمام مقامات کے متعلق صحابہ کرام اور بعد کے بزرگوں کے آثار مروی ہیں۔

صفاومروہ پر درود وسلام:

مقامات درود سے ایک جگہ صفاومروہ ہے۔ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں نافع سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صفامروہ پر تین تکبیریں کہتے، پھر یہ دعا پڑھتے:

((لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شىء قدير))

پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتے۔پھر دعا مانگتے،ان کے قیام ودعا میں طول ہوتا۔ایسا ہی مروہ پر جا کر کرتے۔
جعفر بن عون نے سند کے ساتھ وہب بن اجدع سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مکہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے سنا۔کہتے تھے:

''جب کوئی شخص حج کے لئے آئے،اسے چاہیے کہ بیت اللہ کا طواف کرے سات بار اور مقام ابراہیم پر دو رکعتیں پڑھے اور حجر اسود کو استلام کرے اور پھر صفا سے ابتداء کرے۔اس پر کھڑا ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے سات تکبیریں کہے۔ہر ایک تکبیر کے درمیان اللہ عزوجل کی حمد وثناء اور نبی اکرم ﷺ پر درود ہو اور اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال۔مروہ پر بھی ایسا ہی کرے۔بزار نے اپنی سند کے ساتھ وہب سے اور ابوذر نے اپنی سند کے ساتھ جعفر سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

تلبیہ کے وقت:

درود پڑھنے کی ایک جگہ تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔دار قطنی نے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ لبیک سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت ورضوان کا سوال کیا کرتے اور جہنم سے اس کی رحمت کی پناہ مانگتے۔
صالح کہتے ہیں: میں نے قاسم بن محمد کو کہتے سنا ہے کہ تلبیہ کے بعد درود پڑھنا مستحب ہے۔میں کہتا ہوں کہ ہاں یہ بھی توابع دعا سے ہے۔

استلام حجر اسود کے وقت:

درود پڑھنے کا ایک وقت استلام حجر اسود ہے۔ابوذر ہروی نے سند کے ساتھ نافع روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب استلام حجر کا ارادہ کرتے تو پڑھا کرتے:

((اللهم ايمانا بك وتصديقا بكتابك وسنة نبيك صلى الله عليه وسلم))

مدینہ منورہ پہنچنے پر درود وسلام پڑھنا:

ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب مدینہ طیبہ آئے اور نگاہ حرم شریف پر اور کھجوروں اور مکانات پر پڑے تو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درودوسلام کا نذرانہ پیش کرے اور حضور علیہ السلام کی قبر انور کے قریب صلاۃ وسلام عرض کرے۔

کتاب المسالک میں فرمایا:

''جاننا چاہئے کہ جوں جوں مدینہ منورہ کے قریب آئے صلوٰۃ وسلام میں اضافہ کرنا مستحب ہے اور وہاں کے میدانوں کی تعظیم وتکریم کو ملحوظ خاطر رکھے۔ وہاں کے مکانوں اور ان کے صحنوں کی تعظیم کرے۔ یہ بھی یقین کرے کہ یہ مقامات وحی اور نزولِ قرآن کی منازل ہیں اور یہ بھی کہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کثرت سے یہاں آتے جاتے رہے ہیں اور یہ کہ نبی کریم علیہ السلام اس خطہ میں محو استراحت ہیں اور اسی مقدس سرزمین میں مدفون ہیں اور یقین کرے کہ یہ قطعہ زمین بزرگ ترین قطعہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں حاضری کی نیت کرے اور اس بارگاہ کی عظمت کا شعوری طور پر اظہار کرے اور یہاں کی جلالت وشوکت اور کمال محبت کو پیش نظر رکھے اور جس کو وہ اپنی مراد جانتا ہے اس کی طرف جلد جلد بڑھے اخلاص، توبہ اور صدق نیت کے ساتھ۔ پھر انتہائی سکون ووقار کے ساتھ ایک ایک قدم اٹھاتا اور ہر قدم کو باعث ثواب سمجھتا نہایت ادب واحترام کے ساتھ بارگاہ عالیہ میں حاضر ہو جائے، مکین گنبد خضریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ کرتے ہوئے۔''

روضہ رسول کی زیارت کے وقت درود وسلام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کی ترغیب متعدد حدیثوں میں آئی ہے۔ اگر باقی نہ بھی ہوتیں تو رسول صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے زائر کے لئے وجوب شفاعت وغیرہ کا وعدہ ہی بہت کافی تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لے کر آج تک تمام آئمہ اُمت کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ زیارت روضہ اقدس تمام عبادتوں سے افضل ہے۔ شیخ الاسلام ابوالحسن سبکی نے ''شفاء الاسقام'' میں فرمایا:

''آئمہ کی ایک جماعت نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہے: **مامن احد یصلی الا رداللہ علی روحی** ''جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے......'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنا مستحب ہے اور یہ اعتماد صحیح ہے، کیونکہ جب سلام عرض کرتا ہے تو جلد ہی اسے جواب مل جاتا ہے اور یہی فضیلت مطلوب ہے۔''

الدار المنضود کی چوتھی فصل میں فرمایا:

''درود وسلام کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ ایک فرشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور پر کھڑا ہوتا ہے جو آپ کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہے اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے وہ اس کا جواب بھی دیتا ہے۔''

اس کے ساتھ اور بھی متعدد حدیثیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں جواب دیتا ہوں۔''

ان میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ جو کوئی مجھ پر میری قبر کے پاس آکر درود بھیجے میں اس کو سنتا ہوں اور جو کوئی دور سے مجھ پر درود بھیجے اللہ تعالیٰ کا مقرر شدہ فرشتہ اسے مجھ تک پہنچا دیتا ہے اور یہ اس کی دنیا وآخرت

کے لئے کافی ہے اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں گا۔

اور ایک حدیث میں ہے:

''تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اس میں حضرت آدم کی پیدائش اور اسی میں وفات ہوئی' اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی میں بیہوشی ہوگی۔ پس اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو! بیشک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔''

صحابہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! جب آپ کی وفات ہو جائے گی' پھر آپ پر ہمارا درود کیسے پیش ہوگا۔؟''

فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسم حرام کر دیئے کہ وہ ان کو کھا سکے۔''

ایک جگہ یہ ارشاد فرمایا:

''اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو اور میری قبر کو عید نہ بنالینا اور مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تم جہاں کہیں بھی ہو' مجھ تک تمہارا درود پہنچ جاتا ہے۔''

امام نووی نے اس روایت کو اور اس سے پہلی کو کتاب الاذکار میں صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابن حجر نے فرمایا:

''ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دور سے درود وسلام بھیجا جائے' وہ آپ کی خدمت میں پہنچایا جاتا ہے اور جب قبر شریف کے پاس پڑھا جائے تو آپ بلاواسطہ خود سنتے ہیں۔ چاہے جمعہ کی رات ہو یا کوئی اور۔''

امام نووی سے یہ فتویٰ پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص کہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر پڑھا جانے والا درود وسلام خود سنتے ہیں' اگر سنتے ہوں تو میری بیوی کو تین طلاق! تو کیا اس کی قسم بوجہ نہ سننے کے ٹوٹ جائے گی یا نہیں؟

فرمایا:

''احتیاط اور تقویٰ یہی ہے کہ اسے حانث تسلیم کر لیا جائے کہ قسم ٹوٹ گئی اور طلاق ہوگئی۔

جو کہا جاتا ہے کہ سلام کا جواب دینا خاص ہے زائرین کے لئے سو یہ بات مردود ہے کیونکہ دلیل عام ہے' لہٰذا تخصیص کا دعویٰ محتاج دلیل ہے۔ نیز اس تخصیص کو وہ صحیح حدیث بھی رد کرتی ہے جس میں ہے:

((مامن احد یمر بقبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الا عرفه ورد علیه السلام))

''جو کوئی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو دنیا میں پہچانتا تھا' پھر اس کو سلام کہے تو وہ (صاحب قبر) اسے پہچان لیتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔''

اب اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوابِ سلام بھی زائرین کے لئے خاص ہو تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمان اہل قبور میں کوئی فرق نہ رہا جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہو چکا کہ اس میں تو دوسرے بھی شریک ہیں۔

علامہ ابوالیمن ابن عساکر نے فرمایا:

''جب زائرینِ روضۂ اقدس کے سلام کا جواب جائز ہوا تو یہ بھی جائز ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں سے کوئی درود وسلام بھیجے سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب عنایت فرمائیں۔''

مقام بدر کی زیارت کے وقت:

جن مواقع پر درود وسلام پڑھنا چاہئے ان میں ایک یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات شریفہ، آپ کا وطن پاک اور آپ کے ٹھہرنے کے مقامات جیسے مقام بدر وغیرہ پر نظر پڑے تو درود وسلام پڑھا جائے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے غلام عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو جب کبھی مقام حجون سے گزرتیں، یہ فرماتے سنا:

''صلی اللہ علی رسولہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ یہاں یہاں ٹھہرے تھے۔ اس وقت ہمارے تھیلے (زادِراہ) سے خالی اور ہلکے پھلکے تھے۔''

اس کو امام بخاری نے روایت کیا۔

رنج والم کے موقع پر درود وسلام پڑھنا:

ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ رنج وغم اور سخت تکلیف کے موقع پر درود وسلام پڑھا جائے۔

ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ جب انسان فقر وفاقہ میں مبتلا ہو جائے یا مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھے۔ اس کے متعلق حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جسے ابونعیم نے روایت کیا ہے۔

طاعون کے پھیلنے کے وقت درود وسلام:

ان میں سے ایک یہ کہ جب طاعون پھوٹ پڑے تو درود وسلام پڑھا جائے۔ ابن ابی حجلہ نے ابن خطیب کی زبانی یہ حکایت نقل کی ہے کہ ایک مرد صالح نے ان سے فرمایا کہ نبی کریم علیہ السلام پر کثرت سے درود وسلام پڑھنے سے طاعون کی بیماری ختم ہو جاتی ہے۔

ابن ابی حجلہ نے کہا کہ میں نے یہ بات دل سے مان لی اور میں ہر وقت یہ پڑھتا رہتا ہوں:

((اللھم صل علی محمد))

اس مرد صالح کی دلیل وہ حدیث تھی جو پہلے مذکور ہو چکی ہے اور جس کے آخر میں یہ الفاظ تھے:

((اذاتکفی ھمك))

''جب تو یہ تیرے غم کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔''

ایک اور نیک آدمی نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کثرت طاعون کی شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ دعا پڑھنے کی ہدایت فرمائی:

((اللھم انا نعوذبك من الطعن والطاعون وعظیم البلاء فی النفس والمال والاھل

والولد اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر عدد ذنوبنا حتی تغفر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللھم کما شفعت نبیك فامھلنا و عمرت بنا منا زلنا فلا تھلکنا بذنوبنا یا ارحم - الراحمین))

''الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں طعن سے، طاعون سے، جان و مال اہل اور اولاد کے بارے میں بڑے امتحان سے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر، ہمارے گناہوں کی تعداد کے برابر یہاں تک کہ تو بخش دے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر۔ الٰہی! جیسے تونے اپنے نبی علیہ السلام کو شفیع بنایا ہم کو مہلت عطا فرما۔ تونے ہمارے گھر آباد فرمائے تو اے ارحم الراحمین! ہمارے گناہوں کے عوض ہم کو ہلاک نہ فرمانا۔''

امام قسطلانی نے فرمایا اور رفع طاعون کے لئے جو کچھ ہر روز پڑھنا چاہئے وہ ہے جسے بعض علماء نے نقل کیا ہے:

((سبحن من علی وھو فی علوہ دان سبحن من علی کل شیء سلطان و قھر کل شیء جبروتہ سبحن الذی لا الہ غیرہ و لا عز لاحد سواہ' سبحانہ عدد ماخلق اللّٰہ و ماھو خالق الہ ارضنا و سماء نا ادفع عنا شر اعد آئنا اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی القیوم العلی العظیم یالطیفا لم یزل الطف بنا فیما نزل انك لطیف لم تزل حی صمد باق لہ کنف و اق اللھم انا نعوذ بك من الطعن و الطاعون و عظیم البلاء فی النفس و المال و الاھل و الولد اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر و صلی اللّٰہ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ الہ و صحبہ و سلم))

تہمت کے وقت درود و سلام پڑھنا:

ایک موقع یہ ہے کہ جب کسی بے گناہ پر تہمت لگے تو وہ درود و سلام پڑھے۔ الدار المنظم کے مولف نے بلا اسناد ایک روایت نقل کی ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت نے نبی کریم علیہ السلام کے پاس آ کر ایک شخص کے خلاف چوری کی گواہی دی تو اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوا۔ چوری اونٹ کی ہوئی تھی۔ اتنے میں اونٹ نے چلا کر کہا:

''اس کے ہاتھ مت کاٹو!''

چنانچہ وہ شخص چھوٹ گیا۔ اسے پوچھا گیا:

''تیری نجات کس سبب سے ہوئی؟''

اس نے کہا:

''میں ہر روز سو مرتبہ نبی کریم علیہ السلام پر درود بھیجتا ہوں اسی کے طفیل میری نجات ہوئی۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا:

''تم دنیا و آخرت کے عذاب سے بچ گئے۔''

اسی طرح اس کو ابن بشکوال نے بغیر سند بیان کیا۔

خط لکھتے وقت درود وسلام:

ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ خطوط میں نبی کریم علیہ السلام پر درود لکھا جائے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا:
''امت کے طریق متوارث کے مطابق جس کا کسی نے انکار نہیں کیا' یہ بھی ہے کہ خطوں میں حضور علیہ السلام پر درود شریف تحریر کیا جائے اور یہ تحریر بسم اللہ کے بعد ہونی چاہئے۔ صدر اول میں اس پر عمل نہ تھا، اس کی ابتداء بنی ہاشم کے دور حکومت سے ہوئی تھی' پھر زمین کے کونے کونے میں لوگوں کا اس پر عمل شروع ہو گیا اور کچھ لوگ تو خط کا اختتام بھی اسی پر کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''جس نے خط میں (یعنی لکھ کر) مجھ پر درود بھیجا جب تک میرا نام خط (تحریر) میں ہوگا فرشتے اس شخص کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔''
حافظ اطوالربیع الکلاعی کی کتاب الاکتفاء میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنی سلیم پر مقرر شدہ اپنے عامل خلیفہ بن حاجر کی طرف یوں خط لکھا تھا:

((بسم اللہ الرحمن الرحیم من ابی بکر خلیفة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الی خلیفة بن حاجر: سلام علیك فانی احمد الیك اللہ الذی لااله غیره واسئله ان یصلی احمد الیك اللہ الذی لااله غیره اوسئله ان یصلی علی محمد رسوله صلی اللہ علیه وسلم امابعد))

گناہ سرزد ہونے کے فوراً بعد درود وسلام پڑھنا:

ان میں سے ایک یہ کہ جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام بھیجے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صلوا علی فان الصلوٰة علی کفارات کم))

''مجھ پر درود بھیجا کرو کہ درود تمہارا کفارہ ہے۔''
اور ابوالشیخ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

((صلوا علی فان صلاتکم زکوٰة لکم))

''مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارا درود بھیجنا تمہاری پاکی کا سبب ہے۔''
حافظ ابن القیم نے فرمایا:
''اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ درود شریف پڑھنے والے کے لئے پاکی ہے۔ زکوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں بڑھنا، برکت اور پاکی۔ اس سے پہلی روایت میں تھا کہ درود شریف کفارہ ہے۔ جس کا مفہوم ہے: گناہوں کا مٹ جانا۔ دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ مفہوم حاصل ہوگا کہ حضور علیہ السلام پر درود شریف بھیجنے سے نفس کو رذائل سے پاکی حاصل ہوتی ہے اور اس سے نفس کے کمالات وفضائل کی ترقی ونشوونما ہوتی ہے۔ انہی دو چیزوں پر تو کمال انسانیت کا دارومدار ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نبی کریم علیہ السلام پر درود وسلام کے بغیر کمال حاصل نہیں ہو سکتا اور درود وسلام سرکار دو عالم ﷺ کی محبت' پیروی اور ساری مخلوق پر

آپ کو افضل و اعلیٰ تسلیم کرنے کے لوازمات میں سے ہے۔''

ابن قیم مزید لکھتے ہیں:

مقامات درود خوانی میں سے ایک مقام صدور گناہ کے بعد ہے۔ جب اس کے کفارہ کا ارادہ ہو۔ ابن ابی عاصم نے کتاب الصلوٰۃ میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھ پر درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارے لئے کفارہ ہے۔ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔''

اسی کتاب میں ابو کاہل رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابو کاہل! جو مجھ پر ہر ایک دن میں تین دفعہ اور ہر ایک رات میں تین دفعہ میری محبت اور شوق سے درود پڑھتا ہے، اللہ پر حق ہے کہ اس دن اور رات کے اس کے گناہ بخش دے۔''

پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم مجھ پر درود پڑھا کرو، کیونکہ درود تمہارے لئے زکوٰۃ (ستھرائی اور پاکیزگی) ہے۔''

اسی حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے اور یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ درود خوان کے حق میں درود زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ نمو و برکت و طہارت کی ضامن ہوتی ہے اور پہلی حدیث میں درود کو کفارہ فرمایا ہے۔ یہ گناہوں کو مٹانے والا ہے۔ پس دونوں حدیثیں بتلا رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے سے نفس کو رزائل سے طہارت حاصل ہوتی ہے اور کمالات و فضائل میں نمو و کثرت عطا ہوتی ہے اور یہی دو شاخیں ہیں جن پر کمال نفس راجع ہوتا ہے۔ اس لئے صاف معلوم ہو گیا کہ نفس کو کمال بجز درود خوانی کے حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ درود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لوازم محبت میں سے ہے اور یہی علامت ہے کہ بندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر تمام مخلوق پر اولیت دیتا ہے۔

پیر اور جمعرات کو درود و سلام پڑھنا:

انہی مواقع میں پیر کی رات کو حضور علیہ السلام پر درود و سلام پڑھنا ہے۔ جسے ابو موسیٰ المدینی نے کتاب ''وظائف اللیالی والایام'' اور امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں ذکر کیا ہے۔

نبی کریم علیہ السلام پر درود و سلام بھیجنے کے لئے جمعرات اور پیر کو جمع ہونا اور (جیسا کہ مصر کی جامعہ الازہر یونیورسٹی میں ہوتا ہے) باآواز بلند درود و سلام پڑھنا جائز ہے، کیونکہ رات دن کے ساتھ ملی ہوتی ہے اور الاعمال میں لام جنسی ہے، لہٰذا ذکر نبی علیہ السلام پر درود و سلام اور دعا سب کو شامل ہے، بالخصوص پیر کی رات کو کہ اس کی تاکید ہے۔ ابن مرزوق نے تو یہاں تک کہا ہے کہ یہ رات لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے۔

جب جمعرات کو عید ہو جائے تو کیا درود و سلام اور سورۃ کہف کی تلاوت کو چھوڑ کر عید کی علامت تکبیر (وتلبیہ) میں مصروف ہو جائے؟ یا درود و سلام اور سورۃ کہف کی تلاوت کی روایت کرے؟ عید الفطر میں تو تکبیرات کی رعایت کرے اور عید قربان میں درود و سلام کی؟ اس لئے کہ عید الفطر کی تکبیرات نص قرآنی سے ثابت ہیں اور درود و سلام کی فضیلت جمعرات کو حدیث نبوی سے۔ رہ گئی عید قرباں! تو اس کی تکبیرات قرآن سے نہیں قیاس

سے ثابت ہیں۔ یہ تین احتمال ہیں۔ میرے خیال میں تیسری صورت زیادہ بہتر ہے، اگرچہ دوسری بھی حق سے دور نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ درود وسلام اس رات کی اصلی اور ذاتی علامت ہے۔ رہ گئی تکبیر تو وہ عارضی اور (اتفاقی) ہے، لہٰذا عارضی ذاتی کی رعایت کرنا بہتر ہے، ثانیاً یہ کہ جمعہ کی رات عید کی رات سے افضل ہے، لہٰذا اس کی علامت کی رعایت کرنا افضل ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمعہ کی رات لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام پر درود بھیجنا کبھی نہ کبھی تو واجب ہے، ہی لہٰذا ان مواقع کی رعایت کرنا بہتر ہے۔

جو کچھ ذکر کیا گیا ہے جب تم نے اس پر غور کر لیا' تو تمہیں معلوم ہوگا کہ تکبیرات عیدین کو درود وسلام پر مطلقاً ترجیح دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ البتہ مذکورہ بالا اقوال کی یہ توجیہ بہتر ہوسکتی ہے کہ چونکہ دونوں کے خصوصی فضائل ثابت ہیں، لہٰذا کسی کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جائے۔ پس ایک میں مصروف ہوجائے' یہاں تک کہ جب ایک میں کثرت حاصل ہوجائے تو دوسرے میں مشغول ہوجائے' اب یہ بات کہ پہلے کس کی ابتداء کرے اور پیچھے کسے رکھے؟ اس میں اُسے اختیار ہے (جسے چاہے پہلے ادا کرے اور جسے چاہے بعد میں)

اسی قبیل سے ہے عارف باللہ سیدی شیخ نورالدین الشونی اور شیخ امام شعرانی کی وہ مجلس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے سلسلہ میں مصر کی جامع الازہر میں ان کی وفات کے بعد بھی طویل مدت سے جاری ہے۔ یہ مجلس جمعرات اور پیر کی رات مغرب سے لے کر نماز فجر تک اور جمعہ کے دن نماز جمعہ تک رہتی ہے۔ پیر کی رات کو اس لئے خاص کیا گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات ہے۔

منگل کی رات اور درود وسلام:

اسی قبیل سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کی محفل جو منگل کی رات کو منعقد ہوتی تھی۔ ابوموسیٰ المدینی نے اس سلسلہ میں حضرت جابر کی روایت سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے، لیکن اس کی سند میں ایسے راوی ہیں جن پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا گیا ہے کہ جو شخص منگل کے دن نماز عشاء کے بعد وتر پڑھنے سے پہلے چار رکعت نماز نفل اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد ایک مرتبہ' قل ہواللہ احد تین مرتبہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس' ایک ایک مرتبہ۔ جب فارغ ہو تو پچاس مرتبہ استغفار اور اتنی ہی مرتبہ نبی علیہ السلام پر درود وسلام بھیجے' اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ اس کا چہرہ نور سے جگمگاتا ہوگا اور بہت ثواب کا ذکر فرمایا۔

جمعہ کے دن درود وسلام:

جمعہ کے دن درود پڑھنا چاہئے کیونکہ اس کے متعلق متعدد احادیث وارد ہیں۔ مثلاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان:

''مجھ پر جمعرات اور جمعہ کو کثرت سے درود بھیجا کرو! کیونکہ تمہارا درود وسلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔''

اس کو طبرانی نے ''الاوسط'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے (اپنے عاملوں کو) لکھا:

''جمعہ کے دن علم کی نشر و اشاعت کرو! کیونکہ بھول جانا علم کے لئے آفت ہے اور جمعہ کے دن نبی کریم علیہ السلام پر کثرت سے درود و سلام بھیجو۔''

اس کو ابن وضاح وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

امام شافعی سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا ہر حال میں محبوب تر ہے۔ ہاں جمعرات اور جمعہ کو بہت زیادہ پسند کرتا ہوں، کیونکہ یہ بزرگ اور ہفتہ بھر میں افضل دن ہیں۔''

الخطیب نے شرح المنہاج میں فرمایا:

''جمعہ کی رات اور دن کو سورۂ کہف کی تلاوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود و سلام بھیجنا سنت ہے اور کثرت کی ادنیٰ مقدار پہلی مرتبہ تین مرتبہ پڑھنا ہے اور دوسری مرتبہ تین مرتبہ پڑھنا بہتر ہے، جیسا کہ امام شافعی سے منقول ہے، کیونکہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھے اس کے لئے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک روشنی رہتی ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص جمعرات کو پڑھے اس کے لئے اس کی ذات اور مکہ معظمہ کے درمیانی فاصلہ جتنی روشنی ہو جاتی ہے اور دن میں پڑھنے کی زیادہ تاکید ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے صبح کے بعد پڑھے' تاکہ بھلائی حاصل ہو اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں قیامت کی ہولناکی بیان فرمائی ہے اور جمعہ کا دن قیامت سے مشابہ ہے، کیونکہ اس میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے: قیامت جمعہ کے دن قائم ہوگی۔ الرملی نے کہا: جمعہ کی رات اور دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود و سلام بھیجے، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تمہارے تمام دنوں میں جمعہ افضل ہے تو اس میں مجھ پر زیادہ درود بھیجا کرو! بیشک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔ دوسری حدیث ہے: مجھ پر جمعہ کی رات اور دن کو زیادہ درود بھیجا کرو! کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔ الرملی نے فرمایا: امام نووی کا اس حدیث کو درود شریف کے متعلق ہونے کی تشریح کرنا کوئی قید (احترازی) نہیں بلکہ یہ حدیث کثرت ذکر اور کثرت تلاوت کو بھی شامل ہے۔''

اس حدیث سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ درود و سلام کی کثرت اس دن ذکر اور تلاوت قرآن پاک کی کثرت سے افضل ہے۔ الشبرا ملسی نے اس کے حاشیہ میں کہا ہے: کم از کم مقدار ہے تین سورات کو اور اتنا ہی دن کو درود و سلام میں مصروف رہنا وظائف سے بہتر ہے جن کے متعلق کوئی خاص نص وارد نہیں ہوئی۔ بہرحال جن اور اد و وظائف کے متعلق خاص نص وارد ہوئی ہے، مثلاً: نماز کے بعد سورۃ کہف اور تسبیح پڑھنا تو ان میں مصروف ہونا افضل ہے۔ ابن قاسم نے تحفہ کے حاشیہ میں کہا: جمعرات و جمعہ کو سورۃ کہف وغیرہ کی تلاوت میں مصروف ہونے کی فضیلت کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام میں بالکل مشغول ہی نہ ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دونوں میں ٹکراؤ پیدا ہو اور یہ صورت بن جائے کہ ایک میں مصروف ہونے کی وجہ سے دوسرا ہاتھ سے جاتا ہے اور دونوں پر عمل پیرا ہونے سے معذور ہے تو افضل پر عمل کرنا بہتر ہے، لیکن اگر دونوں میں مشغول ہونا ممکن ہے تو افضل و اکمل یہی ہے کہ دونوں میں کثرت کرے کیونکہ شرع میں دونوں کی

کثرت مطلوب ہے، جیسا کہ اس پر حدیثیں دلالت کرتی ہیں اور علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔المناوی نے شرح جامع صغیر جزء ثالث کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو نقل کیا کہ اعمال پیر اور جمعرات کو اٹھائے جاتے ہیں۔ پس میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں اٹھائے جائیں کہ میں روزے دار ہوں۔''

حدیث ابوامامہ رضی اللہ عنہ پہلے گزر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے ہر ایک جمعہ کو میرے اوپر زیادہ درود پڑھا کرو، کیونکہ امت کے درود ہر جمعہ کو میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جو مجھ پر درود پڑھنے میں بڑھ کر ہوگا، وہی منزلت میں مجھ سے زیادہ نزدیک تر ہوگا۔''

اسے بیہقی نے روایت کیا۔ بیہقی نے حضرت ابن مسعود انصاری سے یہ روایت بھی کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''تم مجھ پر جمعہ کے دن درود زیادہ پڑھا کرو، کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں جو جمعہ کے دن مجھ پر درود پڑھے مگر یہ کہ اس کا درود میرے سامنے کیا جاتا ہے۔''

اس سند میں اسمٰعیل بن رافع ہے۔ مگر ابن سفیان کہتے ہیں کہ شواہد ومتابعات کے لئے اس کی روایت صلاحیت رکھتی ہے۔

ابن عدی نے سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جمعہ کے دن مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے کیا جاتا ہے۔''

گو اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں مگر (حدیث) فی الجملہ محفوظ ہے اور شواہد میں اس کا ذکر ضرر نہیں رکھتا۔

مراسیل حسن بصری میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے:

''مجھ پر یوم جمعہ کو اکثر درود پڑھا کرو۔''

ابن وضاح نے سند کے ساتھ ابن شعیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے لکھ بھیجا کہ ''جمعہ کے دن علم پھیلاؤ، کیونکہ علم کی آفت نسیان ہے اور جمعہ کے دن نبی اکرم ﷺ پر درود بہت پڑھو۔''

یہ بھی سنت ہے کہ جمعہ کے دن سورۃ آل عمران پڑھے کہ حدیث میں ہے: جو شخص جمعہ کے دن آل عمران پڑھے تو سورج اس کے گناہ لے کر غروب ہوگا۔ کتاب الایعاب میں کہا: بظاہر اس میں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے پیدائش آدم کا ذکر کیا ہے۔

((کمثل ادم خلقه من تراب))

''جیسے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔''

اور حضرت آدم کو جمعہ کے دن پیدا کیا گیا ہے۔ یونہی سورۃ ہود کہ حدیث میں ہے: جمعہ کے دن سورت ہود پڑھا کرو! یونہی سورۃ دخان کہ حدیث میں ہے جو کوئی جمعہ کی رات حم دخان پڑھے اس کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ ہمارے شیخ الباہلی نے فرمایا: جب مذکورہ سورتوں میں سے کوئی ایک پڑھنا چاہے تو سورہ کہف کو اولیت دے، کیونکہ اس کے بارے میں سب سے زیادہ حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ یہ بھی آیا ہے کہ جو کوئی اس کی پہلی دس آیتیں ہمیشہ پڑھے وہ دجال سے محفوظ رہے گا۔

کتاب بغیۃ المستر شدین میں لکھا ہے:

''جو شخص سورۃ الفاتحہ' اخلاص اور معوذتین سات سات مرتبہ پڑھے، نماز جمعہ کا سلام پھیرنے کے بعد پاؤں بچھانے سے پہلے اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جتنے لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لائے ان کی تعداد کے برابر اس کو اجر ملے گا اور آئندہ جمعہ تک اس کو برائی سے دور رکھا جائے گا۔ ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ منہ سے نکالنے سے پہلے اس کا دین و دنیا اور اہل اولاد سب محفوظ ہو جائیں گے' اس کے بعد چار مرتبہ یہ پڑھے:

((اللهم یاغنی یاحمید یامبدی یامعید یارحیم یاودود اغننی بحلالك عن حرامك وبطاعتك من معصيتك وبفضلك عمن سواك))

''اے غنی! اے قابل ستائش! اے ابتداء وانتہاء کے مالک! اے رحم فرمانے والے! اے مدد فرمانے والے! مجھے اپنے حلال کے ذریعے اپنے حرام سے اور اپنی فرمانبرداری کے ذریعے اپنی نافرمانی سے اور اپنے فضل کے ذریعہ اپنے ماسوئی سے مستغنی کر دے۔''

ابوالصیف سے منقول ہے:

''جو شخص جمعہ کے دن ستر مرتبہ یہ دعا مانگے وہ جمعے گزرنے سے پہلے مستغنی ہو جائے گا۔''

ابوطالب مکی سے منقول ہے:

''جو شخص اس دعا کو بغیر شمار کئے ہمیشہ مانگتا رہے اللہ تعالیٰ اسے مخلوق سے مستغنی کر دے گا اور اس کو اس طور پر رزق دے گا کہ اس کے سان گمان میں بھی نہ ہو۔ اگر کوئی شخص نماز جمعہ کے بعد باتیں کرنے لگے یا کسی اور کام میں لگ جائے اور بعد میں مذکورہ بالا وظائف سات ساتھ مرتبہ پڑھے اور دیگر وظائف بجالائے تو اس تاخیر سے یہ وظائف فوت نہ ہوں گے، ہاں وہ خاص ثواب جاتا رہے گا، جیسا کہ الکروی نے ابن حجر سے نقل کیا ہے۔ بعض نے کہا: ثواب تو نہیں کمال فوت ہو جائے گا۔''

شیخ المشائخ ابراہیم باجوری نے ابن قاسم پر اپنے حاشیہ میں سید عبدالوہاب شعرانی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ دو شعر بلاناغہ ہر جمعہ کو پانچ مرتبہ پڑھے بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ اسلام پر کرے گا:

الھی لست للفردوس اھل

ولا اقوی علی نار الجحیم

''الٰہی نہ میں فردوس کے قابل ہوں اور نہ جہنم کی آگ پر قادر (کہ بچ سکوں)''

فھب لی توبة واغفر ذنوبی

فانه غافر الذنب العظیم

''پس مجھے توبہ کی توفیق عنایت فرما اور میرے گناہ بخش دے' بیشک تو بڑے بڑے گناہ بخشنے والا ہے۔''

ماہِ شعبان اور درود وسلام:

ان مواقع میں سے ایک یہ ہے کہ شعبان کے مہینہ میں سرکار دو عالم ﷺ پر درود وسلام بھیجا جائے۔

شعبان کا مہینہ محمد المختار صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کا مہینہ ہے، کیونکہ درود وسلام کی آیت اسی مہینہ میں نازل ہوتی ہے۔

ابن ابی الصیف فقیہ یمنی نے فضائل شعبان میں بیان کیا ہے کہ جو کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شعبان میں ہر روز سات سو مرتبہ درود وسلام بھیجے' اللہ تعالیٰ اپنے فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اسے حضور کی خدمت میں پہنچاتے ہیں اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح خوش ہوتی ہے۔

شب برأت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:

''پندرہ شعبان کی رات (شب برات) کو کیا کرنا چاہئے؟''

انہوں نے فرمایا:

''میں اس رات کے تین حصے کرتا ہوں۔ ایک اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر:

((یاایھاالذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما))

عمل ہو جائے اور ایک تہائی رات اللہ تعالیٰ سے استغفار کے لئے خاص کر لیتا ہوں، کیونکہ فرمان باری ہے:

((وما کان اللہ یعذبھم وھم یستغفرون))

''اللہ ان کو عذاب نہیں کرے گا جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے۔''

اور ایک تہائی رات کو رکوع وسجود کے لئے، اس فرمان الٰہی پر عمل کرتے ہوئے:

((واسجدو اقترب))

''سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو۔''

پوچھا گیا:

''جو ایسا کرے اس کا کیا اجر ہے؟''

فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی شب برأت کو شب بیداری کرے وہ مقربین میں لکھ دیا جاتا ہے جن کا بیان اس آیت میں ہے:

((فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنت نعیم))

''اگر مقربین میں سے ہوا تو اس کے لئے راحت ومسرت اور نعمت بھرے باغ ہیں۔''

اجتماع کے وقت:

مقامات درود میں سے ایک مقام اجتماع قوم کا وقت ہے، اس سے پہلے کہ متفرق ہوں۔ اس بارے میں نبی اکرم

ﷺ کی بہت سی احادیث ہیں۔ چنانچہ ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے:

''نہیں بیٹھی کوئی قوم کسی مجلس میں اور پھر متفرق ہوئی کہ اس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہیں کیا اور اپنے نبی پر درود نہیں بھیجا تو وہ ان پر اللہ کی طرف سے ترۃ (باعث خسارہ) ہوگی۔ اگر اللہ چاہے ان کو عذاب دے اور چاہے معاف فرمائے۔''

عبداللہ بن ادریس نے سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ اپنی مجلسوں کو درود نبی اکرم ﷺ سے زینت دو۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

حدیث میں ہے:

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے کچھ سیر کرنے والے ہیں۔ جب وہ حلقہ ہائے ذکر پر پہنچتے ہیں تو ایک دوسرے سے کہتا ہے، بیٹھ جاؤ، جب یہ دعا مانگیں ہم آمین کہیں گے اور جب درود پڑھیں گے تو ان کے ساتھ پڑھیں گے۔ یہاں تک کہ فارغ ہو جائیں، پھر ایک فرشتہ دوسرے سے کہتا ہے: کیا خوش نصیب ہیں یہ اپنے گھروں کو ایسی حالت میں جائیں گے جب کہ ان کے گناہ بخشے گئے ہیں۔''

ذکر نبی کے وقت:

مقامات درود میں سے ایک جگہ نبی اکرم ﷺ کے ذکر کا وقت ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا جتنی دفعہ نام مبارک لیا جائے اتنی دفعہ ہی واجب ہے؟ ابو جعفر طحاوی اور ابو عبداللہ حلیمی کا قول ہے کہ جتنی دفعہ نام مبارک لیا جائے اتنی دفعہ ہی واجب ہے۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ ایسا کرنا مستحب تو ضرور ہو، مگر فرض نہیں، جس کا تارک گناہ گار ہو۔

تیسری جماعت نے تو ساری عمر میں ایک دفعہ فرض بتلایا ہے، کیونکہ امر مطلق تکرار کا مقتضی نہیں اور ماہیت ایک دفعہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ قول امام ابو حنیفہ، امام مالک، ثوری اور اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم کا بیان ہوا ہے اور عیاض اور ابن عبد البر نے اسے جمہور امت کا قول کہا ہے۔

ایک فرقہ کہتا ہے کہ ہر نماز کے تشہد آخر میں فرض ہے۔ یہ قول امام شافعی کا اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا بھی دو روایتوں میں سے پچھلی روایت میں اور دیگر اشخاص کا ہے۔

ایک فرقہ کا قول ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ کا حکم امر استحباب ہے امر ایجاب نہیں۔ یہ قول ابن جریر اور ایک گروہ کا ہے۔ ابن جریر نے اس بارے میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور یہ ان کے اصول پر ہے کیونکہ جب یہ اکثر کو ایک طرف دیکھتے ہیں تو اسے اجماع بنا لیتے ہیں، جس کا اتباع ضروری ہے اور یہ دونوں مقدمے (کہ اکثر کی رائے کا نام اجماع ہو یا وہ قابل اتباع ہو) باطل ہیں۔

مصیبت کے وقت / طلب مغفرت کے وقت:

مقامات درود میں سے ایک مقام غم و شدائد کے ہجوم اور طلب مغفرت کا وقت ہے۔ ترمذی میں حضرت ابی بن کعب

کی اپنے باپ سے لمبی حدیث ہے۔ جس کے آخر میں ہے:

''کیا میں آپ پر تمام وقت درود پڑھا کروں؟''

فرمایا:

''اس وقت وہ تیرے غم کے لئے کافی ہوگا اور تیرے گناہ بخشائے گا۔''

ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور محمد بن عقیل کی سند سے جو روایت کی ہے اسے صحیح بتلایا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے اس کو مسند میں مختصراً بیان کیا ہے۔ جس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''اب اللہ تعالیٰ تجھے کفایت کرے گا۔ اس چیز سے جس نے تجھے غم میں ڈالا ہے۔ امر دنیا سے اور آخرت سے۔''

((صلی اللہ علیہ و الہ وسلم تسلیما کثیرا الی یوم الدین))

نام نبی ﷺ تحریر کرتے وقت:

نبی کریم ﷺ کے مبارک نام کے لکھتے وقت درود وسلام پڑھنے کے متعلق ابوالشیخ نے سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے کسی تحریر میں مجھ پر درود لکھا، ہمیشہ ملائکہ اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے، جب تک میرا نام اس کتاب میں لکھا رہے گا۔''

ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ ایک سے زیادہ راویوں نے حضرت اسید رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور اسحاق بن وہب نے بھی سند کے ساتھ اعرج سے روایت کیا ہے اور اعرج سے ان دو وجوہات کے علاوہ بھی روایت ہوئی ہے اور اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں۔ سلیمان بن ربیع نے سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھا ہمیشہ اس پر رحمت جاری رہتی ہے جب تک میرا نام اس کتاب میں ہے۔''

جعفر بن علی الزعفرانی کے طریق سے مروی ہے:

''میں نے اپنے خالو حسن بن محمد کو کہتے سنا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا: ''اے ابوعلی! کاش! تو دیکھ لے جو صلوٰۃ ہم نے نبی اکرم ﷺ پر کتاب میں لکھی تھی، وہ ہمارے آگے کیسی روشن اور نورانی ہو رہی ہے۔''

ابوالحسن بن علی میمونی کہتے ہیں:

''میں نے شیخ ابوعلی حسن بن عیینہ کو موت کے بعد خواب میں دیکھا، ان کے ہاتھوں کی انگلیوں پر کوئی چیز سبز یا زعفرانی رنگ سے لکھی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا کہ اے استاد! میں آپ کی انگلیوں پر ایک ملیح تحریر دیکھتا ہوں یہ کیا ہے؟ کہا: اے لڑکے! یہ طفیل ہے حدیث رسول اللہ ﷺ کے لکھنے کا اور یہ طفیل ہے حدیث میں لفظ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا۔''

خطیب نے سند کے ساتھ ابوسلیمانی حرانی کی روایت کی ہے کہ:

''مجھ سے میرے ایک ہمسایہ نے جس کو ابوالفضل کہتے تھے اور جو بہت روزہ رکھنے والا اور بہت نوافل پڑھنے والا تھا۔ بیان کیا کہ میں حدیث لکھا کرتا تھا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا: ''جب تو لکھتا ہے یا میرا نام لیتا ہے تو مجھ پر درود کیوں نہیں پڑھتا (یا نہیں لکھتا؟) اس سے ایک عرصہ کے بعد مجھے پھر زیارت ہوئی۔ فرمایا: ''میرے پاس تیرے درود پہنچتے ہیں۔ اب جب تو مجھ پر درود بھیجے یا ذکر کرے تو صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیا کر۔''

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

''اگر صاحب حدیث کو اور کوئی فائدہ سوا صلوٰۃ بر رسول ﷺ کے نہ ہو (تو یہی بے مثل ہے) کیونکہ اس پر رحمت بھیجی جاتی ہے۔ جب تک کتاب میں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھا ہوا رہتا ہے۔''

محمد بن ابوسلیمان کہتے ہیں کہ:

''میں نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا: پیارے باپ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ کہا: ''مجھے بخش دیا۔'' میں نے کہا: کیوں کر۔؟ کہا: ''نبی اکرم ﷺ پر درود لکھتے رہنے سے۔''

ایک محدث کہتے ہیں:

''میرا ایک ہمسایہ تھا وہ مر گیا میں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ کہا: بخش دیا۔ میں نے پوچھا: کیوں کر۔؟ کہا: حدیث میں جہاں نبی کریم ﷺ کا ذکر آتا میں اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیا کرتا۔''

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''مجھ سے خلف صاحب خلقان نے روایت کیا ہے کہ میرا ایک صدیق تھا۔ میرے ساتھ طلب حدیث کیا کرتا وہ مر گیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا اس پر سبز پوشاک تھی۔ دامن کشاں چلتا تھا۔ میں نے کہا: تو میرے ساتھ حدیث طلب نہ کیا کرتا تھا؟ کہا: ہاں۔ میں نے کہا: پھر تو اس درجہ پر کیوں کر پہنچ گیا۔ کہا: جو ایسی حدیث آتی جس میں نبی کریم ﷺ کا نام مبارک ہوتا میں اس کے نیچے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھ دیا کرتا۔ اس کا بدلہ یہ ہے کہ جو تم میرے اوپر پوشاک دیکھ رہے ہو۔''

عبداللہ بن حکم کہتے ہیں کہ:

''میں نے خواب میں شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ پوچھا: اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا: مجھ پر رحم کیا اور مجھے بخش دیا اور مجھے بہشت کے لئے یوں آراستہ کیا جیسے عروس کو آراستہ کیا کرتے ہیں۔ اور میرے اوپر یوں نچھاور کیا جیسے دلہن پر کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا: آپ اس درجہ کو کیوں کر پہنچ گئے؟ کہا: مجھ سے ایک قائل نے کہا تھا کہ کتاب الرسالۃ میں جو درود نبی اکرم ﷺ پر تم نے لکھا ہے یہ اس کا عوض ہے۔ میں نے پوچھا: وہ کیوں کر ہے۔؟ فرمایا: وہ لفظ یہ ہیں:

((وصلی اللہ علی محمد عدد ما ذکرہ الذاکرون وعدد ما غفل عن ذکرہ

الغافلون))

جب صبح ہوئی میں نے کتاب کھول کر دیکھی تو یہی عبارت اس میں درج تھی۔ صلی اللہ علی نبیہ وسلم

خطیب نے سند کے ساتھ ابو اسحاق دارمی المعروف نہشل سے بیان کیا ہے:

''میں اپنی تخریج میں جو حدیث لکھتا: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما لکھا کرتا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا گویا کچھ میرا لکھا ہوا لئے ہوئے ہیں۔ اس میں نظر مبارک ڈالی اور فرمایا: جید ہے۔''

عبید اللہ بن عمرو کہتے ہیں:

''میرے ایک بھائی نے جس پر میں یقین کرتا ہوں۔ مجھ سے بیان کیا کہ میں نے ایک صاحب حدیث شخص کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ کہا: مجھ پر رحم فرمایا کر مجھے بخش دیا۔ میں نے کہا: کیوں کر؟ کہا: جب میں نبی اکرم ﷺ کے اسم مبارک پر پہنچتا تو صلی اللہ علیہ وسلم ضرور لکھتا۔''

اس کو محمد بن صالح نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حافظ ابو موسیٰ نے اپنی کتاب میں صاحبانِ حدیث کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے:

''جو اپنی موت کے بعد دیکھی گئی اور انہوں نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا۔ بعوض اس کے کہ وہ ہر ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے ذکر پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھا کرتے تھے۔''

ابن سنان کہتے ہیں:

''میں نے عباس غبری اور علی بن مدینی کو کہتے سنا ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کسی حدیث میں جو ہم نے سنی ہے نہیں چھوڑا اور اگر بہت ہی جلدی ہوئی تب بھی سفید جگہ چھوڑ دی تا کہ پھر لکھ سکیں۔''

تبلیغ و تدریس کے وقت:

مقامات درود میں سے ایک مقام تبلیغ علم اور تذکیر درس و تعلیم کے اول و آخر درود شریف کا پڑھنا ہے۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمان لکھا تھا:

''لوگوں نے لوگوں سے عمل آخرت کے بدلے دنیا طلبی شروع کر دی۔ قصہ خوانوں نے یہ بدعت نکالی کہ بادشاہ اور امراء پر بھی درود بھیجنے لگے، جیسے نبی اکرم ﷺ پر بھیجا جاتا ہے۔ اس فرمان کو دیکھتے ہی سب کو حکم دو کہ صلوٰۃ تو انبیاء پر ہو اور عام مسلمین کے لئے دعا ہو۔ کوئی مسلمان ہو اس کے لئے دعا کی جائے۔''

واضح ہو کہ اس مقام پر نبی اکرم ﷺ پر درود نہایت ضروری ہے، کیونکہ یہ وقت تبلیغ علم کا ہے، جسے نبی کریم ﷺ لے کر آئے اور امت میں پھیلایا اور امت کو بکثرت عطا فرمایا۔ نیز یہ وقت لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کی سنت و طریق کی جانب دعوت کا ہے اور یہ امر سب اعمال سے افضل اور منفعت میں بندہ کے لئے دنیا و آخرت میں اعظم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((ومن أحسن قولاً ممن دعآ الی اللہ وعمل صلحا وقال اننی من المسلمین))

(سورۃ حم السجدۃ: ۴۱/۳۳)

''اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں

مسلمان ہوں۔''

((قل هذه سبيلى أدعو ا الى الله على بصيرة أنا و من اتبعنى))

(سورۃ الیوسف:۱۲/۱۰۸)

''تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔''

خواہ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میں اور میرے تابعین اللہ کی طرف بروئے بصیرت بلاتے ہیں۔ ((ادعو الى الله)) پر وقف کیا جائے اور پھر ((على بصيرة انا و من)) پڑھا جائے (یعنی میں اور میرے تابعین بصیرت پر ہیں) یہ دونوں قول متلازم ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بتلا دیں کہ نبی کریم ﷺ کا طریق اللہ تعالیٰ کی جانب بلانا ہے اور جو شخص لوگوں کو اللہ کی جانب بلاتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے سبیل پر ہے اور بصیرت پر بھی۔ نیز نبی کریم ﷺ کے اتباع میں داخل ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی جانب کے سوا اور طرف بلاتا ہے۔ وہ نہ سبیل رسول اللہ ﷺ پر ہے، نہ بصیرت پر۔ نہ اتباع محمد یہ میں داخل۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب بلانا مرسلین کا وظیفہ ہے یا ان کے اتباع کا جوامت کے اندر خلفاء ہوتے ہیں اور لوگ ان کا اتباع کیا کرتے ہیں اور جس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (ﷺ) کو حکم دیا ہے کہ جو نازل ہوا اسی کو لوگوں تک پہنچا دیں اور آپ کی حفاظت اور مخلوق سے عصمت و صیانت کی ضمانت خود اللہ نے فرمائی ہے۔ اسی طرح جو علماء تبلیغ شریعت کرتے ہیں، ان کے ساتھ بھی حفظ و عصمت الٰہی شامل حال ہے، جس قدر کہ وہ دین پر قائم اور تبلیغ پر محکم ہیں۔ بے شک نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ آپ کی جانب سے لوگوں کو پہنچایا جائے، گو ایک آیت ہی ہو اور پہنچانے والے کے لئے دعا فرمائی ہے۔ گو ایک حدیث ہی ہو۔ یاد رکھو کہ امت کو سنت کا پہنچانا دشمنوں کی چھاتیوں پر پتھر لگانے سے افضل ہے، کیونکہ تیر افگنی تو بہت کر سکتے ہیں، مگر تبلیغ سنت صرف ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو وارث انبیاء اور امت کے خلفاء ہوتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو ان لوگوں سے بنائے)''

بے شک یہ لوگ ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے ان کی تعریف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کی ہے۔ یہ خطبہ ابن وضاح نے اپنی کتاب الحوادث والبدع میں لکھا ہے۔ فرمایا:

((الحمد لله الذى امتن على العباد بان جعل فى كل زمان فترة من الرسل بقايا من اهل العلم يدعون من ضل الى الهدى ويصبرون منهم على الاذى ويحيون بكتاب الله اهل العمى كم من قتيل لابليس قد احيوه وضال تاته قد هدوه بذلوا دماء هم واموالهم دون هلكة العباد فما احسن اثرهم على الناس واقبح اثر الناس عليهم يقتلونهم فى سالف الدهر والى يومنا هذا فما نسيهم ربك وما كان ربك نسيا جعل قصصهم هدى اخبر عن حسن مقالتهم فلا تقصر عنهم فانهم فى منزلة رفيعة وان اصابتهم الوضيعة))

''تمام حمد اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے بندوں پر احسان کیا کہ رسولوں کے زمان فترت میں ایسے اہل علم باقی رکھے جو گمراہ کو ہدایت کی طرف بلائیں اور اس راہ میں صبر کے ساتھ اذیت اٹھائیں، کور چشموں کو کتاب اللہ کے ساتھ حیات بخشیں۔ بہت ایسے ہیں جن کو ابلیس اپنے ہاتھوں سے کشتہ بنا چکا تھا، مگر اہل علم نے ان کو از سر زندگی دی اور بہت ایسے ہیں جو ضلالت میں سرگرداں تھے، انہوں نے ان کو ہدایت پر ڈالا، لوگوں کو ہلاکت سے بچایا اور اپنی جان و مال کو معرض خطر میں ڈالا۔ اللہ اکبر۔ لوگوں کے ساتھ ان کے کیسے اچھے سلوک ہیں اور لوگوں کا برتاؤ ان کے ساتھ کیسا برا ہے کہ شروع زمانہ سے لے کر آج تک ان بزرگواروں کو قتل ہی کرتے آئے، لیکن اللہ ان کے کرتوت نہیں بھولا اور نہ بھول اللہ کو ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قصہ کو ہدایت بنایا ہے اور ان کے پاکیزہ کلام کی خبر دی ہے۔ دیکھ تو ان سے کوتاہی نہ کرنا، کیونکہ یہ نہایت بلند درجہ پر ہیں۔ گویہ لوگ ان کو ناکس خیال کیا کریں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''ایک بدعت جو اسلام میں اپنا پاؤں نکالے، اللہ کا ایک ولی ہوتا ہے جو اسلام سے اس بدعت کو دور کرتا اور اس کی علامات میں گفتگو کرتا ہے۔ پس تم ان مواطن کی حضوری کو غنیمت سمجھو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اس بارے میں تم کو نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد کافی ہے جو علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا تھا، نیز معاذ رضی اللہ عنہ کو کہ اگر اللہ تعالیٰ تیری وجہ سے ایک آدمی کو بھی ہدایت کر دے تو یہ بات تیرے لئے شترانِ سرخ سے بہتر ہے۔''

نیز نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد:

''جس شخص نے میری سنت سے کوئی شے زندہ کی، میں اور وہ جنت میں اس طرح پر ہوں گے۔''

اور اپنی دو انگلیوں کو ملایا۔

نیز یہ ارشاد:

''جس شخص نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا اور اس نے پیروی کی تو اس کو ثواب ہوگا، اس شخص کے موافق جو اس پر عمل کرتا رہے گا، یوم قیامت تک۔''

دیکھو! یہ فضل عظیم اور لذت جسیم عامل اپنے عمل سے کہاں پا سکتا ہے یہ تو اس کا فضل ہے جسے چاہے اسے دے۔

غرض جو شخص رسول اللہ ﷺ کی طرف لوگوں کو تبلیغ کرتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر کھڑا کر دیا ہے اسے لازم ہے کہ اپنے کلام کو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے اور تمجید کے ساتھ کھولے، وحدانیت کا اعتراف کرے اور اس کے جو حقوق بندوں پر ہیں انہیں بیان کر دے۔ پھر رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اور نبی کریم ﷺ کی تمجید و ثناء کرے اور ختم بھی تسلیما کے درود پر کرے۔

صبح وشام:

دن کے اول و آخر اوقات میں درود پڑھنا بھی درود خوانی کے اوقات میں سے ہے۔ طبرانی نے بروایت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کی ہے:

''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے دس دفعہ صبح کے وقت اور دس دفعہ شام کے وقت مجھ پر درود پڑھا، قیامت

کے دن اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔"

ابوموسیٰ مدینی کہتے ہیں کہ اسناد حدیث میں بقیہ سے جرجس روایت کرتا ہے، ان کا نام یزید بن عبداللہ ہے جرجس اس لئے مشہور ہوگیا کہ حمص میں کنیسہ جرجس کے متصل رہا کرتا تھا۔ جرجس کے سوا اور بھی اس حدیث کو بقیہ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

"انہی درود پڑھنے کے اوقات میں سے یہ بھی ہے کہ دن کے دونوں کناروں (صبح وشام) دو دو سلام پڑھے' کیونکہ حدیث میں ہے جو کوئی مجھ پر شام کو درود بھیجے' صبح سے پہلے اس کی مغفرت ہوجائے گی اور جو کوئی مجھ پر صبح کے وقت درود بھیجے' شام سے پہلے اس کی مغفرت ہوجائے گی۔ اسی لیے مشائخ وصوفیاء اپنے اوراد و وظائف صبح وشام مقرر کرتے ہیں۔"

تنگی واحتیاج کے وقت:

اوقات درود میں سے ایک وقت تنگی وحاجت ہونے پر یا ان کے وقوع کا خوف ہے۔ ابونعیم نے حضرت جابر بن سمرۃ السوائی عن ابیہ سے روایت کی ہے:

"ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس تھے۔ ایک آدمی آیا اور عرض کی: یارسول اللہ! اللہ کے نزدیک سب اعمال سے قریب تر کیا ہے۔؟ فرمایا:

"راست گرفتاری اور ادائے امانت۔"

میں نے عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ) کچھ اور فرمائیے۔

فرمایا: "صلوٰۃ لیل اور صوم۔"

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ) کچھ اور فرمائیے۔!

فرمایا: "جو شخص کسی قوم کی امامت کرائے وہ ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ جماعت میں بوڑھے، بیمار، کمزور اور ضرورتوں والے لوگ ہوتے ہیں۔"

شیخ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

احتیاج کے وقت درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ احمد بن موسیٰ نے سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص صبح کی نماز کے بعد کلام کرنے سے پہلے سو بار درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری کرے گا۔ جن میں سے تیس دنیوی اور ستر اخروی ہوں گی اور مغرب کی نماز میں بھی اسی طرح ہے۔"

لوگوں نے پوچھا:

"یارسول اللہ! آپ پر درود کی کیفیت کیا ہے؟"

فرمایا:

((ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا

تسلیماً اللھم صل علیه))

ایک سو مرتبہ۔

ابراہیم بن جنید نے سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

''جب تو اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کا سوال کرے تو پہلے اللہ عزوجل کی حمد وثناء و مدح اس کی شان کے شایان کر۔ پھر نبی اکرم ﷺ پر درود، پھر دعائے حاجت۔ یہ طریق حاجت پورا ہونے کے لئے بہت ٹھیک ہے۔''

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

''جس کو اللہ عزوجل سے کچھ حاجت ہو اسے چاہیے کہ سنوار کر وضو کرے اور دو رکعتیں پڑھے۔ اللہ عزوجل کی ثناء اور نبی اکرم ﷺ پر درود کے بعد یوں کہے:

((لا اله الا الله الحليم الكريم۔ لا اله الا الله سبحان الله رب العرش العظيم والحمد لله رب العالمين اسألك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك والغنيمة من كل بر والسلامة من كل ذنب لا تدع لي هماً الا فرجته ولا تدع لي ذنباً الا غفرته ولا حاجة لك فيها رضاً الا قضيتها يا ارحم الراحمين))

''حافظ ابن مندہ نے سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص ہر روز مجھ پر سو دفعہ درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری کرتا ہے۔ ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی۔''

نماز جنازہ میں درود و سلام پڑھنا:

مقامات درود میں سے ایک جگہ نماز جنازہ ہے۔ دوسری تکبیر کے بعد اس کی مشروعیت میں کچھ اختلاف نہیں، لیکن اس مسئلہ میں کہ نماز بغیر درود ہو جاتی ہے یا نہیں اختلاف ہے۔ امام شافعی و امام احمد رحمتہ اللہ علیہما کا مشہور مذہب یہ ہے کہ درود واجب ہے۔ ان کے بغیر نماز جنازہ نہیں ہوتی۔

امام بیہقی نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے ایسا ہی روایت کیا۔ ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ مستحب ہے اور واجب نہیں۔ یہ بات کچھ اصحاب شافعی بھی کہتے ہیں۔

نماز جنازہ میں مشروعیت کی دلیل وہ حدیث ہے جسے مسند میں امام شافعی نے سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ بن سہل سے اور وہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر پڑھے اور پہلی تکبیر کے بعد اپنے جی میں الحمد للہ پڑھے۔ پھر نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجے۔ باقی تکبیرات میں جنازہ کے لئے دعا کو خالص کرے۔ پھر آہستہ سے سلام پھیر دے۔

اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے روایت کی ہے جو حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے تھے کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ الحمد للہ پڑھے اور درود، پھر مردہ کے لئے دعا اور یہ ایک

ایک دفعہ ہی پڑھے اور چپکے سے سلام پھیر دے۔

حضرت ابوامامہ چھوٹی عمر کے صحابی سے روایت کرتے ہیں۔امام شافعی نے یہی بیان کیا ہے۔صاحب مغنی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے مکہ میں نماز جنازہ پڑھائی۔تکبیر کہہ کر قرأت جہر سے پڑھی اور درود پڑھا اور دعا اچھی طرح سے مانگی۔پھر فارغ ہو کر کہا کہ نماز جنازہ ایسی ہونی چاہیے۔

مؤطا میں حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''جب تو مردہ کو رکھے تکبیر کہہ کر حمد وصلوٰۃ پڑھ کر یہ دعا پڑھ:

((اللهم انه عبدك وابن عبدك كان يشهد ان لا اله الا انت وان محمدا عبدك و رسولك وأنت اعلم به اللهم ان كان محسنا فزد فى احسانه وان كان مسيئا فتجاوز عن سيئاته اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده))

''الٰہی! یہ تیرا بندہ تیرے بندے کا بیٹا ہے، یہ شہادت دیتا تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد تیرا بندہ اور رسول ہے۔چنانچہ اے اللہ! تو خوب (اس شہادت کو) جانتا ہے۔الٰہی! اگر یہ نیکوکار تھا تو اس کی نیکیوں میں میں ترقی دے اور اگر بداعمال تھا تو اس کی برائیوں سے درگزر فرما۔الٰہی! ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کر اور اس کے بعد فتنہ میں نہ ڈال۔''

ابوذر ہروی نے سند کے ساتھ ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی جنازہ کی نماز پڑھانے لگتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے کہتے:

لوگو! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ سو آدمی کی امت ہے اور جس مردہ پر سو آدمی جمع ہو جائیں کہ اس کے لئے دعا میں جہد کریں تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔تم اپنے بھائی کے شفیع بن کر آئے ہو، اس لئے دعا میں خوب کوشش کرو۔پھر قبلہ کی طرف منہ کرتے۔اگر آدمی ہوتا تو سر کے برابر اور اگر عورت ہوتی تو شانہ کے برابر کھڑے ہوتے اور یہ دعا پڑھتے تھے:

((اللهم عبدك و ابن عبدك أنت خلقته وأنت هديته للاسلام وأنت قبضت روحه وأنت اعلم بسريرته وعلانيته جئنا شفعاء له اللهم انا نستجير بحبل جوارك له فانك ذو وفاء وذو رحمة اعذه من فتنة القبر وعذاب جهنم اللهم ان كان محسنا فزد فى احسانه وان كان مسيئا فتجاوز عنه سيئاته اللهم نور له فى قبره والحقه بنبيه!))

''الٰہی! یہ تیرا بندہ اور اور تیرے بندہ کا بیٹا ہے۔پیدا بھی اسے تو نے کیا اور اسلام کی ہدایت بھی اسے تو نے ہی دی اور روح بھی اس کی تو نے قبض کی۔اور اس کی حالت اندرون بیرون کو تو خوب جانتا ہے۔ہم سب اس کی شفاعت کو حاضر ہوئے ہیں۔الٰہی! ہماری درخواست ہے کہ اپنے حبل جوار میں اسے پناہ دے، تو صاحب وفا ورحمت ہے، اسے فتنہ قبر وعذاب جہنم سے بچا۔الٰہی! اگر نیکوکار تھا تو اس کی نکوئی کو ترقی دے اور اگر برا تھا تو اس

سے درگزر فرما۔ الٰہی! اس کی قبر میں نور بھر دے اور اسے نبی اکرم ﷺ سے ملا دے۔"

کہا: ہر ایک تکبیر میں یوں ہی کہے اور جب آخری تکبیر ہو۔ تب ایسا ہی کہے اور پھر کہے:

((اللهم صل على محمد و بارك على محمد، كما صليت و باركت على ابراهيم انك حميد مجيد، اللهم صل على اسلافنا و افراطنا اللهم اغفر للمسلمين والمسلمات و المؤمنين والمؤمنات الاحياء منهم والاموات))

"یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر رحمت اور برکت نازل فرما، جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر رحمت اور برکت نازل فرمائی۔ یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ یا اللہ! ہمارے پیش رؤوں اور میری منزل پر رحمت نازل فرما۔ یا اللہ! زندہ اور مردہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش دے۔"

پھر فارغ ہو جائے۔

ابراہیم نے کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسے جنازوں پر اور مجلس میں سکھلایا کرتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ قبر پر کھڑے ہو کر اور جنازہ سے فارغ ہو کر بھی پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! جب آپ جنازہ سے فارغ ہوتے، تب قبر پر کھڑے ہوتے اور کہتے:

((اللهم نزل بك صاحبها و خلف الدنيا وراء ظهره ونعم المنزول به اللهم ثبت عند المسالة منطقه ولا تبتله فى قبره بما لا طاقة له به اللهم نور له فى قبره والحقه بنبيه صلى الله عليه واله وسلم))

"الٰہی! قبر والا تیری طرف اتارا گیا ہے، دنیا کو پیٹھ پیچھے چھوڑ آیا ہے، اس کا اپنی آخری منزل کی طرف آنا اچھا ہے۔ الٰہی! سوال کے وقت اس کی زبان کو قائم رکھ اور قبر میں ایسی چیز میں مبتلا نہ کر جس کی طاقت نہ ہو۔ الٰہی! قبر کو روشن کر دے اور اسے نبی اکرم ﷺ سے ملا دے۔"

جب یہ مقرر ہو چکا تو مستحب یہ ہے کہ درود جنازہ پر وہی پڑھے جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے، کیونکہ جب صحابہ نے کیفیت درود کا سوال کیا تو نبی کریم ﷺ نے یہی درود سکھلایا ہے۔

عبداللہ بن امام احمد بن حنبل کے مسائل میں جو اپنے باپ سے انہوں نے روایت کئے ہیں، لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور ملائکہ مقربین پر درود بھیجے۔ قاضی کا قول ہے کہ یوں کہے:

((اللهم صل على ملائكتك المقربين وانبيائك والمرسلين واهل طاعتك اجمعين من اهل السموات والارضين انك على كل شىء قدير))

"یا اللہ! اپنے مقرب فرشتوں اور بھیجے ہوئے انبیاء اور آسمانوں اور زمینوں میں جو آپ کی اطاعت کرتے ہیں ان تمام پر اپنی رحمت نازل فرما، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''ہم سے مطرف بن مازن عن معمر عن الزہری نے کہا کہ ہم کو ابوامامہ بن سہل بن حنیف نے بتایا کہ انہیں ایک صحابی نے بتایا کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر اول کے بعد دل میں پوشیدہ فاتحہ پڑھے' پھر نبی کریم علیہ السلام پر درود بھیجے اور تکبیرات میں خلوص دل سے میت کے حق میں دعا کرے۔ ان میں قرأت نہ کرے' پھر آہستہ سے سلام پھیرے۔''

میت کو قبر میں اتارتے وقت درود و سلام پڑھنا:

ان میں سے ایک مقام یہ ہے کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت درود و سلام بھیجے اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

☆☆☆

جن مقامات میں درود شریف پڑھنا منع ہے

جن مقامات پر درود شریف پڑھنا مکروہ ہے:

علمائے شافعیہ میں سے شیخ سلیمان جمل نے اپنی شرح دلائل الخیرات میں فرمایا:

''علمائے کرام نے نبی کریم علیہ السلام پر سات مقامات پر درود و سلام بھیجنا مکروہ بتایا ہے۔ وہ سات مقامات یہ ہیں:

1: جماع کرتے وقت۔ 2: قضائے حاجت کے وقت۔
3: خرید و فروخت کے وقت۔ 4: پھسلتے وقت۔
5: تعجب کے وقت۔ 6: جانور کو ذبح کرتے وقت۔
7: چھینکتے وقت۔

پچھلی تین (5 سے لے کر 7 تک کی) صورتوں میں اختلاف ہے اور شیخ یونس بن عمران نے اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے:

8: کوڑا کرکٹ کی جگہ درود نہ پڑھا جائے۔ 9: نجاست کی جگہ درود نہ پڑھا جائے۔

احناف کے نزدیک:

احناف میں سے سید ابن عابدین شامی نے اپنے حاشیہ درمختار میں شرح دلائل الخیرات سے پہلے چار مقامات نقل کر کے فرمایا:

''ہمارے نزدیک شرعی حکم یہی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کا ذکر تین مقامات پر نہ کیا جائے' چھینکتے وقت' ذبح کرتے وقت اور تعجب کے وقت۔''

مالکیہ کے نزدیک:

مالکیہ میں سے الشہاب احمد المقری' صاحب ''نفح الطیب'' نے اس سلسلہ میں چند ابیات لکھے ہیں جن کو صاحب ''خلاصۃ الاثر'' نے ان کے حالات میں ذکر کیا ہے۔

ابیات یہ ہیں:

علیکن باکثار الصلوٰۃ علی الذی

رسالتہ للخلق بادشمولھا

''تجھ پر لازم ہے کہ کثرت سے درود بھیجے ان پر جن کی رسالت واضح طور پر ساری مخلوق کو شامل ہے۔''

ودعھا بعشر قلت فی رمز عدھا

کلاما عیونی زادمتہ ھمولھا

''اور چھوڑ دے اس (درود و سلام) کو دس مقام پر جن کی تعداد کو میں نے اشارتاً بیان کر دیا ہے' ایسی گفتگو سے جس سے میری آنکھیں مزید آنسو بہانے لگیں۔''

علی عاتقی حملت ذنب جوارح

تعبت بھا قد اثقلتنی حمولھا

''میں اپنے اعضاء کے گناہ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں، میں ان گناہوں کے اٹھانے سے تھک گیا ہوں' ان کا اٹھانا مجھ پر بھاری ہو گیا ہے۔''

یہ رمز اور اشارہ تیسرے شعر کے ہر کلمہ کا پہلا حرف ہے جس سے مقامات ممنوعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اب اس رمز و اشارہ کو ترتیب وار سمجھ لیجئے۔

علی کے عین سے عطاس (چھینک) عاتقی کے عین سے عثرۃ (پھسلنا) حملت کی حاء سے حمام' ذنب کی ذال سے ذبح کرنا' جوارح کی جیم سے جماع' تعبت کی تاء سے تعجب' بھا کی باء سے بیع' قد کے قاف سے قذر (گندگی) اثقلتنی کے ہمزہ سے اکل (کھانا) حمولھا کی حاء سے حاجت انسانی (قضائے حاجت) مراد ہے۔

__علامہ ابن حجر مکی:__

صاحب الدر المنضود علامہ ابن حجر مکی نے فرمایا:

''ایک جماعت کا یہ کہنا ہے کہ جن مقامات میں محض اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے وہ یہ ہیں' کھانا' پینا' چھینکنا اور بیوی سے قربت وغیرہ جن کے متعلق کوئی حدیث وارد نہیں کہ ان مقامات میں نبی کریم علیہ لسلام پر درود و سلام بھیجا جائے۔ ان میں سے چھینکنے کے متعلق جو کہا گیا ہے اس کی تردید تو معلوم ہو چکی ہے۔ اور باقی مقامات کی جو نفی کی گئی ہے اس کی تردید اس حدیث سے کی جا سکتی ہے: **کل امر ذی بال** کہ جو با مقصد کام اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی حمد و ثناء اور اس کے نبی کریم ﷺ پر درود پڑھ کر شروع نہ کیا جائے وہ برکت سے خالی ہوتا ہے اور سحنون مالکی نے تعجب کے وقت نبی کریم علیہ السلام پر درود بھیجنے کو مکروہ بتایا ہے اور ہمارے آئمہ شافعیہ میں سے حلیمی نے کہا: اس موقع پر درود پڑھنا ایسا ہی ہو گا جیسے سبحان اللہ! لا الہ الا اللہ کہنا کہ عجیب و غریب بات بھی اللہ تعالیٰ ہی لاتا ہے۔ پس اگر نامناسب مقام پر کسی نے نبی کریم علیہ السلام پر درود پڑھا یا کسی ہنسی کے موقع پر تو مجھے درود پڑھنے والے کے گنہ گار ہونے کا ڈر ہے۔ اگر اس نے دانستہ مقام تعجب سمجھ کر درود پڑھا اور اس سے باز نہیں آیا تو یہ کافرانہ حرکت ہے۔ اس پر قونوی نے اعتراض کیا ہے اور اس کی توجیہہ یوں کی جا سکتی ہے

کہ کفر ہونے کے لئے ایک زائد قید لگانا ضروری ہے اور قونوی کے کلام سے یہ توجیہ سمجھ میں آتی ہے کہ کفر اس وقت ہے جب درود پڑھنے والا اس موقع ومقام کو خلاف ادب سمجھتا ہو یا ہنسی مذاق کے طور پر درود پڑھے، ایسی صورت میں اس کو کفر کہا جائے گا' جیسا کہ ظاہر ہے اور احناف میں سے علامہ بدرالدین عینی نے ہر حرام کام یا بات کے موقع پر درود وسلام پڑھنے کو اسی طرح قطعی حرام قرار دیا ہے جیسے ایسے موقع پر تسبیح وتکبیر کو یا سودا کرتے وقت یا سامان کھولتے وقت' یونہی اگر کسی کو غصہ آیا ہو تو اس کو درود وسلام پڑھنے کا حکم نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس بات کا خوف ہے کہ غصہ کی وجہ سے کوئی شخص کلمہ کفر بک دے۔ اس بات کو امام نووی نے کتاب الاذکار میں ذکر کیا ہے اور اس پر جزم کیا ہے۔''

چھینک کے وقت درود پڑھنا:

طبرانی نے نافع سے روایت کی ہے:

''میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا۔ ان کے پہلو میں ایک شخص نے چھینکا اور کہا ((الحمد لله والسلام علی رسول الله)) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یوں تو میں بھی کہتا ہوں۔ ((السلام علی رسول الله)) لیکن عمل یوں نہیں۔ ہم کو تو رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ جب چھینک آئے تو الحمد للہ علی کل حال کہا کریں۔''

طبرانی نے کہا کہ اس روایت کو جو سہل بن صالح انطا کی ولید سے روایت کرتا ہے، یہ اس روایت میں منفرد ہے اور ولید جو سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتا ہے سو اس کے سوا اور کسی نے سعید سے یہ روایت نہیں کی۔ ترمذی نے اسی روایت کو اپنی سند کے ساتھ نافع سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو نہیں جانتے۔ بجز زیاد بن ربیع کے طریق کے۔

ابوموسیٰ مدینی کہتے ہیں کہ بروایت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی روایت کی گئی ہے۔ ابو اسحاق نافع سے روایت کرتے ہیں:

''ایک شخص کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چھینک آئی۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: تو نے بخل کیا۔ کیوں نہیں تو نے الحمد للہ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا۔''

پس اس طرف بھی ایک جماعت گئی ہے، جن میں ابوموسیٰ مدینی وغیرہ ہیں۔ اور دوسروں نے اس مسئلہ میں ان سے نزاع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چھینک کے وقت درود مستحب نہیں۔ یہ مقام صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے صرف حمد ہی مشروع فرمائی ہے۔ درود اگرچہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور افضل اعمال سے بھی ہے۔ تاہم ہر ایک ذکر کے لئے ایک مقام مخصوص ہوتا ہے۔ جہاں اس کی جگہ دوسرا ذکر نہیں لے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ درود رکوع وسجود اور قومہ میں مشروع نہیں، بلکہ صرف تشہد اخیر میں ہے۔ اس کے بعد یہ ایک حدیث بھی روایت کرتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا ذکر تین جگہ نہ کرو، طعام پر بسم اللہ پڑھتے ہوئے، ذبح اور چھینک کے وقت۔''

لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔ اس میں تین علل ہیں:

1۔ سلیمان بن عیسیٰ جو عبد الرحیم بن زید عمی سے روایت کرتا ہے۔ وہ اپنی روایت میں منفرد ہے۔
2۔ عبد الرحیم بھی ضعیف ہے۔
3۔ اس حدیث میں انقطاع ہے۔

اس کے بعد بیہقی کہتے ہیں کہ ابو اسحاق عن نافع کی روایت جسے فقیہ ابو طاہر نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو سعید خذری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ السلام کا یہ فرمان نقل فرمایا ہے:

''جس نے چھینک آنے پر **الحمدللہ علی کل حال ما کان من حال** کہا اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت پر درود بھیجا' اللہ تعالیٰ اس کے بائیں نتھنے سے ایک پرندہ نکالے گا جو کہے گا: **اللھم اغفر لقائلھا** ''الٰہی اس کے قائل کو بخش دے۔''

اس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں بیان کیا۔ ابو موسیٰ مدینی اور ایک جماعت نے اس کو مستحب کہا ہے، مگر کچھ دوسرے اصحاب نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ چھینکتے وقت درود وسلام پڑھنا مستحب نہیں کیونکہ یہ مقام صرف الحمدللہ کا ہے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ چھینکتے اور الحمدللہ کہنے کے بعد درود وسلام بھیجنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کچھ اس طرف گئے ہیں کہ الحمدللہ کے بعد درود وسلام پڑھنا مستحب ہے۔ ان میں امام بیہقی اور ابو موسیٰ المدینی اور دیگر حضرات شامل ہیں' ان کی دلیل وہ روایت ہے جسے بیہقی نے نقل کیا ہے۔ نافع کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص کو چھینک آئی تو آپ نے فرمایا:

''تو نے بخل کیا ہے جب الحمدللہ کہا تھا تو نبی کریم علیہ السلام پر درود کیوں نہ پڑھا؟''

دوسرے علماء نے کہا:

''اس مقام پر درود شریف مستحب نہیں۔ یہ صرف الحمدللہ کہنے کا مقام ہے لہٰذا چھینک آنے پر حضور علیہ السلام کا ذکر مناسب نہیں ہوگا۔''

فی نفسہٖ درود شریف تمام اعمال سے افضل اور بارگاہ رب العزت میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ پس ہر مقام کا خاص ذکر ہوتا ہے دوسرا ذکر اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح رکوع' سجود وغیرہ میں درود وسلام جائز نہیں۔ ان قائلین نے عبد الرحیم بن زید کی اس مرفوع حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تین مواقع پر میرا ذکر نہ کرو: جب کھانا کھانے کے لئے بسم اللہ پڑھو' جانور کو ذبح کرتے وقت اور چھینکتے وقت۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت بھی بیان کی جاتی ہے جو ان سے متقدمین کی بیان کی گئی روایت کے خلاف ہے۔ چنانچہ امام ترمذی اور طبرانی وغیرہ نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل فرمائی کہ کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس چھینک ماری تو اس نے فرمایا:

((الحمدللہ و السلام علی رسول اللہ))

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس طرح نہیں سکھایا۔ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے کہ چھینک سن کر کہیں: **الحمدللہ علی کل حال**''

امام ترمذی نے فرمایا:

''یہ حدیث غریب ہے، ہم اس کو زیاد بن صبیغ کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں جانتے۔''

البتہ طبرانی نے اس کے علاوہ ولید بن مسلم، عن سعید بن عبدالعزیز، عن سلیمان بن موسیٰ عن نافع سے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم!

جانور ذبح کرتے وقت:

ذبح کے وقت درود شریف پڑھنے یا نہ پڑھنے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اس کو مستحب کہتے ہیں۔ ان کی تقریر یہ ہے:

''ذبیحہ پر بسم اللہ کہنا کافی ہے اور اگر اس پر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کو زیادہ کر لے تو بہتر ہے، میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا اگر بسم اللہ کے ساتھ صلی اللہ علی رسول اللہ بھی کہہ دیا جائے، بلکہ میں اسے پسند کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ہر ایک حال میں نبی کریم ﷺ پر درود کی کثرت کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر درود کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت میں داخل ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ جو درود اس موقعہ پر پڑھتا ہے اس کو اجر ملے گا۔ بے شک عبدالرحمٰن جو پیچھے سے پہنچے تو دیکھا کہ نبی ﷺ سجدے میں پڑے ہیں۔ یہ کہتے ہیں، میں ٹھہر گیا۔ بہت دیر ہوگئی۔ پھر آپ نے سر اٹھایا۔ عبدالرحمٰن نے کہا: میں تو ڈر گیا تھا کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح سجدہ میں ہی قبض کر لی ہو۔ فرمایا: عبدالرحمٰن! جب تو نے مجھے دیکھا ہے اس وقت جبریل مجھ سے ملے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی کہ جو شخص آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت بھیجوں گا۔ پس میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مجھ پر درود بھول گیا وہ جنت چھوڑ بیٹھا۔''

غرض امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس مقام پر کلام کے اسباب و علل پیش کئے ہیں اور دوسرے لوگوں نے ان کے ساتھ اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب ہیں۔ وہ اس وقت درود پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں جیسا کہ صاحب محیط نے ذکر کیا ہے اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں اہلال لغیر اللہ کا ابہام پایا جاتا ہے۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب بھی اس مسئلہ میں مختلف ہیں۔

قاضی اور اس کے اصحاب تو مکروہ کہتے ہیں اور ابوالخطاب نے اس کی کراہت کو بڑے ضروری مسائل میں بیان کیا ہے اور ابن شاقلا نے مثل امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ مستحب کہا ہے۔ جو لوگ مکروہ کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ دو مقامات میں میرا حصہ نہیں۔ چھینک اور ذبح۔ پھر سلیمان بن عیسیٰ کی حدیث سے حجت پکڑتے ہیں، جس پر بحث لکھی گئی ہے کہ یہ ثابت نہیں۔

☆☆☆

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء پر صلوٰۃ وسلام کا حکم

انبیاء کرام پر سلام.....قرآنی آیات:

ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

واضح ہو کہ قرآن مجید میں انبیاء اور مرسلین کے لئے صلوٰۃ وسلام کا اطلاق ہوا ہے۔ لفظ سلام کی مثال ان آیات میں ہے:

((وتركنا عليه في الأخرين سلم على نوح في العلمين انا كذلك نجزى المحسنين))

(سورۃ الصافات: ۳۷/۷۸۔۸۰)

''ہم نے پچھلے لوگوں میں اس کا ذکر چھوڑا، سلام ہو نوح پر دونوں جہان میں۔ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔''

فرمایا:

((وتركنا عليه في الأخرين سلم على ابرهيم)) (سورۃ الصافات: ۳۷/۱۰۸۔۱۰۹)

''اور اس کی تعریف وتوصیف ہمیشہ کے لئے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیم (علیہ السلام) پر۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

((وتركنا عليهما في الأخرين سلم على موسىٰ وهرون))

(سورۃ الصافات: ۳۷/۱۱۹۔۱۲۰)

''اور ہم نے بعد کی نسلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔ سلام ہے موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) پر۔''

فرمایا:

((سلم على ال ياسين))(سورۃ الصافات: ۳۷/۱۳۰)

''سلام ہو الیاس پر۔''

سلام اور ثناء حسن......آیات قرآنیہ کا صرفی نحوی جائزہ:

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء ومرسلین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام ہے اور بندوں کو بھی ان پر سلام کا حکم ہے۔

مفسرین کی ایک جماعت نے جس میں جناب قتادہ ومجاہد بھی ہیں، سلام سے مراد ثناء حسن اور لسان صدق لی ہے، لیکن دونوں ایک ہی قول ہیں۔ جو یہ کہتا ہے کہ ''بعد میں آنے والے زمانہ میں ان کے لئے سلام باقی رکھا گیا'' وہ تو نفس سلام کو مراد رکھتا ہے اور چونکہ ((سلام على نوح)) جملہ ہے موضع نصب میں ((تركنا)) کے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اہل عالم حضرت نوح اور انبیاء مابعد پر سلام بھیجتے ہیں اور جس نے لسان صدق وثناء حسن سے تفسیر کی ہے، اس نے سلام کے لوازم

وموجبات کو لے لیا ہے، یعنی ان کی صفت وثناء کرنا اور جب ذکر آئے تو سلام بھیجنا اور یہی مراد لسان صدق سے ہے۔

ایک گروہ ابن عطیہ وغیرہ کا قول ہے کہ اگر یہاں سلام کی تفسیر ثناء حسن ولسان صدق سے کی گئی تو اس حالت میں ((سلام علی نوح فی العالمین)) جملہ ابتدائیہ ہوگا جس کا اعراب کے اعتبار سے کوئی محل نہیں، یہ تو اللہ کا سلام ہے جو ان پر کہا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سلام تو ہر دو عالم میں حضرت نوح علیہ السلام کے لئے امن ہے کہ ہر شخص ان کو یاد رکھے۔ یہ طبرانی کا قول ہے اور اس کو یہ تقویت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تعلق اخریٰ اور عالمین سے بتلایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ان پر ثناء حسن کو باقی رکھا ہے۔''

مگر یہ قول چند وجوہ سے ضعیف ہے:

1۔ اس سے لازم آتا ہے کہ ((ترکنا)) کا مفعول حذف کیا گیا ہے۔ بریں تقدیر کلام میں کوئی فائدہ نہیں رہ جاتا، کیونکہ معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے پچھلوں میں سے اس پر چھوڑا، مگر نہیں بتلایا کہ کیا، کیونکہ اس قائل کے نزدیک لفظ سلام تو ما قبل سے منقطع ہے اور فعل کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

2۔ اگر مفعول حذف کیا گیا تھا تو ضروری تھا کہ دوسری جگہ اس کا ذکر بھی کیا جاتا تاکہ حذف ہوکر اپنی مراد پر دلالت کرتا رہتا سب جگہ ہی حذف جائز نہ رکھا جاتا۔ قرآن مجید بلکہ ہر ایک کلام فصیح کا طریق بھی یہی ہے کہ ایک شے کا ایک جگہ ذکر کر دیا جاتا ہے اور دوسری جگہ اسے حذف، کیونکہ محذوف پر مذکور کی دلالت رہتی ہے۔ قرآن مجید میں بسا مقامات پر تو ذکر پایا جائے گا اور حذف کم، لیکن یہ صورت بالکل حذف ہی ہو اور ذکر ایک جگہ بھی نہ ہو اور کوئی لفظ اس پر دلالت بھی نہ کرے۔ یہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔

3۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ((وترکنا علیه فی الاخرین سلما)) نصب کے ساتھ ہے اور یہ دلالت کرتا ہے کہ خود سلام ہی باقی چھوڑا گیا ہے۔

4۔ اگر سلام کو عبارت ما قبل سے منقطع سمجھیں تو یہ فصاحت و جزالت کلام میں خلل پیدا کرتا ہے اور جو خوبی ما قبل سے متعلق رکھنے میں ہے، وہ جاتی رہتی ہے۔ تم ذرا تأمل کرو کہ جب سامع ((وترکنا علیه فی الاخرین)) سنے گا تو اس کی کیا حالت ہوگی، اس کے دل میں پورا جملہ سننے اور خبر معلوم کرنے کا کس قدر شوق ہوگا اور کیسی للچاہٹ سے چاہے گا کہ میوۂ نتیجہ چکھ لوں، لیکن اگر یہ سمجھ لیں کہ کلام تمام ہوگیا، تب کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا اور سامع کا شوق اتمام کے لئے ویسا ہی باقی رہتا ہے اور شے متروک کی دریافت کی لگن لگی رہتی ہے۔ پس آخرین پر وقف تام نہیں ہوسکتا۔

اگر کوئی کہے کہ اس باب کا مفعول حذف کرنا جائز ہے کیونکہ یہاں ترک بمعنی اعطیٰ ہے اور باب اعطیٰ سے جائز ہے کہ دونوں مفعول حذف کر دیئے جائیں یا دونوں بیان کئے جائیں یا ایک حذف کر دیا جائے۔ مثلاً:

((اعطیناك الکوثر)) میں دونوں مفعول ہیں۔

اور ((فاما من اعطی)) میں دونوں حذف ہیں۔

((ولسوف یعطیك)) میں ایک کا ذکر کر کے دوسرا حذف کر دیا ہے۔

بات یہ ہے کہ اعطیٰ فعل مدح ہے جس سے عطا کنندہ کی عطا کا عطا یافتہ کو ملنا ثابت ہوتا ہے، اس لئے ہر دو مفعول

کا ذکر یا حذف یا ایک کا حذف جائز رکھا گیا ہے، تا کہ فعل سے جس قدر غرض مطلوب ہو اسی قدر ظاہر کرے۔ یعنی اگر مقصود یہ ہے کہ ماہیت اعطاء کی اطلاع دی جائے جو بندہ کو بخل وشح سے جدا کرنے والا اور منافی احسان سے روکنے والا ہے۔ تب تو صرف فعل لایا جاتا ہے۔

فرمایا: ((فاما من اعطی)) (اس میں یہ نہیں بتلایا کہ کیا چیز دی)

دعائے قنوت میں ہے:

((لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت))

چونکہ ان الفاظ سے مقصود عطا ومنع میں اللہ تعالیٰ کا تفرد و یکتائی ثابت کرنا تھا، اس لئے شخص عطا یافتہ اور چیز عطا شدہ کا ذکر نہیں کیا، بلکہ ذکر کرنا بلاغت اور کمال معنی میں خلل انداز تھا اور جہاں یہ مقصود تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت کسی عطیہ کے پانے میں ظاہر کی جائے، وہاں دونوں مفعول پیدا کئے، کیونکہ:

((انا اعطیناك الکوثر))

فرمانے کے بغیر مقصود پورا نہ ہو سکتا تھا۔

اہل نار کے قول میں فرمایا:

((ولم نك نطعم المسکین))

یہاں مقصود یہ تھا کہ اہل نار نے بخل کیا اور مستحقین کو حق نہ پہنچایا، اس لئے مسکین کا ذکر فرمایا اور ذکر مطعوم چھوڑ دیا۔ قرآن مجید کے اس طریقہ پر جو کوئی غور کرے گا اور دیکھے گا کہ کیونکر اہم مقصود کا ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرے کو حذف کر دیا جاتا ہے تو اسے ابواب اعجاز میں سے ایک باب ملے گا اور کمال فصاحت کا دروازہ اس پر کھل جائے گا۔

رہا فعل ترک، اسے ان میں کوئی بات حاصل نہیں، کیونکہ اس کے ساتھ مدح نہیں کی اور اگر یوں کہیں کہ فلان ((یترك)) تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا چیز مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ((فلان یعطی)) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں بھی معطی ایک اسم ہے۔ لہٰذا ترک کا قیاس اعطی پر کرنا بہت غلط قیاس ہے اور ((سلام علی نوح فی العالمین)) تو جملہ محکیہ ہے۔

زمخشری کا قول ہے کہ آخری امم میں جو کلمہ ان پر چھوڑا گیا ہے وہ سلام بر نوح ہے۔ یہ کلام محکی ہے، جیسے کوئی کہے:

((قرأت سورة الناها)))

5۔ اللہ تعالیٰ نے ((سلام علی نوح فی العالمین)) فرمایا ہے۔ پس وہ سلام یہی ہو سکتا ہے جو سب ان پر بھیجتے ہیں اور ان کی ثناء کرتے ہیں۔ رہا اللہ تعالیٰ کا سلام وہ عالمین کے اندر مقید نہیں، اس لئے یہ بھی مشروع نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ سے یوں سوال کیا جائے کہ ((اللھم سلم علی رسولك فی العالمین)) لیکن اگر یہ سلام اللہ کا سلام ہوتا تو ضرور اس طریق پر اللہ سے اس کا طلب کیا جانا مشروع بھی ہوتا۔

رہا ان کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عالمین میں سلام کیا اور آخر میں باقی چھوڑا۔ سو اللہ تعالیٰ نے جمیع انبیاء ورسل پر سلام اور ثناء حسن پس آیندگان میں باقی رکھی ہے، کیونکہ انہوں نے پروردگار کے احکام کو پہنچایا اور اللہ کی راہ میں تکلیف و اذیت کو برداشت فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو کچھ ان کے لئے رکھا گیا ہے، جملہ عالمین میں عام ہے اور یہ تحیت ایسی ہے جس سے کوئی قوم خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس تحیت کو ملائکہ اور جن وانس میں

مداومت بخشی ہے اور ہر طبقہ وہر زمانہ میں ان کے صبر اور قیام برحق کی جزاء عطا فرمائی ہے، کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اہل ارض کی طرف بھیجا اور باقی مرسلین ان کے دین پر مبعوث کیے گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((شرع لکم من الدین ما وصی به نوحاً)) (الشوریٰ: ۴۲/۱۳)

''تمہارے لئے دین میں وہی مشروع کیا جس کی وصیت نوح علیہ السلام کو کی تھی۔''

رہا ان کا یہ کہنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سو انہوں نے سلام سے ثناء حسن اور لسان صدق کے مراد لینے میں گویا سلام کے معنی اور فائدہ کو بیان فرما دیا ہے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم:

اسمٰعیل نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صلو اعلی انبیاء اللّٰہ ورسله فان اللّٰہ بعثهم کما بعثنی))

''اللہ کے نبیوں اور رسولوں پر درود بھیجا کرو کیونکہ ان کو بھی اللہ نے مبعوث کیا تھا جیسا مجھے کیا ہے۔''

((صلوات وسلام علیهم اجمعین))

مذکورہ بالا حدیث کی سند:

میں کہتا ہوں کہ سعید بن زید جو اس حدیث کا راوی ہے' حماد بن سعید کا بھائی ہے۔ یحییٰ بن زید نے اس حدیث کو ''بہت ضعیف'' کہا۔

سعدی نے کہا: ''یہ حجت ہے اور اس کی حدیث ضعیف ہے۔''

نسائی نے کہا: ''قوی نہیں۔''

مگر مسلم نے اس سے روایت کی ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں اچھا قول ''لیس به باس'' کہا ہے۔

یحییٰ بن معین اور بخاری نے اس کو ثقہ کہا ہے۔

رہے عمرو بن ہارون اور موسیٰ بن عبیدہ اور محمد بن ثابت جو اسی حدیث کے راوی ہیں، حجت نہیں۔

مگر اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں۔ اور ایسی حدیث استشہاد (شاہد بننے) کی صلاحیت رکھتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی شکایت:

حافظ ابوموسیٰ مدینی کہتے ہیں:

''مجھے اسناد کے ساتھ بعض سلف سے پہنچا ہے کہ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ گویا شکایت کر رہے ہیں کہ ان کی اولاد ان پر درود کم بھیجتی ہے۔''

(صلی الله علی نبینا محمد وعلی جمیع الانبیآء و المرسلین)

علماء کا اجماع

ایک سے زیادہ علماء نے اس مسئلہ پر اجماع کیا ہے کہ جملہ انبیاء پر صلوٰۃ مشروع ہے۔ شیخ امام نووی بھی ان میں سے ہیں۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ:

''ہمارے نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے کے لئے صلوٰۃ نہیں۔''

اصحاب مالک نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ جس طرح پر ہم کوئی نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طرح دیگر انبیاء کے لئے ہم کو حکم نہیں دیا گیا۔

آل پر صلوٰۃ کا حکم:

اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ غیر انبیاء پر صلوٰۃ کا استعمال فرماتے تھے۔

جن کا مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ واجب ہے، آل پر واجب ہونے کے بارے میں ان کے دو مشہور قول ہیں اور یہ دونوں طریقے شافعیہ کے ہیں۔

(۱) نبی اکرم ﷺ پر درود واجب ہے اور آل پر وجوب کے بارے میں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ یہ طریقہ تو امام الحرمین اور امام غزالی رحمتہ اللہ علیہما کا ہے۔

(۲) آل پر وجوب کی دو وجوہ ہیں اور یہ طریقہ ان کے نزدیک مشہور ہے اور جنہوں نے اس کی تصحیح کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ آل پر درود واجب نہیں۔

امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب بھی آل پر وجوب صلوٰۃ میں مختلف ہیں اور دو وجوہ بیان کرتے ہیں اور اگر آل کی جگہ لفظ اہل بدل دیا جائے اور ((اللهم صل علی محمد و اهل محمد)) کہا جائے تو اجزاء میں دو وجوہ ہیں۔

بعض شافعیہ نے اس مسئلہ پر اجماع بیان کیا ہے کہ صلوٰۃ آل پر مستحب ہے مگر اس بارے میں کوئی اجماع ثابت نہیں۔

صرف آل پر درود ہو سکتا ہے یا نہیں:

اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ((اللهم صل علی ال محمد)) کہا جائے۔ یہ صورت جواز ہے، کیونکہ آل میں نبی کریم ﷺ بھی داخل ہیں اور گو یہاں لفظی طور پر آپ کا ذکر مبارک نہیں ہوا مگر معنی میں حضور ﷺ شامل ہیں۔

(۲) آل اطہار میں سے کسی ایک کا منفرد ذکر کیا جائے اور صل علی علی یا صل علی حسن و صل علی حسین یا صل علیٰ فاطمہ (رضی اللہ عنهم) وغیرہ کہا جائے تو اس بارے میں اختلاف ہے۔

نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل کے علاوہ پر بھی صلوٰۃ بھیجی جاسکتی ہے..... سولہ دلائل

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی و آل نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غیر پر بھی صلوٰۃ جائز ہے۔ اس کو قاضی ابوالحسین بن فراء نے رؤس مسائل میں بیان کیا ہے اور یہی قول حسن بصری و خصیف و مجاہد و مقاتل بن سلیمان و مقاتل بن حیان اور اکثر اہل تفسیر

کا ہے اور یہی قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ روایت ابوداؤد اسی پر نص ہے۔
چنانچہ ان سے سوال کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے پر بھی صلوٰۃ جائز ہے۔؟ کہا: کیا علی رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نہ کہا تھا:

((صلى الله عليك))

یہ قول اسحاق بن راہویہ، ابوثور اور محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا ہے۔
ابوبکر بن ابوداؤد نے یہی قول اپنے باپ سے روایت کیا ہے۔ قاضی ابوالحسین کہتے ہیں کہ اسی پر عمل ہے۔
ان کی حجت کی بھی بعض وجوہات ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم))

(سورۃ التوبۃ: ۹/۱۰۳)

''اے نبی! تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو۔''

اس میں حکم ہے کہ امت سے صدقہ وصول کریں اور ان پر صلوٰۃ بھیجیں اور ظاہر ہے کہ خلفاء وائمہ نبی کریم ﷺ کے بعد صدقہ وصول کیا کرتے تھے جس طرح خود آپ ﷺ وصول فرمایا کرتے تھے، اس لئے ان کے لئے بھی مشروع ہے کہ صدقہ دہندہ پر صلوٰۃ بھیجیں جیسے نبی اکرم ﷺ ان پر بھیجا کرتے تھے۔

2۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((هو الذى يصلى عليكم وملئكته))

''وہ صلوٰۃ بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے۔'' (سورۃ الأحزاب: ۳۳/۴۳)
اس آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے مومنوں پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

3۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((ان الله وملائكته يصلون على معلم الناس الخير))

''اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے پر۔''

4۔ ابوداؤد میں حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((ان الله وملائكته يصلون على ميامن الصفوف))

''اللہ اور فرشتے صف کی داہنی طرف پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔''

5۔ دوسری حدیث میں ہے:

((ان الله وملائكته يصلون على الذين يصلون الصفوف))

''اور فرشتے ان پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں جو صفوں کو ملاتے ہیں۔''

6۔ شروع کتاب میں وہ حدیث لکھی جا چکی ہے، جس میں ذکر ہے کہ درود خواں پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''میرا جو امتی خلوص دل سے مجھ پر درود بھیجے اللہ اس کے عوض اس پر دس مرتبہ صلوۃ نازل فرماتا ہے۔''
اس کو طبرانی نے بھی انہی سے روایت کیا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور البزار وغیرہ نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوۃ بھیجتا ہے اور اس کی دس خطائیں مٹائی جاتی ہیں اور اس کے دس مرتبے بلند کر دیئے جاتے ہیں۔''
اس کو نسائی وغیرہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس صلوۃ نازل فرماتا ہے۔ اب آدمی کو اختیار ہے درود میں کمی کرے یا کثرت کرے۔''
اس کو محمد بن جریر طبری وغیرہ نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ طبری نے اس کی تصحیح کی ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر دس مرتبہ صلٰوۃ بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر سو مرتبہ صلٰوۃ بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجے اللہ اور اس کے ملائکہ اس پر ہزار مرتبہ درود بھیجتے ہیں اور جہنم کی آگ اس کے جسم کو نہیں چھوئے گی۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اسے ایک فرشتہ لے کر میری خدمت میں پیش کرتا ہے جو اسی کام پر مقرر ہے۔''
اس کو طبرانی نے حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو مجھ پر درود بھیجے' فرشتے انہی الفاظ سے اس پر درود بھیجتے ہیں' اب اس کی مرضی ہے تھوڑا درود بھیجے یا زیادہ۔''
اس کو ابو الیمن ابن عساکر نے حضرت عامر بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، اسی کو الضیا المقدسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے' اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔ چاہے تو زیادہ پڑھے اور چاہے تو کم۔''
اس کو ابن ابی عاصم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا' اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے۔''

اس کو مسلم وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' یہی روایت طبرانی نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے معمولی لفظی تبدیلی کے ساتھ نقل کی ہے۔

7۔ قاضی ابو یعلیٰ نے اس حدیث مرسل سے حجت پکڑی ہے:

((اللهم صل على ابي بكر فانه يحب الله ورسوله اللهم صل على عمر فانه يحب الله ورسوله اللهم صل على عثمان فانه يحب الله ورسوله اللهم صل على علي فانه يحب الله ورسوله اللهم صل على ابي عبيدة فانه يحب الله ورسوله اللهم صل على عمرو بن العاص فانه يحب الله ورسوله))

''الٰہی! ابوبکر وعمر، عثمان، ابوعبیدہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم پر صلوٰۃ بھیج۔ کیونکہ یہ اللہ اور رسول ﷺ سے محبت رکھتے ہیں۔''

8۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس جب کوئی قوم صدقہ لے کر آتی تو آپ ﷺ فرمایا کرتے:

((اللهم صل على ال ابى فلان))

''اے اللہ! آل فلاں پر درود بھیج۔''

چنانچہ میرا باپ صدقہ لے کر آیا تو فرمایا:

((اللهم صل على ال ابى اوفى))

''اے اللہ آل ابی اوفیٰ پر درود بھیج۔''

9۔ حجاج نے سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ! مجھ پر اور میرے شوہر پر صلوٰۃ فرمائیے۔''

آپ نے فرمایا:

((صلى الله عليك و على زوجك))

اس کو امام احمد نے مسند میں اور سنن میں ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

10۔ ابو یعلیٰ موصلی نے سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعا سکھائی اور حکم دیا کہ اپنے اہل کو بھی ہمیشہ پڑھنے کے لئے کہیں اور خود بھی اٹھ کر پڑھا کریں:

((لبيك اللهم لبيك لبيك وسعديك الخير في يديك و منك واليك اللهم ما قلت من قول أو نذرت من نذر و حلفت من حلف فمشيتك بين يديه ما شئت منه كان وما لم تشآء لم يكن ولا حول ولا قوة الأ بك أنت على كل شيء قدير اللهم وما صليت من صلوة فعلى من صليت وما لعنت من لعن فعلى من لعنت أنت ولي في الدنيا والاخرة توفني مسلماً والحقني بالصالحين))

''حاضر ہوں! یا اللہ! حاضر ہوں، حاضر ہوں اور فرمانبردار ہوں! تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور تجھ سے اور تیری جانب ہیں۔ یا اللہ! جو قول میں نے کہا اور جو نذر میں نے مانی یا جو حلف میں نے کیا، سو تیری مشیت اس کے آگے ہے۔ جو تو نے چاہا وہ ہوا۔ جو نہ چاہا نہ ہوا۔ نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی توفیق تیری طرف سے ہے۔ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ یا اللہ! جس پر میں نے صلوٰۃ بھیجی، یہ وہی ہے جس پر تو نے بھیجی۔ اور جس پر میں نے لعنت کی، یہ وہی ہے جس پر تو نے کی۔ تو دنیا و آخرت کا ولی ہے مجھے اسلام پر وفات دے اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔''

وجہ استدلال اس دعا سے یہ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے پر بھی صلوٰۃ مشروع نہ ہوتی، تب اس سے استثناء صحیح نہ ہوتا کیونکہ جب بندہ اس پر صلوٰۃ کہتا ہے جو اہل و مستحق ہے تو پھر استثناء کیا کرے گا۔

11۔ حضرت ابن سعد نے کتاب الطبقات میں سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر کے وصال کے وقت ان کے پاس آئے اور حضرت عمر اس وقت کفنائے گئے تھے۔ جب قریب آپہنچے تو فرمایا:

((صلى الله عليك ما القى الى الله بصحيفته احب الى من هذا المسجى بينكم)).

''اللہ تجھ پر صلوٰۃ بھیجے۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو نامہ اعمال لے کر نہیں ملا جو مجھے اس کفنائے ہوئے سے زیادہ محبوب ہو۔''

12۔ صلوٰۃ تو دعا ہے اور دعا کے لئے حکم و اجازت ہے۔ یہ دلیل ابوالحسین کی ہے۔

13۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا: جب مومن کی روح نکلتی ہے، اسے دو فرشتے ملتے ہیں جو اوپر لے جاتے ہیں۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی پاکیزہ خوشبو کا ذکر کر کے کہا...... اور آسمان کے باشندے کہتے ہیں: پاک روح ہے جو زمین سے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صلوۃ تجھ پر اور تیرے جسم پر ہو جسے تو نے آباد رکھا۔

حدیث کو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مرفوفاً ذکر کیا ہے۔ سیاق حدیث مرفوع ہونے پر دلالت رکھتا ہے، فرمایا: جب کافر کی روح نکلتی ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی سڑاند اور لعنت کا ذکر کیا تو آسمان والے کہتے ہیں کہ خبیث روح ہے جو زمین سے آئی ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ اُسے لے جاؤ (سجین میں) آخر وقت (قیامت) تک۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک باریک کپڑا اپنی ناک پر ڈال لیا (یعنی سڑاند کے ذکر پر) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ ہے۔

ایک جماعت نے اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ان میں سے ابو سلمہ وعمر بن حکم، اسمٰعیل وسعید بن یسار وغیرہ ہیں۔

حدیث بالا میں دلیل یہ ہے کہ جب فرشتے روح مومن کو ((صلى الله عليك)) کہتے ہیں تو مومنین کو باہم کہنا بھی جائز ہے۔

14۔ موطا میں حضرت عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ قبر نبوی پر کھڑے ہوتے اور نبی اکرم ﷺ اور ابو بکر و عمر

رضی اللہ عنہما پر صلوٰۃ بھیجتے۔'' (یہ لفظ یحییٰ بن یحییٰ کے ہیں۔)

15۔ صلوٰۃ برازواج حدیث میں آچکا ہے اور یہ حدیث ان لوگوں پر حجت ہے جو ازواج کو آل میں جن پر صدقہ حرام ہے، داخل نہیں کرتے۔ پس جب صلوٰۃ ان پر جائز ہے تو دیگر صحابہ کے لیے بھی جائز ہوا۔

16۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جنازہ پر تکبیر کہتے اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتے اور پھر کہا کرتے:

((اللهم بارك فيه وصل عليه واغفرله واورده حوض نبيك صلى الله عليه وسلم))

''الٰہی! اس میں برکت دے۔ اس پر صلوٰۃ بھیج۔ اسے بخش دے اور نبی اکرم ﷺ کے حوض پر اسے وارد کر۔''

☆☆☆

صلوۃ نبی کریم اور آل کے ساتھ خاص ہے...... سلام ہر مومن پر بھیجا جا سکتا ہے...... دس دلائل

آل کے سوا اوروں پر صلوٰۃ وسلام...... صلوۃ وسلام میں فرق:

آل کے سوا اوروں پر صلوۃ کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ سمجھا ہے اور فرمایا کہ گزشتہ زمانہ میں یہ عمل نہ تھا، امام ابو حنیفہ وسفیان بن عیینہ وسفیان ثوری وطاؤس (رحمۃ اللہ علیہم) کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سوا اور یہ صلوٰۃ کسی اور کے شایاں نہیں۔

اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ عکرمہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے:

''نبی اکرم ﷺ کے سوا صلوٰۃ کی صلاحیت دوسرے کو نہیں۔ ہاں مسلمان ومسلمات کے لئے دعا واستغفار ہے۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز (مجدّدِ اوّل) کا مذہب بھی یہی ہے۔ انہوں نے فرمان تحریر فرمایا تھا کہ قصہ خواں اور داستان گولوگوں نے یہ بدعت نکال لی ہے کہ ملوک اور امراء کے لئے لفظ صلوٰۃ کا استعمال کرتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے لئے ہے، اس تحریر کو دیکھ کر حکم دیا جائے کہ صلوٰۃ انبیاء کے لئے اور دعا عام مسلمانوں کے لئے کرنی چاہیے۔

اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے، مگر اس مسئلہ میں ان کے ہاں تین صورتیں ہیں:

1۔ ایسا کرنا منع ہے اور مکروہ تحریمی ہے۔
2۔ مکروہ تنزیہی ہے۔
3۔ صرف ترک اولیٰ ہے۔

اذکار میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ذکر کیا ہے، لیکن جس پر اکثر کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔

ایک گروہ نے جس میں سے ابومحمد جوینی ہیں:

((السلام على فلان يا فلان عليه السلام))

کہنے کو مکروہ سمجھا ہے اور علی علیہ السلام یا حسن علیہ السلام کہنے میں کراہت بیان کی ہے، مگر اور لوگوں نے صلوٰۃ وسلام میں فرق سمجھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سلام تو ہر ایک مومن کے لئے زندہ ہو یا مردہ، حاضر ہو یا غائب مشروع ہے۔ چنانچہ کہہ دیا

کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو میرا سلام کہہ دینا۔ سلام تو تحیت اہل اسلام ہے۔ برخلاف صلوٰۃ کے جو رسول اور آل رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حقوق میں سے ہے۔

دیکھو نمازی نماز میں کہتا ہے:

((السلام علینا و علی عباد الله الصالحین))

مگر یوں نہیں کہتا:

((الصلاة علینا و علی عباد الله الصالحین))

اس سے سلام اور صلوٰۃ میں فرق معلوم ہو گیا۔

صلوۃ نبی کریم کے ساتھ خاص ہے......دس دلائل:

صلوٰۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اس کی حجت چند وجوہ سے یہ ہے:

1۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول کہ صلوٰۃ سرورِ دو عالم ﷺ کے لیے خاص ہے۔

2۔ نبی اکرم ﷺ و آل پاک کے سوا غیر پر صلوٰۃ کا استعمال اہل بدعت کا شعار ہے۔

3۔ سلف امت کا اس پر عمل نہ ہونا جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حجت پکڑی ہے، کیونکہ اگر اس میں کوئی خوبی ہوتی تو وہ ضرور اس پر سبقت کرتے۔

4۔ مومن کو بہت بڑی حاجت ہے کہ اس کے لئے مغفرت و رحمت اور عذاب سے دعائے نجات کی جائے، مگر نبی اکرم ﷺ ایسی دعا کے محتاج نہیں۔ آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا جو حکم دیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر احسان ہے کہ وہ اس درود خوانی سے کرامت و شرافت حاصل کر سکیں۔ برخلاف امت کے جس کا ہر فرد بجائے خود دوسرے کی دعائے مغفرت و رحم کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرع نے اہل ایمان کو ان کے درجہ پر ٹھہرایا اور منصب علیا نبی کریم ﷺ کے لئے ہی خاص رکھا۔

5۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے پر اطلاق صلوٰۃ ہو سکتا ہے تو یا تو اس ایک خاص امتی کی خصوصیت سمجھی جائے گی یا ہر ایک مسلمان کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا۔ خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ تخصیص بلا مخصص ہے۔ اگر عدم خصوصیت کو مان لیا جائے اور کہا جائے کہ جس کو دعا کا حق حاصل ہے اسے صلوٰۃ کا بھی ہے تو اس میں کل مسلمان شامل ہوں گے۔ حتیٰ کہ اہل کبائر بھی اور ((اللھم تب علیه اللھم اغفرله)) کی جگہ ان کو ((اللھم صلی علیه)) کہنا بھی درست ہوگا، لیکن یہ محض باطل ہے۔

اگر صرف صالحین کے لئے جائز کہو گے تو نہ اس پر کوئی دلیل ہے اور نہ اس کا کوئی ضابطہ ہو سکتا ہے، کیونکہ کسی شخص کا صالح یا غیر صالح ہونا ایک ایسا وصف ہے جو نفع و نقصان سب کے ساتھ لگا ہوا ہے تو پھر کون سا ضابطہ ہے کہ امت میں سے فلاں شخص پر صلوٰۃ بھیج سکتے ہیں اور فلاں پر نہیں۔

6۔ قرآن مجید میں جس مقام پر صلوٰۃ بر نبی اکرم ﷺ کا حکم ہے اس موقعہ پر حضور ﷺ کے دیگر حقوق اور خواص جو ذات مبارک سے ہی خصوصیت رکھتے ہیں، بیان فرمائے گئے ہیں، جس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ نبی کریم ﷺ کا ہی ایک خاص حق ہے اور آل بھی اس میں آپ کی تابع ہے۔

7۔ زبان امت پر لفظ صلوٰۃ کی یاد آوری نبی کریم ﷺ کے لئے مخصوص ہونا، یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ عزوجل یا سبحانہ وتعالیٰ مخصوص ہو گئے ہیں اور کوئی شخص محمد عزوجل یا نبی سبحانہ وتعالیٰ نہیں بولا جاتا اور جانتا ہے کہ خالق کا درجہ مخلوق کو نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح شایان نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا درجہ غیر کو دیا جائے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اور کسی کو ''صلی اللہ علیہ وسلم'' نہیں کہا جائے گا۔

8۔ اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے لئے دعا مانگیں اور استغفار کریں۔ حیات و ممات کے بعد ایک دوسرے پر ترحم کریں۔ نیز مشروع فرمایا کہ اپنے آقا نبی اکرم ﷺ پر آپ کی حیات میں نیز بعد حیات صلوٰۃ پڑھا کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا مسلمانوں کا حق ہے اور صلوٰۃ نبی اکرم ﷺ کا۔ ایک کی جگہ دوسرے کے لئے نہیں۔ نماز جنازہ دیکھو کہ میت کے لئے دعا مانگی اور سوال بخشش ورحمت کیا جاتا ہے، مگر صلوٰۃ اس پر کوئی نہیں بھیجتا اور ((اللهم صلى عليه وسلم)) کوئی نہیں کہتا۔ نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و درود پڑھا جاتا ہے اور اس کے عوض ((اللهم اغفرله وارحمه)) نہیں بولا جاتا۔ غرض ہر ایک حقدار کو اس کا حق دینا چاہیے۔

9۔ امت کے لئے مشروع یہ ہے کہ نماز میں صالحین پر سلام کریں اور اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ۔ اس سے واضح ہوا کہ صلوٰۃ نبی اکرم ﷺ کا ایسا حق ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

10۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((لَا تجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعآء بعضكم بعضا))

''نبی کو اس طرح نہ پکارو جیسے باہم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔''

جب اس سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اوروں کی طرح پکارنا نہ چاہیے تو صلوٰۃ میں بھی اور کا حصہ نہ چاہیے۔

غرض ان دس وجوہ سے صلوٰۃ کا نبی اکرم ﷺ سے مخصوص (آل نبی حضور کی تبعیت میں ہیں) ہونا معلوم ہو گیا۔



صلوٰۃ فقط نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل کے ساتھ خاص ہے......

مخالفین کے دلائل کا جواب

جو لوگ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ نبی کریم اور ان کی آل کے ساتھ خاص نہیں ہے ان کے دلائل کا جواب یہ ہے کہ ان دلائل کی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم: صحیح جس کا محل نزاع سے کچھ تعلق نہیں، اس لئے وہ ہم پر حجت نہیں۔

دوسری قسم: وہ ہے جس کی صحت معلوم نہیں، اس لئے وہ بھی حجت نہیں ہو سکتی۔

یہ امر تم پر بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ جب ہر ایک دلیل کے متعلق بیان کیا جائے گا۔

وصل علیھم کا جواب: تمہاری دلیل اوّل قرآن مجید کا لفظ **وصل علیھم** ہے، لیکن اس پر تو بحث نہیں، کیونکہ بحث یہ تھی کہ آیا امت کو نبی اکرم ﷺ کے سوا اور پر صلوٰۃ بھیجنا مشروع ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں یہ پیش کرنا کہ نبی اکرم ﷺ نے کسی شخص پر صلوٰۃ فرمائی ہے، کیونکر اصلی جواب ہوسکتا ہے۔ یہ تو مسئلہ ہی جدا ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے۔

پہلا مسئلہ جس پر بحث ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جس صلوٰۃ کا حکم ہم کو دیا گیا ہے، آیا اس صلوٰۃ میں کوئی اور شخص بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ شریک ہوسکتا ہے یا نہیں۔؟ ہم تو جانتے ہیں کہ صلوٰۃ نبی کریم ﷺ کا حق ہے جس کا ادا کرنا اور جس کی ادائیگی پر قائم رہنا امت پر متعین کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اختیار ہے کہ اپنے حق کے اندر کسی کو مخصوص فرمالیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جو کوئی نبی کریم ﷺ کو گالی دے یا ایذا پہنچائے، اس کو قتل کر ڈالنا آپ کا ایک حق ہے جو امت کو ادا کرنا ضروری ہے، لیکن خود نبی کریم ﷺ ایذا دینے والے کو معاف فرمادیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب آپ ﷺ کو ایذا و تکلیف پہنچتی تو فرمایا کرتے۔

''اللہ رحم کرے موسیٰ علیہ السلام پر۔ ان کو اس سے زیادہ ایذا دی گئی اور انہوں نے صبر کیا۔''

صل آل ابی اوفیٰ، ایک صحابیہ اور اس کے شوہر پر صلوٰۃ کا جواب: دوسری دلیل کا، جس میں آل ابی اوفیٰ پر صلوٰۃ کا ذکر ہے اور تیسری دلیل، جس میں ایک عورت اور اس کے شوہر پر صلوٰۃ کا ذکر ہے، کا بھی یہی جواب ہے۔

حضرت علی کے قول صلی اللہ علیک کا جواب: رہی چوتھی دلیل کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو صلی اللہ علیک کہا تھا۔ اس کا جواب چند وجوہ سے یہ ہے:

1۔ جعفر بن محمد سے روایان حدیث نے روایت میں اختلاف کیا ہے۔ انس بن عیاض کی روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غسل اور کفن دیا گیا اور سریر پر رکھا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ثناء کی۔

محمد اور یعلیٰ نے اسی طرح روایت کی ہے اور لفظ ((صلی الله علیك)) روایت نہیں کیا۔

ورقاء بن عمرو اور سلیمان بن بلال اور یزید ہارون کی روایتوں میں بھی یہ لفظ نہیں۔

عون بن ابی جحیفہ کی روایت میں رحمتك الله کا لفظ ہے۔

عارم بن الفضل نے سند کے ساتھ ایوب اور عمرو بن دینار اور ابی جھضم سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس میں لفظ صلوٰۃ نہیں۔

اسی طرح قیس بن ربیع نے روایت کی ہے۔

2۔ ابن سعد نے اس حدیث کی سند بیان نہیں کی، بلکہ طبقات میں یوں کہا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے ہم کو سفیان بن عیینہ سے خبر دی کہ میں نے اس حدیث کو سفیان سے سنا ہے اور اس میں صلی الله علیك کا لفظ ہے۔ سو یہ مبہم ہے اور ممکن ہے کہ وہ محفوظ نہ رکھ سکا ہو، اس لئے حجت نہیں۔

3۔ یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے بھی مخالف ہے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے پر صلوٰۃ جائز نہیں ہے۔

جنازہ میں اللھم صل علیہ پڑھنے کا جواب: رہی تمہاری پانچویں دلیل یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جنازہ میں اللھم صل علیہ پڑھنا۔ اس کا جواب چند وجوہات سے یہ ہے:

1۔ نافع بن ابو نعیم حدیث میں محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ گو قرأت میں امام ہیں۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان سے قرآن لے لینا چاہیے اور حدیث میں کچھ نہیں۔ اس روایت کے محفوظ نہ ہونے پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کو روایت نہیں کیا، بلکہ ایک اثر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ پس اگر یہ روایت حضرت نافع مولیٰ ابن عمر کے پاس ہوتی تب امام مالک بہ نسبت ابن ابی نعیم کے زیادہ واقف ہوتے۔

2۔ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس روایت کے خلاف ہے۔

صلوۃ دعا ہے......اس دلیل کا جواب: رہی چھٹی دلیل کہ صلوٰۃ دعا ہے اور دعا ہر ایک مسلمان کے لئے مشروع ہے۔ اس کا جواب چند وجوہ سے یہ ہے:

1۔ یہ دعا مخصوص ہے اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا حکم ہے۔ دعا و صلوٰۃ میں وہی فرق عظیم ہے جو امتی اور رسول میں ہے۔ مدعولہ (رسول) کے ساتھ الحاق صحیح نہیں تو دعائے مخصوص (صلوٰۃ) کے ساتھ بھی الحاق صحیح نہیں۔

2۔ صلوٰۃ پر دعا کا قیاس صحیح نہیں جیسے رسول پر غیر کا قیاس۔

3۔ صلوٰۃ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مشروع ہے وہ صرف دعا ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے کہ وہ دعا سے بڑھ کر خصوصیت رکھتی ہے، کیونکہ صلوٰۃ آپ کی تعظیم و تمجید اور ثناء پر ضامن ہے۔

ملائکہ کا روح مومن پر صلوۃ......اس دلیل کا جواب: رہی ساتویں دلیل یعنی ملائکہ کا روح مومن کو صلی اللہ علیک کہنا۔ یہ محل نزاع سے تعلق نہیں رکھتا۔ بحث یہ ہے کہ ہم کو غیر نبی پر صلوٰۃ جائز ہے یا نہیں۔ رہے فرشتے وہ احکام تکلیف بشریٰ کے تحت میں نہیں، نہ اعمال میں نہ افعال میں، کیونکہ کجا احکام ملک اور کجا احکام بشر۔ فرشتے تو اللہ کے رسول (پیغام رساں) اس کے خلق و امر میں ہیں اور اسی کے حکم سے تصرف کرتے ہیں۔ اسی تقریر سے ہر ایک دلیل کا جواب آ گیا جس میں فرشتوں کی صلوٰۃ کا ذکر ہے۔

مومن ومعلم پر اللہ کی صلوۃ......جواب: رہا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ مومنین اور معلم خیر پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ یہ بھی مقام بحث کے خلاف ہے، کیونکہ بندہ کے فعل کا قیاس پروردگار کے فعل پر کیوں کر ہو سکتا ہے۔؟ بندہ کی صلوٰۃ تو بمعنی دعا و طلب ہے اور اللہ کی صلوٰۃ بمعنی اکرام اور محبت و ثناء، پس کہاں وہ صلوٰۃ اور کہاں یہ۔

نبی کریم کا صحابہ پر صلوۃ......دلیل کا جواب: رہی یہ دلیل جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ پر صلوٰۃ فرمائی ہے۔ اس کا جواب چند وجوہ سے یہ ہے:

1۔ صحت حدیث کا ہم کو علم نہیں اور نہ اس کی اسناد بیان کی گئی ہے، جسے ہم دیکھ لیتے۔
2۔ یہ مرسل ہے۔
3۔ مقام بحث کے خلاف ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو تو اختیار ہے مگر ہم کو ایسا اختیار نہیں۔

حضرت ابن عمر کا فعل...... دلیل کا جواب: رہی گیارھویں دلیل کہ حضرت ابن عمر روضہ منورہ پر کھڑے ہو کر نبی اکرم ﷺ اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر صلوٰۃ پڑھتے۔ اس کا جواب چند وجوہ سے یہ ہے:

1۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ اس روایت میں علماء نے یحییٰ بن یحییٰ اور ان کے اتباع پر انکار کیا ہے۔ امام مالک کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمر نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ پڑھتے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر دعا کرتے۔
ابن قاسم و قعنبی و ابن بکیر وغیرہ نے مالک سے اسی طرح روایت کی ہے اور موطا ابن وہب میں بھی اسی طرح ہے۔
دیکھو! اگر صلوٰۃ بمعنی دعا ہوتا ہے تو نبی اکرم ﷺ کے لئے لفظ صلوٰۃ اور شیخین کے لئے لفظ دعا کی تفریق کی ضرورت نہ تھی۔

2۔ قاعدہ ہے کہ جب دو فعل ایک جگہ لاتے ہیں تو ان کے لئے ایک لفظ پر اکتفا کیا جاتا ہے، گو وہ لفظ پہلے پر ٹھیک نہ آتا ہو۔ مثلاً: آب و دانہ کھلایا۔ تلوار و نیزہ لٹکایا۔ آنکھوں اور ابروؤں کو درست و ہموار بنایا، ایسی مثالیں جن میں یہی قاعدہ رکھا گیا ہے اور چونکہ ایک فعل دوسرے فعل سے جنس عام میں موافق تھا، اس لئے ایک لفظ پر ہی اکتفاء کی گئی۔

3۔ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس روایت کے مخالف ہے۔

ازواج پر اطلاق صلوۃ...... دلیل کا جواب: رہی دلیل بارہویں کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر اطلاق صلوٰۃ ہوا ہے، یہ بالکل فاسد ہے، کیونکہ ازواج آل کے اندر داخل ہیں۔ یہ نبی اکرم ﷺ کا خاصہ ہے کہ آپ کی اہل بیت اور ازواج اس بارے میں نبی کریم ﷺ کے تابع ہیں۔ رہا یہ اعتراض کہ ہم ازواج پر صدقہ کا حرام ہونا نہیں مانتے۔ سو اس کا یہ جواب ہے کہ گو ازواج کا اس آل میں سے ہونا ثابت نہیں جن پر صدقہ حرام ہے، کیونکہ ان کو خون کی قرابت حاصل نہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ازواج اہل بیت میں ضرور داخل ہیں جو مستحق صلوٰۃ ہیں اور ان ہر دو امور میں کوئی تضاد نہیں۔

تبعیت میں دوسروں پر صلوۃ جائز ھے...... دلیل کا جواب: رہی یہ دلیل کہ نبی کریم ﷺ کی تبعیت میں دوسرے پر صلوٰۃ جائز ہے اور اس جواز پر سب کا اتفاق ہے۔ اس کا جواب دو وجوہات سے یہ ہے:

1۔ اس اتفاق کی صحت معلوم نہیں اور یہ تفصیل گو بعض نے کی ہے مگر سب کا قول نہیں بلکہ منع کرنے والوں نے تو مفرد اور تابع دونوں صورتوں میں منع کیا ہے۔

2۔ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ اگر تبعیت میں جواز ہے تو مستقل اور مفرد حالت میں بھی ہے۔ رہا احادیث صحیحہ کا حوالہ سو صحیح حدیثوں میں تو نبی اکرم ﷺ اور آل و ازواج کے سوا کسی پر صلوٰۃ کا ذکر نہیں، نہ اصحاب کا ذکر ہے، نہ اتباع کا۔ رہا تشہد کا حوالہ، اس میں صلوٰۃ بر غیر کا حکم کہاں ہے۔؟

رہی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دعا اور اس میں استثناء۔ سو اس حدیث میں ابوبکر بن ابی مریم ہے۔ امام احمد، ابن معین، ابوحاتم، نسائی، سعدی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

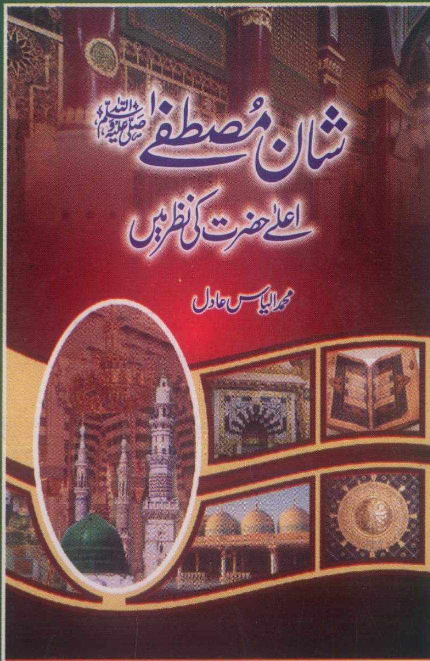
ابن حبان کا قول ہے:

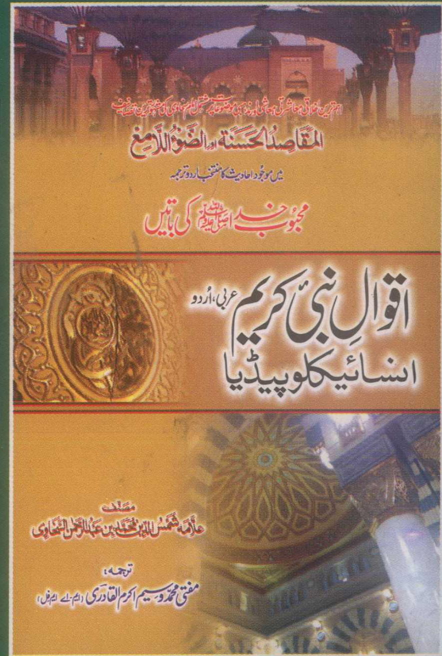
''وہ اہل شام کے نیک بندوں میں سے تھا، لیکن حافظہ خراب تھا۔ ایسی ایسی باتیں روایت کرتا ہے جن پر تہمت لگائی جائے۔ جب یہ امر بکثرت پایا گیا تو مستحق ترک ہوگیا۔''

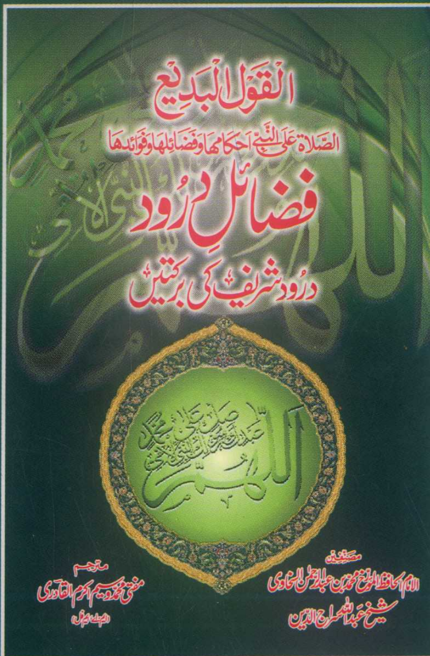
اس مسئلہ میں یہ ہے کہ صلوٰۃ میں نبی اکرم ﷺ کے سوا یا تو آل و ازواج و ذریت ہیں یا ان کے سوا۔ آل و ازواج اور ذریت پر مشروع تو نبی اکرم ﷺ کی تبعیت میں ہے اور مفرد (فقط آل) پر جائز ہے۔ رہے ان کے سوا اگر ملائکہ ہیں یا عام طور پر اہل طاعت ہیں (جس میں انبیاء بھی شامل ہو سکتے ہیں اور غیر بھی) تب جائز ہے، اسی لئے ((اللهم صل علی ملائكتك المقربين واهل طاعتك اجمعين)) کہنا جائز ہے، لیکن اگر کسی شخص یا کسی گروہ کو معین کر دیا جائے تب مکروہ ہے اور اگر صلوٰۃ کو کسی کے لئے شعار بنا دیا جائے کہ کبھی ترک ہی نہ کیا جائے تو اس صورت میں حرام کہنے کے لئے وجہ موجود ہوگی اور اس وقت ترک کرنا ضروری ہو جائے گا، لیکن اگر شعار نہ بنایا جائے اور کبھی کبھار اطلاق کیا جائے تب کچھ ڈر نہیں۔ اس تفصیل سے تمام دلائل میں تطبیق ہو سکتی ہے اور پھر وجہ صواب منکشف ہو جاتی ہے۔

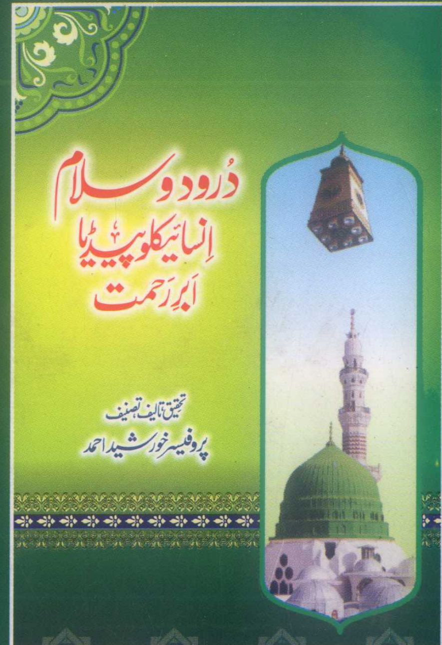
((اللهم انك عفو كريم تحب العفو فاعف عنا ياغفور اللهم انت ولى فى الدنيا والاخرة توفنى مسلما والحقنى بالصالحين لااله الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين رب اوزعنى ان اشكر نعمتك التي انعمت علي وعلى والدي وان اعمل صالحا ترضاه اصلح لي في ذريتي اني تبت اليك واني من المسلمين اللهم انا نسئلك ايمانا كاملا ويقينا صادقا وقلباصالحا خاشعا وشفاء كاملا ورزقا حلالا طيبا طاهرا وخاتمت على الايمان وعملا متقبلا وتوبة قبل الموت وراحة عند الموت ورحمة ومغفرة بعد الموت والعفو عندالحساب والفوز بالجنة والنجاة من النار ياعزيز ياغفار يارب العالمين وصل الله تعالىٰ علىٰ محمد واله وصحبه وبارك وسلم صلوة وسلاما كثيرا دائما))

☆☆☆









مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور